اردو ترجمہ
الفقہ الاسلامی وأدلتہ
دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے
www.KitaboSunnat.com
مؤلف
الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی
رکن مجمع الفقہ الاسلامی
دارالاشاعت
اردو بازار کراچی پاکستان

اُردو ترجمہ

اَلفِقہُ الاسلامی وَأدِلَّتُہُ

دور حاضر کے فقہی مسائل، ادلّہ شرعیہ، مذاہب اربعہ کے فقہا کی آراء
اور اہم فقہی نظریات پر مشتمل دور جدید کے عین تقاضوں کے مطابق مرتب کردہ
ایک علمی ذخیرہ جس میں احادیث کی تحقیق وتخریج بھی شامل ہے

حصہ دہم

باب حقوق الاولاد
بابُ الوصایا، بابُ الوقف، بابُ المیراث

مؤلف

الاستاذ الدکتور وھبۃ الزحیلی رکن مجمع الفقہ الاسلامی

مترجم

مولانا عامر شہزاد صاحب
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

اصطلاحات

نسب.....اولاد کا باپ کے ساتھ ایسا پاکیزہ رشتہ جس سے باپ کے ساتھ اولاد کی جزئیت ثابت ہو۔

رضاعت.....بچے کا دو سال کی عمر میں عورت کے پستانوں سے دودھ پینا۔

رضیع.....دودھ پینے والا بچہ۔

مرضع (مرضعہ).....دودھ پلانے والی عورت۔

رضاعی.....ایسا شخص جس سے ددھیالی رشتہ ہو۔

حضانت.....بچے کی پرورش۔

حاضنہ.....پرورش کرنے والی عورت (دایہ)

محضون.....پروردہ بچہ۔

نفقہ.....خرچہ۔

منفق.....خرچہ دینے والا۔

منفق علیہ.....جس پر خرچہ کیا جائے۔

نشوز.....بیوی کا نافرمان ہو جانا۔

ناشزہ.....نافرمان بیوی۔

تمکین.....عورت کا اپنے خاوند کو اپنے نفس پر قدرت دینا۔

حواشی.....حاشیہ بردار یعنی چچازاد بھائی وغیرہ۔

وصیت.....کسی کو اپنی مملوکہ چیز کا موت کے بعد مالک بنانا۔

موصی.....وصیت کنندہ (میت، مورث)

موصیٰ لہ.....جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو۔

موصیٰ بہ.....وصیت کردہ چیز۔

وصی.....ایسا شخص جسے وصیت کنندہ نفاذِ، وصیت کے سلسلہ میں اپنا قائم مقام بنا جائے۔ (نائب، وکیل، قائم مقام)

تبرع.....بلاعوض مال کسی کو دے دینا۔

وقف.....کارِ خیر میں کسی چیز کے منافع بلاعوض دے دینا۔

واقف.....وقف کرنے والا۔

موقوف لہ.....جس کے حق میں منافع وقف کئے گئے ہوں۔

موقوف.....وہ چیز جسے وقف کیا گیا ہو۔

میراث......میت کا ترکہ۔

وارث......میت کا رشتہ دار جو میت کا ترکہ لیتا ہے۔ مستحقِ وراثت/ وراثت دار

مورث......میت جو وراثت میں مال چھوڑے۔

ترکہ......میت کا اپنے پیچھے چھوڑا ہوا مال۔

ورثہ، ورثاء......وارث کی جمع ہے۔

اصحاب الفروض......ایسے ورثہ جن کے حصے شریعت نے مقرر کر دیئے ہیں۔

عصبہ......وہ قرابت دار جس کا حصہ مقرر نہ ہو ذوی الفروض کو ترکہ دینے کے بعد جو بچ رہے اسے مل جائے۔ (ایسے رشتہ دار جو گوشت پوست میں شریک ہوں)۔

حجب......احکام میراث میں ایک وارث کے ہوتے ہوئے دوسرے کا محروم ہو جانا جیسے بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتا محروم ہوتا ہے بیٹا حاجب ہے اور پوتا محجوب۔

عول......لفظی معنی ظلم وزیادتی ہے اصطلاح میں اصل مسئلہ میں مجموعی حصوں سے زائد ہو جانا۔

ردّ......ذوی الفروض کو ترکہ دینے کے بعد جو بچ جائے اسے دوبارہ ذوی الفروض (زوجین کے علاوہ) پر تقسیم کرنا۔

ذوی الارحام......ایسے قرابتدار جن کی رشتہ داری میں کسی عورت کا واسطہ آتا ہو۔

تیسرا باب......اولاد کے حقوق

یہ باب پانچ فصول پر مشتمل ہے:

اول......نسب　　　　دوم......رضاعت

سوم......حضانت (اولاد کی پرورش)　　　　چہارم......ولایت (سرپرستی)

پنجم......اخراجات (اولاد اور بیوی کے اخراجات)

اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان قوی بنیادوں پر اسی وقت استوار رہ سکتا ہے جب اولاد کا نسب ثابت ہو جب اولاد کا نسب ثابت ہوگا تو اولاد ضائع ہونے سے محفوظ رہے گی اور بچپن میں اولاد ناتوانی اور کمسنی کی وجہ سے دوسروں کی محتاج ہوتی ہے اور ماں کا دودھ بچے کی اولین خوراک ہوتا ہے جسے اصطلاح میں رضاعت سے تعبیر کیا جاتا ہے تاہم رضاعت کا دارومدار ثبوت نسب پر ہے نیز اولاد (بچوں) کا اگر مال ہو تو لامحالہ اس کی حفاظت ضروری ہے جب کہ بچے حفاظت سے قاصر ہوتے ہیں لہٰذا مال کی حفاظت اور اسے سرمایہ کاری میں لگانے کے لئے کسی محافظ کی ضرورت ہوتی ہے اولاد کی تعلیم وتربیت نہایت اہم فریضہ ہے اسے تبھی پورا کیا جاسکتا ہے جب اولاد کا نسب ثابت ہو چنانچہ باپ ہی اس ذمہ داری کو نبھا سکتا ہے بھلا غیروں کو کسی کی اولاد سے کیا غرض چنانچہ ولایت، حضانت، تربیت، رضاعت اور نسب سارے امور باہم مربوط ہیں۔

پہلی فصل: نسب......یہ فصل ایک تمہید اور دو مباحث پر مشتمل ہے اول ثبوت نسب کے اسباب دوم ثبوت نسب کے مختلف طریقے۔

تمہید......شریعت مطہرہ میں نسب کو زبردست اہمیت حاصل ہے اور غیر مشروع طریقہ پر لے پالکی اور الحاق کو حرام قرار دیا ہے۔

چنانچہ نسب خاندانی بنیادوں کی قوی تر بنیاد ہے ایک خاندان کے افراد کا دارومدار نسب پر ہے اور اسی پر خونی اکائی اور جزئیت وبعضیت کے ثمرات کا قیام ہوتا ہے چنانچہ مولود (بچہ) باپ کا جزو ہوتا ہے اور باپ اولاد کا بعض (حصہ) ہوتا ہے دراصل نسب ایسی خاندانی نس ہے جو انقطاع سے پاک ہوتی ہے نسب اللہ تعالیٰ کی نہایت عظیم نعمت ہے جو انسان کے ساتھ مخصوص ہے اگر نسب کا اعتبار وجود نہ ہوتا تو خاندانی قدروں کی عمارت دھڑام سے گر کر تباہ ہو جاتی خاندانی ثمرات تباہ ہو جاتے معاشرے کے افراد کے درمیان مہر ومحبت اور الفت باقی نہ رہتی، اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے انسان پر نسب کا احسان جتلایا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝ الفرقان ۲۵/۵۴

”اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا پھر اسی کو نسبی اور سسرالی رشتے عطا کئے اور تمہارا پروردگار بڑا قدرت والا ہے۔“

گویا نسب شریعت کے پانچ مقاصد میں سے ایک ہے۔

شریعت نے آباء کو اولاد کے نسب سے انکار کرنے سے منع کیا ہے اور غیر باپ کی طرف اولاد کے منسوب کرنے کو عورتوں پر حرام قرار دیا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو عورت بھی کسی قوم میں ایسے بچے کو لائی جو ان میں سے نہ ہو (یعنی ولد زنا ہو) وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی درجہ میں نہیں اللہ اس عورت کو جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جس شخص نے بھی اپنے بچے کا انکار کیا جب کہ وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہو اللہ اس سے حجاب کر لے گا اور روز قیامت اولین وآخرین (سبھی لوگوں کے سامنے) سرعام اسے رسوا وذلیل

کرے گا[1] شریعت نے اولاد کو بھی غیر باپ کی طرف منسوب کرنے سے منع کیا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنے آپ کو باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا حالانکہ اسے حقیقت کا علم بھی ہو تو اس پر جنت حرام ہے[2] ایک اور حدیث ہے جس شخص نے اپنے آپ کو غیر باپ کی طرف منسوب کیا یا آزاد کردہ غلام نے حق ولاء کی نسبت کسی غیر کی طرف کر دی تو روز قیامت تک لگا تار اس پر اللہ کی لعنت ہے۔[3]

لے پالکی...... زمانہ جاہلیت اور صدر اسلام میں لے پالکی (بچہ جھول لینا) کا رواج تھا۔ اسلام نے اسے کالعدم قرار دیا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نبوت سے پہلے حضرت زید بن حارثہ کو متبنی (منہ بولا بیٹا یا لے پالک) بنالیا تھا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا جاتا تھا، حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ ......الاحزاب ۳۳/۴-۵

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارے حقیقی بیٹے نہیں بنایا یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں، اللہ حق کہتا ہے اور سیدھی راہ دکھاتا ہے لے پالکوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ یہ طریقہ اللہ کے ہاں انصاف پسند ہے اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ اہل تفسیر کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے ائمہ حدیث نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ہم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے حتیٰ کہ سورت احزاب کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

چنانچہ مذکورہ آیت کے مطابق عین عدل یہی ہے کہ بیٹے کو حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے اسلام دین حق اور دین عدل ہے چنانچہ اجنبی فرد اگر کسی خاندان کا حصہ بن جائے تو وہ اخلاق واطوار اور دینداری میں اس خاندان کے رنگ میں نہیں رنگا جاتا بسا اوقات اس سے بڑے بڑے فساد اور برائیاں جنم لیتی ہیں کیونکہ وہ فرد اجنبی ہوتا ہے چنانچہ جو شخص کسی گرے پڑے بچے کو یا مجہول النسب بچے کو اپنا بیٹا بنالیتا ہے اور وہ اس کے حقیقی بیٹا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا تو وہ اس کا حقیقی بیٹا نہیں بن جاتا اور ان دونوں کے درمیان وراثت نہیں چلے گی حرمت قرابت کے احکام بھی نہیں چلیں گے جس شخص کا باپ مشہور معروف ہو وہ اسی کی طرف منسوب ہوگا اور جس کا باپ مجہول نامعلوم ہو وہ دینی بھائی اور مسلمانوں کا دوست ہے یہ قرآنی قانون اس لیے ہے تا کہ حقائق میں تغیر نہ آئے آباء کے حقوق محفوظ رہیں اولاد ضائع نہ ہونے پائے خاندانی اکائی متاثر نہ ہو۔ چنانچہ کتنے منہ بولے بیٹے ہیں جنھوں نے خاندانوں کو تباہ کر دیا زوجین کی عزت ومال پر ہاتھ اٹھایا۔

لیکن اسلام لقطہ (گرے پڑے بچے) کی تعلیم وتربیت سے منع نہیں کرتا بلکہ اسے کار خیر قرار دیتا ہے اور پھر اسلام لقیط پر بعد از بلوغ تمام اخلاقی قوانین لاگو کرتا ہے تاہم وسیع پیمانے پر لقیط کے لیے احسانات کے دروازے کھول دینے کو اسلام ممنوع قرار دیتا ہے جب کہ لقیط کی پرورش فی نفسہ کار خیر ہے ایک انسانی جان کو ہلاکت سے بچانا ہے اور جس نے کسی انسانی جان کو زندہ کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو زندہ کیا۔

---

[1] ......رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم عن ابی ہریرۃ وھو صحیح۔ [2] رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ عن سعد بن ابی وقاص وابی بکرہ وھو صحیح۔ [3] رواہ ابوداؤد عن انس۔

ماں کی طرف سے اولاد کا نسب ہر حال میں ثابت ہوتا ہے خواہ ولادت شرعی ہو یا غیر شرعی جبکہ باپ کی طرف سے اولاد کا نسب نکاح صحیح یا فاسد یا وطی بشبہ یا اقرار سے ثابت ہوتا ہے جاہلیت میں زنا کے طریقہ سے الحاق اولاد کا جو نظام تھا اسلام نے اسے باطل قرار دیا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کے حصہ میں پتھر ہوتے ہیں (1) حدیث کا معنی ہے کہ اولاد کا الحاق اسی باپ سے ہوتا ہے جس کے لیے زوجیت صحیحہ ثابت ہو جب کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زانی تو رجم کا مستحق ہوتا ہے۔

حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اولاد کا باپ کے ساتھ تبھی الحاق ہوگا جب فراش کا ثبوت ہو جائے اور فراش تبھی ثابت ہوتا ہے جب نکاح صحیح یا فاسد کے تحت صحبت ہو یہ جمہور فقہاء کی رائے ہے جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ محض عقد نکاح سے فراش ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ مظنہ فراش کافی ہے۔ (2)

پہلی بحث: ثبوت نسب کے اسباب:

ثبوت نسب کے اسباب بیان کرنے سے پہلے تین امور کی وضاحت ضروری ہے۔

اول...... مدت حمل۔

دوم...... ولادت میں اختلاف اور مولود کی تعین۔

سوم...... قیافہ کے ذریعے بچے کے نسب کا اثبات۔

مدت حمل...... حمل کا نسب تبھی ثابت ہو سکتا ہے جب وہ اتنی مدت میں وضع ہو کہ وہ مدت حمل کا احتمال رکھتی ہو عدت میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

حمل کی کم از کم مدت...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے (3) کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے یہ چھ ماہ جمہور کے نزدیک صحبت یا امکان صحبت کے وقت سے شمار ہوں گے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد نکاح سے شمار ہوں گے کیونکہ عقد نکاح سے فراش پائے ثبوت کو پہنچ جاتا ہے جب کہ جمہور کے نزدیک امکان وطی سے فراش ثابت ہوتا ہے۔

کم از کم مدت حمل کی دلیل دو قرآنی آیات کا مجموعہ ہے وہ یہ ہیں:

وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ...... الاحقاف ۴۶/ ۱۵

اور اس کو اٹھائے رکھنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) مہینے ہوتی ہے۔

وفصاله فی عامين ...... لقمان ۳۱/ ۱۴

اور اس (بچے) کا دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں۔

پہلی آیت میں حمل اور فصال (دودھ چھڑانے) کی مدت تیس ماہ بیان کی گئی ہے دوسری آیت میں فصال کی مدت دو سال بیان کی گئی ہے چنانچہ تیس ماہ سے دو سال (۲۴/ ماہ) نکالے جائیں تو باقی چھ ماہ بچتے ہیں جو مدت حمل ہے نیز وقوعہ اور طب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

---

(1)...... رواه الجماعة الا الترمذي والجماعة احمد واصحاب الكتب الستة (نيل الاوطار ۶/ ۲۷۹) (2) نيل الاوطار ۶/ ۲۷۹ ومابعدها بداية المجتهد ۲/ ۳۵۲، البدائع ۳/ ۲۱۲ فتح القدير: ۳/ ۳۰۰۔ (3) بداية المجتهد ۲/ ۳۵۲

روایت ہے کہ ایک شخص نے شادی کر لی شادی کے بعد اس کی بیوی نے چھ ماہ کے عرصہ میں بچہ جنم دیا معاملہ حضرت عثمان کے پاس لایا گیا آپ رضی اللہ عنہ نے عوت کو رجم کرنے کا ارادہ کیا اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر میں کتاب اللہ کے ذریعہ تمہارے ساتھ مناظرہ کروں تو میں غالب رہوں گا۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وحمله وفصاله ثلاثون شهرًا، وفصا له فی عامین

دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ حمل کے چھ ماہ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی توجیہ پر عمل کیا اور عورت پر حد جاری نہیں کی۔ ❶

اکثر مدت حمل...... کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں ❷ مشہور اقوال مندرجہ ذیل ہیں۔

۱.....حنفیہ کی رائے ہے کہ اکثر مدت حمل دو سال ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حمل اپنی ماں کے رحم میں دو سال سے زائد عرصہ نہیں رہ سکتا چرنے کے نکلے برابر بھی نہیں۔ ❸

چنانچہ خاوند کی وفات یا اس کے طلاق دینے کے بعد بیوہ یا مطلقہ کو دو سال کے عرصہ میں بچہ پیدا ہو تو اس کا نسب اپنے باپ (طلاق دہندہ یا میت) سے ثابت ہوگا۔

۲.....شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ حمل کی اکثر مدت چار سال ہے کیونکہ جس مسئلہ میں نص موجود نہ ہو تو اس کے وجود و وقوع کی طرف رجوع کیا جائے گا چنانچہ حمل چار سال تک پایا جاتا ہے کیونکہ بنی عجلان کی بعض عورتیں چار چار سال تک حاملہ رہی ہیں۔

چنانچہ عورت طلاق یا خاوند کی وفات کے بعد چار سال کی مدت کے اندر بچہ جنم دے جب کہ اس عرصہ میں اس نے دوسری شادی نہ کی ہو اور نہ ہی اس کے ساتھ صحبت کی گئی ہو اور نہ ہی حیض کے حساب سے اس کی مدت گزری ہو تو پیدا ہونے والے بچے کا نسب اس عورت کے خاوند سے ثابت ہو جائے گا اور اس کی عدت اس حمل کو جنم دینے سے گزر جائے گی۔

اگر عورت طلاق یا خاوند کی وفات یا فسخ نکاح کے چار سال گزرنے کے بعد بچہ لائی یا طلاق رجعی کی صورت میں عدت گزرنے کے بعد لائی تو بچے کا اس عورت کے خاوند کے ساتھ الحاق نہیں ہوگا کیونکہ بالیقین اس حمل کا لعوق نکاح زائل ہونے کے بعد ہوا ہے۔

۳..... مالکیہ (کا مشہور قول) لیث بن سعد اور عباد بن عوام کے نزدیک حمل کی اکثر مدت پانچ سال ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مجھے خبر پہنچی ہے کہ ایک عورت سات سال تک حاملہ رہی۔

۴..... مالکیہ میں سے محمد بن عبد الحکم کی رائے ہے کہ ایک قمری سال اکثر مدت حمل ہے۔

۵.....حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابن حزم ظاہری کی رائے ہے کہ نو قمری مہینے اکثر مدت حمل ہے پہلے تین اقوال میں عورت کے پھولے ہوئے پیٹ کو علامت حمل ہونے کی رعایت کی گئی ہے چنانچہ ابن رشد کہتے ہیں:

یہ مسئلہ عادت اور تجربہ کی طرف راجع ہوتا ہے تاہم ابن عبد الحکم اور ظاہریہ کا قول عادت کے زیادہ قریب ہے اور معتاد پر حکم کا لگانا واجب ہے نادر پر حکم نہیں ہوتا یہ تو محال ہے۔

قوانین میں شمسی سال یعنی ۳۶۵ ایام اطباء کی رائے کے مطابق اکثر مدت حمل رکھی گئی ہے چنانچہ سوریا کے قانون دفعہ ۱۲۸ میں ہے کہ اقل مدت حمل ۱۸۰ اور اکثر مدت حمل ایک شمسی سال ہے مالکیہ نے ایام کے اعتبار سے اقل مدت حمل ۱۷۵ ایام قرار دیئے ہیں

---

❶.....البدائع ۳/۲۱۱ (۲) الدر المختار ۲/۸۵۷) فتح القدیر ۳/۳۱۰ الکتاب مع اللباب ۳/۸۷ بدایۃ المجتہد ۲/۳۵۲ مغنی المحتاج ۳/۳۹۰ المغنی ۷/۴۷۷ المحلی ۱۰/۳۸۵۔ ❸ رواہ الدارقطنی والبیھقی فی سننھما۔

چونکہ بعض مہینے ۲۹ ایام کے بھی ہوتے ہیں اس لئے ۱۷۵ ایام چھ ماں کے ہوئے مصری قانون میں دفعہ ۱۵ مجریہ ۱۹۲۹ کے تحت ہے عقد کے بعد زوجین کا عدم ملاپ ثابت ہو تو دعویٰ نسب قابل سماعت نہیں ہوگا، اگر خاوند کے غائب رہتے ہوئے عورت ایک سال کے بعد بچہ لائے یا مطلقہ یا متوفی عنہا طلاق وخاوند کی وفات کے ایک سال بعد بچہ لائے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔

تیونس اور دیگر عربی مغربی ممالک میں بھی اسی قانون کو اختیار کیا گیا ہے۔

ولادت اور تعین مولود میں زوجین کا اختلاف..... بسا اوقات عدت میں بیٹھی عورت کے بچہ جنم دینے میں اختلاف ہو جاتا ہے یا پیدا ہونے والے بچے (مولود) کی تعین میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ ❶

معتدہ کی ولادت میں اختلاف..... اس کا حاصل یہ ہے کہ معتدہ عرصہ عدت میں جس میں نسب ثابت ہو سکتا ہو بچہ جنم دینے کا دعویٰ کرے جبکہ خاوند انکار کرتا ہو اور کہتا ہو: اس نے بچا جنم نہیں دیا اور یہ بچا تو لقیط گرا (پڑا) ہے چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ دو مرد بچے کی پیدائش پر گواہی دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کیونکہ عدت عورت کے وضع حمل کے اقرار سے گذر چکی اب حاجت اثبات نسب کی ہے اور نسب صحبت کاملہ سے ثابت ہوتا ہے صاحبین کہتے ہیں: نسب ایک عورت کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے چونکہ فراش کا معنی ہے عورت کا خاوند کے نطفہ کی تعین کرنا بایں طور کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت ہو جائے، تاہم فراش عدت کے قائم رہنے سے قائم رہتا ہے اور فراش کے قیام سے نسب لازم ہو جاتا ہے لہٰذا اثبات نسب کی حاجت نہیں ہوتی، حاجت تو بچے کی تعین کی ہوتی ہے اور تعین ایک عورت کی گواہی سے بھی حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ نکاح کے ہوتے ہوئے یا حمل کے ظاہر ہونے کی صورت میں یا خاوند کے اقرار کی صورت میں ہوتا ہے مصر کی عدالتوں میں اسی پر عمل ہو رہا ہے چونکہ جب تک عورت عدت میں رہتی ہے نسب کے ثبوت کا سبب بدستور قائم رہتا ہے۔

اتفاقی صورتیں..... امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا ان صورتوں پر اتفاق ہے کہ اگر حمل ظاہر ہو یا خاوند بچے کا یا حمل کا اعتراف کرتا ہو یا نکاح قائم ہو تو خاوند سے بچے کا نسب بغیر گواہی کے ثابت ہو جائے گا اور ولادت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا۔

تعیین ولادت میں زوجین کا اختلاف..... اس کا حاصل یہ ہے کہ خاوند ولادت کا اعتراف کرتا ہو لیکن وہ مولود شخص کا انکار کرتا ہو اور کہتا ہو میری بیوی نے تو لڑکی جنم دی ہے جب کہ یہ تو لڑکا ہے تو حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق ایک عورت کی گواہی سے بچے کی تعین ہو جائے گی حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے چنانچہ دار قطنی نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیا (دائی) کی گواہی کو معتبر قرار دیا ہے نیز ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے زہری سے روایت نقل کی ہے: یہ طریقہ قائم رہا ہے کہ عورتوں کے پوشیدہ معاملات ولادت اور عیوب وغیرھا جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے ان میں عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ ❷

مالکیہ..... کہتے ہیں ولادت کی تعین دو عورتوں کی گواہی سے ہوگی۔

شافعیہ..... کی رائے ہے کہ عورتوں کے معاملات میں چار سے کم عورتیں کافی نہیں ہوتیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرد کی گواہی کی بجائے دو عورتوں کی گواہی رکھی ہے لہٰذا چار عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

---

❶..... فتح القدير ۳/۳۰۲۔ ۳۰۹۔ ❷ نصب الراية ۳/۲۶۴۔

قیافہ کے ذریعہ نسب کا اثبات......اگر معتدہ دوران عدت دوسرے شخص سے نکاح کرے پھر بچہ جنم دے جو دونوں کے نطفوں سے ہونے کا احتمال رکھتا ہے اب یہ بچہ کس کا بیٹا قرار دیا جائے گا؟

اسی طرح اگر گراپڑا کوئی بچہ ملے جس کے متعلق دو مرد یا تین مرد دعویٰ کرتے ہوں تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا کیا قیافہ کے ذریعہ ان دونوں صورتوں میں نسب ثابت کیا جا سکتا ہے۔

قیافہ کے معنی ہیں علامات اور آثار کے ذریعہ شناخت کرنا۔ اور جو شخص قیافہ کے ذریعہ شناخت کرسکتا ہو اور پہچاننے کی صلاحیت رکھتا ہو اس کو قائف (قیافہ شناس) کہا جاتا ہے قیافہ کے ذریعہ اثبات نسب کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔ ❶

حنفیہ کی رائے......اصل یہ ہے کہ بچے کے بارے میں دو جھگڑنے والوں میں سے کسی ایک کے حق میں بھی فیصلہ نہ کیا جائے الا یہ کہ فراش ثابت ہو ❷ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اگر فراش معدوم ہو یا دونوں دعویدار فراش میں مشترک ہوں تو بچہ دونوں کے درمیان ہوگا اور قیافہ شناس کے قول پر عمل نہیں کیا جائے گا بلکہ فیصلہ یہ کیا جائے گا کہ بچہ دونوں دعویداروں کا ہے۔

جمہور......کی رائے ہے کہ قیافہ پر فیصلہ کیا جائے گا ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے آپ کا چہرہ اقدس خوشی سے تمتمار ہا تھا آپ نے فرمایا: کیا تمہیں خبر نہیں کہ مجزز (مدلجی) نے زید بن حارثہ اور اسامہ بن زید کی طرف دیکھ کر کہا یہ پاؤں ایک دوسرے کا جزو (اور مشابہ) ہیں ❸ معلوم ہوا قیافہ شناس کے قول پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن خطاب، ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم نے قیافہ کے ذریعہ نسب کا اثبات کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جاہلیت کی اولاد کے متعلق جو شخص دعویٰ کرتا اس کے ساتھ ملحق کر دیتے تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دو شخص لائے گئے وہ دونوں ایک عورت کے بچے کے متعلق دعویٰ کر رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قیافہ شناس کو بلایا اس نے بچے کو بغور دیکھ کر کہا دونوں دعویدار اس میں برابر کے شریک ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے درہ مارا پھر آپ رضی اللہ عنہ اس عورت کو بلایا جس نے بچہ جنم دیا تھا اور اسی سے فرمایا: مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو عورت بولی: یہ بچہ دو مردوں میں سے ایک کا ہے چنانچہ ان دونوں میں سے ایک عورت کے خاندان کے اونٹوں میں آتا اور جب جاتا تو اس کے بارے میں گمان کیا جاتا (کہ اس نے عورت کے ساتھ وطی کی ہے) ہم سمجھے کہ حمل ٹھہر چکا ہے تاہم پھر اس عورت کو حیض آجاتا پھر دوسرا شخص اس کے ساتھ وطی کر لیتا سو اب مجھے معلوم نہیں کہ حیض کے بعد ان میں سے کون آتا تھا۔ قیافہ شناس نے عورت کا اظہار سن کر نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لڑکے سے فرمایا: ان دونوں دعویداروں میں سے جس کے ساتھ چاہو چلے جاؤ۔ ❹

جمہور کہتے ہیں......حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ہوا ہے اور اس پر کسی نے انکار نہیں کیا لہٰذا اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔

---

❶......بدایة المجتهد ۲/۳۵۲ المغنی ۷/۴۸۳ نیل الاوطار ۶/۲۸۲ ❷ فراش کا معنی زوجیت ہے۔ ❸ رواه الجماعة عن عائشة (نيل الاوطار ۶/۲۸۲.) ❹ رواه مالك عن سليمان بن يسار

باپ سے نسب ثابت ہونے کے اسباب...... ماں سے نسب ثابت ہونے کا سبب تو ولادت ہے خواہ شرعی ہو یا غیر شرعی، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ باپ سے نسب ثابت ہونے کے اسباب درج ذیل ہیں۔

ا...... نکاح صحیح ۔ ۲...... نکاح فاسد ۔ ۳...... وطی بشبہ

میں مذکورہ اسباب کو حسب ترتیب بالا ذکر کروں گا۔

اول، نکاح صحیح...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ شادی شدہ عورت جسکا نکاح صحیح ہو جو بچہ پیدا کر چکی اس کا نسب عورت کے خاوند سے ثابت ہوگا کیونکہ حدیث ہے کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے فراش سے مراد وہ عورت ہوتی ہے جسے نکاح کے بعد مرد اپنے پاس لے کر آتا ہے اور اس سے جنسی نفع حاصل کرتا ہے اور اس کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ (۱)

پہلی شرط...... یہ کہ خاوند ایسا ہو کہ عادۃ اس سے حمل ٹھہر سکتا ہو یعنی خاوند بالغ ہو مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک، جبکہ حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مراہق ہو حنفیہ کے نزدیک ۱۲ سال کا لڑکا مراہق ہوتا ہے اور حنابلہ کے نزدیک ۱۰ سال کا لڑکا مراہق ہے چنانچہ چھوٹے نابالغ لڑکے سے نسب ثابت نہیں ہوگا مالکیہ کے نزدیک مقطوع الذکر سے نسب ثابت نہیں ہوگا جب کہ خصی (جس کے فوطے نکال دیئے گئے ہوں) سے نسب کا ثبوت نہیں ہوتا، جبکہ خصی (جس کے فوطے نکال دیئے گئے ہوں) سے نسب کے ثبوت کے متعلق اس کی تحقیق ماہرین اطباء سے کرائی جائے گی اگر اطباء کہیں کہ اس میں حمل ٹھہرانے کی صلاحیت ہے تو بچے کا نسب اس سے ثابت ہوگا ورنہ ثابت نہیں ہوگا۔ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مجبوب یعنی جس کے فوطے باقی ہوں اور آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اور خصی یعنی جس کے فوطے نکال دیئے گئے ہوں اور آلہ تناسل باقی ہو (دونوں) سے نسب ثابت ہوگا جب کہ ممسوح یعنی جس کے فوطے بھی نکال دیئے گئے ہوں اور آلہ تناسل بھی کاٹ دیا گیا ہو سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری شرط...... حنفیہ کی رائے کے مطابق وقت نکاح کے بعد چھ ماہ پورے ہونے کے بعد بچہ پیدا ہو، جمہور کی رائے کے مطابق امکان وطی کے بعد چھ مہینے پورے ہونے پر بچہ پیدا ہوا گر ادنی مدت حمل یعنی چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچا پیدا ہوا تو بالاتفاق بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا بلکہ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے الا یہ کہ خاوند نسب کا دعویٰ کرتا ہو اس صورت میں یہی تصور کیا جائے گا کہ عورت عقد نکاح سے پہلے خاوند کے نطفہ سے حاملہ ہوئی ہے۔ یا تو اس عقد سے پہلے عقد کر رکھا تھا یا عقد فاسد کر رکھا تھا یا وطی بشبہ کی یہ تاویل اس لیے کی جائے گی تا کہ بچہ ضائع نہ ہو اور عزتیں محفوظ نہیں۔

تیسری شرط...... عقد کے بعد زوجین کی باہمی ملاقات کا امکان ہو یہ شرط متفق علیہ ہے اس تیسری شرط میں اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا امکان سے مراد تصور عقلی ہے یا امکان فعلی؟

حنفیہ...... کہتے ہیں: حق یہ ہے کہ تصور اور امکان عقلی شرط ہے، چنانچہ جب عملی طور پر زوجین کا آپس میں ملنا ممکن ہو جائے تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا بشرطیکہ عقد کے بعد چھ مہینے پورے ہونے پر بچہ جنم دے نسب ثابت ہو جائے گا اگر چہ حسی طور پر ملاقات ثابت نہ بھی ہو، چنانچہ مشرقی مرد نے مغربیہ عورت کے ساتھ نکاح کیا بظاہر وہ دونوں ایک سال تک آپس میں نہ ملے اور نکاح کے چھ ماہ کے بعد عورت نے بچہ جنم دیا تو بچہ ثابت النسب ہوگا کیونکہ زوجین کا آپس میں ملنا کرامت کے طور پر ممکن ہے جب کہ اولیاء کی

---

(۱)...... البدائع ۲۱۱/۳ الدر المختار ۲۵۸/۲ فتح القدیر ۳۰۱/۳ المغنی ۴۳۸/۷۔

کرامات حق ہیں۔ چنانچہ قلیل مدت میں بعید مسافت کراہت سے طے کی جاسکتی ہے۔لیکن میری رائے میں یہ کراماتی تعلیل عادۃ غیر مقبول ہے حنفیہ کی صحیح دلیل حدیث ہے کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے۔'' اگر چہ وطی اور دخول کا امکان ثابت نہ ہو۔اس میں بچے کے لئے احتیاط ہے وہ ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا اور عزت کا بھی پردہ رہے گا چنانچہ بچہ اس شخص کے ساتھ لاحق کیا جائے گا جس کے لئے زوجیت صحیحہ ثابت ہو، اگر خاوند کو یقین ہو کہ بچہ اس کا نہیں ہے تو وہ لعان کے ذریعہ اس کی نفی کرے۔

ائمہ ثلاثہ...... نے اس منطق کا اعتبار نہیں کیا، وہ کہتے ہیں ثبوت نسب کے لئے زوجین کی ملاقات کا بالفعل امکان یا حسی طور پر یا عادۃً امکان ہونا شرط ہے اور وطی دخول کا امکان،مکانِ فعلی ہے۔ چونکہ عقلی امکان نادر ہے اور ظاہری معاملات وعقود میں اس کا وقوع نہیں ہوتا جبکہ احکام کا دارومدار تو ظاہر ومشاہد پر رکھا جاتا ہے نہ کہ قلیل ونادر پر مظاہر مشاہد کا وقوع کثیر ہوتا ہے۔ اگر فعلی طور پر زوجین کی آپس میں ملاقات ثابت نہ ہو تو پیدا ہونے والے بچے کا نسب خاوند سے ثابت نہیں ہوگا، جیسے مثلاً کسی شخص کو جیل میں ڈال دیا گیا یا گھر سے دور رہا اور اس کی غیبوبت اکثر مدت حمل سے تجاوز کر گئی اور اس کی بیوی نے بچہ جنم دیا تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ قانون میں اسی رائے کو اپنایا گیا ہے اور یہی رائے قواعد شریعت وعقل سے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

اختلاف کا فائدہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بچے کی نفی صرف لعان سے کی جاتی ہے جب کہ جمہور کے نزدیک لعان کے بغیر بھی بچے کی نفی کی جاسکتی ہے جب کہ زوجین کا حسی وطیٔ پر ملاپ ناممکن ہو۔

اس سبب کے متعلق قانون کا موقف......سعودیہ کے قانون میں دفعہ ۱۲۹ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ:

۱...... ہر شادی شدہ عورت جو نکاح صحیح کے تحت ہو کا بچہ دو شرطوں کے ساتھ اس کے خاوند کی طرف منسوب ہوگا۔

الف...... یہ کہ عقد کو طے ہوئے اقل (کم از کم) مدت حمل گزاری ہو۔

ب...... یہ کہ حسی طور پر زوجین کی ملاقات ثابت ہو یعنی زوجین میں سے کوئی اکثر مدت حمل جیل میں نہ رہا ہو یا کسی دوسرے ملک میں مقیم نہ رہا ہو۔

۲...... اگر یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو بچہ عورت کے خاوند کی طرف منسوب ہوگا ورنہ نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ خاوند اس کا دعویٰ کرتا ہو۔

۳...... اگر یہ دونوں شرطیں مفقود ہوں تو خاوند سے مولود کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور خاوند کو لعان کرنا ہوگا۔

نکاح صحیح میں ہونے والی فرقت کے بعد ثبوت نسب......فرقت یا تو دخول سے قبل ہوگی یا دخول کے بعد ہوگی۔

الف......اگر خاوند اپنی بیوی کو دخول اور خلوت سے پہلے طلاق دے دے پھر طلاق کے بعد مطلقہ بچہ جنم دے اگر عورت طلاق کے بعد چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ لائے (یعنی جنم دے) تو طلاق دہندہ خاوند سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ یقینی طور پر عورت فرقت سے پہلے حاملہ ہوئی ہے اگر عورت طلاق کی تاریخ سے چھ ماہ سے زائد عرصہ میں بچہ جنم دے تو طلاق دہندہ خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ فرقت سے پہلے حمل ٹھہرنے کا یقین نہیں۔

ب...... اگر خاوند اپنی بیوی کو دخول یا خلوت کے بعد طلاق دے برابر ہے کہ طلاق رجعی ہو یا بائن ہو یا خاوند مر جائے۔

اگر عورت طلاق یا خاوند کی وفات کے بعد بچہ جنم دے تو مولود ثابت النسب ہوگا بشرطیکہ عورت طلاق یا وفات کے دن کے بعد اکثر مدت حمل کے اندر اندر بچہ جنم دے شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اکثر مدت حمل چار سال ہیں، حنفیہ کے نزدیک دو سال مالکیہ کے نزدیک

پانچ سال۔

اگر طلاق یا وفات کے دن کے بعد اکثر مدت حمل کے بعد عورت بچہ جنم دے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا یہ جمہور کی رائے ہے۔

جبکہ حنفیہ نے طلاق رجعی اور طلاق بائن میں فرق کیا ہے؟ تفصیل حسب ذیل ہے۔

الف..... اگر طلاق رجعی ہو اور عورت نے عدت پوری ہونے کا اقرار نہ کیا ہو تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ خواہ طلاق کی تاریخ کے بعد دو سال گزرنے پر بچہ جنم دے یا اس سے پہلے کیونکہ طلاق رجعی سے عورت خاوند پر حرام نہیں ہو جاتی عورت کے ساتھ جماع کرنا حلال ہوتا ہے اگر عورت عدت پوری ہونے کا اقرار کرے اور مدت بھی اتنی گزری ہو کہ عدت کا احتمال رکھتی ہو یعنی امام ابوحنفیہ کی رائے کے مطابق ساٹھ دن گزرے ہوں اور صاحبین کی رائے کے مطابق ۳۹ دن گزرے ہوں تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر مدت اقرار اور ولادت کے درمیان ہو جو چھ ماہ سے کم ہو تو نسب ثابت ہوگا چونکہ عورت کا جھوٹ واضح ہو جائے گا یا عدت گزرنے کے اقرار میں اس سے خطا ہوئی اگر مدت چھ ماہ سے زیادہ ہو تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔

ب..... اگر طلاق بائن ہو یا فرقت خاوند کی وفات کے سبب ہو اور عورت نے عدت گزرنے کا ارادہ نہ کیا ہو تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ عورت طلاق یا وفات کی تاریخ سے لے کر دو سال گزرنے سے پہلے بچہ جنم دے حنفیہ کے نزدیک اکثر مدت حمل دو سال ہے۔

اگر عورت عدت پوری ہونے کا اقرار کرے اور مدت بھی اس کا احتمال رکھتی ہو تو خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا الا یہ کہ عورت وقت اقرار سے چھ ماہ گزرنے سے پہلے بچہ جنم دے اور طلاق وولادت کے درمیان دو سال سے کم مدت ہو۔

قانون کا موقف.....سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۰، ۱۳۱ کے تحت حنفیہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔

دوم، نکاح فاسد.....اثبات نسب کے حوالے سے نکاح فاسد نکاح صحیح کے حکم میں ہے [1] چونکہ ثبوت نسب سے بچے کی زندگی محفوظ ہو جاتی ہے تاہم نکاح فاسد کی صورت میں ثبوت نسب کی تین شرائط ہیں۔

۱.....مرد ایسا ہو کہ اس سے حمل کا ٹھہرنا متصور ہو سکتا ہو یعنی مرد بالغ ہو یا مراحق ہو۔

۲.....دخول یا خلوت متحقق ہو اگر دخول یا خلوت متحقق نہ ہو تو نسب ثابت نہیں ہوگا نکاح فاسد میں خلوت کا حکم نکاح صحیح کی خلوت جیسا ہے۔

حنفیہ نے فقط دخول کی شرط لگائی ہے جبکہ ان کے نزدیک نکاح فاسد میں خلوت سے نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ نکاح فاسد میں وطی حلال نہیں ہوتی۔

۳..... مالکیہ کے نزدیک عورت تاریخ دخول یا تاریخ خلوت سے چھ ماہ کے بعد بچہ لائے، حنفیہ کے نزدیک تاریخ دخول سے چھ ماہ کے بعد بچہ لائے چنانچہ اگر عورت نے چھ ماہ گزرنے سے قبل بچہ جنم دیا چھ ماہ کا شمار دخول اور خلوت سے ہوگا تو بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا چونکہ یہ بچہ کسی اور مرد کے نطفہ سے ہوگا۔ اگر دخول وخلوت سے چھ ماہ سے زائد عرصہ میں عورت بچہ لائے تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔

مالکیہ کے ہاں یہ قاعدہ مقرر ہے کہ ہر وہ نکاح جس سے حد ٹل جائے اس میں پیدا ہونے والا بچہ واطی (صحبت کرنے والے) سے ثابت ہوگا اور اگر حد واجب ہوتی ہو تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ [2]

نکاح فاسد سے فرقت ہونے کے بعد ثبوت نسب کا وقت.....نکاح فاسد کے بعد مرد وعورت دونوں کے فیصلہ علیحدگی یا

---

[1] ..... الدر المختار ۲/۸۵۷ [2] القوانین الفقهية ۲۱۱۔

قاضی کی تفریق سے ہونے والی فرقت جو دخول یا خلوت کے بعد ہو پھر اس کے بعد عورت اکثر مدت حمل گزرنے سے قبل بچہ جنم دے مدت کا اعتبار فرقت کی تاریخ سے ہوگا تو مرد سے بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اگر اکثر مدت حمل گزرنے کے بعد عورت بچہ لائے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اکثر مدت حمل شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک چار سال ہے مالکیہ کے نزدیک پانچ سال اور حنفیہ کے نزدیک دوسال۔

سوم، وطی بشبہ...... وطی بشبہ سے مراد ایسا جنسی ربط واتصال ہے جو زنا کے علاوہ ہو اور نکاح صحیح یا فاسد کے ضمن میں بھی نہ ہو جیسے مثلاً کسی عورت کو زفاف کے لیے کسی مرد کے پاس بھیج دیا جائے وہ عورت اس مرد نے قبل ازیں دیکھی نہ ہو اور مرد سے کہا گیا ہو کہ یہ تمہاری بیوی ہے پھر یہ مرد اس عورت کے ساتھ صحبت کرلے یا مثلاً کوئی شخص کسی عورت کو اپنے بستر پر پائے اور اسے اپنی بیوی سمجھ کر صحبت کرلے یا کوئی شخص اپنی مطلقہ ثلاث سے وطی کرلے اور اس کا خیال ہو کہ اس سے وطی کرنا حلال ہے۔

مذکورہ صورتوں میں اگر عورت چھ ماہ گزرنے کے بعد بچہ لائے تو واطی سے بچے کا نسب ثابت ہوگا اگر چھ ماہ سے قبل بچہ لائی تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ یقین ہے کہ حمل اس سے پہلے کا ہے ہاں البتہ اگر واطی کا دعویٰ ہو تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ ❶

اگر مرد موطوءۃ بشبہ وہ عورت جس سے شبہ کی بنا پر وطی کی گئی ہو کو اپنے تئیں چھوڑ دے تو پیدا ہونے والے بچے کا نسب واطی سے ثابت ہو جائے گا جیسے کہ نکاح فاسد سے ہونے والی فرقت کے بعد ثابت ہوتا ہے۔

اگر بغیر کسی شبہ کے وطی ہو جائے تو وہ بلا شبہ زنا ہے اور زنا سے پیدا ہونے والے بچے کا نسب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حدیث میں ہے ولد صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں نیز زنا شرعاً ممنوع ہوتا ہے وہ نعمت کا سبب نہیں بن سکتا۔

قانون کا موقف...... سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۳ میں صراحت کی گئی ہے کہ:

۱...... موطوءۃ بشبہ اگر اقل مدت حمل اور اکثر مدت حمل کے درمیان بچہ پیدا کرے تو واطی سے اس بچے کا نسب ثابت ہوگا۔

۲...... جب بچے کا نسب ثابت ہو جائے خواہ نکاح فاسد کے ضمن میں یا شبہ کے ضمن میں تو اس ثبوت نسب پر قرابت کے نتائج اور اثرات مرتب ہوں گے۔

نسب کے اثرات...... جب بچے کا نسب ثابت ہو جائے خواہ نکاح فاسد کے ضمن میں یا کسی شبہ کی پاداش میں تو اس پر قرابت کے اثرات مرتب ہوں گے یہ بچہ محرمات کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا اس کا باپ بچے کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا بچہ باپ کا وارث ہوگا اور باپ اس کا وارث ہوگا وغیرہ ذالک۔

دوسری بحث...... اثبات نسب کے مختلف طریقے:

نسب تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ثابت ہوتا ہے۔ ❷

پہلا طریقہ، نکاح صحیح یا فاسد...... نکاح صحیح یا نکاح فاسد اثبات نسب کا سبب ہوتا ہے چنانچہ جب نکاح ہو خواہ نکاح فاسد ہی کیوں نہ ہو یا نکاح عرفی ہو نکاح عرفی وہ ہوتا ہے جس کا باقاعدہ سرکاری رجسٹر میں اندراج نہ ہو تو اس نکاح سے عورت کی جو اولاد بھی ہوگی اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

دوسرا طریقہ، نسب کا اقرار یا دعوائے نسب...... اقرار نسب کی دو صورتیں ہیں:

❶...... المغنی ۷/ ۴۳۱۔ ❷ البدائع ۳/ ۲۱۵، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/ ۴۱۲، ۴۱۴، الخرشی ۴/ ۳۱۶ مغنی المحتاج ۲/ ۲۵۹، المغنی ۵/ ۱۸۴۔

۱.....اقرار نفس مقر پر ہو۔ ۲.....اقرار غیر مقر پر محمول ہو۔

اقرار نفس مقر پر ہو.....اس کا حاصل یہ ہے کہ باپ اولاد کا اقرار کرتا ہو یا اولاد باپ کا اقرار کرتی ہو مثلاً یوں کہے: یہ میرا بیٹا ہے یا اولاد کہے: یہ میرا باپ ہے چنانچہ آدمی کا یہ اقرار صحیح ہوتا ہے اگر چہ مرض الموت ہی میں کیوں نہ ہوتا ہم اس کی چار شرائط ہیں ان میں سے اکثر متفق علیہ ہیں میں نے اقرار کی بحث میں ذکر کر دی ہیں تا ہم میں انھیں پھر دہراتا ہوں۔

۱..... یہ کہ جس بچے کا اقرار کیا جا رہا ہو وہ مجہول النسب ہو اگر وہ بچہ کسی اور شخص سے معروف النسب ہو تو یہ اقرار باطل ہوگا چونکہ شریعت نے معروف باپ سے اس بچے کا نسب ثابت کر دیا ہے اور جب ایک شخص کا باپ سے نسب ثابت ہو تو اس کا نسب منتقل نہیں ہوتا۔

چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو غیر باپ کی طرف منسوب ہو۔

حنفیہ کے نزدیک مجہول النسب وہ ہے جو جس شہر میں پیدا ہوا ہو اس میں اس کا باپ نامعلوم ہو آج کل مواصلاتی نظام کے پیش نظر اس میں سہولت ہے۔

علماء نے لعان کی صورت میں پیدا ہونے والے بچے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ لعان کرنے والے شخص کے علاوہ کسی اور سے اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا چونکہ یہ احتمال برقرار رہتا ہے کہ ملاعن اپنی تکذیب کر دے۔

۲..... یہ کہ حس ثبوت نسب کی تصدیق کرتی ہو یعنی جس آدمی کے بیٹے کا اقرار کیا جا رہا ہو وہ عمر کے اعتبار سے اتنا ہو کہ مقر عقلاً اس کا باپ بن سکتا ہو بالفاظ دیگر مقر بہ مقر سے عمر میں بڑا نہ ہو چنانچہ اگر بیس سالہ شخص نے دس سالہ لڑکے کے بارے میں کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے حنفیہ کے نزدیک یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا چونکہ بارہ سال سے پہلے لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر مقر کے ساتھ کوئی دوسرا شخص بھی اقرار کر رہا ہو تو مقر بہ کا دونوں میں سے کسی ایک سے بھی نسب ثابت نہیں ہوگا۔

۳..... یہ کہ مقر لہ مقر کی تصدیق کرتا ہو بشرطیکہ مقر لہ تصدیق کی اہلیت رکھتا ہو یعنی وہ جمہور کے نزدیک عاقل بالغ ہو اور حنفیہ کے نزدیک وہ ممیز ہو کیونکہ اقرار مقر پر حجت قاصرہ ہے وہ کسی دوسرے کی طرف متعدی نہیں ہوتی اگر مقر بہ بچہ ہو یا مجنون ہو تو پھر اس کی تصدیق شرط نہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں ثبوت نسب کے لئے مقر بہ کی تصدیق شرط نہیں۔ کیونکہ نسب بیٹے کا باپ پر حق ہوتا ہے لہٰذا مقر بہ کی تصدیق کے بغیر بھی نسب ثابت ہو جائے گا۔

۴..... یہ کہ اقرار نسب میں نسب کو غیر پر محمول نہ کیا جا رہا ہو برابر ہے کہ مقر لہ مقر کی تکذیب کرتا ہو یا اس کی تصدیق کرتا ہو۔ کیونکہ انسان کا اقرار اس کی ذات پر حجت قاصرہ ہے بنا بر ایں اگر لڑکے کے بیٹے ہونے کا اقرار عورت کر رہی ہو یا معتدہ کر رہی ہو تو ضروری ہے ہے کہ عورت کا خاوند اس کا اعتراف کرتا ہو۔

جب اقرار نسب میں یہ شرائط پائی جائیں تو نسبت ثابت ہو جائے گا۔

حنفیہ..... نے اقرار نسب کے صحیح ہونے کی ایک اور شرط بھی لگائی ہے کہ بچہ زندہ ہو چنانچہ اگر کسی نے اقرار کیا کہ فلاں شخص میرا بیٹا ہے جب کہ وہ شخص (مقر بہ) میت ہو تو اقرار صحیح نہیں ہوگا اور نسب ثابت نہیں ہوگا کیونکہ وفات کے بعد اثبات نسب کی حاجت نہیں ہوتی چونکہ میت (مردہ) تکریم کا محتاج نہیں ہوتا۔

البتہ حنفیہ نے یہ صورت مستثنیٰ کی ہے کہ اگر متوفی کی اولاد ہو تو پھر اس کے نسب کا اقرار صحیح ہوگا تا کہ متوفی کی اولاد محفوظ رہے کیونکہ اولاد باپ سے نسب کے ثبوت کی محتاج ہوتی ہے اس میں اولاد کی عزت اور تکریم ہوتی ہے۔

مالکیہ نے مقربہ بیٹے کے زندہ ہونے کی شرط نہیں لگائی کیونکہ نسب بیٹے کا باپ پر حق ہوتا ہے یہ حق بیٹے کی زندگی پر موقوف نہیں ہوتا۔

اگر غیر پر نسب کا اقرار کیا جارہا ہو تو اس میں بھی مذکورہ شرائط کا پایا جانا ضروری ہے البتہ آخری شرط مستثنیٰ ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: غیر پر نسب کا ثبوت سابقہ شرائط سے ثابت ہوتا ہے ان کے علاوہ یہ بھی شرط ہے کہ مقر جمیع ورثہ ہوں، ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کے ساتھ نسب کا الحاق کیا جارہا ہو وہ مردہ ہو زندہ شخص کے ساتھ نسب کا الحاق نہیں ہوتا اگرچہ وہ مجنون ہو۔

غیر پر نسب کا اقرار...... یہ اقرار اصل نسب سے فرع ہے مثلاً ایک شخص یوں اقرار کرتا ہو کہ یہ میرا بھائی ہے یا کہے: یہ میرا چچا ہے یا کہے: یہ میرا دادا ہے یا کہے یہ میرا پوتا ہے۔

غیر پر نسب کا اقرار سابقہ شرائط کے ساتھ صحیح ہے البتہ ایک شرط کا اور اضافہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ غیر مقر کی تصدیق کرتا ہو۔ چنانچہ جب کوئی شخص کہے کہ یہ میرا بھائی ہے تو حنفیہ کے نزدیک ثبوت نسب کے لیے شرط ہے کہ اس کا باپ اس کی تصدیق کرتا ہو یا اقرار کے صحیح ہونے پر گواہ قائم ہوں اگر باپ مرگیا ہو تو ورثہ اس کی تصدیق کرتے ہوں کیونکہ اقرار مقر پر حجت قاصرہ ہے۔

اگر غیر تصدیق نہ کرے یا ورثہ میں سے دو آدمی تصدیق نہ کریں یا گواہ قائم نہ ہوں تو مقر کے حق میں مقتضائے اقرار کا معاملہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اگر مقر بہ فقیر ہو تو مقر پر اس کا خرچہ واجب ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں...... اقرار اخوت کی وجہ سے مقرلہ مال کی اتنی مقدار لے گا جو مقر کے اقرار سے کم ہوتی ہو چنانچہ اگر ایک شخص کسی دوسرے کے بھائی ہونے کا اقرار کرے اور دوسرا اس کا منکر ہو تو منکر نصف ترکہ لے گا اور حنفیہ کے نزدیک مقرلہ دوسرے نصف میں شریک ہوگا جبکہ مالکیہ کے نزدیک منکر اپنا پورا حصہ لے گا اور مقرلہ، مقر کے حصہ میں جو نقص واقع ہوگا وہ لے گا۔

چنانچہ اگر ترکہ مثلاً ۱۲ روپے ہو تو حنفیہ کے نزدیک مقرلہ ۳ لے گا جتنا کہ مقررہ حصہ ہے، مالکیہ کی رائے کے مطابق ۲ لے گا اور منکر ۶ لے گا اور مقر ۴ لے گا کیونکہ ترکہ تین حصہ داروں پر تقسیم ہوگا، اگر مقرلہ موجود نہ ہو تو اس صورت میں مقر ۶ لے گا اور اگر وہ موجود ہو تو ۴ روپے لے گا اور اس کا جو حصہ کم ہوگا وہ ۲ ہیں۔

جب کسی شخص کے حق میں نسب کا اقرار صحیح ہو تو وہ ورثہ کے ساتھ میراث میں شریک ہوگا اور اگر غیر اس کی تصدیق نہ کرتا ہو اور مقر مر گیا ہو تو مقرلہ اس کا وارث ہوگا جیسے اس کے باقی ورثہ۔

موقف قانون...... سوریا کے قانون میں اقرار نسب پر صراحت کی ہے۔

۱..... دفعہ ۱۳۴/ ا میں صراحت ہے کہ مقر بہ مجہول النسب ہو بیٹے کا اقرار اگرچہ مرض الموت میں ہو جو مجہول النسب کے متعلق ہو تو اس سے نسب ثابت ہوجاتا ہے بشرطیکہ دونوں کی عمر اس کا احتمال رکھتی ہو۔

۲..... اگر مقر شادی شدہ عورت ہو یا معتدہ ہو تو شوہر سے نسب ثابت نہیں ہوگا۔ الا یہ کہ خاوند تصدیق کرتا ہو یا گواہ پیش ہوجائیں۔

غیر پر اثبات نسب کے متعلق گواہوں کی نوعیت...... غیر پر اقرار نسب جیسے کوئی کہے کہ یہ میرا بھائی ہے یا چچا ہے اور اثبات گواہوں سے ہو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک: دو مردوں کے اقرار یا ایک مرد اور دو عورتوں کے اقرار سے ہوتا ہے جیسے شہادت ہوتی ہے۔

امام مالک کی رائے ہے کہ غیر پر نسب دو آدمیوں کے اقرار سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ تو غیر پر نسب کا حمل کیا جارہا ہوتا ہے لہٰذا اس

میں تعداد کا اعتبار ہوگا۔

امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں:

اگر سارے ورثہ شریک کے نسب کا اقرار کریں تو نسب ثابت ہوگا حتیٰ کہ اگر ایک ہی وارث کیوں نہ ہو، کیونکہ نسب ایسا حق ہے جو اقرار سے ثابت ہوتا ہے اس میں تعداد مطلوب نہیں جیسے اثبات دین میں تعداد مطلوب نہیں ہوتی، نیز اقرار ایسا قول ہے جس میں عدالت شرط نہیں تاہم اقرار کو شہادت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اقرار نسب اور لے پالکی میں فرق......نسب کا اقرار لے پالکی (بچہ گود لینا) نہیں ہے کیونکہ اقرار سے نسب کا انشاء نہیں ہوتا بلکہ اقرار تو اثبات نسب کا سبب اور طریقہ ہے جبکہ لے پالکی تو انشائے نسب کا تصرف ہے نیز بنوت جو کہ لے پالکی سے ثابت ہو وہ متحقق ہوتی ہے اگرچہ لے پالک کا باپ معروف ہو جبکہ اقرار کے ذریعہ بنوت تبھی متحقق ہو سکتی ہے جب بچے کا کوئی معروف باپ نہ ہو۔

تیسرا طریقہ......گواہ حجت متعدیہ ہوتے ہیں، گواہوں کا اثر صرف مدعیٰ علیہ پر مقصور نہیں رہتا بلکہ مدعیٰ علیہ اور غیر کے حق میں اس کا اثر ثابت ہوتا ہے جبکہ اقرار حجت قاصرہ ہے جو صرف مقر پر مقصور ہے گواہوں کے ذریعہ نسب کا ثبوت اقرار نسب سے قوی ہوتا ہے۔

چنانچہ نسب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے ثابت ہوتا ہے یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کی رائے ہے مالکیہ کے نزدیک صرف دو مردوں کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے جبکہ شافعیہ حنابلہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک تمام ورثہ کی گواہی سے ثابت ہوتا ہے۔

گواہی مشہور یہ ہے کہ معاینہ یا اس کے سماع سے ہوتی ہے جب گواہ دیکھ لے یا سن لے تو وہ گواہی دے سکتا ہے، اگر خود نہ دیکھا ہو اور نہ ہی سنا ہو تو گواہی دینا حلال نہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ سے فرمایا تھا۔ کیا تم سورج کو دیکھ رہے ہو؟ اس نے عرض کی: جی ہاں آپ نے فرمایا ایسے ہی ظاہر و باہر معاملے کو دیکھو تو پھر گواہی دو یا چھوڑ دو۔ ❶

سننے کی بنیاد پر اثبات نسب کی گواہی...... سننے سے مراد یہ ہے کہ نسب کی خبر لوگوں میں مشہور و معروف ہو اور اس شہرت کی بنا پر گواہی دے دی جائے کہ یہ شخص فلاں کا بیٹا ہے مذاہب اربعہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سماع کی بنیاد پر گواہی دیکر نسب ثابت کرنا جائز ہے۔ صرف نسب ہی نہیں بلکہ نکاح: زفاف، دخول، رضاعت، ولادت اور وفات کے معاملات میں بھی افاضہ خبر اور شہرت کی بنا پر سننے کو بنیاد بنا کر گواہی دینا جائز ہے۔ ❷

لیکن خبر کے سننے کی نوعیت میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: خبر کی شہرت ایسی ہو کہ وہ تواتر کی حد تک پہنچی ہو جس سے سامع کو یقین حاصل ہوتا ہو۔

صاحبین کہتے ہیں......افاضہ خبر یہ ہے کہ گواہی کو دو عادل اشخاص خبر دیں یا ایک عادل مرد اور دو عورتیں خبر دیں بعض فقہاء نے صاحبین کا قول اختیار کیا ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ قاضی دو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کرتا ہے۔ اگر گواہ نے مشہود بہ کہ خود نہ دیکھا ہو یا اسے نہ سنا ہو گواہ کے لیے اتنا کہنا کافی ہے: میں فلاں امر کی گواہی دیتا ہوں، یوں نہ کہے میں نے یہ سنا ہے۔

مالکیہ نے قدرے درمیانی قول اختیار کیا ہے کہتے ہیں:

---

❶......رواه البيهقي والحاكم وصحح اسناده وتعقبه الذهبي وقال: بل هو حديث واه(سبل السلام۴/ ۱۳۰) ❷المبسوط ۱۶/ ۱۱۱ البدائع ۶/ ۲۶۶ الدسوقي ۴/ ۱۹۸ مغني المحتاج: ۴/ ۴۴۸ المغني ۹/ ۱۶۱۔

منقول عنہ غیر معین اور غیر محصور ہو بایں طور کہ عادل لوگوں میں مسموع بہ کی شہرت ہو مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ گواہ کہتے ہوں کہ ہم نے فلاں خبر سن رکھی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا موقف امام ابوحنیفہ کے قول جیسا ہے وہ کہتے ہیں خبر اتنے زیادہ لوگوں نے سن رکھی ہو کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو اور اس سے یقین حاصل ہوتا ہو یا ظن غالب حاصل ہوتا ہو۔ گواہ کا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوگا کہ میں نے لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے، اگرچہ گواہی کا دارومدار اسی پر ہو بلکہ گواہ کہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بچہ فلاں شخص کا بیٹا ہے۔

دوسری فصل......رضاعت:

اس بحث کے تحت میں نے رضاعت کے متعلقہ جملہ احکام بیان کیے ہیں میں نے رضاعت سے متعلق بچے کے حقوق کی وضاحت کی ہے اور اس کے ضمن میں مختلف احکام بھی بیان کئے ہیں یہ فصل اولاد کے حقوق کے ساتھ مخصوص ہے پھر میں نے رضاعت سے ہونے والی حرمت سے بھی بحث کی ہے اثبات رضاعت کے مختلف طریقے بیان کئے ہیں یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے۔

اول......رضاعت کے معاملہ میں چھوٹے بچے کا حق۔

دوم......جس رضاعت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے اس کی شرائط۔

سوم......وہ امور جو رضاعت سے ثابت ہوتے ہیں۔

ملحوظ رہے کہ حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک رضاعت کے تین ارکان ہیں مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) دودھ اور رضیع یعنی دودھ پینے والا بچہ۔

پہلی بحث، رضاعت میں چھوٹے بچے کا حق......اس بحث میں چار مقاصد ہیں:

۱......بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے۔

۲......اجرت رضاعت کا استحقاق۔

۳......ماں مفت دودھ پلانے والی عورت پر مقدم ہوگی۔

۴...... اجرت رضاعت کا مکلف کون ہوگا اور اجرت کی مقدار۔

پہلا مقصد، کیا بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے؟......فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماں پر دیانۃً واجب ہے اللہ تعالیٰ کے حضور ماں جواب دہ ہوگی یہ وجوب اس لیے ہے تاکہ بچے کی زندگی محفوظ رہے، برابر ہے کہ بچے کی ماں بچے کے باپ کے نکاح میں بدستور موجود ہو یا اسے طلاق دے دی ہو اور اس کی عدت پوری ہو چکی ہو اب آیا کہ قضاءً بھی ماں پر دودھ پلانا واجب ہے؟ سو اس میں اختلاف ہے۔

مالکیہ......کہتے ہیں کہ ماں پر رضاعت قضاءً بھی واجب ہے چنانچہ ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا جمہور کہتے ہیں دودھ پلانا مستحب ہے ماں کو مجبور نہیں کیا جائے گا ماں رضاعت سے انکار کر سکتی ہے الا یہ کہ کوئی مجبوری ہو [1] جمہور کہتے ہیں: بچے کے لئے دودھ کا

---

[1]...... احکام القرآن لابن العربی ۱/۲۰۴ احکام القرآن للجصاص ۱/۴۰۳ الدرالمختار وحاشیۃ ابن عابدین ۲/۹۲۹ فتح القدیر ۳/۳۴۵ البدائع ۴/۴۰ بدایۃ المجتہد ۲/۵۶ الشرح الصغیر ۲/۷۵۴۔

انتظام کرنا باپ پر واجب ہے باپ بچے کی ماں کو رضاعت پر مجبور نہیں کرسکتا برابر ہے کہ ماں ادنیٰ مرتبہ کی عورت ہو یا اعلیٰ مرتبہ کی خواہ نکاح میں بدستور موجود ہو یا طلاق یافتہ ہو ابن رشد مالکی نے مقدمات میں لکھا ہے کہ بچے کو دودھ پلانا ماں کے لیے مستحب ہے۔

منشائے اختلاف...... یہ ہے کہ آیت کریمہ کی مراد کیا ہے: وجوب یا استحباب۔

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَ اِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ مدت ان کے لئے ہے جو دودھ کی مدت پوری کرنا چاہیں....

اور اگر تم چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی انا سے دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم نے جو اجرت ٹھہرائی تھی وہ (دودھ پلانے والی انا کو) دے دو۔

مالکیہ کا مذہب ہے کہ اگر ماں رضیع کے باپ کے نکاح میں ہو یا مطلقہ رجعیہ معتدہ ہو تو بچے کو دودھ پلانا اس پر واجب ہے، اگر بلا عذر ماں نے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کیا تو قاضی کو اس پر جبر کا اختیار حاصل ہوگا، البتہ مالدار یا حسب ونسب والی عورت پر بچے کو دودھ پلانا واجب نہیں بشرطیکہ بچہ دوسری عورت کا دودھ قبول کرلے مالکیہ کے نزدیک آیت کریمہ میں ہر ماں کو دودھ پلانے کا حکم دیا گیا ہے وہ خواہ نکاح میں موجود ہو یا نہ ہو بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے انھوں نے شریف عورت کو عرف ورواج کے پیش نظر مصلحت کے واسطے مستثنیٰ کیا ہے اسی طرح مطلقہ بائنہ پر رضاعت واجب نہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ...... الطلاق ۶۵/ ۶

اگر وہ عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کی اجرت انھیں دو۔

یہ آیت مطلقہ بائنہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

مالکیہ نے اس آیت کریم **لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ** نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور نہ ہی باپ کو (البقرۃ ۲/ ۲۳۳) کا معنی یوں بیان کیا ہے کہ بچے کی ماں بچے کے باپ کو اذیت پہنچانے کی خاطر دودھ پلانے سے انکار نہ کرے اور باپ کے لئے حلال نہیں کہ وہ بچے کو ماں کو دودھ پلانے سے روکے، چونکہ ضرر کے متعلق وارد نہیں طلاق کے موقع پر کی ہے۔ نیز مطلقہ رجعیہ کا نفقہ خاوند پر واجب ہوتا ہے اور ماں دودھ پلانے کی وجہ سے زائد نفقہ کی مستحق نہیں ہوئی رہی بات مطلقہ بائنہ کی سو دودھ پلانے کی اجرت سابق نص سے واجب ہے۔

صحیح بخاری میں حدیث وارد ہوئی ہے جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ تمہیں عورت کہتی ہے مجھ پر خرچ کرو ورنہ مجھے طلاق دے دو غلام تمہیں کہتا ہے مجھے کھانا دو اور کام لو، تمہارا بیٹا تم سے کہتا ہے مجھ پر خرچ کرو یا پھر مجھے کس کے سپرد کرتے ہو۔

جمہور کا مذہب ہے کہ آیت میں امر برائے استحباب ہے نہ کہ برائے وجوب آیت میں ماؤں کے لئے ارشاد ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دودھ پلائیں۔ الا یہ کہ جب بچہ کسی دوسری عورت کے پستان نہ پکڑے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ الطلاق ۶۵/ ۶

اگر تمہیں تنگی کا سامنا ہو تو بچے کو دوسری عورت دودھ پلائے۔

ماں کا اپنے بچے کو دودھ پلانا مستحب ہے چونکہ بچے کے لیے ماں کا دودھ بہتر ہوتا ہے اور ماں اپنے بچے پر مہربان بھی زیادہ ہوتی ہے نیز بچے کو دودھ پلانا ماں کا حق ہوتا ہے اور اپنا حق لینے کے لئے کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا الا یہ کہ کوئی اہم امر اس کا مقتضی ہو۔

اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ تین احوال میں فقہاء کے نزدیک بچے کو دودھ پلانا ماں پر واجب ہے۔

۱..... یہ کہ بچہ ماں کے علاوہ کسی اور عورت کے پستان نہ پکڑتا ہو۔

۲..... یہ کہ ماں کے علاوہ کوئی اور عورت بچے کو دودھ پلانے کے لئے دستیاب نہ ہو۔

۳..... جب باپ یا بچے کے پاس مال نہ ہو جو بطور اجرت کسی عورت کو دے کر دودھ پلانے کا انتظام کیا جائے۔ تاہم بچے کی زندگی کو محفوظ بنانے کے لئے ماں پر دودھ پلانا واجب ہے۔

شافعیہ نے ابتدائی دودھ جسے کھیس کہا جاتا ہے۔ (ماں پر واجب قرار دیا ہے کیونکہ غالباً اس کے بغیر بچے کی زندگی کو خطرہ ہوتا ہے)

اجرت پر دایہ..... اگر ماں بچے کو دودھ پلانے سے انکار کرے اور کوئی دشواری بھی درپیش نہ ہو تو باپ پر واجب ہے کہ وہ اجرت پر دایہ رکھے جو بچے کو دودھ پلائے تاکہ بچے کی زندگی محفوظ رہے۔ دائی پر واجب ہے کہ وہ ماں کے پاس بچے کو دودھ پلائے چونکہ بچے کی پرورش ماں پر واجب ہے، دودھ پلانے سے انکار کرنے سے بچے کا حق پرورش ساقط نہیں ہوتا۔ چونکہ ان میں سے ہر حق مستقل ہے۔

اگر باپ دائی کا انتظام نہ کرے تو ماں قضاءً حق رکھتی ہے کہ اسے اجرت دی جائے تاکہ وہ دایہ اجرت پر رکھ سکے۔

حنفیہ کے نزدیک بچے کی ماں اگر نکاح میں ہو یا مطلقہ رجعیہ ہو اور عدت گزار رہی ہو تو باپ اسے دودھ پلانے کی اجرت نہ دے ہاں البتہ اگر مطلقہ بائنہ ہو تو پھر بچے کی ماں کو اجرت پر رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ زوجیت اور عدت میں باپ نفقہ دیتا ہے، باپ کے ذمہ دو طرح کے واجبات جمع نہیں ہوں گے۔ اگر عورت بائنہ ہے تو اسے دودھ پلانے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اس صورت میں وہ حنفیہ کے نزدیک اجرت لے سکتی ہے، یہ روایت قابل اعتماد ہے جیسا کہ ابن عابدین نے ذکر کیا ہے جبکہ دوسری روایت یہ ہے کہ عورت بائنہ ہونے کی صورت میں بھی اجرت کی حقدار نہیں ہوگی صاحب ہدایہ نے اس روایت کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ عدت کے دوران بائنہ کو نفقہ دیا جاتا ہے۔

دوسرا مقصد..... ماں کب اجرت رضاعت کی مستحق ہوتی ہے؟ مدت استحقاق:

اول..... اگر ماں اپنے اختیار سے بچے کو دودھ پلائے یا مجبوراً دودھ پلائے تو کیا وہ اجرت کا استحقاق رکھتی ہے؟ اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے جو درج ذیل ہے۔ ❶

۱..... حنفیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عورت حالت زوجیت اور طلاق رجعی کی عدت کے دوران اجرت رضاعت کی مستحق نہیں ہو گی کیونکہ خاوند پر بیوی کا خرچہ واجب ہوتا ہے لہٰذا رضاعت کے مقابل خرچے کا ذمہ دار نہیں ہوگا اور اس پر دو طرح کے واجبات واجب نہیں ہوں گے یعنی خرچہ اور اجرت آن واحد میں۔ خاوند پر ان دو خرچوں کا بوجھ ڈالنا جائز نہیں۔

مالکیہ نے اس رائے کی موافقت کی ہے بشرطیکہ رضاعت ماں پر واجب ہو اور وہ عام غالب احوال کی حالت ہے اور اگر عورت شریف (معزز) ہو تو پھر وہ اجرت کی مستحق ہوگی۔

۲..... اگر زوجیت اور عدت ختم ہو جائے یا عورت عدت وفات میں ہو تو بالاتفاق اجرت کی مستحق ہوگی، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ...... الطلاق ۶۵/۶

اگر (طلاق یافتہ) عورتیں تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو۔

نیز زوجیت اور عدت ختم ہو جانے کے بعد بچے کی ماں کو نفقہ اور نہیں دیا جاتا۔

❶..... الدر المختار ورد المحتار ۹۲۹/۲، احکام القرآن لابن العربی ۱۸۲۸/۴ احکام القرآن للجصاص ۴۶۳/۳ فتح القدير ۳۴۵/۳ بداية المجتهد ۵۶/۲۔

۳.....بعض حنفیہ کے نزدیک اصح قول کے مطابق طلاق بائنہ کی صورت میں ماں اجرت رضاعت کی مستحق ہوتی ہے مالکیہ کے نزدیک بھی یہی معتبر ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ......الطلاق ۶۵/ ۶

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ بائنہ عورت کے لئے اجرت واجب قرار دی ہے۔حتیٰ کہ اگرعوت (مطلقہ بائنہ) حاملہ ہوتو اس کا خرچہ طلاق دہندہ پرواجب ہے،مخصوص دلیل سے نفقہ اوراجرت کا وجوب ثابت ہے اس لیے ایک سے دوسرے کا وجوب ساقط نہیں ہوگا۔سوریا کے قانون میں یہی مقرر ہے۔بعض حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ مفتی بہ یہ ہے کہ حالت عدت رجعی اورعدت بائن میں کوئی فرق نہیں لہٰذا ماں اجرت رضاعت کی مستحق نہیں ہوگی کیونکہ عورت کے لئے نفقہ مطلقا واجب ہوتا ہے،مصر کے قانون میں یہی معمول ہے۔

دوم: **مدت استحقاق**......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ مدت جس میں اجرت رضاعت کا استحقاق ثابت ہوتا ہے وہ دوسال ہے۔چنانچہ جب بچے کی عمر دوسال پوری ہوجائے تو ماں اجرت رضاعت کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتی ❶ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ......البقرة ۲/ ۲۳۳

مائیں اپنی اولاد کو پورے دوسال دودھ پلائیں یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے،جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہتے ہوں۔

آیت کی اس امر پر دلیل ہے کہ اجرت رضاعت کی مدت دوسال ہے۔

سوم: **استحقاق اجرت کی ابتداء**......دایہ اور ماں جب کہ ماں کی زوجیت ختم ہوچکی ہو دونوں تاریخ عقد سے اجرت کی مستحق ہوں گی کیونکہ دایہ کو رضاعت کے لئے اجرت پر رکھا جاتا ہے۔لہٰذا وہ تبھی اجرت کی حقدار ہوگی جب عقد ہوجائے۔

رہی بات اس ماں کی جو زوجیت قائم ہوتے ہوئے یا طلاق رجعی کی عدت کے دوران بچے کو دودھ پلائے تو وہ مطلقا اجرت کی مستحق ہوتی ہے اس میں عقد اجارہ کی چنداں ضرورت نہیں۔یہ مالکیہ کی رائے ہے حنفیہ کے نزدیک راجح قول کے مطابق اس دن سے مستحق ہوگی جب دودھ پلانے کی ذمہ داری ماں نے سنبھالی ہو۔ایک قول حنفیہ کا یہ بھی ہے کہ اس وقت مستحق ہوگی جب ماں اجرت کا مطالبہ کرے گی۔ اگر بچے کا باپ مرجائے تو ماں کی اجرت رضاعت ساقط نہیں ہوگی بلکہ وہ دین کی صورت اختیار کرے گی اور بقیہ قرض خواہوں کے ساتھ برابر کی مستحق ہوگی۔چنانچہ اجرت رضاعت نفقہ نہیں ہوتا جو موت سے ساقط ہوجائے بلکہ یہ دین ہوگا جو ترکہ سے ادا کیا جائے گا۔❷

تیسرا مقصد: ماں اور تبرعاً دودھ پلانے والی کے درمیان فضیلت......فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر ماں بغیر اجرت کے بچے کو دودھ پلائے تو ماں کو مقدم کیا جائے گا یا ماں اجرت مثل سے زائد کا مطالبہ نہ کرتی ہو یا یہ کہ بلا اجرت دایہ نہ ملتی ہو تو ماں کو مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ ماں کو ترجیح دینے میں بچے کی رعایت ہے چونکہ ماں اپنے بچے کے لئے زیادہ مہربان ہوتی ہے نیز ماں کو دودھ پلانے سے روکنا دراصل اسے تکلیف پہنچانا ہے جبکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ...... البقرة ۲/ ۲۳۳

ماں کو اس کے بچے کی ذریعہ اذیت نہ پہنچائی جائے۔

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ ......البقرة ۲/ ۲۳۳

مائیں اپنی اولاد کو کامل دوسال دودھ پلائیں۔❸

---

❶......حاشیة ابن عابدین ۲/ ۹۳۱ احکام القرآن للجصاص ۱/ ۴۰۴۔ ❷حاشیة ابن عابدین ۲/ ۹۳۱ ❸احکام القرآن للجصاص ۱/ ۴۰۴۔

اگر مفت دودھ پلانے والی دایہ مل جائے جبکہ ماں اجرت کا مطالبہ کرتی ہو یا ماں جتنی اجرت کا مطالبہ کرتی ہو اس سے کم اجرت پر دایہ مل جائے تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ماں کو دایہ پر ترجیح دی جائے گی کیونکہ آیت میں اطلاق ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۳ وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

نیز ماں بچے کے لئے زیادہ مہربان اور مشفق ہوتی ہے اور ماں کا دودھ دوسری عورت کے دودھ کے مقابلہ میں بچے کے لئے زیادہ خوشگوار ہوتا ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دایہ (اجنبی عورت) کو ماں پر مقدم کیا جائے گا۔

برابر ہے کہ بچے کا باپ مالدار ہو یا تنگدست ہو کیونکہ اس میں باپ کے لئے آسانی ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

نہ ہی ماں کو بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور نہ ہی اس کے باپ کو۔

اگر باپ کو مثلی اجرت سے زائد دینے پر مجبور کیا جائے گا تو یہ اسے اذیت پہنچانا ہوگا۔

ایسی صورت میں ماں سے کہا جائے گا یا تو مفت بچے کو دودھ پلائے یا اجرت مثل لے یا بچہ دائی کے سپرد کر دے۔ اگر ماں نے بچہ دائی کے سپرد کر دیا تو اس کا حق پرورش باقی رہے گا۔ پھر دائی یا تو ماں کے پاس جا کر بچے کو دودھ پلایا کرے یا بچے کو دائی اپنے گھر دودھ پلائے پھر ماں کو واپس کر دے۔

چوتھا مقصد: اجرت (مزدوری) دینے کی ذمہ داری کس پر ہوگی اور اجرت کی مقدار کیا ہے؟...... رضاعت کی اجرت ومزدوری کی ادائیگی کا پابند و ذمہ دار باپ ہے کیونکہ بچے کے جملہ اخراجات باپ کے ذمہ لازم ہوتے ہیں لہٰذا رضاعت کی اجرت ومزدوری بھی باپ کے ذمہ لازم ہوگی۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ مدت ان لوگوں کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں۔

اور جس باپ کا وہ بچہ ہو اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقہ پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے۔

دوسری آیت ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ ......الطلاق ۶۵/ ۶

اگر طلاق یافتہ عورتیں تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو ان عورتوں کو ان کی اجرتیں دو۔

باپ کے ذمہ بچے کے پانچ اخراجات...... ان پانچ اخراجات کی تفصیل یہ ہے۔ اجرت رضاعت، بچے کی پرورش کی اجرت، دیگر ضروریات زندگی صابن تیل، بچھونا اور جھولے وغیرہ کے اخراجات، اس گھر کا کرایہ خرچہ جس میں بچے کی پرورش کی جارہی ہو، اگر بچے کے لئے خادم کی ضرورت ہو تو اس کی اجرت ومزدوری۔

بچے کے جملہ اخراجات باپ پر واجب ہوتے ہیں اگرچہ دونوں کے ادیان میں اختلاف ہو جیسے بیوی کے اخراجات خاوند کے ذمہ واجب ہوتے ہیں اگرچہ دونوں کے ادیان میں اختلاف ہو اس کے دلائل سابق آیات ہیں۔

ملاحظہ..... ہو باپ پر بچے کے اخراجات تب واجب ہوں گے جب بچے کا ذاتی مال نہ ہو اور اگر بچے کا ذاتی مال ہو تو پھر اس کے اخراجات اسی کے مال سے ہوں گے چونکہ اصل یہی ہے کہ انسان کے ذاتی اخراجات اسی کے مال میں سے ہوں ❶ اگر باپ فقیر ہو اور بچے کا ذاتی مال نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور اجرت باپ کے ذمہ دین (قرضہ) ہوگی اور جب باپ مالدار ہو جائے گا تو اس سے اجرت کا مطالبہ کیا جائے گا مالکیہ کے نزدیک ماں کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے گا اور جب باپ مالدار ہو جائے تو ماں اس سے اجرت کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

مرضعہ کی ذمہ داری...... مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) پر دودھ پلانے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، ہاں البتہ عرف ورواج کے اعتبار سے مرضعہ پر واجب ہے کہ وہ بچے کے لیے کھانا تیار کرے، اس کی نگرانی کرے، اسے نہلائے اس کے کپڑے دھوئے کیونکہ کمسن بچے کی خدمت مرضعہ پر واجب ہے چونکہ جن امور میں نص نہ ہو ان میں عرف کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور اگر مرضعہ بچے کو بکری (یا گائے) کا دودھ پلائے تو وہ اجرت کی مستحق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں مرضعہ اپنی ذمہ داری نبھانے سے قاصر رہی ہے اور وہ دودھ پلانے کی ذمہ داری ہے۔ ❷

اجرت کی مقدار...... ماں دودھ پلانے کی جس اجرت کی مستحق ہوتی ہے وہ اجرت مثل ہے اور اجرت مثل وہ ہوتی ہے جسے ماں کے علاوہ کوئی دوسری عورت بھی لینے کو تیار ہو، تاہم اجرت کا تخمینہ قاضی کے سپرد ہے کہ وہ کتنی ہو نیز عرف ورواج کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا کہ معاشرہ میں دایہ کو دودھ پلانے کی کتنی اجرت دی جاتی ہے اگر ماں اجرت مثل سے زائد اجرت کا مطالبہ کرے تو اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی۔

اجرت رضاعت کے متعلق سوریا کا قانون...... دفعہ ۱۵۲ شق ۱ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ اجرت رضاعت کی ادائیگی مدت رضاعت میں واجب ہے، دودھ چھڑا لینے کے بعد اجرت لازم نہیں ہوگی۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱...... بچے کے دودھ پینے کی اجرت باپ پر واجب ہے، خواہ رضاعت فطری عمل سے ہو یا مصنوعی عمل سے ہو۔

اسی شق میں یہ بھی صراحت کی گئی ہے کہ ماں درج ذیل صورتوں میں اجرت کی مستحق نہیں ہوگی۔

۲...... اگر زوجیت برقرار ہو تو ماں اجرت رضاعت کی حقدار نہیں ہوگی، اسی طرح طلاق رجعی کی عدت میں اگر عورت ہو تو بھی اجرت رضاعت کی مستحق نہیں ہوگی۔ مطلب یہ کہ رشتہ زوجیت ختم ہونے اور عدت کے گذرنے کے بعد اجرت کی مستحق ہوگی اس سے پہلے نہیں۔

دفعہ ۱۵۳ میں حنفیہ کی رائے کے مطابق صراحت کی گئی ہے کہ اگر باپ تنگدست ہو تو مفت دودھ پلانے والی عورت کو ماں پر مقدم کیا جائے گا۔

لیکن بچے کی پرورش کے حوالے سے ماں مقدم ہوگی اگرچہ وہ اجرت زیادہ طلب کر رہی ہو۔ رضاعت اور پرورش میں فرق یہ ہے کہ رضاعت امر مادی ہے جس کا مقصد بچے کو غذا دینا اور جسم کی بڑھوتری ہے جبکہ پرورش دیکھ بھال ہے جو شفقت ومہربانی کی مرہون منت ہے۔ جبکہ ماں دوسری عورت کی نسبت اپنے بچے کے لئے زیادہ مشفق ومہربان ہوتی ہے۔

دوسری بحث، رضاعت محرم کی شرائط...... فقہاء نے رضاعت کہ جس سے نکاح حرام ہو جائے کی چھ شرائط لگائی ہیں ❸ یہ شرائط حسب ذیل ہیں۔

---

❶...... فتح القدیر ۳/۳۴۶ حاشیة ابن عابدین ۲/۹۳۱۔ ❷ تبیین الحقائق: ۵/۱۲۹۔ البدائع ۴/۴۱۔ ❸ البدائع ۴/۵، القوانین الفقھیة ۲۰۶ مغنی المحتاج ۳/۴۱۴ کشاف القناع ۵/۵۱۵ الشرح الصغیر ۲/۷۱۹ المغنی ۷/۵۳۷ بدایة المجتھد ۲/۳۴۔

ا...... یہ کہ دودھ عورت کا ہو جمہور کے نزدیک خواہ عورت کنواری ہو یا شادی شدہ یا مطلقہ دودھ کے علاوہ کسی اور چیز سے تحریم ثابت نہیں ہوتی مثلاً اگر زرد پانی (مواد) خون یا پیپ وغیرہ چوس لی تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اسی طرح مرد کے دودھ خنثی مشکل کے دودھ اور جانور کے دودھ سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی، اگر دو کمسن بچوں نے ایک ہی بکری کا دودھ پی لیا تو اس سے وہ رضاعی بہن بھائی نہیں بنیں گے، لہٰذا ان کا آپس میں نکاح حلال ہوگا چونکہ اخوت (بھائی چارہ) رشتہ ماں بندی کی فرع ہے جب اصل کا ثبوت نہیں ہوگا فرع کا بھی ثبوت نہیں ہوگا۔ حنابلہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ دودھ حمل کے نتیجے میں پیدا ہوا ہو۔

شافعیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ مرضعہ زندہ ہو اور بالغہ ہو عورت ۹ سال کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہے اگر عورت کے بلوغ کا حکم نہ لگا تو حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ مردہ عوت اور نابالغ لڑکی کے دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی لیکن اگر زندہ عورت کا دودھ دوہ لیا جائے پھر وہ مر جائے اور اس کے مرنے کے بعد کسی بچے کو وہی دوھا ہوا دودھ پلایا جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

جمہور فقہاء نے یہ شرط نہیں لگائی چنانچہ اگر بالفرض نابالغ لڑکی کے پستانوں میں دودھ اتر آئے اسے کوئی بچہ پی لے اور مردہ عورت کا دودھ کوئی بچہ پی لے تو ان دونوں سے حرمت ثابت ہو جائے گی چونکہ دودھ سے گوشت بنتا ہے اور علت حرمت پائی جاتی ہے۔

۲...... یہ کہ دودھ بچے کے معدے تک پہنچے، برابر ہے کہ بچے نے پستان چوسے ہوں یا برتن سے پیا ہو یا بوتل (فیڈر) سے پیا ہو، یہ شرط حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، اگر دودھ بچے کے معدے تک نہ پہنچے مثلاً پستان کو بچے نے منہ میں گھمایا ہو اور یقین نہ ہو کہ بچے نے دودھ پیا یا نہیں تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، چونکہ حکم حرمت میں شک ہے اور احکام شک سے ثابت نہیں ہوتے۔

مالکیہ نے اس امر کے شرط ہونے پر اکتفا کیا ہے کہ دودھ خواہ حقیقۃً بچے کے پیٹ میں پہنچا ہو یا ظنی یا مشکوک طور پر منہ کے ذریعہ معدے تک پہنچا ہو تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ احتیاط کا یہی تقاضا ہے مشہور قول کے مطابق اگر دودھ محض حلق تک پہنچے تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ شافعیہ اور حنابلہ نے پانچ متفرق (الگ الگ) چسکاریوں کے ہونے کی شرط لگائی ہے۔ تاہم رضاعت کے حوالے سے مرجع عرف ہوگا یہ شرط نہیں کہ بچہ سیر ہو کر دودھ پئے، تاہم دودھ کا معدے تک پہنچنا ضروری ہے۔

۳...... یہ کہ رضاعت منہ یا ناک کے ذریعہ عمل میں آئے فقہاء مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ تحریم تب ثابت ہوگی جب دودھ سے غذا کا کام لیا گیا ہو جیسے مثلاً منہ کے ذریعہ بچے نے دودھ پیا ہو یا ناک میں دودھ ٹپکایا گیا ہو اور اس سے بھی غذا حاصل ہوتی ہے کیونکہ دماغ بھی معدہ کی مانند ہے، بلکہ یہ شرط نہیں کہ کسی بالائی منفذ سے دودھ غذا کے لئے معدے میں پہنچے بلکہ محض پیٹ تک پہنچنا حرمت کی لئے کافی ہے۔

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پیشاب کے راستے میں دودھ ٹپکانے سے آنکھ اور کان میں دودھ ٹپکانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، اسی طرح زخم میں بھی دودھ ٹپکانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ اس طرح دودھ کا ٹپکانا رضاعت نہیں اور نہ ہی رضاعت کے معنی میں ہے، لہٰذا اس طرح سے حرمت کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں...... دودھ جو پیشاب کے راستے بسب غذا ٹپکایا جائے تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی اسوقت بالائی منفذ سے پہنچنے والے دودھ کا حکم مختلف ہوگا اس میں غذا کا ہونا شرط نہیں، اسی طرح جو سفلی منفذ سے پہنچے اس کا حکم بھی مختلف ہوگا اور اس میں غذا کا ہونا شرط ہوگا۔

۴...... یہ کہ دودھ کسی اور چیز کے ساتھ خلط نہ ہو، یہ شرط حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک معتبر ہے اگر دودھ کسی مائع چیز کے ساتھ خلط

ہو جائے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک غالب کا اعتبار کیا جائے گا، اگر دودھ غالب ہو تو حرمت ثابت ہوگی اور اگر مائع چیز غالب ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی چونکہ حکم غالب کا ہوتا ہے نیز خلط کی وجہ سے اسم اور مرادی معنی دونوں زائل ہو جاتے ہیں، مرادی معنی غذا کا ہونا ہے لہٰذا اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، مالکیہ کے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ دودھ کھانے کی چیز کے ساتھ خلط ہو یا کسی معائع کے ساتھ۔

شافعیہ (ظاہری قول کے مطابق) اور حنابلہ نے (راجح قول کے مطابق) مخلوط دودھ میں دودھ کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک مخلوط دودھ خالص دودھ کے حکم میں ہے۔ خواہ دودھ کھانے کی کسی چیز کے ساتھ خلط ہو یا کسی مائع کے ساتھ، کیونکہ دودھ پیٹ تک پہنچ جاتا ہے جو غذا بھی بن جاتا ہے۔

جبکہ صاحبین نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مخلوط دودھ سے حرمت ثابت نہیں ہوتی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب۔ چونکہ کھانے کی چیز اگرچہ دودھ سے کم ہی کیوں نہ ہو وہ دودھ کی قوت کو سلب کر دیتی ہے اور اسے کمزور کر دیتی ہے لہٰذا بچے کی غذا کے لحاظ سے کفایت نہیں ہو پائی گویا دودھ معنی مغلوب ہوگا اگرچہ صورتا غالب ہی کیوں نہ ہو۔

اگر ایک عورت کا دودھ دوسری عورت کے دودھ کے ساتھ خلط ہو جائے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک غالب دودھ کا اعتبار ہوگا اور اگر دونوں کا دودھ یکساں ہو تو دونوں سے تحریم ثابت ہو جائے گی۔

مالکیہ، امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں...... دونوں عورتوں سے تحریم ثابت ہوگی خواہ دونوں عورتوں کے دودھ کی مقدار برابر ہو یا ایک غالب ہو اور دوسرا مغلوب یہ رائے میرے نزدیک راجح ہے کیونکہ دونوں عورتوں کا دودھ جنس واحد ہے اور جنس میں غلبہ نہیں ہوتا۔

۵...... یہ کہ دودھ پینے کا عمل بالاتفاق بچپن میں ہوتا ہم بڑے عمر کے شخص کی رضاعت سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ بڑی عمر سے مراد دو سال کی عمر سے تجاوز کر جانا ہے۔

داؤد ظاہری کا موقف...... یہ ہے کہ بڑی عمر کے شخص کی رضاعت سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے تھی کہ بڑے آدمی کی رضاعت باعث حرمت ہے۔ چنانچہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم سالم کو اپنی اولاد سمجھتے ہیں سالم میرے ساتھ اور ابو حذیفہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتا تھا۔ میں کام کاج کے کپڑوں میں ملبوس ہوتی وہ مجھے دیکھتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے غلاموں کے متعلق جو کچھ نازل کیا ہے وہ میں جانتی ہوں اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سہلہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اسے دودھ پلا دو تاکہ وہ تمہارے پاس آتا جاتا رہے [1] چنانچہ سہلہ رضی اللہ عنہا نے سالم کو پانچ چسکاریاں دودھ پلا دیا اور سالم ان کے لئے بمنزلہ اولاد کے تھا۔

بنا بریں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب کسی آدمی کے بارے میں چاہتیں تو اپنی بھانجیوں اور بھتیجیوں کو حکم دیتیں وہ اسے دودھ پلا دیتیں وہ شخص پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتا جاتا اگرچہ وہ عمر میں بڑا ہی کیوں نہ ہوتا۔

جمہور نے بچپن میں رضاعت کے ہونے پر درج ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے۔

اول...... ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1]...... رواه احمد ومسلم عن زينب بنت ام سلمة (نيل الاوطار ۶/۳۱۳) جمہور اس حدیث کا جواب دیتے کہ یہ حدیث سہلہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے۔

وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ..... سورۃ البقرۃ ۲/۲۳۳

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ مدت ان لوگوں کے لئے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کامل رضاعت دو سالوں میں قرار دی ہے۔لہٰذا دو سالوں کے بعد کا حکم اس کے برخلاف مفہوم ہوتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ ''اور بچے کو دودھ چھڑانا ہے دو سالوں میں۔لقمان ۳۱/ ۱۴

ان آیات سے معلوم ہوا کہ شرعاً جو مدت معتبر ہے وہ دو سال ہے۔

دوم...... جمہور نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے'' وہی رضاعت معتبر ہے جو دو سالوں میں ہو'' ❶ ایک اور حدیث ہے ''صرف اسی رضاعت سے حرمت ثابت ہوتی ہے جس کے تحت دودھ انتڑیوں میں جائے اور خوراک بنے اور یہ رضاعت دودھ چھڑانے سے قبل ہو'' ❷ ایک اور حدیث ہے'' دودھ چھوڑانے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور بلوغ کے بعد یتیمی نہیں ہوتی۔'' ❸

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سہلہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب دیا ہے کہ یہ سالم کے ساتھ مخصوص ہے حنابلہ وغیرہ نے بھی یہی جواب دیا ہے تا کہ دلائل میں تطبیق ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میرے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا یہ میرا رضاعی بھائی ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اپنے بھائیوں کو دیکھ لیا کرو رضاعت تو وہ معتبر ہوتی ہے جس سے بھوک مٹتی ہو۔ ❹

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رضاعت تو وہی ہوتی ہے جس سے ہڈیوں میں پختگی آئے اور گوشت پیدا ہو۔ ❺

شافعیہ حنابلہ اور صاحبین نے ان دلائل کے ظاہر کا التزام کیا ہے اس لئے شرط لگائی ہے کہ رضاعت عمر کے ابتدائی دو سالوں میں ہو اس سے حرمت ثابت ہوگی اور عمر کا اعتبار قمری مہینوں سے کیا گیا ہے۔اگر دودھ چھڑانے کے بعد ہی کیوں نہ پلایا گیا ہو کیونکہ حدیث ہے ''رضاعت تو وہی معتبر ہوتی ہے جس سے بھوک مٹتی ہو'' اس حدیث سے مراد ہے کہ وہ رضاعت معتبر ہے جو بھوک کی عمر میں ہو۔لہٰذا اگر بچے نے دو سالوں کے بعد دودھ پیا تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ رضاعت عمر کے ابتدائی دو سالوں میں ہونی شرط ہے اور اگر رضاعت ابتدائی دو سالوں کے دوران حاصل ہوا گرچہ دودھ چھوڑانے کے بعد ہی کیوں نہ ہو حرمت ثابت ہو جائے گی یہ رائے راجح ہے چونکہ اس رائے کے دلائل مضبوط ہیں۔

امام مالک نے دو سالوں پر دو ماہ کا مزید اضافہ کیا ہے کیونکہ بسا اوقات بچے کی غذا کھانے کی طرف تحویل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔لیکن اگر بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا اور وہ واضح طور پر کھانا کھانے لگا اگرچہ ابتدائی دو سالوں ہی میں یا دودھ پلانے کے لئے کوئی مرضعہ دستیاب نہ ہو سکے اگر اس بچے کو عورت دودھ پلا دے تو حرمت ثابت نہیں ہوگی، کیونکہ حدیث ہے۔''رضاعت تو وہی معتبر ہوتی ہے جو بھوک کی وجہ سے ہو'' یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بچے کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو اگر دو سالہ مدت کے دوران بچے کا دودھ چھڑایا گیا تو بعد میں ہونے والی رضاعت بھوک کے بسب نہیں ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دو سالوں پر مزید نصف سال (چھ ماہ) کا اضافہ کیا ہے ان کے نزدیک مدت رضاعت دو سال چھ ماہ (تیس ماہ) ہے کیونکہ اس عرصہ میں بتدریج بچے کی خوراک دودھ سے کھانے کی طرف تحویل ہوتی ہے، لیکن اگر بچے کا دودھ چھڑا دیا گیا

---

❶...... رواه الدار قطنی عن ابن عباس (نيل الاوطار ۶/ ۳۱۵) ❷ رواه الترمذی وصححه عن ام سلمة (المرجع السابق) ❸ رواه ابوداؤد الطيالسی فی مسنده عن جابر۔ ❹ رواه الجماعة الا الترمذی عن عائشة ❺ نيل الاوطار ۶/ ۳۱۶ سبل السلام ۳/ ۲۱۴۔

اور بچہ بالکلیہ دودھ سے مستغنی ہوجائے تو اس کے بعد رضاعت نہیں ہوگی چونکہ دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہوتی، اگر بچے کا (عارضی طور پر) دودھ چھڑایا گیا اور اس نے تھوڑا تھوڑا کھانا کھانا بھی شروع کر دیا تاہم دودھ سے بالکل مستغنی نہ ہوا اور پھر شروع کی طرح دودھ پینے لگا تو اس رضاعت سے حرمت ثابت ہوگی۔ حرمت میں یہ رضاعت ایسی ہی ہے جیسے کہ بچے کا دودھ چھڑایا ہی نہ گیا ہو۔ رہی یہ حدیث کہ دودھ چھڑانے کے بعد رضاعت نہیں ہوتی سو اس حدیث کو معتاد و متعارف طریقے سے دودھ چھڑانے پر محمول کیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَ لَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ
البقرۃ ۲/ ۲۳۳

آیت کے آخر سے اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ والدین کو دو سال پورے ہونے پر دودھ چھڑانے میں اختیار حاصل ہے، اور آیت کے ابتدائی حصہ میں جو دو سال کی مدت کی تحدید کی گئی ہے سو یہ تحدید مطلقہ ماں کے اجرت لینے کی مدت کا بیان ہے۔

اس استدلال کا جواب دیا گیا ہے کہ جس دودھ چھڑانے میں والدین کی باہمی مشاورت اور رضامندی کی ضرورت پڑتی ہے وہ ہے جو دو سالوں سے قبل ہو اور اگر بچے کی جسمانی کمزوری کے پیش نظر دو سالوں سے زائد عرصہ کے لئے دودھ پلانے کی ضرورت پڑے تو اس کے مانع کوئی چیز نہیں، لیکن اس رضاعت پر حرمت کے احکام مرتب نہیں ہوں گے اور مطلقہ ماں دو سال کے بعد دودھ پلانے کی اجرت کی مستحق بھی نہیں ہوگی۔

۶ ...... یہ کہ رضاعت علیحدہ علیحدہ پانچ دفعہ یا اس سے زائد دفعہ ہوئی ہو یہ شرط شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں معتبر ہے، پانچ دفعہ سے مراد یہ ہے کہ عورت دودھ پلانا شروع کرے اور بچہ آسودہ ہو کر از خود پستان چھوڑ دے اب یہ ایک دفعہ ہوا اس کا دارومدار عرف پر ہے تاہم اگر بچے نے سانس لینے کی غرض سے پستان چھڑایا آرام لینے کے لئے پستان چھڑایا بچے کو ایک پستان سے ہٹا کر دوسرے پستان پر لگایا یا بچے کے ساتھ لاڈ پیار کی غرض سے پستان عارضی طور پر چھڑایا یا بچے کو ہلکی سی نیند آگئی اور پستان چھوڑ دیا یا بچے کے منہ میں جمع شدہ دودھ نگلنے کے لیے پستان چھڑایا اور پھر پستان بچے کے منہ میں دے دیا تو ان وقفوں کو مختلف دفعہ کی رضاعتیں شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اس طرح کے وقفہ کی صورت میں ایک دفعہ کی رضاعت ہوگی اگر بچے نے پانچ دفعہ سے کم دفعہ دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہیں ہوگی اور اگر رضاعتوں کی تعداد میں اختلاف ہو جائے تو حرمت کا دارومدار یقین پر ہوگا چونکہ اصل چیز حرمت رضاعت کا نہ ہونا ہے لیکن شک و اختلاف کی صورت میں ترک اولی ہے چونکہ اس صورت میں رضاعت میں شبہ آجائے گا اور شبہات میں نہ پڑنا بہتر و افضل ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ نے اپنے موقف پر تین طریقوں سے استدلال کیا ہے۔

اول...... امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ قرآن میں اولاً دس دفعہ دودھ پینا حرمت پیدا کرے گا کا حکم نازل ہوا تھا۔ بعد میں پانچ دفعہ کے متعین دودھ پینے کے حکم سے یہ منسوخ ہو گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو گئے اور اس حکم کی قرأت قرآن میں کی جاتی تھی [1] یعنی یہ حکم تلاوت کیا جاتا تھا یا یہ کہ جس شخص کو نسخ کی خبر نہ ہوتی وہ اس کی قرأت کرتا تھا، لیکن اس روایت کو مضطرب قرار دیا گیا ہے۔

دوم...... حرمت رضاعت کی علت جزئیت کا شبہ ہے جو کہ دودھ سے پیدا ہوتا چونکہ دودھ سے گوشت اور ہڈیاں بنتی ہیں جسم کی

[1] ...... نصب الرایۃ ۳/ ۲۱۸۔

بڑھوتری ہوتی ہے، یہ امر کم ازکم پورے ایک دن کی رضاعت سے متحقق ہوتا ہے اور وہ پانچ دفعہ دودھ پینا ہے۔

سوم......حدیث ہے کہ ایک اور دومرتبہ کی چسکاری سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

مالکیہ اور حنفیہ...... کہتے ہیں: حرمت رضاعت مطلقا ثابت ہو جاتی ہے، خواہ بچے نے تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ خواہ ایک مرتبہ چسکاری لی ہو۔ ان فقہاء نے اپنے موقف پر تین طریقوں سے استدلال کیا ہے۔

اول......آیت کریم: **وامھاتکم اللاتی ارضعنکم** تمہارے اوپر تمہاری وہ مائیں حرام ہیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو۔ (النساء ۴/ ۲۳) کے عموم سے استدلال کیا ہے آیت میں حرمت کو رضاعت پر متعلق کیا گیا ہے اور رضاعت کی کوئی مقدار مقرر نہیں کی گئی لہٰذا مطلق کو اپنے اطلاق پر چھوڑا جائے گا۔

دوم...... حدیث ہے رضاعت سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں ❶ حدیث میں حرمت کو محض رضاعت کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے اس کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قلیل رضاعت اور کثیر رضاعت (حرمت میں) برابر ہے۔

سوم......رضاعت ایسا فعل ہوتا ہے جس سے حرمت متعلق ہوتی ہے، لہٰذا اس میں قلیل رضاعت اور کثیر رضاعت برابر ہے کیونکہ شارع کی یہ شان ہے کہ وہ حکم کو حقیقت کے ساتھ منوط کر دیتا ہے۔ جو تکرار و کثرت کی شرط سے خالی ہوتا ہے شیر خوار کی جزئیت مرضعہ سے قلیل وکثیر رضاعت سے متحقق ہو جاتی ہے۔

مصر اور لیبیا میں اسی رائے پر عمل کیا جاتا ہے (پاکستان میں بھی یہ قول مفتی بہ ہے) جبکہ سوریا میں پہلی رائے پر عمل کیا جاتا ہے پہلی رائے میں لوگوں کے لئے آسانی ہے جبکہ دوسری رائے میں احتیاط کا پہلو نمایاں ہے۔

تیسری بحث: وہ امور جن سے رضاعت ثابت ہوتی ہے......رضاعت دو امور کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے (۱) اقرار اور (۲) گواہ۔ ❷

اقرار......حنفیہ کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک رضاعت محرّم کے متحقق ہونے کا اعتراف کرے۔

اگر مرد اور عورت نکاح سے پہلے رضاعت کے ہونے کا اقرار کریں کہ وہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں تو ان کا آپس میں نکاح کرنا حلال نہیں اگر نکاح کرلیا تو عقد فاسد ہو جائے گا اور عورت مہر کی مستحق نہیں ہوگی۔

اگر عقد نکاح ہو جانے کے بعد مرد وعورت رضاعت کا اعتراف کریں تو دونوں کے درمیان تفریق کرنا واجب ہے، اگر وہ دونوں علیحدگی پر تیار نہ ہوں تو قاضی جبرا دونوں میں تفریق کردے، کیونکہ بالیقین عقد کا فاسد ہونا واضح ہو چکا عورت کے لئے مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہ ہوگا۔

---

❶... اخرجه البخاری ومسلم من حديث ابن عباس ومن حديث عائشة ورواه احمد والترمذی وصححه عن علی رضی الله عنه (نصب الراية ۲۱۸/۳ نيل الاوطار ۲۱۷/۶) ❷البدائع ۱۴/۴ القوانين الفقهية ۲۰۷ مغنی المحتاج ۳ ۲۲۳ المغنی ۵۸/۷۔

ب......اگر صرف مرد کی طرف سے اقرار ہو مثلاً کہتا ہو یہ عورت میری رضاعی بہن ہے یا رضاعی ماں ہے یا رضاعی بیٹی ہے پھر دیکھا جائے گا اگر اقرار نکاح سے پہلے ہو تو اس سے نکاح کرنا حلال نہیں اور اگر نکاح کے بعد اقرار کیا ہو تو تفریق واجب ہوگی اگر اپنے اختیار سے تفریق نہ کریں تو قاضی جبراً تفریق کرے۔ اگر دخول سے پہلے تفریق ہو جائے تو عورت کو مقررہ مہر کا نصف ملے گا اور دخول کے بعد پورا مقررہ مہر ملے گا عورت پر عدت واجب ہوگی اور اسے عدت کے دوران کا نفقہ ملے گا۔ چونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے دوسرے پر متعدی نہیں ہوتی الا یہ کہ دوسرا شخص مقر کی تصدیق کر دے یا اقرار گواہوں سے صحیح ثابت ہو جائے، لیکن عورت کا حق مہر باطل نہیں ہوگا۔

ج......اگر صرف عورت رضاعت کا اقرار کرتی ہو پھر دیکھا جائے گا کہ اگر نکاح سے پہلے ہو تو اس سے نکاح حلال نہیں ہوگا لیکن اگر مرد کے دل میں اس عوت کا جھوٹ بولنا مصدق ہو جائے تو مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس سے نکاح کرنا حلال ہے کیونکہ طلاق کا اختیار مرد کو حاصل ہوتا ہے عورت کو حاصل نہیں ہوتا، جبکہ اقرار حجت قاصرہ ہے عین ممکن ہے کہ عورت کا اقرار رضاعت دل میں پوشیدہ کسی غرض کے واسطے ہو۔

اور اگر نکاح کے بعد عورت رضاعت کا اقرار کرے (کہ ناکح اس کا رضاعی بھائی ہے یا اس کا رضاعی چچا ہے یا رضاعی ماموں ہے وغیرہ) تو اس کا اقرار نکاح کے مانع نہیں ہوگا الا یہ کہ خاوند اس کی تصدیق کرتا ہو۔

جب تک مرد کے اقرار پر گواہ نہ قائم ہو جائیں وہ اپنے اقرار سے رجوع کر سکتا ہے برابر ہے کہ رجوع نکاح سے پہلے ہو یا بعد میں، مثلاً کہتا ہو کہ مجھے وہم ہوگیا تھا یا میں بھول گیا تھا، چونکہ یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ اس نے کسی کے بتانے پر اقرار کیا ہو پھر اس کا جھوٹا ہونا مقر پر عیاں ہو جائے، سو اگر مقر نے اپنے اقرار پر گواہ قائم کئے ہوں تو اس کے بعد رجوع قابل قبول نہیں ہوگا کیونکہ اس کے اقرار اور رجوع میں تناقض پایا جاتا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک میاں بیوی دونوں کے اقرار سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا یہ کہ دونوں کے والدین اعتراف کریں یا اکیلا مکلّف خاوند کرے اگرچہ عقد کے بعد ہو کیونکہ مکلّف کو اس کے اقرار سے پکڑا جاتا ہے، یا فقط بیوی کے اعتراف سے رضاعت ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ عورت بالغ ہو اور اعتراف نکاح سے پہلے ہو نکاح کے بعد اقرار سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

اگر دخول سے پہلے نکاح فسخ ہو جائے تو عورت کو مہر نہیں ملے گا الا یہ کہ فقط خاوند نکاح کے بعد اقرار کرتا ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔

اگر فسخ نکاح دخول کے بعد ہو تو عورت کو پورا مقررہ مہر ملے گا الا یہ کہ عورت کو دخول سے قبل رضاعت کا علم ہو اور مرد کو علم نہ ہو تو عورت کو دخول کی وجہ سے چوتھائی دینار ملے گا تاہم اسے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ملے گا۔

اگر نابالغ لڑکے کے والدین میں سے کوئی ایک رضاعت کا اقرار کرے مثلاً لڑکے کا باپ یا ماں اقرار کرے کہ جس لڑکی کے ساتھ اس کا رشتہ طے کیا جا رہا ہے وہ اس کی رضاعی بہن ہے اور عقد نکاح سے پہلے اقرار کیا ہو تو بعد از اقرار عقد نکاح صحیح نہیں ہوگا۔

اقرار سے رجوع صحیح نہیں برابر ہے کہ مقر اپنے اقرار پر اصرار کرتا ہو یا اصرار نہ کرتا ہو شافعیہ کے نزدیک صحت اقرار کے لئے دو مردوں کا ہونا شرط ہے چنانچہ دو مردوں کے علاوہ کے اقرار سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس پر مردوں کی اطلاع اغلب ہے۔

اگر ایک شخص نے کہا: ہندہ میری بیٹی ہے یا کہا رضاعی بہن ہے یا عورت نے کہا فلاں شخص میرا رضاعی بھائی ہے چنانچہ مقر اور مقر بہ کا نکاح حرام ہوگا کیونکہ انسان اپنے اقرار پر پکڑا جاتا ہے۔

اگر زوجین نے اعتراض کیا کہ ان دونوں کے درمیان حرمت والی رضاعت ہے تو دونوں میں تفریق کی جائے گی اور مقررہ مہر ساقط

ہو جائے گا اور اگر وطی ہو چکی ہو تو مہر مثل واجب ہو گا اگر خاوند رضاعت محرِّم کا دعویٰ کرتا ہو اور اس کی بیوی انکار کرتی ہو (1) تو دونوں کے درمیان قائم نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور دونوں میں تفریق کر دی جائے گی اگر وطی ہو چکی ہو تو عورت کو مقررہ مہر ملے گا بشرطیکہ مسمی صحیح ہو ورنہ مہر مثل ملے گا اگر وطی نہ ہوئی ہو تو عورت کو نصف مہر ملے گا۔

اگر عورت رضاعت کا دعویٰ کرے اور خاوند انکار کرتا ہو تو اگر خاوند نے عورت کی رضامندی سے شادی کی ہو تو قسم کے ساتھ خاوند کی تصدیق کی جائے گی اور اگر عورت کی رضامندی کے بغیر شادی کی ہو تو اصح قول کے مطابق قسم کے ساتھ عورت کی تصدیق کی جائے گی (2) دونوں صورتوں میں عورت کو مہر مثل ملے گا بشرطیکہ اس سے وطی ہوئی ہو اور اسے رضاعت کا علم نہ ہو۔

حنابلہ کہتے ہیں...... اگر خاوند نے دخول سے پہلے رضاعت محرِّم کا اقرار کیا ہو مثلاً کہا ہو منکوحہ میری رضاعی بہن ہے تو نکاح فسخ ہو جائے گا، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ اور اگر عورت نے خاوند کی تصدیق کر دی تو اسے مہر نہیں ملے گا اور اگر عورت خاوند کی تکذیب کرتی ہو تو اسے نصف مہر ملے گا۔

اگر عورت اقرار کرتی ہو کہ اس کا خاوند اس کا رضاعی بھائی ہے جبکہ خاوند اس کی تکذیب کرتا ہو تو فسخ نکاح کے حوالے سے عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اگر اقرار دخول سے پہلے ہو تو عورت کو مہر نہیں ملے گا چونکہ اس نے اپنے غیر مستحق ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اور اگر اقرار دخول کے بعد ہو اور عورت یہ اقرار بھی کرتی ہو کہ اسے حرمت رضاعت کا علم ہے تو بھی اسے مہر نہیں ملے گا چونکہ اس نے اپنے زانیہ ہونے کا اقرار کیا ہے اگر عورت انکار کرتی ہو تو اسے مہر ملے گا چونکہ یہ وطی بالشبہ ہے۔

گواہوں سے رضاعت کا ثبوت...... اس کا حاصل یہ ہے کہ عدالت میں کسی شخص کے حق میں رضاعت کی گواہی دینا۔ مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں (جو کہ عادل ہوں) کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوتی ہے۔

البتہ ایک شخص کی گواہی سے رضاعت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... رضاعت کے معاملہ میں ایک مرد یا ایک عورت یا چار عوروں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رضاعت میں دو گواہوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان صحابہ کی موجودگی میں جاری کیا گیا تھا اس پر کسی صحابی نے انکار نہیں کیا، گویا اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا نیز رضاعت ایسا معاملہ ہے جس پر مرد آگاہ ہو سکتے ہیں، لہٰذا تنہا عورتوں کی گواہی رضاعت میں قبول نہیں کی جائے گی۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: عقد سے پہلے فقط ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی اگر رضاعت کی خبر عام پھیلی ہو تو ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی اگر ایک عورت رضاعت کی گواہی دیتی ہو تو عقد جائز نہیں ہو گا۔

رضاعت ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ رضاعت کی خبر عام ہوئی ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں...... رضاعت چار عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ رضاعت کا تعلق پستان سے ہے اور پستان کو عورتیں ہی دیکھتی ہیں گویا ولادت کی طرح رضاعت پر بھی صرف عورتوں کو آگاہی ہوتی ہے تاہم چار عورتوں سے کم سے رضاعت ثابت نہیں ہو گی چار عورتیں دو مردوں کے برابر ہوں گی۔

---

(1)...... مثلاً خاوند کہتا ہو کہ میری بیوی رضاعی بہن یا رضاعی خالہ وغیر ذالک ہے جبکہ بیوی اس کے اس دعویٰ کا انکار کرتی ہو۔ (2) ان عورتوں سے قسم لی جائے گی۔

مرضعہ کی گواہی کسی اور آدمی کے ساتھ قبول کی جائے گی بشرطیکہ مرضعہ اجرت کا مطالبہ نہ کرتی ہو بلکہ وہ کہتی ہو کہ اس لڑکے نے اس کا دودھ پیا ہے چونکہ اس گواہی سے مرضعہ کا کوئی نفع نقصان نہیں۔

بیوی کی ماں اور بیوی کی بیٹی کی گواہی کسی اور کے ساتھ بغرض نیکی قبول کی جائے گی یعنی گواہی دعویٰ کے اثبات کے لئے نہ ہو ایسی گواہی کے قبول کرنے پر فقہاء کا اتفاق ہے چونکہ یہ گواہی حقوق اللہ میں سے ہے۔

تیسری فصل.....حضانت (بچے کی پرورش)

اس فصل میں چھ مباحث بیان کی جائیں گی۔

اول.....حضانت کا معنی اور اس کا حکم۔

دوم.....پرورش میں عورتوں کی ترتیب

سوم.....استحقاق حضانت کی شرائط۔

چہارم.....اجرت حضانت اور حضانت کے توابع (سکنی اور نفقہ)

پنجم.....حضانت کی جگہ اور بچے کو کسی دوسرے شہر میں منتقل کرنا اور پرورش کنندہ کے علاوہ دوسری عورت کا حق زیارت

ششم.....حضانت کی مدت اور انتہائے حضانت پر مرتب ہونے والے احکام

پہلی بحث: حضانت کا معنی، حکم اور حضانت کا حق کس کا ہے:

حضانت کا معنی.....حضانت لغوی اعتبار سے حضن سے ماخوذ ہے جس کا معنی پہلو کا حصہ پہلو میں لینا اور پروں تلے ڈھانپ لینا ہے شرعاً بچے کی پرورش کرنا حضانت ہے۔ بچے کی دیکھ بھال کھانے کا انتظام، کپڑے، بچے کو سلانا، صاف رکھنا، کپڑے دھونا وغیرہ پرورش ہے۔ ❶

حضانت دراصل ولایت وسرپرستی کی ایک قسم ہے لیکن عورتیں اس ولایت کی زیادہ حقدار ہیں کیونکہ عورتوں میں شفقت زیادہ ہوتی ہے اور وہ زیادہ عمدہ طریقہ اور ڈھنگ سے بچے کی تربیت کرسکتی ہیں اور استقامت سے اس فریضہ کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتی ہیں جب بچہ سن بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کی تربیت کا حق مرد کو حاصل ہوگا کیونکہ اب وہ عورتوں کی نسبت زیادہ عمدگی سے بچے کی تربیت کرسکتا ہے۔

حکم حضانت.....حضانت واجب ہے کیونکہ اگر حضانت ترک کردی جائے تو پروردہ (بچہ) ہلاک ہو جائے گا لہٰذا اسے ہلاکت سے محفوظ رکھنا واجب ہے جیسے بچے پر خرچہ کرنا اور اسے مہالک سے بچانا واجب ہے۔ ❷

حضانت (پرورش) حکمت ودانائی، بیدار مغزی، ہوشیاری، صبر اور خوش خلقی کی متقاضی ہے اور دوران پرورش بچے کو بددعا دینا مکروہ تحریمی ہے جیسے اپنی ذات اپنے خادم اور مال کو بددعا دینا مکروہ ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ ”اپنے آپ کو بددعا مت دو، اپنی اولاد کو بھی بددعا مت دو اپنے خادموں کو بددعا نہ دو اپنے اموال کو بددعا مت دو کیا معلوم تم ایسی گھڑی میں بددعا دو کہ وہ عنداللہ قبول ہو جائے۔ ❸

❶.....البدائع ۴/۴۰ الشرح الصغیر ۷۵۶/۲ مغنی المحتاج ۴۵۲/۳ کشاف القناع ۵۷۶/۵۔ ❷المغنی ۶۱۳/۷ غایۃ المنتہی ۲۴۹/۳ کشاف القناع ۵۷۶/۵۔ ❸ رواہ مسلم فی کفایہ وابوداؤد عن جابر بن عبداللہ

ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: اوس بن عبادہ انصاری ایک مرتبہ حضور نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری کچھ بیٹاں ہیں میں انھیں موت کی بددعا دے دیتا ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن ساعدہ! انھیں بددعا مت دو چونکہ بیٹیاں باعث برکت ہوتی ہیں وہ نعمتیں سمیٹ کر لاتی ہیں مصیبت کے وقت مددگار ثابت ہوتی ہیں، تنگی ترشی میں عیادت کرتی ہیں زمین ان کے بوجھ کو اٹھائے رکھتی ہے اور اللہ کے ذمہ ان کا رزق ہے۔ ❶

حضانت کا صاحب حق کون ہے..... یہ مسئلہ فقہاء میں مختلف فیہ ہے۔ ❷

حنفیہ اور مالکیہ کی رائے ہے کہ حضانت پرورش کرنے والے کا حق ہے چونکہ اسے اپنا حق ساقط کرنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اگرچہ اسقاط حق بلاغرض ہی کیوں نہ ہو، اگر حضانت کسی اور کا حق ہوتی تو اس کے اسقاط سے ساقط نہ ہوتی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ حضانت محضون (پروردہ) کا حق ہے اگر اس نے یہ حق ساقط کر دیا تو ساقط ہو جائے گا۔

علمائے محققین کے نزدیک حضانت کے ساتھ تین حقوق متعلق ہوتے ہیں حاضنۃ (دایہ) کا حق محضون (پروردہ) کا حق باپ یا جو اس کے قائم مقام ہو کا حق اگر ان تین حقوق میں تطبیق ممکن ہو تو اس پر عمل واجب ہے اگر ان حقوق میں تعارض آ جائے تو محضون کو مقدم رکھا جائے گا تاہم اس معتدل منطق سے درج ذیل احکام متفرع ہوتے ہیں۔ ❸

۱..... حاضنہ کو پرورش پر مجبور کیا جائے گا بشرطیکہ حضانت اس کی لئے متعین ہو جائے اس کی صورت یہ ہے کہ پرورش کے لئے کوئی اور چارہ کار نہ ہو۔

۲..... اگر حضانت حاضنہ کی متعینہ ذمہ داری طے نہ پائی ہو تو اس پر حضانت واجب نہیں لہٰذا اسے مجبور نہیں کیا جائے گا چونکہ حضانت حاضنہ کا حق ہے۔

۳..... اگر عورت اپنے خاوند سے اس شرط پر خلع لے لے کہ بچے کو خاوند عورت کے پاس رہنے دے تو حنفیہ کے نزدیک خلع صحیح ہے لیکن شرط فاسد ہے چونکہ یہ حق بچوں کو حاصل ہوتا ہے کہ جب تک وہ محتاج ہے ماں کے پاس رہے۔

۴..... جو عورت حضانت کا حق رکھتی ہو باپ اس سے بچہ لینے کا حق نہیں رکھتا، الا یہ کہ شرعی طور پر کوئی ضرورت ہو تو اس سے لے کر کسی دوسری عورت کو دے سکتا ہے۔

۵..... اگر مرضعہ حاضنہ (دایہ) کے علاوہ کوئی اور ہو تو مرضعہ پر واجب ہے کہ وہ حاضنہ کے پاس جا کر بچے کو دودھ پلائے تاکہ حاضنہ کا حق حضانت فوت نہ ہونے پائے۔

دوسری بحث: پرورش کرنے والی عورتوں کے درجات کی ترتیب..... فقہاء نے پروردہ بچے کی مصلحت کے پیش نظر بعض عورتوں کو بعض دوسری پر مقدم رکھا ہے چنانچہ فقہاء نے پرورش کے زیادہ لائق عورتوں کو قرار دیا ہے چونکہ عورتیں زیادہ شفیق ہوتی ہیں پرورش کے گر جانتی ہیں۔ استقامت دکھاتی ہیں اور بچوں کے ساتھ لازم رہتی ہیں، فقہاء نے شفقت اور قرابتداری کو مدنظر رکھ کر درجات مقرر کئے ہیں عورتوں کے بعد عصبہ میں سے محرم مردوں کا نمبر آتا ہے بعض اوقات درجات میں فقہاء کا اختلاف بھی ہوا ہے کہ آیا حضانت کی مستحق عورتیں ہیں یا مرد یا دونوں۔ ایسا عموماً معین عمر کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب وہ عمر پوری ہو جاتی ہے ہے تو پھر مرد عورتوں کی نسبت لڑکوں کی بہتر تربیت کرتے ہیں۔ ❹

---

❶ ..... مغنی المحتاج: ۳/۴۶۴ ❷ الدر المختار وردالمحتار ۲/۸۷۱ القوانین الفقهیة ۲۲۵ الشرح الصغیر ۲/۷۶۳ ❸ الاحوال الشخصیه للاستاذ الشیخ عبد الرحمن تاج ۴۵۷۔ ❹ البدائع ۴/۴۱ الدر المختار ۲/۸۷۱ فتح القدیر ۳/۳۱۳ الکتاب مع اللباب ۳/۱۰۱ القوانین الفقهیة ۲۲۴ الشرح الصغیر ۲/۷۵۶ المهذب ۲/۱۶۹ المغنی ۷/۶۱۳ مغنی المحتاج ۳/۴۵۲۔

اول: عورتوں کے درجات:

۱..... اگر بچے کی ماں کو طلاق ہو جائے یا اس کا خاوند وفات پا جائے تو ماں بچے کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے اس پر علماء کا اجماع ہے چونکہ ماں میں شفقت کا پہلو زیادہ ہوتا ہے ہاں البتہ اگر ماں مرتدہ ہو یا فاجرہ ہو تو پھر بچے کی پرورش کی حقدار نہیں ہوتی چونکہ بچے کے ضائع ہونے اور اس کے اخلاق بگڑنے کا خدشہ ہے مثلاً عورت زانیہ ہو یا دن بھر گھر سے باہر رہتی ہو تو لامحالہ بچے کی ہلاکت کا قوی امکان ہوتا ہے۔

ماں کے مقدم ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی: اے اللہ کے رسول! میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ ٹھکانہ رہا ہے میرے پستان اس کے مشکیزے تھے میری گود اس کا نشیمن تھی۔ اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دیدی ہے اور وہ اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جب تک دوسرا نکاح نہ کرلو اس بچے کی زیادہ حقدار ہو[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ جو شخص ماں اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کردے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے اور اس کے دوستوں کے درمیان تفریق کرے گا۔[2]

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام عاصم کو طلاق دیدی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ام عاصم کے پاس آئے ان کی گود میں عاصم رضی اللہ عنہ تھے آپ رضی اللہ عنہ نے ام عاصم سے بچہ چھیننا چاہا دونوں میں چھینا جھپٹی ہوگئی اور بچہ رونے لگا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور معاملہ پیش کیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بچے کو عورت کا صاف کرنا گود میں لینا اور اس کی بو عورت کے لئے تم سے زیادہ بہتر ہے یہاں تک کہ بچہ بالغ ہو جائے پھر اسے اختیار حاصل ہوگا۔[3]

۲..... ماں کے بعد ماں کی ماں یعنی بچے کی نانی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے چونکہ بچہ اپنی ماں کی وساطت سے نانی کی وراثت میں شریک ہوتا ہے نانی کے بعد حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دادی زیادہ حقدار ہے پھر پردادی پھر دادے کے باپ کی ماں مالکیہ نے دادی کو خالہ اور ماں کی پھوپھی کے بعد رکھا ہے۔

حنابلہ نے باپ کو مقدم کیا ہے پھر نانی پردادی پھر دادا پھر دادا کی ماں۔

۳..... نانی کے بعد حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بہن کا نمبر آتا ہے یعنی بچے کی حقیقی بہن پھر حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن جبکہ شافعیہ نے اس کے برعکس موقف اختیار کیا ہے انھوں نے (اصح قول کے مطابق) باپ شریک بہن کو ماں شریک بہن پر مقدم رکھا ہے چونکہ باپ شریک بہن بچے کے نسب میں شریک ہوتی ہے، نیز باپ شریک بہن کی وراثت داری قوی ہوتی ہے اور وہ عصبہ بھی بن جاتی ہے پھر حقیقی بہن اور پھر ماں شریک بہن۔

جمہور نے بہنوں کو خالاؤں اور پھوپھیوں پر اس لئے مقدم رکھا ہے چونکہ بہنوں میں قرابتداری کا پہلو زیادہ پایا جاتا ہے۔

مالکیہ نے خالہ کو مقدم رکھا ہے پھر دادی کو پھر پردادی کو پھر پروردہ بچے کے باپ کو بہن پر مقدم رکھا ہے۔

۴..... بہن کے بعد حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پروردہ بچے کی حقیقی خالہ کا نمبر آتا ہے پھر حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ چونکہ جو رشتے ماں کی طرف سے ہوتے ہیں ان میں شفقت کا پہلو زیادہ پایا جاتا ہے شافعیہ کے نزدیک باپ شریک خالہ اور باپ شریک پھوپھی خالاؤں پر مقدم ہوں گی۔

مالکیہ نے خالہ کو مقدم رکھا ہے پھر باپ شریک دادی۔

---

[1] رواہ ابوداؤد والبیهقی والحاکم وصحح اسنادہ [2] رواہ الترمذی واحمد والحاکم عن ابی ایوب [3] رواہ ابن ابی شیبة.

۵......پھر بہن کی بیٹیاں (یعنی بھانجیاں) پھر بھتیجیاں یہ حنفیہ اور شافعیہ کی رائے ہے، ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خالہ بھانجیوں اور بھتیجیوں سے اولیٰ ہے کیونکہ بھتیجیوں میں باپ کی قرابت ہے اور خالہ میں ماں کی قرابت ہے لہٰذا خالہ زیادہ حقدار ہے بھتیجی، پھوپھی سے زیادہ حقدار ہے چونکہ بھتیجی کی قرابتداری زیادہ ہے کیونکہ بھتیجی بھائی کی اولاد ہے او پھوپھی دادکی اولاد ہے مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پھوپھی، بھتیجی پر مقدم ہوگی۔

۶......پھر بالاتفاق پھوپھی کا درجہ آتا ہے۔(یعنی پرورده بچے کی پھوپھی) پھر باپ کی پھوپھی پھر پرورده بچے کے دادا کی بہن۔

خلاصہ......ایک نظر میں فقہاء کے ہاں ترتیب یوں ہے۔

حنفیہ......ماں، نانی پھر دادی پھر بہنیں پھر خالائیں پھر بھانجیاں پھر بھتیجیاں پھر پھوپھی، پھر ترتیب وراثت کے مطابق عصبات۔
مالکیہ......ماں پھر نانی، پھر خالہ، پھر باپ شریک دادی پھر بہن، پھر پھوپھی، پھر بھتیجی، پھر عصبہ میں جو اولیٰ ہوں۔
شافعیہ......ماں پھر نانی پھر دادی پھر بہنیں، پھر خالائیں پھر بھتیجیاں اور بھانجیاں پھر پھوپھیاں پھر ہر وہ ذی رحم محرم جو عصبات میں سے ہو جیسا کہ حنفیہ کے ہاں ترتیب ہے۔

حنابلہ......ماں پھر نانی پھر دادی جو باپ شریک ہو پھر دادا پھر مائیں پھر حقیقی بہن پھر ماں شریک بہن پھر باپ شریک بہن پھر حقیقی خالہ پھر ماں شریک خالہ پھر باپ شریک خالہ پھر پھوپھی پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ پھر باپ کی پھوپھی پھر بھتیجی پھر باپ کے چچا کی بیٹی پھر باقی عصبہ الاقرب فالاقرب۔

قانون کا موقف......سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۹/ا کے تحت حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے۔

مردوں کے درجات......اوپر مختلف درجات کے تحت عورتوں کا جو تذکرہ ہوا ہے سو حق حضانت میں عورتوں کو مقدم رکھا جائے گا اگر مذکورہ بالا عورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو پھر حق حضانت مردوں کی طرف عصبات کی ترتیب پر منتقل ہو جائے گا اولا آباء کو حق حاصل ہوگا پھر اجداد کو اگر چہ اوپر چلے جاؤ پھر بھائی پھر بھتیجے اگر چہ نیچے آ جاؤ پھر چچے پھر ان کے بیٹے یہ ترتیب حنفیہ کے نزدیک ہے اور صحیح قول کے مطابق شافعیہ کے نزدیک بس یہی ترتیب ہے لیکن جولڑکی حد اشتہاء تک پہنچ جائے تو اسے غیر محرم مرد کے سپرد نہیں کیا جائے گا جیسے مثلاً لڑکی کا چچازاد بھائی سو بالاتفاق چچازاد بھائی کو مشتھاۃ لڑکی کی پرورش کا حق نہیں ہوگا کیونکہ اگر یہ حق دیا جائے تو اس سے فتنہ برپا ہوگا۔ہاں البتہ چچازاد بھائی لڑکے پرورش کا حق رکھتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر بچے کے عصبہ میں سے کوئی رشتہ دار نہ ہو تو اس کا حق حضانت اس کے ذوی الارحام کو منتقل ہو جائے گا۔چنانچہ اولاً ماں شریک بھائی کو حق حاصل ہوگا پھر اس کے بیٹے کو پھر ماں شریک چچا کو پھر حقیقی ماموں کو پھر ماں شریک ماموں کو چونکہ ان لوگوں کو نکاح کی ولایت اسی ترتیب سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا انھیں حق حضانت بھی حاصل ہوگا لیکن سوریا کے قانون میں یہ رائے نہیں اختیار کی گئی صرف عصبات کو حق حضانت دینے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔اس قانون میں ذوی الارحام کو یہ حق نہیں دیا گیا۔

حنفیہ کے نزدیک اگر ایک درجہ میں دو حقدار جمع ہو جائیں جیسے دو چچے تو ان میں سے جو زیادہ متقی ہوگا اسے مقدم رکھا جائے گا پھر معمر کو جو فاسق نہ ہو۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر مذکورہ بالا عورتوں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو حق حضانت وصی کو منتقل ہو جائے گا پھر حقیقی بھائی حقدار ہوگا پھر ماں شریک یا باپ شریک بھائی پھر باپ شریک دادا گویا جو زیادہ قریبی ہوگا وہ حقدار ہوگا پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچازاد، بھائی ماں شریک دادا اور

ماموں کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا پھر پروردہ کا آزاد کردہ غلام پھر اس کے نسبی عصبہ۔

اگر درجہ میں مساوی دو حقدار جمع ہو جائیں جیسے: دو بہنیں دو خالائیں اور دو پھوپھیاں تو اس عورت کو مقدم رکھا جائے گا جو زیادہ مشفق ہو۔

شافعیہ کہتے ہیں درجہ مساوی ہونے کی صورت میں حقداروں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے گا چونکہ دونوں کو حق حضانت دینا ناممکن ہے اور ایک کو دوسری پر ترجیح بھی نہیں دی جاسکتی۔

اگر بچے کے قریبی رشتہ دار نہ ہوں جو اس کی پرورش کریں عورتیں بھی نہ ہوں اور مرد بھی نہ ہوں عصبات وذوی الارحام جو اوپر مذکور ہوئے بھی موجود نہ ہوں تو حق حضانت ان رشتہ داروں کو نہیں ملتا جو وارث نہیں بنتے جیسے نواسا، بھانجا، ماں شریک بھائی کا بیٹا، ماموں اور ماں شریک چچا چونکہ حق حضانت قوت وراثت پر ملتا ہے جبکہ یہ چیز ذوی الارحام میں سے مردوں میں نہیں پائی جاتی۔ یہ شافعیہ کی اصح رائے ہے۔

حنابلہ کی رائے حنفیہ جیسی ہے کہ اگر عصبات مفقود ہوں تو حضانت ذوی الارحام مردوں اور عورتوں کو حاصل ہوگی پھر ان کی اولاد کو حاصل ہوگی کمامر۔

اگر حقدار متعدد ہوں......اوپر بھی اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے چنانچہ اگر حضانت کے مستحقین متعدد ہوں مثلاً ایک درجہ کے بہت سارے حقدار ہوں جیسے بھائی بہنیں تو ان میں سے اس حقدار کو مقدم رکھا جائے گا جو بچے کے حق میں زیادہ بہتر ہو اگر اس میں سبھی برابر ہوں تو مقدار عمر میں زیادہ بڑا ہو اسے مقدم کیا جائے گا۔

حاضنہ اور باپ کی ذمہ داری...... حاضنہ سے مرد پرورش کرنے والی عورت ہے چنانچہ باپ کا فریضہ ہے کہ وہ بچے کے اخراجات برداشت کرے، اس کی بہتر تربیت کرے اسے زیور علم سے آراستہ کرنے کا انتظام کرے یا کوئی اچھا سا ہنر سکھلائے رہی بات لڑکی کی سوا سے کسی کام یا خدمت میں نہیں لگایا جائے گا چونکہ خدمت کے دوران وہ متاجر (مالک) کے ساتھ تنہا بھی ہوگی اس سے فتنے کا اندیشہ ہے۔❶

حاضنہ خواہ ماں ہو یا کوئی اور عورت وہ پروردہ بچے کا نفقہ کپڑے اور اشیاء ضرورت قبضے میں لے اس میں اوقات کی حسب انتظام رعایت رکھی جائے، باپ حاضنہ کو یہ نہیں کہہ سکتا کہ بچے کو میرے پاس بھیجو اور وہ کھانا کھا کر واپس آجائے گا چونکہ اس میں بچے کو تکلیف ہوگی۔❷

تیسری بحث: استحقاق حضانت کی شرائط...... محضون (پروردہ) کی شرائط: محضون کی اصطلاح عام ہے اس سے مراد ایسا شخص ہے جو اپنے ذاتی معاملات کا مستقلا خود انتظام نہ کرسکتا ہو جیسے کمسن بچہ، مجنون، معتوہ، تاہم حضانت کا مصداق یا تو بچے پر ہوتا ہے یا معتوہ پر رہی بات سمجھدار بالغ کی سوا سے حضانت کی ضرورت نہیں ہوتی، سمجھدار بالغ سے مراد ایسا شخص ہے جو والدین میں سے جس کے پاس اقامت رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔ سو اگر بالغ مرد ہو تو وہ روزمرہ کے شئون میں خود مختار ہوتا ہے اور والدین سے مستغنی ہوتا ہے مستحب یہ ہے کہ وہ والدین سے الگ نہ ہو اور ان کے احسان کو فراموش نہ کرے، اور اگر بالغ فرد عورت ہو تو وہ والدین سے علیحدگی نہیں کرسکتی اگر

---

❶......الدر المختار وحاشية ابن عابدين ۲/ ۸۸۳ ❷ الشرح الصغير ۲/ ۷۶۴

تاہم ترجیح ممکن ہے مثلاً ایک بہن چچازاد بھائی کے نکاح میں ہو اور دوسری کسی اجنبی شخص کے نکاح میں ہو تو لامحالہ یہاں چچازاد کی منکوحہ کو حق حضانت دیا جائے گا اس لئے ترجیحات کا اعتبار ضروری ہے چونکہ حضانت کا دارومدار شفقت اور تربیت پر ہے۔

ایسا کرے بھی تو والدین اسے منع کریں کیونکہ اگر والدین سے علیحدہ رہے گی تو یہ خدشہ قوی ہو جاتا ہے کہ اجنبی لوگ اس کے پاس آنا جانا شروع کردیں اور اگر اس کا باپ نہ ہو تو اس کے سرپرست کو ممانعت کا اختیار حاصل ہوگا۔ ❶

پروران کی شرائط: پروروں کی شرائط تین اقسام کی ہیں:

۱..... عام شرائط جو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے مشترکہ ہیں۔

۲..... شرائط خاصہ جو عورتوں کے ساتھ خاص ہیں۔

۳..... شرائط خاصہ جو مردوں کی ساتھ خاص ہیں۔ تاہم ان شرائط میں سے بعض متفق علیہ ہیں جیسے آزادی، عقل، بلوغ، قدرت، امانت، پرور (پرورش کرنے والی/ والا) بچے کا قریبی رشتہ دار ہو۔ بعض شرائط مختلف فیہ ہیں جیسے رشد اور اسلام۔ ❷

پہلی قسم، شرائط عامہ..... یہ شرائط عورتوں اور مردوں کے لئے یکساں ہیں۔ تاہم پرور میں یہ شرائط پائی جانی ضروری ہیں۔

۱۔ **بلوغ**..... یہ کہ پرورش کا ذمہ دار بالغ ہو، بچے کو پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا اگرچہ وہ ممیز ہی کیوں نہ ہو چونکہ بچہ تو ذاتی شئون کا انتظام نہیں کرسکتا دوسرے کے کیا۔

۲۔ **عقل**..... پرور عاقل ہو، مجنون اور معتوہ کو پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا چونکہ یہ دونوں دوسرے شخص کے محتاج ہوتے ہیں بھلا وہ کسی دوسرے کی دیکھ بھال کیسے کرسکتے ہیں۔

مالکیہ نے رشد (سمجھداری) کی شرط بھی عائد کی ہے چنانچہ سفیہ/فضول خرچ کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا یہ شرط اس لئے عائد کی ہے تاکہ پروردہ (بچے) کا مال ضائع نہ ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ پرور موذی مرض میں مبتلا نہ ہو جیسے جذام برص ایڈز وغیرھا۔ ان مرضوں میں مبتلا شخص کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا۔

۳۔ **پروردہ کی تربیت پر قادر ہونا**..... کمسن بچے کی اخلاقی تربیت اور صحت بحالی پر استطاعت رکھنا شرط ہے جو شخص بڑھاپے یا بیماری یا مشغولیت کی وجہ سے پروردہ کی تربیت پر قادر نہ ہوا سے حضانت کا حق حاصل نہیں ہوگا چنانچہ کام کاج میں مصروف عورت اور مزدور پیشہ عورت جو مصروفیت کی وجہ سے کمسن بچے کی پرورش نہ کرسکتی ہو وہ حضانت کی اہل نہیں ہوگی، البتہ اگر اس کا کام کمسن کی پرورش میں رکاوٹ نہ بنتا ہو تو اسے حق حضانت حاصل ہوگا چنانچہ مصر (اور دوسرے ممالک پاکستان میں بھی) عورتیں ہسپتالوں میں نرسنگ اور تدریس کے شعبوں سے منسلک ہیں ان کا حق حضانت ساقط نہیں ہوتا کیونکہ ان میں سے ایک کمسن بچے کے امور سنوار سکتی ہے اور اپنی معاون اور نائب سے مدد لے سکتی ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۳۷ کے تحت ان شرائط کی صراحت کی گئی ہے کہ حضانت کے لیے۔

اہلیت، بلوغ، عقل اور قدرت شرط ہے دفعہ ۱۳۹ / ۲ میں صراحت کی گئی ہے کہ مزدوری اور ملازمت کا پیشہ اپنانے سے عورت کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

نابینا شخص حضانت کا اہل نہیں ہوتا چونکہ اس سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

---

❶..... القوانین الفقہیۃ ۲۲۵ المہذب ۲/ ۱۶۹ مغنی المحتاج ۳/ ۲۵۲ المغنی ۷/ ۶۱۴۔ ❷ البدائع ۴/ ۴۱ الدر المختار وابن عابدین ۲/ ۸۷۱ الشرح الصغیر ۲/ ۷۵۸ مغنی المحتاج ۳/ ۴۵۴ غایۃ المنتہی ۳/ ۲۴۹ کشاف القناع ۵/ ۵۷۹ المہذب ۲/ ۱۶۹۔

۴۔ تحفظ اخلاق ...... جس شخص کے متعلق اعتماد نہ ہو کہ اس کے زیر پرورش بچے کے اخلاق محفوظ رہیں گے یا نہیں مثلاً وہ فاسق ہو مرد ہو یا عورت ہو جو زنا میں مشہور ہوں یا حرام کا ارتکاب کرتے ہوں تو ایسے مرد یا عورت کو حق حضانت حاصل نہیں ہوگا، ابن عابدین نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ فسق مانع حضانت ہے جس سے بچے کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو، تاہم ماں کو حق حضانت حاصل ہوگا اگر چہ عورت فجور میں معروف ہو بشرطیکہ بچہ اتنی عمر کو نہ پہنچا ہو کہ وہ ماں کے فجور کو سمجھتا ہو۔ اس صورت میں بچہ عورت سے چھین لیا جائے گا تا کہ بچے کے اخلاق نہ بگڑنے پائیں۔ چونکہ وہ اب قابل اعتماد نہیں رہی، رہی بات عصبہ میں سے فاسق مرد کی سواسے حق حضانت نہیں ملے گا۔

مالکیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ جس جگہ بچے کی پرورش کی جارہی ہو وہ فساد سے محفوظ ہو تاہم ایسے شخص کو حق حضانت نہیں ملے گا جس کا گھر فساق وفجار کا ٹھکانا ہو، یا اس گھر کے پڑوس میں فساق رہتے ہوں چونکہ بچے کے اخلاق بگڑنے کا قوی امکان ہے۔

۴۔ اسلام ...... شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط معتبر ہے، تاہم کافر کو مسلمان پر حق حضانت حاصل نہیں ہوگا چونکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی نیز کافر مسلمان بچے کو اپنے دین کی طرف بھی لے جا سکتا ہے، حنفیہ اور مالکیہ نے اسلام کی شرط نہیں لگائی چنانچہ حاضنہ (دایہ) کتابیہ اور غیر کتابیہ بھی ہوسکتی ہے برابر ہے کہ وہ ماں ہو یا کوئی اور عورت ہو، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو مسلمان باپ اور مشرکہ ماں کے درمیان اختیار دیا تھا، تاہم لڑکا ماں کی طرف مائل ہوا تھا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یا اللہ! اس لڑکے کی راہنمائی فرما، پھر لڑکا باپ کی طرف مڑ گیا۔ نیز حضانت کا دارومدار شفقت پر ہے اور دین کے مختلف ہونے سے اس پہلو میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔

غیر مسلمہ کے پاس پرورش میں بچہ کتنی مدت تک رہے گا۔ سو اس میں اختلاف ہے۔

حنفیہ ...... کہتے ہیں بچہ غیر مسلم دایہ کے پاس سمجھ بوجھ پیدا ہونے تک رہے گا خواہ یہ حد بلوغ سے واضح ہو یا وہ اپنے امور دین سمجھنے لگے یا اس عبادت گاہ میں جانے لگے یا بچے کو غیر مسلم دایہ شراب نوشی کا عادی بنانے لگے یا خنزیر کا گوشت کھلوانے لگے مصر کی عدالتوں میں یہی رائے اختیار کی گئی ہے۔

مالکیہ ...... کہتے ہیں بچہ غیر مسلم دایہ کے پاس مدت حضانت کے مکمل ہونے تک رہے گا لیکن دایہ کو شراب اور خنزیر کے گوشت کی غذا دینے سے روکا جائے گا اگر حرام میں پڑنے کا خوف ہو تو حق حضانت کسی مسلمان کو سونپا جائے گا تا کہ بچہ فساد سے محفوظ رہے۔

اسی طرح اگر پرورمرد ہو تو اس کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

حنفیہ ...... کی رائے ہے کہ دایہ کے برخلاف اگر مرد کو حق حضانت حاصل ہو تو اس کا مسلمان ہونا شرط ہے چونکہ حضانت ولایت کی ایک قسم ہے اور اختلاف دین کے ہوتے ہوئے ولایت حاصل نہیں ہوتی نیز حنفیہ کے نزدیک حق حضانت کا دارومدار وراثت پر ہے اور اختلاف دین کی وجہ سے میراث نہیں حاصل ہوتی۔

مالکیہ ...... کے نزدیک پرورش کرنے والے مرد کا مسلمان ہونا شرط نہیں جیسے حاضنہ کے لیے شرط نہیں، چونکہ مالکیہ کے نزدیک مرد کو بھی حق حضانت حاصل ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عورتیں بھی ہوں جو بچے کے مختلف امور کو سنواریں جیسے مثلاً پرور کی بیوی ماں، پھوپھی بیٹے وغیرہ چنانچہ حضانت حقیقت میں عورت کا حق ہے۔

دوسری نوع ...... عورتوں کے بارے میں دوسری شرائط: عورت کے متعلق درج ذیل شرائط ہیں۔

۱..... یہ کہ عورت کسی اجنبی کے نکاح میں نہ ہو جس کا بچے کے ساتھ کوئی رشتہ نہ بنتا ہو یہ شرط سابق حدیث کی وجہ سے متفق علیہ ہے۔
حدیث یہ ہے تو اس بچے کی زیادہ حقدار ہے جب تک کہ تم نکاح نہ کرلو عقلی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں بچے کے ساتھ بددلی اور سنگدلی سے معاملہ کیا جائے گا، چونکہ یہ عورت خاوند کے حقوق میں مشغول رہ کر بچے سے غافل رہے گی۔
اگر حاضنہ (پرورش کرنے والی عورت) پروردہ بچے کے کسی محرم قریبی رشتہ دار کے نکاح میں ہو جیسے مثلاً بچے کے چچا یا چچازاد بھائی کے نکاح میں ہو تو حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

۲..... یہ کہ عورت بچے کی ذی رحم محرم ہو مثلاً ماں ہو یا بہن ہو یا دادی ہو۔ چچازاد بہنوں یا پھوپھی کو حق حصانت نہیں حاصل ہوگا، ماموں زاد بہنوں یا خالہ کو بھی حق نہیں ہوگا چونکہ محرمیت کا پہلو نہیں، جبکہ حنفیہ کے نزدیک مذکورہ عورتوں کو حق حضانت حاصل ہوگا۔

۳..... یہ کہ عورت مفت پرورش سے انکار نہ کرتی ہو اس حال میں کہ بچے کا باپ تنگدست ہو جو پرورش کی اجرت دینے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اگر باپ تنگدست ہو اور پرورش کے لیے دوسری عورت مفت پر تیار ہو تو پہلی عورت کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ یہ شرط حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے۔

۴..... پرورش کرنے والی عورت بچے کو ایسے گھر میں لے کر مقیم نہ ہو جس میں کوئی ایسا شخص ہو جو بچے کو ناپسند کرتا ہو چونکہ ایسے شخص کے ساتھ رہتے ہوئے بچے کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے یہ شرط مالکیہ کے نزدیک معتبر ہے مالکیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ محضون (پروردہ بچے) کا ولی یا حاضنہ چھ برید (۳۶ میل) یا اس سے زیادہ کا سفر نہ کرے اگر اتنا سفر کیا تو پروردہ بچہ لے لیا جائے گا اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔
شافعیہ اور حنابلہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اگر بچہ شیر خوارہ ہو تو حاضنہ اسے دودھ پلاتی ہو اور اگر اس کے پستانوں میں دودھ نہ ہو یا عورت دودھ نہ پلاتی ہو تو اسے حق حضانت نہیں ملے گا چونکہ مرضعہ کو اجرت پر لینا باپ کی ذمہ داری ہے وہ اپنے گھر کو چھوڑ کر حاضنہ کے پاس آئے گی اس میں باپ پر تنگی ہوگی۔ لہٰذا باپ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی جائے گی۔

تیسری نوع، مردوں کے ساتھ مخصوص شرائط..... اگر پرورش کنندہ مرد ہو تو اس کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔
۱..... اگر پروردہ مشتہاۃ لڑکی ہو تو پرورش کنندہ مرد اس کا محرم ہو۔

مشتھاۃ کی عمر کی تحدید..... چنانچہ حنفیہ کے نزدیک سات سال ہے، محرم کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ تنہائی کی صورت میں فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ اگر لڑکی مشتہاۃ نہ ہو تو پرورش کنندہ کے لئے یہ شرط نہیں ہوگی، چونکہ اس صورت میں فتنے کا اندیشہ نہیں ہوگا، تاہم چچازاد بھائی کو مشتہاۃ چچازاد بہن کی پرورش کا حق حاصل نہیں ہوگا، حنفیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ لڑکی کا کوئی اور محرم نہ ہو اور فتنے کا اندیشہ بھی نہ ہو۔
اسی طرح حنابلہ نے غیر محرم کی پرورش کو بھی جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ قابل اعتماد شخص ہو شافعیہ نے بھی جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ غیر محرم کی بیٹی یا بہن پروردہ لڑکی کی رفاقت اختیار کرے۔

۲..... یہ کہ پرورش کنندہ کے یہاں کوئی عورت مثلاً بہن، بیوی یا بیٹی موجود ہو جو پرورش کی صلاحیت رکھتی ہو، چونکہ مرد بچوں کے احوال پر صبر نہیں کر سکتے اور اگر پرورش کنندہ مرد کے ہاں کوئی عورت مقیم نہ ہو تو اسے حق حضانت نہیں ملے گا یہ شرط مالکیہ کے ہاں ہے۔
مالکیہ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ پرورش کنندہ پروردہ (بچے) کو چھوڑ کر چھ برید (۷۲ میل) کا سفر نہ کرے اگر اتنی مسافت کا سفر کیا تو پروردہ لے لیا جائے گا الا یہ کہ پرورش کنندہ اسے اپنے ساتھ سفر پر لے جائے بشرطیکہ راستہ پر امن ہو۔

شرائط: حضانت کے زیر اثر امور..... اول سقوط پرورش: مالکیہ کے نزدیک حق حضانت کے ساقط ہونے کے چار اسباب

ہیں ان اسباب میں سے اکثر میں دوسرے فقہاء نے بھی مالکیہ کی موافقت کی ہے۔

۱..... یہ کہ پرورش کنندہ کہیں دور کا سفر کرے اس سفر کی مسافت چھ برید یعنی ۲۷ میل ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ اگر پرورش کنندہ نے اتنی مسافت کا سفر کیا تو ولی پروردہ کو اس سے لے سکتا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں اگر مطلقہ ماں بچے کو اتنا دور لے جائے کہ باپ بچے کی زیارت کر کے رات کو گھر واپس نہ آ سکتا ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں اگر کسی ایسی جگہ پرورش کنندہ نے سفر کیا جہاں امن وامان کی صورت حال مخدوش ہو تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ حنابلہ کہتے ہیں اگر حاضن نے مسافت قصر کے بقدر سفر کیا تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

۲..... پرورش کنندہ کسی موذی مرض میں مبتلا ہو جائے تو حق حضانت ساقط ہو جائے گا جیسے جنون، جذام، برص وغیرہ، حنابلہ نے بھی اس شرط کی موافقت کی ہے۔

۳..... فسق وفجور اور دینداری کی کمی بھی سقوط حضانت کا سبب ہے چونکہ بچے کی اصلاح خدشے میں پڑ جائے گی اور پرورش کا مقصد فوت ہو جائے گا یہ سبب متفق علیہ ہے، سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۴۷ / ۳ کے تحت اس شق کو اختیار کیا گیا ہے۔

۴..... بچہ اگر کسی غیر شادی شدہ عورت کی پرورش میں ہو اور اس کی شادی ہو جائے اور رخصتی عمل میں آ جائے، الا یہ کہ اگر بچے کی پرورش دادی کر رہی ہو اور اس کا نکاح بچے کے نانا (یا نانی پرورش کر رہی ہو اور اس کا نکاح بچے کے دادا) سے ہو جائے تو حق حضانت ساقط نہیں ہوگا چونکہ دادا اور چچا بچے کے محرم ہوتے ہیں یہ سبب بھی متفق علیہ ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک پرورش کنندہ کے کافر ہو جانے سے بھی حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے۔ [1]

دوم: سقوط کے بعد دوبارہ حق حضانت کا مل جانا..... اگر کسی مانع کی وجہ سے حق حضانت ساقط ہو جائے تو کیا مانع زائل ہونے کے بعد حق حضانت دوبارہ حقدار کو مل جائے گا؟ اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

مالکیہ..... کہتے ہیں اگر حق حضانت کسی عذر مثلاً بیماری خوف یا سفر کی وجہ سے ساقط ہو جائے او پھر عذر جاتا رہے بایں طور کہ پرورش کنندہ صحتمند ہو جائے یا سفر سے واپس آ جائے تو پرورش کنندہ کو حق حضانت دوبارہ حاصل ہو جائے گا چونکہ یہ عذر اضطراری تھا جو جاتا رہا اور جب مانع جاتا رہتا ہے تو ممنوع پھر سے حاصل ہو جاتا ہے۔

البتہ اگر حاضنہ کی اجنبی شخص سے شادی ہو جائے جو پروردہ کے لیے غیر محرم ہو اور دخول بھی ہو چکا ہو یا عورت نے اپنے اختیار سے بلا عذر سفر کیا ہو پھر عورت کو طلاق ہو جائے یا اس کا خاوند مر جائے یا سفر سے واپس لوٹ آئے تو اسے حق حضانت دوبارہ حاصل نہیں ہوگا چونکہ حق حضانت عورت کے اختیار سے ساقط ہوا ہے لہٰذا اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

جمہور فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: جب کسی مانع کی وجہ سے حق حضانت ساقط ہو جائے پھر وہ مانع جاتا رہے تو حق حضانت پرورش کنندہ کو دوبارہ حاصل ہو جائے گا برابر ہے کہ عذر اضطراری ہو یا اختیاری۔

شافعیہ کے نزدیک مطلقہ عدت کے عرصہ میں حضانت کی مستحق ہوتی ہے۔ بشرطیکہ طلاق دہندہ راضی ہو۔

حنابلہ کے نزدیک مطلقہ حضانت کی مستحق ہوتی ہے خواہ طلاق رجعی ہو اور عدت نہ بھی گزاری ہو۔

---

[1] ..... القوانین الفقهیة ۲۲۴ الشرح الصغیر ۷۵۹/۲ الدرالمختار وردالمحتار ۸۸۰/۲ المغنی ۶۱۸/۷ مغنی المحتاج: ۴۵۶/۳ کشاف القناع ۵۷۹/۵ الدرالمختار ۸۸۰/۲ الشرح الصغیر ۷۶۳/۲ مغنی المحتاج ۴۵۶/۳ کشاف القناع ۵۸۰/۵۔

سوریا کے قانون دفعہ ۱۴۱ کے تحت جمہور کی رائے اختیار کی گئی ہے۔

سوم، کیا ماں کو پرورش پر مجبور کیا جاسکتا ہے...... دراصل یہ بحث ایک اور مسئلہ سے متفرع ہوتی ہے کہ آیا پرورش حاضنہ کا حق ہے یا بچے کا حق ہے۔ ❶

حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر ماں بچے کی پرورش سے انکار کرے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا جیسے بچے کو دودھ پلانے پر مجبور نہیں کی جاتی ہاں البتہ اگر ماں یا کوئی اور عورت متعین ہو جائے مثلاً بچہ کسی اور کے پستان پکڑتا ہی نہ ہو یا باپ کے پاس مال ہی نہ ہو یا حضانت کے لیے کوئی اور عورت دستیاب ہی نہ ہو شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ کا (مشہور) قول یہی ہے، بنا برایں ماں کو حق حضانت کے اسقاط کا حق حاصل ہے اور جب وہ دوبارہ حق لینا چاہے تو مالکیہ کے نزدیک اسے حق حاصل نہیں ہوگا۔

اگر بچے کا کوئی ذی رحم محرم نہ ہو تو ماں کو حضانت پر مجبور کیا جائے گا۔

ایک اور قول کے مطابق ماں کو حضانت پر مجبور کیا جائے گا اسی لیے خلع سے عورت کو حق پرورش کے اسقاط کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر عورت نے مرد کے ساتھ اس شرط پر خلع کیا کہ وہ خاوند کو حق حضانت چھوڑے گی یا خاوند نے شرط لگائی کہ بچہ اس کے پاس رہنے دیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک خلع صحیح ہوگا لیکن شرط باطل ہوگی حاضنہ بچے کو لینے کا اختیار رکھتی ہے سوریہ کے قانون میں اسی کو دفعہ ۱۰۳ کے تحت اختیار کیا گیا ہے۔

چہارم: صاحب حق کا حضانت سے خاموش رہنا:

مالکیہ کہتے ہیں...... جب صاحب حق مطالبہ حضانت سے خاموشی اختیار کرے تو اس کا حق مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ساقط ہو جائے گا۔

۱...... یہ کہ اسے حق حضانت کا علم ہو اگر صاحب حق کو حضانت کا علم نہ ہو اور وہ حضانت کے مطالبہ سے خاموش رہے تو اس کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔ اگر چہ مدت سکوت طویل ہو جائے۔

۲...... اسے یہ بھی علم ہو کہ اس کے سکوت سے حق حضانت ساقط ہو جائے گا اگر وہ اس سے جاہل اور ناواقف ہو تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔

۳...... یہ کہ اس کے استحقاق حضانت کے علم کی تاریخ سے ایک سال گزر جائے تو حق ساقط ہو جائے گا اور اگر ایک سال سے کم مدت گزری ہو اور وہ مطالبہ کرتا ہو تو حق ساقط نہیں ہوگا بلکہ اس کے حق میں حضانت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اگر حاضنہ نے کسی اجنبی سے شادی کر لی اور رخصتی بھی عمل میں آئی بوجہ نکاح علم نہ ہو کہ حضانت کس کی طرف منتقل ہوگی حتیٰ کہ خاوند نے عورت کو طلاق دیدی یا وہ وفات پا گیا تو اس کا حق حضانت بدستور باقی رہے گا۔

چوتھی بحث: پرورش کی اجرت اور اس کے متعلقات سکنی اور خدمت، کیا پرورش کی اجرت واجب ہے...... اس مسئلہ کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں ❷ جمہور حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک پرورش کنندہ کے لئے حضانت کی اجرت نہیں ہوگی برابر ہے کہ پرورش کنندہ ماں ہو یا کوئی اور چونکہ اگر بچے کی ماں کسی کے نکاح میں ہے تو وہ نفقہ کی پہلے سے مستحق ہے اور اگر ماں کے علاوہ کوئی اور

---

❶......الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین ۲/۸۷۵ الشرح الصغیر ۲/۷۶۳ مغنی المحتاج ۳/۴۵۶ المغنی ۷/۶۱۵۔

❷الدر المختار وردالمحتار ۲/۸۷۶ الشرح الکبیر ۲/۷۶۵ الفتاوی الهندیة ۱/۴۸۴۔

عورت ہے تو اس کا نفقہ کسی اور کے ذمہ واجب ہے لیکن اگر بچے کو کھانا کی ضرورت ہو جسے پکانا پڑتا ہو اور اس کے کپڑے دھونے کی ضرورت ہو تو اس صورت میں پرورش کنندہ کو اجرت ملے گی۔

حنفیہ کہتے ہیں اگر حاضنہ (پرورش کرنے والی عورت) پرورده کے باپ کے نکاح میں ہو یا اس کی عدت میں ہو تو وہ اجرت کی مستحق نہیں ہوگی جیسے وہ دودھ پلانے کی اجرت کی مستحق نہیں ہوتی کیونکہ دیانۃً اس عورت پر بچے کی پرورش واجب ہے نیز عورت با قاعدہ سے نفقہ کی مستحق ہوتی ہے چونکہ وہ یا تو بیوی ہے یا خاوند کی عدّت میں ہے وہ نفقہ حضانت کے لیے بھی کافی ہے۔

البتہ بیوی کے علاوہ کوئی اور عورت بچے کی پرورش کر رہی ہو تو وہ اجرت کی مستحق ہوگی یہ اجرت رضاعت کی اجرت کے علاوہ ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۴۳ کے تحت حنفیہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔

ماں اور مفت حضانت کرنے والی عورت کے درمیان فضلیت:

حنفیہ...... جو عورت مفت میں دودھ پلائے وہ ماں پر مقدم رکھی جائے گی جبکہ ماں بغیر اجرت کے دودھ پلانے پر راضی نہ ہو رہی بات مفت میں پرورش کرنے والی عورت کی سو اگر وہ بچے کی غیر محرم ہو تو اسے پرورش میں مقدم نہیں کیا جائے گا اور اگر وہ بچے کی محرم ہو تو مقدم ہوگی بشرطیکہ جب اجرت بچے کے مال میں سے ہو یا باپ تنگدست ہو۔ان دو حالتوں کے علاوہ کسی اور حالت میں متبرعہ کو مقدم نہیں کیا جائے گا۔

فرق کا سبب...... رضاعت کا مقصد بچے کو غذا دینا ہے اور یہ مقصد محارم کے علاوہ کسی اور عورت سے بھی حاصل ہو سکتا ہے رہی بات حضانت کی سو اس کا مقصد بچے کی تربیت ہے اور یہ مقصد دیکھ بھال اور اہتمام سے حاصل ہوتا ہے اور یہ امور شفقت اور مہربانی کے محتاج ہیں جبکہ قریبی رشتہ دار عورت دور کی رشتہ دار عورت سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔

پروش والے گھر اور خادم کی اجرت...... حنفیہ کا مختار قول اور مالکیہ کا مشہور قول ہے کہ اگر پرورده اور پرورش کنندہ کے پاس گھر نہ ہو تو اجرت پر گھر لینا واجب ہے یہ اجرت بچے کے مال سے ادا کی جائے گی اور اگر بچے کے پاس مال نہ ہو تو باپ پر واجب ہوگی۔ اگر بچے کو خادم کی ضرورت ہو تو اس پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ خادم کی اجرت واجب ہوگی کیونکہ خادم زندگی کا لازم ہے بظاہر دوسرے مذاہب کا بھی اسی رائے پر اتفاق ہے۔

پرورش کے اخراجات کا ذمہ دار کون ہوگا...... جمہور کی رائے ہے کہ پرورش کے اخراجات بچے کے مال میں سے ہوں گے اگر بچے کے پاس مال نہ ہو تو باپ پر لازم ہوگا باپ نہ ہو تو علی ترتیب الوراثت دوسرے رشتہ داروں پر لازم ہوگا۔ کیونکہ اخراجات کی ادائیگی ہی سے بچہ محفوظ و مامون رہ سکتا ہے۔ جب اجرت واجب ہو جائے گی پھر مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوگی اور نہ ہی ذمہ دار کی موت سے نہ محضون کی موت سے اور نہ ہی حاضنہ کی موت سے ساقط ہوگی۔

مالکیہ کا مشہور قول یہ ہے کہ پرورده اور پرورش کنندہ جس گھر میں رہ رہے ہوں تو اس گھر کا کرایہ والد کے ذمہ واجب ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۴۲ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ حضانت کی اجرت اس شخص پر لازم ہوگی جس کی ذمہ بچے کے اخراجات ہوں۔

پرورش کے اخراجات کا ابتداءً استحقاق...... حضانت کے اخراجات یعنی اجرت، مسکن اور خادم کے اخراجات کی ابتداء

حنفیہ کی رائے کے مطابق ایسے ہی ابتداء کی جائے گی جیسے اجرت رضاعت کی ابتدا کی جاتی ہے اجرت حضانت کو اجرت رضاعت پر قیاس کیا گیا ہے اگر شہر میں حضانت کی متعین اجرت پر اتفاق ہو یا عدالت کا حکم موجود ہو تو جس دن اتفاق ہوا اسی دن سے اجرت کی ابتدا کی جائے گی۔

اگر اجرت کا اتفاق نہ ہوا اور نہ ہی کوئی عدالتی حکم ہو پھر اگر حاضنہ ماں کے علاوہ کوئی اور عورت ہو تو وہ تاریخ اتفاق یا قاضی کے حکم کی تاریخ سے اجرت کی مستحق ہوگی۔

اور اگر پرور ماں ہو تو عدت گزرنے کے بعد وہ اس وقت سے اجرت کی مستحق ہوگی جب اس نے پرورش شروع کی اس کا استحقاق باہمی رضامندی یا قاضی کے حکم پر موقوف نہیں ہوگا۔ مصر کے قانون میں ماں اور غیر ماں میں رضاعت اور حضانت میں فرق کیا ہے۔

پانچویں بحث: پرورش کی جگہ اور بچے کو دوسرے شہر میں منتقل کرنا اور بچے سے ملاقات کرنے کا حق:

پرورش کی جگہ...... اگر زوجین کے درمیان زوجیت قائم ہو تو زوجین کا گھر پرورش کی جگہ ہوگی پرورش کی جگہوں کی تعین کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں جو قریب قریب ایک جیسی ہیں۔ ❶

حنفیہ نے درج ذیل تفصیل بیان کی ہے۔

الف...... اگر بچے کی پرورش کی ذمہ داری ماں نبھا رہی ہو جبکہ زوجیت قائم ہو یا ماں طلاق یا وفات کی عدت میں ہو تو پرورش کی وہی جگہ ہوگی جہاں عورت اپنے خاوند کے ساتھ مقیم ہو ماں بچے کو لے کر کہیں اور منتقل نہیں ہو سکتی الا یہ کہ خاوند اسے اجازت دے چونکہ بیوی اپنے خاوند کے تابع ہوتی ہے۔ جبکہ معتدہ پر لازم ہے کہ وہ زوجیت والے مکان میں مقیم رہے برابر ہے کہ بچے کے ساتھ مقیم ہو یا بچے کے بغیر۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ

طلاق یافتہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں الا یہ کہ وہ کھلم کھلا کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھیں۔

ب...... اگر بچے کی ماں طلاق یافتہ ہو اور اس کی عدت گزر چکی ہو تو پرورش کی جگہ وہ مکان ہے جہاں مطلقہ کا خاوند مقیم ہو ماں بچے کو لے کر ایسے شہر کی طرف نہیں جا سکتی کہ جہاں والد بچے کو دیکھنے نہ جا سکتا ہو یعنی دن دن میں دیکھ کر شام کو گھر واپس نہ لوٹ سکتا ہو۔ الا یہ کہ عورت اپنے وطن بچے کو لے کر منتقل ہو گویا اس شہر میں عورت نے دوسری شادی کر لی ہو چنانچہ جب دونوں شرطیں یعنی وطن اور عقد کی جگہ کا ہونا پائی جائیں تو ماں پروردہ بچے کو لے کر منتقل ہو سکتی ہے اگر یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو منتقل ہونا جائز نہیں اگر منتقل ہوئی تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

ج...... اگر پرورش کی ذمہ داری ماں کے علاوہ کسی اور عورت کو حاصل ہو مثلاً دادی بہن، یا خالہ یا پھوپھی تو وہ بچے کو لے کر کسی دوسرے شہر میں منتقل نہیں ہو سکتی الا یہ کہ بچے کا باپ اجازت دے اور اس کی رضامندی شامل ہو۔ اگر وہ باپ کی اجازت کے بغیر منتقل ہو گی تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

مالکیہ...... اگر مطلقہ کی عدت پوری ہو جائے تو بچے کی پرورش کی جگہ وہ مکان ہوگا جہاں بچے کا والد رہا ہو تاہم حاضنہ بچے کو

❶...... الفتاویٰ الهندیة ۱/۴۸۴ الدر المختار ۲/۸۸۴ الکتاب مع اللباب ۳/۱۰۴ فتح القدیر ۳/۳۱۹ القوانین الفقهیة ۲۲۴ الشرح الصغیر ۲/۷۶۲ المهذب ۲/۱۷۲ مغنی المحتاج ۳/۴۵۸ غایة المنتهی ۳/۲۵۰ المغنی ۷/۶۱۸۔

لے کر ۱۳۳ کلومیٹر کی مسافت کے برابر سفر نہیں کرسکتی اگر اس مسافت سے زیادہ سفر کیا تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا کیونکہ بچے کو باپ کی نگرانی کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم اگر عورت نے تجارت یا حج یا روضۂ رسول کی زیارت کے لئے سفر کیا تو اس کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

شافعیہ...... کا مذہب ہے کہ اگر زوجین میں طلاق کی وجہ سے علیحدگی ہوگئی ہو زوجین میں سے کوئی ایک تجارت یا حج کی غرض سے سفر پر جائے جبکہ بچہ ممیز ہو تو زوجین میں سے جو مقیم ہو بچہ اس کے پاس رہے یہاں تک کہ مسافر واپس آ جائے اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے سفر کیا ہو تو باپ حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا بشرطیکہ راستہ پر امن ہو اگر سفر پر خطر ہو یا جس شہر میں سفر کیا جا رہا ہو وہاں امن کی حالت تشویشناک ہو تو مقیم بچے کی حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا۔

حنابلہ...... کی رائے ہے کہ جب والدین میں سے کوئی ایک دوسرے شہر میں منتقلی کا ارادہ کرے جبکہ سفر مسافت قصر یا اس سے زیادہ ہو تو پرور کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔ اور باپ حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا بشرطیکہ منتقلی سے حاضنہ کو اذیت پہنچانے کا ارادہ نہ ہو اگر منتقلی سے ماں کو ضرر پہنچانے کا ارادہ ہو تو ماں کا حق حضانت ساقط نہیں ہوگا۔

باپ یا اس کے قائم مقام کا کسی دوسرے شہر کی طرف منتقل ہونا:

حنفیہ کی رائے...... ❶ باپ یا ولی بچے کو ماں کے شہر سے اس کی اجازت کے بغیر کہیں اور نہیں لے کر جا سکتا اگر باپ نے حاضنہ کے شہر کے علاوہ دوسرے کسی شہر میں منتقلی کی تو حاضنہ کا حق پرورش بحال رہے گا باپ کی منتقلی سے حاضنہ کا حق ساقط نہیں ہوتا برابر ہے کہ شہر قریب ہو یا دور، برابر ہے کہ سفر اقامت کے قصد سے ہو یا تجارت کی غرض سے۔

مالکیہ...... ❷ نے حاضنہ اور بچے کے سرپرست میں یکسانیت رکھی ہے چنانچہ اگر ولی سفر کرے برابر ہے ولی حقیقی ہو جیسے باپ یا ولی عصبہ ہو جیسے چچا سفر وطن واقامت کی غرض سے ہو جبکہ حاضنہ کے شہر سے مسافت سفر ۷۲ میل کے برابر ہو تو ولی حاضنہ سے بچہ واپس لے سکتا ہے اور عورت کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا ہاں البتہ عورت اگر ولی کے ہمراہ سفر کرے تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ حضانت میں ولی کا حق حاضنہ سے قوی ہوتا ہے چونکہ روحانی تربیت بدنی تربیت پر مقدم ہے جبکہ ولی روحانی تربیت پر زیادہ قدرت رکھتا ہے۔

شافعیہ...... ❸ نے سفر حاجت اور سفر منتقلی میں فرق کیا ہے اگر ولی یا حاضنہ سفر حاجت کرے اور بچہ ممیز ہو تو وہ مقیم کے پاس رہے گا تاوقتیکہ مسافر سفر سے واپس آ جائے۔

اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کا ارداہ سفر کا ہو تو باپ زیادہ حقدار ہوگا بشرطیکہ راستہ پر امن ہو اور شہر بھی پر امن ہو۔

حنابلہ...... ❹ کا موقف شافعیہ جیسا ہے کہ اگر والدین میں سے کسی ایک کا ارادہ سفر کا ہو اور سفر مسافت قصر یا اس سے زیادہ کا ہو اور شہر اور راستہ پر امن ہو اور سفر کی غرض شہر میں سکونت اختیار کرنا ہو تو باپ حضانت کا زیادہ حقدار ہوگا برابر ہے کہ باپ مقیم ہو یا مسافر چونکہ باپ ہی تو بچے کی تربیت کا ذمہ دار ہوتا ہے چنانچہ اگر بچہ باپ کے شہر میں موجود نہ ہو تو ضائع ہو جائے گا۔

---

❶...... الدر المختار ۲/۸۸۵۔ ❷ الشرح الصغیر ۲/۷۶۱ ❸ مغنی المحتاج ۳/۴۵۸ ❹ کشاف القناع ۵/۵۸۱

بچے کو دیکھنے کا حق...... پرورش کرنے والے کے علاوہ والدین میں سے ہر ایک کو بچے کی زیارت کا حق حاصل ہے اس پر فقہاء کا اتفاق ہے البتہ نسبی اعتبار سے فقہاء کی مختلف آراء ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں...... ❶ اگر بچہ حاضنہ کے پاس ہو تو بچے کے باپ کو دیکھنے کا حق حاصل ہوگا حاضنہ (دایہ) بچے کو ایسی جگہ رکھے جہاں باپ بچے کو ہر وقت دیکھ سکتا ہو اگر بچہ باپ کے پاس ہو اس لیے کہ ماں کا حق حضانت ساقط ہو گیا ہو یا مدت حضانت مکمل ہو چکی ہو تو ماں کو بچہ دیکھنے کا حق حاصل ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ باپ بچے کو ایسی جگہ باہر نکال دے جہاں ماں بچے کو جس وقت چاہے دیکھ سکے۔ دیکھنے کی آخری حد ہفتہ میں ایک بار ہے جیسے عورت ہفتہ میں ایک بار اپنے والدین سے مل سکتی ہے۔ خالہ ماں کے حکم میں ہے البتہ مصر میں یہ قانون ہے کہ عورت مہینے میں ایک بار ملاقات کر سکتی ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: ❷ ماں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی چھوٹی اولاد کو ہر روز ایک مرتبہ مل سکتی ہے، اور بالغ اولاد کو ہفتہ میں ایک بار ملنے کا حق رکھتی ہے باپ بھی ماں کی طرح ہے جبکہ باپ اولاد کے بالغ ہونے کے بعد ان کی تعلیم و تربیت کے لیے دیکھ بھال کرے۔

شافعیہ...... کی رائے ہے ❸ کہ اگر بچہ ممیّز ہو اور اس نے باپ کے ساتھ رہنا اختیار کیا ہو تو باپ بچے کو ماں کی ملاقات سے نہیں روک سکتا۔ جبکہ لڑکی کو ماں سے ملاقات کرنے سے باپ روک سکتا ہے اگر لڑکی نے باپ کے ساتھ رہنا پسند کیا ہو چونکہ ماں سے ملاقات کرنے کی صورت میں لڑکی کو گھر سے باہر نکلنا پڑے گا جو پردے کے خلاف ہے البتہ ماں لڑکی سے ملنے آ سکتی ہے۔
باپ پروردہ کی ماں کو پروردہ سے ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا، پروردہ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی چونکہ ملاقات سے روکنے میں قطع رحمی ہے دو تین دنوں میں ایک بار ملاقات ہو ہر دن ملاقات نہ ہو۔
اگر پروردہ بچہ بیمار ہو جائے تو ماں اس کی تیمارداری کی زیادہ حقدار ہے خواہ پروردہ لڑکا ہو یا لڑکی چونکہ ماں تیمارداری کا فریضہ زیادہ حسن وخوبی سے انجام دے سکتی ہے اور اس مشقت طلب امر پر صبر کر سکتی ہے۔ تیمارداری باپ کے گھر میں ہوگی بشرطیکہ باپ راضی ہو اور اگر راضی نہ ہو تو ماں اپنے گھر لے جائے۔ دونوں صورتوں میں خلوت سے اجتناب کرنا ہوگا چونکہ باپ نے بچے کی ماں کو طلاق دی ہوئی ہے۔

حنابلہ...... کی رائے شافعیہ جیسی ہے۔ اگر ممیّز بچے نے باپ کے ساتھ رہنا پسند کیا ہو اور وہ شب و روز باپ کے پاس رہتا ہو تو باپ ماں کو بچے کی ملاقات سے نہیں روک سکتا اور ماں باپ کو بچے کی تیمارداری سے نہیں روک سکتی، اور اگر ممیّز بچے نے ماں کے پاس رہنے کو پسند کیا ہو تو بچہ رات کو ماں کے پاس رہے اور دن کو باپ کے پاس رہے تاکہ دن کے وقت باپ بچے کی تربیت کر سکے۔
رہی بات لڑکی کی سو اس کی عمر کے سات سال پورے ہونے کے بعد شادی تک باپ کے پاس رہے گی تاہم والدین میں سے کوئی بھی دوسرے کو لڑکی سے ملاقات کرنے سے نہیں روک سکتا۔ چونکہ ملاقات سے روکنے میں قطع رحمی ہے، ملاقات میں یہ خیال رہے کہ لڑکی کے ماں باپ کی خلوت نہ ہو اور ملاقاتی زیادہ دیر تک نہ ٹھہرے۔ چونکہ ماں بائنہ ہونے کی وجہ سے اجنبیہ ہو چکی ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ لڑکی انتظار کرے جب اس کا باپ کام کاج کے لئے گھر سے چلا جائے تو اس کی ماں ملاقات کے لیے آئے تاکہ غیر محرم مرد غیر محرم عورت کا کلام بھی نہ سنے چونکہ سماع سے تلذذ اٹھانا حرام ہے اور اگر لڑکی بیمار ہو جائے تو ماں اس کی تیمارداری کا زیادہ حق رکھتی ہے اور تیمارداری باپ کے گھر میں کرے۔

---

❶...... الدر المختار وردا لمحتار ۸۸۵/۲۔ ❷ الشرح الکبیر والدسوقی ۵۱۲/۲ الشرح الصغیر ۲/۷۶۴-۷۶۲) ❸ مغنی المحتاج: ۴۵۷/۳۔

ماں بیٹی سے ملاقات کرے اور لڑکا ماں سے ملاقات کرنے جائے اسی پر لوگوں کا رواج ہے۔

چھٹی بحث: پرورش کی مدت اور اختتام مدت پر بچے کو باپ کے ساتھ ملانے پر مرتب ہونے والے امور:

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بچے کی پرورش کی ابتداء پیدائش سے شروع ہوتی ہے تاوقتیکہ بچہ سن تمیز کو پہنچ جائے آیا کہ سن تمیز کے بعد پرورش باقی رہتی ہے یا نہیں سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: ❶ حاضنہ (پرورش کنندہ) ماں ہو یا کوئی اور عورت وہ بچے کی پرورش کی زیادہ حقدار ہے تاوقتیکہ وہ عورتوں کی خدمت سے بے نیاز ہو جائے اور وہ خود کھانا پینا، کپڑے پہننا اور استنجاء کرنا شروع کر دے اس مدت کا تخمینہ سات سال سے لگایا گیا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے تم لوگ اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو حالانکہ ان کی عمر سات سال ہو۔ لامحالہ نماز کا حکم تبھی دیا جائے گا جب بچہ پاکی حاصل کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ ایک اور قول کے مطابق نو سالوں کی مدت مقرر کی گئی ہے۔

ماں اور دادی لڑکی کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہیں تاوقتیکہ اسے حیض آنے لگے یا انزال ہو جائے یا بلوغت کی عمر کو پہنچ جائے۔ چونکہ جب لڑکی دوسری عورتوں کی معاونت سے بے نیاز ہو جاتی ہے تو عورتوں کے آداب سیکھتی ہے، سن بلوغ کے بعد لڑکی کی حفاظت اور دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اس فریضہ کو باپ حسن وخوبی سے انجام دے سکتا ہے لڑکی نو یا گیارہ سال کی بالغ ہو جاتی ہے۔

لڑکی اور لڑکے میں فرق کی وجہ: کا دارومدار قیاس پر ہے دوسری وجہ یہ کہ پرورش لڑکی اور لڑکے کی سن بلوغت تک موقوف ہوتی ہے۔ یا اس فرق کی اصل صحابہ کا اجماع ہے کیونکہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عاصم بن عمر کے بارے میں فیصلہ کیا تھا کہ وہ تا بلوغ ماں کے پاس رہے الا یہ کہ قبل ازیں اس کی ماں شادی کر جائے تاہم لڑکی کے بارے میں حکم اصل قیاس پر رہے گا چونکہ جب لڑکا پروش سے بے نیاز ہو جاتا ہے اسے تربیت اخلاق اور حصول علم کی ضرورت ہوتی ہے اور اس فریضہ کو باپ کی نگرانی میں حسن وخوبی سے انجام دے سکتا ہے۔ جبکہ لڑکی عورتوں کے اخلاق وعادات امور خانہ داری کے سیکھنے کی محتاج ہوتی ہے اور عورتیں اس فریضہ کو پورا کر سکتی ہیں پھر جب بالغ ہو جاتی ہے تو اسے حفاظت ونگرانی کی ضرورت ہوتی ہے اور نگرانی کا فریضہ مرد بحسن وخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

مالکیہ...... کہتے ہیں ❷ لڑکے کی پرورش تا بلوغ برابر جاری رہے گی، خواہ لڑکا مجنون ہو یا مریض، یہ مالکیہ کا مشہور قول ہے۔ لڑکی کی پرورش شادی تک جاری رہے گی اگر چہ ماں کافرہ ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس عورت کے بارے میں ہے جو طلاق یافتہ ہو یا بیوہ ہو۔ رہی بات اس عورت کی جو خاوند کے نکاح میں ہو تو لڑکی کی پرورش کرنا زوجین کا حق ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بچے کو پرورش کا اختیار نہیں دیا جائے گا چونکہ بسا اوقات بچہ ایسے فریق کا انتخاب کرتا ہے جس کے ہاں وہ کھیل کود کرتا ہو۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: ❸ اگر زوجین میں علیحدگی ہوگئی ہو اور ان کا بچہ ہو خواہ ممیز ہو لڑکا ہو یا لڑکی اور اس کی عمر سات یا آٹھ سال کی ہو چکی ہو تو میاں بیوی بچے کی پرورش کرنے کے زیادہ لائق ہوتے ہیں، حتیٰ کہ اگر زوجین میں سے کسی ایک کو دینداری یا محبت اولاد میں

---

❶...... البدائع ۴/۴۲ الدر المختار ۲/۸۸۱۔ ❷ الشرح الصغیر ۲/۷۵۵ القوانین الفقھیة ۲۲۴۔ ❸ المھذب ۲/۱۷۱ مغنی المحتاج: ۳/۴۵۶

برتری حاصل ہو اور پرورش کے متعلق جھگڑ رہے ہوں تو بچے کو اختیار دیا جائے گا بچے جس کے پاس چاہے رہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو ماں اور باپ کے درمیان اختیار دیا تھا۔

اگر بچہ والدین میں سے کسی ایک کو اختیار کرے اور وہ کفالت سے انکار کر دے تو کفالت کی ذمہ داری دوسرے پر آ جائے گی اگر انکار کرنے والا پھر رجوع کرے تو دوبارہ بچے کو اختیار دیا جائے گا اگر والدین پرورش سے انکار کریں تو ان کے بعد کے مستحقین جیسے دادا اور دادی کے درمیان بچے کو اختیار دیا جائے گا۔ ورنہ جس پر بچے کا خرچہ لازم ہوگا اسے حضانت پر مجبور کیا جائے گا چونکہ حضانت بھی کفالت کا حصہ ہے۔ ❶

اسی طرح بچے کو ماں اور دادا کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ اسی طرح بھائی اور چچا کے درمیان اختیار دیا جائے گا، اگر بچے نے کسی ایک کو اختیار کر لیا پھر بچہ دوسرے کی طرف متوجہ ہوا تو بچے کو دوسرے کے سپرد کیا جائے گا۔ چونکہ بسا اوقات بچے کے لیے کوئی بھلائی کا امر ظاہر ہو جاتا ہے یا بچہ طرفین کا لحاظ رکھتا ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں ❷ جب بچہ سات سال کا ہو جائے اور معتوہ نہ ہو اگر بچے کے والدین اس کی پرورش کے متعلق جھگڑ رہے ہوں تو بچے کو دونوں کے درمیان اختیار دیا جائے گا جیسا کہ شافعیہ کا موقف ہے بچہ جس کو اختیار کرے اسی کے ساتھ رہے گا اگر بچے نے والدین میں سے کسی ایک کو اختیار کیا تو بچہ اسی کے سپرد کیا جائے گا پھر اگر بچے نے دوسرے کو اختیار کیا تو اس کے سپرد کیا جائے گا۔

لڑکے کو ماں اور عصبہ کے درمیان اختیار دیا جائے گا چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمارہ جرمی کو ماں اور چچا کے درمیان اختیار دیا تھا، لڑکے کو دو شرطوں کے ساتھ اختیار دیا جائے گا۔

۱...... یہ کہ والدین اور ان کے علاوہ دوسرا دعویدار پرورش کے اہل ہوں اگر ایک فریق پرورش کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو دوسرا فریق پرورش کے لئے متعین ہو جائے گا۔

۲...... یہ کہ لڑکا معتوہ نہ ہو، اگر معتوہ ہو تو وہ ماں کے پاس رہے گا اور اسے اختیار نہیں دیا جائے گا۔ چونکہ معتوہ بچہ کے مترادف ہوتا ہے اگر چہ وہ بڑا ہی کیوں نہ ہو۔

رہی بات لڑکی کی سو جب وہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو باپ اس کی حفاظت کا زیادہ حقدار ہے حنابلہ کے نزدیک لڑکی کو اختیار نہیں دیا جائے گا اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے۔

لیکن اگر لڑکی ماں کے پاس ہو یا باپ کے پاس ہو تو وہ دن رات اسی کے پاس رہے گی چونکہ لڑکی کو تربیت اور امور خانہ داری کی جان بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔

قانون...... مصری قانون میں دفعہ ۲۵ مجریہ ۱۹۲۹ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ لڑکی سات سال پورے ہونے تک پرورش کی محتاج ہے اور لڑکی نو سال کی بالغ ہو جاتی ہے جبکہ سوریا کے قانون مجریہ ۱۹۷۵ دفعہ ۱۴۶ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ لڑکی کی پرورش گیارہ سال کی عمر پر ختم ہو جاتی ہے لڑکے کی پرورش سات سال پورے ہونے پر۔

مدت حضانت ختم ہونے پر مرتب ہونے والے امور...... جب پرورش کا مرحلہ منتہی ہو جائے تو بچے کو اس کے سرپرست

❶ ...... رواه الترمذی وحسنه عن ابی هريرة ❷ المغنی ۷/۶۱۴ غاية المنتهى ۳/۲۵۱ کشاف القناع ۵/۵۸۲۔

باپ یا دادا کے سپرد کیا جائے گا سرپرست کے علاوہ کسی اور کے سپرد نہیں کیا جائے گا۔ باپ بچے کو اپنے پاس رکھے گا تاوقتیکہ بچہ بالغ ہو جائے بعد از بلوغ لڑکے کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو اکیلا رہے چاہے والدین میں سے کسی ایک کے پاس رہے۔ ہاں البتہ اگر ناسمجھ بالغ ہوا ہو تو اسے باپ کے پاس رکھا جائے گا تاکہ فتنہ اور عار کا دفعیہ ہو سکے اور بوقت ضرورت باپ اس کی تربیت بھی کر سکے۔ بالغ ہونے کے بعد لڑکے کا خرچہ باپ پر لازم نہیں ہوگا الا یہ کہ وہ تبرع کر دے اگر لڑکا بالغ ہو جائے لیکن معتوہ ہو تو وہ ماں کے پاس رہے گا یہی حکم لڑکی کا بھی ہے۔

رہی بات لڑکی کی سو اگر وہ کنواری ہو تو وہ باپ یا دادا کے پاس رہے گی اسی طرح اگر شوہر دیدہ ہو تو بھی باپ یا دادا کے پاس رہے گی تاکہ فتنہ میں نہ پڑے، اگر لڑکی پر فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور وہ اخلاقی اعتبار سے پختہ ہو عقل سلیم رکھتی ہو اور چالیس سال کی عمر کو پہنچ گئی ہو تو وہ اگر چاہے تو اکیلی بھی رہ سکتی ہے اگر لڑکی باپ کے پاس رہائش نہ رکھے تو اس کا خرچہ باپ پر لازم نہیں ہوگا۔ [1]

خلاصہ...... جب لڑکا بالغ ہو جائے اور لڑکی بھی بالغ ہو جائے خواہ وہ کنواری ہو یا شوہر دیدہ اور ان پر کوئی اعتماد نہ ہو بلکہ فتنے میں پڑنے کا خدشہ ہو تو انھیں اکیلے رہنے کا اختیار نہیں دیا جائے گا بلکہ وہ باپ کے ساتھ رہنے کے پابند ہوں گے۔

چوتھی فصل...... ولایت:

ولایت کے لفظی معنی قربت'' کے ہیں اسی سے ولی ہے جو محبّ دوست اور مددگار کے معنی میں آتا ہے۔ ولایت واؤ کی فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور فقہی اصطلاح میں رہی تدبیر الکبیر الراشئوون القاصر الشخصیة والمالیة یعنی بڑے سمجھدار آدمی کا چھوٹے نااہل کے شخصی اور مالی امور کا حسن تدبیر سے انتظام کرنا۔

قاصر...... ولایت کی بحث میں قاصر کا لفظ بطور اصطلاح استعمال کیا جاتا ہے قاصر سے مراد ایسا انسان ہوتا ہے جس کی اہلیت کامل نہ ہو، خواہ ابھی تک اس میں اہلیت موجود ہی نہ ہوئی ہو جیسے ناسمجھ بچہ خواہ اہلیت ہو مگر ناقص ہو جیسے ممیز (تمیز کر لینے والا) بچہ مجنون، معتوہ، غلام۔

حنفیہ نے ولایت کی یوں تعریف کی ہے تنفیذ الفول علی الغیر شاء او ابی دوسرے پر کسی بات کا نافذ کرنا خواہ وہ اس نفاذ کو چاہے یا نہ چاہے۔

نکاح کی بحث میں ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ ولی کا ہونا ارکان نکاح میں سے ایک رکن ہے اور حنفیہ کے ہاں ولی رکن نکاح نہیں۔ ان کے نزدیک کمسن بچے، مجنون اور غلام کے نکاح کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔

ہمیں فقہی نظریات کی بحث میں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں:

۱...... ولایت علی النفس (نفس پر ولایت)

۲...... ولایت علی المال (مال پر ولایت)

نفس پر ولایت...... قاصر کے شخصی امور تربیت، تعلیم، صحت، نکاح وغیرہ کی حفاظت و نگرانی کرنا۔

مال پر ولایت...... قاصر (نابالغ و مجنون) کے مالی امور سرمایہ کاری اور تصرفات جیسے بیع و شرا اجارہ اور رہن وغیرہ کی نگرانی کرنا

---

[1] ...... الدر المختار ورد المحتار ۲/ ۸۸۲۔

اوران پر مطلع رہنا۔

اس فصل کے ذیل میں دو مباحث پر کلام ہوگا جس کا دارومدار مذکورہ بالا دو ولایتوں پر ہے میں اجمالی طور پر ان کا تذکرہ کروں گا۔

پہلی بحث......ولایت علی نفس (نفس پر ولایت)

اول، ولی علی النفس اور اس کے اختیارات......حنفیہ کے مذہب ❶ میں ولی علی النفس بیٹا ہے پھر باپ پھر دادا پھر بھائی، پھر چچا گویا حنفیہ کے نزدیک نفس پر ولایت قاصر (عدیم الاہلیت) پر وراثت کی ترتیب کے مطابق عصبات کے لئے ثابت ہوتی ہے جو کہ یہ ہے بیٹا باپ، بھائی چچا، اس ترتیب میں حقیقی بھائی یا حقیقی چچا باپ شریک پر مقدم ہوگا۔ اگر عصبہ میں کوئی ولی موجود نہ ہو تو ولایت علی النفس ماں اور دوسرے ذوی الارحام کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

مالکیہ کے مذہب میں یہ ولایت اس ترتیب سے ثابت ہوتی ہے ❷ بیٹا پھر باپ پھر ولی پھر بھائی پھر دادا پھر چچا، ان کے نزدیک بھی حقیقی رشتہ غیر حقیقی رشتے پر مقدم ہوگا پھر آخر میں قاضی کو ولایت حاصل ہوگی۔ چنانچہ قاصر (عدیم الاہلیت) کی پرورش منتہی ہونے کے بعد ولی اسے جبرا لے سکتا ہے چونکہ ولایت علی النفس مولی علیہ (ماتحت) کے حقوق میں سے ایک حق ہے۔

ولی نفس کے اختیارات......ولی نفس کو درج ذیل امور میں اختیار حاصل ہوگا قاصر کی تعلیم وتربیت تادیب تہذیب، صحت کی نگرانی جسمانی نشوونما نکاح کے معاملہ میں غور وفکر اگر قاصر لڑکی ہو تو اس کی حفاظت ونگرانی واجب ہے تاہم ولی لڑکی کو تعلیم وصنعت وحرفت سیکھنے کے لئے ایسی جگہ نہیں چھوڑ سکتا جہاں مردوں کے ساتھ اختلاط ہوتا ہو۔

ولی علی النفس کی شرائط......ولی فی النفس کی درج ذیل شرائط ہیں ❸ بالغ ہونا عاقل ہونا بچے کی تربیت پر قادر ہونا اس کی اخلاقی اقدار کی حفاظت وامانت، قاصر اگر مسلمان ہو تو اس کے اسلام کی حفاظت۔ چنانچہ نابالغ، غیر عاقل (ناسمجھ) فاتر العقل، سفیہ ومبذر (فضول خرچ) کو ولایت حاصل نہیں ہوگی چونکہ یہ لوگ تو بذات خود اپنے معاملات میں دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں ایسے فاسق کو بھی ولایت حاصل نہیں ہوتی جو لاپرواہ ہو اور اسے قاصر کے اخلاق کے بننے یا بگڑنے، مال کے ضیاع کی کوئی فکر نہ ہو مہمل شخص جسے قاصر کی کوئی فکر نہ ہو کو بھی ولایت حاصل نہیں ہوگی، مہمل سے مراد بے فکر ہے کہ بچہ بیمار ہے تو اس کے علاج کی فکر نہیں بچہ آوارہ ہو رہا ہو اور اس کی تعلیم وتربیت کی طرف کوئی توجہ نہ ہو۔ چونکہ ایسی ولایت تو بچے (نااہل) کے لیے باعث ضرر ہے۔ ان حالات میں ولایت باصلاحیت شخص کو منتقل ہو جائے گی۔

قانون کا موقف......سوریا کے قانون دفعہ ۱۷۰ کے تحت باپ دادا کی ولایت نفس ولایت مال، ولی کے اختیارات اور اسباب سقوط ولایت پر صراحت کی گئی ہے۔

۱......قاصر کے نفس اور مال پر ولایت باپ اور عصبی دادا کو حاصل ہوگی۔

۲......باپ دادا کے علاوہ ولایت دفعہ ۲۱ کے تحت بیان کردہ ترتیب کے مطابق بقیہ اولیاء کو حاصل ہوگی اور دفعہ ۱/۲۲ کے تحت شرط ہے کہ ولی عاقل وبالغ ہو۔ الخ

---

❶......الدر المختار ۲/۲۷۴ ❷ القوانین الفقهية ۱۹۸ شرح الرسالة ۲/۱۳۱ ❸ الدر المختار ۲/۴۰۶۔

سوم، ولایت علی النفس کا اختتام......حنفیہ کے نزدیک ولایت علی النفس لڑکے کے بالغ ہونے سے ختم ہوجاتی ہے، یعنی لڑکے میں بلوغ کی علامتیں ظاہر ہوجائیں اور وہ سمجھدار ہو یا اس کی عمر پندرہ سال ہوجائے اگر عمر پندرہ سال ہوگئی ہو لیکن لڑکا ناسمجھ ہو تو وہ ولایت میں بدستور رہے گا۔

رہی بات لڑکی کے حق ولایت کی سو اس کی شادی تک اس پر ولایت برقرار رہتی ہے جب اس کی شادی ہوجائے تو اس کی دیکھ بھال کا حق خاوند کو مل جاتا ہے۔ اگر نکاح ہوجائے لیکن رخصتی نہ ہو تب بھی لڑکی ولی کے ماتحت رہے گی یہاں تک کہ سمجھداری کی عمر کو پہنچ جائے۔ تاہم اس صورت میں اسے مستقل طور پر رہائش اختیار کرنے کا حق حاصل ہوگا یا اپنی ماں کے ہمراہ رہے۔ تاہم حنفیہ نے اس عمر کی تحدید نہیں کی، بظاہر حنفیہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ عورت بوڑھی ہوجائے اور مردوں کو اس میں کوئی رغبت نہ رہے۔

لیکن مصر کے قانون میں ہے کہ جب لڑکی سن رشد ۲۱ سال کو پہنچ جائے اور سوریا کے قانون میں جب ۱۸ سال کی ہوجائے تو وہ ولی نفس سے الگ رہائش اختیار کرسکتی ہے بشرطیکہ اس پر اعتماد ہو اور فتنے میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہو۔

مالکیہ کے مذہب میں ولایت علی النفس سبب ولایت کے زائل ہونے سے ختم ہوجاتی ہے اور سبب ولایت صغر (کمسنی، بچپن) ہے، جنون فاتر العقل اور مرض ہے جبکہ لڑکی پر ولایت نفس برقرار رہتی ہے تاوقتیکہ شادی کے بعد اس کی رخصتی ہوجائے اور خاوند اس کی ساتھ صحبت کرلے۔ جیسا کہ حضانت کی بحث میں گزر چکا ہے۔

دوسری بحث......ولایت علی المال:

اول: ولی مال......اگر قاصر (عدیم الاہلیت) کی ملکیت میں مال ہو تو تمام مذاہب کے مطابق قاصر کے ولی مثلاً باپ کو اس کے مال پر ولایت حاصل ہوگی۔ باپ کی ذمہ داری ہے کہ قاصر کے مال کی حفاظت کرے اور اسے سرمایہ کاری میں لگائے اگر باپ مرجائے تو اس کے بعد قاصر کے مال پر ولایت کسے حاصل ہوگی؟ سو اسمیں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں......ولایت علی مال اولاً باپ کو حاصل ہوتی ہے پھر باپ کے وصی کو حاصل ہوتی ہے پھر دادا کو پھر اس کے وصی کو پھر قاضی کو اور پھر اس کے وصی کو۔

مالکیہ اور حنابلہ......کہتے ہیں ولایت علی المال باپ کو حاصل ہوتی ہے پھر اس کے وصی کو پھر قاضی کو یا اس کے قائم مقام کو پھر عام مسلمانوں کو۔

شافعیہ......کہتے ہیں ولایت مال باپ کو حاصل ہوتی ہے پھر دادا کو پھر وصی کو پھر قاضی یا اس کے قائم مقام کو۔ مذکورہ تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ شافعیہ دادا کو باپ کے وصی پر مقدم رکھتے ہیں چونکہ اگر باپ موجود نہ ہو تو دادا اس کا قائم مقام ہوتا ہے چونکہ دادا شفقت میں باپ کی مانند ہوتا ہے۔ اسی لئے دادا کو ولایت نکاح بھی حاصل ہوتی ہے۔

ولایت علی المال برقرار رہتی ہے تاوقتیکہ قاصر رشد کو پہنچ جائے اگر قاصر حالت رشد میں بالغ ہو اور پھر اس پر جنون یا ناسمجھی طاری ہوجائے تو کیا اس پر ولایت مال پھر سے لوٹ آئے گی۔

مالکیہ اور حنابلہ......کہتے ہیں ولایت نہیں لوٹے گی البتہ قاضی کو اس پر ولایت حاصل ہوگی، چونکہ بلوغ کی وجہ سے ولایت ساقط ہوجاتی ہے اور جو چیز ساقط ہوجائے وہ سقوط کے بعد واپس نہیں لوٹتی۔

حنفیہ اور شافعیہ...... کہتے ہیں بلوغ سے قبل جسے ولایت حاصل ہوا سے دوبارہ مل جاتی ہے چونکہ وجود وعدم کے اعتبار سے علت کے ساتھ ساتھ حکم بھی گھوم جاتا ہے چنانچہ جب ولایت کی علت پائی جائے گی ولایت بھی پائے جائی گی۔

اگر لڑکا سفیہ (فاتر العقل) ہو تو جمہور کی رائے کے مطابق اس کی ولایت قاضی کو حاصل ہوگی یا قاضی جسے متعین کر دے اسے حاصل ہوگی۔ چونکہ مقصد سفیہ کے مال کی حفاظت کرنا ہوتا ہے اور لوگوں کے مصالح پر نظر رکھنا قاضی کے اختیارات میں سے ہے۔

قانون...... مصر کے قانون دفعہ (۱) رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ اور سوریا کے قانون میں حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے چنانچہ قاصر پر ترتیب وار اولیاء کو ولایت حاصل ہوگی۔

دوم: ولی مال کی شرائط...... ولایت علی المال کے لئے وہی شرائط ہیں جو ولایت علی النفس کی شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱...... یہ کہ ولی میں اہلیت کامل ہو، کامل اہلیت بلوغ، عقل اور آزادی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ عدیم الاہلیت یا ناقص الاہلیت کو اپنے مال پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، چہ جائے کہ وہ غیر کے مال کا ولی ہو۔

۲...... یہ کہ سفیہ (فاتر العقل) مبذر (فضول خرچ) اور محجور علیہ (جس پر پابندی ہو) نہ ہو چونکہ ایسا شخص اپنے مال کا ولی نہیں ہوتا اسے دوسرے کے مال پر ولایت کیسے ہوگی۔

۳...... یہ کہ ولی اور قاصر کا دین ایک ہو چنانچہ اگر باپ مسلمان نہ ہو تو اسے اپنے مسلمان بیٹے پر ولایت حاصل نہیں ہوگی۔

سوم: مال میں ولی کے تصرفات...... ولی زیر ولایت قاصر کے مال میں صرف ایسا ہی تصرف کر سکتا ہے جس میں قاصر کی مصلحت ہو چنانچہ ایسا تصرف نہیں کر سکتا جس میں قاصر کا نقصان اور ضرر ہو جیسے مال صدقہ کرنا، غبن فاحش کے ساتھ بیع وشراء، اس طرح کا تصرف باطل ہوگا۔ ولی ایسے تصرف دل کھول کر کر سکتا ہے جس میں قاصر کا فائدہ ہو جیسے قبول ہبہ، صدقہ اور وصیت قبول کرنا، ایسے تصرفات بھی کر سکتا ہے جو نفع اور ضرر دونوں میں دائر ہوں جیسے معمول کی بیع وشراء اجارہ، مکان یا گاڑی کرائے پر دینا شرکت وغیرہ اس ضابطہ کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ...... الاسراء ۱۷/ ۳۴

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو (اس کے حق میں) بہتر ہو یہاں تک کہ وہ پختگی (بلوغت) کو پہنچ جائے۔

باپ کے تصرفات...... فضول خرچ باپ کو قاصر (عدیم الاہلیت بیٹا) کے مال پر ولایت حاصل نہیں ہوگی باپ پر واجب ہے کہ وہ کسی سمجھدار شخص کو وصی مقرر کرے اور اسے مال سپرد کرے اگر باپ فضول خرچ نہ ہو تو اسے قاصر کے مال پر ولایت حاصل ہوگی۔ حنفیہ کے نزدیک باپ قاصر کے مال میں خرچ وفروخت کے اعتبار سے تصرف کر سکتا ہے برابر ہے کہ مال منقولی ہو یا غیر منقولی، بشرطیکہ عقد مثلی ثمن (معمول کی قیمت) یا غبن یسیر کے ساتھ ہو غبن یسیر سے مراد ایسا معمولی دھوکا جس سے عادۃً لوگ نہیں بچ سکتے۔ تاہم غبن فاحش کے ساتھ قاصر کے حق میں بیع وشراء نافذ نہیں ہوگی غبن فاحش ایسا دھوکا ہوتا ہے جو عادۃ لوگ کاروبار میں نہیں اٹھاتے۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ شراء (خریداری) ولی پر نافذ ہوگی۔ چونکہ ولی پر شراء کا نفاذ ممکن ہے برخلاف بیع کے چنانچہ بیع نافذ نہیں ہوتی۔ چونکہ اس میں زیر ولایت شخص کے حق میں محض ضرر ہے باپ اپنے چھوٹے نابالغ بیٹے کو ذاتی مال فروخت کر سکتا ہے اور بیٹے کا مال اپنے

❶...... الدر المختار ۲/ ۴۰۶۔

لئے خرید بھی سکتا ہے بشرطیکہ بیع وشراء ثمن مثل یا غبن یسیر کے ساتھ ہو باپ عقد کی طرفین سے متولی ہوسکتا ہے یعنی ایجاب بھی کرسکتا ہے اور قبول بھی گویا باپ کی عبارت ایجاب وقبول کے قائم مقام ہوگی۔ اگر چہ اس صورت میں عاقد کا تعدد معدوم ہے لیکن یہ صورت وفور شفقت کے اصول کے پیش نظر عقود مالیہ سے مستثنیٰ ہے باپ نابالغ بیٹے کے مال میں سے کسی چیز کو تبرعا نہیں دے سکتا چونکہ تبرع میں قاصر کا محض نقصان ہے۔

باپ قاصر کا مال قرضے پر بھی نہیں دے سکتا اور نہ ہی اپنے لئے اس کا مال بطور قرضہ لے سکتا ہے چونکہ مال کو قرضہ پر دینے میں سرمایہ کاری فوت ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باپ قاصر کے مال میں سے کسی چیز کو اپنی طرف سے رہن رکھ سکتا ہے، رہن کو ودیعت پر قیاس کیا گیا ہے چنانچہ باپ اپنے بیٹے کے مال کو بطور ودیعت دے سکتا ہے۔ جبکہ امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک رہن جائز نہیں۔ کیونکہ رہن رکھنے کی صورت میں مال کی منفعت فوت ہوتی ہے۔

قانون......مصر کے قانون رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ دفعہ ۵ کے تحت ولی کو قاصر کے مال کو تبرع کرنے سے منع کیا گیا ہے، البتہ اس ممانعت سے ایک صورت مستثنیٰ کی گئی ہے کہ اگر کسی انسانی واجب یا خاندانی واجب (ذمہ داری) کی ادائیگی ہو تو عدالت کی اجازت سے ان واجبات کی ادائیگی صحیح ہوگی تاہم یہ استثناء فقہاء کی رائے کے خلاف ہے۔ دفعہ ۵ میں قاصر کی زمین میں تصرف کرنے سے منع کیا گیا ہے دفعہ ۹ میں ولی کو قاصر کا مال قرضہ دینے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں البتہ عدالت کی اجازت سے قاصر کا مال قرضہ پر دے سکتا ہے اور اپنے لئے قرضہ لے بھی سکتا ہے۔

دفعہ ۱۴ میں جائز قرار دیا گیا ہے کہ صرف باپ قاصر کی طرف سے نائب بن کر اپنے ساتھ عقد بیع وشراء کرسکتا ہے۔

دفعہ ۳ میں صراحت کی گئی ہے کہ ولایت ایسے شخص کو نہیں ملے گی جسے مال تبرع کی صورت میں واپس مل جاتا ہو۔

یہ احکام سوریا کے قانون کے موافق ہیں۔

چہارم: وصی مختار (باپ کے وصی) کی شرائط اور اس کے تصرفات......وصی کی دو قسمیں ہیں۔

۱......وصی مختار: وہ ہوتا ہے جسے باپ یا دادا خود متعین کردیں تا کہ وہ ان کی اولاد کے مال کی نگرانی کریں۔

۲......قاضی کا مقرر کردہ ''وصی'' وہ ہوتا ہے جسے قاضی متعین کردے تا کہ وہ میت کے ترکہ اور اس کی اولاد کی دیکھ بھال کرے۔

وصی کی چار شرائط:

۱......یہ کہ وصی بالغ ہو یہ شرط تمام تصرفات کے لئے ہے تاہم بچے کو وصی نہیں بنایا جاسکتا۔

۲......یہ کہ وصی عاقل ہو یہ شرعاً بھی تمام تصرفات کے لئے ہے تاہم مجنون یا معتوہ وصی بننے کا اہل نہیں۔

۳......اسلام اگر زیر ولایت قاصر مسلمان ہو تو وصی کا بھی مسلمان ہونا شرط ہے چنانچہ مسلمان پر غیر مسلم کو ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

۴......عدالت: یعنی وصی عادل شخص ہوتا ہم فاسق کو ولایت حاصل نہیں ہوتی چونکہ دوسرے شخص کی مصلحتوں پر آگاہی کا تقاضا ہے کہ آگاہ میں استقامت ہو ہاتھ کی صفائی ہو اور پرہیزگاری ہو عدالت کا معنی کبائر سے اجتناب کرنا اور صغائر پر اصرار نہ کرنا ہے اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو حنفیہ کے نزدیک معتمد قول کے مطابق وصی مقرر کرنا صحیح ہوگا البتہ قاضی اسے معزول کردے اور اس کی جگہ کسی اور کو وصی مقرر کرے۔

عورت کو وصی مقرر کرنا صحیح ہے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو وصی مقرر کیا تھا، نیز عورت کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور اس کے تصرفات بھی قابل قبول ہوتے ہیں جیسے مرد کے تصرفات جائز ہوتے ہیں لہٰذا عورت کو وصی مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔

جمہور کے نزدیک نابینا کو وصی مقرر کرنا صحیح ہے چونکہ نابینا کو دوسرے حواس کے ذریعہ خبر ہو جاتی ہے لہٰذا وہ بینا کی طرح تصرف کر سکتا ہے۔ نیز نابینا کی گواہی صحیح ہوتی ہے اسے نکاح کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور اپنی نابالغ اولاد پر بھی ولایت حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا نابینا کو وصی مقرر کرنا بھی صحیح ہے۔

قانون کا حکم......مصر کے قانون دفعہ ۲۷ رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ میں وصی کی شرائط اور نااہل وصی کی صراحت کی گئی ہے سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۷۸ کے تحت درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱......ضروری ہے کہ وصی عادل ہو اور وصیت کی ذمہ داری بطریق احسن نبھا سکتا ہے۔ اور اس میں کامل اہلیت ہو۔

۲......وصی ایسا شخص نہ ہو جسے عدالت کی طرف سے سزا ملی ہو مثلاً وہ خائن ہو یا جھوٹا گواہ ہو یا مخرب الاخلاق امور میں مبتلا ہو۔

وصی موقت......جیسے ولی خاص ہوتا ہے ایسے ہی وصی موقت (عارضی وصی) بھی ہوتا ہے چنانچہ دفعہ ۱۷۹ میں صراحت کی گئی ہے کہ اگر وصی کی مصلحت میں کسی قسم کا تعارض آجائے تو قاضی وقتی طور پر کسی خاص وصی کو مقرر کر سکتا ہے اس عارضی وصی کو وصی موقت کہا جاتا ہے۔

دفعہ ۱۸۸ کے تحت صراحت ہے کہ

۱......جب عدالت وصی کے اختیار کو روک دینا چاہے تو عدالت کسی خاص شخص کو (عارضی طور پر) وصی مقرر کر دے تاکہ مختار وصی پر سے پابندی ہٹانے تک عارضی وصی قاصر کے معاملات پر نگرانی رکھ سکے۔

۲......وصی موقت پر اس قانون میں وارد احکام جاری ہوں گے جو وصیت کے متعلق ہیں۔

وصی مختار کے تصرفات......مندرجہ ذیل ہیں۔

باپ یا دادا کے مقرر کردہ وصی کو وہی اختیارات حاصل ہوں گے جو باپ یا دادا کو حاصل ہوتے ہیں، لیکن چونکہ وصی میں باپ جیسی شفقت نہیں پائی جاتی اس لیے کچھ صورتیں مستثنیٰ ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

الف......زمین کی فروختگی چنانچہ وصی مختار کو قاصر کی زمین فروخت کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوگا الا یہ کہ فروختگی میں کوئی شرعی گنجائش ہو مثلاً زمین کا فروخت کرنا قاصر کے حق میں بہتر ہو اس بہتری کی صورتیں حسب ذیل ہیں۔

یہ کہ زمین دگنے چوگنے نرخوں میں فروخت ہو رہی ہو اور موقع ہاتھ آیا ہو اور ایسی زمین بعد میں ارزاں نرخوں میں خریدنی ممکن ہو۔

ب......یہ کہ زمین کا مالیہ (ٹیکس) اور اخراجات پیداوار اور آمدنی سے کہیں زیادہ ہوں۔

ج......یہ امر متعین ہو جائے کہ زمین کی فروختگی سے حاصل ہونے والا روپیہ قاصر کے اخراجات میں خرچ کیا جائے گا۔

۲......وصی کا اپنا مال یتیم کو فروخت کرنا یا یتیم کا مال اپنے لئے خریدنا۔ وصی کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں جبکہ باپ ایسا کر سکتا ہے۔ الا یہ کہ خرید وفروخت میں قاصر کی کوئی ظاہری منفعت ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ منفعت اس طرح متحقق ہو سکتی ہے کہ وصی قاصر کو نصف قیمت کے ساتھ زمین فروخت کرے اور اس سے دوگنے نرخوں کے ساتھ زمین خریدے۔ زمین کے علاوہ بقیہ اشیاء میں منفعت کے تحقق کا یوں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز ۱۵ روپے کی ہو وہ قاصر کو ۱۰ روپے میں فروخت کرے اور جو چیز ۱۰ روپے کی ہو وہ

قاصر سے ۱۵ روپے میں خریدے۔ صاحبینؒ اور دوسرے ائمہ کا موقف ہے نابالغ کے مال سے خرید وفروخت کرنا وصی کے لئے جائز نہیں۔

قانون......مصر کے قانون دفعہ ۳۸ رقم ۱۱۹ مجریہ ۱۹۵۲ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ وصی قاصر کے مال میں تبرع (مفت کسی کو عطا کر دینا) نہیں کر سکتا۔ الا یہ کہ کوئی انسانی یا عائلی ذمہ داری ادا کرنی ہو تو عدالت کی اجازت سے تبرع کر سکتا ہے سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۸۰ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ وصی کا قاصر کے مال سے تبرع کرنا باطل ہے مصری قانون میں دفعہ ۳۹ اور سوریا کے قانون میں دفعہ ۱۸۲ کے تحت وصی کو کچھ تصرفات سے منع کیا گیا ہے الا یہ کہ عدالت کی اجازت سے تصرف کرے یہ صورتیں حسب ذیل ہیں۔

الف......قاصر کے مال میں خرید وفروخت، شرکت، قرض دہی، رہن اور دوسرے تصرفات جن میں ملکیت منتقل ہو جاتی ہے۔

ب......قاصر کے دوسروں کے ذمہ دیون (قرضہ جات) کی تحویل اور اس پر حوالہ قبول کرنا۔

ج......قاصر کی زرعی اراضی کو تین سال سے زائد عرصہ کے لئے کرائے پر دینا۔

د......قاصر کے بالغ ہو جانے کی بعد اس کی زمین سال تک کی مدت کے لئے کرایہ پر دینا۔

ھ......صلح اور تحکیم

و......قاصر کی طرف سے مقدمہ بازی کے لئے وکیلوں کے ساتھ معاملہ طے کرنا۔

ز......قاصر کے اموال کو اپنے لئے اجارہ پر لینا یا اپنا مال قاصر کو اجارہ پر دینا الخ......

دفعہ ۱۸۱ میں صراحت کی گئی ہے کہ باقی شرکاء کے ساتھ باہمی رضامندی سے تقسیم نافذ نہیں ہوتی الا یہ کہ قاضی کی تصدیق سے ہو۔

چنانچہ یہ قیود شرعاً ممنوع نہیں چونکہ ان کا مقصد قاصر کی نگرانی اور حفاظت ہے اور فقہاء کا بھی یہی مطمع نظر ہے۔

پنجم: قاضی، اس کا وصی اور تصرفات......اگر باپ اور دادا نہ ہوں اور نہ ہی ان کا وصی ہو تو ولایت قاضی کو منتقل ہو جائے گی چونکہ قاضی کو ولایت عامہ حاصل رہتی ہے قاضی بذات خود قاصر کے اموال میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے لیکن اس کا تصرف مصلحت کے ساتھ مشروط ہوگا۔ لیکن معمول یہ ہے کہ قاضی خود نابالغوں کے اموال کی نگرانی نہیں کرتا بلکہ قاضی اپنی طرف سے ایک وصی متعین کر دیتا ہے جسے قاضی کا وصی یا وصی معین کہا جاتا ہے۔

قاضی کا وصی ایسے ہی تصرف کرے گا جیسے مختار وصی تصرف کرتا ہے البتہ وہی تصرف کرنے کا پابند ہوگا جس میں قاصر کا نفع ہو وصی کی ذمہ داری ہے کہ وہ قاصر کے مال کی حفاظت کرے اسے سرمایہ کاری پر لگائے، تاہم چند صورتوں میں وصی مختار مختلف ہے۔[1]

۱......قاضی کا مقرر کردہ وصی قاصر کے مال میں سے کوئی چیز اپنے لئے نہیں خرید سکتا اور نہ ہی فروخت کر سکتا ہے جبکہ وصی مختار کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے۔

۲......قاضی کا وصی تخصیص کو قبول کرتا ہے جبکہ وصی مختار حنفیہ کے نزدیک تخصیص کو قبول نہیں کرتا۔

۳......قاضی کا وصی ایسے شخص کے ہاتھ قاصر کا مال فروخت نہیں کر سکتا جس کی گواہی وصی کے حق میں قبول نہ کی جاتی ہو جیسے بیٹا، باپ وغیرہ۔

۴......قاضی کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ ترکہ کی مقدار کے بارے میں وصی سے پوچھ گچھ کرے جبکہ وصی مختار پر قاضی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

۵......اگر قاضی کا وصی کسی دوسرے شخص کو اپنے ترکے کا وصی مقرر کرے تو دوسرا وصی دو ترکات پر وصی نہیں بن سکتا جبکہ وصی مختار دو

---

[1]......شرح القانون للاحوال الشخصیہ للاستاذ مصطفی السباعی ۲/۶۲۔

ترکات پر وصی مقرر کر سکتا ہے۔

۶.....قاضی کا مقرر کردہ وصی قاصر کو مزدوری پر لگا نہیں سکتا جبکہ وصی مختار قاصر کو مزدوری پر لگا سکتا ہے۔

قانون.....مصر اور سوریا کے قانون میں وصی مختار اور وصی قاضی کے درمیان فرق نہیں کیا دونوں کے اختیارات یکساں ہیں۔

ششم: ولایت اور وصایت کی انتہاء.....ولایت علی المال اپنے سبب کے زائل ہونے سے انتہاء کو پہنچ جاتی ہے ولایت علی المال کا سبب بچپن اور بچے کا سن رشد کو پہنچ جانا ہے۔ رشد (سمجھداری) کی پہچان امتحان اور تجربہ سے ہو جاتی ہے چنانچہ جب تجربہ سے بچے کا رشید ہونا معلوم ومتیقن ہو جائے تو اس پر ولایت علی المال ختم ہو جائے گی اور اس کا مال اسے سپرد کر دیا جائے گا۔

قانون.....مصر اور سوریا کے قانون میں بالترتیب ۲۱ اور ۱۸ سال سن رشد کی تحدید کی گئی ہے۔ چنانچہ مصر کے قانون میں دفعہ ۱۸ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ نابالغ جب ۲۱ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس پر حاصل ولایت اور وصیت کا اختیار ختم ہو جائے گا۔ الا یہ کہ عدالت اس عمر سے پہلے ولایت کے برقرار رہنے کا فیصلہ کر دے۔

دفعہ ۴۷ میں وصایت کے منتہی ہونے کے درج ذیل اسباب بیان کئے گئے ہیں۔

۱.....قاصر کا ۲۱ سال کی عمر کو پہنچ جانا۔

۲.....ولی کو دوبارہ ولایت کا مل جانا، یہ ایسے ہوتا ہے کہ جب عدالت ولی کی ولایت سلب کر دے اور قاصر پر کسی وصی کو مقرر کر دے پھر سلب ولایت کا سبب زائل ہو جائے، اور عدالت ولایت کے اعادہ کا حکم جاری کر دے۔

۳.....قاضی وصی کو معزول کر دے یا وصی خود ہی استعفیٰ پیش کر دے۔

۴.....وصی کی اہلیت مفقود ہو جائے یا وہ کہیں غائب ہو جائے یا مر جائے یا قاصر (نابالغ بچہ) مر جائے یہ اسوقت ہے جب عدالت کی طرف سے قرارداد صادر ہو جائے البتہ فاتر العقلی یا جنون اس سے مستثنیٰ ہیں چونکہ دیوانی قانون کے احکام چلیں گے۔

جب وصیت اختتام پذیر ہو جائے تو وصی پر واجب ہے کہ تیس دنوں کے اندر اندر قاصر کو اس کے اموال سپرد کر دے۔

سوریا کے دیوانی قانون میں دفعہ ۴۶ مجریہ ۱۹۴۹ کے تحت سن رشد کی تحدید ۱۸ شمسی سالوں سے کی ہے۔

دفعہ ۱۸۹ کے تحت سوریا کے قانون میں صراحت کی گئی ہے کہ درج ذیل امور سے وصی کی ولایت اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

الف.....قاصر کے مر جانے سے۔

ب.....قاصر کے ۱۸ سال کا ہو جانے سے۔

ج.....ولایت کے از سر نو باپ یا دادا کو مل جانے سے۔

د.....وہ ذمہ داری جو وصی خاص کو سونپی گئی تھی وہ انجام پذیر ہو گئی۔

ہ.....وصی نے استعفاء پیش کر دیا۔

و.....وصی کی اہلیت زائل ہو جانے سے۔

ز.....وصی کے گم ہو جانے سے۔

ی.....وصی کو معزول کر دیا گیا۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۱۹۱ کے تحت درج ذیل تصریحات کی گئی ہیں۔

۱.....جب وصیت اختتام پذیر ہو جائے تو وصی پر لازم ہے کہ تیس دن کے اندر اندر زیر اختیار اموال قاصر کو سپرد کر دے اور جملہ حساب بمعہ پکی رسیدات مکمل کر دے حساب یا تو قاصر کو دے یا اس کے ورثہ کو دے اگر قاصر مر چکا ہو حساب کی ایک کاپی عدالت میں بھی جمع کروائے۔

۲.....جب وصی مر جائے یا اس پر پابندی لگ جائے تو اس کے ورثہ پر لازم ہے کہ قاصر کے اموال کا حساب دیں اور حساب کے لئے پیش رفت کریں۔

۳.....ایتام کا سرپرست وصی کے اختیارات پر نظر رکھے۔

پانچویں فصل.....نفقات (اخراجات)

بیوی اور قریبی رشتہ داروں کا نفقہ.....اس فصل کے تحت میں بیوی کے نفقہ کے ساتھ ساتھ دوسرے قریبی رشتہ داروں کے نفقات بھی بیان کروں گا تا کہ بحث کے جملہ مسائل یکجا ہو جائیں اور محقق کے لئے آسانی رہے بحث شروع کرنے سے پہلے میں نے ایک تمہید باندھی ہے جس میں بحث کے مبادیات کو بیان کیا گیا ہے تمہید کے بعد چار مباحث لائی ہیں جن کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

پہلی بحث.....بیوی کا نفقہ

دوسری بحث.....اولاد کا نفقہ

تیسری بحث.....آباء اجداد اور ماؤں کا نفقہ

چوتھی بحث.....قریبی رشتے داروں کا نفقہ اور ذوی الا حام کا نفقہ

معلوم رہے انسان کے ماتحت ہر ضرورتمند چیز پر حسب حال خرچہ کرنا واجب ہے جیسے غلام، خادم، جانور، سبزیات، کھیتی، گھر، زمین وغیرھا۔ ان اشیاء پر خرچہ کرنا اس لئے ضروری ہے تا کہ ضائع ہونے سے محفوظ رہیں، واضح رہے مال کو ضائع کرنا حرام ہے لیکن جمہور نے کھیتی اور باغات کو پیاسے چھوڑے رکھنا گھروں اور اراضی کو درستی اور تعمیر کے بغیر چھوڑے رکھنے کو مکروہ قرار دیا ہے الا یہ کہ یہ اشیاء وقف کی ہوں یا کسی قاصر (عدیم الاہلیت جیسے بچہ) کی ہوں یا مشترکہ ہوں تو ان پر خرچ کرنا واجب ہے۔

جانور کا نفقہ..... مالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو چارا دے اگر چہ جانور مریض ہی کیوں نہ ہوں۔ جانوروں کو پانی پلانا بھی واجب ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا، اس عورت نے بلی بند کر دی تھی یہاں تک کہ بھوکوں مرگئی، عورت نہ بلی کو کھلاتی اور نہ ہی کھلی چھوڑتی تا کہ حشرات الارض کھا سکتی [1] جانور سے اس کی طاقت سے بڑھ کر کام لینا حرام ہے چونکہ شارع نے غلام سے اس کی طاقت سے بڑھ کر کام لینے سے منع کیا ہے۔ جانور بھی غلام کی مانند ہے نیز حیوان کو بھوکا رکھنے یا اس سے طاقت سے بڑھ کر کام لینا اسے عذاب میں مبتلا کرنا ہے اور اسے ضرر پہنچانا ہے جو کسی طرح بھی جائز نہیں۔ [2]

جانور کا مکمل طور پر دودھ دوہ لینا جس سے اس کے بچے کو ضرر پہنچے مالک پر حرام ہے۔

چونکہ جانور کا دودھ اس کے بچے کی خوراک ہوتا ہے لہٰذا بچے کو اس خوراک سے روک دینا جائز نہیں۔ دودھ دوہنے کے لئے ناخنوں کا کاٹنا مسنون ہے تا کہ جانور کو اذیت نہ پہنچے جیسا کہ شہد کے چھتے ہیں کچھ شہد باقی رہنے دینا واجب ہے تا کہ اس سے مکھیوں کی ضرورت

[1]..... متفق علیہ عن ابن عمرؓ مرفوعاً [2] المهذب ۲/۱۶۸ کشاف القناع ۵/۵۷۳ البدائع ۴/۴۰ القوانين الفقهية ص۲۲۳۔

پوری ہو سکے۔

اگر مالک جانور کو چارا دینے سے انکار کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک قضاء ودیانۃ اس پر جبر کیا جائے گا جیسے بیوی کے نفقہ پر خاوند کو مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر مالک کے پاس مال نہ ہو تو جانور کو کرایہ پر دے دیا جائے گا، اگر کرائے پر دینے کی سہولت موجود نہ ہو تو جانور بیچ دیا جائے گا۔ حنفیہ کہتے ہیں، مالک کو جانور کے چارے پر قضاء مجبور نہیں کیا جائے گا (یعنی قاضی سے اس کی شکایت نہیں کی جائے گی) یہ ظاہر الروایہ میں ہے۔ لیکن مالک کو فتوی دیا جائے گا کہ دیانۃ (یعنی خوف خدا کے پیش نظر) جانور پر خرچ کرے اسی طرح جمادات جیسے گھر، زمین وغیرھا پر بھی خرچ کرنے پر مالک کو مجبور نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے خرچہ کرنے کا فتوی دیا جائے گا۔ لیکن مال کو ضائع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

جانور کے منہ پر داغ لگانا اور منہ پر مارنا حرام ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرے پر داغ دینے اور مارنے والے پر لعنت کی ہے۔ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے جیسے کہ آدمی کے چہرے پر مارنا حرام ہے بلکہ یہ حرمت زیادہ سخت ہے۔ مرغوں او بیلوں کو لڑانا حرام ہے چونکہ اس طرح کی لڑائی سے جانوروں کو سخت اذیت پہنچتی ہے۔

جانور پر لعنت کرنا حرام ہے کیونکہ امام احمد اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے عمران رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر پر تھے، ایک عورت نے اونٹنی پر لعنت کر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ اس اونٹنی پر ہے وہ لے لو اور اسے آوارہ چھوڑ دو چونکہ یہ ملعون ہو چکی ہے عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں گویا کہ میں اونٹنی کو لوگوں کے درمیان چلتے دیکھ رہا ہوں اور اس سے کوئی بھی تعرض نہیں کرتا۔ احمد و مسلم رحمۃ اللہ علیہما نے ابو برزہ رضی اللہ عنہ کی روایت بھی نقل کی ہے کہ ہماری مصاحبت میں ایسی اونٹنی نہ رہے جس پر لعنت کی گئی ہو اسی طرح انسان پر بھی لعنت کرنا حرام ہے۔

جانور کو راحت پہنچانے کی نیت سے اسے ذبح کرنا یا قتل کرنا جائز نہیں (ہاں البتہ گوشت کھانے کی نیت سے درست ہے) چونکہ جانور جب تک زندہ رہے وہ مال ہوتا ہے اور اسے ذبح کرنا گویا مال تلف کرنا ہے جبکہ اتلاف مال سے منع کیا گیا ہے اسی طرح موذی مرض میں مبتلا انسان جو سخت اضطرابی کیفیت میں گرفتار ہو کو قتل کرنا حرام ہے چونکہ جب تک انسان زندہ رہتا ہے معصوم الدم ہوتا ہے البتہ ایسے موذی جانور جس کا قتل مباح ہے انہیں قتل کرنا بہتر ہے جیسے باؤلا کتا۔

نفقات کے بارے میں مبادی عامہ:

نفقہ کا معنی اور اس کے اسباب...... نفقہ انفاق سے مشتق ہے انفاق کا معنی اخراج ہے نفقہ کا استعمال صرف مال میں ہوتا ہے نفقہ کی جمع نفقات ہے لغوی تعریف ہے ماینفقہ الانسان علی عیالہ وہ چیز جسے انسان اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے۔ نفقہ کا اطلاق حقیقت میں دراہم ودنانیر پر ہوتا ہے۔

شرعی تعریف...... ھی کفایۃ من یمونہ من الطعام والکسوۃ والسکنی ❶ جس شخص کا خرچہ کھانا، کپڑے اور رہائش ذمہ میں ہو اس کی کفایت کر دینا نفقہ ہے۔

طعام سے مراد کھانے پینے کی اشیاء ہے کسوہ سے مراد کپڑے ستر پوش اور چادر ہے سکنی سے مراد گھر، اثاثہ، روپے پیسے چراغ کا تیل آلات نظافت وغیرہ مراد ہیں۔ نفقہ کی دو قسمیں ہیں: ❷

---

❶......الدر المختار ۲/۸۸۶ ❷مغنی المحتاج ۳/۴۲۵۔

ا.....وہ نفقہ جو اپنی ذات کے لیے انسان پر واجب ہوتا ہے اگر وہ اس پر قدرت رکھتا ہو، انسان پر واجب ہے کہ ذاتی نفقہ دوسرے لوگوں کے نفقات پر مقدم رکھے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے آپ سے ابتداء کرو پھر اسے خرچہ دو جس کا نفقہ تمہارے اوپر واجب ہے۔ ❶

وجوب نفقہ کے تین اسباب ہیں۔زوجیت، قرابت خاصہ اور ملک۔ ❷

ا۔زوجیت سے واجب ہونے والے حقوق......سات ہیں ❸ کھانا، سالن، کپڑے، آلہ نظافت، گھریلو سامان، رہائش، خادم بشرطیکہ عورت ایسے لوگوں میں سے ہو جو خادم رکھتے ہوں۔ میں پہلی بحث میں ان واجبات پر گفتگو کروں گا۔

۲۔قرابت جو موجب نفقہ ہے......مختلف مذاہب کی چار آراء ہیں جن میں وسعت تنگی مدت کی تعیین میں تفاوت ہے، مالکیہ نے سب سے زیادہ تنگی رکھی ہے پھر شافعیہ نے پھر حنفیہ نے پھر حنابلہ نے۔ ❹

مالکیہ کا مذہب......نفقہ والدین اور اولاد کے لئے واجب ہوتا ہے ان کے علاوہ کسی اور کے لئے واجب نہیں چنانچہ باپ اور ماں کے لئے نفقہ واجب ہے اولاد کے لئے نفقہ واجب ہے خواہ مذکر ہوں یا مؤنث تاہم دادا، دادی اور پوتے کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا الاسراء۱۷/۲۳

والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا لقمان۳۱/۱۵

دنیا میں ان دونوں (والدین) کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔

ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ اس کا باپ اس سے مال چھیننا چاہتا ہے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بھی اور تیرا مال بھی تیرے باپ کی ملکیت ہے سب سے زیادہ پاک مال جسے تم کھاتے ہو وہ تمہاری کمائی ہے اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے اولاد کی کمائی کو خوشدلی سے کھاؤ۔

بچہ جب تک نابالغ رہے اس کے نفقہ کے واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ البقرۃ۲/۲۳۳

اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر معروف طریقے سے ان ماؤں کا رزق اور کپڑے واجب ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ الطلاق۶۵/۶

اگر عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوی سے فرمایا تھا: ”خاوند کے مال سے اتنا لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی

❶......هذا مركب من حديثين فالشق الاول رواه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن جابر والشق الثانی اخرجه البخاری عن ابی هريرة نيل الاوطار۶/۳۲۱ ❷الدرالمختار ومغنی المحتاج المكان السابق۔ ❸ مغنی المحتاج۳/۴۶۶ القوانين الفقهية ۲۲۱ ❹رواه احمد وابوداؤد عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده ورواه احمد عن عائشه رواه الخمسة وعائشة بدون الشق الاول ورواه ابن ماجه۔

ہو'۔ ❶ ان دلائل سے معلوم ہوا کہ بچے کا نفقہ واجب ہے۔

ب: شافعیہ کا مذہب...... وہ قرابتداری جو نفقہ کی مستحق ٹھہرتی ہے وہ والدین کی قرابت ہے اگر چہ اوپر چلے جائیں اور اولاد کی قرابتداری ہے اگر چہ نیچے آ جائیں یہ استحقاق مختلف آیات اور احادیث سے ثابت ہے چونکہ والدین کے لفظ کا اطلاق داداؤں اور دادیوں پر بھی ہوتا ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ (الحج ۲۲/۷۸) آیت میں ابراہیم علیہ السلام کو باپ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ آپ علیہ السلام تو دادا ہیں نیز دادا باپ کی مانند ہوتا ہے اور دادی ماں کی مانند لفظ ولد کا اطلاق بیٹے کی اولاد یعنی پوتوں پر بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں بارہا آیا ہے یَا بَنِیْ آدَمَ' اے آدم کی اولاد (الاعراف: ۷/۳۱) چنانچہ والدین اور مولودین (اولاد) کے علاوہ دوسرے قرابتداروں مثلاً بھائی چچا وغیرہ کا نفقہ واجب نہیں ہے چونکہ شریعت میں صرف والدین اور اولاد کا نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے ان دو کے علاوہ ولادت اور احکام ولادت میں کسی اور کو ملحق نہیں کیا گیا۔ لہٰذا ان دو فریقین کے علاوہ وجوب نفقہ میں کوئی اور شریک نہیں ہوگا چنانچہ نفقہ فقط اصول وفروع کے لئے واجب ہے۔

ج: حنفیہ کا مذہب...... ہر ذی رحم محرم کے لئے نفقہ واجب ہوتا ہے، اور غیر محرم قرابتدار کے لئے نفقہ واجب نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى ......النساء ۴/۳۶

اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو اور قریبی رشتہ داروں کے ساتھ ہے۔

وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ......الاسراء ۱۷/۲۶

اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

نیز بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ کے طریق سے حدیث مروی ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ حسن سلوک کروں۔

آپ نے فرمایا: اپنی ماں کے ساتھ۔ میں نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا: اپنے باپ کے ساتھ پھر قریب در قریب رشتہ داروں کے ساتھ ❷ حدیث کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ اقارب کا نفقہ اقارب پر واجب ہوتا ہے خواہ اقارب وارث ہوں یا نہ ہوں۔

لیکن حنفیہ نے قرابت کو محرمیت کے ساتھ مقید کیا ہے چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ

اور وارث پر اسی کی بمثل واجب ہے۔

جبکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے:

وعلى الوارث ذى الرحم المحرم مثل ذالك

معلوم ہوا وارث سے مراد وہ وارث (قریبی رشتہ دار) ہے جو ذی رحم محرم ہو۔ نیز قریب کی قرابتداری کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے جبکہ قرابت بعیدہ کے ساتھ صلہ رحمی واجب نہیں۔

---

❶......رواه الجماعة احمد واصحاب الكتب الستة الا الترمذى عن عائشة(نيل الا وطار ۶/۳۲۳) ❷رواه احمد وابوداؤد والترمذى (نيل الاوطار ۶/۳۲۷)

چنانچہ اصول وفروع کا نفقہ اور ذوی الاحام کا نفقہ واجب ہے۔

د: حنابلہ کا مذہب...... ہر وہ قریبی وارث جو ذوی الفروض میں آتا ہو یا عصبات میں آتا ہو یعنی اصول وفروع اور حاشیہ بردار بھائی چچا اور ان کے بیٹے کے لئے نفقہ واجب ہے اسی طرح جو لوگ ذوی الارحام ہوں بشرطیکہ وہ نسب میں آتے ہوں جیسے ماں کا باپ اور نواسا برابر ہے کہ یہ وارث بنتے ہوں یا محجوب (حصہ لینے سے محروم) ہوتے ہوں اور وہ لوگ جو نسب میں نہ آتے ہوں جیسے خالہ اور پھوپھی تو ان کا نفقہ واجب نہیں چونکہ ان کی قرابتداری ضعیف ہوتی ہے یہ لوگ اس صورت میں مال لینے کے حقدار ہوتے ہیں جب کوئی وارث موجود نہ ہو جیسے بقیہ مسلمان چنانچہ حنابلہ نے محرمیت کی شرط نہیں لگائی جیسا کہ حنفیہ نے شرط لگائی ہے چنانچہ چچا کا بیٹا اپنے چچازاد بھائی پر نفقہ کا حقدار ہوگا چونکہ وہ وارث ہوتا ہے جبکہ چچازاد بھائی حنفیہ کے نزدیک محرم نہ ہونے کی وجہ سے نفقہ کا حقدار نہیں ہوتا۔

حنابلہ کی دلیل یہ آیت ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَالِكَ

نیز دو وارثوں کے درمیان پائی جانے والی قرابت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وارث بقیہ لوگوں کی بنسبت مورث کے مال کا زیادہ حقدار ہوتا ہے لہٰذا مناسب ہے کہ وارث ہی کے ساتھ نفقہ کا اختصاص ہو اور اگر وارث موجود نہ ہو تو قرابت معلوم ہونے کی وجہ سے تو نفقہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

ان مذاہب سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ آباء امہات اولاد اور زوجات کے لئے نفقہ واجب ہے جب یہ لوگ محنت مزدوری کرنے سے عاجز ہوں اور تنگدست ہوں جبکہ خرچ دہندہ مالدار ہو اگر باپ تنگدست ہو اور ماں مالدار ہو تو ماں کو خرچ کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور نفقہ باپ پر دین ہوگا۔ ❶

ابن حزم ظاہری کا موقف ہے کہ اگر خاوند ذاتی نفقہ سے عاجز ہو جبکہ اس کی بیوی مالدار ہو تو اسی پر خاوند کا خرچہ چلانے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے بعد میں اس کا خاوند اگر مالدار ہو جائے تو بیوی اس سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتی۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ البقرۃ۲/۲۳۳

اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اٹھائے (ہاں) کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ تو ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور نہ باپ کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیوی وارث ہوتی ہے اس پر خاوند کا خرچہ نص قرآنی سے واجب ہے۔

۴: قرابتدار اور بیوی کے نفقہ کا اصول کفایت...... فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرابتداروں اور بیویوں کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہے جو کہ روٹی، سالن، کپڑے اور سکنی کی صورت میں ہو، تاہم اس میں عادت ورواج اور استطاعت کو ملحوظ رکھا جائے گا چونکہ نفقہ ضرورت اور حاجت کے لئے واجب ہے اور حاجت بقدر کفایت سے پوری ہو جاتی ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوی ہند سے۔

فرمایا: اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو اگر قرابتدار یا بیوی کو خادم کی ضرورت ہو تو خرچہ برداشت کرنے والے

❶ ......البدائع ۴/۳۶ حاشیۃ ابن عابدین ۲/۹۲۴ القوانین الفقھیۃ ۲۲۳ المھذب ۲/۱۶۷ مغنی المحتاج: ۳/۴۴۸

پر واجب ہے کہ وہ خادم کا انتظام کرے چونکہ خادم بھی کفایت میں آتا ہے۔

۵: وجوب نفقہ کی شرائط......قرابتدار پر خرچہ کرنا واجب ہے تاہم اس وجوب کی تین شرائط ہیں۔ ❶

اول...... یہ کہ قرابتدار فقیر ہو اس کے پاس مال نہ ہو اور نہ ہی وہ محنت مزدوری کی قدرت رکھتا ہو بوجہ صغر سنی کے یا بڑھاپے کے یا جنون کے یا کسی مرض کے۔ اس شرط سے والدین مستثنیٰ ہیں اگرچہ انھیں محنت مزدوری کی قدرت ہو تب بھی اولاد پر والدین کا خرچہ واجب ہے، اگر قرابتدار کے پاس مال ہو یا وہ محنت مزدوری کی استطاعت رکھتا ہو تو اس کی لیے نفقہ واجب نہیں ہوگا، چونکہ نفقہ غمخواری کی طور پر واجب ہوا تھا جبکہ مالدار شخص غمخواری کا محتاج نہیں ہوتا مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر والدین کسب وکمائی پر قدرت رکھتے ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

دوم...... یہ کہ خرچ کنندہ مالدار ہو اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بعد اس کے پاس مال بچ رہے جسے قرابتداروں یا والدین پر خرچ کرے اس شرط سے والد مستثنیٰ ہے گو وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو نابالغ اولاد کا خرچ اس پر واجب ہے اسی طرح خاوند بھی مستثنیٰ ہے چنانچہ بیوی کا خرچہ اس پر واجب ہے گو فقیر ہی کیوں نہ ہو مالکیہ کہتے ہیں: اولاد اگر فقیر وتنگدست ہو تو کسب کمائی اس پر واجب نہیں کہ اپنے والدین پر خرچ کرے اگرچہ وہ کسب وکمائی کی قدرت رکھتا ہو۔

اس شرط کی دلیل......حدیث میں ہے:

ابدا بنفسك ثم بمن تعول

اپنے آپ سے (خرچے کی) ابتدا کرو اور پھر ان لوگوں کو خرچہ دو جن کا خرچہ تمہارے اوپر واجب ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص فقیر ہو وہ اپنی ذات سے ابتداء کرے اگر خرچہ بچ رہے تو اپنے عیال پر خرچ کرے پھر بھی اگر بچ رہے تو قرابتداروں پر خرچ کرے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے پاس ایک دینار ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے اوپر خرچ کرو اس نے عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے؟ فرمایا اسے اپنی اولاد پر صدقہ کرو عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے فرمایا: اسے اپنے خادم پر صدقہ کرد و عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے، فرمایا: تم اسے خرچ کرنے کی زیادہ سمجھ رکھتے ہو۔ (۲)

سوم...... یہ کہ خرچ کنندہ جس شخص پر خرچ کر رہا ہو وہ اس کا قریبی رشتہ دار ذی رحم محرم ہو۔ حنفیہ کے مذہب کے مطابق وہ اس کا وارث بنتا ہو حنابلہ کے نزدیک خرچ کنندہ کا وارث ہونا شرط ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۚ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

وارث کے ذمہ بھی اسی طرح کے اخراجات واجب ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک خرچ کنندہ کا باپ یا بیٹا ہونا شرط ہے شافعیہ کے نزدیک اصول وفروع میں سے ہونا شرط ہے جیسا کہ میں نے

---

❶......فتح القدیر ۳/۳۴۷، الدر المختار ۲/۹۲۳ القوانین الفقهیة ۲۲۲ المغنی ۷/۵۸۴، مغنی المحتاج: ۳/۴۴۶ کشاف القناع ۵/۵۵۸ الشرح الصغیر ۲/۷۵۰ (۲) یہ ساری احادیث نیل الاوطار ۶/۳۲۱ میں دیکھی جاسکتی ہیں

تیسرے اصول میں بیان کر دیا ہے جب تک اولاد زیرِ تعلیم ہو ان کا خرچہ باپ پر واجب ہے اگر چہ اولاد بالغ ہو چکی ہو اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

اتحادِ دین کی شرط...... فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے اگر چہ دونوں کا دین جدا جدا ہو بشرطیکہ بیوی ناشزہ (نافرمان) یا مرتدہ نہ ہو، اب آیا کہ قرابتدار پر خرچہ کرنے کی صورت میں دین کا متحد ہونا شرط ہے یا نہیں؟ سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❶

مالکیہ، شافعیہ...... نے وجوب نفقہ کے سلسلہ میں اتحاد دین کی شرط نہیں لگائی بلکہ مسلمان کافر پر خرچ کرے کافر مسلمان پر خرچ کرے چونکہ جن دلائل سے نفقہ کا وجوب ثابت ہوتا ہے انمیں عموم ہے گویا بیوی کے نفقہ پر قیاس کیا گیا ہے چونکہ موجب پایا جاتا ہے اور وہ بعضیت ہے۔

حنابلہ...... اس شرط کے بارے میں حنابلہ کی دو آراء ہیں۔

اول...... اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بھی نفقہ واجب ہوگا جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

دوم...... (حنابلہ کے ہاں یہ قابل اعتماد رائے ہے) اختلاف دین کے ساتھ نفقہ واجب نہیں ہوتا چونکہ نفقہ احسان، صلہ رحمی اور غمخواری ہے جبکہ بیوی کا نفقہ قدرے مختلف نوعیت کا ہے وہ تو عوض ہوتا ہے جو تنگدستی کے ہوتے ہوئے بھی واجب ہوتا ہے لہٰذا اختلاف دین اس نفقہ کے مانع نہیں حالانکہ قرابتداروں کا نفقہ وراثت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور کافر مسلم کا وارث نہیں بنتا لہٰذا کافر کا نفقہ بھی واجب نہیں۔

حنفیہ...... نے اتحاد دین کی شرط نہیں لگائی تاہم ان کے نزدیک اصول وفروع کا نفقہ واجب ہے اور بیوی کا نفقہ بھی واجب ہے۔ حنفیہ نے ان تین گروہوں کے علاوہ کے لئے اتحاد دین کی شرط رکھی ہے چونکہ مسلمان غیر مسلم کا وارث نہیں بنتا۔

چنانچہ ایک مرد پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین اجداد، جدات پر خرچہ کرے بشرطیکہ وہ فقراء ہوں اگر چہ ادیان الگ الگ ہوں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا...... لقمان ۳۱/۱۵

اور دنیا میں والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔

حسن سلوک یہ نہیں کہ اولاد تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کر رہی ہو اور والدین بھوکوں مر رہے ہوں۔ رہی بات اجداد وجدات کی سو اجداد (دادے) باپ کے قائم مقام ہیں اور جدات (دادیاں) ماں کے حکم میں ہیں۔

اختلاف دین کے ہوتے ہوئے نفقہ صرف بیوی والدین، اجداد، جدات، اولاد اور اولاد کی اولاد کے لئے واجب ہوتا ہے۔ بیوی کا نفقہ تو احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے جبکہ اصول وفروع کا نفقہ جزئیت بعضیت ❷ کی وجہ سے واجب ہوتا ہے البتہ والدین اگر حربی (دشمن) ہوں تو ان کا خرچہ اولاد پر واجب نہیں چونکہ شریعت نے مسلمان کو حربی کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے منع کیا ہے۔ حتیٰ کہ والدین مستامن (ویزہ وغیرہ لے کر آئے) ہو تب بھی واجب نہیں۔

---

❶ ...... البدائع ۳۶/۴، الکتاب مع اللباب ۱۰۴/۳ فتح القدیر ۳۴۷/۳، القوانین الفقهیة ۲۲۳ مغنی المحتاج ۴۴۷/۳ المهذب ۱۶۰/۲۔ ❷ جزئیت بعضیت کا معنی ہے کہ اولاد والدین کا جزء ہوتی ہے اولاد کی رگوں میں والدین کا خون دوڑ رہا ہوتا ہے۔

خلاصہ......حنفیہ کا مذہب معتدل ہے حنفیہ نے اصول وفروع کے لئے نفقہ واجب قرار دیا ہے اگرچہ اختلاف دین ہی کیوں نہ ہو، جبکہ اصول وفروع کے علاوہ کے لئے اختلاف دین کے ساتھ نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

مالداری اور تنگدستی کی حد...... مالدار شخص پر اس کے قرابتدار کا نفقہ واجب ہے حنفیہ کے نزدیک مالداری کی حد حدزکوٰۃ ہے جس کے ہوتے ہوئے زکوٰۃ لینا حرام ہو ❶ اور وہ نصاب کا مالک ہونا ہے اگرچہ نصاب غیر نامی ہو ہاں البتہ حوائج اصلیہ سے فاضل ہونا ضروری ہے زکوٰۃ کا نصاب سونے کے اعتبار سے ۲۰ مثقال ہے اور چاندی کے اعتبار سے دوسو درہم (بالفاظ دیگر سونا ۷ء ۵ تولہ اور چاندی ۵۲ تولہ) چنانچہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اس پر قرابتدار کا نفقہ بھی واجب ہے بشرطیکہ مال ذاتی نفقہ بیوی کے نفقہ اولاد کے نفقہ اور ضروریات اصلیہ سے فاضل ہو۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک آدمی کے پاس اپنے نفقہ اور اپنے عیال کے نفقہ سے دن رات سے جو فاضل ہو قرابتدار پر خرچ کرنا واجب ہے ❷ یہ امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے، کمال بن ہمام نے اسے مختار قرار دیا ہے۔ اس قول میں ملازمین اور کاریگروں کی رعایت ہے چنانچہ وہ اپنی محنت مزدوری سے جو دن بھر کمائیں اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں جو بچ رہے اسے اپنے فقیر قرابتدار پر خرچ کریں۔ رہی بات تنگدستی کی حد کی جس کے ہوتے ہوئے تنگدست نفقہ کا مستحق ٹھہرتا ہے سو اس میں دو آراء ہیں۔ ❸

اول......وہ شخص تنگدست ہے جس کے لئے صدقہ لینا حلال ہو اور اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

دوم......غیر حنفیہ کے نزدیک وہ شخص محتاج یا فقیر ہے جس کے پاس مال نہ ہو۔

یہ دونوں آراء قریب قریب ہیں۔

آیا کہ جو شخص گھر اور خادم کا مالک ہو تو کیا وہ قرابتدار سے خرچہ لینے کا استحقاق رکھتا ہے؟ سو اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے اور ان کی دو آرا ہیں۔

اول......وہ خرچہ لینے کا مستحق نہیں چونکہ وہ غیر محتاج ہے اور جو محتاج نہ ہو اس کا خرچہ قرابتدار پر واجب نہیں ہوتا چونکہ وہ گھر کا کچھ حصہ فروخت کر کے خرچہ چلا سکتا ہے یا گھر کو کرائے پر دے سکتا ہے یا خادم کو بیچ دے اگر وہ غلام ہو جیسا کہ زمانہ ماضی میں ہوتا تھا۔

دوم......وہ خرچے کا مستحق ہوگا چونکہ گھر کو فروخت کرنے کا واقعہ نادرالوجود ہے۔ اور اپنا گھر فروخت کر کے کرائے پر گھر لینا ہر ایک کے بس میں نہیں۔ علامہ کاسانی نے اس رائے کو درست وصواب قرار دیا ہے۔

کسب وکمائی سے عاجز ہونا اور اس پر قدرت ہونا......فقہاء کا اتفاق ہے کہ ایسا قرابتدار جو کسب وکمائی سے عاجز ہو اس کا خرچہ واجب ہے کسب وکمائی سے عاجز ہونا یہ ہے کہ مشروع ومتعارف وسائل کو بروئے کار لا کر اپنی معیشت کو سنوارنے کی استطاعت نہ رکھنا تاہم عاجز ہونے کی مختلف صورتیں ہیں عرصہ دراز سے مریض ہونا بچہ ہونا مجنون، فاتر العقل، یا کسی آفت کا شکار ہونا مثلاً نابینا، ہاتھوں کا شل ہونا، یا بے روزگاری عام ہونے کی وجہ سے بے روزگار ہونا۔

اگر انسان کسب وکمائی پر قادر ہو تو بالاتفاق اس کے لئے نفقہ نہیں چونکہ کسب وکمائی پر قادر ہونا مالداری ہے لیکن والدین اس سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک باوجود قدرت کسب کے ان کا نفقہ واجب ہے چونکہ فروع کو حکم ہے کہ وہ اصول کے ساتھ حسن سلوک

---

❶ ...الدر المختار وحاشية ابن عابدين ۲/ ۹۳۱ البدائع ۴/ ۳۵، ❷ حاشية الصاوى على الشرح الصغير ۲/ ۷۵۰ مغنى المحتاج ۳/ ۴۴۷ المغنى ۷/ ۵۸۴ ❸ البدائع ۴/ ۳۴ القوانين الفقهية ۲۲۲ مغنى المحتاج ۳/ ۴۴۸ كشاف القناع ۵/ ۵۵۹۔

رکھے جبکہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اگر والدین کسب وکمائی پر قدرت رکھتے ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہیں۔

جمہور کی رائے کے مطابق خاوند پر بیوی کے لئے اور اپنے قرابتدار کے لئے کسب وکمائی کرنا تاکہ اپنے اوپر واجب نفقہ ادا کرے چونکہ کمائی پر قدرت کا حاصل ہونا مال پر قدرت حاصل ہونے کے مترادف ہے بشرطیکہ مباح کام دستیاب ہو جو کا سب کے لائق بھی ہو نیز حدیث ہے آدمی کو گناہ گار ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے عیال میں سے کسی کو ضائع کر دے [1] اس فقہی بحث سے یہ نکتہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ جب انسان کمائی پر قادر ہو اس پر زکوۃ لینا حرام ہے نیز انسان پر لازم ہے کہ وہ کسب کمائی کے ذریعہ اپنے آپ کو زندہ رکھے۔ اسی طرح اپنے قرابتدار کو زندہ رکھنا بھی اس پر لازم ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں...... اولاد جو کہ تنگدست ہو اس پر کسب وکمائی واجب نہیں کہ وہ اپنے والدین پر خرچ کرے اگر چہ وہ کمائی پر قدرت رکھتا ہو، اگر والدین کمائی کی قدرت رکھتے ہوں تو راجح قول کے مطابق انہیں کمائی پر مجبور کیا جائے گا۔

حنفیہ اور شافعیہ نے طالب علموں کو مستثنیٰ کیا ہے جب وہ حصول علم کی خاطر کسب وکمائی کے لئے فارغ نہ ہو لہٰذا والدین (اور اقرباء) پر ان کا خرچہ واجب ہے اگر چہ طلبہ کسب وکمائی پر قدرت رکھتے ہوں چونکہ طلب علم فرض کفایہ ہے کہ اور علم تبھی حاصل کیا جا سکتا ہے جب دوسری مصروفیات سے فراغت ہو اگر طلبہ پر کسب وکمائی لازم کر دی جائے تو امت کے مصالح معطل ہو کر رہ جائیں گے، حنفیہ نے اناڑی کو بھی مستثنیٰ کیا ہے اناڑی سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کسب وکمائی کے گر نہ جانتا ہو درحقیقت اناڑی عاجز کے حکم میں ہے (فی الواقع اناڑی بجائے کمانے کے قرضہ میں ڈوب جاتا ہے اور جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے وہ بھی ضائع کر بیٹھتا ہے)

حنفیہ نے شرفاء اور معززین کی اولاد کو بھی مستثنیٰ کیا ہے جو کسب وکمائی سے عار محسوس کرتے ہوں یا عادۃً لوگ جنھیں مزدوری کے لئے نہ رکھتے ہوں دراصل وہ بھی عاجزین میں شامل ہیں لہٰذا ان کا نفقہ بھی والدین پر واجب ہے اگر چہ انھیں کسب وکمائی پر قدرت حاصل ہو۔

خلاصہ...... صاحب مال کے لئے نفقہ واجب نہیں مگر بیوی کے لئے ہر حال میں واجب ہے اسی طرح جو شخص کسب وکمائی پر قادر ہو اس کے لئے بھی نفقہ واجب نہیں مگر باپ کے لیے اولاد پر نفقہ واجب ہے۔

۶: **حاجت وضرورت کے بسبب نفقہ**...... دوسرے پر نفقہ صرف حاجت کے سبب واجب ہوتا ہے سو جو شخص مالدار صاحب مال ہو اس کا خرچہ اسی کے مال میں سے ہوگا برابر ہے کہ وہ کمسن ہو یا معمر، البتہ بیوی مستثنیٰ ہے بلاشبہ اس کا خرچہ خاوند پر واجب ہے اگر چہ بیوی مالدار ہی کیوں نہ ہو چونکہ بیوی کا نفقہ حاجت کی بناء پر واجب نہیں ہوتا اس کا نفقہ تو احتباس کے سبب ہے کیونکہ بیوی خاوند کے حق کے لئے احتباس (قید) میں ہوتی ہے۔

۷: **باپ کا اپنی اولاد کے نفقہ میں مستقل ہونا**...... اولاد کے خرچے کا بار صرف باپ کو برداشت کرنا پڑتا ہے باپ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا جیسا بیوی کے خرچے میں خاوند کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اولاد والد کا جز و ہوتی ہے، انھیں زندہ رکھنا واجب ہے جیسے والد پر اپنے آپ کو زندہ رکھنا واجب ہے، نیز اولاد کا نسب باپ کے ساتھ لاحق ہوتا ہے لہٰذا نفقہ کا بوجھ باپ ہی پر پڑے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ ...... البقرة ۲/ ۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس پر ماؤں کا رزق اور کپڑے واجب ہیں۔

---

[1] ...... رواه احمد وابوداؤد والحاكم والبيهقي عن عبدالله بن عمرو و هو صحيح۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

اگر مائیں (جنھیں طلاق ہو چکی ہو) تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو۔ (الطلاق ۶/۶۵)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا تم اتنا مال لو جو تمھیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ کا بوجھ باپ کے کاندھوں پر ڈالا ہے نہ کہ ماں پر۔ ❶

۸: اولاد کا اپنے والدین کے نفقہ میں مستقل ہونا..... والدین کے نفقہ میں اولاد کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوگا، چونکہ اولاد والدین کے قریب تر ہوتی ہے ❷ اگر اولاد زیادہ ہو اور مالدار بھی ہو تو مالکیہ کے نزدیک والدین کا نفقہ اولاد پر ان کی مالداری کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا دوسرا قول یہ ہے کہ فی نفر کے اعتبار سے اولاد پر والدین کا نفقہ تقسیم کیا جائے گا، تیسرا قول یہ ہے کہ والدین کا نفقہ اولاد پر قواعد میراث کے موافق تقسیم کیا جائے گا گویا ہر مرد پر دو عورت کے برابر کا نفقہ آئے گا جبکہ حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اولاد پر والدین کا نفقہ بقدر میراث تقسیم ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے **وعلى الوارث مثل ذالک** وارث اسم مشتق ہے لہٰذا حکم علت مصدری کے مطابق ثابت ہوگا۔ ❸

۹: کیا نکاح کروانا بھی نفقہ واجبہ میں سے ہے..... جمہور فقہاء کی رائے اور ایک روایت کے مطابق حنفیہ کے نزدیک بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنے تنگدست باپ کی شادی کروائے اگر چہ باپ کافر ہو، شافعیہ کا مشہور قول بھی یہی ہے حنابلہ اور بعض حنفیہ کے نزدیک دادوں اور دادیوں کی شادی کروانا بھی اولاد پر لازم ہے۔

چونکہ نکاح ہر انسان کی بنیادی حاجت ہے جیسے نفقہ اور سکنی بنیادی حاجت ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ہر انسان جنسی خواہش رکھتا ہے آباؤاجداد بھی جنسی خواہش رکھتے ہیں اگر ان کی یہ بنیادی ضرورت نہ پوری کی گئی تو زنا میں پڑنے کا قوی اندیشہ ہے جو ہلاکت تک پہنچا سکتا ہے نیز آباؤاجداد کے ساتھ حسن سلوک رکھنے کا حکم ہے ان کے ساتھ حسن سلوک تبھی رکھا جا سکتا ہے جب ان کی خواہش پوری کی جائے، لہٰذا اولاد پر والدین کی شادی کروانا لازم ہے۔ ❹

حنفیہ کے نزدیک راجح روایت یہ ہے کہ اولاد پر والدین کی شادی کروانا واجب نہیں چونکہ شادی کروانا ایک طرح سے کمالیات (سامان زیب وزینت) میں سے ہے۔

اگر باپ اور دادا دونوں کو شادی کی ضرورت ہو یا دو دادے ہوں جنھیں شادی کی ضرورت ہو جبکہ اولاد ان میں سے کسی ایک کی شادی کروا سکتی ہو تو اسے مقدم رکھا جائے گا جو زیادہ قریب ہو گویا دادا کی بجائے باپ کی شادی کروائی جائے گی اور نانا کی بجائے دادا کی شادی کروائی جائے گی چونکہ باپ اور دادا عصبہ ہیں شریعت نے انھیں وراثت کا حقدار ٹھہرایا ہے لہٰذا وارث کو خرچہ اور استحقاق میں مقدم رکھا جائے گا۔

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک باپ پر لازم نہیں کہ وہ اپنے فقیر بیٹے کی شادی کروائے جبکہ حنابلہ کے نزدیک اگر بیٹا فقیر ہو اور اسے شادی کی ضرورت بھی ہو اور باپ پر اس کا خرچہ واجب ہو تو اس کی شادی کروانا باپ پر لازم ہے چونکہ باپ پر بیٹے کا خرچہ لازم ہے لہٰذا بوقت حاجت اس کی شادی کروانا بھی باپ پر لازم ہے جیسے باپ کی شادی کروانا بیٹے پر لازمی ہے ہر وہ شخص جس پر کسی دوسرے کی شادی لازم ہو اس پر اس کی بیوی کا خرچہ بھی لازم ہے چونکہ اعفاف (پاکدامنی) اور شادی بیوی ہی سے ممکن ہے اور وہ خرچے کی یقیناً محتاج ہے۔

---

❶..... المغنی ۵۸۷/۷ الدر المختار ۹۲۶/۲ ❷ اللباب ۱۰۵/۳ فتح القدیر ۳۴۳/۳ ❸ الشرح الصغیر ۷۵۲/۲ القوانین الفقهية ۲۲۳ فتح القدیر ۳۴۸/۳ مغنی المحتاج ۲۱۱/۳ المغنی ۵۸۹/۷ ❹ الشرح الصغیر ۷۵۲/۲ مغنی المحتاج ۲۱۱/۳، المهذب ۱۲۷/۲ المغنی ۵۸۷/۷ الدر المختار ۹۲۷/۲۔

اعفاف یعنی شادی مہر مثل دینے سے ہوگی اور بیوی کی تعین کا اختیار باپ (خاوند) کو ہے تاہم اولاد کے لئے جائز نہیں کہ وہ بدصورت یا بوڑھی عورت سے اپنے باپ کی شادی کروائے چونکہ بدصورت اور بوڑھی عورت سے اعفاف حاصل نہیں ہوتا۔

حنابلہ کے نزدیک بیٹے پر لازم ہے کہ وہ اپنی ماں کی شادی کروا کر اسے پاکدامنی سے ہمکنار کرے جیسے باپ کی شادی بیٹے پر لازم ہے۔

باپ کی بیوی کا نفقہ......حنابلہ، شافعیہ، مالکیہ اور ایک روایت کے مطابق حنفیہ کے نزدیک باپ کی بیوی کا نفقہ بیٹے پر لازم ہے چنانچہ ہر وہ شخص جس کے ذمہ کسی دوسرے کی شادی کروانا لازم ہو اس کے ذمہ ناکح کی بیوی کا نفقہ بھی لازم ہوتا ہے جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

حنفیہ کی دوسری روایت......باپ کی بیوی کا نفقہ بیٹے کے ذمہ واجب نہیں الا یہ کہ باپ مریض ہو یا اپاہج ہو ذخیرہ میں ہے باپ کی بیوی کے نفقہ کا عدم وجوب مصر میں معمول بہ ہے۔ ❶

حنفیہ کی پہلی روایت کے مطابق بیٹے پر باپ کی منکوحہ کا نفقہ لازم ہے اور یہ صرف ایک بیوی کا نفقہ لازم ہے ایک سے زیادہ کا نہیں۔ یہ مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب بھی ہے۔

بیٹے کی بیوی کا نفقہ......حنفیہ کے نزدیک باپ پر بیٹے کی بیوی کا نفقہ واجب نہیں خواہ بیٹا نابالغ ہو یا بالغ، الا یہ کہ باپ نے خرچے کی ضمانت دی ہو تو واجب ہوگا اور یہ خرچہ بیٹے کے ذمہ قرضہ ہوگا جب بیٹا مالدار ہو جائے تو باپ اس سے واپس لے۔

حنابلہ اور شافعیہ کا متذکرہ بالا موقف ہے کہ ہر وہ شخص جس کی شادی لازم ہو اس کی بیوی کا نفقہ بھی لازم ہوتا ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں......جب تک خاوند تنگدست ہو اس کی بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا۔

۱۰: کیا نفقہ عدالتی فیصلے پر موقوف ہے:

حنفیہ......کہتے ہیں ❷ عدالتی حکم کے بغیر ہی اصول وفروع کا نفقہ واجب ہوتا ہے ہاں البتہ اگر نابالغ بیٹے کا مال غائب ہو (مثلاً کسی بینک میں فکسڈ ہو) اور باپ نے مالدار بیٹے پر جو خرچہ کیا ہو واپس لینا چاہے تو وہ عدالتی فیصلے کی بدولت لے سکتا ہے یا بیٹے پر خرچہ کرتے وقت گواہ قائم کیے ہوں تو اب ان کی گواہی کی بدولت واپس لے سکتا ہے اگر قاضی کے اجازت یا گواہ بنانے کے بغیر ہی باپ نے بیٹے پر خرچہ کیا ہو تو قضاء باپ خرچہ واپس نہیں لے سکتا ہاں البتہ دیانۃً واپس لے سکتا ہے یعنی جو مال خرچ کیا واپس لے سکتا ہے اس کا معاملہ باپ اور اس کے خدا کے درمیان ہوگا۔

رہی بات اصول وفروع کے علاوہ دوسرے قرابتداروں کے نفقہ کی سوان کا نفقہ عدالتی فیصلہ اور باہمی رضامندی سے ذمہ میں ثابت ہوگا۔ دونوں صورتوں میں فرق کا سبب یہ ہے کہ اصول وفروع کا نفقہ فقہاء کے نزدیک بالاتفاق واجب ہے اس کے لئے عدالتی حکم کی

---

❶......الشرح الصغیر ۲/۷۵۲ المغنی ۷/۵۸۷ الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۲/۹۲۷ القوانین الفقہیۃ ❷ ۲۲۳ فتح القدیر ۳/۳۳۸ البدائع ۴/۲۲، الدر المختار ۲/۹۰۶۔

ا......شادی کروانے کی نوبت تب پیش آتی ہے جب والد نے والدہ کو طلاق دے دی ہو اور والد کو دوسری شادی کی ضرورت ہو اور والدہ کو بھی دوسری شادی کی ضرورت ہو یا والدین میں سے کوئی ایک مرجائے لامحالہ جو زندہ رہے اسے شادی کی ضرورت ہوگی یا ماں تو باپ کے زیر نکاح ہوتا ہم باپ دوسری شادی کرنا چاہتا ہو۔

حاجت نہیں ہوتی رہی بات دوسرے قرابتداروں کے نفقہ کی تو اس کا وجوب فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے لہٰذا اس وجوب کو کسی خارجی تقویت کی ضرورت ہے اور وہ تقویت قاضی کا فیصلہ ہے۔

سقوط نفقہ......نفقہ یا تو بیوی کے لئے واجب ہوتا ہے یا قریبی رشتہ داروں کے لیے واجب ہوتا ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نفقہ کب ساقط ہوتا ہے؟

بیوی کے نفقہ کا سقوط......بیوی کا نفقہ درج ذیل صورتوں میں ساقط ہو جاتا ہے۔ ❶

۱۔مدت کا گزر جانا......یعنی مدت قاضی نے مقرر نہ کی ہو اور نہ ہی باہمی رضا مندی سے مقرر کی ہو تو حنفیہ کے نزدیک وجوب کے بعد مدت گزرنے سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور نفقہ کا سقوط ذمہ میں دین ہو جانے سے قبل ہے۔ جبکہ دوسری صورتوں میں ذمہ میں نفقہ کے دین ہو جانے کے بعد ساقط ہو جاتا ہے، مالکیہ اور بقیہ مذاہب کے نزدیک زمانہ (مدت) گزرنے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا، اور بیوی منجمد نفقہ کے لئے خاوند پر رجوع کر سکتی ہے، یہ اقارب کے نفقہ کے برخلاف ہے چنانچہ اقارب کا نفقہ مدت گزرنے سے ساقط ہو جاتا ہے چونکہ جب مدت پوری ہو جاتی ہے تو مقدار نفقہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

۲۔زمانہ ماضی کے نفقہ سے بری الذمہ کر دینا......گزشتہ دنوں کے نفقہ سے بری الذمہ کر دینے سے یا ہبہ کر دینے سے نفقہ (ماضی کا) ساقط ہو جاتا ہے، دراصل یہ ابراء اسقاط دین ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے۔ لیکن حنفیہ کہتے ہیں آئندہ (مستقبل) کے نفقہ سے بری الذمہ کرنا یا نفقہ ہبہ کر دینا صحیح نہیں چونکہ بیوی کا نفقہ جوں جوں وقت گزرتا ہے رفتہ رفتہ (وقتاً فوقتاً) واجب ہوتا رہتا ہے گویا اس نفقہ سے ابراء وجوب سے قبل ہی واجب کا اسقاط ہے اسی طرح نفقہ کے سبب وجوب یعنی احتباس کے وجود سے قبل ہی اسقاط ہے۔

۳۔زوجین میں سے کسی ایک کا مر جانا......اگر نفقہ دینے سے قبل خاوند مر جائے تو عورت کو حق نہیں کہ وہ خاوند کے ترکہ سے لے اگر عورت مر جائے تو اس کے ورثہ کو حق نہیں ہوتا کہ وہ عورت کا نفقہ لیں اور اگر خاوند نے پیشگی نفقہ دے دیا ہو اور پھر مر جائے تو خاوند کے ورثہ بیوی (جو زندہ ہے) سے بچا ہوا نفقہ نہیں لے سکتے یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اسی طرح ان دونوں ائمہ کے نزدیک اگر عورت مر جائے تو خاوند پیشگی دیا ہوا نفقہ بیوی کے ترکہ سے واپس نہیں لے سکتا۔

۴۔نشوز (نافرمانی)......یعنی عورت عقد نکاح کی ذمہ داریوں میں کوتاہی کر کے خاوند کی نافرمانی کا ارتکاب کرے تو بیوی کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ عورت نے اگر خاوند کو بوسہ لینے سے روکا حالانکہ کوئی عذر بھی نہ ہو تب بھی اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چونکہ نفقہ استمتاع (جنسی نفع) کے مقابلہ میں واجب ہوتا ہے جب استمتاع فوت ہوگا نفقہ بھی ساقط ہو جائے گا حنفیہ کہتے ہیں: نشوز سے مقررہ فرض نفقہ ساقط ہوتا ہے اور وہ نفقہ ساقط نہیں ہوتا جو ذمہ میں دین ہو۔

عذر......اگر کوئی عذر پایا جائے جو استمتاع کے مانع ہو مثلاً عورت کی شرمگاہ پر پھوڑا ہو گیا ہو یا شرمگاہ میں سوزش کی شکایت ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا ایسا مرض بھی عذر ہے جس کے ہوتے ہوئے جماع سے بیوی کو تکلیف پہنچتی ہو، آلہ تناسل کا بڑا ہونا جس کی عورت متحمل نہ ہو سکتی ہو بھی عذر ہے۔

---

❶......البدائع ۲۲/۴، فتح القدیر ۳۳۲/۳، الدرالمختار ۸۸۹/۲ القوانین الفقھیۃ ۲۲۳ الشرح الصغیر ۷۴۰/۲ بدایۃ المجتھد ۵۴/۲ مغنی المحتاج: ۴۳۶/۳ المھذب ۱۶۰/۲ المغنی ۵۷۸/۷ کشاف القناع ۵۴۸/۵۔

اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے نکلے یا خاوند کی اجازت کے بغیر سیر پر چلی جائے یا اس کی اجازت کے بغیر حج کا احرام باندھ لے تو وہ نافرمان کہلائے گی لہٰذا اسکا نفقہ ساقط ہو جائے گا الا یہ کہ کوئی ضرورت یا حاجت ہو یا کوئی عذر ہو جیسے مثلاً گھر منہدم ہو رہا ہو اور وہ اضطراری حالت میں گھر سے باہر چلی جائے یا والدین کی ملاقات کے لیے چلی جائے یا ان کی تیمارداری کے لئے (خاوند کی اجازت کے بغیر) چلی جائے تو اس کا باہر جانا عذر شمار ہوگا نافرمانی اور نشوز نہیں ہوگا لہٰذا نفقہ بھی ساقط نہیں ہوگا۔ یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

شافعیہ.....اگر عورت کا سفر خاوند کی اجازت سے ہو سو اس مسئلہ کی شافعیہ نے قدرے تفصیل کی ہے کہ اگر سفر خاوند کے ساتھ ہو یا کسی اشد ضرورت کے تحت ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور اگر عورت نے اپنی کسی حاجت کے پیش نظر سفر کیا ہو تو ظاہری قول کے مطابق نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

شافعیہ کے نزدیک اگر خاوند گھر سے غائب ہو اور عورت اپنے والدین یا اقارب کی ملاقات کو چلی جائے یا ان کی عیادت یا تعزیت کو چلی جائے تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ وہ نشوز کی وجہ سے گھر سے نہیں نکلی۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: جو عورت خاوند کی اجازت کے بغیر (اپنی ضرورت کی خاطر) سفر کرے یا محض سیر وسیاحت کے لئے سفر کرے یا قریبی رشتہ داروں کی زیارت وملاقات کی لئے سفر کرے یا حد کی وجہ سے یا تعزیر کی وجہ سے جلاوطن کر دی جائے یا ظلماً قید وبند میں رکھ دی جائے یا کفارہ کا روزہ رکھے یا رمضان کی قضاء کا روزہ رکھے جبکہ اس کے پاس روزہ رکھنے کے لئے ایام وسیع ہوں یا نفلی روزہ رکھے یا نفلی حج کرے یا خاوند کی اجازت کے بغیر نذر معین کا روزہ رکھے تو ان سب صورتوں میں عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ تاہم حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک عورت نے اگر فرض حج کا سفر کیا تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔

حنفیہ نے اس بات میں حنابلہ کی موافقت کی ہے کہ اگر عورت کو ظلماً قید کر دیا گیا تو نفقہ ساقط ہو جائے گا ہاں البتہ اگر خاوند نے بیوی کو اپنے دین کے بدلہ میں قید کروایا ہو تو اصح قول کے مطابق اسے نفقہ ملے گا حنفیہ نے اس بات میں شافعیہ کی موافقت کی ہے کہ اگر عورت خاوند کے علاوہ کسی اور مرد (بھائی یا باپ) کے ساتھ حج کو جائے اگر چہ حج فرض ہی کیوں نہ ہو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چونکہ خاوند کا احتباس فوت ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں کہ اگر عورت کو ظلماً قید کر دیا گیا ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ استمتاع (جنسی نفع) میں جو رکاوٹ آ رہی ہے وہ عورت کی طرف سے نہیں ہے۔

اگر عورت نے روزہ رکھ کر خاوند کو جنسی نفع سے روک دیا ہو تو دیکھا جائے گا کہ اگر نفلی روزہ ہو تو شافعیہ کے نزدیک عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت نے خاوند کو تمکین تام (مکمل جنسی نفع اٹھانے) سے ایسی چیز کے ذریعہ روک دیا جو واجب نہیں لہٰذا ناشزہ کی طرح اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر عورت نے رمضان کا روزہ رکھا یا رمضان کے روزے کی قضا رکھی جبکہ وقت بھی تنگ ہو (یعنی دوسرا رمضان بالکل سر پر ہو) تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ شریعت کی وجہ سے جس چیز کا انسان مستحق ہو تو اس کے وقت میں خاوند کا حق نہیں رہتا۔

اگر عورت نے قضاء کا روزہ رکھا جبکہ وقت بھی تنگ نہ ہو یا عورت نے کفارہ کا روزہ رکھا یا نذر کا روزہ رکھا اور خاوند کو جنسی نفع اٹھانے سے روک دیا تو عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت نے خاوند کے حق کو روک دیا ہے۔ اسی طرح اگر عورت نے خاوند کی اجازت کے بغیر نذر معین کا روزہ رکھا تو بھی اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، اعتکاف روزہ کے حکم میں ہے، چنانچہ اگر عورت نفلی یا نذر کا اعتکاف بیٹھی تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

اگر عورت نے نماز میں مشغول ہو کر خاوند کا حق روک دیا تو نماز کی نوعیت دیکھی جائے گی اگر عورت پانچ فرض نمازوں میں مشغول ہوئی ہو یا سنن موکدہ میں مشغول ہوئی ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہو گا چونکہ شریعت نے جن اعمال کا حکم دیا ہے اس کے وقت میں خاوند کا حق نہیں رہتا۔ اور اگر عورت نفلی نماز یا فوت شدہ نمازوں کی قضاء میں مشغول ہوئی ہو تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ نفلی نماز اور قضاء کی ادائیگی ذمہ میں علی التراخی ہے جبکہ خاوند کا حق واجب علی الفور ہے۔

اگر نشوز کی وجہ سے عورت کا نفقہ ساقط ہوا ہو پھر عورت نے خاوند کی اطاعت اختیار کر لی ہو اور نشوز سے توبہ کی ہو اور خاوند حاضر بھی ہو تو ساقط شدہ نفقہ بحال ہو جائے گا چونکہ سبب سقوط زائل ہو چکا اور خاوند کو تکمیل تام کا پورا اختیار حاصل ہو گیا اور اگر خاوند کہیں غائب ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ساقط شدہ نفقہ بحال نہیں ہو گا چونکہ جنسی نفع کا حصول معدوم ہے حنفیہ کہتے ہیں عورت کا نفقہ بحال ہو جائے گا چونکہ عورت نے نشوز سے توبہ کر لی ہے اگرچہ اس کا خاوند غائب ہے۔

ردۃ...... اگر عورت مرتدہ ہو جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چونکہ وہ دین اسلام سے خارج ہو جاتی ہے اور مرتدہ ہونے کی وجہ سے اس سے جنسی نفع اٹھانا ممنوع ہو جاتا ہے۔

اگر پھر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کا نفقہ پھر سے بحال ہو جائے گا یہ شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے، نشوز اور ردت میں یہ فرق ہے کہ ردت سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اور دوبارہ اسلام قبول کرنے سے نفقہ بحال ہو جاتا ہے، جبکہ نشوز کی صورت میں خاوند کو نفس پر تمکین نہ دینے سے ساقط ہوتا ہے اور طاعت کی طرف لوٹنے سے نفقہ کا سقوط ختم نہیں ہوتا بلکہ بالفعل تمکین سے ختم ہوتا ہے تاہم اگر خاوند غائب ہو تو ساقط شدہ نفقہ بحال نہیں ہوتا۔

۶۔ ہر وہ فرقت جو معصیت کی وجہ سے عورت کی طرف سے ہو...... جیسے مثلاً عورت مرتدہ ہو جائے یا قبول اسلام سے انکار کر دے جبکہ اس کے خاوند نے اسلام قبول کر لیا ہو اور عورت بت پرستی یا مجوسیت اختیار کر لے، یا عورت نے خاوند کے بیٹے کو اپنے نفس پر قدرت دیدی ہو چنانچہ ان حالات میں عورت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت نے معصیت کی وجہ سے خاوند کو استمتاع سے روک دیا ہے لہٰذا وہ ناشزہ کی طرح ہوئی البتہ زوجیت والے گھر میں اسے رہائش (سکنی) ملے گی چونکہ اس گھر میں ٹھہرنا عورت کا حق ہے جو معصیت سے ساقط نہیں ہوتا۔

اگر معصیت کے بغیر فرقت ہوئی ہو جیسے مثلاً خیار بلوغ یا عدم کفاءت کی وجہ سے فرقت وجود میں آئی ہو یا خاوند کے بیٹے نے عورت سے جبراً وطی کی ہو اور فرقت ہوئی ہو تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہو گا۔

اگر فرقت خاوند کی طرف سے ہوئی ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہو گا برابر ہے کہ فرقت معصیت کے بغیر ہوئی ہو مثلاً: فرقت طلاق کی وجہ سے ہوئی ہو یا لعان کی وجہ سے یا نامردی کی وجہ سے فرقت ہوئی ہو حنفیہ کے نزدیک خلوت کی بعد فرقت ہو۔ یا معصیت (نافرمانی) کی وجہ سے فرقت ہوئی ہو مثلاً خاوند نے بیوی کی بیٹی کا بوسہ لے لیا ہو یا خاوند نے ایلاء کر لیا ہو اور چار ماہ کے اندر رجوع نہ کیا ہو یا عورت نے اسلام قبول کر لیا ہو اور خاوند اسلام سے انکار کر دے یا خاوند مرتد ہو گیا ہو اور اس پر اسلام پیش کیا گیا ہو اور اس نے قبول سے انکار کر دیا ہو چنانچہ عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہو گا چونکہ خاوند کی معصیت سے بیوی نفقہ سے محروم نہیں ہوتی۔

خلاصہ...... حنفیہ کہتے ہیں گیارہ (۱۱) عورتوں کے لئے نفقہ نہیں [1] وہ یہ ہیں مرتدہ، خاوند کے بیٹے کی منظور نظر، بیوہ جو عدت میں

---

[1]...... الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۲/ ۸۸۹۔

ہو نکاح فاسد کی منکوحہ اور نکاح فاسد کی عدت میں جو عورت بیٹھی ہو۔

موطؤہ شبہ، نابالغ لڑکی جو قابل صحبت نہ ہو، جو خاوند کے گھر سے ناحق باہر نکلتی ہو اور وہ ناشزہ ہے قید میں رکھی گئی عورت اگر چہ ظلماً قید کی گئی ہو، ایسی بیمار عورت جسے خاوند کے پاس زفاف کے لئے نہ بھیجا گیا ہو وہ عورت جسے کوئی مرد اغواء کر کے لے جائے جو عورت خاوند کے بغیر یا کسی اور شخص کے ساتھ حج کے لئے چلی جائے اگر چہ حج فرض ہو۔ جب نفقہ خاوند کے ذمہ عدالتی فیصلہ سے یا رضامندی سے ثابت ہو جائے تو وہ ذمہ میں دین بھی بن جاتا ہے جو ساقط نہیں ہوتا الا یہ کہ بیوی بری الذمہ کر دے یا ادا کر دے۔ اسی پر سوریا کے قانون دفعہ ۸۹ کے تحت صراحت کی گئی ہے۔

قرابتداروں کے نفقہ کا سقوط...... حنفیہ، حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک قرابتداروں کا نفقہ مدت پوری ہونے سے ساقط ہو جاتا ہے ❶ چنانچہ جب عدالت قرابتداروں کے نفقہ کا فیصلہ کرے اور ایک مہینہ یا اس سے زیادہ مدت گزر جائے اور قربتدار قبضہ نہ کرے اور نہ ہی منفق (خرچہ کرنے والے) پر قرضہ لے یہاں تک کہ مدت گزر جائے تو حنفیہ کی رائے کے مطابق نفقہ ساقط ہو جائے گا گویا مدت گزر جانے سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے الا یہ کہ قاضی خرچ کنندہ پر قرض ہونے کی اجازت دے دے۔ چونکہ قرابتداروں کا نفقہ ان کی حاجت وضرورت پوری کرنے کے لئے واجب ہوتا ہے اس لئے جو مالدار ہوں ان کے لئے نفقہ واجب نہیں ہوتا، چنانچہ جب مدت گزر جائے اور مستحق نفقہ پر قبضہ نہ کرے تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ وہ محتاج نہیں بخلاف بیوی کے نفقہ کے سو وہ مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا چونکہ بیوی کا نفقہ احتباس کے مقابلے میں واجب ہوتا ہے محتاجی کی بنا پر واجب نہیں ہوتا، اگر چہ بیوی مالدار ہو تب بھی واجب ہوتا ہے، اگر قاضی نے بیوی کو اجازت دی ہو کہ وہ نفقہ کسی سے قرض لیتی رہے جو خاوند کے ذمہ قرض ہو تو نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ چونکہ نفقہ ذمہ میں دین بن جاتا ہے لہٰذا وہ مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔

علامہ زیلعی نے نابالغ بچے کے نفقہ کو بھی مستثنیٰ کیا ہے جیسے بیوی کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا یہ نفقہ سرپرست کے ذمہ قرض ہوتا ہے چونکہ نابالغ کسب وکمائی سے عاجز ہوتا ہے اور شفقت کا بھی تقاضا ہے کہ اسے نفقہ ملے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں والدین یا اولاد کا نفقہ وقت گزرنے سے ساقط ہو جاتا ہے ہاں البتہ اگر قاضی نے فیصلہ کیا ہو کہ نفقہ رہے گا پھر ساقط نہیں ہوگا۔ (خلاصہ یہ کہ نفقہ قریب وہ ہے جو ایک ماہ سے کم کا ہو۔ نیز بیوی اور بچہ کا نفقہ وقت کے گذرنے سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ وہ قضاءً دین ہوتا ہے...... الخ

۱۲۔ نفقہ سے انکار کرنے کی سزا...... حنفیہ کہتے ہیں: اگر مالدار شخص باوجود قدرت کے محتاج قرابتدار پر خرچہ کرنے سے انکار کرے تو اسے قید کیا جائے گا اگر چہ خرچہ کرنے والا باپ ہی کیوں نہ ہو چونکہ قرابتدار کو خرچہ نہ دینے میں اس کی ہلاکت ہے اور قید میں رکھنے کی صورت میں ایک انسان کی زندگی کی حفاظت ہے اور انسانی زندگی کی حفاظت واجب ہے۔

۱۳۔ نفقہ کے مستحقین اگر متعدد ہوں...... نفقہ کے مستحقین متعدد ہوں جبکہ ان سب کا قریبی خرچ کرنے والا فرد واحد ہو سو اگر وہ ان سب پر خرچ کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو سب پر خرچ کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر استطاعت نہ رکھتا ہو اپنے اوپر خرچ کرے پھر اولاد پر پھر بیوی پر، حنابلہ کہتے ہیں خرچے میں بیوی اولاد پر مقدم ہے باپ کو ماں پر مقدم رکھا جائے گا چونکہ باپ کی فضیلت زیادہ ہے اسے سرپرستی بھی حاصل ہے اور اولاد کا مال لینے کا حق رکھتا ہے۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: والدین میں مساوات رکھنا بہتر ہے شافعیہ کے ایک اور قول کے مطابق باپ مقدم ہوگا ایک اور قول کے مطابق

---

❶..... البدائع ۳۸/۴ فتح القدیر: ۳۵۴/۳ الکتاب مع اللباب ۳ ۱۰۹ الدر المختار ۹۲۵/۲، المہذب ۱۶۷/۲۔

ماں باپ دونوں برابر ہیں۔ ❶

اس ترتیب کی دلیل گزشتہ احادیث ہیں، چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا: اپنی ذات سے ابتداء کرو اور اپنی ذات پر صدقہ کرو اگر کوئی چیز بچ رہے تو اہل وعیال پر خرچ کرو اگر اہل وعیال سے بچ رہے تو قرابتداروں پر خرچ کرو اور اگر اس سے بھی بچ رہے تو یوں اور یوں خرچ کرو۔ یعنی لوگوں میں جیسے چاہو تقسیم کردو۔ ❷

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کہاں خرچ کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اپنے اوپر صدقہ کرو۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور دینار بھی ہے فرمایا: اسے اپنی بیوی پر خرچ کرو عرض کی میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور ہے فرمایا: اسے اپنے خادم پر خرچ کرو عرض کی میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا: تم اسے خرچ کرنے کا بہتر حل جانتے ہو ❸

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک اور حدیث ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں مجھ سے بڑھ کر کون حقدار ہے؟ فرمایا: تمہاری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا تمہاری ماں، عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ۔ ❹

۱۴۔ بیت المال یا حکومت کے ذمہ نفقہ کب واجب ہوتا ہے...... جب کسی تنگدست شخص کے اقرباء میں سے کوئی بھی مالدار نہ ہو اس کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہوگا چونکہ اسلام میں بیت المال کا فریضہ ہے کہ وہ ناداروں اور محتاجوں کی حوائج پوری کرے علامہ کاسانی لکھتے ہیں ❺ بیت المال میں چار اقسام کے اموال جمع کیے جائیں گے۔

اول...... مویشیوں کی زکاۃ عشر اور مسلمان تاجروں سے وصول کیا گیا ٹیکس۔

دوم...... غنیمتوں کا خمس، معدنیات اور رکاز (دفینہ) کا خمس۔

سوم...... اراضی کا خراج اور ذمیوں سے لیا گیا جزیہ اور ٹیکس اہل حرب میں سے جو لوگ ویزہ لے کر آئیں ان سے وصول کیے گئے ٹیکسز۔

چہارم...... لاوارث کا ترکہ یعنی میت کا یا تو سرے سے کوئی وارث ہی نہ ہو یا اپنے پیچھے خاوند یا بیوی چھوڑی ہو۔

مذکورہ بالا چوتھی قسم کا مال جو بیت المال میں جمع شدہ ہو وہ فقراء اور مریضوں کے علاج معالجہ پر صرف کیا جائے گا ایسے مردے جنھوں نے ترکہ نہ چھوڑا ان کی تجہیز وتکفین اسی چوتھی قسم کے مال سے کی جائے گی لقیط کا نفقہ اسی سے ادا کیا جائے گا جو شخص کسب وکمائی سے عاجز ہو اور اس کا کوئی قرابتدار بھی نہ ہو جو اس کا خرچ چلائے اس کا نفقہ اسی چوتھی قسم سے ادا کیا جائے گا امام کے ذمہ واجب ہے کہ یہ حقوق مستحقین تک پہنچائے۔

یہ نفقہ کے اصول ہیں ان کے بعد میں مرتب ہونے والی تفریعات اور تفصیلات کو چار مباحث میں ذکر کروں گا۔

---

❶......الدرالمختار ۲/۹۲۷ القوانین الفقهیة ۲۲۳ المهذب ۲/۱۶۶ المغنی۷/۵۹۳، کشاف القناع۵/۵۶۱ ❷رواه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی (نیل الاوطار ۶/۳۲۱) ❸رواه النسائی واحمد (المرجع السابق) ❹رواه احمد والبخاری ومسلم ❺البدائع ۲/۶۸۔

پہلی بحث......بیوی کا نفقہ:

بیوی کا نفقہ عقد ازدواج کے سبب خاوند پر واجب حقوق میں سے اصل حق ہے بیوی کے نفقہ کے متعلق جملہ گفتگو چار مقاصد کے ذیل میں آئے گی، جن کا اجمال حسب ذیل ہے۔

اول......نفقہ کا معنی انواع، وجوب، کس پر واجب ہے اور سبب وجوب۔

دوم......وجوب نفقہ کی شرائط۔

سوم......مختلف انواع کے نفقہ کی تعیین کی کیفیت اور نفقہ کے بارے میں عدالتی حکم اور فیصلہ۔

چہارم......احکام نفقہ (یعنی بیوی پر خرچ کرنے سے انکار کر دینا خاوند کا تنگدست ہو جانا غیر موجود (غائب) بیوی کا نفقہ خاوند کے ذمہ کب دین ہو جاتا ہے؟ معتدہ کا نفقہ، پیشگی نفقہ، نفقہ سے بری الذمہ کر دینا، نفقہ کے دین پر مقاصہ، نفقہ کا کفالہ اور نفقہ پر صلح کرنا)

پہلا مقصد: نفقہ کا معنی اور اس کی مختلف انواع، وجوب، نفقہ کس پر واجب ہے اور سبب وجوب:

نفقہ کا معنی...... میں نے قبل ازیں بیان کر دیا ہے نفقہ کا لغوی معنی: وہ چیز جسے انسان اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے شرعی اصطلاح میں کھانا کپڑے اور سکنی کو نفقہ کہا جاتا ہے فقہاء کے عرف میں جب مطلق نفقہ بولا جائے تو اس سے مراد صرف کھانا ہوتا ہے اسی لئے نفقہ پر حرف عطف کے ذریعہ کپڑے اور سکنی کا ذکر کیا جاتا ہے، جبکہ عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے ❶ (اردو میں نفقہ کا ترجمہ خرچہ سے کیا جاتا ہے)۔

نفقہ کا وجوب...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی کا خرچہ (نفقہ) واجب ہے خواہ بیوی مسلمان ہو یا کافرہ۔ بشرطیکہ نکاح صحیح کے تحت شادی ہوئی ہو چنانچہ اگر نکاح کا فساد متحقق ہو جائے تو خاوند نے جو نفقہ بیوی کو دیا ہو وہ واپس لے سکتا ہے، نفقہ کا وجوب قرآن، سنت اجماع اور عقل سے ثابت ہے۔ ❷

قرآن سے ثبوت...... فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ

ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس شخص کے لئے اس کا رزق تنگ کر دیا گیا ہو تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے وہ اسی سے نفقہ دے۔ اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے اس پر اس سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ الطلاق ۶۵/ ۷

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ......البقرۃ ۲/ ۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس کے ذمہ ان عورتوں کا رزق اور کپڑے ہیں معروف طریقہ کے ساتھ۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ......الطلاق ۶۵/ ۶

ان عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں ٹھہراؤ جہاں تم رہتے ہو۔

---

❶......الدر المختار وحاشية ابن عابدين ۲/ ۸۸۶ ❷ المرجع السابق البدائع ۴/ ۱۵، فتح القدير: ۳/ ۳۲۱، بداية المجتهد ۲/ ۵۳، مغنی المحتاج: ۳/ ۴۲۶ المغنی ۷/ ۵۶۳۔

آیت میں جو سکونت دینے کا حکم آیا ہے درحقیقت یہ خرچہ دینے کا حکم ہے چونکہ عورت گھر سے باہر جا کر ہی کسب وکمائی سے نفقہ حاصل کر سکتی ہے۔

سنت سے ثبوت......حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا: عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، بلاشبہ عورتیں تمہارے پاس قید ہوتی ہیں انھیں اللہ کی امانت سمجھ کر اپنے پاس رکھو، اللہ کے حکم کے مطابق ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کرو اور معروف طریقہ سے ان عورتوں کا تمہارے پر رزق اور کپڑے کا حق ہے ❶ یہی حدیث امام ترمذی نے عمرو بن احوص کی اسناد سے روایت کی ہے اس میں ہے ”خبردار! تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہارے اوپر تمہاری بیویوں کے حقوق ہیں رہا تمہاری بیویوں پر تمہارا حق سو وہ یہ کہ تمہارے بستروں پر ایسے شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو اجازت نہ دیں جنھیں تم ناپسند کرتے ہو، خبردار! تمہارے اوپر تمہاری بیویوں کا حق ہے کہ تم کپڑے اور کھانے کے معاملہ میں ان کے ساتھ حسن سلوک رکھو۔ ❷

ایک مرتبہ ہند زوجہ ابوسفیان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے مجھے اتنا مال نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معروف طریقے سے اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو ❸ اس حدیث میں دلیل ہے کہ زوجیت کا نفقہ واجب ہے اور یہ کہ نفقہ بقدر کفایت ہو اور یہ کہ اولاد کا نفقہ والد پر واجب ہے نہ کہ والدہ پر اور یہ کہ نفقہ معروف طریقے سے ہو اور یہ کہ بیوی کو اگر خاوند نفقہ نہ دے تو وہ خاوند کو علم ہوئے بغیر نفقہ لے سکتی ہے۔

اجماع......فقہاء کا اتفاق ہے کہ بیوی اگر بالغ ہو تو اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہے بشرطیکہ بیوی ناشزہ نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اگر بیوی نابالغ ہو تو اس کا نفقہ خاوند پر واجب نہیں۔ چونکہ اس سے استمتاع نہیں لہٰذا اسے نفقہ بھی نہیں۔

عقل سے ثبوت......عقلاً بھی بیوی کا نفقہ واجب ہے چونکہ بیوی تقاضائے عقد نکاح کی وجہ سے خاوند کے ہاں محبوس ہوتی ہے اور وہ خاوند کے حقوق پورے کرنے میں مشغول رہتی ہے جس کی وجہ سے بیوی کسب وکمائی کے لئے فارغ نہیں ہو سکتی لہٰذا خاوند پر لازم ہے کہ بیوی پر خرچہ کرے خاوند پر کفایتِ نفقہ لازم ہے چونکہ فقہ کا اصول ہے کہ الغرم بالغنم یعنی نفع حاصل کرنے کے لئے اخراجات بھی کرنے پڑتے ہیں چنانچہ نفقہ احتباس کی جزاء ہے سو جو شخص کسی دوسرے کے نفع کے لئے روکا گیا ہو تو اس کا نفقہ روکنے والے کے ذمہ ہوتا ہے جیسے ملازمت پیشہ طبقہ اور افواج۔

نفقہ کس پر واجب ہے......فقہاء کا اتفاق ہے کہ نفقہ آزاد حاضر خاوند پر واجب ہے چنانچہ جب عورت خاوند کو اپنا نفس سپرد کر دیتی ہے تو اس کے جو حقوق ہوتے ہیں مثلاً کھانا، پینا، کپڑے، رہائش خاوند پر واجب ہوتے ہیں۔ ❹

سبب وجوب...... کے بارے میں علماء کی دو آراء ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں: نفقہ کا سبب وجوب استحقاق حبس ہے جو نکاح کی وجہ سے خاوند کو حاصل ہوتا ہے، حنفیہ کے نزدیک نکاح فاسد میں خاوند پر منکوحہ کا نفقہ واجب نہیں چونکہ مذکورہ سبب نہیں پایا جاتا چونکہ نکاح فاسد میں حق حبس ثابت نہیں ہوتا۔ ❺

---

❶ رواہ مسلم وابوداؤد ومالک فی الموطا وغیرھم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (نصب الرایۃ ۳/۴۸) ❷ قال الترمذی: حدیث حسن صحیح ❸ رواہ الجماعۃ الا الترمذی عن عائشۃ (نیل الاوطار ۶/۳۲۳) ❹ بدایۃ المجتہد: ۲/۵۵ المغنی ۷/۵۶۴ ❺ البدائع: ۴/۱۶ فتح القدیر: ۳/۳۲۱ الشرح الصغیر ۲/۷۲۹ مغنی المحتاج: ۳/۴۲۵ المغنی ۷/۵۶۴۔

اسی سبب کی وجہ سے فرقت کے سبب دوران عدت کا نفقہ بھی خاوند پر واجب ہوتا ہے فرقت خواہ طلاق سے ہو یا کسی اور وجہ سے عورت خواہ حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو فرقت خواہ مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے ہاں البتہ اگر فرقت عورت کی طرف سے ہو اور اس نے کسی ممنوع کا ارتکاب کیا ہو تو استحساناً اسے عدت کا نفقہ نہیں ملے گا۔

جمہور......حنفیہ کی علاوہ بقیہ فقہاء کہتے ہیں کہ وجوب نفقہ کا سبب زوجیت ہے، یعنی کسی عورت کا کسی مرد کی بیوی ہونا نفقہ کا سبب ہے، جمہور نے اپنے اس بیان کردہ سبب پر درج ذیل تفریعات مرتب کی ہیں: مطلقہ رجعیہ کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب ہے بائنہ جو حاملہ ہو کا بھی نفقہ واجب ہے چونکہ خاوند کا حق باقی رہتا ہے حاملہ بائنہ کے لئے مالکیہ اور شافعیہ کی نزدیک سکنی بھی ہوگا قیاس کا تقاضا ہے کہ بائنہ کے لئے نفقہ اور سکنی نہ ہو لیکن قیاس نص قرآنی کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے آیت یہ ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ ......طلاق ۶۵/۶

طلاق یافتہ عورتوں کو اپنی حیثیت کے مطابق وہیں ٹھہراؤ جہاں تم ٹھہرے ہو۔

حنابلہ نے قیاس کا التزام کیا ہے اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ بائنہ عورت کو نہ نفقہ ملے گا اور نہ ہی سکنی۔

دوسرا مقصد......وجوب نفقہ کی شرائط:

میں اس مقصد کے ذیل میں جمہور کے نزدیک وجوب نفقہ کی مقررہ شرائط ذکر کروں گا پھر مالکیہ کے نزدیک شرائط کا تذکرہ کروں گا جمہور کے نزدیک وجوب نفقہ کی چار شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱......یہ کہ عورت خاوند کو اپنے نفس پر پورا اختیار (تمکین تام) دے دے تمکین تام کی دو صورتیں ہیں: یا تو عورت اپنے نفس کو خاوند کے سپرد کر دے یا خاوند کو اپنے نفس کی سپردگی کی استعداد کا اظہار کر دے بایں طور کہ عند الطلب کوئی مانع موجود نہ ہو برابر ہے کہ خاوند بالفعل وخول کرے یا نہ کرے خواہ عورت دخول کی دعوت دے یا اس کا ولی دعوت دے یا دعوت نہ دے مالکیہ نے شرط لگائی ہے کہ نفقہ تب واجب ہوگا جب عورت دخول سے قبل دخول کی دعوت دے یا اس کا ولی دخول کی دعوت دے ❷

اگر عورت اپنے خاندان میں خاوند کی اجازت سے رہ رہی ہو تو اس کا نفقہ واجب ہوگا۔

اگر عورت تمکین سے انکار کر دے یا اس کا ولی انکار کرے یا عقد نکاح کے بعد عورت اور اس کا ولی سکوت کریں نہ ہی عورت اپنے آپ کو پیش کرے اور نہ ہی خاوند دخول کا مطالبہ کرے تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، اگرچہ عرصہ تک اسی حالت پر برقرار رہیں، چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تھا اور دو سال کے بعد زفاف کی نوبت آئی تھی اور آپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو زفاف کے بعد نفقہ دیا ہے۔

اگر تمکین نفس سے انکار عورت کی طرف سے کسی حق کی وجہ سے ہو مثلاً عورت مہر معجّل کا مطالبہ کرتی ہو یا گھر کی شرعی بناوٹ کا مطالبہ کرتی ہو تو اس کو نفقہ ملے گا شافعیہ نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ خاوند طویل سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔

۲......یہ کہ بیوی بالغ (بڑی) ہو جس سے صحبت کرنا ممکن ہو، اگر بیوی کمسن ہو جس کے ساتھ صحبت نہ کی جا سکتی ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ نفقہ عورت سے جنسی نفع حاصل کرنے کے بدلہ واجب ہوتا ہے اگر جنسی نفع متعذر ہو تو نفقہ واجب نہیں ہوتا اس شرط میں مالکیہ

---

❶......البدائع ۱۸/۴ فتح القدیر ۳۲۴/۳، الدر المختار ۸۸۶/۲ مغنی المحتاج ۴۳۵/۳، المهذب ۱۵۹/۲ المغنی ۶۰۱/۷ کشاف القناع ۵۴۵/۵۔ ❷رخصتی دخول کی دعوت ہے۔یعنی خاوند کے کمرے میں عورت کا چلے جانا دخول کی دعوت ہے۔صریح دعوت شرط نہیں۔

نے جمہور کی موافقت کی ہے۔

۳..... یہ کہ نکاح صحیح ہو، اگر نکاح فاسد ہو تو خاوند پر نفقہ واجب نہیں ہوگا چونکہ عقد فاسد کو تو فسخ کرنا واجب ہوتا ہے نکاح فاسد میں عورت کا خاوند کے حق میں محبوس ہونا ممکن نہیں نیز نکاح فاسد کے ہوتے ہوئے تمکین صحیح نہیں لیکن تمکین کے مقابلہ میں جو نفقہ ہوتا ہے عورت اس کی مستحق نہیں ہوگی یہ شرط متفق علیہ ہے۔

۴..... یہ کہ خاوند کو جو عورت کے احتباس (روکے رکھنے) کا حق حاصل ہوتا ہے وہ بغیر کسی شرعی عذر کے فوت نہ ہو اور اگر بغیر کسی شرعی گنجائش و عذر کے خاوند کا حق احتباس فوت ہو جائے۔ مثلاً عورت نشوز پر اتر آئے تو اسے نفقہ نہیں ملے گا یہ شرط بھی متفق علیہ ہے البتہ مالکیہ ایسی صورت میں وجوب نفقہ کے قائل ہیں کہ جس میں احتباس کا حق ایسے فوت ہو رہا ہو کہ عورت کو اس میں کوئی دخل نہ ہو۔

پہلے وضاحت ہو چکی ہے کہ بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے اگر چہ خاوند اور بیوی کا دین جدا جدا ہی کیوں نہ ہو۔

حکم قانون..... سوریا کے قانون میں ان احکام کو اختیار کیا گیا ہے اور درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱..... دفعہ ۷۲۔ ا کے تحت ہے کہ بیوی کا خرچہ خاوند پر واجب ہے اگر چہ دونوں کا دین الگ الگ ہی کیوں نہ ہو۔

۲..... اگر خاوند نے مہر معجل ادا نہ کیا ہو یا شرعی حد تک گھر کو آراستہ نہ کیا ہو عورت تمکین سے انکار کر سکتی ہے دفعہ ۷۳ میں ہے اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر جا کر کام کاج کرتی ہو تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

دفعہ ۷۴ کے تحت ہے اگر عورت نشوز پر اتر آئے تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

دفعہ ۷۵ کے تحت ہے کہ ناشزہ وہ عورت ہوتی ہے جو خاوند کا گھر بغیر کسی شرعی عذر کے چھوڑ دے یا دوسرے گھر میں منتقل ہونے سے قبل عورت خاوند کو اپنے پاس داخل ہونے سے روکتی ہو۔

مالکیہ کے نزدیک وجوب نفقہ کی شرائط..... مالکیہ نے دو طرح کی شرائط کا اعتبار کیا ہے [1] قبل از دخول (صحبت) وجوب نفقہ کی شرائط اور بعد از دخول نفقہ کے واجب ہونے کی شرائط۔

قبل از دخول وجوب نفقہ کی شرائط..... یہ چار شرائط ہیں۔

۱..... یہ کہ عورت کے نفس پر پورا اختیار (تمکین) حاصل ہو، عورت خاوند کو دخول کی دعوت دے اور اگر اس کا ولی موجود ہو تو وہ دخول کی دعوت دے۔ اگر بلا عذر عورت نے دخول سے انکار کیا تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

۲..... یہ کہ عورت دخول کی طاقت رکھتی ہو اگر عورت کمسن ہو جو دخول کی طاقت ہی نہ رکھتی ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

۳..... یہ کہ خاوند بالغ ہو اگر خاوند نابالغ ہو جو صحبت نہ کر سکتا ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، اگر اس نے صحبت کر دی تو عورت کو نفقہ ملے گا جمہور نے بالغ عورت کا نفقہ بچے پر واجب قرار دیا ہے چونکہ عورت نے اپنا نفس پوری طرح خاوند کے سپرد کر دیا ہے۔

۴..... یہ کہ دعوت دخول کے وقت زوجین میں سے کوئی موت کے قریب نہ پہنچا ہو اگر زوجین میں سے کوئی ایک حالت نزع میں ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا، چونکہ اس حالت میں عورت سے جنسی نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، اگر حالت نزع میں دخول ہو گیا تو نفقہ واجب ہوگا۔

بعد از دخول وجوب نفقہ کی شرائط..... یہ دو شرطیں ہیں:

۱..... یہ کہ خاوند مالدار ہو مالدار سے مراد اتنے مال کا ہونا ہے جس سے خاوند بیوی کا خرچہ چلا سکتا ہو یا وہ کسب و کمائی کی قدرت رکھتا

[1] ..... الشرح الصغیر ۲/ ۷۲۹ القوانین الفقھیة ۲۲۱ الشرح الکبیر والدسوقی ۲/ ۱۱۱

ہو، اگر خاوند تنگدست ہو تو تنگدستی کے عرصے کا نفقہ اس پر واجب نہیں چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے لَا يُكَلِّفُ اللهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا اللہ تعالیٰ نے ہر جان پر اس کی حیثیت کے مطابق بوجھ ڈالا ہے۔ الطلاق ۶۵/ ۷

۲..... یہ کہ عورت خاوند کے حق احتباس کو فوت نہ کرتی ہو بغیر کسی شرعی عذر کے اگر نشوز سے عورت نے خاوند کے حق احتباس کو فوت کیا تو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

خلاصہ..... مدخول بہا (جس عورت کے ساتھ صحبت ہو چکی ہو) کے لئے مطلقا نفقہ واجب ہے اگر چہ عورت صحبت کروانے کی طاقت نہ رکھتی ہو اور اگر چہ خاوند بالغ نہ ہو جبکہ قبل از دخول جس عورت نے اپنے نفس پر تمکین نہ دی ہو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔ جو عورت (کمسنی کی وجہ سے) دخول کی طاقت نہ رکھتی ہو اسے نفقہ نہیں ملے گا۔

وجوب نفقہ کی شرائط پر مرتب ہونے والے مسائل

پہلا مسئلہ: ناشزہ (نافرمان) بیوی..... قبل ازیں ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ نشوز (نافرمانی) سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے چونکہ زوجیت والے گھر میں بیوی کا رکے رہنا واجب ہے اگر عورت اپنے خاوند کے گھر سے بغیر کسی شرعی گنجائش کے باہر نکلے تو اسے خرچہ نہیں ملے گا شرعی گنجائش مثلاً عورت مہر معجّل پر احتجاج کرتے ہوئے خاوند کے گھر سے باہر چلی جائے یا خاوند نے گھر کی مناسب آرائش نہ کی ہو۔

اسی طرح اگر عورت خاوند کو اپنے گھر میں داخل ہونے سے منع کرتے تب بھی وہ ناشزہ کہلائے گی جبکہ عورت نے دوسرے گھر میں منتقلی کا مطالبہ بھی نہ کیا ہو سوریا کے قانون میں ان احکام کو اختیار کیا گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ، ملازمت پیشہ عورت..... اگر عورت دن یا رات کے وقت گھر سے باہر نوکری یا ملازمت کرتی ہو (یا کوئی اور کام کاج کرتی ہو) جیسے نرسنگ تدریس وکالت، طب یا کسی صنعتی شعبہ سے منسلک ہو تو مصر اور سوریا کے قانون کے مطابق اگر اس کا خاوند اس کی ملازمت سے رضامند ہو اور اسے کام کاج سے روکتا نہ ہو تو اس عورت کے لئے نفقہ واجب ہو گا چونکہ بیوی کا احتباس خاوند کا حق ہے وہ اس حق سے دستبردار بھی ہو سکتا ہے۔

اگر خاوند بیوی کی ملازمت سے راضی نہ ہو اور اسے منع بھی کرتا ہو جبکہ عورت ملازمت کی وجہ سے گھر سے باہر جاتی ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ اس صورت میں عورت کا احتباس ناقص ہے کامل نہیں، سو اگر عورت صرف رات کو اپنا نفس خاوند کے سپرد کرے اور دن کو نہ کرے یا اس کے برعکس ہو تو سپردگی نفس میں نقص آنے کی وجہ سے عورت کو نفقہ نہیں ملے گا۔

سوریا کے قانون دفعہ ۷۳ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ اگر عورت خاوند کی اجازت کے بغیر ملازمت کی غرض سے یا کام کاج کی غرض سے گھر سے باہر جائے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

اگر خاوند پہلے راضی ہو اور پھر عورت کو ملازمت سے منع کرتا ہو تو اسی کے بقدر اس کا نفقہ بھی ساقط ہو گا چونکہ عورت کا گھر سے نکلنا نشوز ہو گا جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے لیکن مصری قانون میں عورت کے نفقہ کے مستحق ہونے کا حکم ہے۔

اگر عورت نے عقد نکاح کے وقت شرط لگا دی ہو کہ وہ ملازمت جاری رکھے گی حنفیہ کے نزدیک اس کی یہ شرط محض لغو ہو گی البتہ عقد نکاح صحیح ہے تاہم خاوند اسے ملازمت سے روک سکتا ہے اگر منع کرنے کے باوجود عورت ملازمت جاری رکھے تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

جبکہ مالکیہ نے اس شرط کو صحیح قرار دیا ہے ہاں البتہ مکروہ ہے اسے پورا کرنا لازم نہیں تاہم خاوند بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے

اگر عورت نے انکار کر دیا تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

حنابلہ نے بھی اس شرط کو صحیح قرار دیا ہے اور اسے پورا کرنا واجب قرار دیا ہے چنانچہ شرط عائد کرنے کے بعد خاوند عورت کو ملازمت سے نہیں روک سکتا اگر خاوند نے اسے منع کیا تو عورت ناشزہ نہیں ہوگی۔

شافعیہ کے قواعد سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ شرط غیر معتبر ہے چونکہ جدید مذہب کے مطابق تمکین تام سے نفقہ واجب ہوتا ہے محض عقد سے نفقہ واجب نہیں ہوتا اور یہ کہ خاوند کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلنا یا اجازت کے بغیر حج کو چلے جانا نشوز ہے جس سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے اوا اگر عورت نے صحبت کی قدرت دے دی لیکن دوسرے جنسی منافع جات سے منع کیا تو بھی ناشزہ ہوگی بیوی گھر پر کام کاج کر سکتی ہے تاہم ایسے کام نہ کرے جس سے اس کی جسمانی طاقت یا اس کا حسن و جمال متاثر ہو، اگر اس نے کوئی ایسا کام کرنا چاہا جس سے اس کی جسمانی طاقت یا حسن و جمال متاثر ہو تو خاوند اسے منع کرنے کا حق رکھتا ہے البتہ اگر عورت نے مخالفت کی تو اس کا حق نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ خاوند بیوی کی تادیب کر سکتا ہے۔

تیسرا مسئلہ: بیمار بیوی...... اگر بیوی بیمار ہو تو بالاتفاق اس کا نفقہ واجب ہے [1] برابر ہے کہ بیوی زفاف کے بعد بیمار ہو جائے یا عین زفاف کے وقت چونکہ نفقہ کی شرط متحقق ہے اور وہ تمکین تام کا حاصل ہونا ہے نیز عورت سے جنسی نفع اٹھانا ممکن ہے ہاں البتہ بیماری کی وجہ سے اس میں کمی واقع ہوئی ہے نیز بیماری کا لاحق ہونا غیر اختیاری امر ہے جس میں عورت کو کوئی دخل نہیں ہوتا گویا بیماری حیض و نفاس کے حکم میں ہے نیز مرض کی وجہ سے نفقہ کے سقوط کا حکم لگانا حسن معاشرت میں سے نہیں ہے۔

اگر عورت میکے میں بیمار ہو جائے تو بھی اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا ہاں البتہ اگر خاوند کا مطالبہ ہو کہ بیوی اس کے گھر واپس آئے جبکہ عورت واپسی کی طاقت رکھتی ہو خواہ اٹھوا ہی کر کیوں نہ ہو تاہم واپسی سے انکار کرتی ہو تو ناشزہ کہلائے گی۔

علاج کے اخراجات...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کے نزدیک خاوند پر بیوی کے علاج معالجہ کے اخراجات واجب نہیں یعنی ڈاکٹر کی فیس دوائی کی قیمت وغیرھا خاوند پر واجب نہیں بلکہ عورت کے علاج کے اخراجات اس کے ذاتی مال میں سے ہوں گے اور اگر عورت کے پاس مال نہ ہو تو اس کا نفقہ جس پر واجب ہوگا علاج کے اخراجات بھی اسی پر واجب ہوں گے چونکہ جسم و جان کی حفاظت کے لئے علاج کروایا جاتا ہے اور یہ خرچ منفعت کے مستحق پر واجب نہیں جیسے کرایہ پر دیئے ہوئے مکان کی مرمتی مالک پر واجب ہوتی ہے نہ کہ کرایہ دار پر۔

میرے نزدیک علاج معالجے کے اخراجات زمانہ ماضی میں اساسی (بنیادی) ضرورت کا درجہ نہیں رکھتے تھے انسان کو عصر حاضر کی طرح علاج کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، چونکہ انسان صحت اور پرہیز کے قواعد کی پابندی کرتا تھا اس لیے فقہاء نے اپنے زمانے کے عرف کو بنیاد بنایا رہی بات عصر حاضر کی

سو آج عرف بدل چکا ہے اور علاج کی ضرورت بنیادی حاجت کی شکل اختیار کر چکی ہے جیسے کھانا پینا اور غذا بنیادی ضرورت ہے بلکہ علاج تو غذا سے بھی اہم ہے چونکہ مریض علاج کو ہر چیز پر ترجیح دیتا ہے بھلا ایک آدمی کے بدن میں دکھ اور تکلیف ہو کیا وہ کھانا کھا سکتا ہے اس لیے میں علاج معالجے کے اخراجات خاوند پر واجب سمجھتا ہوں جیسے دوسرے ضروری نفقات خاوند پر واجب ہوتے ہیں، جیسے بچے کی لازمی دوائی کا نفقہ والد پر واجب ہے بھلا انسانیت کیا اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ جب بیوی تندرست ہو خاوند اس سے جنسی خواہش پوری کرتا رہے اور جب بیمار ہو جائے تو اس کے میکے روانہ کر دے۔

---

[1] ..... الدر المختار وردالمحتار ۲/ ۸۸۹، المغنی ۷/ ۶۰۱ تکملۃ المجموع ۱۷/ ۸۱۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۱۰۰ کے تحت ۱۹۸۵ء میں مالکی فقہ کے موافق میری رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ بیوی کے واجب نفقہ میں غذا کپڑے، رہائش اور علاج وغیرہ کے اخراجات شامل ہیں عدالتوں میں بھی اسی رائے پر عمل کیا جاتا ہے۔

چوتھا مسئلہ: کسی عذر کی وجہ سے خاوند کے گھر میں منتقل نہ ہونا عذر کی وجہ سے عورت کا صحبت سے انکار کرنا:

اگر بیوی کسی عذر کی وجہ سے صحبت سے انکار کر رہی ہو یا خاوند کے گھر میں منتقل ہونے سے انکار کر رہی ہو تو عورت کو نفقہ ملے گا ❶ جیسے مثلاً عورت کا مطالبہ ہو کہ اسے مہر معجّل دیا جائے یا گھر رہائش کے قابل نہ ہو وہ مرمتی اور درستی کا مطالبہ کر رہی ہو یا گھر کے ضروری مرافق پانی راستہ بجلی وغیرہ منقطع ہوں یا اس گھر میں رہنے پر پڑوسی کی طرف سے اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہو یا کسی چیز کا خوف ہو یا گھر میں سوکن رہ رہی ہو جس کے شر اور فساد کا اندیشہ ہو۔ البتہ اگر بغیر کسی عذر کے عورت خاوند کے گھر منتقل ہونے سے انکار کرتی ہو یا جس گھر میں عورت رہ رہی ہو اس میں خاوند کو داخل ہونے سے روکتی ہو جبکہ منتقلی کا بھی کوئی مطالبہ نہ ہو تو عورت کو نفقہ نہیں ملے گا چونکہ اس انکار کی وجہ سے عورت ناشزہ کہلاتی ہے اور عورت جتنے عرصہ تک نشوز پر قائم رہے اس عرصہ کا اسے نفقہ نہیں ملتا۔

پانچواں مسئلہ: بیوی کی قید و بند...... مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر بیوی کو قید و بند میں رکھ دیا گیا تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ خاوند کا حق احتباس کے فوت ہونے کا سبب عورت کی جانب سے ہے البتہ بیوی کو اگر ظلماً حبس میں رکھا گیا یا کوئی مرد اسے اغواء کر کے لے گیا تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ خاوند کا حق احتباس بغیر اس کے دخل کے فوت ہوا ہے مالکیہ کہتے ہیں: ظلماً عورت کو قید و بند میں رکھنے اور کسی مرد کے اغواء کر لینے کی وجہ سے اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا چونکہ حق احتباس کا فوت ہونا عورت کی وجہ سے نہیں اور نہ ہی اس میں عورت کا دخل ہے۔ (۲)

چھٹا مسئلہ: بیوی کا سفر...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت خاوند کے بغیر کسی اور کے ساتھ سفر حج کرے یا کوئی اور سفر کرے جبکہ یہ سفر دخول سے قبل ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ خاوند کے گھر میں خاوند کا حق احتباس فوت ہوتا ہے اور احتباس کے فوت ہونے کا سبب عورت ہے نیز بغیر محرم کے عورت نے سفر کر کے معصیت کا ارتکاب کیا ہے۔ (۳)

البتہ اگر عورت نے محرم کے ساتھ فرض حج کی ادائیگی کے لیے سفر کیا تو نفقہ میں اس کا حق ساقط نہیں ہوگا مالکیہ حنابلہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گو عورت نے خاوند کی اجازت کے بغیر ہی سفر کیوں نہ کیا ہو چونکہ یہ سفر دینی فریضہ کی ادائیگی کے لئے کیا گیا ہے گویا حق احتباس اگرچہ فوت ہوا ہے لیکن شرعی گنجائش موجود ہے۔ لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور حنابلہ کے نزدیک حالت حضر (اقامت) کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہوگا نہ کہ حالت سفر کا نفقہ مالکیہ کے نزدیک جو نفقہ اقل ہو یعنی اقامت اور سفر میں سے جو نفقہ کم ہو وہ واجب ہوگا۔

جمہور حنفیہ کے نزدیک نفقہ ساقط ہو جائے گا اگرچہ بیوی نے خاوند کی اجازت سے سفر کیا ہو شافعیہ کا بھی ظاہر قول یہی ہے چونکہ عورت پر جو چیز واجب تھی اس کی مخالفت کی ہے اور تمکین کی نفی کی ہے نیز حق احتباس عورت کے سبب فوت ہوا ہے برابر ہے کہ عورت نے فرض حج کا سفر کیا ہو یا کسی اور کام کی غرض کے لئے سفر کیا ہو جیسے حصول علم وغیرہ۔

---

❶...... الدرالمختار ۲/۸۸۸۔ ❷ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/۵۱۷ ❸ الدرالمختار ۲/۸۹۲ کشاف القناع ۵/۵۵۰ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/۵۱۷۔

اگر عورت نے نفلی حج کے لئے سفر کیا تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک نفقہ ساقط ہوگا۔

مالکیہ کہتے ہیں اگر عورت نے خاوند کی اجازت سے سفر کیا تو اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا، چونکہ اس عورت کو ناشزہ نہیں کہا جائے گا اور اگر خاوند کی اجازت کے بغیر سفر کیا تو اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا چونکہ عورت ناشزہ کہلائے گی۔

ساتواں مسئلہ: کسی دوسرے شہر میں خاوند کا منتقل ہونا:

حنفیہ...... کہتے ہیں: خاوند کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر کسی دوسرے شہر کی طرف سفر سکتا ہے یہ سفر کسی صحیح غرض کی خاطر ہو جیسے حصول ملازمت یا تجارت سرمایہ کاری وغیرھا بشرطیکہ خاوند نے عورت کا پورا مہر ادا کر دیا ہو خواہ مہر معجّل ہو یا مؤجل۔ عورت پر امن کا اعتماد ہو اور سفر سے خاوند بیوی کو ضرر نہ پہنچاتا ہو اس صورت میں اگر عورت نے خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کیا تو ناشزہ ہو جانے کی وجہ سے اس کا نفقہ ساقط ہو جائے گا اگر خاوند نے ہر جانہ کیا یا عورت کے معاملہ میں خاوند پر امن کا عتماد نہ ہو یا عورت کو ضرر پہنچانا چاہتا ہو تو عورت خاوند کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر سکتی ہے عورت ناشزہ نہیں کہلائے گی چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ...... الطلاق ۶۵ / ۶

عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ کہ تم ان پر تنگی کردو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لاضرر ولا ضرار نہ کسی کو ضرر پہنچاؤ اور نہ ہی ضرر کے درپے رہو۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: اگر خاوند نے مہر معجّل ادا کر دیا ہو تو وہ عورت کو کہیں بھی اپنے ساتھ لے کر سفر کر سکتا ہے اگر چہ دخول نہ ہوا ہو لیکن اس اختیار کی حسب ذیل شرائط ہیں:

۱...... یہ کہ خاوند پر امن وامان کا اعتماد ہو

۲...... یہ کہ سفر کا راستہ پر امن ہو

۳...... یہ کہ جس شہر کی طرف سفر کرنا ہو وہ عورت کے اہل خانہ سے اتنا دور نہ ہو کہ عورت کی خبر ہی انھیں نہ مل سکتی ہو اور اہل خانہ کی خبر عورت کو نہ مل سکتی ہو۔

آٹھواں مسئلہ: خاوند کا قید ہو جانا یا اس کا بیمار ہو جانا...... درج ذیل صورتوں میں بالاتفاق بیوی نفقہ کی مستحق ٹھہرتی ہے کسی جرم کے ارتکاب پر اسے قید میں ڈال دیا جائے یا بیوی کے دین کی وجہ سے قید میں ڈال دیا جائے یا ظلماً قید میں ڈال دیا جائے یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے جو مانع جماع ہو یا خاوند میں کوئی ایسا عیب ہو جو استمتاع میں حائل ہو جیسے آلہ تناسل کا کٹا ہوا ہونا، نامردی ہونا چونکہ مذکورہ صورتوں میں احتباس مرد کی وجہ سے فوت ہو رہا ہے نہ کہ عورت کے سبب۔

اسی طرح مالکیہ کے نزدیک بھی عورت نفقہ کی مستحق ہوگی جب خاوند کو علم ہو کہ اس کی بیوی میں کوئی ایسا عیب ہے جو وطی کے مانع ہے جیسے رتق اور قرن کی بیماری جو عورت کی شرمگاہ میں ہو جاتی ہے جبکہ خاوند وطی کے بغیر ہی استمتاع کرتا ہو۔

تیسرا مقصد: نفقہ کی مختلف انواع کی کیفیت اور عدالتی حکم

بیوی کا نفقہ درج ذیل امور پر مشتمل ہوتا ہے۔

۱ کھانا، پینا اور سالن ۲ کپڑے۔ ۳...... رہائش

۴.....خادم بشرطیکہ عورت مطالبہ کرے یا وہ ایسے خاندان کی ہو جو خادم رکھنے کا عادی ہو۔

۵.....نظافت اور صفائی وستھرائی کے آلات اور گھریلو سامان سوریا کے قانون دفعہ ۷۱ کے تحت انہی مختلف الانواع نفقات کی صراحت کی گئی ہے۔

پہلا واجب: طعام (کھانا) اور اس کے توابع.....فقہاء کے نزدیک بیوی کے لیے کھانے پینے اور سالن کا سامان (خاوند پر) واجب ہے ❶ پانی، سرکہ کھانے کا تیل، ایندھن وغیرھا کھانے کے توابع میں سے ہے البتہ پھل واجب نہیں۔

طعام کی مقدار.....شافعیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ بیوی کے لئے طعام (کھانے کی اشیاء) بقدر کفایت واجب ہے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا معروف طریقہ سے اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو حدیث میں نفقہ کی مقدار کی تحدید نہیں کی گئی بلکہ اتنا لینے کی اجازت دی گئی ہے جس سے کفایت ہو سکے اس مقدار کا اندازہ اجتہاد سے ہوسکتا ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ..... البقرۃ ۲/ ۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس پر معروف طریقے سے ماؤں کا رزق اور کپڑے واجب ہیں۔

خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تمہاری بیوی کا کھانا اور کپڑے تمہارے اوپر واجب ہیں۔ قدر کفایت سے اقل (کم) کھانے کو واجب قرار دینا حقیقت میں ترک معروف ہے، جبکہ یہ دلائل قدر کفایت کے واجب قرار دینے میں صریح ہیں، تاہم کفارہ پر قیاس کر کے نفقہ کی مقدار متعین کرنا صحیح نہیں چونکہ مالداری اور تنگدستی دونوں حالتوں میں کفارہ یکساں رہتا ہے مختلف نہیں ہوتا شریعت نے کفارہ کو نفقہ پر باعتبار جنس قیاس کیا ہے نہ کہ مقدار میں چونکہ کفارہ میں سالن واجب نہیں۔

جب خاوند بیوی پر خرچ کرنے کی ذمہ داری نبھا رہا ہو تو عورت کے لئے روا نہیں کہ وہ نفقہ کی متعین مقدار کا مطالبہ کرے البتہ اگر خاوند کی کوتاہی ٹھوس دلائل سے ثابت ہو جائے تو معاملہ داخل عدالت کیا جائے گا تا کہ قاضی نفقہ کی مقدار متعین کر دے، طعام دانوں (غلے) کی شکل میں دینا شرط نہیں بلکہ انواع واقسام کا طعام دینا بحسب عرف صحیح ہے جیسے روٹی، سالن وغیرھا۔

طعام کا سپرد کرنا نفقہ میں واجب ہے، یومیہ یا مہینہ وار نفقہ بیوی کے قبضہ میں دینا ضروری ہے حنفیہ اور مالکیہ نے طعام کی بجائے قیمت/ثمن یا نقد دینا جائز قرار دیا ہے تاکہ عورت اپنے پر خرچ کرے، عصر حاضر میں عدالتوں میں نقدی مال پر فیصلے دیئے جاتے ہیں چونکہ نقدی مال سے ضروریات کا پورا کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ حنابلہ کہتے ہیں: شہر میں جو غالب خوراک ہو اس کے علاوہ کسی غیر غالب خوراک کو متعین کرنے کا اختیار نہیں رکھتا الا یہ کہ زوجین کا اتفاق ہو۔

عرف ورواج کے مطابق طعام کے نفقہ کی مقدار متعین کی جائے گی جس میں جگہ، زمانہ احوال، گرانی، مہنگائی، جوانی، بڑھاپا، گرمی اور سردی جیسے احوال کو مدنظر رکھا جائے گا اگر قاضی نے نفقہ کی مقدار متعین کردی پھر خاوند کی معاشی حالت تبدیل ہوگئی یعنی وہ مالدار ہوگیا یا تنگدست ہوگیا تو قاضی مستقبل کے نفقہ میں حسب حال کمی بیشی کردے شافعیہ کہتے ہیں: کھانے کا خرچہ متعین مقداروں کی صورت میں غلہ اور دانوں کی شکل میں متعین کیا جائے گا جس میں خاوند کی معاشی حالت تنگدستی اور مالداری کا لحاظ رکھا جائے گا چونکہ جب کسی شخص کو کفارہ دیا جاتا ہے جو کم از کم مقدار میں ہو اس کی مقدار ایک مد دانے (غلہ) ہیں، اللہ تعالیٰ نے کفارہ کو نفقہ پر قیاس کیا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے

❶ البدائع ۴/ ۲۳، فتح القدير: ۳/ ۳۲۲، الدرالمختار ۲/ ۸۸۶ القوانين الفقهية ۲۲۱ الشرح الصغير ۲/ ۷۳۱ بداية المجتهد ۲/ ۵۴ مغنی المحتاج: ۳/ ۴۲۶ المهذب ۲/ ۱۶۱ المغنی ۷/ ۵۶۴۔

من اوسط ما تطعمون اهليكم ......المائدہ ۵/ ۸۹

اوسط (درمیانی) درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو۔

چنانچہ فقہاء نے نفقہ کو کفارہ پر قیاس کیا ہے دونوں میں علت جامع یہ ہے کہ دونوں طرح کے اموال کو شریعت نے واجب کیا ہے جو ذمہ میں واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ مالدار خاوند پر بیوی کے لئے دو مد طعام (دانے) واجب ہیں اور تنگدست پر ایک مد واجب ہے متوسط الحال پر ڈیڑھ (۱/ ۲) واجب ہے، شافعیہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ ......الطلاق ۶۵/ ۷

ہر صاحب حیثیت اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔

کفارہ میں زیادہ سے زیادہ جو مقدار واجب ہے وہ ہر مسکین کی لئے دو مد ہیں یہ کفارہ دوران حج واجب ہوتا ہے جب حاجی وقت سے پہلے بال یا ناخن کاٹ دے جبکہ کفارہ کی کم از کم مقدار ایک مد ہے جو کفارہ ظہار میں ہر مسکین کو دیا جاتا ہے تاہم شافعیہ نے مالدار پر اکثری مقدار یعنی دو مد واجب قرار دیئے ہیں اور تنگدست پر کم از کم مقدار یعنی ایک مد واجب قرار دیا ہے دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ایک مد پر معمولی آدمی اکتفا کر لیتا ہے اور صاحب رغبت (لالچی) بھی قناعت کر لیتا ہے اور متوسط الحال پر دونوں مقداروں کی درمیانی مقدار واجب قرار دی تاکہ اسے ضرر لاحق نہ ہو۔

میرے نزدیک جمہور کی رائے راجح ہے چنانچہ علامہ اذرعی شافعی کہتے ہیں مجھے معلوم نہیں کہ ہمارے امام (امام شافعی) رحمۃ اللہ علیہ نے مدوں کے اعتبار سے طعام کی مقدار متعین کی ہو اگر سوء ادب مانع نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ: عورت کے لئے درست وصواب یہ ہے کہ معروف طریقے کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے چونکہ اس میں اسوہ ہے اور اسی میں اتباع ہے۔

رہی بات سالن کی سو شافعیہ کے نزدیک وہی سالن واجب ہے جو غالب احوال میں استعمال ہوتا ہو جیسے زیتون کا تیل، گھی، پنیر، کھجور، سرکہ اور عادی شخص کے لئے پھل۔ خاوند کی معاشی حالت اور عرف ورواج کے پیش نظر گوشت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

زوجین میں سے کس کی حالت کے پیش نظر نفقہ طعام کا تخمینہ لگایا جائے گا......اس مسئلہ میں فقہاء کی دو آراء ہیں:

۱...... مالکیہ اور حنابلہ: کا مذہب ہے کہ زوجین کی معاشی حالت، عورت کی حیثیت اور علاقے کی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے نفقہ کا اندازہ کیا جائے گا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۖ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ۖ

ہر وسعت رکھنے والا اپنی وسعت کے مطابق نفقہ دے اور جس شخص کے لئے اس کا رزق تنگ کر دیا گیا تو جو کچھ اللہ نے اسے دیا ہے کہ اسی میں سے نفقہ دے اللہ نے کسی کو جتنا دیا ہے اس پر اس سے زیادہ کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ الطلاق ۶۵/ ۷

گزشتہ حدیث بھی ہے کہ: ''خذی مایکفیک'' اتنا مال لو جو تمہارے لئے کافی ہو حنابلہ کے نزدیک یہ حکم عقد نکاح کے وقت کا ہے اور اس تعبیر میں جانبین کی رعایت ہے اور دلائل جمع بھی ہو جاتے ہیں، چونکہ آیت میں خاوند کے حال کی رعایت رکھی گئی ہے اور حدیث میں معروف طریقہ کے ساتھ عورت کی کفایت کی رعایت کی گئی ہے اگر زوجین مالدار ہوں تو مالداری والا نفقہ واجب ہے اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو تنگدستی والا نفقہ واجب ہے اور اگر دونوں کی حالت میں تفاوت ہو تو متوسط درجے کا نفقہ واجب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں متوسط درجے کا نفقہ اندلس میں اس مقدار کو سمجھا جاتا ہے: ڈیڑھ رطل روزانہ گندم یا جو یا چاول۔

ب: حنفیہ اور شافعیہ..... طعام اور کپڑوں کا تخمینہ خاوند کی معاشی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے لگایا جائے گا چونکہ اوپر آیت گذر چکی ہے کہ:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ الطلاق ۶۵/ ۷

نیز حدیث ہے، عورتوں کو وہ کچھ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو انھیں ایسے ہی (عمدہ یا ادنیٰ) کپڑے پہناؤ جیسے تم پہنتے ہو انھیں مارو نہیں اور نہ ہی انھیں برا بھلا کہو ❶ نیز نفقہ خاوند پر واجب ہے اور عورت خاوند کی جیسی بھی معاشی حالت ہو اس پر راضی ہوتی ہے۔ نیز حدیث ہند میں المعروف کے کلمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کا وجوب خاوند پر ہے۔

میرے نزدیک حنفیہ اور شافعیہ کا قول راجح ہے چونکہ آیت میں اس کی صراحت کی گئی ہے سوریہ اور مصر میں اسی رائے کو قانونی شکل دی گئی ہے نیز اس رائے میں عدل بھی ہے چنانچہ جب خاوند کی حالت تبدیل ہو جائے تو قاضی بھی نفقہ میں تبدیلی کا حکم صادر کر سکتا ہے۔

کتنی مدت میں طعام کا نفقہ دیا جائے..... حنفیہ اور مالکیہ کی رائے کے مطابق خاوند کی معاشی صورتحال کے مناسب بیوی کو طعام کا نفقہ دیا جائے جو یومیہ بھی ہو سکتا ہے ہفتہ وار مہینہ وار اور سالانہ ❷ چنانچہ مزدور پیشہ خاوند یومیہ یا ہفتہ وار طعام کا خرچہ دے ملازم پیشہ مہینہ وار اور اہل ثروت سالانہ ہر آنے والے دن کا خرچہ شام کو دے دیا جائے، اور ہر آنے والے ہفتے کا خرچہ گذشتہ ہفتہ کے اختتام پر دے دیا جائے مہینے کا خرچہ شروع ماہ میں دے دیا جائے یا آخر ماہ میں اور سالانہ خرچہ مالی سال کے اعتبار سے دیا جائے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: طلوع آفتاب کے وقت نفقہ دے دیا جائے چونکہ ضرورت اور حاجت کا یہی وقت ہوتا ہے اگر زوجین پیشگی یا ادھار پر اتفاق کریں تو یہ بھی جائز ہے۔

دوسرا واجب: کپڑے..... علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ خاوند پر بیوی کے کپڑے واجب ہیں چونکہ کپڑوں کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ..... البقرۃ ۲/ ۲۳۳

جس باپ کا بیٹا ہو اس پر ماؤں کا رزق اور کپڑے معروف طریقے سے واجب ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے معروف طریقے سے عورتوں کا رزق اور کپڑے تمہارے اوپر واجب ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا اتنا نفقہ لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔

معروف طریقے کے کپڑوں سے مراد ایسے کپڑے ہیں جن کا رواج ہو۔

بالاتفاق کپڑوں کی اتنی مقدار واجب ہے جس سے کفایت ہو جائے چونکہ اس بات پر اجماع ہے نام کا کپڑا کافی نہیں ہوتا۔ شریعت میں اس کی تحدیدی مقدار مقرر نہیں کی گئی بلکہ حسب ضرورت کے اجتہاد سے متعین کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اتنی مقدار میں فرض ہے جس سے عورت کی کفایت ہو تاہم مالداری اور تنگدستی کی حالت کا بھی خیال رکھا جائے گا اور رواج کی بھی رعایت کی جائے گی چنانچہ مالدار کے لئے عمدہ کپڑے ریشم اور عمدہ کاٹن کے ہوں اور تنگدست کے لئے عام کپڑے اور متوسط درجہ کی عورت کے لئے درمیانی قسم کے کپڑے۔

کم از کم کپڑے جو واجب ہیں ان میں قمیص شلوار چادر، سکارف، اور جوتے شامل ہیں ہر سال میں دو مرتبہ بیوی کو کپڑے دینا واجب ہے ایک جوڑا موسم گرما کا ایک جوڑا موسم سرما کا چونکہ گرمی سردی کے لحاظ سے ضرورت میں بھی جدت آ جاتی ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ہر سال کے شروع میں کپڑے بیوی کو دیئے جائیں عورت قبضہ کرنے سے مالک بن جاتی ہے جو کپڑے

---

❶ رواہ ابوداؤد عن معاویۃ القشیری (نیل الاوطار ۶/ ۳۲۲) ❷ الدر المختار وابن عابدین ۲/ ۸۹۴ الشرح الصغیر ۲/ ۷۳۸۔

چوری ہو جائیں یا بوسیدہ ہو جائیں ان کا بدل نہیں دیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنفیہ کہتے ہیں: ہر چھ ماہ میں عورت کو کپڑے دے دیئے جائیں چونکہ عرف اس امر کا متقضی ہے کہ اس مدت میں کپڑے تبدیل کئے جائیں اگر مدت سے پہلے کپڑے بوسیدہ ہو گئے تو ان کا متبادل واجب نہیں جیسے طعام کا متبادل واجب نہیں۔

تیسرا واجب: رہائش...... خاوند پر واجب ہے کہ وہ بیوی کو ایسی رہائش مہیا کرے جو اس کے مرتبہ کے لائق ہو[1] خواہ اپنی ملکیت کے مکان میں اسے رہائش دے یا کرائے کا مکان لے کر یا عاریتہ مکان لے یا وقف کی مد میں مکان لے کر رہائش مہیا کرے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَیۡثُ سَکَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِکُمۡ ......الطلاق ۶۵/۶

اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہیں بیویوں کو رہائش دو۔

یعنی اپنی معاشی حالت کے مطابق عورت کو رہائش مہیا کی جائے نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ ......النساء: ۴/ ۱۹

عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت رکھو۔

بیوی کو رہائش مہیا کرنا بھی حسن معاشرت میں سے ہے نیز پردہ اور ساز وسامان کی حفاظت رہائش گاہ کے بغیر ناممکن ہے۔

رہائش بھی طعام کی طرح معاشی حالت کے موافق ہو اگر زوجین مالدار ہوں تو عمدہ قسم کی رہائش ہو، گر تنگدست ہو تو حسب حال رہائش واجب ہے چونکہ آیت میں من وجدکم کے الفاظ ہیں یعنی رہائش مرد اپنی حیثیت کے مطابق مہیا کرے، بنا بریں واجب ہے کہ رہائش میں درج ذیل امور پائے جاتے ہوں۔

۱...... یہ کہ رہائش خاوند کی معاشی حالت کے مناسب ہو کیونکہ من وجدکم کا یہی تقاضا ہے۔

۲...... یہ کہ رہائش بیوی کے لئے مستقل ہو اس مکان میں خاوند کے گھرانے کا کوئی اور فرد نہ رہتا ہو، الا یہ کہ عورت کسی کو اختیار کرلے چونکہ سکنی عورت کے لیے مرد پر واجب ہے گویا سکنی عورت کا حق ہے عورت یہ حق بھی رکھتی ہے کہ اپنے حق سکنی میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرے چونکہ شرکت سے عورت کو اذیت پہنچتی ہے نیز مشترک سکنی خاوند کی معاشرت اور زوجیت کے مانع ہے نیز مشترک گھر میں رہائش ہونے سے عورت کا سامان محفوظ نہیں رہتا۔ مالکیہ کے نزدیک سکنی کی ادنیٰ حد ایک حجرہ ہے جس میں زندگی کی بنیادی سہولیات میسر ہوں اس میں یہ شرط ہے کہ حجرے کے دوسرے حصہ میں عورت کی سوکن نہ ہو چونکہ عورت کو سوکن سے اذیت پہنچتی ہے۔

اگر مرد کے قریبی رشتہ دار ہوں (جیسے بہن بھائی والدین) تو حنفیہ کے نزدیک وہ بیوی کو اقرباء کے ساتھ رہائش دے ہاں البتہ اگر دلائل سے ثابت ہو جائے کہ اقرباء بیوی کو اذیت پہنچائیں تو پھر علیحدہ رہائش دینا ضروری ہے۔

مالکیہ نے شریف (معزز) عورت اور گھٹیا عورت میں فرق کیا ہے چنانچہ اگر عورت شریف ہو تو وہ خاوند کے اقرباء کے ساتھ رہائش رکھنے سے انکار کرسکتی ہے اگرچہ خاوند کے والدین ہی کیوں نہ ہوں چونکہ شریف عورت اپنے معاملات وشئون پر دوسرے افراد کے مطلع ہونے سے اذیت محسوس کرتی ہے ہاں البتہ عقد نکاح کے وقت اگر خاوند نے شرط لگادی ہو کہ بیوی والدین کے ساتھ رہے تو پھر والدین کے ساتھ رہائش رکھنے سے عورت انکار نہیں کرسکتی الا یہ کہ والدین کی طرف سے عورت کو اذیت پہنچ رہی ہو۔

اگر عورت گھٹیا ہو تو خاوند اسے اپنے اقرباء کے ساتھ ایک ہی گھر میں ٹھہرا سکتا ہے، ہاں البتہ عقد نکاح کے وقت اگر عورت نے شرط

---

[1]..... فتح القدیر ۳/ ۳۳۴ الدر المختار ۲/ ۹۱۲ الشرح الصغیر ۲/ ۷۳۷ القوانین الفقهیة ۲۲۲۔

لگادی ہو کہ وہ خاوند کے اقرباء کے ساتھ رہائش نہیں رکھے گی یا خاوند کے اقرباء عورت کو اذیت پہنچار ہے ہوں تو اسے علیحدہ رہائش دینا ضروری ہے۔

حنفیہ کے نزدیک بیوی کے ساتھ خاوند کے علاوہ کوئی اور نہیں رہ سکتا اگر چہ ناسمجھ بچہ ہی کیوں نہ ہو ہاں البتہ خاوند کی رضامندی سے رہ سکتا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں عورت کے ساتھ اسی کا بچہ جو دوسرے خاوند سے ہو اور اس کی کوئی دایہ نہ ہو وہ عورت کے ساتھ رہ سکتا ہے۔ اگر مکان آبادی سے کٹ کے ہو جہاں تنہائی سے وحشت ہوتی ہو یا بڑا گھر ہو جو مکینوں سے خالی ہو اور اس کی اونچی اونچی دیواریں ہوں تو اس صوت میں خاوند کے لیے لازمی ہے کوئی ایسا مونس ساتھ رکھے جو بیوی کا دل بہلاتا رہے یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مختار مذہب ہے۔

۳..... یہ کہ گھریلو سامان جس کے علاوہ چارہ کار نہیں مکان میں موجود ہو یہ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے سونے کے بستر رضائی، تکیہ، باورچی خانے کا ساز وسامان یعنی دیگچیاں، پلیٹیں، لوٹا، پانی کا گھڑا چمچا، ٹب اور چراغ موجود ہوں چونکہ ان اشیاء کے بغیر گزران دشوار ہے نیز یہ چیزیں حسن معاشرت میں سے بھی ہیں۔

مالکیہ کہتے ہیں کہ مہر کی حد تک متعارف ساز وسامان بیوی پر واجب ہے اس لئے خاوند کو گھریلو اثاثے کا پابند نہیں بنایا جائے گا بلکہ گھریلو اثاثے کی ذمہ داری بیوی پر عائد ہوتی ہے۔

فقہاء نے اس شرط پر اتفاق کیا ہے کہ سکنی میں ضروریات زندگی کا مہیا ہونا ضروری ہے جیسے پانی کی سہولت باورچی خانہ، بیت الخلاء، ہاں البتہ اگر خاوند فقیر ہو اور کثیر کمروں والے بڑے مکان میں کسی ایک کمرہ میں رہ رہا ہو تو پھر یہ ضروریات لازمی نہیں البتہ شرط یہ ہے کہ دوسرے رہائشی نیک وصالح ہوں۔

چوتھا واجب: اگر بیوی کو خادم کی ضرورت ہو تو خادم کا نفقہ..... فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے [1] کہ اگر عورت حسب ونسب والی ہو اور والدین کے ہاں اس کی خدمت کے لئے خادم رکھا ہو تو خاوند اگر مالدار ہو اس پر بھی خادم رکھنا لازمی ہے اور خادم کا نفقہ خاوند پر واجب ہو گا چونکہ خادم رکھنا حسن معاشرت ہے نیز عورت کی کفایت خاوند پر واجب ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے **وعاشروھن بالمعروف** عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت رکھو۔ (النساء ۴: ۱۹)

جمہور فقہاء (امام ابوحنیفہ، امام محمد، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم) کے نزدیک ایک سے زائد خادم واجب نہیں، چونکہ ایک خادم سے کفایت ہو جاتی ہے دوکی چنداں ضرورت نہیں زائد خادموں میں مرفہ الحالی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے جو خاوند پر لازم نہیں۔

امام ابو یوسف اور امام ابوثور کہتے ہیں: دو خادموں کا نفقہ فرض ہے چونکہ ایک خادم گھر کے داخلی امور سنبھالتا ہے اور دوسرا بیرونی۔

مالکیہ کا مشہور قول ہے کہ اگر بیوی کو زیادہ خادموں کی ضرورت ہو تو خاوند پر ایک سے زائد خادم لازم ہیں تنازعہ کھڑا ہو جانے کی صورت میں عورت کے حق میں خادم کا فیصلہ کیا جائے گا ہاں البتہ اگر عورت کے خادم میں اخلاقی بھلائی نہ ہو جس سے دین اور دنیا کا ضرر ہوتا ہو تو پھر خادم ضروری نہیں۔

خادم کون اور کیسا ہو..... خادم ایسا شخص ہو جس کا عورت کی طرف دیکھنا حلال ہو گویا وہ عورت کا ذی رحم محرم ہو چونکہ خادم اکثر اوقات خدمت میں مصروف رہتا ہے اس لئے نظر کی سلامتی ضروری ہے، حنابلہ کے نزدیک خادم کا اہل کتاب میں سے ہونا جائز ہے چونکہ اہل کتاب سے خدمت لینا مباح ہے حنابلہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اہل کتاب کی طرف نظر کرنا مباح ہے۔

---

[1] البدائع: ۴/۲۴ فتح القدير: ۳/۳۲۷ الدر المختار ۲/۹۰۱ بداية المجتهد ۲/۵۴ الشرح الصغير ۲/۷۳۴ مغنی المحتاج: ۳/۴۳۲ المهذب ۲/۱۶۲ المغنی ۷/۵۶۹ غاية المنتهى ۳/۲۳۴۔

خادم کا نفقہ اور اخراجات کپڑے اور طعام وغیرہ بیوی کے نفقہ کی طرح ہیں یہ حنابلہ کی رائے ہے البتہ شیشہ کنگھا تیل وغیرہ واجب نہیں چونکہ یہ چیزیں زینت وآرائش کی ہوتی ہیں۔ اور خادم کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

شافعیہ کا مذہب ہے کہ بیوی کی طرح خادم کا نفقہ بھی خاوند پر لازم ہے وہی طعام جو بیوی کو دے خادم کو دینا ضروری ہے تنگدست پر ایک مد مالدار پر ایک مد اور تہائی مد۔ البتہ اگر خاوند تنگدست ہو تو بیوی کے لئے خادم رکھنا اس پر واجب نہیں چونکہ خادم ضروری نہیں بلکہ جہاں تک ہو سکے عورت خود اپنی خدمت کرے۔

پانچواں واجب: آلہ تنظیف اور گھریلو ساز وسامان ...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ دایہ کی اجرت اور آلات تنظیف کا خرچہ واجب ہے [1] البتہ زیب وزینت کے آلات اور گھریلو ساز وسامان کے متعلق اختلاف ہے۔

حنفیہ ...... کہتے ہیں: خاوند پر آٹا پیسنے کا آلہ، توا، جگ، گلاس، کوزا، گھڑا، دیگچی چمچہ، گھریلو چٹائی، نمدہ، ٹاٹ دری وغیرہ واجب ہے، آلات تنظیف، میل صاف کرنے کی چیزیں جیسے کنگھی، صابن، اشنان، بیدی کے لئے تیل، خطمی وغیرھا رواج کے مطابق بھی واجب ہے پاؤں میں پہننے کی چپل خاوند پر واجب ہے، کپڑے اور بدن دھونے کا صابن وغیرہ اور غسل جنابت کے لئے پانی کا مہیا کرنا بھی خاوند پر واجب ہے رہی بات دایہ کی اجرت کی سو زوجین میں سے جس نے بھی دایہ اجرت پر لی ہو اس پر اس کی اجرت واجب ہے، اگر بلا اجرت دایہ آ جائے تو ایک قول کے مطابق اجرت خاوند پر واجب ہے چونکہ دایہ کا خرچہ جماع کے اخراجات میں سے ہے۔ دوسرا قول کہ عورت پر واجب ہے جیسے ڈاکٹر کا خرچہ عورت پر واجب ہے رہی بات خوشبو کی جو حیض کے بعد رکھی جاتی ہے تا کہ بد بو زائل ہو جائے سو وہ خاوند پر واجب ہے، رہی بات مہندی اور سرمہ کی سو وہ خاوند پر لازم نہیں بلکہ ان دو چیزوں کا خاوند کو اختیار ہے عورت کے لئے پھل اور قہوہ خاوند پر واجب نہیں۔

مالکیہ ...... کہتے ہیں: حسب حال اور علاقے کے عرف ورواج کے مطابق خاوند پر آلہ تنظیف واجب ہے چنانچہ پینے کا پانی، غسل اور کپڑے دھونے کا پانی ہاتھ منہ اور وضو کرنے کا پانی عورت کے لئے واجب ہے کھانے کا تیل اور لگانے کا تیل بھی عورت کے لیے خاوند پر واجب ہے۔

ایندھن کا انتظام کرنا جو حسب عرف ہو بھی خاوند پر واجب ہے کھانے کے لوازمات نمک مرچ، مسالے خاوند پر واجب ہیں، مالدار شخص پر ہفتہ میں ایک بار گوشت لانا واجب ہے ہر دن واجب نہیں، جبکہ فقیر پر حسب قدرت واجب ہے۔

خاوند پر دایہ کی اجرت واجب ہے چونکہ دایہ کی اجرت نومولود کے لوازمات میں سے ہے، گرمیوں، سردیوں کے موافق اوڑھنے بچھونے کے بستر چٹائی، وغیرہ بھی خاوند پر واجب ہے، عورت اپنا جہیز فروخت نہیں کر سکتی الا یہ کہ چار سال گزر جائیں اگر اوڑھنے بچھونے کے کپڑے بوسیدہ ہو جائیں تو ان کا متبادل لانا خاوند پر واجب ہے۔

زیب وزینت کی اشیاء کا انتظام کرنا بھی خاوند پر واجب ہے چونکہ ان اشیاء کے نہ ہونے کی وجہ سے عورت کو اذیت پہنچتی ہے یہ اشیاء جیسے سرمہ، تیل، مہندی، جس چیز کے نہ ہونے سے عورت کو اذیت پہنچتی ہو وہ خاوند پر واجب ہیں جیسے کنگھا، سرمچو اور بقیہ گھریلو اثاثہ۔

شافعیہ ...... کے نزدیک آلات تنظیف جیسے کنگھی، تیل، جھاڑو، صابن حمام کا کرایہ غسل جنابت اور غسل نفس کے پانی کی قیمت

---

[1] ...... الدر المختار ۸۹۳/۲ الشرح الصغیر ۷۳۳/۲ القوانین الفقہیۃ ۲۲۲، المہذب ۱۶۱/۲ مغنی المحتاج: ۴۷/۳ المغنی ۵۶۷/۷

خاوند پر واجب ہے اصح قول کے مطابق حیض اور احتلام کے غسل کے پانی کی اجرت خاوند پر واجب ہیں، کھانے پینے اور پکانے میں استعمال ہونے والے برتن خاوند پر واجب ہیں آٹا پیسنا، گوندنا، روٹی پکانا خاوند پر واجب ہے بیوی کے لیے بچھونوں کا انتظام کرنا خاوند پر واجب ہے اس کے علاوہ چٹائی، دری، قالین کا انتظام کرنا بھی خاوند پر واجب ہے، سر پر مہندی اور زیب وزینت کی اشیاء واجب نہیں، ہاں البتہ اگر خاوند زینب وزینت کا مطالبہ کرے تو پھر انتظام بھی اس پر واجب ہوگا رہی بات خوشبو کی سو اگر بدبو زائل کرنے کے لئے ہو تو خاوند پر واجب ہے۔

حنابلہ...... کے نزدیک کنگھی، صابن، سر میں لگانے کا تیل، سر، بدن اور گھر صاف کرنے کے آلات پینے اور وضو کرنے کے پانی کی قیمت حیض ونفاس جنابت کے غسل کے لئے پانی کی قیمت نجاست اور کپڑے دھونے کے لیے پانی کی اجرت بھی خاوند پر واجب ہے، اگر خاوند زیب وزینت کا مطالبہ کرتا ہو تو مہندی وغیرہ کی اجرت خاوند پر واجب ہوگی اگر خاوند زیب وزنیت کا مطالبہ نہ کرتا ہو تو سامان زینت بھی اس پر واجب نہیں، حیض ونفاس کی بدبو زائل کرنے کے لئے خوشبو کا انتظام کرنا خاوند پر واجب ہے، البتہ امور تلذذ وتجمل خاوند کے ذمہ واجب نہیں۔

سونے کے لئے جن کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ حسب عرف ورواج خاوند پر واجب ہیں دری، چٹائی، قالین وغیرہ بھی خاوند پر واجب ہے، یہ ساری چیزیں مالدار خاوند پر اس کی معاشی حالت کے مطابق واجب ہیں تنگدست پر بھی اسی کی حالت کے مطابق۔

نفقہ کے متعلق عدالتی فیصلہ...... دیانۃ بیوی کا نفقہ خاوند پر واجب ہوتا ہے اگر چہ زمانہ طویل گزر جائے لیکن سوریا کے قانون میں ہے کہ زمانہ ماضی کا نفقہ چار ماہ سے زائد کا خاوند پر دعویٰ کرنا ممنوع ہے قانون میں یہ شق اس لئے شامل کی گئی ہے تاکہ مرد کو سہولت ہو سوریا کے قانون میں دفعہ ۷۸ کے تحت اسی شق پر صراحت کی گئی ہے۔

۱...... جس تاریخ سے خاوند نے بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کیا ہو اس تاریخ سے بیوی کے حق میں نفقہ کا فیصلہ کیا جائے گا۔

۲...... زمانہ ماضی کے رہے ہوئے نفقہ کے متعلق چار ماہ سے زائد نفقہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

حنفیہ کی رائے...... ہے کہ عورت صرف دو صورتوں میں ماضی کے نفقہ کی مستحق ٹھہرتی ہے (۱) یا تو قاضی نے ماضی کا نفقہ مقرر کیا ہو جو خاوند کے ذمہ واجب ہو یا زوجین نے باہمی رضامندی ظاہری کی ہو چونکہ حنفیہ کے نزدیک نفقہ صلہ ہوتا ہے نہ کہ عوض چنانچہ نفقہ کا وجود عدالتی فیصلہ سے موکدہ ہوتا ہے جیسے ہبہ قبضہ سے موکد ہو جاتا ہے۔

عدالت کی طرف سے مقررہ نفقہ میں تبدیلی لانا صرف دو صورتوں میں جائز ہے۔ (۲)

اول...... یہ کہ خاوند کی معاشی حالت تبدیل ہو جائے مثلاً وہ قبل ازیں تنگدست تھا اور اب مالدار ہو گیا تو نفقہ میں تبدیلی کی جا سکتی ہے چونکہ تنگدستی اور مالداری کے حالات میں نفقہ بھی حسب حال واجب ہوتا ہے۔

دوم...... یہ کہ ضروریات زندگی کے نرخوں میں تبدیلی آجائے یعنی بازار میں اشیاء کی قیمت میں کمی آجائے یا گرانی آجائے چنانچہ ملکی حالات بدلنے سے اشیاء کے نرخوں میں بھی تبدیلی آجاتی ہے جیسے جنگ اور قحط کے زمانہ میں اشیاء کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہو جاتا ہے تاہم اگر ایسے حالات پیدا نہ ہوں تو عدالت کی طرف سے مقرر نفقہ میں تبدیلی کی درخواست قابل سماعت نہیں ہوگی الا یہ کہ مقررہ نفقہ کو چھ ماہ گزر جائیں چونکہ چھ ماہ سے کم مدت میں اشیاء کی قیمتوں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔

---

(۱)...... فتح القدیر ۳/۳۳۲، الدر المختار ۲/۹۰۶ (۲) فتح القدیر: ۳/۳۳۱ الدا لمختار ۲/۹۰۵۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۷۷ کے تحت اسی پر صراحت کی گئی ہے۔

ا..... خاوند کی معاشی حالت تبدیل ہو جانے کی صورت میں بیوی کے نفقہ میں کمی پیشی کرنا جائز ہے۔

عدالت کی طرف سے مقرر شدہ نفقہ میں کمی زیادتی کا دعویٰ چھ ماہ گذرنے سے قبل قابل سماعت نہیں ہوگا الا یہ کہ کڑے حالات پیش آ جائیں۔

قاضی نفقہ کیسے مقرر کرے؟...... قاضی ضروریات زندگی بیوی کی ضروریات خاوند کی معاشی حالت، اشیاء کی قیمتوں کو سامنے رکھ کر نفقہ کے بارے میں حکم صادر کرے بلکہ تجربہ کار لوگوں سے مدد لے اور ماہرین سے رائے لے، سوریا کے قانون میں دفعہ ۸۱ کے تحت اسی کی صراحت کی گئی ہے۔

دوران دعویٰ کا قرضہ...... جس عرصہ میں عدالت میں مقدمہ چل رہا ہو اس عرصہ میں قاضی خاوند کو حکم دے کہ وہ بیوی کو ایک اندازے کے مطابق رقم بطور قرض دے، یہ رقم ایک ماہ کے نفقہ سے زائد نہ ہو سوریا کے قانون دفعہ ۸۲ میں اسی پر صراحت کی گئی ہے۔

چوتھا مقصد: نفقہ زوجیت کے احکام...... اس مقصد کے ذیل میں بیوی کے نفقہ کے متعلق مختلف الانواع احکام ہیں، ان میں سے اہم حسب ذیل ہیں۔

اول: بیوی کو خرچہ نہ دینے کا حکم...... جب خاوند نے بیوی کے نفقہ کا وجوب اپنے ذمہ لے لیا ہو یا قاضی نے خاوند کو حکم سنایا ہو اس کے بعد خاوند بیوی کو نفقہ دینے سے انکار کرے تو اس میں حنفیہ کے نزدیک تفصیل ہے۔

ا..... اگر خاوند مالدار ہو اور اس کے پاس بظاہر مال موجود ہو تو قاضی خاوند کے مال کو جبراً فروخت کروا دے اور حاصل شدہ قیمت بیوی کو نفقہ کی مد میں دے اگر بظاہر خاوند کے پاس مال نہ ہو لیکن ہو مالدار تو قاضی بیوی کے مطالبہ پر خاوند کو حوالات میں بند کروا دے [1] کیونکہ ارشاد نبوی ہے مالدار آدمی کی ٹال مٹول ظلم ہے اس کی آبرو اور سزا حلال ہو جاتی ہے۔ خاوند کو قید و بند میں رکھا جائے تاوقتیکہ بیوی کا نفقہ دے اور اگر خاوند نفقہ نہ دے قاضی کو بھی خاوند کا عاجز ہونا متحقق ہو جائے تو اسے رہا کر دے تاوقتیکہ اس کے پاس مال آ جائے، کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ البقرۃ:۲/۲۸۰

اور اگر خاوند تنگدست ہو تو اسے مہلت دینا ہے ہاتھ کھلا ہونے تک۔

ب..... اگر خاوند تنگدست ہو تو اسے قید میں نہ رکھا جائے چونکہ وہ ظالم نہیں نیز اسے حوالات میں رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

دوم: خاوند کا تنگدستی کی وجہ سے نفقہ نہ دینا...... خاوند کے تنگدست ہو جانے کے بارے میں فقہاء کی مختلف آراء ہیں جو حسب ذیل ہیں: [2]

جمہور (مالکیہ کے علاوہ) خاوند پر عائد کیا گیا نفقہ اس کے تنگدست ہو جانے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ تا فراخی نفقہ اس پر دین (قرضہ) ہوگا چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ اگر وہ تنگدست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دینا ہے۔ البقرۃ:۲/۲۸۰

---

[1] البدائع ۴/۳۸ [2] الدر المختار ۲/۹۰۳ فتح القدیر ۳/۳۲۹ الشرح الکبیر مع الدسوقی ۲/۵۱۷ المہذب وتکملۃ المجموع ۱۷/۱۰۸ کشاف القناع ۵/۵۵۲ المغنی ۷/۵۷۳۔

ایسی حالت میں حنفیہ کے نزدیک قاضی بیوی کو اجازت دے کہ وہ قرضہ لیتی رہے اگر چہ خاوند قرضہ سے انکار کرتا ہو۔قرضہ لینے کی اجازت کا فائدہ یہ ہے کہ قرض دہندہ خاوند یا بیوی سے بعد میں قرضہ وصول کر سکے یہ کہ قرضہ لیا ہوا نفقہ زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے ساقط نہیں ہوتا خاوند پر بیوی کے علاوہ جن افراد کا نفقہ واجب ہو اس کے لیے قرضہ لینا بیوی پر واجب ہے اگر خاوند قرضہ سے انکار کرتا ہو تو قاضی خاوند کو ڈانٹ ڈپٹ کے بعد قید کرنے کا حکم دے۔

حنفیہ کے نزدیک خاوند کے تنگدست ہونے کی وجہ سے زوجین کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی چونکہ قاضی کے حکم سے نفقہ خاوند کے ذمہ قرضہ ہوتا رہے گا گویا اعلیٰ ضرر کے مقابلے میں ادنیٰ ضرر برداشت کیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کے نزدیک اگر خاوند تنگدست ہو جائے اور تنگدستی کا نفقہ بھی ادا نہ کر سکتا ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا، اگر خاوند تنگدستی کی حالت سے زائد نفقہ دینے سے قاصر ہو تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، چونکہ زائد مقدار تنگدستی کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہے، فسخ نکاح کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کا نفقہ نہیں پاتا تھا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا میاں بیوی دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے [1] حضرت ابوہریرہؓ رضی اللہ عنہ سے ایک اور حدیث نسائی نے روایت کی ہے جس میں ہے ان لوگوں پر خرچ کرنے کی ابتداء کرو جن کا نفقہ تمہارے اوپر واجب ہے عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! مجھ پر کس کا نفقہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا: تمہاری بیوی کا جو کہتی ہے مجھے کھانا دو ورنہ طلاق دے دو۔

عقلی دلیل یہ ہے کہ حسن معاشرت اور معروف طریقے سے بیوی کو اپنے پاس روکے رکھنا خاوند پر واجب ہے لیکن خاوند معروف طریقے سے بیوی کو اپنے پاس رکھنے سے عاجز آ گیا ہے لہٰذا قاضی نائب کی حیثیت سے زوجین کے درمیان تفریق کر دے جیسے مقطوع الذکر یا نامرد ہونے کی صورت میں قاضی زوجین کے درمیان تفریق کر دے بلکہ تنگدستی کی حالت میں تو بطریق اولی تفریق کی جائے چونکہ نفقہ کی حاجت بطریق اولی پیش آتی ہے اگر خاوند وطی سے عاجز ہو تو اس میں ضرر کم ہے بایں ہمہ عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے جبکہ نفقہ دینے سے جب خاوند عاجز ہو تو اس صورت مٰیں ضرر زیادہ ہے لہٰذا بطریق اولی نفقہ نہ ملنے کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: خاوند کے تنگدست ہونے کی مدت کا نفقہ ساقط ہو جائے گا گویا تنگدستی کے عرصے کا نفقہ خاوند کو لازم نہیں ہوگا، اور خاوند پر قرضہ (دین) نہیں ہوگا جب خاوند کا ہاتھ کھل جائے (فراخی ہو جائے)

تو عورت خاوند پر رجوع نہیں کرے گی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ......الطلاق ۶۵/ ۷

اللہ نے کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا مگر اتنا ہی جتنا اسے دے رکھا ہے۔

تنگدست نفقہ دینے سے عاجز ہوتا ہے اور تنگدستی کے عرصہ میں عورت اپنے اوپر جو کچھ خرچی کرتی ہے وہ تبرع میں چلا جاتا ہے، اگر خاوند کی حالت فراخ ہو جائے تو بیوی کا نفقہ اس پر واجب ہو جائے گا۔

حکم: قانونی......مصر کے قانون اقدامات شرعیہ کے دفعہ ۲۱۳ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ جب خاوند عدالت کی طرف سے عائد نفقہ دینے سے انکار کرے تو عدالت اسے قید کرنے کا حکم صادر کرے قید کی مدت بیس (۲۰) دنوں سے زیادہ نہ ہو اگر خاوند واجب نفقہ

---

[1]......اخرجہ الدارقطنی والبیھقی واعلہ ابوحاتم ولکن للحدیث شواھد عن سعید بن المسیب عند سعید بن المنصور والشافعی وعبدالرزاق وھذا مرسل قوی۔

ادا کر دے تو اسے رہا کر دیا جائے یا خاوند کفیل (ضامن) دے تو بھی اسے چھوڑ دیا جائے گا سوریا کے قانون دفعہ ۸۰ کے تحت درج ذیل وضاحت کی گئی ہے۔

۱...... جب بیوی کے حق میں خاوند کے خلاف نفقہ کا حکم صادر ہو جائے جبکہ خاوند نفقہ کے حصول سے قاصر ہو تو کسی ایسے شخص کو پابند کیا جائے گا جو عورت کا نفقہ مقررہ مقدار کے مطابق ادا کر سکے خرچ کنندہ کو حق حاصل ہے کہ جتنا نفقہ عورت کو دیا ہو اس کے بقدر خاوند سے واپس لے۔

۲...... اگر کسی ایسے شخص سے قرضہ لینے کی عورت کو اجازت دے دی جائے جس پر عورت کا نفقہ لازم ہوتا ہو تو اس شخص کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ عورت سے واپس لے یا خاوند سے لے۔ اگر عورت سے خرچہ واپس لیا ہو تو عورت خاوند پر رجوع کرے۔

دونوں صورتوں میں فرق اس لیے ہے کہ اگر کسی ایسے شخص کو عورت پر خرچ کرنے کا پابند کیا جائے جو عورت کا قریبی رشتہ دار ہو مثلاً بھائی، باپ یا دادا تو وہ عورت کو خرچہ دے اور پھر خاوند کے پاس مال آ جائے تو وہ خاوند سے واپس لے، جبکہ دوسری صورت میں اگر کسی ایسے شخص سے قرضہ لینے کی اجازت دی گئی ہو جس پر عورت کا نفقہ لازم نہ ہوتا ہو تو اسے رجوع کرنے میں اختیار حاصل ہوگا خواہ خاوند سے واپس لے یا عورت سے۔

سوم: غائب شخص کی بیوی کا نفقہ...... غائب کون ہے: غائب وہ شخص ہے جس پر نفقہ کا دعویٰ کیا گیا ہو اور اسے انکوائری کے لیے عدالت میں حاضر کرنا دشوار ہو خواہ وہ کہیں دور ہو یا قریب ہو، آیا کہ اس خاوند پر نفقہ واجب قرار دینے کی کیفیت کیا ہوگی سو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ❶

جمہور...... کا مذہب ہے کہ ماضی کا نفقہ غائب خاوند پر واجب ہوگا اگرچہ حاکم نے حکم نہ بھی صادر کیا ہو یہ نفقہ خاوند کے ذمہ دین (قرضہ) ہوگا۔

امام ابوحنیفہ...... کہتے ہیں ماضی کا نفقہ صرف حاکم (قاضی) کے حکم سے واجب ہوتا ہے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیویوں سے غائب ہونے والے مردوں کے بارے میں خط لکھا، آپ نے انھیں حکم دیا کہ اپنی بیویوں کو نفقہ دو ورنہ انھیں طلاق دے دو اس سے معلوم ہوا کہ جب خاوند بیوی کو خرچہ دینے سے انکار کرے تو اسے طلاق پر مجبور کیا جائے نیز خاوند کے مال سے عورت کو خرچہ دینا دشوار ہے لہذا عورت کو خیار حاصل ہوگا جیسے تنگدستی کی حالت میں بلکہ انکار کی صورت میں تو بطریق اولی نکاح فسخ کیا جائے گا جب معذور کے خلاف فسخ نکاح جائز ہے تو غیر معذور پر بطریق اولی جائز ہوگا نیز عورت کو صبر کروانے میں شدید ضرر ہے اور فسخ کے ذریعہ ضرر کا ازالہ ممکن ہے۔

حنفیہ...... کی رائے: غائب شخص کے مال میں بیوی، نابالغ اولاد اور والدین کے علاوہ کسی اور کے حق میں نفقہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، جبکہ دوسرے محارم جیسے بھائی بہنیں، چچاؤں اور پھوپھیوں کے حق میں غائب کے مال سے نفقہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

اگر خاوند غائب ہو اور بیوی عدالت میں جا کر قاضی سے مطالبہ کرتی ہو کہ اس کے لئے نفقہ مقرر کیا جائے چنانچہ اگر خاوند کا ظاہری مال ہو جس سے بیوی کا نفقہ دیا جا سکتا ہو تو قاضی اس ظاہری مال سے بیوی کے نفقہ کا فیصلہ کرے فیصلہ سے پہلے قاضی عورت سے قسم لے

❶ فتح القدير ٣/٣٣٦ الدر المختار ٢/٩١٦ بداية المجتهد ٢/٥٥ الشرح الصغير ٢/٧٤٥ المهذب ٢/١٦٣ مغني المحتاج ٣/٣٣٦ المغني ٧/٥٦٧ غاية المنتهى ٣/٢٣٦.

کہ خاوند نے اسے نفقہ نہیں دیا چونکہ قسم دینے میں غائب شخص کی رعایت ہے حنفیہ اور شافعیہ کی رائے کے مطابق عورت سے کفیل (ضامن) لیا جائے گا چونکہ بسا اوقات عورت نفقہ لے چکی ہوتی ہے یا خاوند نے اسے طلاق دی ہوتی ہے اور اس کی عدت بھی پوری ہو چکی ہوتی ہے، اس لئے ضامن لینے میں خاوند کی رعایت رکھی گئی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک قاضی عورت کو یوں بھی قسم دے کہ وہ غائب خاوند پر نفقہ کا حق رکھتی ہے اور خاوند نے اس کے لئے مال نہیں چھوڑا جسے وہ خرچ کرے اور نہ ہی کسی اور کو وکیل مقرر کیا ہے جو عورت پر خرچ کرے اس قسم کو اصطلاح میں یمین استیثاق کہا جاتا ہے۔

اگر غائب خاوند کا ظاہری مال نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک قاضی خاوند کی تنگدستی کی وجہ سے بیوی کو طلاق نہیں دلوا سکتا چونکہ تنگدستی کی وجہ سے طلاق کی گنجائش نہیں ہوتی برابر ہے کہ خاوند حاصر ہو یا غائب۔

جمہور (غیر حنفیہ) کی رائے......خاوند اگر تنگدست ہو تو قاضی بیوی کو طلاق دلوا سکتا ہے، خواہ خاوند حاضر ہو یا غائب البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر خاوند غائب ہو اور قریب ہو تو اسے حکمنامہ ارسال کیا جائے گا کہ یا تو خود آ جائے یا نفقہ بھیجے یا بیوی کو طلاق دے اور اگر دور ہو مثلاً دس دن کی مسافت پر ہو اور بیوی کے خرچہ کے لئے کوئی چیز نہ چھوڑی ہو اور نہ ہی کسی کو وکیل بنایا ہو تو قاضی عورت کو طلاق دلوائے عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا عورت سے مذکورہ امور پر حلف لیا جائے گا۔

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت نے اپنے غائب خاوند کے مال سے خرچہ لیا پھر معلوم ہوا کہ اس کا خاوند تو مر چکا ہے تو عورت جو نفقہ لے گی وہ اس کے حصہ میراث میں سے شمار ہوگا برابر ہے کہ عورت نے اپنے تئیں خرچہ لیا ہو یا قاضی کے حکم سے خرچہ لیا ہو❶

چہارم: خاوند پر نفقہ کب دین ہوگا......قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ عقد کے بعد عورت جب خاوند کو اپنے نفس پر اختیار دے دیتی ہے تب سے عورت کا نفقہ بالاتفاق خاوند پر واجب ہوتا ہے مالکیہ نے وجوب نفقہ کی یہ شرط لگائی ہے کہ دخول سے پہلے عورت دعوت دخول دے یا ولی مجبر دعوت دے۔

لیکن فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کس وقت نفقہ خاوند پر دین ہوگا؟ اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔❷

حنفیہ......کہتے ہیں: خاوند کے ذمہ نفقہ یا تو قاضی کے حکم سے دین ہوتا ہے یا باہمی رضامندی سے چنانچہ اگر قاضی نے حکم صادر نہ کیا ہو اور زوجین نے رضامندی بھی نہ کی ہو تو نفقہ خاوند کے ذمہ دین نہیں ہوگا، اگر عقد کے بعد عورت نے اپنے اوپر اپنے ہی مال سے خرچ کیا یا دین لے کر خرچ کیا تو یہ نفقہ خاوند کے ذمہ دین (قرضہ) نہیں ہوگا بلکہ مدت گزرنے سے ساقط ہو جائے گا، ہاں البتہ مہینہ سے کم کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا۔ اگر نفقہ پر قاضی کا فیصلہ صادر ہو جائے یا زوجین کی باہمی رضامندی ہو جائے تو نفقہ ایسا جامد اور قوی دین نہیں بن جاتا کہ پھر ادائیگی اور ابراء کے بغیر ساقط ہی نہ ہو بلکہ یہ نفقہ دین ضعیف ہوتا ہے ان امور سے بھی ساقط ہو جاتا ہے جن سے دین قوی ساقط ہوتا ہے جیسے ادائیگی یا ابراء۔ نیز یہ دین نشوز اور زوجین میں سے کسی ایک کی موت سے بھی ساقط ہو جاتا ہے، چنانچہ نفقہ خاوند کے ذمہ دین اسی وقت ہوگا جب خاوند یا قاضی بیوی کو دین لینے کی اجازت دے دے اور عورت بالفعل دین (قرضہ) لے بھی۔

---

❶......المغنی ۷/۵۷۹ ❷الدر المختار ۲/۹۰۲ فتح القدیر: والعنایۃ ۳/۳۳۲ الشرح الصغیر ۲/۷۴۳ مغنی المحتاج: ۳/۴۴۲ المغنی ۷/۵۷۸۔

حنفیہ کی دلیل...... یہ ہے کہ نفقہ زوجیت ایک طرح سے صلہ یعنی بلاعوض عطا ہے اور ایک طرح سے عوض ہے، صلہ اس اعتبار سے ہے کہ احتباس کے منافع میاں بیوی دونوں پر لوٹتے ہیں صرف ایک خاوند پر نہیں لوٹتے، عوض اس اعتبار سے ہے کہ نفقہ بیوی کے احتباس (خاوند کے گھر میں رکنے) کی جزاء (بدلہ) ہے، اگر صلہ ہونے کے اعتبار سے نفقہ کو دیکھا جائے تو قاضی کے حکم اور زوجین کی رضامندی کے بغیر مدت کے گزر جانے سے نفقہ ساقط ہو جانا چاہئے جیسے قریبی رشتہ داروں کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے، جب کہ اگر عوض ہونے کے اعتبار سے نفقہ قاضی کے فیصلہ اور باہمی رضامندی سے دین بن جاتا ہے۔

جمہور...... کہتے ہیں: نفقہ محض وجوب اور خاوند کے انکار کرنے سے دین قوی بن جاتا ہے، بقیہ دیون کی طرح یہ دین بھی یا تو ادائیگی سے ساقط ہوتا ہے یا ابراء سے ساقط ہوتا ہے، مدت گزرنے سے ساقط نہیں ہوتا، بیوی کے نشوز، طلاق اور موت سے ماضی کا جامد نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نفقہ عوض ہے، صلہ اور عطاء نہیں۔ شارع نے بیوی کے احتباس کے مقابلہ میں مقتضائے عقد کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، جب نفقہ عوض محض ہے تو وہ ذمہ میں بقیہ دیون کی طرح دین ہوگا، استحقاق کے وقت ذمہ میں واجب ہوگا۔
سوریا کے قانون دفعہ ۷۹ کے تحت حنفیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے اور مصر کی شرعی عدالت میں ۱۹۲۰ میں اسی کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

پنجم: معتدہ کا نفقہ...... بیوی کے حقوق کے ذیل میں حکم کا بیان گزر چکا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔
مطلقہ رجعیہ کا نفقہ بالاتفاق خاوند کے ذمہ واجب ہے، چونکہ طلاق رجعی میں عورت بیوی کے حکم میں ہوتی ہے، حاملہ عورت کا نفقہ بھی طلاق دہندہ خاوند کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔
چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ ......الطلاق ۶۵/ ۶

اگر طلاق یافتہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو تاوقتیکہ حمل وضع کردیں۔

معتدہ بیوہ، نکاح فاسد اور نکاح شبہ کی عورت کا نفقہ بالاتفاق واجب نہیں۔ البتہ مالکیہ نے معتدہ بیوہ کے لئے عرصہ عدت میں سکنی واجب قرار دیا ہے بشرطیکہ مکان خاوند کی ملکیت ہو یا اجرت پر لیا ہو اور اجرت پیشگی دے دی ہو۔
معتدہ مطلقہ بائنہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ نے تینوں انواع کا نفقہ اس عورت کے لئے واجب قرار دیا ہے چونکہ وہ خاوند کے حق کے لئے رکی رہتی ہے، ❶ حنابلہ نے اس کا نفقہ واجب قرار نہیں دیا، ❷ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ بنت قیس کے لئے نفقہ اور سکنی نہیں رکھا۔ مالکیہ اور شافعیہ نے درمیانی راہ اختیار کی ہے، ❸ چنانچہ انہوں نے اس عورت کے لئے صرف سکنی واجب قرار دیا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ ......الطلاق ۶۵/ ۶

اپنی حیثیت کے مطابق جہاں تم ٹھہرتے ہو وہیں ان عورتوں کو ٹھہراؤ۔

حمل کا نفقہ...... مالکیہ نے حمل کا نفقہ باپ پر واجب قرار دیا ہے ❹ بشرطیکہ حمل اور اس کا باپ آزاد ہوں چنانچہ غلام کے حمل کا نفقہ نہیں اور ملاعنہ کے حمل کا بھی نفقہ نہیں۔

---

❶......الدر المختار ۲/ ۹۲۱۔ ❷غاية المنتهى ۳/ ۲۳۶، المغني ۷/ ۶۰۶، كشاف القناع ۵/ ۵۳۸۔ ❸الشرح الصغير ۲/ ۷۳۰، المهذب وتكملة المجموع ۱۷/ ۱۷۔ ❹الشرح الصغير ۲/ ۷۴۳۔

اس ضمن میں شافعیہ اور حنابلہ کی دو آراء ہیں۔ ❶

اول...... یہ کہ حمل کے لئے نفقہ واجب ہے چونکہ حمل کے وجود کی وجہ سے نفقہ واجب ہوتا ہے اور انفصال کے وقت ساقط ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حمل کے لئے نفقہ ہوگا۔

دوم...... حمل کی وجہ سے حاملہ عورت کے لئے نفقہ واجب ہے چونکہ فراخی اور تنگدستی میں بھی نفقہ واجب ہوتا ہے لہٰذا حمل کے لئے نفقہ واجب ہوگا۔ جیسے بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

نیز غیر حنفیہ کے نزدیک وقت اور مدت گزرنے سے نفقہ ساقط نہیں ہوتا لہٰذا حمل کی ماں کے نفقہ کے مشابہ ہے۔

حکم قانون...... سوریا کے قانون میں عدت کے نفقہ پر صراحت کی گئی ہے۔

دفعہ ۸۳ میں ہے کہ جو عورت طلاق، تفریق یا فسخ کے بعد عدت میں ہو اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہے۔

دفعہ ۸۴ میں ہے کہ عدت کا نفقہ بھی ایسا ہی ہوگا جیسے زوجیت کا نفقہ ہوتا ہے، جس تاریخ سے عدت واجب ہوئی ہو اسی تاریخ سے نفقہ کے وجوب کا حکم لگایا جائے گا اور عرصہ نو ماہ سے زائد نفقہ نہیں ہوگا۔

ششم: پیشگی نفقہ دے دینا...... اگر خاوند بیوی کو پیشگی نفقہ دے دے پھر ایسے حالات پیش آ جائیں جن کی وجہ سے نفقہ ساقط ہو جاتا ہے جیسے عورت کا نشوز، زوجین میں سے کسی ایک کا مر جانا، تاہم خاوند یا اس کے ورثہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ ❷ کے نزدیک پیشگی نفقہ واپس نہیں لے سکتے۔ چونکہ نفقہ صلہ اور عطاء ہے یا ہبہ ہے جب کہ زوجیت رجوع ہبہ کے مانع ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور بقیہ ائمہ کہتے ہیں...... خاوند بقیہ مدت کا نفقہ بیوی سے واپس لے سکتا ہے، اگر نفقہ بیوی نے خرچ کر دیا ہو سو اگر مثلی ہو تو اس کی مثل لے اور اگر قیمی ہو تو قیمت لے چونکہ نفقہ عوض ہے اور بیوی کے احتباس کی جزا (بدلہ) ہے لہٰذا اس مدت کے مقابلہ میں جو نفقہ لیا اس میں احتباس ثابت نہ ہوا سے واپس کرنا بیوی کے لئے ضروری ہے، میرے نزدیک یہ رائے راجح ہے، چونکہ نفقہ عوض ہے صلہ یا ہبہ نہیں۔ ❸

ہفتم: نفقہ سے بری الذمہ قرار دینا...... ابراء (بری الذمہ قرار دینا) یا تو ماضی کے نفقہ سے ہوگا یا مستقبل کے نفقہ سے۔ ❹

الف...... اگر ابراء ماضی کے نفقہ سے ہو یعنی گذشتہ چار پانچ ماہ کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب تھا بیوی نے خاوند کو اس نفقہ سے بری الذمہ کر دیا تو حنفیہ کے نزدیک بیوی کا ابراء صحیح ہے۔

بشرطیکہ نفقہ قاضی کے حکم یا زوجین کی باہمی رضامندی سے طے پایا ہو، چونکہ قاضی کے حکم اور زوجین کی رضامندی سے نفقہ خاوند کے ذمہ میں دین بن جاتا ہے اور بیوی اس دین سے خاوند کو بریٔ الذمہ کر سکتی ہے، جس نفقہ کے متعلق قاضی کا فیصلہ یا زوجین کی باہمی رضامندی نہ ہوئی ہو وہ خاوند کے ذمہ دین نہیں بنتا لہٰذا اس نفقہ سے بیوی خاوند کو بریٔ الذمہ بھی نہیں کر سکتی۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں: ذمہ میں واجب نفقہ سے بریٔ الذمہ کرنا درست ہے چونکہ ذمہ میں واجب نفقہ دین ہوتا ہے اور محض خاوند کے

---

❶...... المغنی ۷/۶۰۸۔ ❷ البدائع ۴/۳۸، فتح القدیر ۳/۳۳۳۔ ❸ تاہم خاوند کی مردانگی اور اس کا مقام نفقہ کی واپسی کے مطالبہ میں مانع ہے، معاشرہ میں اسی کا رواج ہے۔ ❹ البدائع ۴/۱۶، الدر المختار وحاشیة ابن عابدین ۲/۸۹۹، المغنی ۷/۶۱۰، الاحوال الشخصیة للاستاذ زکی الدین شعبان ص ۳۳۹۔

انکار سے دین بن جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے ابراء صحیح ہے خواہ قاضی نے اس کا حکم دیا ہو یا باہمی رضامندی سے طے پایا ہو یا قاضی کا حکم اور زوجین کی رضامندی نہ ہوئی ہو۔

ب.....اگر ابراء مستقبل کے نفقہ سے ہو تو بالاتفاق صحیح نہیں چونکہ جو نفقہ ابھی تک ذمہ میں واجب نہیں ہوا وہ ابراء کو قبول نہیں کرتا۔
لیکن دو صورتوں میں حنفیہ نے مستقبل کے نفقہ سے ابراء کو جائز قرار دیا ہے۔

اول......ایسی مدت کے نفقہ سے بری الذمہ کرنا کہ اس مدت کی بالفعل ابتدا ہو چکی ہو جیسے ابتدا ہو جانے والے مہینے کا نفقہ، شروع ہو جانے والے سال کا نفقہ، ایک سال سے زائد کے نفقہ سے بریٔ الذمہ نہیں کیا جا سکتا، ایسے سال کے نفقہ سے بھی خاوند کو بریٔ الذمہ نہیں کیا جا سکتا جو ابھی داخل نہ ہوا ہو۔

دوم......خلع یا طلاق کے مقابلہ میں عدت کے نفقہ سے خاوند کو بری الذمہ کر دینا چونکہ نفقہ سے ابراء عوض کی نظیر ہے اور نفقہ کی مالک بیوی ہوتی ہے چنانچہ خلع اور طلاق کے علاوہ ابراء صحیح نہیں چونکہ ابراء کسی شے کے وجوب سے قبل اسقاط ہے۔

ہشتم: دین نفقہ کے بدلہ میں مقاصہ کر لینا......اگر بیوی کے ذمہ خاوند کا کوئی مال ہو خواہ خاوند نے بیوی کو کوئی چیز فروخت کی ہو یا بیوی کو قرضہ دیا ہو، تو کیا خاوند کا یہ مال بیوی کے دین نفقہ کے بدلہ میں ساقط ہو جائے گا؟ اسی ادلہ بدلہ میں ساقط ہونے کو مقاصہ کہا جاتا ہے۔

حنفیہ...... کہتے ہیں اگر نفقہ دین قوی ہو (دین قوی وہ ہوتا ہے جو قاضی کے حکم یا زوجین کی باہمی رضامندی سے طے ہوا ہو) تو زوجین میں سے ایک مقاصہ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ دوسرا فریق مقاصہ سے انکار نہیں کر سکتا چونکہ قوت میں دونوں دیون برابر ہیں۔
البتہ اگر نفقہ دین ضعیف ہو تو خاوند کے مطالبہ سے مقاصہ کرنا صحیح ہوگا چونکہ خاوند کا دین بیوی کے دین کی بنسبت قوی ہے، بیوی مقاصہ سے انکار نہیں کر سکتی، اس صورت میں بیوی مقاصہ کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہاں البتہ خاوند راضی ہو تو صحیح ہے۔
جمہور...... کی رائے ہے کہ وہ نفقہ جو خاوند کے ذمہ دین ہو جائے وہ دین صحیح ہوتا ہے اور وہ صرف ادائیگی یا ابراء سے ساقط ہوتا ہے برابر ہے کہ قاضی نے مقرر کیا ہو یا زوجین نے باہمی رضامندی سے طے کیا ہو چنانچہ نفقہ کے دین کا مقاصہ مطلقاً صحیح ہے چونکہ دونوں دیون قوت میں مساوی ہوتے ہیں۔

نہم: نفقہ کی کفالت (ضمانت)......حنفیہ کے نزدیک قاضی کے فیصلہ یا زوجین کی باہمی رضامندی سے قبل نفقہ کی کفالت صحیح نہیں چونکہ مکفول بہ یعنی نفقہ کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ ذمہ میں دین صحیح ہو اور خاوند کے ذمہ میں نفقہ قاضی کے فیصلہ یا زوجین کی رضامندی سے دین ہوتا ہے، لیکن قضاء یا باہمی رضامندی سے قبل حنفیہ نے استحساناً کفالت جائز قرار دی ہے تاکہ لوگوں کے لئے آسانی رہے اور عورت کو اپنا حق وصول کرنے میں مدد ملے۔
جمہور کے نزدیک نفقہ کی کفالت صحیح ہے چونکہ نفقہ عقد ہونے کے بعد تمکین سے واجب ہو جاتا ہے اور خاوند کے ذمہ دین صحیح ہوتا ہے۔ مصر کی عدالتوں میں اسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔

سفر کی وجہ سے نفقہ کی کفالت......حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ امام ابو یوسف کا قول ہے وہ یہ کہ اگر خاوند سفر پر جا رہا ہو تو عورت

اپنے نفقہ کا کفیل (ضامن) خاوند سے لینے کا حق رکھتی ہے۔اور اگر عورت کو خاوند کے غائب ہونے کی مدت کا علم نہ ہو تو وہ ایک ماہ کے نفقہ کا کفیل دے اور اگر عورت کو معلوم ہو کہ اس کا خاوند ایک ماہ سے زائد مدت کے لئے عنقریب غائب ہو جائے گا تو عورت متوقع مدت کے بقدر کفیل (ضامن) لے۔

مالکیہ کہتے ہیں......جتنی مدت خاوند غائب رہے اس مدت کے نفقہ کا عورت کو ضامن دے جو عورت کو یومیہ حساب سے یا مہینہ وار نفقہ دیتا رہے۔

ماضی اور مستقبل کے نفقہ کی کفالت......حنابلہ نے ماضی اور مستقبل کے نفقہ کی ضمانت جائز قرار دی ہے۔شافعیہ کے نزدیک صرف ماضی کے نفقہ کی ضمانت جائز ہے، مستقبل کے نفقہ کی ضمانت جائز نہیں چونکہ مستقبل کا نفقہ ابھی واجب نہیں ہوا چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے کہ نفقہ عقد سے واجب نہیں ہوتا بلکہ تمکین سے واجب ہوتا ہے، یہ صحیح ہے چونکہ اگر عقد نکاح سے نفقہ واجب ہوتا تو عورت کو نفقہ کے مطالبہ کا حق حاصل ہوتا جیسے مہر کا حق حاصل ہوتا ہے، جب کہ عقد سے مہر واجب ہوتا ہے اور عقد دو مختلف عوضوں کو واجب نہیں کرتا نیز نفقہ مجہول ہوتا ہے اور عقد مجہول مال کو واجب نہیں کرتا۔ ❶

دہم: نفقہ کے متعلق صلح کر لینا......حنفیہ کہتے ہیں: ❷ بسا اوقات نفقہ پر صلح نفقہ کی مقدار مقرر کرنے کے واسطے ہوتی ہے جیسے مال کی ایک مقدار پر صلح کر لی جائے قضا یا باہمی رضا مندی سے قبل یا بعد، اس وقت مقدار میں اضافہ کرنا جائز ہے اور کمی کرنا بھی جائز ہے چونکہ اشیاء کے نرخوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اگر خاوند کہے کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تو جس مقدار پر صلح ہو وہ اسے لازم ہوگی اور اس کی بات کی طرف کسی حال میں توجہ نہیں دی جائے گی، ہاں البتہ جب طعام کے نرخ میں تبدیلی واقع ہو جائے اور قاضی جانتا ہو کہ جس مقدار پر صلح ہوئی ہے۔اس سے کم مقدار عورت کے لئے کافی ہو سکتی ہے تو اس صورت میں قاضی عورت کے لئے بقدر کفایت نفقہ مقرر کر دے۔

بسا اوقات صلح معاوضہ ہوتی ہے جیسے ساز و سامان یا زمین پر صلح کر لینا، اگر قاضی کے حکم سے یا باہمی رضا مندی سے نفقہ کی ایک مقدار متعین کر دی گئی ہو تو اس میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں۔

دوسری بحث: اولاد کا نفقہ

......اس بحث میں چار مقاصد بیان کئے جائیں گے۔

اول......اولاد پر خرچہ کرنے کا وجوب اور اولاد کی تعیین۔

دوم......شرائط وجوب۔

سوم......اولاد کا نفقہ کس پر واجب ہے۔

چہارم......اولاد کے نفقہ کی مقدار اور نفقہ کا دین ہو جانا، سقوط نفقہ اور پیشگی نفقہ۔

پہلا مقصد: اولاد پر خرچ کرنے کا وجوب اور اولاد کی تعیین......اولاد کا نفقہ واجب ہے۔چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

---

❶......المغنی ۷/۵۷۸، المہذب ۲/۱۶۴، مغنی المحتاج ۳/۴۳۵۔ ❷الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین ۲/۹۰۵۔

یعنی جس باپ کی اولاد ہو اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہے، جیسے باپ پر اس کی بیوی کا نفقہ واجب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہند سے فرمایا تھا۔ ''اتنا مال لے سکتی ہے جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو۔'' حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی اور اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے۔ ترتیب نفقہ کے متعلق حدیث قبل از گزر چکی ہے کہ اپنے اوپر خرچ کرو، پھر نابالغ اولاد پر، پھر اپنے اہل خانہ پر پھر اپنی بالغ اولاد پر پھر خادم پر۔

جمہور فقہاء کے نزدیک جس اولاد کا نفقہ واجب ہے وہ انسان کی براہِ راست اولاد اور اولاد کی اولاد ہے ❶ اگر چہ نیچے چلے جاؤ، چنانچہ دادا پر پوتوں کا نفقہ واجب ہے، یہ نفقہ جزئیت بعضیت کی وجہ سے واجب ہے وراثت کے طور پر واجب نہیں۔

امام مالک کی رائے ہے کہ صرف اس اولاد کا نفقہ واجب ہے جو براہِ راست صلبی اولاد ہو، ❷ اس رائے کے مطابق اولاد کی اولاد کا نفقہ واجب نہیں چونکہ نص قرآنی کے ظاہر سے یہی مستفاد ہوتا ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ......البقرۃ ۲/۲۳۳

امام مالک کے نزدیک نفقہ وراثت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے نہ کہ مطلق جزئیت کی وجہ سے۔

دوسرا مقصد: اولاد کے نفقہ کے واجب ہونے کی شرائط......نفقہ اولاد کے وجوب کی تین شرائط ہیں۔ ❸

۱...... یہ اصل (باپ یا دادا) مالدار ہونے کی وجہ سے یا کسب وکمائی کی وجہ سے اولاد پر خرچ کرنے کی قدرت رکھتا ہو، اگر اصل (باپ) مالدار ہو یا کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو تو اس پر اپنی اولاد کا نفقہ واجب ہے، چنانچہ اولاد پر اپنا مال خرچ کرے، اگر باپ (یا دادا) کے پاس مال نہ ہو تو اس پر کسب وکمائی واجب ہے یہ جمہور کی رائے ہے، اگر انکار کرے گا تو قاضی اسے قید کروادے۔

البتہ اگر تنگدست ہو بایں طور کہ اس کا نفقہ اصول وفروع میں سے کسی اور پر واجب ہو اور وہ خود کسب وکمائی نہ کر سکتا ہو تو اس پر اولاد کا نفقہ واجب نہیں ہوگا چونکہ اسے وجوب کا علم ہی نہیں وہ تو دوسرے سے اپنا نفقہ لے رہا ہے، یہ صحیح مذہب ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: اولاد کے نفقہ کی خاطر باپ پر کسب وکمائی لازم نہیں، اگر باپ تنگدست ہو اور کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو تو اولاد پر خرچ کرنے کی غرض سے اس پر کسب وکمائی واجب نہیں۔

۲...... یہ کہ اولاد تنگدست ہو، اولاد کے پاس مال ہو اور نہ ہی کسب وکمائی پر قدرت رکھتی ہو۔ اگر اولاد کے پاس مال ہو تو اولاد کا نفقہ انہی کے مال میں سے ہوگا اور اگر اولاد کسب وکمائی کی قدرت رکھتی ہو تو اولاد پر مزدوری کرنا واجب ہے گویا نابالغ لڑکا جو محنت مزدوری کر سکتا ہو اس کا نفقہ اسی کے کسب سے ہوگا اس کا نفقہ اس کے باپ پر واجب نہیں ہوگا، چونکہ جس اولاد کے پاس مال ہو یا وہ کسب وکمائی پر قدرت رکھتی ہو وہ باپ کے مال سے بے نیاز ہوتی ہے کیونکہ قرابتدار کا نفقہ حسن سلوک، ہمدردی اور غمخواری کے لئے واجب ہوتا ہے جب کہ مالدار شخص مالی ہمدردی، احسان اور صلہ سے بے نیاز ہوتا ہے۔

جس شخص کے پاس رہائش کے لئے مکان ہو اور وہ مالی اعتبار سے فقیر ومحتاج ہو تو نفقہ کی خاطر اس کا مکان فروخت نہیں کیا جائے گا چونکہ رہائش زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، البتہ اگر اس کے پاس دوسرا مکان ہو جو رہائش سے زائد ہو تو اسے محتاج وفقیر نہیں کہا جائے گا وہ نفقہ کے لئے دوسرے کا محتاج نہیں ہوگا، چنانچہ دوسرا مکان فروخت کر دیا جائے گا چونکہ وہ ضرورت سے زائد ہے۔

کسب وکمائی سے عاجز ہونے کی درج ذیل صورتیں ہیں۔

❶......الکتاب مع اللباب ۳/۱۰۶، فتح القدیر ۳/۳۴۶، المھذب ۲/۱۵۶، المغنی ۷/۵۸۶۔ ❷الشرح الصغیر ۲/۷۵۳، القوانین الفقھیة ص ۲۲۳۔ ❸الدر المختار ۲/۹۲۳، الشرح الصغیر والقوانین الفقھیة المکان السابق، المھذب ۲/۱۶۶۔ مغنی المحتاج ۳/۴۴۶، المغنی ۷/۵۸۴۔

ا: **کمسنی**......یعنی ایسا بچہ جو محنت و مزدوری کے قابل نہ ہو وہ معذور تصور ہوگا، اگر لڑکا کسب وکمائی کی عمر کو پہنچ جائے تو باپ اسے محنت مزدوری پر لگائے یا اسے کوئی ہنر سکھائے پھر اسی کی کمائی سے اس پر خرچ کرے، رہی بات لڑکی کی سو اسے کسب وکمائی کے لئے نہیں بھیجا جائے گا چونکہ لڑکی کو بھیجنے میں خطرات ہیں، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، ہاں البتہ کسی ہنر مند عورت کے پاس لڑکی بھیجنا جائز ہے تاکہ اپنے حال کے مناسب کام سیکھ سکے جیسے کپڑے سینا، کڑھائی کا کام وغیرھا۔ اگر ایسی صورت میں لڑکی خود کماتی ہو تو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ واجب نہیں رہے گا۔ البتہ اگر لڑکی کی کمائی اس کے لئے کافی نہ ہوتی ہو تو باپ قدر کفایت کو پورا کرنے کے لئے نفقہ دے۔

بالغ اولاد......کا نفقہ باپ پر واجب نہیں ہاں البتہ اگر کسی عذر جیسے جنون، ناسمجھی، اندھا پن، ہاتھوں کا شل ہونا، حصول علم یا بے روزگاری کے عام ہو جانے کی وجہ سے بالغ اولاد کسب وکمائی سے عاجز ہو تو پھر ان کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔

حنابلہ نے فقیر بالغ بیٹے کا نفقہ باپ پر واجب قرار دیا ہے اگرچہ وہ تندرست ہی کیوں نہ ہو، جیسے کہ فقہاء کے نزدیک فقیر والد کا نفقہ اولاد پر واجب ہے اگرچہ باپ تندرست ہو، حنابلہ کے ہاں یہ ضابطہ ہے کہ اولاد اور والدین کا نفقہ بالترتیب والدین اور اولاد پر واجب ہے ان کے ہاں عذر کی شرط نہیں۔

۲: **لڑکی**......فقیرہ لڑکی کا نفقہ باپ پر واجب ہے تاوقتیکہ اس کی شادی ہو جائے، شادی کے بعد اس کا نفقہ خاوند کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔ اگر خاوند اسے طلاق دے دے تو نفقہ کی ذمہ داری باپ پر پھر سے لوٹ آئے گی، باپ کے لیے جائز نہیں کہ وہ بیٹی کو کسب وکمائی پر مجبور کرے، اگر بیٹی سے کام کاج کروانا بھی ہو جس سے اس کی آمدنی ہو تو ایسا کام کروایا جائے جس میں فتنے کا اندیشہ نہ ہو جیسے سلائی کڑھائی، طب بشرطیکہ یہ کام کسی ہنر مند عورت سے سیکھے، ہنر آجانے کے بعد باپ کے ذمہ سے بیٹی کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے ہاں البتہ اپنی کمائی سے اس کا خرچہ پورا نہ ہوتا ہو تو پھر جتنی کمی باقی رہ جائے اس کے بقدر تکمیلی نفقہ باپ پر واجب ہوگا۔

۳: **ایسا مرض جو محنت مزدوری کے مانع ہو**......جیسے اندھا پن، ہاتھ پاؤں کا شل ہونا جنون، ناسمجھی وغیرھا۔

۴: **حصول علم**......ایسا علم جس میں مصروف رہنے کی وجہ سے طالب کسب وکمائی نہ کر سکتا ہو، طالب علم جب تک کسب وکمائی پر قادر نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے، چونکہ حصول علم فرض کفایہ ہے، اگر طالب علم پر کسب وکمائی اور محنت مزدوری لازم کر دی جائے تو امت کے مصالح معطل ہو جائیں گے، البتہ اس کی ایک شرط ہے کہ طالب علم محنتی اور کامیاب ہو، اگر طالب علم پڑھائی میں نکما ہو اور کام چور ہو تو اسے علم حصول علم سے ہٹا کر محنت ومزدوری اور کسب وکمائی پر لگانا واجب ہے۔

اضافات......حنفیہ نے کسب وکمائی کے اعذار میں مزید اضافات بھی کئے ہیں، چنانچہ جو شخص شان وشوکت والا ہو اور وہ اپنی وجاہت کی وجہ سے کسب وکمائی نہ کرتا ہو چونکہ وہ اشراف کا بیٹا ہے کمائی سے اسے عار لاحق ہوتی ہو تو اس کا نفقہ بھی باپ پر واجب ہے۔

اعتراض......جب ہر انسان پر اپنا اور اپنے عیال کا نفقہ واجب ہے تو پھر عار کیوں کر ہو؟

جواب......لڑکا جب اشراف کا بیٹا ہو لوگ اس کی عزت کرتے ہیں اور اسے اپنے پاس مزدور رکھنے پر تیار نہیں ہوتے گویا وہ کسب وکمائی سے عاجز ہوا اور نفقہ کا مستحق ہے۔

فی الواقع اسلام میں لوگوں کو ایک دوسرے پر امتیاز حاصل نہیں، حالانکہ کبار صحابہ کرام جن میں ابوبکر رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں تجارت پیشہ تھے اور کام کاج کرتے تھے، کام کرنے میں کون سی عار ہے، لہٰذا بعض لوگوں کی اولاد کو عام لوگوں پر فوقیت دینے کی

کوئی وجہ نہیں۔ ❶

۳۔ اختلاف دین نہ ہو: یہ شرط حنابلہ کی رائے ہے ان کے نزدیک نفقہ دہندہ (خرچ کنندہ) مستحق نفقہ کا وارث بنتا ہو اور وراثت کے لئے شرط ہے کہ وارث اور مورث کا دین ایک ہو چنانچہ کافر مسلمان شخص کا وارث نہیں بنتا، اس لئے اگر بیٹا کافر ہو تو باپ پر اس کا نفقہ نہیں [illegible] بھی۔ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ" وارث پر بھی اسی کے مثل نفقہ واجب ہے ..... البقرۃ ۲/۲۳۳

جمہور نے یہ شرط نہیں لگائی چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

آیت سے اس امر پر دلالت ہوتی ہے کہ ولادت وجوب نفقہ کا سبب ہے جب کہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بھی ولادت ثابت ہوتی ہے خواہ دین متحد ہو یا مختلف۔ نیز نفقہ زندگی کا وسیلہ ہے اور زندگی مطلوب مقصود ہے اگرچہ کفر کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو چونکہ فی الحقیقت مال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ ہی مومن و کافر کو یکساں رزق عطا کرتا ہے۔

تیسرا مقصد: اولاد کا نفقہ کس پر واجب ہے؟ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ باپ اگر موجود ہو اس کے پاس مال ہو یا وہ کسب و کمائی کی طاقت رکھتا ہو تو تنہا اس پر اولاد کا نفقہ واجب ہوگا، ❷ باپ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا جو اولاد کے نفقہ کا بوجھ اٹھائے، چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ ..... البقرۃ ۲/۲۳۳

آیت میں مبتدا پر خبر کو مقدم کیا گیا ہے اور یہ تقدیم حصر کا فائدہ دیتی ہے جس کا معنی ہوگا کہ صرف باپ پر اولاد کا نفقہ واجب ہے۔
دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اولاد باپ کا جزو ہوتی ہے لہٰذا ان کا نفقہ ایسا ہی ہے جیسے باپ کا اپنا ذاتی نفقہ۔
البتہ اگر باپ موجود نہ ہو (بلکہ کہیں غائب ہو) یا فقیر ہو اور کسب و کمائی سے بھی قاصر ہو یا بیمار ہو یا بوڑھا ہو چکا ہو تو اس کی اولاد کا نفقہ اولاد کے دوسرے اصول دادا، پردادا نانا وغیرہ پر واجب ہوگا اس میں مذکر مونث برابر ہیں یعنی دادی اور نانی پر بھی واجب ہوگا۔
چنانچہ اگر دادا موجود ہو اور اس کے پاس مال ہو تو تنہا اسی پر پوتوں کا خرچہ واجب ہوگا، اگر باپ موجود ہو لیکن تنگدست ہو اور دادا نے پوتوں کو خرچہ دیا ہو جب باپ کے پاس مال آ جائے تو دادا اولاد کے باپ سے خرچہ واپس لے گویا دادا کا کیا ہوا خرچہ باپ کے ذمہ دین (قرضہ) ہوگا۔

اگر اولاد کی ماں اور دادا ہوں (باپ نہ ہو یا ہو مگر تنگدست ہو) تو دونوں پر میراث کے تناسب سے اولاد کا نفقہ ہوگا ماں پر ایک تہائی اور دادا پر دو تہائی۔ اور اگر دادا کے ساتھ نانی اور دادی ہو تو نانی اور دادی پر نفقہ کا چھٹا حصہ نصف نصف ہوگا اور دادا پر میراث کی بقدر بقیہ نفقہ ہوگا۔

اگر اولاد کے قریبی رشتہ دار غیر ورثہ ہوں مثلاً ذوی الارحام میں سے ہوں تو اولاد کا نفقہ اس پر ہوگا جو زیادہ قریب کا رشتہ دار ہو، اگر

---

❶ ..... مصنف نے نکتہ بیان کر دیا ہے لیکن خارج میں واقع میں وہی کچھ ہو رہا ہے جو حنفیہ کا موقف ہے، بھلا گر یجویٹ بیٹا ادنیٰ درجے کی مزدوری کو تیار نہیں ہوتا گھر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے مرتبہ و مقام کی ملازمت کا انتظار کرتا ہے بلاشبہ عرصہ انتظار کا نفقہ باپ کے ذمہ لازم ہوگا میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے اور ایسی بیسیوں مثالیں معاشرتی زندگی میں موجود ہیں۔ ❷ فتح القدیر ۳/۳۴۶، حاشیہ ابن عابدین ۲/۹۲۶ الشرح الصغیر ۲/۷۵۳، القوانین الفقھیۃ ص ۲۲۳، المھذب ۲/۱۶۶، المغنی ۷/۵۸۹۔

ان سب کا درجہ مساوی ہوتو نفقہ سب پر مساوی تقسیم ہوگا۔

اگر بعض اقرباء ورثہ ہوں اور دوسرے غیر ورثہ ہوں تو نفقہ زیادہ قریبی پر ہوگا جو اگر چہ وہ وارث نہ ہو، اگر درجے میں مساوی ہوں تو نفقہ وارث پر واجب ہوگا غیر وارث پر نہیں ہوگا۔

مالکیہ......کی رائے ہے کہ نفقہ صرف باپ پر واجب ہے کسی اور پر واجب نہیں۔ چونکہ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے (میں اسے کہاں خرچ کروں)؟ آپ نے فرمایا: اسے اپنے اوپر خرچ کرو، عرض کی: میرے پاس ایک اور ہے؟ فرمایا: اسے اپنے اہل خانہ پر خرچ کرو، عرض کی میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا: اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو۔

عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا اسے اپنے خادم پر خرچ کرو۔ عرض کی: میرے پاس ایک اور بھی ہے؟ فرمایا: تم اسے خرچ کرنے کے بارے میں بہتر جانتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورین کے علاوہ کسی اور پر خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا۔

شافعیہ......کا مذہب ہے کہ جب باپ نہ ہو یا وہ کسب وکمائی سے قاصر ہو تو اولاد کا نفقہ ماں پر واجب ہے چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لاتضار والدة بولدها

ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ (البقرۃ ۲/ ۲۳۲)

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ باپ پر نفقہ واجب ہے حالانکہ اولاد کی ولادت باپ سے بظاہر مان لی جاتی ہے۔

جب کہ ماں سے اولاد کی ولادت قطعی ہوتی ہے لہٰذا اولاد کا نفقہ ماں پر بطریق اولیٰ واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر باپ اور ماں نہ ہوں تو اولاد کا نفقہ دادی پر واجب ہوگا۔ چونکہ دادی ماں کے حکم میں ہے جیسے دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔

اگر درجۂ قرابت اور درجۂ استحقاق وراثت مساوی ہو تو نفقہ متساویین پر واجب ہوگا۔

چونکہ نفقہ کی علت سب کو شامل ہوتی ہے، اور اگر درجہ قرابت میں تفاوت ہو تو اصح قول کے مطابق جو زیادہ قریبی ہو اس پر نفقہ واجب ہوگا، خواہ قریبی وارث ہو یا وارث نہ ہو۔

اگر اولاد کی ماں اور دادا ہو تو کل نفقہ دادا کے ذمہ واجب ہوگا، چونکہ عصبہ ہونے میں دادا منفرد ہوتا ہے، لہٰذا دادا باپ کے مشابہ ہوا۔

حنابلہ......اپنے ظاہری مذہب کے مطابق کہتے ہیں: اگر کمسن بچے کا باپ نہ ہو تو اس کا نفقہ میراث کے بقدر ہر وارث پر واجب ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ......البقرۃ ۲ ۲۳۳

اسی کی مثل وارث پر نفقہ واجب ہے۔

اس آیت سے باپ پر نفقہ رضاعت واجب کیا گیا ہے پھر اس پر وارث کا عطف کیا گیا ہے چنانچہ اللہ نے وارث پر اتنا ہی نفقہ واجب کیا ہے جتنا باپ پر واجب کیا ہے۔ ایک شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں کس پر احسان کروں؟ فرمایا: اپنی ماں پر۔ اپنے باپ پر، اپنی بہن پر، اور اپنے بھائی پر۔ ایک اور روایت میں ہے ”اور تمہارا آزاد کردہ غلام جو حق واجب کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے اور اس کے ساتھ صلہ رحمی ہے۔“ ❶

❶ ... رواہ ابوداؤد (نیل الاوطار ۶/ ۳۲۷)۔

یہ حدیث مطلوب ومقصود میں نص ہے چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلہ رحمی اور احسان کو لازم قرار دیا ہے، جب کہ نفقہ کا تعلق بھی صلہ رحمی سے ہے جو حق واجب ہے، اگر بچے کے دو وارث ہوں تو ان پر وراثت کے تناسب سے نفقہ واجب ہوگا، اگر تین یا تین سے زائد ورثہ ہوں تو ان پر بھی نفقہ بقدر وراثت واجب ہوگا۔

اگر بچے کے ورثہ میں ماں اور دادا ہوں تو ماں پر تہائی نفقہ واجب ہوگا اور دادا پر دو تہائی نفقہ ہوگا، چونکہ ماں اور دادا دونوں بچے کے ورثہ ہیں جب کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ......البقرة ۲/۲۳۳

وارث پر بھی اسی کی مثل نفقہ واجب ہے۔

گویا ماں وارث ہے اور اس پر نص موجود ہے۔

اور اگر بچے کے ورثہ میں دادی اور بھائی ہو تو دادی پر نفقہ کا چھٹا حصہ ہوگا اور بقیہ نفقہ بھائی پر واجب ہوگا، بنا بریں نفقہ کی ترتیب میراث کی ترتیب کے مطابق ہوگی، چنانچہ جب دادی کو وراثت کا چھٹا حصہ ملتا ہے تو اس پر نفقہ کا بھی چھٹا حصہ ہوگا اور بقیہ میراث بھائی کو ملتی ہے تو اسی طرح بقیہ نفقہ بھی بھائی پر واجب ہوگا۔

اور اگر بچے کے نانا اور نانی دونوں موجود ہوں تو نفقہ نانی پر واجب ہوگا چونکہ نانی وارثہ ہے اور اگر بچے کا دادا اور دادی موجود ہوں تو دادی پر نفقہ کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اور بقیہ نفقہ دادا پر واجب ہوگا، اور اگر دادا اور بھائی موجود ہوں تو وہ دونوں برابر ہوں گے، اگر ماں، بھائی اور دادا جمع ہوں تو ان کے درمیان بچے کا نفقہ برابر تین تین حصوں میں تقسیم ہوگا، امام شافعی کہتے ہیں: ان سب مسائل میں نفقہ دادا پر واجب ہوگا البتہ صرف پہلے مسئلہ میں نفقہ مساوی تقسیم کیا جائے گا۔

چوتھا مقصد: اولاد کے نفقہ کی مقدار اور نفقہ کا دین ہو جانا، سقوط نفقہ اور پیشگی نفقہ......فقہاء کا اتفاق ہے کہ قریبی رشتہ دار بچہ، پوتا وغیرھما کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہے [1] یعنی روٹی سالن، کپڑے، سکنیٰ اگر رضیع ہو تو اس کی رضاعت کا انتظام۔ اس میں خرچ کنندہ کی معاشی حالت اور علاقہ کے عرف ورواج کو ملحوظ رکھا جائے گا، چونکہ نفقہ ضرورت وحاجت کے لئے واجب ہوتا ہے اس لئے بقدر حاجت نفقہ کا تخمینہ لگایا جائے گا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ھندہ سے فرمایا تھا: "معروف طریقے سے مال لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کو کافی ہو" چنانچہ حدیث میں نفقہ کی مقدار اتنی مقرر کی گئی ہے جس سے کفایت ہو جائے۔

اگر بچے کو خادم کی ضرورت ہو تو باپ پر واجب ہے کہ اس کے لئے خادم مہیا کرے چونکہ خادم بھی بقدر کفایت نفقہ میں شامل ہوتا ہے۔

اگر لڑکے کی بیوی ہو تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیوی کا نفقہ بھی والد پر واجب ہے چونکہ بیوی کا نفقہ بھی کفایت میں سے ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک بیٹے کی بیوی کا نفقہ باپ پر واجب نہیں، جبکہ مالکیہ کی نزدیک خاوند اگر تنگدست ہو تو بیوی کا نفقہ ساقط ہو جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک بچے کا نفقہ ذمہ میں دین نہیں ہوگا، برابر ہے کہ قاضی نے نفقہ مقرر کیا ہو یا نہ۔

برخلاف بیویوں کے نفقہ کے چنانچہ بیویوں کا نفقہ ذمہ میں قاضی کے حکم سے یا زوجین کی رضامندی سے دین ہو جاتا ہے۔

شافعیہ کا قول ہے کہ بچے کا نفقہ والد پر دین نہیں ہوگا، الا یہ کہ قاضی نے نفقہ کا حکم دیا ہو یا والد کے غائب ہونے کی وجہ سے یا نفقہ

---

[1] ......البدائع ۳۸/۴، القوانين الفقهية ص ۲۲۳، المهذب ۱۶۷/۲، المغنی ۵۹۵/۷۔ مغنی المحتاج ج ۴۴۹/۳، الشرح الصغير ۷۵۳/۲۔

دینے سے انکار کرنے کی وجہ سے قاضی نے قرضہ لینے کی اجازت دی ہو تو اس صورت میں بچے کا نفقہ والد کے ذمہ دین ہو جائے گا۔

فقہاء کے نزدیک بغیر قبضہ یا قرضہ لئے بغیر اگر مدت نفقہ گزر جائے تو بچے کا نفقہ ساقط ہو جائے گا، چونکہ والد پر نفقہ دفع حاجت کے لئے واجب ہوتا ہے جب کہ مدت گزر جانے سے حاجت ختم ہو چکی لہٰذا نفقہ ساقط ہو جائے گا، بخلاف بیوی کے نفقہ کے سو حنفیہ کے نزدیک مدت گزرنے سے بیوی کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی شخص نے اقرباء کا نفقہ ایک مدت کے لئے پیشگی دے دیا پھر محتاج نفقہ مر گیا حالانکہ مدت پوری نہ ہوئی ہو تو پیشگی دیئے ہوئے نفقہ میں کچھ بھی واپس نہیں لیا جائے گا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

تیسری بحث: اصول (آباء و اجداد اور امہات) کا نفقہ......اس بحث کے ضمن میں چار مقاصد پر گفتگو کی جائے گی۔

اول......اصول کے نفقہ کا وجوب اور اصول کی تعیین۔

دوم......اصول کے لئے وجوب نفقہ کی شرائط۔

سوم......اصول کا نفقہ کس پر واجب ہے۔

چہارم......اس نفقہ کی مقدار۔

پہلا مقصد: نفقہ اصول (آباء و اجداد اور امہات) کا وجوب اور اصول کی تعیین......

والدین، والدین کے والدین اگرچہ اوراوپر چلے جائیں کا نفقہ جمہور کے نزدیک واجب ہے۔ (1) چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ...... الاسراء ۱۷/ ۲۳

اور تمہارے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک رکھو۔

حسن سلوک یہی ہے کہ والدین کو جب حاجت ہو تو ان پر مال خرچ کیا جائے، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ...... لقمان ۳۱/ ۱۵

دنیا میں والدین کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔

والدین پر خرچ کرنا اچھے سلوک کا حصہ ہے اگرچہ والدین کا دین جدا ہو، بلکہ یہ آیت ہی کافر والدین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ کہاں کی بھلائی ہے کہ بیٹا تو اللہ کی نعمتوں سے لطف اٹھا رہا ہو لیکن اس کے والدین بھوکوں مر رہے ہوں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''کہ تمہارا سب سے زیادہ پاکیزہ مال جسے تم کھاؤ وہ ہے جو تمہاری کمائی کا ہو اور تمہاری اولاد تمہاری کمائی ہے، لہٰذا اولاد کی کمائی بلا مشقت کھاؤ۔'' (2) ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟

آپ نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ پھر اپنی ماں کے ساتھ اور پھر اپنی ماں کے ساتھ پھر اپنے باپ کے ساتھ اور پھر درجہ بدرجہ جو قرابتدار ہوں۔'' (3)

جمہور کے نزدیک جن اصول (آباو اجداد) کا نفقہ اولاد پر واجب ہے ان کی فہرست کچھ اس طرح سے ہے۔ آباء (اب کی جمع آباء بمعنی باپ) اجداد (دادے) امہات (مائیں) جدات (دادیاں) اگرچہ اوپر چلے جائیں چونکہ ''اب'' کا اطلاق دادا اور ہر اس شخص

---

(1)......فتح القدیر ۳/ ۳۴۷، البدائع ۴/ ۳۰، الشرح الصغیر ۲/ ۷۵۲، القوانین الفقهیة ص ۲۲۳ المهذب ۲/ ۶۵، مغنی المحتاج ۳/ ۴۴۶، المغنی ۷/ ۵۸۳۔ (2) رواه اصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها۔ (3) رواه ابوداؤد۔

پر ہوتا ہے جو اولاد کا سبب بن رہا ہو، اسی طرح ''ام'' (ماں) کا اطلاق دادی پر بھی ہوتا ہے، قرآن مجید میں ''ابوین'' کا لفظ حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے، حالانکہ وہ والدین نہیں جب کہ اجداد ہیں۔ اسی طرح فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ......الحج ۲۲/۷۸

دوسری وجہ یہ ہے کہ اولاد اور اصول کے درمیان ایسی قرابت داری ہوتی ہے جس کی وجہ سے گواہی رد کردی جاتی ہے لہٰذا دادا، دادی اور والدین قرابت دار کے مشابہ ہوئے، اجداد اور جدات (دادیاں)، آباء اور امہات ہیں لہٰذا دادا باپ کے قائم مقام ہے اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دادی پوتے پر حرام ہوتی ہے جیسے ماں حرام ہوتی ہے۔

چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ ......النساء ۴/۲۳

تمہارے اوپر مائیں حرام کردی گئی ہیں۔

امام مالک کہتے ہیں: جن اصول کا نفقہ (اولاد پر) واجب ہوتا ہے وہ براہ راست اصول یعنی والدین ہیں، اجداد اور جدات (دادے، دادیاں، نانے اور نانیاں) شامل نہیں ہیں، لیکن جمہور کا قول صحیح ہے۔

دوسرا مقصد: اصول کے نفقہ کے واجب ہونے کی شرائط......اصول پر خرچ کرنے کے وجوب کی درج ذیل شرائط ہیں۔ ❶

۱...... یہ کہ اصول فقیر ومحتاج ہوں ورکسب وکمائی سے قاصر ہوں تاہم اگر اصل (باپ یا دادا) کسب وکمائی کی قدرت رکھتا ہو تو بھی حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس کا نفقہ واجب ہوگا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، اگر اولاد مالدار ہو اور والدین پر کسب وکمائی لازمی کردی جائے تو اس میں حسن سلوک نہیں بلکہ والدین کی اذیت ہے والدین کو اذیت پہنچانا جائز نہیں۔

تاہم ایک انسان کے پاس اگر وسعت ہو اور اس کے قریبی رشتہ دار والد یا والدہ کو کمائی کے لئے مجبور کیا جائے تو مالدار کو برا بھلا کہا جاتا ہے، یہ اس کے برعکس ہے کہ اگر بیٹا کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو تو والدین پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا بلکہ کمائی اس پر لازمی ہوگی۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو معمولی سی اذیت پہنچانے سے بھی منع کیا ہے والدین کو اف تک نہیں کہنا۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ ...... الاسراء ۱۷/۲۳

والدین کو اُف تک نہ کہو۔

جب کہ بیٹے کے متعلق ایسی نص نہیں وارد ہوئی۔

مالکیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: فروع (اولاد) پر اصول کا نفقہ ان کے کسب وکمائی پر قادر ہوتے ہوئے واجب نہیں، چنانچہ اگر اصول کسب وکمائی کر سکتے ہوں تو انہیں کسب وکمائی پر مجبور کیا جائے گا چونکہ نفقہ مواسات، صلہ رحمی اور احسان کے طور پر واجب ہوا ہے جب کہ جو شخص کمائی کرسکتا ہو وہ مالدار کی مانند ہوتا ہے لہٰذا وہ مواسات سے بے نیاز ہوتا ہے:

۲...... یہ کہ فرع (بیٹا یا پوتا) مالدار ہو، اس کے پاس مال ہو یا کسب وکمائی پر قدرت رکھتا ہو، یہ جمہور کی رائے ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں: تنگدست بیٹے پر کمائی واجب نہیں کہ اپنے والدین پر خرچ کرے۔

---

❶ فتح القدیر ۳/۳۴۷، البدائع ۴/۳۴، القوانین الفقهية ص ۲۲۳، الشرح الصغير ۲/۷۵۲، المهذب ۲/۱۶۶، مغنی المحتاج ۳/۴۴۸، المغنی ۷/۵۸۴۔

جمہور کی رائے کے مطابق یہ بھی شرط ہے کہ اولاد کا مال اپنے ذاتی نفقہ سے فاضل ہو تب اس پر والدین کا نفقہ واجب ہے۔ اگر کچھ فاضل نہ ہو تو اس پر والدین کا نفقہ واجب نہیں۔

چونکہ جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص فقیر ہو تو اپنے آپ سے ابتدا کرے (یعنی پہلے اپنے اوپر خرچ کرے) اگر کچھ بچ رہے تو اپنے عیال پر خرچ کرے اور اگر کچھ بچ رہے تو قریبی رشتہ دار پر خرچ کرے۔'' ایک اور روایت میں ہے۔ ''اپنے آپ پر خرچ کرنے سے ابتدا کرو پھر اس پر خرچ کرو جو تمہارے عیال میں شامل ہو۔ نیز حضرت [illegible] رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں نفقہ کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ پہلے اپنے اوپر خرچ کرے [illegible] پھر [illegible]۔

۳ حنابلہ کے نزدیک خرچ کنندہ وارث ہو، چنانچہ اختلاف دین [illegible] نفقہ واجب نہیں ہوتا، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ [illegible]

نیز وراثت داری قرابت کے سبب ہوتی ہے جو وارث و مورث [illegible] لہٰذا ضروری ہے کہ نفقہ کا وجوب وارث کے ساتھ خاص ہو۔

حنفیہ..... کہتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ خرچ کنندہ قرابت دار ہو اور وراثت کا مستحق ہو [illegible] حنفیہ [illegible] اور شافعیہ کہتے ہیں اتحاد دین وجوب نفقہ کے لئے شرط نہیں۔

چنانچہ اولاد پر اصول کا نفقہ واجب ہے اگرچہ دین الگ الگ ہو، چونکہ اللہ تعالیٰ نے [illegible] فرمایا ہے

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا لقمان ۳۱/۱۵

اگر تمہارے والدین تمہیں اس امر پر مجبور کریں کہ تم میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کا تمہیں علم نہیں تو والدین کی بات نہ مانو اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہو۔

تیسرا مقصد: کس پر اصول کا نفقہ واجب ہے [illegible] اصول (والدین) کا نفقہ [illegible] پر واجب ہوتا ہے ❶ اس خرچہ میں اولاد کے ساتھ اور کوئی شریک نہیں ہوگا، چونکہ اولاد، والدین کے سب سے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔

لہٰذا اولاد ہی پر والدین کا نفقہ واجب ہوگا، حنفیہ کے نزدیک والدین کے نفقہ میں بیٹے اور بیٹیاں برابر شریک ہوں گی، چونکہ اولاد میں بیٹا، بیٹی دونوں شامل ہوتے ہیں۔

جمہور فقہاء کے نزدیک پوتے پر بھی اصول کا نفقہ واجب ہے جبکہ مالکیہ کے نزدیک پوتے پر دادا کا نفقہ واجب نہیں۔

فروع (اولاد) اگر متعدد ہوں [illegible] اگر والدین کا صرف ایک ہی [illegible] (اولاد) متعدد (ایک سے زائد) ہوں۔

حنفیہ کہتے ہیں ❷ اگر فروع کا درجہ [illegible] دو بیٹے یا دو بہنیں [illegible] برابر ہے کہ وہ وارث بنتے ہوں یا وارث نہ بنتے ہوں [illegible] اور جزئیت و بعضیت میں [illegible] کہ بیٹا بیٹی کا دو گنا حصہ دیتا ہے۔

---

❶ فتح القدیر ۳/[illegible]، الشرح الصغیر ۲/[illegible]، المہذب ۲/[illegible] [illegible] ❷ حاشیہ [illegible]

اگر درجہ قرابت مختلف ہو جیسے مثلاً ایک بیٹا ہو اور ایک پوتا تو نفقہ اقرب یعنی بیٹے پر واجب ہوگا۔
ملاحظہ رہے فروع (اولاد) متعدد رہنے کی صورت میں حنفیہ نے درجہ قرابت کا اعتبار کیا ہے، اگر اصول متعدد ہوں تو حنفیہ نے بسا اوقات وراثت کا اعتبار کیا ہے جب کہ بسا اوقات کسی چیز کا بھی اعتبار نہیں کیا۔

مالکیہ...... مالکیہ کہتے ہیں: اگر اولاد متعدد ہو تو اصول کا نفقہ اولاد میں سے مالداروں پر ان کی مالداری کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔ ❶

شافعیہ...... کہتے ہیں: اگر فروع کی قرابت کا درجہ برابر ہو جیسے دو بیٹے یا دو بیٹیاں، تو ان پر اصول کا نفقہ یکساں طور پر برابر ہوگا اگر چہ مالداری میں تفاوت ہو، چونکہ نفقہ کی علت دونوں کو شامل ہے اور اگر قرابت کا درجہ مختلف ہو جیسے ایک بیٹا ہو اور ایک نواسا ہو تو اصح قول کے مطابق اصول کا نفقہ اقرب یعنی بیٹے پر ہوگا، برابر ہے کہ وہ وارث ہوتا ہو یا نہیں۔
مذکر ہو یا مونث چونکہ قربت کا اعتبار اولیٰ ہے، اگر قرابتداری میں فروع برابر ہوں تو اصح قول کے مطابق اصول کا نفقہ وراثت کے تناسب سے ہوگا۔
اگر دو فروع وراثت داری میں مساوی ہوں جیسے مثلاً بیٹا اور بیٹی، ان پر نفقہ واجب ہونے کی دو صورتیں ہیں:
۱...... یہ کہ نفقہ دونوں پر یکساں ہوگا جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں۔
۲...... دونوں پر نفقہ حسب وراثت ہوگا۔ پہلی صورت راجح ہے۔

حنابلہ...... کی رائے ہے کہ اگر فروع کی قرابت کا درجہ برابر ہو جیسے بیٹا اور بیٹی، تو ان پر اصول کا نفقہ تہائیوں کی صورت میں واجب ہوگا، ایک تہائی بیٹی پر واجب ہوگا اور دو تہائی بیٹے پر، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ ......البقرۃ ۲/۲۳۳

چنانچہ آیت کی رو سے نفقہ وراثت داری پر مرتب کیا گیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نفقہ بقدر وراثت واجب ہو۔ اور اگر قرابت کا درجہ مختلف ہو جیسے مثلاً بیٹی ہو اور ایک پوتا ہو تو ان پر نفقہ نصف نصف آئے گا جیسے میراث نصف ہوتی ہے۔

چوتھا مقصد: اصول کے نفقہ کی مقدار...... فی الجملہ قرابت کا نفقہ بقدر کفایت واجب ہوتا ہے ❷ چونکہ نفقہ حاجت کے لئے اور ضرورت کے دفیعہ کے لئے واجب ہوتا ہے اس لئے کفایت کے اصول پر نفقہ کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔
جمہور کے نزدیک اولاد پر باپ کی بیوی کا نفقہ بھی واجب ہے اور باپ کی شادی کروانا بھی واجب ہے، البتہ ایک بیوی کا نفقہ واجب ہے جب کہ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اگر ایک بیوی سے باپ کی ضرورت پوری نہ ہو تو دوسری شادی کروانا بھی اولاد پر واجب ہے، چونکہ ضرورت نہ پوری ہو تو باپ کو ضرر لاحق ہوگا لہٰذا نفقہ کی طرح دوسری شادی کروانا بھی واجب ہے، حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اولاد پر باپ کی بیوی کا نفقہ واجب نہیں، چونکہ بیوی سب سے بڑا سامان تلذذ ہے لہٰذا واجب نہیں جسے باپ کے لئے حلوا اولاد پر واجب نہیں ہوتا۔

چوتھی بحث: حاشیہ برداران ❸ اور ذوی الارحام کا نفقہ...... اس بحث میں تین مقاصد بیان کئے جائیں گے۔

---

❶...... الشرح الصغیر ۲/۷۵۲۔ ❷ المغنی ۷/۵۹۵، مغنی المحتاج ۳/۴۴۸، المہذب ۲/۱۶۷۔ ❸ حاشیہ برداران اور ذوی الارحام سے مراد باپ کی طرف سے رشتہ دار اور ماں کی طرف سے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

اول..... اصول وفروع کے علاوہ دیگر اقرباء کے نفقہ کا وجوب۔
دوم..... حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کے وجوب نفقہ کی شرائط۔
سوم..... جن لوگوں پر اقارب کا نفقہ واجب ہوتا ہے ان کا متعدد ہونا۔

پہلا مقصد: اصول وفروع کے علاوہ دیگر اقرباء کے نفقہ کا وجوب..... اقارب یعنی حاشیہ برداران اور ذوی الارحام (جیسے بھائی، ماموں، چچے، بھتیجے، پھوپھیاں اور خالائیں) کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ ❶ چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ..... الاسراء ۱۷/۲۶

اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى ..... النساء ۴/۳۶

اللہ کی عبادت کرو، اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہراؤ، والدین کے ساتھ حسن سلوک رکھو اور قریبی رشتہ دار کے ساتھ بھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔'' عطا کرنے والا ہاتھ اوپر والا ہوتا ہے، اور جن لوگوں کا خرچہ تمہارے اوپر واجب ہے ان سے خرچے کی ابتدا کرو، یعنی اپنی ماں، اپنے باپ، اپنے بھائی، اپنی بہن اور پھر درجہ بدرجہ قرابتدار کو خرچہ دو۔'' ❷ ایک شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں کس کے ساتھ حسن سلوک کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو، اپنی بہن کے ساتھ، اپنے بھائی کے ساتھ، اور اپنے غلام کے ساتھ، یہ حسن سلوک حق واجب ہے اور صلہ رحمی ہے۔''

یہ آیات اور احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریبی رشتہ دار جو کسب وکمائی سے قاصر ہو اس کا نفقہ واجب ہے، تاہم اس مسئلہ میں فقہاء کی تین آراء ہیں۔

اول: حنفیہ کی رائے..... ہر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے جیسے چچا، بھائی، بھتیجا، پھوپھی، خالہ ماموں، ذوی الارحام کے علاوہ کسی اور کا نفقہ واجب نہیں جیسے چچازاد بھائی، چچازاد بہن، اسی طرح محرم جو ذی رحم نہ ہو جیسے رضاعی بھائی کا نفقہ بھی واجب نہیں۔

دوم..... حنابلہ کا مذہب ہر قریبی وارث کے لئے نفقہ واجب ہے خواہ قریبی ذوی الفروض میں سے ہو یا عصبات میں سے جیسے حقیقی بھائی، باپ شریک بھائی، ماں شریک بھائی، چچا، چچازاد بھائی۔ جب کہ ذوی الارحام کا نفقہ واجب نہیں جیسے چچازاد بہن، ماموں، خالہ، پھوپھی، یہ لوگ نہ ذوی الفروض میں شامل ہیں اور نہ ہی عصبات میں، چونکہ ان رشتہ داروں کی قرابت ضعیف ہوتی ہے، یہ لوگ قریبی متوفی کا مال اس وقت لے لیتے ہیں جب اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو، یہ وراثت داری میں عام مسلمانوں کے حکم میں ہیں۔

ابن تیمیہ اور ابن قیم کی رائے..... بعض دوسرے حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے کہ اصول وفروع کے علاوہ جو بھی قریبی رشتہ داری ہو بشرط یہ کہ وارث ہو رہا ہو اس کا نفقہ واجب ہے، چنانچہ ذوی الارحام جیسے پھوپھی، خالہ، ماموں کا نفقہ واجب ہے چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ..... البقرة ۲/۲۳۳

---

❶..... فتح القدير ۳/۳۵۰، الدر المختار ورد المحتار ۲/۹۳۷، القوانين الفقهية ص ۲۳۱، المهذب ۲/۱۶۶، المغنى ۷/۵۸۵. ❷ رواه النسائى عن طارق المحاربى واخرجه ايضاً ابن حبان والدارقطنى و صححه (نيل الاوطار ۷/۳۲۷).

آیت میں وارث پر نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے۔

سوم: مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب...... والدین اور اولاد کے علاوہ دوسرے اقرباء جیسے بھائی، چچے وغیرہم کا نفقہ واجب نہیں، چونکہ شریعت میں والدین اور اولاد کا نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے، والدین اور اولاد کے علاوہ بقیہ رشتہ دار سلسلہ ولادت کی کڑی میں نہیں آتے اس لئے ان کے لئے وجوب نفقہ کا حکم بھی نہیں ہوگا۔

دوسرا مقصد: حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کے وجوب نفقہ کی شرائط...... حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کے لئے نفقہ واجب نہیں، ہاں البتہ اگر قاضی ان میں سے کسی قرابت دار پر خرچ کرنے کا حکم دے یا منفق اور منفق علیہ آپس میں رضامند ہو جائیں تو پھر ان لوگوں کے لئے نفقہ ثابت ہوگا۔ بغیر قاضی کے حکم اور رضامندی کے قرابتدار نفقہ لینے کا حق نہیں رکھتا، برخلاف بیوی، اولاد اور والدین کے، چنانچہ یہ تینوں قاضی کے حکم اور باہمی رضامندی سے قبل اپنا نفقہ لے سکتے ہیں۔ حاشیہ برداران اور ذوی الارحام کا نفقہ مدت گزر جانے سے ساقط ہو جاتا ہے، چونکہ نفقہ حاجت کی کفایت کے لئے واجب ہوا ہے اور مالداری کے ہوتے ہوئے واجب نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر قاضی قرضہ لینے کی اجازت دے دے۔

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ بالا اقرباء کے وجوب نفقہ کی مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ (1)

۱: قریبی ذی رحم محرم فقیر و محتاج ہو...... اور کسب و کمائی سے قاصر ہو، چونکہ یا تو وہ کمسن ہو یا وہ لڑکی ہو یا مریض ہو یا نابینا ہو یا بوڑھا ہو چونکہ قرابتداری جو قریب کی ہو کے ساتھ صلہ رحمی واجب ہے نہ کہ دور کی قرابت داری کی، دونوں قرابتداروں میں ذی رحم محرم ہونے کا فرق ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ ...... البقرۃ ۲/ ۲۳۳

ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت یوں ہے:

وعلی الوارث ذی الرحم المحرم مثل ذالك

تاہم وصف حاجت کمسنی، انوثت (لڑکی ہونا)، اپاہجی اور نابینا پن کا متحقق ہونا ضروری ہے، تاکہ قرابتدار کا عاجز و قاصر ہونا متحقق ہو جائے، اگر قرابتدار کسب و کمائی پر قدرت رکھتا ہو تو اسے نفقہ نہیں ملے گا چونکہ وہ اپنی کمائی اور کسب کی وجہ سے مالدار ہے، اس کا نفقہ کسی پر واجب نہیں ہوگا، برخلاف والدین کے۔

۲: اتحاد دین...... قرابتدار کا دین اگر جدا ہو تو اسے نفقہ نہیں دیا جائے گا، چونکہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے توارث نہیں ہوتا جب کہ وجوب نفقہ کا دار و مدار وراثت داری پر ہے۔

برخلاف بیوی، اصول اور فروع کے، چنانچہ۔ بیوی اگر چہ کافرہ ہو حق احتباس کے بدلہ میں اس کا نفقہ خاوند پر واجب ہے۔ والدین اگر چہ کافر ہوں تاہم جزئیت کی وجہ سے ان کا نفقہ بھی اولاد پر واجب ہے، جب کہ حواشی اور ذوی الارحام کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کافر نہ ہوں تو ان کا نفقہ واجب ہوگا۔

۳: خرچ دہندہ مالدار ہو...... اگر قریبی رشتہ دار تنگدست ہو تو اس پر محتاج رشتہ دار کا نفقہ واجب نہیں ہوگا اگر چہ وہ کسب و کمائی

---

(1) ...... حاشیة ابن عابدين ۲/ ۹۳۷، فتح القدير ۳/ ۳۵۴۔

کی قدرت رکھتا ہے، چونکہ حواشی کا نفقہ صلہ رحمی کے طور پر واجب ہے اور صلہ رحمی مالدار پر واجب ہے نہ کہ فقیر ومحتاج پر مالدار کون ہے اور مالداری کی حد کیا ہے؟ سو اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔

امام ابو یوسفؒ...... کہتے ہیں: مالدار وہ شخص ہے جو نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اور زکوٰۃ کا نصاب بیس مثقال یا بیس دینار سونا ہے۔ یا دوسو درہم چاندی ہے۔ چونکہ شریعت نے جس مالدار کا اعتبار کیا ہے وہ مالک نصاب ہے۔ اور اسی پر زکوٰۃ، صدقہ واجب ہے، اسی پر صلہ رحمی اور ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہے۔

امام محمد...... کہتے ہیں: مالدار وہ شخص ہے جس کے پاس ایک مہینہ کا نفقہ موجود ہو، اور اس کے پاس ایک ماہ کے نفقہ سے فاضل مال موجود ہو، چونکہ کفایت سے زائد مال مالداری ہے، اور مہینہ کسب وکمائی کا وسیع وقت ہے، لہٰذا مالدار پر ضروری ہے کہ وہ زائد، مال اپنے قرابتداروں پر صرف کرے، علامہ کاسانی کہتے ہیں: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح ہے، چونکہ جب انسان کے پاس دائمی کسب وکمائی کی سہولت موجود ہو تو وہ محتاج نہیں ہوتا، جو مال کفایت سے زائد ہو وہ فاضل یعنی زائد از ضرورت مال ہوتا ہے، تاہم نصاب زکوٰۃ کا اعتبار نہیں کیونکہ نصاب کا اعتبار تو حقوق اللہ جو کہ مال ہوں میں کیا گیا ہے جب کہ نفقہ تو بندے کا حق ہے اس میں نصاب کے اعتبار کرنے کا کوئی معنی نہیں بلکہ اس میں تو یہ اعتبار کیا جاتا ہے کہ ادائیگی کا امکان کہاں تک ہے۔

تیسرا مقصد: اقارب کا نفقہ کس پر واجب ہے؟...... قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اگر نفقہ کا مستحق شخص صرف ایک ہی قریبی رشتہ دار ہو جو مالدار ہو، دیکھا جائے گا کہ وہ اصول میں سے ہے یا فروع میں سے تاہم اس کا نفقہ واجب ہوگا اگر چہ وہ قرابتدار وارث نہ بنتا ہو جیسے ماں شریک دادا یا نواسہ۔ اس پر مالکیہ کے علاوہ جمہور کا اتفاق ہے۔

اور اگر قریبی رشتہ دار حاشیہ برداران میں سے ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کا نفقہ واجب ہوگا بشرطیکہ وہ ذی رحم محرم ہو جیسے بھائی، چچا، پھوپھی، حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ قرابتدار یا تو ذوی الفروض میں سے ہو یا عصبات میں سے ہو جیسے ماں شریک بھائی اور چچازاد بھائی۔

البتہ جن لوگوں پر اقارب کا نفقہ واجب ہو وہ متعدد ہوں (یعنی منفق متعدد ہوں) تو حنفیہ کا دوسرے مذاہب کے ساتھ تقسیم نفقہ کے حوالے سے اختلاف ہے۔

حنفیہ کا مذہب...... اقارب پر نفقہ کی تقسیم مختلف اصناف کے اعتبار سے مندرجہ ذیل چار صورتوں میں ہوسکتی ہے۔ [1]

پہلی صورت...... یہ کہ مستحق نفقہ کے اصول وفروع موجود ہوں۔

دوسری صورت...... یہ کہ اس کے اصول اور حاشیہ برداران (جو اصول وفروع نہ ہوں) موجود ہوں۔

تیسری صورت...... یہ کہ اس کے فروع اور حاشیہ برداران موجود ہوں۔

چوتھی صورت...... یہ کہ اصول وفروع اور حاشیہ برداران میں سے اس کا کوئی خلیط (شریک) ہو۔

مذکورہ بالا چاروں صورتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

[1] ......حاشیة ابن عابدین ۲/ ۹۳۴، الاحوال الشخصیہ زکی الدین شعبان ص ۷۰۲۔

پہلی صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کے اصول وفروع موجود ہوں......اگر مستحق نفقہ کے اصول وفروع موجود ہوں، پھر اگر اصول وفروع قرابتداری کے درجہ میں متفاوت ہوں تو نفقہ اقرب (جوزیادہ قریبی ہو) پر واجب ہوگا برابر ہے کہ وہ وارث ہو یا نہ ہو، جیسے باپ، بیٹا، پوتا، نواسی، اور جیسے ماں، پوتا۔ پہلی مثال کی صورت میں نفقہ باپ پر واجب ہوگا اور دوسری مثال میں ماں پر واجب ہوگا، چونکہ باپ اور ماں کا درجہ اقرب ہے، لیکن ملاحظہ رہے کہ نفقہ اس وقت غیر وارث پر واجب ہوگا۔

اگر اصول وفروع قرابت میں مساوی درجہ رکھتے ہوں تو نفقہ وراثت کے تناسب سے واجب ہوگا، الایہ کہ اقرباء میں بیٹا یا بیٹی موجود ہو تو نفقہ بیٹے یا بیٹی پر واجب ہوگا۔ اور اگر باپ اور بیٹا ہوں تو نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔'' دادا اور نواسی کی صورت میں نفقہ دادا پر واجب ہوگا، چونکہ دادا وارث ہے، رہی بات نواسی کی سو وہ ذوی الارحام میں سے ہوتی ہے، اور وہ دادا کے موجود ہوتے ہوئے وارث نہیں بنتی۔

دوسری صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کے اصول اور حاشیہ برداران موجود ہوں......اگر مستحق نفقہ کے اصول اور حاشیہ برداران (وہ رشتہ دار جو نہ اصول ہوں نہ فروع جیسے چچازاد بھائی) جیسے ماں، حقیقی بھائی یا باپ شریک بھائی، اگر دونوں اصناف کے افراد وارث بنتے ہوں تو ان پر وراثت کے تناسب سے نفقہ واجب ہوگا۔ اگر دونوں اصناف میں سے کوئی ایک قرابتدار وارث ہو اور دوسرا غیر وارث ہو تو نفقہ صرف اصول پر واجب ہوگا اگر چہ وہ وارث نہ ہوں، چونکہ جزئیت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

اصل کے وارث ہونے کی مثال......جیسے باپ شریک دادا، حقیقی بھائی چنانچہ نفقہ دادا پر واجب ہوگا۔

اصل کے غیر وارث ہونے کی مثال......جیسے ایک محتاج شخص کا ماں شریک دادا ہو اور ایک چچا ہو تو محتاج کا نفقہ دادا پر واجب ہوگا چونکہ جزئیت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

دونوں اصناف سے وارث ہونے کی مثال......جیسے کسی محتاج وفقیر شخص کی ماں اور بھائی موجود ہوں یا بھتیجا ہو یا چچا ہو تو محتاج کا ایک تہائی نفقہ ماں پر واجب ہوگا اور دوتہائی عصبات پر واجب ہوگا۔

تیسری صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کے فروع اور حاشیہ برداران موجود ہوں......اگر مستحق نفقہ کے فروع اور حاشیہ برداران ہوں تو اس کا نفقہ فروع پر واجب ہوگا، حاشیہ برداران پر نفقہ نہیں ہوگا اگر چہ وہ وارث بن رہے ہوں چونکہ جزئیت کی قرابت کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

چنانچہ بیٹی اور حقیقی بہن موجود ہونے کی صورت میں نفقہ فقط بیٹی پر واجب ہوگا، بہن پر کچھ بھی واجب نہی ہوگا، اگر چہ وہ نصف ترکہ کی وارث بنتی ہو۔

اگر ایک بیٹا نصرانی ہو اور ایک مسلمان بھائی ہو تو نفقہ فقط بیٹے پر واجب ہوگا اگر چہ بھائی وارث بن رہا ہو۔

چوتھی صورت: یہ کہ مستحق نفقہ کا اصول وفروع اور حواشی میں سے کوئی خلیط ہو......اگر مستحق نفقہ کے اصول وفروع اور حواشی میں سے اقارب موجود ہوں تو اس صورت کا حکم ایسا ہی ہے جیسے پہلی صورت کا حکم ہے، چنانچہ اصول وفروع پر نفقہ ہوگا جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔ چونکہ جزئیت کی قرابت قوی تر ہوتی ہے، فروع کے ہوتے ہوئے حاشیہ برداران ساقط ہو جائیں گے، یہ ایسا ہی

ہے گویا فروع واصول کے علاوہ کوئی اور موجود ہی نہ ہو۔

اگر صرف اصول ہوں اوران کے ساتھ باپ بھی موجود ہو تو نفقہ صرف باپ پر واجب ہوگا، اولاد کے نفقہ میں باپ کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں ہوگا، اوراگر صرف حواشی موجود ہوں تو نفقہ وراثت کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، بشرط یہ کہ حواشی کے ساتھ کوئی ایک ذی رحم محرم بھی ہو۔

حنابلہ کا مذہب: اول......حنابلہ کی رائے کے مطابق محتاج کا نفقہ حسب وراثت اقارب پر واجب ہے، چنانچہ جس مستحق کی ماں اوردادا زندہ ہوتو ماں کے ذمہ تہائی نفقہ واجب ہوگا اوردادا کے ذمہ دوتہائی۔

جس مستحق کا ایک بیٹا اورایک بیٹی ہوتو نفقہ تین حصوں میں ہوگا جیسے میراث میں ہوتا ہے یعنی بیٹے پر بیٹی کا دوگنا نفقہ واجب ہوگا۔ جس مستحق کی دادی اورایک بھائی ہوتو دادی کے ذمہ نفقہ کا چھٹا حصہ اور باقی بھائی پر واجب ہوگا۔ جس شخص کی ایک بیٹی اورایک بہن ہوتو بیٹی کے ذمہ نصف اور بہن کے ذمہ بھی نصف ہوگا، جس مستحق کا نانا زندہ ہوتو اس کا نفقہ نانی کے ذمہ واجب ہوگا چونکہ وہ وارثہ ہے۔ جس مستحق کا دادااوردادی زندہ ہوں اس کا نفقہ دادی کے ذمہ چھٹا حصہ ہوگا اور باقی دادا کے ذمہ واجب ہوگا۔ اگر دادااور بھائی جمع ہو جائیں تو وہ دونوں برابر ہوں گے اگر ماں، بھائی اوردادا جمع ہوں تو ان کے درمیان نفقہ اثلاثاً واجب ہوگا۔

حنابلہ نے اپنے قاعدہ سے یہ صورت مستثنیٰ کی ہے کہ اگر مستحق کا باپ ہوتو نفقہ صرف اسی پر واجب ہوگا۔ باپ کے علاوہ کسی اور پر واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ عَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ البقرۃ۲/۲۳۳

حنابلہ کا یہ استثناء حنفیہ کے برخلاف ہے وہ اس طرح کہ اگر مستحق کا بیٹا ہوتو اس کا نفقہ صرف بیٹے کے ذمہ واجب ہوگا۔

دوم......اگر ایک اصل (باپ یادادا) ایک فرع اور دووارث جمع ہوں جب کہ ان میں سے جو زیادہ قریبی رشتہ دار ہو خواہ تنگدست ہو اور جو دور کا رشتہ دار ہو وہ مالدار ہو تو نفقہ دور کے مالدار رشتہ دار کے ذمہ واجب ہوگا۔ چنانچہ جس شخص کی محتاج ماں اور مالدار دادی ہو تو اس کا نفقہ دادی کے ذمہ واجب ہوگا۔

سوم......اگر دو مالدار قریبی رشتہ دار جمع ہو جائیں جب کہ ان میں سے ایک وراثت میں محجوب ہوتا ہو اور حاجب قریبی محتاج رشتہ دار ہو، جب کہ محجوب عمودی نسب یعنی اصول وفروع میں سے ہو تو اس کا نفقہ محجوب کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوگا، اگر محجوب اصول وفروع کے علاوہ ہو تو اس پر نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ صورت مسئلہ کچھ یوں ہے، جس مستحق کے والدین اوردادا ہوں جب کہ باپ تنگدست ہو تو باپ کالعدم کے درجہ میں ہوگا۔ تاہم نفقہ تین حصوں میں واجب ہوگا ایک تہائی ماں کے ذمہ اور بقیہ دادا کے ذمہ واجب ہوگا۔ جس شخص کے والدین دو بھائی اوردادا ہو جب کہ والد تنگدست ہو تو بھائیوں کے ذمہ نفقہ واجب نہیں ہوگا، چونکہ بھائی محجوب ہوتے ہیں، اور وہ اصول وفروع میں سے نہیں ہیں۔ تاہم ماں پر ایک تہائی نفقہ ہوگا اور باقی دادا کے ذمہ واجب ہوگا۔

چہارم......اگر مستحق نفقہ کا صرف ایک ہی وارث ہو تو اس پر بقدر میراث مستحق کا نفقہ واجب ہوگا۔

بیوی بقیہ اقارب پر مقدم ہوگی، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص فقیر ومحتاج ہو تو وہ اپنے آپ سے ابتدا کرے، اگر کچھ بچ رہے تو اپنے عیال پر خرچ کرے، اگر پھر بھی کچھ بچ رہے تو قرابتدار پر خرچ کرے۔

سوریا کے قانون میں حنابلہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے چونکہ فقہی قاعدہ ہے کہ ''الغرم بالغنم'' جب کہ نفقات کے بقیہ احکام حنفی

مذہب سے ماخوذ ہیں۔

شافعیہ کا مذہب......شافعیہ کے نزدیک نفقہ والدین اور اولاد پر مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کیا جائے گا۔❶

جس شخص کے دو فروع قرابتداری اور وراثت داری میں برابر ہوں یا عدم قرب وعدم وراثت میں برابر ہوں جیسے دو بیٹے یا دو بہن، یا جیسے ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو ان پر نفقہ برابر سرابر ہوگا، نہ کہ بحسب میراث: اگرچہ مالداری میں تفاوت ہو یا ان میں سے ایک مالدار ہو اور دوسرا اکسب وکمائی کر سکتا ہو۔

اگر ایک خرچ کنندہ زیادہ قریبی ہو اور دوسرا وارث ہو تو نفقہ قرابتدار پر واجب ہوگا نہ کہ وارث پر۔

اگر دونوں وراثت کے استحقاق میں برابر ہوں جیسے بیٹی اور پوتا تو دونوں پر مستحق کا نفقہ واجب ہوگا۔

اگر قرابتداری میں دونوں برابر ہوں تو وارث کو (اصح قول کے مطابق) مقدم رکھا جائے گا۔ چونکہ وارث کی قرابت میں قوت پائی جاتی ہے۔ جیسے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چنانچہ نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا نہ کہ بیٹی پر۔

اگر وراثت میں برابر ہوں تو یہاں دو وجہیں بنتی ہیں، ایک قول کے مطابق دونوں پر نفقہ برابر سرابر ہوگا۔ دوسرا قول کہ نفقہ بحسب وراثت ہوگا۔

اصول میں جو قاعدہ کلیہ ہے وہ فروع کے قاعدہ کلیہ کے قریب قریب ہے۔

چنانچہ جس شخص کے والدین ہوں اس کا نفقہ باپ پر واجب ہے اور اگر اجداد وجدات ہوں تو نفقہ اقرب پر واجب ہوگا۔

جس شخص کا ایک اصل اور ایک فرع ہو تو اصح قول کے مطابق نفقہ فرع پر واجب ہوگا جیسے کسی مستحق کا باپ اور ایک بیٹا ہو تو اس کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوگا۔

شافعیہ کے نزدیک بیوی کو بقیہ اقارب پر مقدم رکھا جائے گا جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں، چونکہ بیوی کا نفقہ زیادہ موکد ہے چونکہ مدت گزرنے سے اس کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔

مالکیہ کا مذہب......مالکیہ کے راجح قول کے مطابق نفقہ مالدار اولاد پر ان کی مالداری کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا، دوسرا قول ہے کہ فی نفر کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا تاہم مذکر مونث سے قطع نظر۔ تیسرا قول ہے کہ نفقہ حسب وراثت تقسیم کیا جائے گا چنانچہ ہر مرد پر دو عورتوں کے برابر نفقہ ہوگا۔

سوریا کے قانون میں اقارب کا نفقہ......سوریا کے قانون میں اقرباء کے نفقہ کے حوالے سے حنفیہ کے مذہب کو اپنایا گیا ہے، اگرچہ خرچ کنندگان کے متعدد ہونے کی صورت میں حنابلہ کا مذہب لیا گیا ہے۔ قانون کے اہم متون حسب ذیل ہیں۔

دفعہ ۱۵۴ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ ہر انسان کا نفقہ اسی کے ذاتی مال میں سے ہوگا البتہ بیوی کا نفقہ اس کے خاوند پر ہوگا۔

۱......اگر اولاد کے پاس مال نہ ہو تو اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہوگا، بشرطیکہ باپ معذور نہ ہو یا کسب وکمائی سے قاصر نہ ہو۔

۲......لڑکی کا نفقہ برابر جاری رہے گا تاوقتیکہ اس کی شادی ہو جائے اور لڑکے کا نفقہ بھی جاری رہے گا تاوقتیکہ کمانے کے قابل ہو جائے۔

دفعہ ۱۵۶ میں صراحت کی گئی ہے کہ۔

---

❶......مغنی المحتاج ۳/ ۴۵۰، المهذب ۲/ ۲۶۶۔

۱......اگر باپ اولاد پر خرچ کرنے سے قاصر ہو جب کہ کسب وکمائی سے قاصر نہ ہو تو اولاد کا نفقہ اس شخص پر واجب ہوگا جس پر باپ کی عدم موجودگی میں اولاد کا نفقہ واجب ہوتا ہو۔

۲......یہ نفقہ باپ پر دین ہوگا خرچ کنندہ بعد میں باپ سے واپس لے۔

دفعہ ۱۵۷ میں ہے:

۱......باپ کو بیٹے کی بیوی کا خرچہ برداشت کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ باپ نے بہو کے خرچ کی ضمانت دی ہو۔

۲......اس صورت میں باپ نے جتنا خرچہ کیا ہوگا وہ بیٹے پر دین (قرضہ) ہوگا۔

دفعہ ۱۵۸ میں ہے کہ:

اولاد پر والدین کا نفقہ واجب ہے اولاد خواہ بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت۔

دفعہ ۱۵۹ میں ہے:

وہ شخص جو فقیر ہو اور کسب وکمائی سے قاصر ہو اس کا نفقہ اس کے وارث پر واجب ہوگا۔

دفعہ ۱۶۰ میں ہے۔

اختلاف دین کی صورت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا البتہ اصول وفرع کا نفقہ باوجود اختلاف دین کے واجب ہوتا ہے۔

دفعہ ۱۶۱ میں ہے!

قرابتدار کے نفقہ کا فیصلہ دعویٰ کی تاریخ سے کیا جائے گا، قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ اولاد کے نفقہ کا حکم دعویٰ کی تاریخ سے پہلے دے، لیکن چار ماہ کی مدت سے تجاوز نہ ہونے پائے۔

چوتھا باب: وصایا......[1] اس بحث کے ضمن میں تین فصلیں بیان کی جائیں گی۔

پہلی فصل......وصیت کے بیان میں۔

دوسری فصل......مرض الموت کے تصرف کے بیان میں۔

تیسری فصل......وصایہ کے بیان میں۔

پہلی فصل......سات مباحث پر مشتمل ہے۔

پہلی بحث......وصیت کا معنی، وصیت کی مشروعیت، وصیت کا رکن اور وصیت کی کیفیت انعقاد۔

دوسری بحث......وصیت کی شرائط۔

تیسری بحث......وصیت کے مختلف احکام، (لزوم وعدم لزوم کے اعتبار سے وصیت کی صفت وطریقہ کار، تملیک میں وصیت کا اثر، وصی کے احکام، موصی لہ کے احکام، موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کے احکام، وصیت کی مقدار، وارث کے حق میں کی گئی وصیت، وارث کے حصہ کے بمثل وصیت، اجزاء کی وصیت، وصیت کی تنفیذ)۔

چوتھی بحث......وہ امور جو وصیت کو باطل کر دیتے ہیں۔

---

[1] ......وصایا وصیت کی جمع ہے یہ وصیت اور ایصاء دونوں کو شامل ہے چنانچہ مقولہ ہے ”اوصی الی فلان“ یعنی فلاں شخص کو وصی مقرر کر دیا، وصایہ اسم مصدر ہے۔

پانچویں بحث......وصایا کا تزاحم (ہجوم وصیتہا)

چھٹی بحث......قانونی رو سے واجب وصیت۔

ساتویں بحث......وصیت کا اثبات۔

پہلی فصل: وصیت......یہ فصل ایک تمہید اور سات مباحث پر مشتمل ہے۔

تمہید: وصیت تاریخ کے آئینہ میں......وصیت قدیم نظام ہے، لیکن بعض ادوار میں وصیت کی آڑ میں حق داروں پر ظلم کیا جاتا اور بے جا طرف داری کا مظاہرہ کیا جاتا۔

چنانچہ رومیوں کے عہد میں صاحب کنبہ کو وصیت کے ذریعہ مال میں ایسا تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا جو کسی چیز کے ساتھ مقید نہ ہوتا، بسا اوقات کسی اجنبی کے حق میں وصیت کر دی جاتی اور اپنی اولاد کو میراث سے محروم کر دیا جاتا، پھر رفتہ رفتہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اولاد کے حق میں باپ کی چوتھائی میراث واجب وضروری قرار دی گئی تا کہ اولاد اپنے مورث کے ساتھ بے جا سلوک نہ کرے۔

جاہلیت میں عربوں کا یہ رواج تھا کہ وہ اپنا سارا مال اجنبیوں کے حق میں وصیت کر دیتے اور اس رویے کو باعث فخر وناز سمجھتے تھے جب کہ اقرباء کو فقراء ومحتاجین چھوڑ دیتے تھے۔ ❶

پھر اسلام آیا اس نے عدل وانصاف اور حق پر مبنی وصیت کو صحیح قرار دیا، تاہم قانون میراث کے نازل ہونے سے پہلے اسلام نے والدین اور اقرباء کے حق میں وصیت کرنے کو لازمی قرار دیا چنانچہ ابتدائے اسلام میں ہر طرح کے مال کی وصیت والدین اور اقرباء کے حق میں واجب تھی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَ كُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۱۸۰

جب تم میں سے کسی شخص کی موت کا وقت قریب ہو جائے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تمہارے اوپر والدین اور اقرباء کے حق میں معروف طریقہ سے وصیت فرض کر دی گئی ہے یہ پرہیز گاروں پر مستحقین کا حق ہے۔ البقرۃ ۲/ ۱۸۰

جب آیت میراث نازل ہوئی تو وصیت کی مشروعیت کو دو قیدوں کے ساتھ مشروط کر دیا گیا۔

اول......یہ کہ وصیت وارث کے حق میں دوسرے ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی، چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا ہے چنانچہ وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوتی۔'' یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی۔ ❷ رہی بات والدین کی سو ترکہ میں ان کا حصہ مقرر ہے، اس لئے غیر ورثہ کے حق میں وصیت مستحب ہے۔

دوم......وصیت کی حد مقرر کر دی اور وہ حد تہائی ترکہ ہے۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ ''تہائی ترکہ کی وصیت کرو، اور تہائی بھی زیادہ ہے، تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑو اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم انہیں محتاجین چھوڑ اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔'' ❸ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اپنے مال کا دو تہائی حصہ یا آدھا مال وصیت

---

❶......الوصیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ لاستاذنا المرحوم عیسوی احمد عیسوی ص ۹۔ ❷حدیث متواتر رواہ اثنا عشر صحابیاً وارسلہ خمسۃ من التابعین فرواہ ابوداؤد وابن ماجہ والترمذی واحمد والبیہقی وعبد بن حمید فی مسندہ (نصب الرایۃ ۴/ ۴۰۱) ❸رواہ الجماعۃ احمد والائمۃ الستۃ عن سعد بن ابی وقاص۔

کرنا چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع کیا۔

رہی بات تہائی سے زائد حصہ کی سو وہ ورثہ کا حق ہوتا ہے چنانچہ زائد حصہ میں مورث کا تصرف ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتا۔

پہلی بحث......وصیت کا معنی، مشروعیت، رکن، وصیت کی کیفیت انعقاد اور اس کا اثر۔ ❶

وصیت کا معنی اور اس کی دو انواع......وصیت، ایصاء ہے، وصیت کا اطلاق دوسرے کے ساتھ وعدہ کرنے پر ہوتا ہے خواہ عرصہ حیات میں یا بعد از وفات وہ عہد پورا ہو، چنانچہ مقولہ ہے۔''**اوصیت لہ والیہ**''یعنی میں نے فلاں شخص کو وصی مقرر کیا جو اس کے بعد کسی کام کی نگرانی کرے گا۔''اس معنی کے لئے وصایہ کا لفظ مشہور ہے۔

اسی طرح مال کو کسی دوسرے شخص کی ملکیت میں دے دینے پر بھی وصیت کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے:

وصیت بکذا یا اوصیت

یعنی میں نے مال اس کی ملکیت میں دے دیا،''**وصایا**''وصیت کی جمع ہے اس میں وصیت مال، ایصاء اور وصایہ سب شامل ہیں، فقہی اصطلاح میں۔

تملیك مضاف الٰی مابعد الموت بطریق التبرع سواء أکان المملك عیناً ام منفعة

وصیت ایسی تملیک ہے جو مابعد الموت منسوب ہوتی ہے یہ ایک طریقہ تبرع ہے برابر ہے کہ ملک میں دی ہوئی چیز کوئی متعین چیز ہو یا منفعت ہو۔

تعریف ہی سے تملیکات میں تمیز ہو جاتی ہے کہ وصیت کردہ چیز یا تو عین (متعین چیز) ہوگی یا منفعت ہوگی، اس سے بیع خارج ہوگئی، اور منفعت کی قید سے اجارہ خارج ہو گیا۔

ہبہ سے بھی احتراز ہو گیا چونکہ ہبہ عرصہ حیات میں ہوتا ہے جب کہ وصیت مابعد الموت ہوتی ہے۔

یہاں یہی تعریف مراد ہے کہ وصیت مال میں کیا جانے والا عقد یا تصرف ہے، بعض فقہاء نے وصیت کی یوں بھی تعریف کی ہے:

ھی الامر بالتصرف بعدالموت، وبالتبرع بمال بعد الموت

وصیت موت کے بعد تصرف ہے، اور موت کے بعد مال تبرع کرنے کا نام ہے۔

وصیت کی انواع......مطلق وصیت بھی صحیح ہے اور مقید وصیت بھی، مطلق وصیت: جیسے کہا جائے: میں نے فلاں شخص کے حق میں اس چیز کی وصیت کر دی، مقید یا معلق وصیت: جیسے کوئی کہے: اگر میں اپنے اس مرض سے مر گیا یا اس شہر میں مر گیا یا اس سفر میں مر گیا یا اس مہینہ میں مر گیا تو فلاں شخص کی یہ چیز ہے۔ اگر شرط متحقق ہوگئی تو وصیت صحیح ہوگی اگر شرط پوری نہ ہوئی بعینہ اس مرض سے نہ مرا یا اس شہر میں یا اس سفر میں یا اس مہینہ میں نہ مرا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

سوریا اور مصر کے قانون میں وصیت کی یہ تعریف کی گئی ہے:

تصرف فی الترکة مضاف الٰی مابعد الموت

ترکہ میں ایسا تصرف کرنا جو موت کے بعد منسوب ہوتا ہے۔

---

❶......البدائع ۷/۳۳۰، تکملة فتح القدیر ۷/۴۱۷، اللباب ۴/۱۶۸، الشرح الصغیر ۴/ ۵۷۹ مغنی المحتاج ۳/۳۸، المھذب ۱/۴۴۹، المغنی ۶/۵۱، کشاف القناع ۴/۳۷۱، غایة المنتھیٰ ۲/۳۴۸، بدایة المجتھد ۲/۳۲۸، رد المحتار ۵/۴۵۷۔

مصری قانون کی وضاحت میں ہے:

حنفیہ کی تعریف میں ''تملیک'' کے لفظ کی بجائے ''تصرف'' کا لفظ لایا گیا ہے تا کہ وصیت کے تمام مسائل کو شامل ہو جائے۔

چنانچہ وصیت میں یہ صورتیں بھی شامل ہوں گی جب وصیت کردہ چیز مال ہو یا منفعت ہو، اور موصی لہ تملیک کی اہلیت رکھتا ہو جیسے مثلاً نام سے یا وصف سے کسی متعین کے حق میں وصیت کی، اور موصی لہم ایسے لوگ ہوں جو شمار میں آتے ہوں یا معین بالوصف ہوں جو شمار میں نہ آتے ہوں، جیسے مثلاً فقراء کے حق میں کی گئی وصیت یا خیر و بھلائی کے راستے میں وصیت کی جیسے مسافر خانے، مدارس وغیرھا۔

یہ تعریف اس صورت کو بھی شامل ہے جب موصی بہ درجہ اسقاط میں ہو اور اس تملیک کا معنی پایا جاتا ہو جیسے ابراء دین کی وصیت، یا موصی بہ اسقاط محض ہو جیسے ابراء کفیل، اس صورت کو بھی شامل ہے جب موصی بہ کوئی حق ہو مال یا منفعت نہ ہو، لیکن وصیت مالی تصرف ہے چونکہ وصیت کا تعلق مال سے ہے۔ جیسے مثلاً مقررہ مدت کے دین کو موجل کرنے کی وصیت کر دی، یا زمین کسی شخص کے ہاتھ فروخت کرنے کی وصیت کر دی۔

ترکہ..... ہر وہ چیز جس کا مورث کے بعد وارث نائب و جانشین بنتا ہو خواہ وہ مال ہو یا منفعت ہو یا کوئی حق ہو جو مال سے متعلق ہو جو مورث کے مرنے کے بعد وارث کی طرف منتقل ہو جائے۔

دوم: **وصیت کی مشروعیت**..... اس عنوان کے ذیل میں مشروعیت کے دلائل، وصیت کا سبب، حاکمیت اور وصیت کے حکم شرعی کی نوعیت پر گفتگو کی جائے گی۔

مشروعیت کے دلائل..... وصیت کتاب وسنت، اجماع اور عقلی دلائل سے ثابت ہے۔

کتاب سے..... چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾

جب تم میں سے کسی شخص کی موت کا وقت قریب ہوا گر اس نے مال چھوڑا ہو تو تم پر وصیت فرض کر دی گئی ہے جو والدین اور قرابت داروں کے حق میں ہو معروف طریقے سے یہ پرہیز گاروں پر مستحقین کا حق ہے۔ البقرۃ ۲/۱۸۰

فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ..... النساء ۴/۱۱

یہ احکام تمہاری کی گئی وصیت یا دین کے بعد ہیں۔

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ..... النساء ۴/۱۲

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اقارب کے حق میں وصیت کرنا مشروع ہے، دوسری دو آیات میں میراث کو وصیت اور ادائے دین سے مؤخر رکھا گیا ہے۔ لیکن دین (قرضہ) وصیت پر مقدم ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: کہ تم یہ آیت پڑھتے ہو:

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ..... النساء ۴/۱۱

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے کہ دین وصیت سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ [1]

---

[1] ..... رواه الترمذی۔

سنت سے...... حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکور بالا حدیث ہے۔ ''وصیت تہائی ترکہ میں نافذ ہوتی ہے اور تہائی بھی زیادہ ہے۔'' ایک اور حدیث ہے۔ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری وفات کے وقت تمہارے اوپر صدقہ کیا ہے جو تہائی مال کے بقدر ہے'' یہ تمہارے اعمال میں اضافہ کا باعث ہے ❶ ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس کی دو راتیں بھی نہ گزرنے پائیں اور اس کے پاس کوئی چیز ہو جس کی وصیت کرنا چاہتا ہو الا یہ کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے سرہانے تلے موجود ہو۔ ❷ ابن ماجہ کی روایت کردہ حدیث ہے۔ ''محروم وہ شخص ہے جو وصیت کرنے سے محروم ہے، جو شخص وصیت کر کے مرے وہ سنت، پارسائی اور شہادت کی راہ میں مرا اور اس کی مغفرت یقینی ہے۔

اجماع...... علماء کا اجماع ہے کہ وصیت کرنا جائز ہے۔

عقلی دلیل...... چونکہ ہر انسان قربت، نیکی و بھلائی اور دوسروں کے ساتھ احسان کرنے کا محتاج ہے تاکہ گذشتہ کوتاہیوں کا تدارک کر سکے چونکہ عرصہ حیات میں ہر انسان سے نیکیوں کے حوالے سے کوتاہیاں ہوتی رہتی ہیں۔

وصیت کی حکمت...... وصیت کا سبب تبرع ہے اور تبرع کہتے ہیں دنیا میں خیر و بھلائی کا فائدہ حاصل کرنا اور آخرت میں ثواب حاصل کرنا، اسی لئے شریعت نے وصیت کو مشروع قرار دیا ہے تاکہ انسان نیک اعمال کر سکے، اور انسان کوتاہیوں کے مقابلہ میں اچھائیاں کر سکے، صلہ رحمی کرے اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک رکھے، جو لوگ محتاج ہوں ان کی ضروریات پوری کرے، ضعفاء، مساکین اور تنگدستوں کی مشکلات کو حل کر سکے۔ تاہم وصیت کی حکمت میں یہ شرط ہے کہ عدل و معروف طریقہ اپنایا جائے، اور وصیت کے ذریعہ کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُوصِىٰ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرٍّ ...... النساء ۴/۱۲

جو وصیت کی گئی ہو یا ذمہ میں دین ہو اس کی بعد یہ احکام لاگو ہوں گے اس حال میں کہ کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ وصیت کے ذریعہ وارث کو ضرر پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ وصیت میں عدل یہ ہے کہ وصیت تہائی ترکہ میں محصور رکھی جائے، جب کہ وارث کے حق میں وصیت دوسرے ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوتی، چونکہ اگر وارث کے حق میں وصیت کی گئی تو یہ وصیت بغض و حسد اور قطع رحمی کا سبب بنے گی۔

شرعی وصیت کا حکم...... شرعی وصیت مستحب و مندوب ہے، اگرچہ وصیت کسی صحت مند شخص کے حق میں کی جائے، چونکہ موت اچانک آ لیتی ہے اس لئے مال کی وصیت واجب نہیں، ہاں البتہ اگر کسی شخص پر قرضہ ہو یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو یا اس کے ذمہ کوئی اور دینی فریضہ ہو تو ان کے متعلق وصیت کرنا واجب ہے۔

وصیت کے عدم وجوب کی دلیل...... اکثر صحابہ سے منقول نہیں کہ انہوں نے وصیت کی ہو چونکہ وصیت عطیہ اور تبرع ہے، عرصۂ حیات میں انسان پر واجب نہیں لہٰذا موت کے بعد بھی واجب نہیں جیسے اجنبی فقراء کو دیا گیا عطیہ واجب نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

❶...... رواہ خمسة من الصحابة، ابوہریرة وابو الدرداء ومعاذ وابو بکر الصدیق وخالد بن ولید (نصب الرایة ۴/۳۹۹)۔ ❷ رواہ الجماعة عن ابن عمر واحتج بہ من یعمل بالخط اذا عرف (نیل الاوطار ۶/۳۳)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ

یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ ......النساء ۴/۷

والدین اور اقرباء کے ترکہ میں مردوں کا حصہ ہے۔

یعنی پہلی آیت منسوخ ہے اور دوسری آیت ناسخ ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: آیت وصیت آیت میراث سے منسوخ ہو چکی ہے۔

جب وصیت کا وجوب منسوخ ہوا تو استحباب باقی رہا۔

افضل یہ ہے کہ وصیت ایسے رشتہ داروں کے حق میں کی جائے جو وارث نہ ہوتے ہوں اور وہ فقراء ہوں، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ......الاسراء ۱۷/۲۶

اور قریبی رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

ایک اور آیت ہے:

اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى ......البقرۃ ۲/۱۷۷

اپنی محبت کی بنا پر قریبی رشتہ داروں کو مال دیتا ہے۔

نیز آیت کریمہ ہے:

وَأُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا

مؤمنین اور مہاجرین میں سے رشتہ دار ایک دوسرے سے زیادہ حق رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں، ہاں البتہ تم اگر اپنے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کر دو (تو اس کی اجازت ہے)۔ الاحزاب ۳۳/۶

اس آیت کی تفسیر وصیت کے ساتھ کی گئی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ وصیت بسا اوقات مکروہ اور بسا اوقات حرام بھی ہوتی ہے۔ یوں وصیت کی اپنے حکم کے اعتبار سے چار اقسام ہیں۔

۱۔ واجب...... جیسے امانتیں اور قرضہ جات کی واپسی کی وصیت، اور ایسے فرائض کی ادائیگی کی وصیت جنہیں موصی اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا ہو جیسے زکوٰۃ، حج اور کفارات فدیہ وغیرھا۔ وصیت کی یہ قسم متفق علیہ ہے، شافعیہ کہتے ہیں: حقوق یعنی دیون ودیعت اور عاریۃ کی ادائیگی کی وصیت مسنون ہے۔

۲۔ مستحب...... ایسے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کرنا مستحب ہے جو وارث نہ بنتے ہوں خیر و بھلائی اور عام محتاجوں کے حق میں وصیت کرنا بھی مستحب ہے، جو شخص مال چھوڑ کر مرے اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ مال کا پانچواں حصہ قریبی مسکین کے حق میں وصیت کرے اگر قریبی نہ ہو تو کسی بھی مسکین کے حق میں پانچویں حصہ کی وصیت کرے۔ یا کسی عالم کی حق میں وصیت کرے یا کسی دیندار شخص کے حق میں وصیت کرے۔

۳۔ مباح...... جیسے مالداروں کے حق میں کی گئی وصیت خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا غیر رشتہ دار ہوں، یہ وصیت جائز ومباح ہے۔

۴۔ مکروہ...... حنفیہ کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے، جیسے فساق وفجار کے حق میں کی گئی وصیت، ایسے فقیر کے حق میں وصیت بالاتفاق مکروہ ہے جس کے ورثہ موجود ہوں اور اگر ورثہ مالدار ہوں تو وصیت مباح ہوگی۔

حرام...... بسا اوقات وصیت حرام غیر صحیح ہوتی ہے یہ قسم بھی بالاتفاق ہے جیسے معصیت میں خرچ کرنے کے لئے وصیت کردی، کنیسہ کی تعمیر کی وصیت کردی، یا کنیسہ کی مرمت کے لئے وصیت کی، تورات وانجیل یا ان کی قرأت کے لئے وصیت کی، گمراہی وضلالت، فلسفہ اور حرام علوم کی کتابوں کے لئے وصیت، شراب کی وصیت، یا ایسے مشروعات کے لئے وصیت کی جن سے اخلاق خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو، اسی طرح اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد ترکہ کی وصیت بھی حرام ہے، وارث کے حق میں مطلقاً وصیت حرام ہے۔

حنابلہ کا صحیح مذہب یہ ہے کہ تہائی سے زائد وصیت مکروہ ہے۔

افضل یہ ہے کہ خیر وبھلائی کے امور میں وصیت کرنے میں جلدی کی جائے اور زندگی میں کی جائے، تا وفات وصیت کرنے میں تاخیر نہ کی جائے، چونکہ موت کے بعد وصیت میں کوتاہی ہو جانے کا قوی امکان ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا صدقہ افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم صدقہ کرو اس حال میں کہ تم تندرست اور ضرورت مند (کنجوس) ہو۔

مالدار بننے کی امید رکھتے ہو اور تمہیں فقر ومحتاجی کا بھی اندیشہ ہو، وصیت کرنے میں تاخیر نہ کرو یہاں تک کہ جب روح گلے میں اٹکی ہو اور تم کہو: یہ چیز فلاں کی ہے، یہ چیز فلاں کی ہے اور یہ فلاں کی حالانکہ یہ سب چیزیں تو کسی اور کی ملکیت میں جا چکی ہوتی ہیں۔ ❶

بنابریں عرصۂ حیات میں صدقہ کرنا وصیت سے افضل ہے، چونکہ صدقہ کرنے والا اپنے عمل کا ثواب قبر میں پہنچتے ہی پا لیتا ہے۔

ارکان وصیت...... حنفیہ میں سے صاحب درمختار کہتے ہیں: وصیت کا رکن فقط ایجاب (پیش کش کرنا) ہے جو موصی (وصیت کنندہ) کی طرف سے ہو، مثلاً وہ یوں کہے: میں نے فلاں شخص کے حق میں فلاں چیز کی وصیت کردی، رہی بات ''قبول'' کی سو موصی لہ کی طرف سے قبول کرنا شرط ہے، رکن نہیں۔ گویا قبول لزوم وصیت کی شرط ہے۔

یہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہی راجح ہے، چونکہ موصی لہ کی ملکیت وارث کی ملکیت کے مترادف ہے، اسی پر موصی لہ کی ملکیت قیاس کرلی گئی ہے۔ اسی کو سوریا کے شخصی قانون دفعہ ۲۰۷ اور مصر کے قانون دفعہ ایک میں اختیار کیا گیا ہے۔

علامہ کاسانی بدائع میں لکھتے ہیں: حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک وصیت کا رکن ''ایجاب وقبول'' ہے، جیسے دوسرے عقود بیع، ہبہ وغیرہ میں ایجاب وقبول رکن ہے، چونکہ کسی انسان کی ملکیت اس کے اختیار سے قبول وسعی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی، بغیر قبول کے ثبوت ملک ضرر کا باعث ہے، بخلاف میراث ہے، چنانچہ میراث میں ملکیت شارع کی طرف سے جبراً ثابت ہو جاتی ہے، اس میں قبول کرنا شرط نہیں۔

قبول سے کیا مراد ہے؟...... یا تو قبول صراحۃً ہو مثلاً موصی لہ کہے ''**قبلت**'' میں نے قبول کیا ہے۔ یا قبول دلالۃً ہو جیسے مثلاً موصی کی موت کے بعد موصی لہ مرجائے اس نے وصیت رد کی ہو اور نہ قبول کی ہو۔ وصیت، موصی کے مرنے کے بعد قبول کی جاتی ہے، اگر

---

❶ ......رواه الشيخان واصحاب السنن الا الترمذی ورواه احمد فی مسنده.

موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ نے وصیت قبول کی تو وصیت کردہ چیز میں موصی لہ کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، خواہ موصی لہ نے چیز پر قبضہ کرلیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو۔

اگر موصی کی موت کے بعد موصی لہ بھی مرگیا اس نے وصیت قبول کی ہو اور نہ ہی رد کی ہو تو وصیت کردہ چیز موصی کے ورثہ کو منتقل ہو جائے گی، اگر موصی کی زندگی میں موصی لہ نے وصیت قبول کی یا رد کی تو یہ قبول ورد باطل ہے۔

علامہ کاسانی اور قدوری نے یہی لکھا ہے اور حنفیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ وصیت موصی کے ارادہ سے ہو جاتی ہے۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۲۰ تا ۲۴ کے تحت حنفیہ کے مذہب پر صراحت کی گئی ہے، البتہ بعض احکام میں دوسرے فقہاء کے مذاہب بھی لئے گئے ہیں۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ وصیت موصی لہ کے قبول سے لازم ہوتی ہے بشرط یہ کہ قبول موصی کے مرنے کے بعد ہو، یہ حنفیہ کی رائے ہے، معصوم بچے، نابالغ اور محجور علیہ کی طرف سے اس کا ولی (سرپرست) قبول کرے گا، جنین کا حکم شافعیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے اور محجور علیہ کا حکم مالکیہ کے مذہب سے لیا گیا ہے۔

نیک اور بھلائی کی جہات جیسے علمی اور دینی ادارے، مسافر خانے، ہسپتال وغیرہ کی طرف سے وہ شخص وصیت قبول کرے گا جو ان اداروں کی نمائندگی کررہا ہو اور وہ شرعاً اور قانوناً نمائندہ ہو۔ تاہم موصی لھم کا ''قبول'' معتبر نہیں ہوگا جیسے ہاسٹل میں موجود مدرسہ کے طلبہ یا ہسپتال کے مریض وصیت قبول نہیں کرسکتے، یہ قانونی شق شافعیہ اور امامیہ کے مذہب سے لی گئی ہے۔

دفعہ ۲۰ میں ہے اگر نیکی وبھلائی کی جہات کا کوئی نمائندہ نہ ہو جو قبول کرے تو وصیت بلا قبول لازم ہو جائے گی۔

دفعہ ۲۱ میں ہے: اگر موصی لہ قبول یا رد سے پہلے مرجائے تو اس کے ورثہ اس کے قائم مقام ہوں گے یہ شق شافعیہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔

دفعہ ۲۳ میں ہے: لزوم وصیت میں قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا شرط نہیں، جو قبول کرلی جائے وہ لازم ہوگی اور جو رد کردی جائے وہ باطل ہوگی۔

یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

جمہور.....جمہور فقہاء کہتے ہیں وصیت کے چار ارکان ہیں۔ موصی (وصیت کنندہ) موصی لہ (جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو محتاج) موصی بہ (وصیت کردہ چیز) اور صیغہ وصیت۔ صیغہ ایجاب سے منعقد ہوتا ہے اور ایجاب موصی کی طرف سے ہوتا ہے مثلاً موصی کا کہنا: میں نے اس چیز کی فلاں کے حق میں وصیت کردی، یا یہ چیز فلاں کو دے دو یا میرے مرنے کے بعد یہ چیز فلاں کو عطا کردو۔ قبول متعین موصی لہ کی طرف سے ہو۔ موصی کی زندگی میں وصیت کا قبول ورد صحیح نہیں۔ موصی کے مرنے کے فوراً بعد قبول شرط نہیں۔ اگر وصیت کی جہت عامہ ہو جیسے مسجد، یا غیر متعین فقراء تو وصیت بلا قبول لازم ہو جائے گی۔ چنانچہ سوریا کے قانون دفعہ ۲۲۵ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ غیر متعین کے حق میں کی گئی وصیت قبول کے محتاج نہیں اور نہ ہی کسی کے رد کرنے سے رد ہوتی ہے۔

انعقاد وصیت کی کیفیت اور عقد وصیت کا اثر.....شرعاً انعقاد وصیت کے تین طریقے ہیں۔ عبارت سے یا کتابت (لکھ کر) سے یا سمجھ آنے والے اشارہ سے۔ مصر وسوریا کے قانون میں اسی پر صراحت کی گئی ہے۔

عبارت.....اس کا حاصل یہ ہے کہ زبان سے صراحۃً اظہار کیا جائے اور صریح لفظ بولا جائے مثلاً یوں کہا جائے۔ ''میں نے

فلاں چیز کی فلاں شخص کے حق میں وصیت کردی، اگر لفظ غیر صریح ہو تو ضروری ہے کہ لفظ میں ایسا قرینہ موجود ہو جس سے وصیت سمجھ آتی ہو، مثلاً کہے: میں نے یہ چیز مرنے کے بعد فلاں شخص کی ملکیت میں دے دی۔ یا کہے: تم گواہ رہو میں نے اس چیز کی فلاں شخص کے حق میں وصیت کردی۔

حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک موصی کی موت کے بعد قبول ہوگا۔ موصی کی زندگی میں قبول کا کوئی اعتبار نہیں، اگر موصی لہ مرجائے تو اس کا وارث اس کے قائم مقام ہوگا۔ جب کہ حنفیہ کے نزدیک موصی کے مرنے سے قبل بھی وصیت کا قبول کرنا صحیح ہے۔
موصی لہ کا قبول تب صحیح ہوگا جب وہ عاقل اور بالغ ہو اگر وہ عاقل و بالغ نہ ہو تو اس کا ولی وصیت قبول کرے، اگر موصی لہ غیر متعین ہو جیسے مثلاً مسجد کے لئے وصیت کردی، فقراء و مساکین کے لئے وصیت کردی تو موصی کے مرنے سے وصیت لازم ہوجاوے گی۔ اس صورت میں قبول کی ضرورت نہیں۔

کتابت: (وصیت نامہ)......اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ وصیت لکھنے سے بھی منعقد ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اگر گونگے شخص نے ورق پر وصیت لکھ دی تو وہ معتبر ہوگی۔
حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک لکنت والا شخص یا وہ شخص جو نطق پر قدرت نہ رکھتا ہو وہ بھی گونگے کے حکم میں ہے گویا اس کی لکھی ہوئی وصیت بھی منعقد ہوجائے گی، تاہم حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط یہ ہے کہ لکنت دائمی ہو۔
جبکہ شافعیہ کے نزدیک لکنت والے کی لکھی ہوئی وصیت مطلقاً صحیح ہے جیسے گونگے شخص کی وصیت صحیح ہے۔ اسی رائے کو قانونی شکل دی گئی ہے۔
جو شخص نطق و گویائی پر قدرت رکھتا ہو وہ اگر وصیت نامہ لکھے اس کی وصیت بھی منعقد ہوجائے گی، بشرطیکہ ورثہ کے اقرار سے وصیت نامہ پائے ثبوت کو پہنچ جائے کہ یہ ان کے مورث کا لکھا ہوا وصیت نامہ ہے یا گواہوں کی گواہی ثبت ہوجائے اگرچہ اس میں عرصہ ہی کیوں نہ گزر جائے۔
حنابلہ کے نزدیک یہی راجح ہے، حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ سے وصیت نامہ تحریر کرے پھر گواہ بنائے، گواہوں سے یوں کہے: جو کچھ اس نوشتہ میں لکھا ہوا ہے اس کی گواہی دو۔ وصیت اس طرح جائز ہوگی۔

شافعیہ کہتے ہیں......وصیت کی تحریر دراصل کنایہ ہے، یعنی وصیت تحریر سے تب منعقد ہوگی جب تحریر کے ساتھ نیت بھی ہو، جیسے تحریرِ بیع کے ساتھ نیت کا ہونا ضروری ہے، شافعیہ نے تحریر کے ثبوت کے لئے گواہی کا ہونا شرط قرار دیا ہے۔ اگر تحریر پر کسی کو اطلاع نہ ہو تو جو کچھ اس میں لکھا ہوگا۔ وہ منعقد نہیں ہوگا۔
صرف کتابت (تحریر) پر اکتفاء کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ تحریر کے ذریعہ مراد پوری پوری بیان کی جاسکتی ہے اس میں کمی کوتاہی نہیں رہتی بلکہ بوقت ضرورت تحریر زیادہ مؤثر اور قوی تر ہوتی ہے، تحریر سے کسی چیز کا اثبات بہتر طور پر ہوجاتا ہے۔ ❶

سمجھانے والا اشارہ......وصیت کے لئے اگر ایسا اشارہ کیا گیا جو سمجھ میں آتا ہو اور اشارہ کرنے والا گونگا شخص ہو یا اس کی زبان میں لکنت ہو، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ لکنت والا شخص نطق و گویائی کے وقت نطق کرنے سے مایوس ہوگیا ہو اور پھر اسی مایوسی کے عالم میں اس کی موت واقع ہوجائے، اگر نطق و گویائی سے مایوس شخص لکھنا جانتا ہو تو اس کی وصیت صرف تحریری طور پر منعقد ہوگی، چونکہ ایسے شخص کی تحریر کی مقصود و مطلوب پر دلالت زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوتی ہے، اسی شق کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک قوت گویائی رکھنے والے کے اشارہ (جو سمجھ میں آتا ہو) سے بھی وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔

خلاصہ.....قوت گویائی رکھنے والے شخص کی وصیت عبارت (لفظ) تحریر سے منعقد ہو جاتی ہے مالکیہ کے نزدیک سمجھ میں آنے والے اشارہ سے بھی وصیت منعقد ہو جاتی ہے۔ گونگے شخص کی وصیت عبارت اور تحریر سے منعقد ہوتی ہے اگر نطق وتحریر سے قاصر ہو تو اشارہ سے منعقد ہوتی ہے۔ اگر گونگا شخص لکھنا جانتا ہو تو اکثر فقہاء کے نزدیک اس کی وصیت تحریر سے منعقد ہوگی۔ رہی بات قانون کی سو قانون میں یہ بات مقرر ہے کہ قوت گویائی رکھنے والے شخص کی وصیت یا عبارت سے منعقد ہوتی ہے یا تحریر سے، اشارہ سے اس کی وصیت منعقد نہیں ہوتی۔ یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

رہی بات گونگے صاحب لکنت اور مریض جو قوت گویائی سے قاصر ہوئی سو یہ لوگ اگر لکھنا جانتے ہوں تو ان کی وصیت تحریری منعقد ہوگی، اگر تحریر نہ جانتے ہوں تو ان کی وصیت اشارے سے منعقد ہو جائے گی۔

قبول مطلوب.....اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

پہلی رائے...... یہ حنفیہ کی رائے ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ قبول مطلوب عدم رد ہے۔ چنانچہ یا تو صریح قبول معتبر ہوتا ہے: جیسے موصی لہ کہے۔ میں نے وصیت قبول کر لی، میں اس سے راضی ہوں۔ یا قبول دلالۃً ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ موصی لہ وصیت کردہ چیز میں ایسا تصرف کردے جیسے اپنی ملکیت

میں تصرف کیا جاتا ہے۔ جیسے بیع، ہبہ اور اجارہ۔

وصیت قبول کرنے سے موصی لہ وصیت کردہ چیز کا مالک بن جاتا ہے البتہ ایک مسئلہ مستثنیٰ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ موصی مرجائے پھر موصی لہ قبول کرنے سے قبل مرجائے چنانچہ وصیت کردہ چیز موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی چونکہ وصیت موصی کی طرف سے تمام ہو چکی اس کی طرف سے فسخ نہیں ہوئی۔ وصیت موصی لہ کے حق کی وجہ سے موقوف رہی جب وہ مرگیا تو اس کی ملک میں داخل ہوگئی، سوریا کے قانون دفعہ ۲۲۶ کے تحت عدم رد پر اکتفاء کرنے کے حوالہ سے حنفیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔

دوم...... جمہور کی رائے ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قول کے ساتھ وصیت قبول کرنا ضروری ہے، یا کوئی ایسا تصرف کرنا ضروری ہے جو قول کے قائم مقام ہو اور رضامندی پر دلالت کرتا ہو، عدم رد کافی نہیں ہوگا، چونکہ عدم رد قبول مطلوب نہیں، مصری قانون دفعہ ۲۰ کے تحت اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

کیا قبول کے معاملہ میں قبول کا فوری طور پر ہونا ضروری ہے؟......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ متعین مدت میں قبول کا ہونا شرط نہیں۔ قبول ورد علی الفور ہونا شرط نہیں بلکہ قبول علی التراخی بھی صحیح ہے، چنانچہ موصی کی وفات کے بعد طویل مدت گزرنے پر بھی قبول درست ہے۔ قبول علی الفور تو ان معاملات میں شرط ہے جن میں ایجاب پر قبول کا مربوط ہونا ضروری ہوتا ہے جیسے بیع، وصیت ان معاملات میں سے نہیں ہے، لیکن شافعیہ کی رائے ہے کہ وارث موصی لہ سے وصیت کے قبول کرنے یا رد کرنے کا مطالبہ کر سکتا ہے، شافعیہ کا مذہب معقولی ہے چونکہ اس میں وارث کے ضرر کا دفعیہ ہے۔

سوریا کے قانون میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ تیس دن کے اندر اندر وصیت کا قبول یا رد ہو جانا چاہئے تا کہ ورثہ کو انتظار نہ کرنا پڑے،

---

[1]......وصیت نامہ لکھنے سے پہلے مسنون خطبہ لکھنا مستحب ہے۔ تاہم اس کے الفاظ مختلف وارد ہوئے ہیں۔ وضاحت کے لئے دیکھئے غایۃ المنتہیٰ (۲/۳۴۸)

اگر موصی لہ کی طرف سے قبول یارد کی وضاحت نہ ہوئی تو اسے ردتصور کیا جائے گا۔اور وصیت باطل ہو جائے گی بشرط یہ کہ موصی لہ کسی عذر میں مبتلا نہ ہو یہ قانونی شق شافعیہ اور حنابلہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔

کچھ حصہ کا قبول اور کچھ حصہ کا رد......اگر موصی لہ قبول ورد میں تجزی کرے یعنی وصیت کردہ چیز کے کچھ حصہ کو قبول کر لے اور کچھ حصہ کو رد کر دے جیسے مثلاً کسی شخص نے مکان اور زرعی زمین کی وصیت کی موصی لہ نے مکان کی وصیت قبول کر لی اور زمین کی وصیت رد کر دی یا اس کے الٹ کیا، تو قبول کردہ حصہ کی وصیت نافذ ہو جائے گی، اور رد کردہ حصہ کی وصیت باطل ہو جائے گی، چونکہ موصی لہ اپنی مصلحت و بھلائی کو اچھی طرح جانتا ہے، اس تجزی میں دوسرے کا کوئی نقصان بھی نہیں چنانچہ جس حصہ کو وہ پسند کرتا ہے اس میں قبول کر لیا اور جس میں اسے رغبت نہیں اسے رد کر دیا، یعنی قبول کا ایجاب کے مطابق ہونا لازمی نہیں۔

اگر ایک جماعت کے حق میں وصیت کی گئی ہو جن میں سے بعض لوگ وصیت قبول کر لیں اور بعض رد کر دیں تو اصحاب قبول کے حق میں وصیت نافذ ہو جائے گی اور اصحاب رد کے حق میں باطل ہو جائے گی۔

لیکن اگر موصی نے عدم تجزی کی شرط لگا رکھی ہو تو اس شرط پر عمل کرنا واجب ہے۔

ان احکام کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

قبول یا رد سے رجوع کرنا......اگر موصی لہ نے وصیت قبول کر لی ہو یا رد کر دی ہو تو قبول کے بعد وصیت کو رد کرنا یا رد کے بعد قبول کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ ورثہ اگر رجوع کی اجازت دیں تو جائز ہے، اگر سارے ورثہ موصی لہ کے رد کو قبول کر لیں یا کوئی ایک وارث قبول کر لے تو وصیت فسخ ہو جائے گی اور وصیت کردہ چیز ترکہ کی طرف لوٹ آئے گی۔اگر ورثہ رد کا انکار کر دیں تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور وصیت نافذ رہے گی، قانون میں یہی اختیار کیا گیا ہے اور یہ حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے۔کہ قبول کے بعد رد جائز ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں......قبول یا قبضہ کے بعد وصیت رد کرنا صحیح نہیں، چونکہ بسا اوقات ملکیت قبول سے ثابت ہو جاتی ہے اور قبضہ سے استقرار پکڑتی ہے، لہٰذا قبول کے بعد رد صحیح نہیں، ہاں البتہ اگر ورثہ رد سے راضی ہوں تو صحیح ہے، اس صورت میں ورثہ کی طرف سے ابتداءً ہبہ ہوگا اور ہبہ کی شرائط لاگو ہوں گی۔

اگر رد قبول کے بعد اور وصیت کردہ چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے ہو تو اس صورت میں شافعیہ کے نزدیک دو وجہیں بنتی ہیں۔

اول......یہ شافعیہ کی منصوص علیہ وجہ ہے کہ رد صحیح ہے چونکہ وصیت آدمی کی طرف سے تملیک ہے اور بلا بدل تملیک ہے لہٰذا قبضہ سے پہلے رد صحیح ہے جیسے قبضہ سے پہلے وقف کا رد صحیح ہے۔

دوم......حنابلہ کے نزدیک وصیت کردہ چیز اگر مکیلی یا موزونی ہو تو رد صحیح ہے، چونکہ مکیلی اور موزونی چیز پر حاصل ہونے والی ملکیت قبضہ سے پہلے مستحکم نہیں ہوتی لہٰذا یہ رد قبول سے پہلے رد کرنے کے مشابہ ہے، اگر رد کی مذکور بالا دو صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت ہو تو رد صحیح نہیں ہوگا، چونکہ جو بھی صورت ہوگی اس میں ملکیت مستحکم ہو چکی ہوگی یہ ایسا ہی ہے جیسے وصیت کردہ چیز پر قبضہ کر لیا ہو اور پھر رد کی جائے۔

ایک ضابطہ......ہر وہ مقام جہاں رد صحیح ہو تو وصیت باطل ہو جاتی ہے اور ترکہ کا حصہ بن جاتی ہے اور اس میں سبھی ورثہ شریک ہوتے ہیں چونکہ اصل یہ ہے کہ ترکہ میں ورثہ کا حکم ثابت ہو۔

قبول کے بعد رد صحیح نہ ہونے کا قول جو کہ شافعیہ اور حنابلہ کا ہے راجح ہے، اگر چہ قبضہ کی صورت نہ پائی جاتی ہو ہاں البتہ یہ ابتداءً تبرع ہوگا اس لئے تبرعات کا حکم لے گا چونکہ موصی کی طرف سے موصی لہ کی ملکیت ثابت ہوئی ہے، ورثہ کی طرف سے ملکیت ثابت نہیں ہوئی، بایں ہمہ حنفیہ کی رائے کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

موصی لہ وصیت رد کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے: میں نے وصیت رد کردی یا کہے۔ ''میں اس وصیت کو قبول نہیں کرتا۔'' یا اس جیسے الفاظ بول دے۔❶

قبول یا رد کا اختیار کس کو حاصل ہوتا ہے؟: (ا)......فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر موصی لہ کامل اہلیت کا حامل ہو اور سمجھدار (رشید) ہو تو وصیت رد کرنے یا قبول کرنے کا اختیار اسی کو حاصل ہوگا، چونکہ موصی لہ کو اپنے اوپر ولایت حاصل ہے لہٰذا اسے اپنے تصرفات کا اختیار بھی حاصل ہوگا۔

(ب)......فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر موصی لہ عدیم الاہلیت ہو یعنی مجنون ہو یا بچہ ہو یا فاتر العقل ہو تو اس کا قبول یا رد صحیح نہیں ہوتا چونکہ عدیم الاہلیت کی عبارت اور قول لغو ہوتا ہے بلکہ عدیم الاہلیت کی طرف سے اس کا ولی (سرپرست) وصیت قبول کرے یا رد کرے۔

(ج)......اس امر پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر موصی لہ غیر متعین ہو وہ قبول ورد کا محتاج نہیں بلکہ وصیت تو محض ایجاب سے لازم ہوجائے گی، سوریا کے قانون دفعہ ۲۲۵ کے تحت اسی کو اختیار کیا گیا ہے، جب کہ مصر کے قانون دفعہ ۲۰ کے تحت مختلف اداروں کی طرف سے قبول ورد کا اختیار اس شخص کو دیا گیا ہے جو قانونی طور پر ان اداروں کا نمائندہ ہو۔ اگر کوئی مستقل نمائندہ نہ ہو۔

(د)......البتہ ناقص الاہلیت شخص یعنی غیر ممیز بچے یا مجور علیہ کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں...... ناقص الاہلیت وصیت قبول کرنے کا اختیار رکھتا ہے چونکہ وصیت ہبہ کی طرح محض نفع ہے، البتہ اسے رد کا اختیار نہیں چونکہ رد اس کے حق میں ضرر محض ہے۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں...... ناقص الاہلیت (غیر ممیز، بچہ، مجور علیہ) قبول ورد کا اختیار نہیں رکھتا یہ اختیار اس کے ولی کو حاصل ہوگا۔

وصیت کے قبول یا رد سے قبل ہی موصی لہ کا مر جانا...... اگر وصیت نہ قبول کی گئی تھی اور نہ ہی رد کی گئی تھی کہ موصی لہ کی موت واقع ہوگئی تو حنفیہ کے نزدیک استحساناً وصیت صحیح ہے چونکہ موصی لہ کی موت دلالۃً قبول کے معنی میں ہے، نیز وصیت میں یہ شرط ہے کہ وصیت رد نہ کی گئی ہو جب رد نہیں تو قبول کی گئی ہے، چنانچہ وصیت کردہ چیز موصی لہ کے ورثہ کی ملکیت میں داخل ہوجائے گی۔

موصی لہ کے بعد وصیت کے قبول ورد کا حق اس کا ورثہ کو منتقل ہوجائے گا، یہ جمہور کے نزدیک ہے ❷ چنانچہ ورثہ میں سے جس نے بھی قبول یا رد کیا اسی کا اس پر حکم لاگو ہوگا، چونکہ وصیت ایسا حق ہے جو مورث کے لئے ثابت ہے اس کے بعد وارث کے لئے بھی ثابت ہوگا۔ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جس شخص نے کوئی حق چھوڑا یا مال چھوڑا وہ اس کے ورثہ کا ہوگا۔''

❶......الکتاب مع اللباب ۴/۱۷۰، الشرح الکبیر مع الدسوقی ۴/۴۲۴، مغنی المحتاج ۳/۵۴. ❷المغنی ۶/۲۳، غایۃ المنتھی ۲/۲۵۲.

وصیت کردہ چیز میں کس وقت موصی لہ کی ملکیت ثابت ہوتی ہے؟......وصیت کا حکم یعنی کسی چیز پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ وصیت قبول کرنے کے بعد اور موصی کے مرجانے کے بعد وصیت کردہ چیز کی ملکیت موصی لہ کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، بالاتفاق اس حکم کے تحت وصیت لازم ہوجاتی ہے۔

اس بات پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر موصی نے وصیت کردہ چیز کی ملکیت کی کوئی خاص مدت مقرر کردی ہو جیسے مہینے کے ابتدائی ایام تو ملکیت کی ابتداء اسی مدت سے ہوگی چونکہ موصی کی شرط کی رعایت کی جائے گی بشرطیکہ وہ شرط مقاصد شریعت کے مخالف نہ ہو، البتہ اگر موصی نے ملکیت کی ابتداء کا وقت مقرر نہ کیا ہو تو پھر اگر موصی لہ نے موصی کی وفات کے فوراً بعد وصیت قبول کی تو موصی کی وفات کے بعد براہ راست موصی لہ وصیت کا مالک بن جائے گا، اگر موصی لہ نے تاخیر سے وصیت قبول کی تو پھر ثبوت ملکیت کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

ا۔ حنفیہ...... یہ حنفیہ وشافعیہ کی رائے ہے اور مالکیہ کا بھی مشہور مذہب یہی ہے، (1) اس کا حاصل یہ ہے کہ: وصیت صحیح ہونے کے لئے قبول شرط نہیں۔ بلکہ موصی لہ کے لئے ملکیت کا ثابت ہونا شرط ہے، چنانچہ موصی لہ کا قبول کرنا موصی لہ کی ملکیت کے حق میں ہے یہاں تک کہ موصی لہ قبول سے پہلے وصیت کا مالک نہیں بنتا۔

جب موصی لہ وصیت قبول کرلے تو موصی کی تاریخ وفات سے اس کی ملکیت ثابت ہوجائے گی، اگر موصی کی موت کے بعد موصی لہ نے وصیت قبول نہ کی تو وصیت قبول پر موقوف رہے گی، وارث کی ملکیت میں نہیں جائے گی اور نہ ہی موصی لہ کی ملکیت میں داخل ہوگی، یہاں تک کہ موصی لہ قبول کرلے یا بلاقبول ورد مرجائے۔

شافعیہ کا بھی ظاہری یہی موقف ہے کہ موصی لہ کی ملکیت موقوف رہے گی، اگر موصی لہ نے وصیت قبول کرلی تو وہ موصی کی موت پر مالک بن جائے گا اگر موصی لہ نے وصیت قبول نہ کی تو وصیت وارث کو مل جائے گی، تو یہاں شافعیہ کا موقف بھی حنفیہ جیسا ہے کہ ملکیت کی ابتداء موصی کی وفات کے وقت سے ہوگی لیکن ملک کا ثبوت قبول کرنے سے ہوتا ہے۔ (2)

مالکیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے (3) چونکہ مالکیہ نے دو چیزوں کی رعایت رکھی ہے۔

یہ کہ ملکیت قبول کرنے کے وقت سے ثابت ہوتی ہے اور موت کے وقت سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ قبول کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ موصی لہ وصیت کردہ چیز کا مالک موصی کی موت کے وقت بن گیا تھا۔

بعض مالکیہ اور حنابلہ کی رائے...... (4) موصی لہ وصیت کردہ چیز کا مالک قبول سے ہوتا ہے، بشرطیکہ وصیت کسی متعین شخص کے حق میں ہو، نیز قبول سبب ہے اور حکم سبب پر مقدم نہیں ہوتا، لہٰذا معلوم ہوا کہ ملکیت قبول سے ثابت ہوتی ہے۔

میرے نزدیک پہلی رائے راجح ہے چنانچہ ملکیت وقت وفات سے ثابت ہوگی چونکہ موصی نے اپنی وصیت سے اسی کا قصد کیا ہوتا ہے، سوریا کے قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔ (5)

ثمرۂ اختلاف......ثمرۂ اختلاف غلّہ اور پیداوار میں ظاہر ہوگا، چنانچہ موصی کی وفات اور موصی لہ کے قبول کرنے کے درمیان جو

---

(1)...... البدائع ۳۳۲/۷، الدر المختارورد المحتار ۴۶۰/۵، تکملة فتح القدير کا حاشية العناية ۴۳۰/۸، حاشية الشلبي على الزيلعي ۱۸۴/۶، الكتاب مع اللباب ۱۷۰/۴۔ (2) مغني المحتاج ۵۴/۳۔ (3) الشرح الصغير ۵۸۲/۴، الشرح الكبير مع الدسوقي ۴۲۴/۴۔ (4) المغني ۲۵/۶، كشاف القناع ۳۸۱/۴۔ (5) الفقرة الشافعيه من الماده ۲۵ من القانون المصري والفقرة الاولیٰ من المادة ۲۵۴ من القانون السوري۔

عرصہ گزرا اس عرصہ میں وصیت کردہ چیز کی پیداوار اور غلہ جیسے جانور نے بچہ جنم دیا، باغ پر پھل آ گیا، گھر کا کرایہ، بھیڑ کی اون وغیرہ ایسے اضافات جو منفصل ہوں، جب کہ متصل اضافہ بالاتفاق موصی لہ کا ہوگا جیسے فربہی۔

چنانچہ پہلی رائے کے مطابق وہ اضافات جو موصی کی موت کے بعد اور موصی لہ کے قبول سے پہلے حاصل ہوں وہ موصی کے ورثہ کی ملکیت ہوں گے، اس عرصہ کا خرچہ جو وصیت کردہ چیز کا ہوگا ورثہ پر پڑے گا، لیکن یہ رائے رکھنے والوں کا پھر آپس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا حاصل شدہ اضافات ثلث میں سے ہوں گے یا نہیں؟ حنفیہ کہتے ہیں: یہ اضافات اصل وصیت میں سے ہوں گے لہٰذا شرط یہ ہے کہ اصل وصیت اور اضافات دونوں ملا کر تہائی ترکہ سے زائد نہ ہوں۔

شافعیہ کہتے ہیں...... یہ پیداوار اصل وصیت کردہ چیز سے زائد اور الگ ہیں، لہٰذا مشروط تہائی حصہ میں اضافات داخل نہیں ہوں گے، چنانچہ حاصل شدہ پیداوار موصی لہ کی ملکیت ہوگی، یہ رائے راجح ہے چونکہ پیداوار تو موصی لہ کی ملکیت میں پیدا ہوئی ہے لہٰذا موصی لہ کو سپرد کی جائے گی، قانون میں بھی اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

کسی شرط پر وصیت معلق کرنا...... واضح رہے حالت حیات میں وصیت کا نفاذ نہیں ہوتا کیونکہ وصیت ایسا عقد ہے جس کی اضافت (نسبت) موت کی طرف ہوتی ہے، گویا ہر عقد فوراً نافذ ہو جاتا ہے سوائے وصیت کے وہ موت کے بعد نافذ ہوتی ہے۔

مصر اور سوریا کے قانون میں صراحت کی گئی ہے کہ وصیت کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ اور اسے کسی شرط کے ساتھ بھی مقید کرنا درست ہے۔ البتہ شرط کا صحیح ہونا ضروری ہے۔

وصیت کو مستقبل کی طرف منسوب کرنا...... یہ صحیح ہے، مثلاً ایک شخص کسی دوسرے کے حق میں مکان کی وصیت کرتا ہے کہ بعد از وفات یہ مکان اسے فلاں مہینے کی ابتدا میں دے دیا جائے، چونکہ وصیت زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

شرط صحیح کے ساتھ وصیت کو مقید کرنا...... بھی صحیح ہے یعنی وصیت کے نفاذ کو شرط صحیح کے ساتھ مقید کیا گیا ہو، شرط کا صحیح ہونا ابن تیمیہ اور ابن القیم کی رائے کے مطابق ہے اور اسی رائے کو قانونی حیثیت بھی حاصل ہے، شرط صحیح سے مراد یہ ہے کہ اس شرط میں موصی (وصیت کنندہ) یا موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہو) یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے لئے مصلحت اور بھلائی ہو وہ شرط شرعاً ممنوع نہ ہو اور مقاصد شریعت کے خلاف نہ ہو، ❶ یہ رائے حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے، حنفیہ کے ہاں شرط صحیح کی دو قیدیں ہیں:

۱...... وہ شرط مصلحت انگیز ہو۔

۲...... شرعاً ممنوع نہ ہو اور نہ ہی مقاصد شریعت کے منافی ہو۔

موصی کی مصلحت کی مثال...... مثلاً زید نے خالد کو اس شرط پر وصیت کی کہ وہ حکومتی ٹیکسز ادا کرے گا، یا وہ زید کی نابالغ اولاد کی نگرانی کرے گا، وغیرھا۔

موصی لہ کی مصلحت کی مثال...... مثلاً زید نے خالد کو زمین کی وصیت کی اور یہ شرط لگا دی کہ زمین کی درستی کے اخراجات موصی یعنی زید کے ترکے سے ادا کئے جائیں یا یہ شرط لگا دی کہ انتقال اراضی کے دفتری اخراجات موصی (زید) کے ترکہ میں سے ہوں گے۔

---

❶ ...... دفعہ ۴. ۱ و دفعہ ۲۱۰ ف ۱. ۲.

دونوں کے علاوہ کسی اور کی مصلحت کی مثال......جیسے مثلاً زید نے خالد کے لئے مکان کی وصیت کردی اور ساتھ یہ شرط لگائی کہ خالد، زید کے پڑوسی کی زمین سیراب کرے گا۔

اگر شرعاً شرط صحیح نہ ہوتو شرط لغو ہوجائے گی تاہم وصیت صحیح رہے گی، جیسے مثلاً کسی شخص نے دوسرے کے حق میں مال کی وصیت کی اور ساتھ یہ شرط لگادی کہ موصیٰ لہ شادی نہیں کرے گا، یہ شرط مقاصد شریعت کے متصادم ہے۔ اسی طرح اگر شرط شرعاً ممنوع ہوتو بطریق اولیٰ شرط لغو ہوجائے گی۔ جیسے مثلاً ایک شخص نے کچھ رقم کی وصیت کردی اور ساتھ موصی لہ کے لئے یہ شرط لگادی کہ اس رقم کا اتنا حصہ شراب پلانے میں لگایا جائے۔

رہی بات کسی شرط پر وصیت کو معلق کرنے کی سو عرصہ حیات میں وصیت کو کسی شرط پر معلق کرنا جائز ہے ❶ جیسے طلاق کو معلق کرنا جائز ہے، کیونکہ موت کے بعد وصیت کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے حیات میں، اور جب زندگی میں کسی شرط پر وصیت کو معلق کرنا جائز ہے جب یہ جائز ہے تو بعد الموت بھی جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ وصیت ان عقود (معاملات) میں سے ہے جنہیں کسی شرط پر معلق کرنا بالا تفاق جائز ہے۔ ❷

دوسری بحث......وصیت کی شرائط

وصیت کی مختلف شرائط ہیں جن پر وصیت کا صحیح ہونا موقوف ہے، ان شرائط کو شرائط صحت کہا جاتا ہے، کچھ شرائط ایسی ہیں جن پر وصیت کا نفاذ اور آثار کا مرتب ہونا موقوف ہوتا ہے، ان شرائط کو شرائط نفاذ کہا جاتا ہے۔ یہ شرائط یا تو موصی میں ہوں گی یا موصی لہ میں یا موصی بہ (وہ چیز جس کی وصیت کی گئی ہو جیسے گھر زمین وغیرہ) میں ان شرائط کو تین مقاصد میں بیان کروں گا۔

پہلا مقصد: موصی (وصیت کنندہ) کی شرائط......موصی کے متعلق دو طرح کی شرائط ہیں۔ شرائط صحت اور شرائط نفاذ۔

شرائط صحت......وصیت کنندہ کے متعلق درج ذیل شرائط ہیں۔ ❸

ا......یہ کہ موصی (وصیت کنندہ) تبرع کی اہلیت رکھتا ہو، اہلیت سے مراد ہے کہ وہ مکلّف یعنی عاقل و بالغ ہو، آزاد ہو، خواہ مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا کافر۔

بالا تفاق عقل کو شرط قرار دیا گیا ہے چنانچہ مجنون، معتوہ اور بے ہوش کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں، چونکہ ان لوگوں کی عبارات وتعبیرات لغوٌ ہوتی ہیں ان پر حکم نہیں لگایا جاتا، اسی طرح حریت یعنی وصیت کنندہ کے آزاد ہونے کی شرط پر بھی اتفاق کیا گیا ہے، چنانچہ غلام کی وصیت درست نہیں ہوتی چونکہ وہ تبرع کی اہلیت نہیں رکھتا، نیز غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود کسی کی ملکیت میں ہوتا ہے۔

حنفیہ اور شافعیہ نے بلوغ کی شرط پر بھی اتفاق کیا ہے، چنانچہ ممیز وغیر ممیز بچے کی وصیت درست نہیں، چونکہ وصیت ایسے تصرفات میں سے ہے جن میں محض ضرر اور نقصان ہوتا ہے جب کہ وصیت تو تبرع ہے۔

مالکیہ اور حنابلہ نے ممیز بچے کی وصیت جائز قرار دی ہے، ممیز بچہ وہ ہوتا ہے جس کی عمر دس سال کے لگ بھگ ہو، جب کہ غیر ممیز کی وصیت صحیح نہیں، جیسے کہ اسلام اور نماز ممیز بچے کی صحیح ہوتی ہے۔

---

❶......المادة ۴، قانون الوصية المصرى۔ ❷المهذب ۱/۴۵۲، غاية المنتهىٰ ۲/۳۴۸، المغنى ۶/۲۸، رد المحتار ۵/۴۷۱۔

❸البدائع ۷/۳۳۴، تبيين الحقائق ۶/۱۸۵، تكملة فتح القدير ۸/۴۲۹، الدر المختار ۵/۴۵۹، القوانين الفقهية ص ۴۰۵ الشرح الصغير ۴/۵۸۰، شرح الرسالة ۲/۱۶۹، مغنى المحتاج ۳/۳۹، بداية المجتهد ۲/۳۲۸۔

جیسا کہ حنفیہ نے ممیز (جس کی عمر سات سال ہو چکی ہو) کی وصیت کو جائز قرار دیا ہے جب کہ مال اس کی تجہیز وتکفین کے لئے موجود ہو۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبیلہ غسان کے ایک بچے کی وصیت جائز قرار دی اس بچے کی عمر دس سال تھی اس نے اپنے ماموؤں کے حق میں وصیت کی تھی، نیز بچے کی وصیت جائز ہونے میں بچے کا کوئی ضرر نہیں، کیونکہ عرصۂ حیات میں مال اس کی ملکیت میں رہے گا اور وہ وصیت سے رجوع بھی کرسکتا ہے، اس کی تفصیل آیا چاہتی ہے۔

سفیہ (بے وقوف) ہونے کی وجہ سے جس شخص پر حجر (پابندی) لگائی گئی ہو بالاتفاق اس کی وصیت جائز ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: محجور علیہ کی وصیت جائز ہے، بشرط یہ کہ اس نے خیر وبھلائی کے مواقع کے لئے وصیت کی ہو اور اگر محجور علیہ نے خیر وبھلائی کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے وصیت کی تو وصیت ناجائز ہوگی۔

مالکیہ کا بھی یہی موقف ہے کہ محجور علیہ سفیہ اور بچے کی وصیت صحیح ہے کیونکہ ان پر پابندی ان کے ذاتی حق کی وجہ سے ہوتی ہے اگر انہیں وصیت سے روک دیا جائے تو پھر پابندی غیر کے حق کی وجہ سے ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک محجور علیہ پر پابندی ہے اگر بے وقوفی یا صغرسنی کی وجہ سے لائی گئی ہو تو محجور علیہ کی وصیت صحیح ہوگی اور اگر افلاس کی وجہ سے پابندی لگائی گئی ہو تو قرض خواہوں کی اجازت کے بغیر وصیت صحیح نہیں ہوگی۔

حنابلہ کے نزدیک بھی محجور علیہ سفیہ کی وصیت درست ہے کیونکہ اس پر پابندی حفاظت مال کی وجہ سے لگائی جاتی ہے اور وصیت میں مال کا ضیاع نہیں ہوتا۔

نشے میں دھت انسان کی وصیت...... جمہور کے نزدیک اس کی وصیت درست نہیں چونکہ نشے میں مست انسان کی عقل زائل ہو جاتی ہے جیسے مجنون کی عقل زائل ہو جاتی ہے۔ شافعیہ نے ایسے مست کی وصیت جائز قرار دی ہے جس کی مستی معصیت کا ذریعہ بن گئی ہو۔

بالاتفاق کافر کی وصیت درست ہے خواہ کافر حربی ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ وصیت صحیح ہونے کے لئے اسلام شرط نہیں ہے ہاں البتہ اگر کافر نے شراب اور خنزیر کی وصیت مسلمان کے حق میں کردی ہو تو یہ وصیت باطل ہوگی۔

موصی میں یہ شرط لگانے کی ضرورت نہیں کہ وہ وصیت کردہ چیز کا مالک بھی ہو کیونکہ یہ شرط اہلیت تبرع کی شرط میں داخل ہے۔

۲...... یہ کہ موصی اپنے اختیار اور رضامندی سے وصیت کر رہا ہو کیونکہ وصیت ایجاب ملک ہے جیسے بیع وہبہ ایجاب ملک ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہنسی مذاق کرنے والے کی وصیت، مکرہ کی وصیت اور مخطی کی وصیت درست نہیں ہوتی، کیونکہ ان عوارض سے رضا فوت ہو جاتی ہے جب کہ تملیکات کے عقود میں رضا کا ہونا ضروری ہے۔

موصی کے متعلق نفاذ وصیت کی شرط...... یہ کہ موصی مدیون (مقروض) نہ ہو بایں طور کہ اس پر اتنا قرضہ ہو جو اس کے ترکہ کا احاطہ کیے ہو کیونکہ بالاجماع وصیت کے نفاذ سے پہلے دیون ادا کرنا ضروری ہے۔

جب کہ مال کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اور وہ غیر قرض دہندہ ہے گویا اس حالت میں وصیت صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر صاحب حق اجازت دے دے تو وصیت نافذ ہو جائے گی۔

قانون میں نفاذ وصیت کی شرط، موصی میں اہلیت تبرع ہونے کی شرط رکھی گئی ہے۔ قانونا مجنون، معتوہ اور بچہ وصیت نہیں کرسکتا، حنفیہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔ [1]

---

[1]...... دفعہ ۳۸، از مصری قانون، دفعہ ۲۱۱۔

دوسرا مقصد: موصی لہ کی شرائط..... موصی لہ کی بھی دو طرح کی شرائط ہیں شرائط صحت اور شرائط نفاذ۔ ❶

شرائط صحت: ۱..... یہ کہ موصی لہ موجود ہو حاضر ہو۔

۲..... متعین شخص ہو۔

۳..... مالک بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۴..... مالکیہ کے نزدیک موصی لہ حربی نہ ہو اور حنفیہ کے نزدیک دارالحرب میں حربی نہ ہو۔ اور شافعیہ کے نزدیک اہل حرب (دشمن مثلاً ہندو کافر) کے حق میں اسلحہ کی وصیت نہ ہو۔

یوں اس طرح کل ملا کر موصی لہ کی چھ شرائط ہوئیں۔

وصیت مقام معصیت میں..... یہ کہ موصی لہ کسی معصیت میں معروف نہ ہو۔

بشرط یہ کہ موصی مسلمان ہو، اگر وصیت کار بدیا معصیت کے لئے کی گئی ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی جیسے محفل ناؤ ونوش، جوئے کی محفل، قبروں پر قبے بنانے، مردوں پر نوحہ کرنے، کنیسہ کی عمارت بنانے، تورات وانجیل کی چھپوائی، سحر وجادو کی کتابوں کی چھپوائی وطباعت، گمراہی وفضول وممنوع لٹریچر، آلات لہو ولعب کے لئے وصیت کر دی، تو ان سب صورتوں میں وصیت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ وصیت صلہ رحمی اور قرابتداری کے طور پر مشروع ہوئی ہے، وصیت کا مقام معصیت میں ہونا کسی طرح درست نہیں، اگر مقام معصیت میں وصیت کر دی گئی تو وہ باطل ہوگی، کیونکہ یہ وصیت شرعاً حرام ہے۔

اگر وصیت فی ذاتہ شرعاً مباح ہو لیکن اس کا باعث حرام ہو جیسے مثلاً کسی شخص نے اہل فسق کے حق میں وصیت کر دی تا کہ وہ مال وصیت سے اپنے فسق میں مدد لے سکیں تو اس وصیت کے جائز و ناجائز ہونے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ اور شافعیہ کی رائے..... ہے کہ یہ وصیت صحیح ہے، ان کی دلیل عقد وصیت کے ظاہر سے ہے، چنانچہ لفظ وصیت کسی حرام امر پر مشتمل نہیں، رہی بات قصد ونیت کی سو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔

مالکیہ وحنابلہ..... کی رائے ہے کہ اس طرح کی وصیتیں باطل ہوتی ہیں، کیونکہ قصد ونیت کے ساتھ طے ہونے والے عقود کا دارومدار نیت پر ہے، جب کہ صورت مذکورہ میں باعث مقاصد شریعت کے منافی ہے لہٰذا وصیت باطل ہوگی، قانون میں اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم رحمہما اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔

معدوم کے حق میں وصیت..... شرط یہ ہے کہ وصیت کے وقت موصی لہ تحققاً موجود ہو وہ نہیں تو تقدیراً موجود ہو۔ تحققیاً موجود ہونے کا معنی ہے موصی لہ موصی کے روبرو حاضر ہو اور تقدیراً کا معنی ہے کہ موصی لہ زندہ ہو لیکن فی الوقت کہیں غائب ہو۔ اگر موصی لہ موجود نہیں ہے تو وصیت صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ معدوم کے حق میں وصیت صحیح نہیں ہوتی، چونکہ وصیت تملیک ہے اور معدوم کے لئے تملیک جائز نہیں، چنانچہ جمہور کے نزدیک میت کے حق میں وصیت جائز نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں..... اگر موصی کو موصی لہ کے میت ہونے کا علم ہو تو وصیت جائز ہے چنانچہ وصیت میت

---

❶..... البدائع ۳۳۵/۷، الدر المختار ۴۵۹/۵، الشرح الکبیر ۴۲۳/۴، بدایۃ المجتہد ۳۲۸/۲، مغنی المحتاج ۴۰/۳، المہذب ۴۵۱/۱، غایۃ المنتہیٰ ۳۵۶/۲، المغنی ۵/۶۔

کے ورثہ کے لئے ہوگی ،حمل کے لئے وصیت کرنا جائز ہے چونکہ وہ تقدیراً موجود ہوتا ہے۔

حمل کی وصیت اور حمل کے حق میں وصیت...... اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی جانور کے پیٹ میں حمل ہو اس کی وصیت کسی دوسرے انسان کے حق میں جائز ہے چونکہ غرر اور خطر صحت وصیت کے مانع نہیں ،اگر حمل گر گیا زندہ نہ رہا تو وصیت باطل ہو جائے گی۔

کسی عورت کے پیٹ میں موجود حمل کے حق میں بھی وصیت جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ، کیونکہ وصیت میراث کی مانند ہے اور حمل وارث بن سکتا ہے، لہٰذا اس کے حق میں وصیت جائز ہے، اگر حمل مردہ حالت میں پیدا ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ مردہ وارث نہیں بنتا اور اگر حمل زندہ پیدا ہو تو وصیت درست ہو جائے گی چنانچہ فقہاء کی بیان کردہ فقہی عبارت **"الوصية بالحمل وللحمل جائزة"** کا یہی مطلب ہے۔

چنانچہ علامہ زیلعی ،شلبی ،صاحب درمختار، صاحب ھدایہ نے یہی تصریح کی ہے۔

تاہم اس میں شرط ہے کہ حمل مدت حمل کے اندر اندر پیدا ہو۔ جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے۔

یہ حنفیہ کا موقف ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں حمل کے حق میں وصیت کرنا درست ہے اگر زندہ حالت میں پیدا ہوا تو وصیت نافذ ہو جائے گی، نیز بوقت وصیت حمل کے موجود ہونے کا علم بھی ضروری ہے۔

تاہم اگر عورت کا خاوند موجود ہو تو چھ ماہ کے اندر پیدا ہو کیونکہ بظاہر وصیت کے وقت حمل تھا تبھی اس کے حق میں وصیت ہوئی ، جانور کے حمل، درختوں کے پھل اور فضا میں اڑتے پرندوں کی وصیت درست ہے، تھنوں میں پڑے دودھ اور اون کی وصیت بھی درست ہے، کیونکہ موصی لہ وارث کے حکم میں ہے اور وارث میت کی املاک کا مالک بن جاتا ہے۔

حنابلہ...... حمل کی وصیت کرنا درست ہے بشرطیکہ حمل موصی کی ملکیت میں ہو، اسی طرح کسی عورت کے پیٹ میں پڑے حمل کے حق میں بھی وصیت درست ہے۔ بشرطیکہ حمل چھ ماہ سے کم مدت میں زندہ پیدا ہو۔

شافعیہ اور حنابلہ کا اس میں اتفاق ہے کہ اگر عورت مطلقہ ہو اور اس کے حمل کے حق میں وصیت کر دی گئی ہو اور اگر اس نے بعد از فرقت چار سال سے زائد عرصہ میں اس حمل کو جنم دیا یا وصیت کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں جنم دیا تو وصیت درست نہیں ہوگی ، اور اگر اس سے کم مدت میں جنم دیا تو وصیت درست ہوگی ، چونکہ جب حمل چھ ماہ کا ہوتا ہے اس کے وجود کا علم ہو جاتا ہے اور جب وہ فرقت سے چار سال سے کم عرصہ میں پیدا ہو جائے تو اس کے وجود کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: موصی لہ کے حق میں وصیت صحیح ہے، برابر ہے کہ وصیت کے وقت موصی لہ موجود ہو یا وہ حمل کی صورت میں ہو، لیکن مالکیہ کے ایک قول کے مطابق حمل وصیت کردہ چیز کی آمدنی و پیداوار کا مالک نہیں ہوگا وہ اس کا تبھی مالک بنے گا جب پیدا ہو جائے۔ گویا پیداوار اور آمدن موصی کے وارث کے لئے ہوگی۔

دوسرے قول کے مطابق آمدنی موقوف رہے گی تاوقتیکہ جب حمل پیدا ہوا سے سپرد کی جائے گی۔ جیسے موصی بہ چیز سپرد کی جاتی ہے۔

میت کے حق میں وصیت کرنا درست ہے اور وصیت کردہ چیز میت کے دیون وقرضہ جات کی ادائیگی میں صرف کی جائے گی اگر میت کے ذمہ قرضہ نہ ہو تو اس کا وارث وصیت کردہ چیز کا مالک بن جائے گا اور اگر میت کا کوئی وارث بھی نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اس چیز پر بیت المال قبضہ نہیں کر سکتا، اگر کسی شخص نے میت کے حق میں وصیت کی حالانکہ وہ اسے زندہ خیال کرتا ہو تو بالاتفاق وصیت

باطل ہوگی۔

مالکیہ کے نزدیک بوقت وصیت حمل کا موجود ہونا شرط نہیں جب کہ جمہور کے نزدیک شرط ہے، حالانکہ مالکیہ کے نزدیک متوقع حمل کے لئے بھی وصیت کرنا درست ہے۔

قانون ...... مصری قانون میں وصیت کے لئے یہ شرط ہے کہ اگر موصی لہ متعین ہو تو وہ موجود ہو، یہ جمہور کی رائے کے موافق ہے اور اگر موصی لہ موجود نہ ہو جیسے طلبہ علم تو اس صورت میں موصی لہ کا بوقت وصیت موجود ہونا شرط نہیں، یہ شق مالکیہ کے مذہب سے ماخوذ ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۲۱۲ کے تحت یہ شرط لگائی گئی ہے کہ وصیت کے وقت اور موصی (وصیت کنندہ) کی موت کے وقت موصی لہ موجود ہو، بشرط یہ کہ موصی لہ متعین ہو، جب کہ مصری قانون میں دفعہ ۲۳۶ کے تحت درج ذیل امور پر تصریح کی گئی ہے۔

ا..... حمل کے حق میں وصیت درج ذیل امور کے ساتھ درست ہے۔

الف..... اگر موصی بوقت وصیت حمل کے موجود ہونے کا اقرار کرتا ہو تو شرط ہے کہ حمل ایک (شمسی) سال کے اندر اندر پیدا ہو۔

ب..... اگر حمل والی عورت وفات یا طلاق بائنہ کی مدت میں ہو تو بھی شرط ہے کہ حمل ایک سال کے اندر اندر پیدا ہو۔

ج..... اگر وصیت کنندہ حمل کا اقرار نہ کرتا ہو اور نہ ہی حمل والی عورت عدت میں ہو تو شرط ہے کہ وصیت کے بعد حمل نو ماہ سے کم عرصہ میں پیدا ہو۔

د..... اگر وصیت ایسے حمل کے حق میں ہو جو کسی معین شخص کے نطفہ سے ہو تو شرط یہ ہے کہ حمل کا نسب اس شخص سے ثابت ہو۔

۲..... حمل کے لئے وصیت کردہ چیز کی آمدنی اور پیداوار موقوف رہے گی تاوقت یہ کہ حمل پیدا ہو جائے۔ دفعہ ۲۱۴ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

مجہول کے حق میں وصیت ...... یہ کہ موصی لہ معلوم و متعین ہو مجہول نہ ہو، یعنی ایسی جہالت نہ ہو جس کا خاتمہ نہ کیا جا سکتا ہو، کیونکہ جہالت کے ہوتے ہوئے وصیت کردہ چیز موصی لہ کو سپرد نہیں کی جا سکتی، تاہم اس وصیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، نیز وصیت موت کے وقت کی تملیک ہوتی ہے لہٰذا موصی لہ کا متعین ہونا ضروری ہے۔

چنانچہ اگر ایک شخص نے خالد کے حق میں ایک تہائی مال کی وصیت کی یا مسلمانوں کی ایک جماعت کے حق میں وصیت کی اور اس جماعت کے اوصاف نہیں بیان کئے جیسے مسلمان فقراء تو یہ وصیت حنفیہ کے نزدیک باطل ہوگی کیونکہ موصی لہ متعین نہیں۔ اسے وصیت کردہ چیز سپرد نہیں کی جا سکتی۔

البتہ اگر ایک جماعت کے حق میں وصیت کی اور الفاظ سے ان کا حاجت مند ہونا ظاہر ہوتا ہو تو حنفیہ کے نزدیک وصیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ صدقہ کی وصیت ہے اور صدقہ اللہ کی راہ میں مال نکالنے کو کہا جاتا ہے، اور اللہ ایک اور متعین ہے، لہٰذا وصیت کردہ چیز اللہ کے لئے ہوگی، پھر جو لوگ اس چیز کے محتاج ہوں گے اس کے مالک بن جائیں گے۔

مصر اور سوریا کے قانون میں اس شرط کو اختیار کیا گیا ہے یعنی، موصی لہ متعین ہو ہاں البتہ اگر وصیت بے شمار لوگوں کے حق میں کی ہو جیسے مثلاً اہل دمشق یا اہل قاہرہ کے لئے وصیت کر دی ہو، یہ حنفیہ کے مذہب کے برخلاف ہے، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے اپنائی گئی ہے۔

جب کہ شافعیہ کا مذہب حنفیہ کی طرح ہے کہ موصی لہ کا متعین ہونا ضروری ہے۔

سوریا کے قانون میں دفعہ ۲۱۳ کے تحت درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱.....اگر وصیت میں موصی لہ کی تعیین نہ کی گئی ہو تو وہ وصیت رضائے الٰہی اور خیر و بھلائی میں صرف کی جائے گی۔

۲.....جو وصیت عبادت گاہوں، خیراتی اداروں، علمی اداروں اور دوسرے مصالح عامہ کے لئے کی گئی ہو تو اس وصیت کا مال ان اداروں کی تعمیرات، مصالح اور ان اداروں کے فقراء پر صرف کی جائے گی، بشرطیکہ عرف یا کسی قرینے سے مصرف متعین نہ ہو جائے۔

جانور کے لئے وصیت......وصیت کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ موصی لہ تملیک اور استحقاق کی اہلیت رکھتا ہو یہ شرط متفق علیہ ہے، چنانچہ ایسی جہت کے حق میں وصیت کرنا درست نہیں جس میں مالک بننے کی صلاحیت نہ ہو جیسے مثلاً کسی شخص نے جانور یا گھوڑے کے حق میں وصیت کر دی، ایسی وصیت حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک باطل ہوتی ہے۔ البتہ اگر موصی (وصیت کنندہ) نے کہا: اس جانور کے چارے کے لئے وصیت ہے تو اس صورت میں وصیت درست ہوگی، اس میں موصی کے لفظ کی بظاہر رعایت کی گئی ہے جب کہ نیت وقصد میں جانور نہ ہو، حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں وصیت قبول کرنے کی حاجت نہیں چونکہ یہ میراث کے حکم میں ہے، شافعیہ کہتے ہیں: جانور کے مالک کا قبول کرنا شرط ہے۔

رہی بات حنابلہ کی سو وہ کہتے ہیں اگر موصی نے کسی معین شخص مثلاً زید کے گھوڑے کی نیت کی تو اگرچہ موصی لہ وصیت قبول نہ بھی کرے تب بھی وصیت درست ہوگی، کیونکہ عقود ومعاملات میں دارومدار معانی ومقاصد پر ہوتا ہے۔ وصیت کردہ مال جانور کے چارے وغیرہ پر خرچ کیا جائے گا، اگر وصیت کردہ مال گھوڑے پر خرچ نہیں کیا گیا تھا کہ گھوڑا مر گیا تو وصیت کردہ مال موصی کے ورثہ کا حق ہوگا، گھوڑے پر خرچ کرنے کی سرپرستی وصی یا قاضی کو حاصل ہوگی، گھوڑے کے مالک کو سرپرستی حاصل نہیں ہوگی۔

اسی شرط کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں: اگر کسی نے کہا: میں نے اللہ کے لئے اپنا تہائی مال وصیت کر دیا۔ تو وصیت باطل ہو جائے گی، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ وصیت جائز ہے اور خیر و بھلائی کے کاموں میں صرف کی جائے گی۔

اگر کسی شخص نے مسجد یا مسجد حرام کے لئے یا مدرسہ وغیرھا کے لئے وصیت کی تو حنفیہ کے ہاں یہ وصیت درست نہیں، الا یہ کہ موصی کہے: یہ وصیت مسجد کی تعمیر وغیرھا میں صرف کی جائے۔ جب کہ شافعیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت درست ہے۔ اور وصیت کا مال مسجد کے مصارف اور مصالح میں صرف کیا جائے گا۔

مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں......مسجد کے لئے وصیت کرنا درست ہے اسی طرح ملکی حد بندی حفاظت سرحد وغیرہ کے لئے بھی وصیت درست ہے چنانچہ وصیت کا مال مسجد کی تعمیر اور دیگر امور چٹائیوں، چراغ وغیرہ کے لئے خرچ کیا جائے گا اور جو بچ رہے وہ بطور تنخواہ امام ومؤذن کو دینا جائز ہے۔

قاتل کے حق میں وصیت......حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک شرط ہے کہ موصی لہ موصی (وصیت کنندہ) کا قاتل نہ ہو، اگر ایک شخص نے دوسرے پر حملہ کیا اور اسے زخمی کر دیا، زخمی نے قاتل کے حق میں وصیت کر دی پھر وہ مر گیا تو یہ وصیت باطل ہو جائے گی، اگر موصی نے قتل سے پہلے قاتل کے حق میں وصیت کی ہو، وصیت کے بعد قتل ہوا ہو تو قاتل وصیت کا مستحق نہیں رہے گا، چنانچہ قتل ابتداء بھی وصیت کے مانع ہوا اور وصیت قتل کی وجہ سے برقرار بھی نہیں رہتی، نیز حدیث ہے۔ ”قاتل کے لئے وصیت نہیں۔“ [1] اور قتل صحت وصیت کے بھی مانع ہے۔ برابر ہے کہ ورثہ وصیت کی اجازت دیں یا نہ دیں، یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اور قانون میں اسی رائے کو اپنایا گیا ہے۔

---

[1] ......اخرجه الدارقطني والبيهقي عن علي رضي الله تعالىٰ عنه لكن فيه راو متروك يضع الحديث. (نصب الراية ۴/۴۰۲)

امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں: اگر ورثہ وصیت کی اجازت دے دیں یا موصی کے ورثہ ہی نہ ہوں تو وصیت جائز و نافذ ہوگی۔ چونکہ ممانعت ورثہ کے حق کی وجہ سے تھی۔ البتہ پہلی رائے راجح ہے۔

لیکن حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: وہ قتل جو بغیر حق کے ہو وہ مانع میراث و وصیت ہے، خواہ قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو، برائے راست ہو یا بالواسطہ ہو، وصیت باطل ہو جاتی ہے، اور میراث میں حصہ داری ممنوع ہو جاتی ہے، چونکہ میراث وصیت سے زیادہ مؤکد ہے لہٰذا وصیت بطریق اولیٰ ممنوع ہو جاتی ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں: وہ قتل جو میراث اور وصیت کے مانع ہوتا ہے وہ ہے جو عاقل بالغ سے بوجہ عداوت بلا حق و بلا عذر صادر ہو، بلا واسطہ قتل ہو اور بالواسطہ نہ ہو، برابر ہے کہ قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو، چنانچہ مجنون اور بچے کا کیا ہوا قتل، اور قتل بحق یعنی قتل قصاص، قتل حد اور قتل بغاوت یا قتل کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے جان و مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل کا ہو جانا یہ ساری صورتیں وراثت اور وصیت کے مانع نہیں۔

البتہ حنفیہ کے نزدیک قتل اگر بالواسطہ ہو جیسے مثلاً موصی لہ نے قاتل کو موصی (مقتول) کے گھر کا اتا پتا بتا دیا لیکن وہ قتل میں قاتل کا شریک نہ ہو تو اس صورت میں قتل مانع وراثت و وصیت نہ ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک قتل بالواسطہ (قتل بالسبب) مانع ارث ہو وصیت نہیں ہے۔

رہی بات شافعیہ کی سو وہ کہتے ہیں: وصیت قاتل کے لئے صحیح ہوتی ہے اگر چہ اس میں تعدی ہی کیوں نہ ہو، اگر موصی لہ نے موصی کو قتل کر دیا اگر چہ اس پر تعدی کی ہو تو موصی لہ، وصیت کردہ چیز کا مستحق ہوگا، چونکہ وصیت تملیک ہے جو ایک عقد کے طور پر ہوتی ہے لہٰذا وصیت ھبہ کے مشابہ ہوئی، وراثت کے برخلاف ہوئی۔

رہی بات مالکیہ کی سو ان کے ہاں قدرے تفصیل ہے وہ یہ کہ وصیت قاتل کے حق میں صحیح ہے، برابر ہے کہ قتل عمد ہو یا قتل خطا ہو، بشرط یہ کہ موصی کو علم ہو کہ اس کو کس نے قتل کیا، یا اس نے ضرب کے بعد وصیت کی ہو اور موصی کو علم ہو کہ موصی لہ نے اسے ضرب لگائی ہے۔ چونکہ وصیت کی صحت کے مانع یہ چیز ہوتی ہے کہ موصی لہ وقت سے پہلے کسی چیز کو بروئے کار لانے میں جلدی کر دیتا ہے، اس لئے وہ پاداش میں محروم رہتا ہے، اور حرمان تبھی محقق ہوگا جب قتل وصیت کو لاحق ہو، اگر موصی کو ضرب کا علم ہو اور پھر وہ وصیت ضارب کے حق میں کرے تو اس سے معلوم ہوگا کہ اس نے ضرب ضارب کو معاف کر دی بلکہ اس کے ساتھ احسان کر دیا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالکیہ کے ہاں یہ شرط نہیں کہ موصی لہ قاتل نہ ہو، مثلاً وصیت ضرب لگنے کے بعد ہوئی ہو اور مقتول نے اپنا قاتل پہچان لیا ہو اگر ایک شخص نے دوسرے کو ضرب لگائی جو اس کی جان کے لئے کاری ثابت ہوئی خواہ عملاً یا خطاءً۔ پھر مضروب نے ضارب کے حق میں (ضرب لگنے کے بعد) کسی چیز کی وصیت کر دی تو یہ وصیت درست ہوگی، اگر موصی نے ضرب لگنے سے پہلے وصیت کی ہو، وصیت کے بعد ضرب لگے جس سے مضروب مر جائے تو وصیت باطل ہو جائے گی، برابر ہے کہ مضروب نے قاتل کو پہچان لیا ہو یا نہ پہچانا ہو، راجح قول کے مطابق وصیت باطل ہوگی۔

اس آخری صورت میں مالکیہ کا مذہب حنفیہ اور حنابلہ کے ساتھ متفق ہے، پہلی صورت یعنی وصیت ضرب کے بعد ہو، میں مالکیہ کا مذہب شافعیہ جیسا ہے۔ گویا ہمارے پاس دو روایات ہوگئیں۔ ایک رائے حنفیہ اور حنابلہ کی کہ قتل سے وصیت باطل ہو جاتی ہے دوسری رائے شافعیہ کی اور مالکیہ کی کہ قتل سے وصیت باطل نہیں ہوتی۔

مصر اور سوریا کے قانون بالترتیب دفعہ ۱۷ و ۲۲۳ میں حنفیہ اور حنابلہ کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے کہ قتل مانع وصیت ہے، اور مانع وصیت قتل کی نوعیت کی تحدید میں مالکیہ کی رائے اپنائی گئی ہے کہ وراثت و وصیت کے مانع قتل عمد ہے۔

اہل عرب کے حق میں وصیت...... مالکیہ کے نزدیک قابل اعتماد قول کے مطابق یہ شرط ہے کہ موصی لہ حربی نہ ہو، حنفیہ کے

نزدیک یہ ہے کہ موصی لہ دارالحرب میں حربی نہ ہو، برابر ہے کہ وصیت مسلمان کی طرف سے ہو یا کسی ذمی کی طرف سے ہو گو ورثہ جائز قرار دیتے ہوں، چونکہ حربی کے حق میں وصیت کرنا دراصل اسے تقویت پہنچانا ہے، اور اسے عزت بخشنا ہے، المختصر اس وصیت میں مسلمانوں کا نقصان اور ضرر ہے۔

حنفیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الاصل کی بنیاد پر دارالاسلام میں مستامن حربی کے حق میں وصیت کو جائز قرار دیا ہے، برابر ہے کہ وصیت مسلمان کی طرف سے ہو یا کسی ذمی طرف سے، چونکہ عصر حاضر میں یہ صورت عام ہے چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ الممتحنہ ۶۰/۸-۹

اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ جنگ نہیں کی اور تمہیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا اور یہ کہ تم ان کے ساتھ انصاف کرو، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، اللہ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے معاملہ میں تمہارے ساتھ جنگ کی ہو اور تمہیں اپنے گھروں سے نکالا ہو اور تمہارے نکالنے میں (تمہارے دشمنوں کی) پشت پناہی کی ہو، جو لوگ ایسوں کے ساتھ دوستی کریں گے وہ پکے ظالم ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ حربی مستامن کے حق میں وصیت جائز نہیں، جیسے کفارہ، نذر صدقہ فطر اور قربانی حربی پر صرف کرنا جائز نہیں۔

حنفیہ کے نزدیک مرتد کے حق میں مسلمان کی وصیت جائز نہیں۔

شافعیہ (اصح قول کے مطابق) اور حنابلہ نے مرتد اور متعین حربی کے حق میں وصیت جائز قرار دی ہے۔ جب کہ عام حربیوں کے لئے وصیت جائز نہیں۔ برابر ہے کہ حربی دارالاسلام میں ہو یا کہیں اور ہو، اس میں بھی یہ شرط ہے کہ وصیت کردہ چیز اسلحہ نہ ہو، ان فقہاء نے وصیت کو ہبہ اور صدقہ پر قیاس کیا ہے، حنابلہ میں سے علامہ حارثی کہتے ہیں: صحیح قول یہ ہے کہ کافر خواہ مرتد ہو یا حربی ہو بشرط یہ کہ وہ ہمارے ساتھ جنگ کی حالت میں نہ ہو اور نہ ہی ہمارے خلاف مدد کر رہا ہو تو اس کے حق میں وصیت کرنا صحیح ہے، اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ اس رائے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ ❶ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اجازت دی تھی کہ وہ اپنے مشرک بھائی جو کہ مکہ میں مقیم تھا کو کپڑے پہنچائیں۔ ❷

اتحاد دین...... وصیت کے صحیح ہونے کے لئے اتحاد دین شرط نہیں یعنی موصی اور موصی لہ کا دین ایک ہو یہ شرط نہیں۔ چنانچہ مسلمان غیر مسلم کے حق میں وصیت کر سکتا ہے، اسی طرح غیر مسلم غیر مسلم کے حق میں وصیت کر سکتا ہے، مثلاً یہودی، عیسائی کے حق میں وصیت کر سکتا ہے۔

اس کے برعکس بھی وصیت جائز ہے، مسلمان یہودی کے حق میں وصیت کر سکتا ہے اور اس کے برعکس بھی جائز ہے۔ کیونکہ دارالاسلام میں غیر مسلموں کو وہ حقوق حاصل ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں، غیر مسلموں پر بھی ایسے ہی حقوق عائد ہیں جو مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔

---

❶......رواہ البخاری ومسلم (نیل الاوطار ۶/۲) ❷ رواہ البخاری وغیرہ عن ابن عمر (نیل الاوطار ۶/۴)

مصر کے قانون میں دفعہ ۹ کے تحت اندر سوریا کے قانون میں دفعہ ۲۱۵ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ۔

۱.....اختلاف دین کے ہوتے ہوئے بھی وصیت صحیح ہے۔

۲.....اگر موصی لہ اجنبی ہو تو شرط ہے کہ معاملہ بالمثل ہو۔

غیر مسلمین (ذمیوں) کے وصایا[1].....ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ذمی کا مسلمان کے حق میں وصیت کرنا صحیح ہے اور اس کے برعکس بھی صحیح ہے، چونکہ عقد ذمہ کی وجہ سے غیر مسلمین جملہ معاملات، وکاروبار زندگی میں مسلمانوں کے حکم میں ہیں، چنانچہ جب ذمی غیر مسلم وصیت کردے تو حنفیہ نے اس کی وصیت کی تین صورتیں بیان کی ہیں اور ذمی کی شریعت میں بھی قربت ہو۔

۱.....اگر موصی بہ ہماری شریعت میں قربت ہو جیسے فقراء پر مسلمین پر صدقہ، یا فقرائے اہل ذمہ پر صدقہ، مسجد اقصیٰ کی تعمیر، یا مدرسہ کی تعمیر، یا ہسپتال کی تعمیر وغیر ذالک تو بالاتفاق وصیت جائز ہوگی، کیونکہ اس طرح کی وصیت سے مسلمان قربت خداوندی حاصل کرتے ہیں، اور اہل ذمہ بھی قربت حاصل کرتے ہیں۔

۲.....اگر موصی لہ ہماری شریعت میں تو قربت خداوندی ہو جب کہ ذمی کی شریعت میں قربت نہ ہو جیسے مثلاً ذمی نے تعمیر مسجد کی وصیت کردی یا ذمی نے اپنی طرف سے حج کرنے کی وصیت کردی تو یہ وصیت حنفیہ کے نزدیک بالاتفاق باطل ہوگی، کیونکہ ذمی کے عقیدہ کے مطابق مصرف قربت خداوندی نہیں۔

۳.....اگر موصی بہ ذمی کے نزدیک قربت ہو ہمارے نزدیک قربت نہ ہو جیسے مثلاً ذمی نے وصیت کردی کہ کنیسہ بنایا جائے یا ان کے دین کے مطابق جانور ذبح کرنے کی وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت صحیح ہوگی۔ کیونکہ ذمی کے نزدیک وصیت کا مصرف قربت ہے اور اس کا یہی عقیدہ ہے۔

صاحبین کے نزدیک وصیت باطل ہوگی کیونکہ ہماری شریعت کے مطابق یہ وصیت معصیت پر مبنی ہے اور جو وصیت معصیت پر مبنی ہو وہ صحیح نہیں ہوتی۔

دوسرے ائمہ کا قول صاحبین کے قول جیسا ہے کہ معصیت پر مبنی وصیت باطل ہوتی ہے اگرچہ وصیت ذمی نے کی ہو کیونکہ یہ وصیت معصیت پر اعانت ہے۔

موصی لہ کے حق میں وصیت کے نفاذ کی شرط:

وارث کے حق میں وصیت.....نفاذ وصیت کے لئے شرط ہے کہ موصی لہ موصی کا وارث نہ ہو اگر موصی کے وارث کے حق میں وصیت کردی اور بقیہ ورثہ نے وصیت موصی کی اجازت دے دی تو وصیت نافذ ہو جائے گی، گویا وارث کے حق میں کی گئی وصیت بقیہ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے، چنانچہ وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوتی۔''[2] ایک اور حدیث ہے۔ ''وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں الا یہ کہ بقیہ ورثہ چاہتے ہوں تو جائز ہے۔'' ''وارث کے حق میں وصیت نہیں الا یہ کہ ورثہ اجازت دے دیں۔''[3] عقلی وجہ یہ ہے کہ ایک وارث کو دوسرے ورثہ پر ترجیح

---

[1].....وصایا۔ وصیت کی جمع ہے۔ [2]رواه الخمسة (احمد واصحاب السنن) الا اباداؤد عن عمرو بن خارج وصححه الترمذى ورواه الخمسة الاالنسائى ايضاً عن ابى امامة [3]رواهما الدارقطنى الاول عن ابن عباس والثانى عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده (نيل الاوطار ٦ ٤٠)۔

دینا موجب نزاع ہے اور قطع رحمی کا سبب ہے۔

احادیث کا معنی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت مطلقاً نافذ ہی نہیں ہوتی، الا یہ کہ ورثہ اجازت دیدیں، اگر اجازت نہ دیں تو وصیت باطل ہو جائے گی، اگر کچھ ورثہ اجازت دیں اور کچھ اجازت نہ دیں تو اجازت دینے والوں کے حصوں کے بقدر وصیت نافذ ہو جائے گی۔ جمہور کے نزدیک یہی نفاذ وصیت کی شرط ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں: وارث کے حق میں کی گئی وصیت باطل ہے، کیونکہ حدیث میں ہے۔ ''وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی۔'' اور ورثہ اجازت دے دیں تو یہ وصیت نہیں ہوگی بلکہ ورثہ کی طرف سے عطیہ ہوگا۔

اجازت صحیح ہونے کی دو شرائط: اول...... یہ کہ اجازت دہندہ اہل تبرع ہو اور اسے موصی لہ کا علم بھی ہو، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اجازت دہندہ عاقل و بالغ ہو اس پر کسی قسم کی پابندی نہ ہو (یعنی سفہ، عتق وغیرہ کی وجہ سے پابندی نہ ہو) اور اسے موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کا علم بھی ہے۔ تاہم چھوٹے بچے، مجنون، مریض جو مرض الموت میں مبتلا ہو کی اجازت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر وارث کو وصیت کردہ چیز کا علم نہیں تو اس کی اجازت بھی جائز نہیں ہوگی۔ حنابلہ کہتے ہیں: اگر مریض نے اجازت دے دی تو اس کے ثلث (ایک تہائی) سے وصیت نافذ ہوگی۔ ❶

دوم...... یہ کہ اجازت موصی کے مرنے کے بعد ہو۔ اگر موصی زندہ ہو تو ورثہ کی اجازت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، تاہم اگر موصی کی زندگی میں ورثہ نے اجازت دے دی پھر موصی کی وفات کے بعد وصیت رد کردی تو رد وصیت صحیح ہوگا اور وصیت ہی باطل ہو جائے گی۔ برابر ہے کہ وصیت وارث کے حق میں ہو یا اجنبی کے حق میں ہو۔ اور وصیت تہائی ترکہ سے زائد ہو۔

کون سے وارث کی اجازت معتبر ہے؟...... موصی کی وفات کے وقت جو جو اس کے ورثہ ہوں گے ان کی اجازت معتبر سمجھی جائے گی، اسی پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے۔ اس وقت کا اعتبار نہیں جب موصی وصیت کر رہا ہو۔ اگر کوئی شخص بوقت وصیت وارث ہو اور پھر موت کے وقت وارث نہ بن رہا ہو مثلاً محجوب ہو گیا ہو تو وصیت نافذ ہوگی کیونکہ وراثت کے معاملہ میں اعتبار موصی کی وفات کے وقت کا ہے۔ کیونکہ یہ وقت وصیت کے حکم کے ثبوت کا وقت ہوتا ہے۔

وارث کے لئے وصیت کی مشروعیت کے قائلین...... شیعہ زیدیہ، شیعہ امامیہ اور اسماعیلیہ کی رائے ہے ❷ کہ وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز ہے اور وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی، چنانچہ فرمان:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝

جب تم میں سے کسی شخص کی موت کا وقت قریب ہو اس نے اگر مال چھوڑا ہو تو اس پر والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت فرض کردی گئی ہے، جو معروف طریقہ سے ہو یہ پرہیزگاروں پر حق ہے۔ البقرۃ ۲/۱۸۰

اگر وصیت کا وجوب منسوخ ہو چکا تو اس سے جواز کا منسوخ ہونا لازم نہیں آتا۔

لیکن ان پر رد کیا گیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے نفی جواز کی تصریح ہوتی ہے، الا یہ کہ ورثہ اجازت دے دیں، نیز یہ آیت سنت سے منسوخ ہے یا آیت میراث سے منسوخ ہے۔

تاہم مصر کے قانون میں ۱۹۳۶ء میں دفعہ ۳۷ کے تحت جمہور کی رائے کے برخلاف اسی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن سوریا کے

❶...... القوانین الفقہیۃ ص ۴۰۶ فتح العلمی المالک ۱/۳۲۲۔ ❷ نیل الاوطار ۶/۴۱، المختصر النافع فی فقہ الامامۃ ص ۱۸۷، الفقہ المقارن للاستاذ حسن احمد الخطیب ص ۱۸۸۔

قانون میں دفعہ ۲۳۸ / ۲ کے تحت جمہور کی رائے اپنائی گئی ہے۔

وارث کے لئے مطلقاً نعین وصیت......ظاہر یہ اور امام مزنی ❶ کہتے ہیں: وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں۔ اگر چہ ورثہ اس کی اجازت ہی کیوں نہ دیتے ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وارث کے حق میں وصیت کرنے سے منع کیا ہے۔ ورثہ کو یہ اختیار نہیں کہ اللہ نے اپنے رسول کی زبان سے جس حکم کو باطل کیا ہے اسے وہ جائز قرار دیں، اگر ورثہ اجازت دے دیں تو یہ وصیت نہیں ہوگی بلکہ ابتداءً ہی ہبہ ہوگا۔ کیونکہ موت کے بعد ترکہ ورثہ کی ملکیت ہو جاتا ہے۔ اور ایسی چیز کے بارے میں موصی کا حکم جس کے ورثہ وارث بنتے ہوں باطل ہے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''تمہاری جانیں، تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں تمہارے اوپر حرام ہیں۔'' ❷ چنانچہ ورثہ باطل چیز کی اجازت دینے کا اختیار نہیں رکھتے لیکن اگر ورثہ چاہیں کہ وہ اپنی خوشی سے وصیت کو نافذ کریں جوان کے مال میں سے ہو تو وہ اسے نافذ کر سکتے ہیں۔

دوسرا مقصد......موصی بہ کی شرائط......موصی بہ کی شرائط دو طرح کی ہیں (۱) شرائط صحت (۲) شرائط نفاذ۔ ❸

شرائط صحت......مندرجہ ذیل ہیں۔

۱......یہ کہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) مال ہو۔

۲......مال متقوم ہو۔

۳......تملیک کے قابل ہو۔

۴......موصی کی ملکیت ہو۔

۵......یہ کہ وصیت معصیت نہ ہو۔ ان شرائط کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ موصی بہ مال ہو......ایسا مال ہو جس میں وراثت چل سکتی ہو، چونکہ وصیت تملیک ہے اور غیر کا مال کسی کی ملکیت میں نہیں دیا جاتا۔ وصیت کردہ مال دراہم ودنانیر (نقدی مال، کرنسی نوٹ) کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، زمین، پلاٹ، درخت، گھر، سامان تجارت، جانور، لباس کپڑے، اثاثہ، دیون (قرضہ جات) حقوق ارتفاق یعنی حق شرب، حق سیل وغیرہ، منافع جیسے گھر کی رہائش وغیرھا بھی ہو سکتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک منافع اگر چہ وراثت میں منتقل نہیں ہوتے تاہم زندگی میں منافع جات پر عقد و معاملہ طے کرنا درست ہے لہٰذا منافع جات کی وصیت کرنا بھی درست ہے، چونکہ وصیت کا مقصد بعد از موت مالک بننا ہوتا ہے۔

حنفیہ کے علاوہ بقیہ فقہاء کہتے ہیں......منافع جات کی وصیت صحیح ہے چونکہ منافع عقد وراثت میں اعیان (اشیاء معینہ) کی طرح ہوتے ہیں۔

اگر موصی بہ مال نہ ہو مثلاً خون ہو یا مردار ہو یا شراب ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی چونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں، اور ملک کا محل بھی نہیں ہیں۔

---

❶......بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۲۹، المحلی ۹/ ۳۸۷۔ ❷حدیث متواتر متفق علیہ عن ابی بکرۃ (سبل السلام ۳/ ۷۱)۔ ❸البدائع ۷/ ۳۵۲، تبیین الحقائق ۶/ ۱۸۳، الدر المختار ورد المحتار ۵/ ۴۵۹، الشرح الصغیر ۴/ ۵۸۰ المغنی ۶/ ۵۹، الشرح الکبیر ۴/ ۴۲۳، بدایۃ المجتہد ۲/ ۳۲۹، المہذب ۱/ ۴۵۲، کشاف القناع ۴/ ۴۰۷۔

البتہ مردار جانور کی کھال جسے دباغت نہ دی گئی ہو کی وصیت کو شافعیہ نے جائز قرار دیا ہے۔

۲۔ مال متقوم ہو...... جس چیز کی وصیت کی گئی ہو شرط ہے کہ وہ مال متقوم ہو، یعنی اس مال سے شرعاً نفع اٹھانا مباح ہو، چنانچہ مسلمان و غیر مسلم کے حق میں مال غیر متقوم کی وصیت کرنا صحیح نہیں، جیسے شراب، خنزیر، کتا، درندہ، چونکہ یہ جانور اسلام کی نظر میں مال متقوم نہیں البتہ عیسائی عیسائی کے حق میں ان چیزوں کی وصیت کرسکتا ہے، اسی طرح ایسی چیز کی وصیت کرنا بھی جائز نہیں جو انتقال کو قبول نہ کرتی ہو جیسے قصاص، حد قذف اور حق شفعہ۔

میت پر نوحہ کرنے کی وصیت صحیح نہیں، لہو ولعب کی وصیت بھی صحیح نہیں، نماز، روزہ جو میت کی طرف سے ہوئی وصیت صحیح نہیں، البتہ تلاوت قرآن کی وصیت میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک سکھائے ہوئے شکاری کتے اور درندے کی وصیت صحیح ہے چونکہ شکاری کتا حنفیہ کے نزدیک مال متقوم ہوتا ہے، اس کی خرید وفروخت اور اسے ہبہ کرنا جائز ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسی چیز کی وصیت کرنا بھی صحیح ہے جو مال نہ ہو لیکن اس سے نفع اٹھانا مباح ہو جیسے شکاری کتا، زرعی کتا، رکھوالی کا کتا وغیرہ اور شکاری درندے، چونکہ ان میں مباح نفع ہوتا ہے اور وصیت تبرع ہے لہٰذا مال کی طرح غیر مال میں بھی وصیت صحیح ہے، نجس تیل کی وصیت کرنا تا کہ اس سے روشنی کی جائے غیر مسجد کے لئے صحیح ہے، چونکہ اس میں مباح نفع ہے، مسجد کے حق میں نجس تیل کی وصیت صحیح نہیں، شافعیہ کے نزدیک گوبر وغیرہ کی وصیت کرنا صحیح ہے چونکہ گوبر سے کھاد کا کام لیا جاتا ہے، اسی طرح جنگ میں بجائے جانے والے طبلہ کی وصیت بھی صحیح ہے۔

سونے چاندی کے برتنوں کی وصیت درست ہے چونکہ سونا چاندی ایسا مال ہے جس سے نفع اٹھانا مباح ہے، مثلاً ان برتنوں سے عورتوں کے زیورات بنائے جاسکتے ہیں۔ برتن فروخت کئے جاسکتے ہیں۔

۳...... یہ کہ وصیت کردہ مال قابل تملیک ہو اگرچہ وصیت کے وقت معدوم ہی کیوں نہ ہو، یعنی وہ ایسا مال ہو کہ شرعی عقد اور معاملہ سے ملکیت میں آسکتا ہو یا وراثت کے ذریعہ ملکیت میں آسکتا ہو۔ چونکہ وصیت تملیک ہے اور جو چیز تملیک کو قبول نہ کرے اس کی وصیت صحیح نہیں۔

نقدی مال کی وصیت صحیح ہے، سامان کی وصیت بھی صحیح ہے چونکہ یہ دونوں چیزیں ہبہ اور بیع کے ذریعہ ملکیت میں آتی ہیں۔

درختوں کے پھلوں کی وصیت بھی صحیح ہے چونکہ زرعی پیداوار کو وجود میں آنے سے پہلے عقد سلم کے ساتھ خریدنا شرعاً جائز ہے۔

جانور کے پیٹ میں پڑے حمل کی وصیت جائز ہے۔ چونکہ جانور کا حمل وراثت میں منتقل ہوتا ہے۔

لیکن اگر مستقبل میں جانوروں سے پیدا ہونے والے بچوں کی وصیت کردی جن کا ابھی وجود ہی نہ ہو تو یہ وصیت حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں چونکہ یہ چیز معدوم اور غیر محتمل ہے، حنفیہ تو اس کے جواز کے قائل ہیں جو معدوم اور محتمل ہے۔

جمہور کہتے ہیں معدوم کی وصیت مطلقاً صحیح ہے چونکہ عدم مساقات معدوم پر ہوتا ہے لہٰذا مساقات کو حجت بنانے پر معدوم کی وصیت جائز ہے۔

اوراگر مال معین بالذات ہو جیسے معین گھر اور معین کھیت وغیرھا تو اس کی وصیت کے لئے شرط ہے کہ وہ مال بوقت وصیت موجود ہو۔

۴...... اگر وصیت کردہ چیز معین ہو تو شرط ہے کہ وصیت کرتے وقت وہ چیز موصی کی ملکیت ہو چونکہ معین چیز کی وصیت معین چیز کی ملکیت حاصل ہونے کا ایجاب ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ بوقت وصیت وہ چیز موصی کی ملکیت ہو۔

چنانچہ اگر کوئی شخص کہے میں نے زید کے مال کی وصیت کردی تو جمہور کے نزدیک یہ صورت درست نہیں ہوگی، اگرچہ وصیت کے بعد موصی زید کے مال کا مالک ہی کیوں نہ بن جائے چونکہ وصیت کا ایجاب فاسد ہو چکا ہے۔

مصری قانون میں موصی بہ کی شرائط پر حسب ذیل صراحت کی گئی ہے۔

۱.....موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کا ایسا ہونا ضروری ہے جس میں وراثت چل سکتی ہو۔

۲.....یہ کہ وصیت کردہ چیز مال متقوم ہو۔ [1]

۳.....یہ کہ بوقت وصیت وہ چیز موصی کی ملکیت میں موجود ہو۔

سوریا کے قانون میں موصی بہ کی شرائط پر درج ذیل صراحت کی گئی ہے۔

الف.....یہ کہ وہ چیز موصی کی موت کے بعد ملکیت میں آسکتی ہو اور اس کے دین میں وہ چیز متقوم ہو۔

ب.....یہ کہ وصیت کے وقت وہ چیز موصی کی ملکیت میں موجود ہو بشرط یہ کہ وہ چیز اگر متعین ہو۔

۴.....یہ کہ موصی بہ شرعی طور پر معصیت اور حرام نہ ہو چونکہ وصیت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ موصی اپنی زندگی میں احسان میں کی گئی کوتاہی کا تدارک کرنا چاہتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ موصی بہ معصیت نہ ہو۔ ہر مذہب میں معصیت کی مختلف مثالیں ہیں۔

حنفیہ کے ہاں مثالیں.....مرنے کے بعد گھر میں نوحہ کے لئے جمع ہونے والی عورتوں کو کھانا کھلانے کی وصیت، قبر کو لیپنے، قبر پر قبہ بنانے، پختہ مزار بنانے، گھر ہی میں دفن کرنے کی وصیت، گراں کفن پہنانے کی وصیت، گھروں یا قبروں پر قرآت قرآن قبل سے بھی نہیں، طاقت پر وہاں اجرت لینا جائز ہے جہاں اس طاعت کے ضیاع کا خدشہ ہو، جیسے تعلیم قرآن، اذان، امامت وغیرھا۔ قبر پر قرأت قرآن کرنے پر اجرت دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اگر ہر طرح کی طاعت پر اجرت لینا جائز ہوتا تو نماز روزہ پر بھی اجرت لینا جائز ہوتا جب کہ نماز روزہ پر اجرت لینا باطل ہے۔

مذکورہ تفصیل قبروں پر نفلی قرأت کے منافی نہیں چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست کی قبر پر گیا اور اس کی قبر پر ایصال ثواب کی نیت سے چند آیتیں یا سورتیں پڑھ لیں تو یہ امر مستحب ہے، رہی بات قرأت کی وصیت کی سو اس کا کوئی معنی نہیں۔

یہ وصیت معصیت کا حکم ہے کہ وصیت باطل ہے، اگر اہل فسق و اہل معصیت کے حق میں وصیت کی گئی تو وہ وصیت مکروہ ہوگی چونکہ وصیت میں صلہ رحمی اور قرابت کا معنی نہیں پایا جاتا۔

اگر مسلمان نے کنیسہ یا بیعہ (عیسائیوں اور یہودیوں کے عبادت خانوں) کے لئے وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہوگی، چونکہ یہ وصیت بھی معصیت ہے، اگر یہی وصیت ذمی نے کی یا اس نے یہ وصیت کی کہ ان کی عید کے دن جانور ذبح کیا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وصیت درست ہوگی۔ چونکہ ذمی کی وصیت ان کے نزدیک قربت ہے۔

صاحبین کہتے ہیں مذکورہ وصیت باطل ہے چونکہ معصیت کے لئے ہے۔

قرآنی نسخوں کی وصیت جو مسجد میں وقف کئے جائیں یہ وصیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک باطل ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے، اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کی قبر میں نیچے، بچھونا، بچھایا جائے تو یہ وصیت ایک قول کے مطابق صحیح ہے۔ جیسے کفن میں اضافہ کرنا صحیح ہے، دوسرا قول ہے کہ یہ وصیت درست نہیں، چونکہ یہ مال کا ضیاع ہے، اگر کسی نے وصیت کی کہ میری قبر پر چپس اور سنگ مرمر لگایا جائے سو اگر یہ چیز قبر کی مضبوطی اور بدبو نہ پھیلنے کے لئے کی گئی ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کے ماتم

---

[1].....مال متقوم کا معنی بیوع کی مباحث میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

پر لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ کھانا مسافر اور دور کے لوگ کھائیں۔ ❶

مالکیہ کے نزدیک معصیت کی مثالیں...... مال کی وصیت کرنا تا کہ اس سے شرابی کو شراب خرید کر پلائی جائے، یا ناحق قتل کے لئے وصیت کی، مسجد کے بنانے کے لئے وصیت کی یا مدرسہ بنانے کے لئے وصیت کی جو کسی موقوفہ زمین میں بنایا جائے یا قبرستان میں بنایا جائے، یا وصیت کی کہ اس کی طرف سے نماز اور روزہ رکھا جائے، یا وصیت کی کہ سونے کا چراغ خرید کر اس کی قبر پر لٹکایا جائے تو یہ ساری وصیتیں حقیقت میں ایسی جگہ مال ضائع کرنا ہے جس کا شارع نے حکم نہیں دیا۔ ورثہ کو اس وصیت میں اختیار حاصل ہوگا کہ وہ جو چاہیں کریں۔ ❷

موت کے بعد نوحہ کرنے کی وصیت، شادی میں حرام لہو ولعب کی وصیت، اور غیر حلال امور میں مال دینے کی وصیت، قبر پر قبہ بنانے کی وصیت اسی طرح فخر ومباہات کے لئے وصیت کرنا، یہ ساری وصیتیں باطل ہیں نافذ نہیں ہوں گی، مال میراث میں لوٹ جائے گا۔

قید بنانے کے لئے وصیت کرنا درحالیکہ موصی اس کا اہل نہ ہو یا وصیت کی کہ محفل میلاد منعقد کی جائے جیسا کہ عصر حاضر میں مردوں عورتوں کے اختلاط سے محفل منعقد کی جاتی ہے اور جس میں منکرات کا ارتکاب ہوتا ہے، اسی طرح کسی نے وصیت کی کہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات لکھ کر موصی کے کفن میں رکھے جائیں یا اس کی قبر میں رکھے جائیں یہ سب وصیتیں فضول اور باطل ہیں۔

لیکن مالکیہ نے جائز قرار دیا کہ کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کی قبر پر قرأت قرآنی کی جائے تو یہ وصیت نافذ ہوگی جیسے حج کی وصیت نافذ ہوتی ہے۔ کفن، جنازہ اٹھانا دفن اور غسل کی وصیت صحیح ہے، مسجد کے لئے وصیت کرنا جائز ہے اور مال مسجد کے مصالح پر خرچ کیا جائے گا۔

شافعیہ کے نزدیک معصیت کی مثالیں...... کنیسہ کے لئے وصیت، اہل حرب کے حق میں اسلحہ کی وصیت، یا معصیت کے ٹھکانے بنانے کی وصیت جیسے میکدہ یا کسی اور مفسدہ کے لئے وصیت کی تو یہ ساری وصیتیں باطل ہوں گی چونکہ وصیت کا مقتضیٰ نیکی اور احسان کا مقام ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک باطل وصیتیں...... لہو ولعب کے آلات سے جنگ میں نفع اٹھانے کی وصیت یا بانسری بجانے کی وصیت باطل ہے، چونکہ آلات لہو معصیت ہیں، جادو، سحر، ٹونا اور نجومیوں کی کتابوں کی وصیت اور گمراہ کن بدعات کی کتب کی وصیت بھی باطل ہے چونکہ یہ وصیت معصیت پر اعانت ہے۔

تعمیر مسجد کی وصیت صحیح ہے بشرطیکہ نگران اسے قبول کرے، قبر پر قرأت قرآن کی وصیت صحیح ہے چونکہ قرأت قرآن کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے جب تین باتوں میں سے ایک پائی جائے۔ قبر کے پاس قرأت، قرأت کے بعد میت کے لئے دعا اور میت کو ثواب پہنچانے کی نیت ہو۔

حنابلہ کے نزدیک معصیت اور فعل حرام کی مثالیں...... ایسے امر کی وصیت کرنا جو ممنوع ہو جیسے قبروں پر عمارتیں بنانا، کنیسہ بنانے کی وصیت، یا مجوسیوں کے لئے آتش کدہ بنانے کی وصیت کرنا یا ان پر خرچ کرنے کی وصیت کرنا، یہ وصیت باطل ہوگی، لیکن مسجد کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے بایں طور کہ وصیت کا مال مسجد کے مصالح میں خرچ کیا جائے گا، علم وقرآن کی کتابت کے لئے وصیت کرنا درست ہے چونکہ یہ بھی قربت وثواب کا کام ہے۔

---

❶.....الدر المختار وردالمحتار ۵/۴۵۸، البدائع ۷/۳۴۱۔ ❷الشرح الکبیر ۴/۴۲۷۔

نفاذ وصیت کے لئے موصی بہ کی شرائط......نفاذ وصیت کے لئے موصی بہ میں دوشرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

دَین مستغرق کی وجہ سے حجر (پابندی):۱...... یہ کہ موصی پر دین مستغرق نہ ہو، چونکہ تجہیز وتکفین کے بعد میت کے دیون (قرضہ جات) ادا کرنا واجب ہوتے ہیں پھر اگر ترکہ سے کچھ بچ رہے تو اس میں وصیت نافذ ہوگی۔

چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (النساء:۱۲)

یعنی میراث کا مذکورہ حکم تب نافذ العمل ہوگا جب۔ وصیت اور دین کی ادائیگی ہو جائے۔ آیت کے سیاق سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وصیت کو دین پر مقدم کیا گیا ہے لہٰذا میت کے ترکہ سے پہلے وصیت نافذ کی جائے گی پھر دین ادا کیا جائے گا، وصیت کو سیاق میں تنبیہ اور اہمیت کے پیش نظر مقدم کیا گیا ہے، چنانچہ اگر موصی پر اتنا قرضہ ہو جس نے سارے ترکے کو گھیر لیا ہو تو قرض خواہ اگر اجازت دیں تو وصیت نافذ ہوگی ورنہ نہیں۔

ثلث سے زائد وصیت:۲...... یہ کہ وصیت کردہ چیز تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو، یہ شرط اس صورت میں ہے جب موصی کا کوئی وارث موجود ہو، چونکہ علماء کا تہائی ترکہ کی وصیت کے جواز پر اجماع ہے کیونکہ سنت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔"الثلث و الثلث کثیر۔" یعنی وصیت تہائی ترکہ میں ہوگی تہائی بھی زیادہ ہے۔

اگر موصی نے تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کردی تو زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو وصیت نافذ ہوگی اور اگر زائد مقدار رد کردی تو باطل ہو جائے گی۔

تاہم ورثہ کی اجازت بھی تبھی معتبر ہوگی جب سابقہ دوشرائط کا لحاظ رکھا گیا ہو یہ کہ اجازت موصی کی وفات کے بعد ہو اور اجازت دینے والا تبرع کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور اگر بعض ورثہ نفاذ کی اجازت دے دیں اور بعض نہ دیں تو اجازت دہندگان کے حصہ سے وصیت نافذ ہو جائے گی۔

البتہ اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک تہائی سے زائد وصیت صحیح اور نافذ ہوگی اگر چہ وصیت کل مال کی کی ہو چونکہ ثلث سے زائد وصیت کے نفاذ میں رکاوٹ ورثہ کا حق ہے جب کوئی وارث ہی نہیں تو مانع بھی نہیں۔

مالکیہ اور شافعیہ کہتے ہیں: اگر موصی نے ثلث سے زائد وصیت کردی اور اس کا کوئی وارث موجود نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی چونکہ اس صورت میں اس کا مال مسلمانوں کی میراث ہو چکا اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی اس کی اجازت دینے والا نہیں۔ لہٰذا وصیت باطل ہوئی۔ اور اگر وارث موجود ہو تو وصیت حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اجازت پر موقوف ہوگی۔ ❶ اگر رد کردی تو وصیت تہائی ترکہ تک منحصر رہے گی جب کہ مالکیہ کے نزدیک تہائی ترکہ سے زائد وصیت باطل ہے۔

تہائی ترکہ سے کم وصیت کا مستحب ہونا......بہتر یہ ہے کہ انسان کی کی ہوئی وصیت ثلث مال کو محیط نہ ہو بلکہ تہائی ترکہ سے کم وصیت مستحب ہے، برابر ہے کہ ورثہ مالدار ہوں یا فقراء۔ ❷ چونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الثلث والثلث کثیر

وصیت تہائی مال کی ہو اور تہائی مال کثیر ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ قریبی رشتہ دار کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی زیادہ بہتر ہے یہ

❶......المهذب ۱/۴۵۰، تکملة المجموع ۱۵/۴۲، الشرح الصغیر ۴/۵۸۶، المغنی ۶/۸.۷ ❷المغنی ۶/۴، الکتاب مع اللباب ۴/۱۶۹۔

اس صورت میں ہوسکتا ہے جب میت کی طرف سے ورثہ کو پورا پورا حق ملے اور اگر ورثہ فقراء ہوں تو وصیت کو ترک کر دینا زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ شرعاً وصیت کا حکم بھی یہی ہے۔

تیسری بحث: وصیت کے احکام...... حکم وصیت کے تین اطلاقات ہیں، جب حکم کا اطلاق کیا جاتا ہے اس سے مراد یا تو حکم تکلیفی ہوتا ہے جس کا تعلق فعل سے وجوب واباحت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ یا حکم سے مراد حکم شرعی ہوتا ہے جو شئے کے وجود میں آنے کے بعد لگتا ہے اس حکم سے مراد کسی شئے کی شرعی صفت ہے کہ آیا اس کے لئے حکم صحت کا ہے یا بطلان کا ہے یا نفاذ کا ہے یا لزوم وغیرھا کا ہے۔ یا حکم سے مراد کسی شے پر مرتب ہونے والا اثر شرعی ہے جیسے ملکیت کا منتقل ہو جانا۔ میں نے وصیت کے حکم کے پہلے معنی کے متعلق بحث کر دی ہے اب دوسرے دو معانی پر بحث کروں گا۔

پہلا مقصد: شرعی طور پر صفت وصیت...... اگر وصیت کی شرائط صحت پائی جاتی ہوں تو وصیت صحیح ہوتی ہے اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی جاتی ہو تو وصیت باطل ہو جاتی ہے جیسے عدیم الاہلیت شخص۔ مثلاً مجنون، معتوہ یا نابالغ لڑکے کی وصیت، معصیت کے راستے میں کی ہوئی وصیت، یا مسلمان کے حق میں شراب یا خنزیر کی وصیت۔ اور اگر وصیت میں شرائط نفاذ پائی جائیں تو وصیت نافذ العمل ہوگی، ورنہ صاحب حق کی اجازت پر موقوف ہوگی جیسے مثلاً کسی نے وارث کے حق میں وصیت کر دی۔ یا کسی اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد ترکہ کی وصیت کر دی۔

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ وصیت عقد غیر لازم ہے۔ (۱) اسی لئے موصی کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ عرصہ حیات میں کل وصیت یا بعض وصیت سے رجوع کر سکتا ہے۔

برابر ہے کہ موصی نے حالت صحت میں وصیت کی ہو یا حالت مرض میں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ ''آدمی اپنی وصیت میں من چاہی تبدیلی کر سکتا ہے۔'' (۲) دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت ایک عطیہ اور تبرع ہے جو تا موت ناتمام رہتا ہے پھر موصی کی موت سے تمام ہوتی ہے اس لئے موت سے پہلے وصیت سے رجوع کرنا جائز ہے، جب کہ قبول سے پہلے ایجاب کو باطل کرنا جائز ہے جیسے بیع میں قبول سے پہلے ایجاب کو باطل کرنا جائز ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ وصیت سے رجوع یا تو صریح قول سے ہوتا ہے یا دلالت سے یا ایسے امر سے جو صریح قول وفعل کے قائم مقام ہو۔

صریح رجوع کی مثالیں...... مثلاً موصی کہے: میں نے اپنی وصیت توڑ دی، یا کہے میں نے وصیت باطل کر دی یا کہے میں نے رجوع کر دیا یا کہے میں نے وصیت فسخ کر دی۔

صریح کے قائم مقام کی مثالیں...... مثلاً کہے: یہ وصیت موصی لہ پر حرام ہے یا کہے یہ مال وصیت میرے وارث کا حق ہے، یا موصی نے وصیت کے مال میں تصرف کر دیا مثلاً وصیت کردہ چیز موصی نے فروخت کر دی، یا ہبہ کر دی یا رہن میں رکھ دی، یا وہ چیز ہلاک کر دی جائے مثلاً بکری ہو جسے موصی نے ذبح کر دیا ہو، یا گندم تھی جسے پیس ڈالا یا آٹا تھا جسے گوندا گیا یا روئی تھی جسے کاٹ دیا یا سونے کے زیورات بنادیئے یا زمین پر باغ لگا دیا۔

---

(۱)...... اللباب ۱۷۸/۴، تکملہ فتح القدیر ۴۳۸/۸ الدر المختار ۴۶۵/۵، القوانين الفقهية ص ۴۰۶، الشرح الصغير ۵۸۷/۴، مغني المحتاج ۷۱/۳ المغني ۶۷/۶، المهذب ۴۶۱/۱، كشاف القناع ۳۸۶/۴، تبيين الحقائق ۱۸۶/۶۔ (۲) رواه البيهقي۔

البتہ مالکیہ نے فعل وتصرف کو رجوع تسلیم نہیں کیا۔ الا یہ کہ وصیت کردہ چیز کی حقیقت ہی تبدیل ہوجائے یا وہ چیز ہلاک ہوجائے یا موصی کے فعل وتصرف پر کوئی ایسی دلیل قائم ہوجائے جس کی رو سے موصی کا رجوع ثابت ہو جیسے وصیت کردہ چیز کو موصی نے کھالیا یا ذبح کردیا یا جلادیا۔ مالکیہ کے نزدیک وصیت کردہ چیز اگر کسی دوسری چیز کے ساتھ خلط ہوجائے کہ دونوں چیزوں میں تمیز مشکل ہوجائے تو اس طرح کے تصرف کو مالکیہ رجوع میں شمار نہیں کرتے۔

اگر موصی نے وصیت سے انکار کردیا مثلاً کہا میں نے وصیت نہیں کی، تو ذخیرہ اور مبسوط میں مذکور مفتی بہ قول کے مطابق یہ بھی وصیت سے رجوع ہوگا یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ چونکہ وصیت سے انکار موصی کی عدم رضا کی دلیل ہے۔ جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک وصیت سے انکار وصیت سے رجوع نہیں ہوتا چونکہ وصیت ایک عقد ہے جو انکار سے باطل نہیں ہوتا۔ ❶

اگر بیع، رہن، ہبہ، زمین میں تعمیر و باغ کے لئے موصی نے کسی کو وکیل بنادیا یا گھر کے منہدم کرنے کا کام کسی کو سونپا تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ موصی کی طرف سے رجوع ہوگا۔ جب کہ ان فقہاء کے نزدیک زمین کی کاشت کاری رجوع نہیں جیسے کپڑے پہن لینا رجوع نہیں ہوتا، اسی طرح وصیت کردہ مکان میں رہائش اختیار کرلینا، اسے اجرت پر دے دینا یا عاریت پر دینا یا چونا وغیرہ سے اس کی سفیدی کردینا بھی رجوع نہیں۔

قانون کی رو سے وصیت سے رجوع کرنا...... قانون نے اختیاری وصیت اور واجب وصیت میں فرق کیا ہے، قانون نے وصیت واجبہ کو لازم اعتبار کیا ہے جونہی صادر ہوتی ہے لازم ہوجاتی ہے، جب کہ اختیاری وصیت موصی کی موت سے لازم ہوتی ہے۔

مصری قانون وصیت دفعہ ۱۸۔۱۹ کے تحت اور سوریا کے احوال شخصی کے قانون دفعہ ۲۲۰ میں وصیت سے رجوع کے اصول پر صراحت کی ہے۔

اس قانون میں فقہاء کی متفقہ رائے سے مطابقت کی گئی ہے کہ وصیت سے رجوع جائز ہے خواہ صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

اگر ایک چیز کسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط ہوجائے جن میں تمیز کرنا مشکل ہو اس میں قانون نے مالکیہ کی رائے اختیار کی ہے۔

دوسرا مقصد: وصیت پر مرتب ہونے والا اثر...... ہمیں معلوم ہوچکا ہے کہ وصیت پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ وصیت کردہ چیز میں موصی لہ کی ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، تاہم اگر موصی نے وقت کی تحدید کردی ہو تو جس وقت کی تعیین کی ہو اسی وقت سے ملکیت ثابت ہوگی اور اگر وصیت جہت عامہ میں ہو تو موصی کی وفات کے وقت سے اس کا اثر مرتب ہوگا۔

اگر کسی متعین شخص کے حق میں وصیت ہو تو حنابلہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک اثر بالفعل مرتب ہوگا تاہم یہ ترتب موصی کی وفات کے بعد قبول کے وقت سے ہوگا، حنابلہ کے نزدیک وقت قبول سے اثر مرتب ہوگا اور اگر موصی لہ نے وصیت قبول نہ کی تو وہ موصی بہ کا مالک نہیں بنے گا۔ اور وصیت کردہ چیز ورثہ کی ملکیت میں لوٹ آئے گی۔ سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۰ اور مصر کے قانون دفعہ ۲۵ کے تحت صراحت کی گئی ہے کہ موصی لہ، موصی کی موت کے بعد وصیت کردہ چیز کا مستحق ہوگا بشرطیکہ کسی اور وقت کی تحدید نہ کی گئی ہو۔

تیسرا مقصد: موصی کے احکام...... وصیت کی شرائط سے وصیت کنندہ کے احکام متفرع ہوتے ہیں، تاہم مدیون اور غیر مسلم کی وصیت پر کلام زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

---

❶ ...... یہی قول صاحب ہدایہ کا مختار ہے، قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

مدیون کی وصیت...... مدیون (مقروض) کی وصیت ابتداء میں صحیح ہوتی ہے اگر چہ قرض اس کے پورے مال کو محیط ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ دین کا تعلق ترکہ سے ہوتا ہے اور مال وفات کے بعد ترکہ کے حکم میں جاتا ہے اور وفات کے وقت دین کا اثر وصیت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ❶

ا......اگر ترکہ پر دین مستغرق ہو (یعنی ترکہ میت کے قرضہ میں ڈوبا ہوا ہو) تو وصیت موصی کے بری الذمہ ہونے پر موقوف ہوگی چنانچہ اگر کل دین سے بری الذمہ ہو جائے تو پوری وصیت نافذ ہوگی اگر بعض دین سے بری الذمہ ہو تو وصیت کا کچھ حصہ نافذ ہوگا۔

خواہ قرض خواہ اپنے حقوق سے مدیون کو بری الذمہ کریں یا وہ وصیت کی اجازت دے دیں، یا کوئی دوسرا شخص تبرعاً اس کا قرضہ ادا کر دے۔

ب......اگر ترکہ پر دین مستغرق نہ ہو تو وصیت بلا توقف نافذ ہوگی البتہ قرضہ منہا کر کے جو ترکہ باقی بچے گا اس کے تہائی حصہ میں وصیت نافذ ہوگی چونکہ اتنے حصہ سے کسی کا حق معلق نہیں ہوتا۔

مصر کے قانون دفعہ ۳۸، ۳۹ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۸ / ۴۱۳ کے تحت فقہ حنفی سے ماخوذ انہی احکام کو قانونی شکل دی گئی ہے، چنانچہ قانون کی رو سے ایسے مدیون کی وصیت نافذ نہیں ہوتی جس پر دین مستغرق ہو، الا یہ کہ دائن جس میں اہلیت کامل ہو وہ وصیت کی اجازت دے یا دین ساقط ہو جائے تو وصیت نافذ العمل ہوگی۔

غیر مسلم و مسلم دونوں کی وصیت درست ہوتی ہے۔ مسلمان کے حق میں کافر کی وصیت اور کافر کے حق میں مسلمان کی وصیت بھی جائز ہے، گویا صحت وصیت کے لئے اسلام شرط نہیں۔ ذمی مسلمان اور اپنے جیسے ذمی کے حق میں وصیت کر سکتا ہے، اور اس کے برعکس بھی جائز ہے۔ ❷ چنانچہ شرعی اصول ہے "جب اہل ذمہ کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہوں اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہوں گی جو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔ ❸

سوریا اور مصر کے قانون میں یہ شق شامل کی گئی ہے۔ غیر مسلم کی اصطلاح میں ذمی حربی، مرتد سب شامل ہیں۔

ا۔ ذمی کی وصیت...... ذمی کی وصیت کے جواز پر فقہاء کا اتفاق ہے چونکہ ذمی اہل تملیک ہے اور وہ اپنے مال میں من چاہا تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ چنانچہ جیسے مسلمان کی وصیت نافذ ہوتی ہے اسی طرح ذمی کی وصیت تہائی ترکہ میں نافذ ہوگی۔ تہائی سے زائد نافذ نہیں ہوگی۔

ذمی اپنے جیسے ذمی، مستأمن (ویزہ پر آئے ہوئے غیر مسلم) اور مسلمان کے حق میں وصیت کر سکتا ہے حنفیہ کے نزدیک ذمی دارالحرب میں حربی کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا، چونکہ اس طرح کی وصیت سے دشمن کو تقویت پہنچانا اور اس کی مدد کرنا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ذمی کے عقیدہ کے مطابق جو قربت ہو اس کے لئے وصیت کرنا جائز ہے الا یہ کہ وہ جہت اگر اس کے دین میں اور دین اسلام میں حرام ہو تو وصیت جائز نہیں ہوگی۔

ایسی جہت جو دونوں شریعتوں میں قربت ہو جیسے فقراء کے حق میں وصیت کر دی، یا بیت المقدس کی تعمیر کے لئے وصیت کر دی یا مسلمانوں کے لئے تعمیر مسجد کی وصیت کر دی۔

وہ جہت جو ذمی کی شریعت میں قربت و ثواب ہو اور مسلمانوں کی شریعت میں قربت نہ ہو جیسے کنیسہ کی تعمیر کے لئے وصیت کرنا اور ذمی فقراء کو خنزیر کا گوشت کھلانے کی وصیت کرنا۔

---

❶......الوصیة الاستاذ الشیخ عیسوی ص ۶۳۔ ❷الدر المختار ۵/۴۶۳، الکتاب مع اللباب ۴/۱۵۱ البدائع ۷/۱۳۶، الشرح الصغیر ۴/۵۸۱، تبیین الحقائق ۶/۱۸۴، تکملة الفتح ۸/۴۳۰ المغنی ۶/۱۰۴۔ ❸حدیث صحیح رواہ مسلم وغیرہ سنن بریدة

وہ جہت جو مسلمانوں کی شریعت میں قربت ہو اس کی شریعت میں قربت نہ ہو جیسے مسلمانوں کے لئے مسجد تعمیر کرنے کی وصیت کرنا۔

وہ جہت جو دونوں شریعتوں میں حرام ہو جیسے قحبہ خانے، رقص گاہیں بنانے کے لئے وصیت۔

چنانچہ پہلی دو صورتوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک وصیت درست ہے دوسری دو صورتوں میں وصیت درست نہیں۔

مصر اور سوریا کے قانون مین ان احکام کو اختیار کیا گیا ہے۔ البتہ تیسری صورت نہیں لی گئی جیسے مسلمانوں کے لئے تعمیر مسجد کی وصیت کرنا گویا قانون میں شافعیہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے۔

حربی وصیت......حربی کے حق میں وصیت صحیح ہے اور حربی کی کسی اور کے حق میں وصیت بھی صحیح ہے۔ خواہ حربی مستأمن ہو یا دارحرب میں ہو یہ حنابلہ اور شافعیہ کا موقف ہے۔

جب کہ حنفیہ کے نزدیک اگر حربی دارالحرب میں ہو تو اس کے حق میں وصیت کرنا صحیح نہیں اور اگر وہ مستأمن (ویزہ لے کر دارالاسلام میں آیا) ہو تو اس کے حق میں وصیت صحیح ہے۔ مالکیہ کے نزدیک مطلقاً حربی کے حق میں وصیت صحیح نہیں۔

قانون میں شافعیہ اور حنابلہ کی رائے اختیار کی گئی ہے۔

مستأمن......حنفیہ کے نزدیک مستامن ذمی کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کے حق میں وصیت صحیح ہے، اور مستامن مسلمان اور ذمی کے حق میں بھی وصیت کرسکتا ہے۔ اگر مستامن کے ورثہ دارالاسلام میں اس کے ساتھ ہوں تو تہائی مال سے زائد وصیت ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی۔ اور اگر اس کے ورثہ دارالحرب میں ہوں تو کل مال میں اس کی وصیت نافذ ہوگی، چونکہ اختلاف دارین کی وجہ سے اس کے مال میں ورثہ کا کوئی حق نہیں رہا، اختلافِ دارین توارث کے مانع ہوتا ہے۔

۳۔ وصیتِ مرتد...... مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مرتد کی وصیت صحیح ہے بشرطیکہ وصیت حرام مال کی نہ ہو، چونکہ کافر کی وصیت مسلمان کے حق میں صحیح ہے اور مرتد کافر ہوتا ہے۔ شرعاً حرام جیسے مسلمان کا شراب یا خنزیر سے نفع اٹھانا۔ لیکن یہ فقہاء کہتے ہیں: یہ مرتد کی وصیت موقوف رہے گی جیسے بقیہ تصرفات موقوف ہوتے ہیں۔ چونکہ مرتد کے مال سے دوسروں کا حق متعلق ہوجاتا ہے۔ اگر اسلام کی طرف لوٹ آیا تو وصیت نافذ ہوگی اور اگر مرگیا یا ردت کی وجہ سے قتل کردیا گیا تو وصیت باطل ہوجائے گی، بخلاف مریض کی وصیت کے۔

حنفیہ نے عورت اور مرد کے درمیان فرق کیا ہے، چنانچہ حنفیہ کہتے ہیں: عورت کی وصیتیں درست ہوتی ہیں اور نافذ العمل ہوتی ہیں جیسا کہ اس کے بقیہ تصرفات صحیح ہوتے ہیں چونکہ حنفیہ کے نزدیک مرتدہ ہونے کی وجہ سے عورت قتل نہیں کی جاتی۔

رہی بات مرتد مرد کی سو اس کی وصیت موقوف ہوتی ہے اگر اسلام کی طرف لوٹ آیا اور اسلام پر مرا تو اس کی وصیت نافذ ہوگی۔ جیسے باقی تصرفات نافذ ہوتے۔ سوریا میں جمہور کے مذہب کو قانونی شکل دی گئی ہے۔

چوتھا مقصد: موصٰی لہ کے احکام......وصیت کے وقت موصی لہ یا تو موجود ہوگا یا اس کا وجود متوقع ہوگا جیسے حمل، یا معدوم ہوگا، اگر موجود ہو تو پھر دو صورتیں ہیں یا تو متعین شخص ہوگا یا جہت عامہ (غیر متعین عام لوگ) میں جہت عامہ، حمل، معدوم، محصور وغیر محصور (غیر محدود) جماعت کے حق میں کی گئی وصیت سے بحث کروں گا۔

۱۔ جہات عامہ کے حق میں کی گئی وصیت کا حکم......فقہاء کا اتفاق ہے کہ جہتِ عامہ مثلاً مساجد، مدارس، ہسپتال، کتب

خانے اور مسافر خانوں کے حق میں وصیت کرنا درست ہے۔ ❶ برابر ہے کہ وصیت کردہ چیز متعین چیز ہو جیسے کتب خانہ کی وصیت کردی یا وہ منفعت ہو جیسے گھر کا کرایہ تجارتی کریڈٹ وغیرھا۔ خواہ دائمی ہو یا متعین وقت کے لئے ہو۔ ❷

وصیت کردہ چیز کو موصی کی شرط کے مطابق صرف کیا جائے گا بشرطیکہ شرط مقاصد شریعت کی متصادم نہ ہو اگر موصی نے کوئی شرط نہ لگائی ہو تو وصیت کا مال مسجد کی تعمیر اور اصلاح پر خرچ کیا جائے گا، امام ومؤذن کی تنخواہ دی جائے گی، اگر تعلیمی مدرسہ کے لئے وصیت کی ہو تو تعمیر اور دیگر تعلیمی امور پر مال خرچ کیا جائے گا۔

تاہم نگران اپنی سمجھ کے مطابق مال خرچ کرے، چونکہ مسلمان نے قربت خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے وصیت کی ہے، وہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا چاہتا ہے کسی کو مالک نہیں بنانا چاہتا۔ اصح قول کے مطابق مسجد کے لئے کی گئی وصیت کا مال مسجد کے فقراء پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔

اسی طرح نیکی کے کاموں کے لئے وصیت کرنا صحیح ہے، اگرچہ جہت کی تعیین نہ کی گئی ہو۔ تاہم کسی بھی خیر وبھلائی کے کام میں مال خرچ کیا جائے گا جیسے وقف کی تعمیر، مسجد میں روشنی کا انتظام وغیرھا۔ البتہ وصیت کے مال سے مسجد کی زیبائش وآرائش نہیں کی جائے گی۔ چونکہ زیبائش میں اسراف ہے۔

فی سبیل اللہ وصیت کرنا درست ہے تاہم فی سبیل اللہ وصیت کا مال جہاد اور ضروریات جہاد میں صرف کیا جائے گا اسی طرح ایسے حاجی پر بھی صرف کرنا جائز ہے جو قافلے سے بچھڑ گیا ہو۔

اگر کسی نے کہا: میں نے اللہ کے لئے تہائی مال کی وصیت کردی تو یہ وصیت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، تاہم نیکی اور بھلائی کے کاموں میں وصیت کا مال صرف کیا جائے گا۔ چونکہ اگرچہ ہر چیز اللہ ہی کی ہے لیکن وصیت کنندہ کی مراد اللہ کی راہ میں مال صدقہ کرنا ہے کیونکہ قرینۂ حال کی بنا پر موصی کا کلام درست کیا جائے گا۔

مصر کے قانون دفعہ ۷، ۸ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۱۳، ۲۱۴ کے تحت فقہاء کے ہاں مذکورہ بالا مقررہ احکام پر صراحت کی گئی ہے۔

۱..... جو وصیت اللہ کے لئے کی گئی ہو یا نیکی کے کاموں کے لئے کی گئی ہو اور جہت (مصرف) کی تعیین نہ کی گئی ہو تو اس وصیت کا مال خیر وبھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے گا۔

۲..... جو وصیت عبادت گاہوں، خیراتی اداروں، علمی اداروں اور دوسرے مصالح عامہ کے لئے کی گئی ہو تو اس وصیت کا مال ان اداروں کی تعمیر وترقی، مصالح، درستی اور ان اداروں کے فقراء پر صرف کیا جائے گا۔ بشرطیکہ عرف سے مصرف کی تعیین نہ ہوتی ہو۔

وصیت حج..... بالاتفاق حج کی وصیت کرنا درست ہے چونکہ حج نیکی کا کام ہے۔

حنفیہ..... کہتے ہیں: ❸ اگر کسی شخص نے حج اسلام کی وصیت کی تو موصی کی طرف سے اس کے شہر سے ایک شخص کو سوار کرکے حج کے لئے روانہ کیا جائے گا بشرطیکہ نفقہ کافی ہو۔ اگر موصی کے شہر سے حج کروانے کے لئے نفقہ کافی نہ ہو تو جس شہر سے کافی ہوتا ہو وہاں سے حج کروایا جائے گا۔

چونکہ جو شخص استطاعت رکھتا ہو اس پر پیدل حج کرنا لازمی نہیں۔ جس حالت میں واجب ہو اسی حالت میں حج کروانا واجب ہے۔

---

❶..... البدائع ۷/ ۳۷۱، الدر المختار ۵/ ۴۷۰، الشرح الصغیر ۴/ ۵۸۱ مغنی المحتاج ۳/ ۴۲۔ ❷ اصل حنفی مذہب میں مسجد کے لئے وصیت صحیح نہیں چونکہ مسجد مالک نہیں بن سکتی تاہم امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے اور انہی کے قول پر فتویٰ ہے۔ (الدر المختار ۵/ ۴۹۲) ❸ الدر المختار وردالمحتار ۵/ ۴۶۹، الکتاب مع اللباب ۴/ ۱۷۷۔

اسی لئے اتنے مال کا اعتبار کیا گیا ہے جو موصی کے شہر سے کافی ہو جائے، اگر کسی شخص نے کہا میں موصی کی طرف سے پیدل حج کروں گا تو موصی کی طرف سے حج کافی نہیں ہوگا۔

اگر حاجی راستے ہی میں مرگیا اور اس نے بھی حج کی وصیت کر دی تو اس کے علاقے سے کسی کو سوار کر کے حج کروایا جائے گا۔ حنفیہ کے نزدیک یہی قول قابل اعتماد ہے، البتہ جس جگہ حاجی مرا ہو وہاں سے بھی حج کروایا جا سکتا ہے اس قول کا دارومدار استحسان پر ہے۔

اگر کسی شخص کا کوئی متعین وطن نہ ہو تو بالا جماع جہاں مرا ہے وہاں سے اس کی طرف سے حج کروایا جائے گا۔

نفلی حج کی وصیت بھی صحیح ہے، اگر کسی شخص نے کہا میرے تہائی مال سے میری طرف سے حج کروایا جائے یا کہے ایک ہزار روپے میں کروایا جائے جب کہ حج کے لئے تہائی مال یا ہزار روپے کافی ہوتے ہوں، اگر موصی نے حج واحد کی صراحت کی تو اسی پر عمل کیا جائے گا جو مال حج سے بچ رہے ورثہ کو واپس کیا جائے گا، اگر موصی نے صراحت نہ کی ہو تو ایک ہی سال میں متعدد اشخاص سے حج کروائے جائیں گے، یہ افضل ہے، یا ہر سال ایک ایک شخص کو بھیج کر حج کروایا جائے۔ دوسرا قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ بھی ہے کہ: نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: [1] نے اگر حج اسلام کی وصیت نہیں کی تو شافعیہ کے مشہور کے قول کے مطابق حج کے کل اخراجات کا حساب کل سرمایہ سے لگایا جائے گا۔ جیسے سارے دیون کا حساب کل سرمایہ سے لگایا جاتا ہے۔ اور اگر موصی نے اصل سرمایہ سے وصیت کی ہو یا تہائی مال سے وصیت کی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی نے کہا: میرا قرضہ تہائی مال سے ادا کیا جائے اور تہائی مال سے ادائیگی پوری نہ ہوتی ہو، اگر موصی نے حج اسلام کی مطابق وصیت کی مثلاً وصیت رأس المال (اصل سرمائے) کے ساتھ مشروط نہیں کی اور نہ ہی تہائی مال کے ساتھ مشروط کی تو حج کے اخراجات اصل سرمائے سے ادا کئے جائیں گے۔ اور اس کی طرف سے حج اس کے شہر کے مخصوص میقات سے کروایا جائے گا، چونکہ اگر وہ زندہ ہوتا اس پر یہی لازم ہوتا، اگر وصیت کی کہ اس کے گھروں سے حج کروایا جائے تو اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا، اگر تہائی مال سے حج کرنے کی وصیت کی جب کہ تہائی مال ناکافی ہو تو تہائی مال سے حج جہاں سے ممکن ہو وہاں سے کروایا جائے گا۔

اصح قول کے مطابق اجنبی شخص میت کی طرف سے اجازت کے بغیر حج کر سکتا ہے، برابر ہے کہ حج ہو یا عمرہ، یا حج نذر یا نذر کا عمرہ ہو۔ لیکن ذاتی مال سے کیا جائے گا اگر چہ میت پر عرصۂ حیات میں حج یا عمرہ واجب نہ ہوا ہو۔

شافعیہ کے ظاہر مذہب کے مطابق نفلی حج اور نفلی عمرہ کی وصیت صحیح ہے چونکہ نفلی حج میں نیابت جائز ہوتی ہے، کیونکہ حج ایسی عبادت ہے جس کے فرض ہونے کی صورت میں نیابت چلتی ہے، نفلی میں تو بطریق اولیٰ نیابت چلے گی، جیسے ادائے زکوٰۃ، میت کی طرف سے حج یا تو اس کے آبائی شہر سے کروایا جائے گا یا میقات سے کروایا جائے گا بشرط یہ کہ تہائی مال سے حج ہو سکتا ہو ورنہ جہاں سے ممکن ہو وہاں سے کروایا جائے گا، اگر موصی نے وصیت مطلق رکھی تو اصح قول کے مطابق میقات سے حج کروایا جائے گا چونکہ وصیت کو عملی جامہ پہنانے کا اقل درجہ یہی ہے۔

حنابلہ...... کہتے ہیں: فرض حج کا خرچہ اصل سرمایہ سے نکالا جائے گا اگر چہ موصی نے اس کی وصیت نہ بھی کی ہو، جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ اور اگر ایسے شخص نے وصیت کی کہ اس پر حج فرض نہ ہو اور اس نے نفل حج کی وصیت کی ہو جو ایک ہزار روپے میں کیا جائے تو حج کے اخراجات تہائی مال سے لئے جائیں گے خواہ سوار ہو کر کروایا جائے یا پیدل۔

---

[1] ......مغنی المحتاج ۳/۶۳، المہذب ۱/۴۵۴۔

چونکہ میت نے اپنے مال کی قربت کی جہت میں وصیت کی ہے لہٰذا مال کو قربت میں صرف کرنا واجب ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے فی سبیل اللہ وصیت کی ہو چنانچہ کسی کو نفقہ مثل سے زائد مال نہیں دیا جائے گا۔ چونکہ موصی نے معاوضہ کے اعتبار سے تصرف کو مطلق رکھا ہے، لہٰذا عوض مثل کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسے بیع وشراء کے معاملہ میں عوض مقرر کیا جاتا ہے۔

اگر ہزار روپے حج کے لئے کافی نہ ہوں تو اس جگہ سے حج کروایا جائے گا جہاں سے ممکن ہو چونکہ موصی نے حج پر صرف کئے جانے والی رقم متعین کی ہے لہٰذا بقدر امکان مال صرف کیا جائے گا۔

وصی کے لئے صحیح نہیں کہ وہ ہزار روپے میں حج کرے چونکہ وصی تو وصیت کو نافذ کرتا ہے جیسے صدقہ کرنے کے متعلق کسی کو وکیل بنایا جاتا ہے چنانچہ مامور صدقہ کی جانے والی رقم سے نہیں لے سکتا۔

اگر موصی نے کہا میری طرف سے ایک ہزار روپے میں حج کردو تو ہزار روپے ایسے شخص کو دے دیئے جائیں گے جو اس کی طرف سے حج کرے اور ایک ہی حج کروایا جائے گا۔

چونکہ موصی کی وصیت کا مقتضا یہی ہے اور اسی کو نافذ کیا جائے گا۔ اگر موصی نے کسی شخص کو وصی مقرر کیا اور کہا میری طرف سے فلاں شخص ایک ہزار روپے میں حج کرے، یہ موصی کی طرف سے قابل اعتبار وصیت ہوگی، اگر وصی کا حج کرنے کا ارادہ ہو تو اسے سفر شروع کرنے سے پہلے روپے دے دیئے جائیں، اگر وصی نے حج کرنے سے انکار کر دیا تو اس کے حق میں وصیت باطل ہو جائے گی اور کم از کم نفقہ کے ساتھ اس کی طرف سے حج کروایا جائے گا جو باقی بچ رہے وہ ورثہ کا حق ہوگا۔ مال وصی کو ایام حج میں دیا جائے گا تاکہ مال محفوظ رہے، نیز ایام حج میں دینے سے حج میں معاونت کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

اگر کسی شخص نے کہا میری طرف سے حج کرو اور اس نے مال کی مقدار متعین نہیں کی تو اس کی طرف سے حج کرنے والے کو مثلی نفقہ (جتنے خرچے میں حج ہو جاتا ہو) دیا جائے گا چونکہ اطلاق مثلی نفقہ سے زائد کا مقتضی نہیں۔

اگر کسی شخص نے تین آدمیوں کو تین حجوں کی وصیت کی تو ایک ہی سال میں ان تینوں کو مال دے کر حج کروایا جائے گا۔

اگر سفر حج میں مال ضائع ہو گیا (مثلاً گم ہو گیا یا چوری ہو گیا) تو وہ مال موصی کے کھاتے سے ضائع ہوگا اس کا تاوان نائب پر نہیں پڑے گا، چونکہ نائب امین ہے جیسے ودیع امین ہوتا ہے، مال ضائع ہونے کی صورت میں نائب کے ذمہ اتمام حج نہیں ہوگا۔

حنابلہ کے نزدیک مال کے صدقہ کرنے کی وصیت نفلی حج کرنے سے افضل ہے، حنابلہ کا یہ موقف حنفیہ کے خلاف ہے حنفیہ کے نزدیک نفلی حج صدقہ سے افضل ہے۔

۲۔ حمل کے حق میں وصیت...... میں نے شرائط کی بحث میں بیان کر دیا ہے کہ حمل کی وصیت اور حمل کے حق میں وصیت درست ہے بشرطیکہ بوقت وصیت حمل کا وجود متحقق ہو چکا ہو۔ ❶ حمل کی وصیت جیسا کہ زمانہ ماضی میں ہوتا تھا کہ کسی شخص کی باندی ہوتی جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور اس باندی کے پیٹ میں جو حمل ہو مالک اس کی کسی شخص کے حق میں وصیت کر دے۔

عصر حاضر میں گائے بھینس بکری کے پیٹ میں پڑے حمل کی کسی شخص کے حق میں وصیت کر دی بشرطیکہ بوقت وصیت گائے کے پیٹ میں حمل موجود و متحقق ہو۔

حمل کے حق میں وصیت کی یہ صورت ہے کہ مثلاً ایک شخص کہے میں نے اپنے تہائی مال کی فلاں عورت کے حمل کے حق میں وصیت کر دی بشرطیکہ اس عورت میں حمل کا وجود متحقق ہو۔

---

❶ ......الدر المختار ورد المحتار ۵/۴۶۲، تکملة فتح القدير ۸/۴۳۴، الشرح الصغير ۴/۵۸۱ مغنى المحتاج ۳/۴۰، المهذب ۱/۴۵۱، المغنى ۶/۵۶، الكتاب مع اللباب ۴/۱۵۲۔

فقہاء کا اتفاق ہے کہ حمل کے حق میں وصیت کرنا درست ہے چونکہ وصیت میراث کی مانند ہے اور حمل وارث بنتا ہے لہٰذا اس کے حق میں وصیت کرنا درست ہے۔

حمل کے لئے شرائط وصیت...... مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک حمل کے حق میں وصیت صحیح ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں۔

۱...... یہ کہ بوقت وصیت حمل کا وجود ماں کے بطن میں متحقق ہو، اگر حمل کا وجود متحقق نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی۔ مالکیہ نے یہ شرط نہیں لگائی۔

تحقق حمل...... حنفیہ کے نزدیک درج ذیل امور سے ہوتا ہے۔

الف...... بوقت وصیت موصی حمل کے موجود ہونے کا اقرار کرتا ہو اور عورت دو سال کے اندر اندر وضع حمل بھی کر دے برابر ہے کہ حمل کی ماں زیر نکاح ہو یا معتدہ ہو یا بیوہ ہو۔

ب...... اگر حمل کا اقرار نہ ہو تو شرط ہے کہ حمل وصیت کی تاریخ سے چھ ماہ میں پیدا ہو۔

جب کہ حمل کی ماں زیر نکاح ہو یا معتدہ طلاق رجعی ہو، چونکہ یہ مدت حمل کی اقل مدت ہے جس کا شریعت میں اعتبار کیا گیا ہے نیز یہ کہ خاوند زندہ ہو۔

اور اگر خاوند مر چکا ہو تو شرط ہے کہ حمل زندہ پیدا ہو اور خاوند کی وفات کے بعد دو سال کے عرصہ کے اندر اندر حمل پیدا ہو وجہ نسب کی بحث میں گزر چکی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... نے پہلی صورت میں حنفیہ کی موافقت کی ہے، چنانچہ حمل کے حق میں اور حمل کی وصیت درست ہے بشرطیکہ ماں تاریخ وصیت سے چھ ماہ کے اندر اندر بچہ جنم دے، یہ اس صورت میں ہے جب ماں زیر نکاح ہو۔ جب کہ دوسری صورت میں حنفیہ سے اختلاف کیا ہے چنانچہ اگر وصیت کے بعد چار سال کے اندر اندر حمل پیدا ہو جائے تو وصیت درست ہے اور اگر فرقت کے بعد چار سال سے زائد عرصہ میں حمل پیدا ہوا اور وصیت کے بعد چھ ماہ سے زائد عرصہ میں حمل پیدا ہوا تو وصیت صحیح نہیں ہوتی چونکہ یہ احتمال ہے کہ حمل وصیت کے بعد کا ہے۔

حاصل یہ رہا کہ تین مذاہب میں شرط ہے کہ بوقت وصیت حمل موجود ہو۔

۲...... یہ کہ بچہ زندہ پیدا ہوا اور اس کی زندگی کا یقین ہو، مثلاً پیدا ہونے کے بعد بچہ چیخے چلائے، اسی طرح مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک طبی معائنے سے بھی یقین حاصل ہو سکتا ہے، مصر کے قانون دفعہ ۳۵ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۶ کے تحت اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

۳...... یہ کہ حمل موصی کی تعیین کردہ صفت پر ہو، اگر کسی متعین شخص کے نطفے سے پیدا ہونے والے حمل کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو شرط ہے کہ شرعاً اس شخص سے حمل کا نسب بھی ثابت ہو، یہ شافعیہ کا مذہب ہے اور قانون میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

تعدد حمل...... اگر ایک وقت میں عورت ایک سے زائد بچے جنم دے یا الگ الگ دو وقتوں میں ایک سے زائد بچے جنم دے لیکن دونوں اوقات کے درمیان چھ ماہ سے کم عرصہ ہو، اگر سارے بچے زندہ پیدا ہوں تو وصیت ان سب کے حق میں یکساں ہوگی۔

اگر ایک زندہ پیدا ہوا اور دوسرا مردہ پیدا ہوا تو وصیت کا حق دار زندہ ہوگا۔ اور اگر ایک زندہ پیدا ہونے کے بعد مر جائے اور وصیت

کردہ چیز متعین ہو جیسے گھر تو اس کا حصہ اس کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ چونکہ وہ وصیت کردہ چیز کا کامل مالک بنا تھا۔

اگر چہ اس چیز کی منفعت موصی کے ورثہ کو پہنچی ہو چونکہ وصیت جو منافع جات کے متعلق کی گئی ہو وہ عورت سے منتہی ہو جاتی ہے بشرطیکہ کوئی دوسری شرط نہ پائی جاتی ہو۔ ❶

جب کہ اموی قانون زیر دفعہ ۳۵ اور سعودیہ کے قانون ۲۳۶ میں متذکرہ بالا فقہی تحقق سے عدول کیا گیا ہے، اور یوں صراحت کی گئی ہے۔

موصی اگر حمل کا اقرار کرتا ہو تو اس صورت میں ضروری ہے کہ حمل ایک شمسی سال (۳۶۵ ایام) کے اندر اندر پیدا ہو، اس ایک سال کا اعتبار وصیت کے بعد سے ہوگا، قانون میں محمد بن عبدالحکم مالکی کی رائے اختیار کی گئی ہے انہوں نے اکثر مدت حمل ایک قمری سال قرار دی ہے۔ جب کہ اطباء کے ہاں مقرر ہے کہ حمل بطن میں ایک شمسی سال سے زیادہ نہیں رہ سکتا۔

اگر موصی نے حمل کا اقرار نہ کیا ہو تو شرط ہے کہ حمل مصری قانون کے مطابق ۲۷۰ دنوں کے اندر اندر پیدا ہو جب کہ سوریا کے قانون کے مطابق ۹ ماہ کے اندر اندر پیدا ہو، مدت کی ابتدا وصیت کے دن سے ہوگی۔

۳۔ معدوم کے حق میں وصیت...... معدوم سے مراد ایسا شخص ہے جو وصیت کے وقت موجود نہ ہو اور وصیت کے بعد اس کی توقع ہو، چنانچہ مالکیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ معدوم کے حق میں کی گئی وصیت باطل ہے۔ ❷ چونکہ موصی لہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بوقت وصیت موصی لہ موجود ہو۔ تاہم میت یا ایسے فرد کے حق میں وصیت صحیح نہیں جس کا وجود متوقع ہو، نیز وصیت میں تملیک کا معنی بھی پایا جاتا ہے اور معدوم وصیت کا مالک نہیں بن سکتا۔ بخلاف وصیت کردہ چیز کے۔

چنانچہ موصی بہ اگر موجود نہیں تو بھی اس کی وصیت صحیح ہے نیز وصیت میراث کی مانند ہے اور متوفی وراثت میں وہی چیز چھوڑتا ہے جو موجود متوقع ہو، یہی حال وصیت کا ہے۔

اگر موصی لہ کے اوصاف کی تعیین کر دی گئی ہو جیسے طلبہ علم تو شرط ہے کہ موصی لہ بوقت وصیت موجود ہو۔

مالکیہ...... نے معدوم کے حق میں وصیت جائز قرار دی ہے، ان کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً میت کے حق میں وصیت کی گئی تو وصیت کا مال موصی لہ (میت) کے قرضہ جات کی ادائیگی اور اس کی وصیتوں میں صرف کیا جائے گا اور جو بچ رہے ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر میت کا کوئی وارث نہ ہو تو وصیت باطل ہو جائے گی، اور بیت المال کے سپرد نہیں کی جائے گی۔

مصر اور سوریا کے قانون میں مالکیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے تاکہ وصیت کے نفع اٹھانے میں عموم رہے اور مخیّر حضرات کو وصیت کی ترغیب بھی ہو جائے۔

قانون میں معدوم کے حق میں وصیت کے احکام...... مصری اور سوریا کے قانون کی رو سے معدوم کے حق میں وصیت صحیح ہے، مثلاً کوئی کہے: میں نے خالد کی اولاد (جو مستقبل میں پیدا ہوگی) کے حق میں وصیت کر دی، معدوم کے حق میں کی گئی وصیت یا تو متعین چیز کی صورت میں ہوگی یا منافع جات کی وصیت ہوگی۔ ان دونوں کے احکام جدا جدا ہیں۔

ا۔ معدوم کے حق میں متعین اشیاء کی وصیت...... اگر وصیت کردہ چیز متعین ہو جیسے گھر، زمین وغیرھا اور موصی لہم بھی شمار میں آ سکتے ہوں مثلاً ان کی تعداد ایک سو (۱۰۰) یا اس سے کم ہو تو وصیت کردہ چیز کی آمدنی اور پیداوار ان موصی لہم کے لئے ہوگی جو بوقت

---

❶...... مصر کا قانون دفعہ ۲/۲۳۷، مصر کا قانون دفعہ ۳۶۔ ❷ الدر المختار ورد المحتار ۴۵۹/۵، مغنی المحتاج ۴۰/۳، المغنی ۵۸/۶۔

وفات موجود ہوں، تاوقتیکہ کوئی اور بھی وجود میں آ جائے تو وہ پہلے سے موجودین کے ساتھ شریک ہوگا۔

جب اصل چیز اور اس کی پیداوار موصی لہم کی ملکیت بن جائے تو وہ چیز زندوں اور مردوں کے درمیان تقسیم کی جائے گی، البتہ مردے کا حصہ اس کے ورثہ کو ملے گا اور ان کے درمیان میراث کے طور پر حصے تقسیم کئے جائیں گے۔ ❶

۲۔ **معدوم کے حق میں منفعت کی وصیت**......معدوم قابل شمار ہوں ان کے حق میں منفعت کی وصیت صحیح ہے تاہم اصل چیز کی ملکیت ہر حال میں موصی کے ورثہ کی ہوگی، موصی لہم کو صرف منفعت ملے گی۔

اگر موصی کی وفات کے بعد صرف ایک موصی لہ پایا جائے تو ساری پیداوار کا وہی حق دار ہوگا۔

اور اگر کوئی موصی لہ نہ پایا جائے تو پیداوار موصی کے ورثہ کی ملکیت ہوگی۔

اگر کچھ موصی لہم مر جائیں اور کچھ باقی رہیں تو جو باقی ہوں پیداوار انہیں ملے گی۔ ❷

۳۔ **مختلف طبقات کے حق میں منفعت کی وصیت**......مصری قانون نے دفعہ ۲۹ کے تحت موصی لہ کی اولاد میں سے پہلے دوطبقوں کے لئے منفعت کی وصیت جائز قرار دی ہے، دوطبقوں سے زائد وصیت باطل قرار دی گئی ہے، تاہم صورت جواز میں قانون کا دارومدار مالکیہ کے مذہب پر ہے اور صورت بطلان کا دارومدار ابن ابی لیلیٰ کی رائے پر ہے ان کے نزدیک منافع کی وصیت مطلقاً ممنوع ہے۔

سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۲ میں وصیت اولاد کے صرف پہلے طبقہ تک منحصر رکھی گئی ہے تاکہ وصیت ذریاتی وقف کی صورت نہ اختیار کرے اور یہ صورت قانوناً لغو ہے جب اولاد کا پہلا طبقہ ختم ہو جائے تو وصیت کردہ چیز موصی کے ترکہ میں لوٹ آئے گی۔ الا یہ کہ موصی نے کلی وصیت کی ہو۔ ❸

قانونی رو سے طبقات کے لئے وصیت برقرار نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اولاد کی تعداد بڑھ جاتی ہے اور وصیت کردہ منفعت کے حصے بہت چھوٹے چھوٹے رہ جاتے ہیں جس کی وجہ سے مستحقین میں جھگڑا کھڑا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

مصری قانون میں ہے کہ جب وصیت مختلف طبقات کے حق میں کی گئی ہو جیسے مثلاً کسی نے کہا: میں نے عامر کی اولاد کے حق میں وصیت کردی ان کے بعد پھر ان کی اولاد کے لئے، چنانچہ پیداوار پہلے طبقہ کے افراد پر صرف کی جائے گی اور جب یہ طبقہ ختم ہو جائے تو دوسرے طبقہ پر صرف کی جائے گی۔

۴۔ **محدود جماعت کے حق میں وصیت**......فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ محدود جماعت کے حق میں وصیت درست ہے، اس جماعت کی تحدید یا تو نام لے کر کردی ہو مثلاً کہا: احمد خالد علی کے لیے وصیت کی یا اشارہ سے ان کی تحدید کردی۔ مثلاً کہا: ان لوگوں کے لئے میں نے وصیت کردی، یا وصف سے تحدید کردی مثلاً کہا طلبہ علم یا فلاں کی اولاد، یا فلاں فلاں مریضوں یا بنی فلاں کے لئے وصیت کردی جب کہ اس جماعت کے افراد گنتی میں آ سکتے ہوں۔

اول......اگر وصیت ایسے لوگوں کے حق میں کی گئی ہو جنہیں ناموں کے ساتھ متعین کر دیا گیا ہو تو وصیت کردہ مال موصی کے صراحت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔

اگر موصی کی طرف سے کوئی وضاحت نہ کی گئی ہو تو مال یکساں طور پر فی نفر کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا، اور جو شخص استحقاق کے

---

❶......سوریا کا قانون دفعہ ۲۳۱۔ ❷مصری قانون دفعہ ۳۸۔ ❸الوصیة لعیسوی ص ۷۴، الوصیة للدکتور مصطفی السباعی ص ۱۱۷۔

بعد مرجائے تو اس کا حصہ اس کے ورثہ کو ملے گا بشرطیکہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) متعین ہو اور اگر موصی بہ منفعت ہو تو اس کا حصہ بقیہ موصی لہم کو ملے گا چونکہ حنفیہ کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے۔

اگر وصیت بعض متعین افراد کے حق میں باطل ہو جائے مثلاً وہ مرگئے ہوں تو حنفیہ کے نزدیک جو لوگ وصیت میں داخل تھے پھر خارج ہو گئے بوجہ شرط کے نہ پائے جانے کے یا اہلیت کے زائل ہو جانے کے تو ان کا حصہ موصی کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا۔

اور اگر سرے سے داخل ہی نہ ہوں تو ان کا حصہ موصی لہم میں تقسیم کیا جائے گا۔لیکن مصری قانون میں دفعہ ۳۳ کے تحت بطلان وصیت کی صورت میں شافعیہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے کہ وصیت موصی کے ترکہ میں لوٹ آئے گی۔

دوم.....اگر وصیت گنتی کے افراد کے حق میں ہو اور وہ وصف یا جنس کے اعتبار سے معروف ہوں تو وصیت کردہ چیز موصی کی وضاحت کے موافق تقسیم کی جائے گی۔

ورنہ فی نفر کے اعتبار سے تقسیم کی جائے گی جیسا کہ پہلی صورت میں اوپر گذر چکا ہے۔

اگر موصی لہم میں سے کوئی بعد از استحقاق مرجائے تو وصیت کردہ مال ورثہ کو ملے گا بشرطیکہ وصیت کردہ چیز متعین ہو اور اگر وصیت کردہ چیز منفعت ہو تو اس کا حصہ بقیہ موصی لہم کو ملے گا چونکہ حنفیہ کے نزدیک منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے جیسا کہ پہلی صورت میں ذکر ہوا ہے۔

مشترکہ وصیت کی تقسیم کا طریقہ کار

وصیت مشترکہ......اس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی وصیت جس کا موصی لہ مشترک مجموعہ ہو جس میں متعین افراد بھی ہو، گنتی کی جماعت بھی ہو، غیر محصور بھی ہوں اور نیکی کی جہت بھی ہو جیسے مثلاً کسی نے تہائی مال کی وصیت کی خالد کے لئے اس کے چار بیٹوں کے لئے فقراء کے لئے اور ہسپتال کے لئے۔

مصر کے قانون دفعہ ۳۲ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۳۵ کے تحت وصیت کردہ تہائی مال کی تقسیم کا طریقہ کار کی یوں صراحت کی گئی ہے کہ اوپر بیان کی گئی مثال میں وصیت سات حصوں میں تقسیم کی جائے گی کہ ہر متعین فرد، محدود جماعت کے افراد میں سے ہر فرد، غیر محدود جماعت اور نیکی و بھلائی جہت کے لئے ایک الگ حصہ ہو گا گو ایک حصہ خالد کو ملے گا اس کے بیٹوں میں سے ہر ایک کو ایک الگ حصہ ملے گا۔فقراء کو ایک حصہ ملے گا اور ہسپتال کو ایک حصہ دیا جائے گا۔چنانچہ فقراء کو فرد واحد کے طور پر اعتبار کیا گیا ہے۔

یہ دو ائمہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی رائے ہے اور اسی کو قانون میں اختیار کیا گیا ہے۔ ❶

شافعیہ..... کہتے ہیں اگر کسی شخص نے زید اور فقراء کے حق میں وصیت کی تو زید ایک فرد کے بمنزلہ ہو گا اور وہ مجموعہ فقراء میں سے شمار کیا جائے گا۔ ❷

حنابلہ...... کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے زید اور فقراء کے حق میں وصیت کی تو مال زید اور فقراء کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا، نصف زید کو ملے گا اور نصف فقراء کو۔

اوپر بیان کی گئی وضاحت قانون میں تب ہے جب خالد کی کوئی اور اولاد نہ ہو اور اگر اس کے بعد خالد کے ہاں پانچواں بیٹا پیدا

---

❶.....امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ان سب کو دو حصے ملیں گے دیکھئے الدر المختار ۵/۴۷۷، البدائع ۷/۳۴۳۔ ❷مغنی المحتاج ۳/۶۲۔

ہو جائے تو موجود معدوم کے متعلق دفعہ ۲۳۱ نافذ العمل ہوا، یہ دفعہ مالکیہ کے مذہب سے مؤید ہے، چنانچہ وصیت کردہ مال کے آٹھ حصے کئے جائیں گے، ایک حصہ خالد کو، ہر بیٹے کو ایک ایک حصہ، فقراء کو ایک حصہ اور ہسپتال کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

۵۔ غیر محدود جماعت کے حق میں وصیت...... میں یہاں ہر مذہب کی رائے علیحدہ علیحدہ بیان کروں گا۔

حنفیہ کی رائے...... ❶ شرط یہ ہے کہ موصی لہ متعین ہو گویا مجہول کے حق میں وصیت باطل ہے۔ چونکہ وصیت بوقت موت تملیک ہوتی ہے، لہٰذا بوقت موت موصی لہ کا متعین ہونا ضروری ہے تاکہ موت کے وقت اس کے حق میں ملکیت واقع ہو جائے اور موصی بہ کی سپردگی ممکن قرار پائے۔

بنا بر ہذا اگر کسی نے تہائی مال کی وصیت عام مسلمانوں کے حق میں کر دی تو یہ وصیت صحیح نہیں، چونکہ مسلمان بے شمار ہیں، ہاں البتہ اگر وصیت میں کوئی ایسا لفظ ہو جو موصی لہم کی ضرورت و حاجت ظاہر ہو تو پھر وصیت باطل نہیں ہوگی جیسے مثلاً موصی نے فقراء، مساکین اور مجاہدین کے حق میں وصیت کر دی ہو، چونکہ وصیت اس صورت میں صدقہ اور قربت ہے جب کہ اللہ ایک اور متعین ہے لہٰذا مال اللہ کی راہ میں ہوگا، پھر فقراء مالک ہوں گے اگرچہ وہ بے شمار ہوں۔

شمار میں آنے والے اور بے شمار کی حد فاصل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سو ہے چنانچہ سو سے اوپر بے شمار اور سو سے نیچے شمار میں آنے والے ہیں۔ اسی قول پر فتویٰ ہے اور قانون میں بھی اسی کو اختیار کیا گیا ہے۔

اگر موصی لہم بے شمار (غیر محصورین) ہوں تو ان میں سے جو حاجت مند ہوں گے وہی وصیت کا مصرف قرار پائیں گے سب پر وصیت کا مال صرف نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی یکسانیت رکھی جائے گی بلکہ جو شخص وصیت کو عملی شکل دے رہا ہو (نفاذ کنندہ) اس کی صوابدید اور اجتہاد پر مال تقسیم کیا جائے گا۔

اور اگر وصیت کردہ چیز منافع ہو تو پیداوار بیان کردہ صفت کے مطابق تقسیم کی جائے گی یعنی اگر موصی لہم کی صفت فقراء ہو تو فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔

مالکیہ...... کی رائے ہے ❷ کہ وصیت غیر متعین لوگوں کے حق میں صحیح ہے جیسے فقراء، چنانچہ فقراء کے ساتھ مساکین بھی وصیت میں داخل ہوں گے اسی طرح مساکین کے ساتھ فقراء بھی وصیت میں داخل ہوں گے۔ چونکہ عرف یہی ہے یعنی جب فقیر اور مسکین الگ الگ ہوں تو حکم میں جمع ہوں گے اور جب جمع ہوں تو حکم میں الگ الگ ہوں گے۔ گویا یہ دو الفاظ غیر مترادف ہیں۔ یہی مذہب دوسرے ائمہ کا بھی ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب...... غیر متعین لوگوں کے حق میں وصیت درست ہے ❸ جیسے کسی نے عام مصرف کے حق میں وصیت کر دی مثلاً کہا فقراء کے حق میں میں نے وصیت کر دی، یا موصی لہم تو متعین کر دیئے لیکن وہ بے شمار ہوں جیسے ہاشمیین، مطلبیین، شافعیہ کے نزدیک موصی لہم کے تین افراد پر اکتفاء کر لینا جائز ہے ان میں برابری کرنا واجب نہیں حنابلہ کے نزدیک فرد واحد پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے۔

سبھی فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو وصیت غیر متعین موصی لہم کے لئے ہو تو وہ لازمی ہو جاتی ہے اس میں قبول کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔

---

❶...... البدائع ۷/۳۴۳۔ ❷ الشرح الکبیر ۴/۴۳۲، الشرح الصغیر ۴/۵۹۱۔ ❸ مغنی المحتاج ۳/۵۳۔

خلاصہ...... حنفیہ نے غیر محصورین (بے شمار) لوگوں کے لئے وصیت کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ لفظ وصیت میں ایسی صفت لائی گئی ہو جو موصی لہم کے محتاج ہونے کو ظاہر کرتی ہو، جب کہ جمہور نے مطلقاً اس وصیت کو جائز قرار دیا ہے۔
جب کہ مصر کے قانون دفعہ ۳۰ اور سوریا کے قانون دفعہ ۳۳۳/ ا کے تحت حنفیہ کے مذہب سے عدول کیا ہے چنانچہ قانون کی رو سے بلا کسی قید کے غیر محصورین (بے شمار) کے حق میں دصیت جائز ہے چونکہ وصیت میں قربت کا معنی ہر حال میں موجود ہوتا ہے۔

موصی لہم کے بعض الفاظ کا مقصد...... فقہاء کی بعض عبارات جو وصیت کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور ان کا تعلق موصی لہم سے ہے، آیا کہ ان عبارات سے مراد کیا ہے؟ ❶

جیران...... جیران، جار کی جمع ہے بمعنیٰ پڑوسی، اگر کسی شخص نے اپنے پڑوسیوں کے حق میں وصیت کی تو پڑوسی سے مراد کون لوگ ہوں گے؟ سو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پڑوسی سے مراد ملاصق (جو ساتھ ملا ہو) ہے چونکہ جوار (پڑوس) قرب سے عبارت ہے اور اس کی حقیقت ملاصق ہے، ملاصق کے علاوہ بعید ہیں۔ صاحبین نے استحساناً کہا ہے مسجد میں جمع ہوتے ہوں، حنفیہ کے نزدیک امام صاحب کا قول صحیح ہے۔

مالکیہ...... کہتے ہیں پڑوسیوں کی وصیت میں چار جہتوں کے ملاصقین شامل ہوں گے، اگر درمیان میں چھوٹی سڑک ہو تو بالمقابل کے پڑوسی بھی شامل ہوں گے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کہتے ہیں: پڑوسیوں سے مراد گھر کی ہر طرف کے چالیس گھر ہیں کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ پڑوسی چالیس گھروں تک ہوتے ہیں یوں اور یوں اور یوں (آپ نے مختلف جہات کی طرف اشارہ کیا)۔ ❷
پڑوسیوں کے حق میں کی گئی وصیت مکانوں کی تعداد کے حساب سے تقسیم کی جائے گی نہ کہ رہائشیوں کی تعداد کے حساب سے، حنابلہ کے نزدیک وصیت میں وہی پڑوسی شامل ہوں گے جو بوقت وصیت موجود ہوں، اور اگر وصیت اور موت کے درمیانی عرصہ میں کوئی اور لوگ پڑوسی ہو چکے ہوں تو وہ وصیت میں داخل نہیں ہوں گے۔

مسجد کے پڑوسی...... حنابلہ کے نزدیک اور شافعیہ کے ایک قول کے مطابق مسجد کے پڑوسی وہ لوگ ہوتے ہیں جو اذان کی آواز سنتے ہوں ❸ کیونکہ حدیث ہے۔ "مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے۔" ❹ اسی طرح ایک نابینا صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ انہیں گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت دی جائے، اس پر آپ نے فرمایا: کیا تم آذان کی آواز سنتے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا: پھر جواب دو (یعنی مسجد میں آؤ)۔ ❺
شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مسجد کے پڑوسی وہی ہیں جو گھر کے پڑوسی ہوتے ہیں۔ اگر کسی نے مسجد کے پڑوسیوں کے حق میں وصیت کر دی تو مسجد کے وہی پڑوسی ہوں گے جو گھر کے پڑوسی ہوتے ہیں۔

سسرال و داماد...... جس شخص نے اپنے سسرال کے حق میں وصیت کی تو متقدمین کے عرف میں سسرال سے مراد وہ لوگ ہیں جو بیوی کے ذی رحم محرم ہوں، جیسے بیوی کے آباؤاجداد، چچی، ماموں اور بہنیں، البتہ ہمارے عرف میں سسرال کے حق میں کی گئی وصیت بیوی

---

❶ ...... الکتاب مع اللباب ۴/۱۷۹، الشرح الصغیر ۴/۵۹۱، مغنی المحتاج ۳/۵۸، الکشاف القناع ۴/۴۹۸۔ ❷ رواہ احمد۔ ❸ اذان جولاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہو مراد ہے۔ ❹ حدیث ضعیف رواہ الدار قطنی عن جابر وابی ہریرۃ۔ ❺ رواہ مسلم۔

کے والدین کے ساتھ مخصوص ہوگی' بعض فقہاء نے پہلی تعبیر کو ترجیح دی ہے، لیکن میرے نزدیک اس کا دارومدار عرف پر ہے۔
اگر کسی شخص نے اپنے دامادوں کے حق میں وصیت کی تو داماد سے مراد ہر ذی رحم محرم (عورت) کا خاوند ہوگا جیسے بیٹیوں کے خاوند، بہنوں کے خاوند، پھوپھیوں اور خالاؤں کے خاوند۔
ہمارے ملک شام کے علاقوں میں مشہور یہ ہے کہ سسر سے مراد بیوی کا خاوند اور داماد سے مراد بیٹی کا خاوند ہے۔عصر حاضر میں عرف میں یہی مراد لئے جاتے ہیں۔

اقارب وارحام...... اگر کسی شخص نے اپنے اقرباء یا ارحام کے حق میں وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے ذوی الارحام میں سے اقرب فالاقرب مراد ہوگا، اس میں کافر اور مسلمان، چھوٹا بڑا سب یکساں ہیں۔اس وصیت میں والدین اور اولاد داخل نہیں ہوگی، چونکہ والدین اور اولاد کو اقرباء نہیں کہا جاتا اور اگر والد اپنی اولاد میں سے کسی کو قریبی کہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ اس کی نافرمان اولاد ہے، چونکہ قریبی رشتہ داری کی وجہ سے غیر قریب ہوجاتا ہے جب کہ والد اور اولاد بذاتہ قریبی ہوتے ہیں قریبی ہونے میں وہ کسی وسیلہ کے محتاج نہیں ہوتے۔اقرباء کے حق میں لی گئی وصیت دو اور ان سے زائد کے لئے ہوگی چونکہ اقرباء یا اقارب کا لفظ جمع کا صیغہ ہے اور اقل جمع وصیت میں دو ہے جیسے میراث میں اقل جمع کا اطلاق دو پر ہوا ہے۔

خلاصہ...... اقرب (قرابتدار) سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس میں چار شرائط پائی جائیں۔یہ کہ مستحقین دو یا دو سے زائد ہوں، یہ کہ قرابتدار موصی کے اس طرح قریب ہو کہ ان کے درمیان کوئی حاجب حائل نہ ہو۔یہ کہ اقرب موصی کا ذی رحم محرم ہو اور یہ کہ موصی کا وارث نہ بنتا ہو۔

مالکیہ...... کہتے ہیں: اہل خاندان اور ارحام کے حق میں کی گئی وصیت موصی کے ان اقارب کے ساتھ مخصوص ہوگی جو باپ کی طرف سے اس کے قرابتدار ہوں اور وارث نہ بنتے ہوں، بشرطیکہ ایسا کوئی قرابتدار ہو، چونکہ وصیت میراث کے مشابہ ہے چنانچہ عصبہ کو ذوی الارحام پر مقدم رکھا جاتا ہے، اگر موصی کے باپ کی طرف سے قرابتدار نہ ہوں تو وصیت میں ماں کی طرف سے رشتہ دار جیسے ماں کا باپ، ماں کی ماں، ماں کا بھائی وغیرہم داخل ہوں گے، ان میں سے جو زیادہ محتاج ہو اسے مقدم رکھا جائے گا پھر درجہ بدرجہ، اگر محتاجی میں سبھی برابر ہوں تو وصیت میں یکساں ہوں گے۔
اگر کسی نے کہا: میں نے فلاں شخص کے اقارب کے حق میں وصیت کردی ہے تو اس شخص کے ورثاء اور غیر ورثاء وصیت میں شامل ہوں گے۔

شافعیہ...... کہتے ہیں: اگر کسی شخص نے زید کے اقارب کے حق میں وصیت کی تو وصیت میں زید کا ہر قرابتدار داخل ہوگا اگرچہ دور تک چلے جائیں، چونکہ لفظ میں عموم ہے، خواہ قرابتدار مسلمان ہو یا کافر، مالدار ہو یا فقیر، البتہ زید کے والدین اور اولاد وصیت میں داخل نہیں ہوں گے۔جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں: چونکہ عرف میں والدین اور اولاد کو اقارب نہیں کہا جاتا، رہی بات دادا اور پوتے کی سو وہ داخل ہوں گے۔
عرب کی وصیت کی صورت میں اگر اقارب کے حق میں کی گئی ہو تو ماں کے قرابتدار داخل نہیں ہوں گے (یہ اصح قول ہے، یعنی جب موصی عربی ہو چونکہ عرب ماں کے اقرباء پر فخر نہیں کرتے اور نہ ہی ماں کے قرابتداروں کو حقیقی قرابتداری سمجھتے ہیں لیکن قابل اعتماد قول کے مطابق ماں کے قرابتدار بھی داخل ہوں گے جیسا کہ حنفیہ کا موقف ہے۔
زیادہ صحیح یہ ہے کہ بیٹا باپ پر مقدم ہوگا، بھائی دادا پر چونکہ بیٹے اور بھائی کی وراثت داری قوی تر ہے، مذکر مؤنث میں ترجیح کا پہلو

نہیں رکھا جائے گا بلکہ باپ، ماں اور بیٹا، بیٹی برابر ہوں گے چنانچہ نواسے کو پوتے کے بیٹے پر مقدم رکھا جائے گا۔

اگر کسی شخص نے اپنے اقرباء کے حق میں وصیت کی تو اصح قول کے مطابق اس کے ورثہ وصیت میں داخل نہیں ہوں گے، جیسا کہ مالکیہ نے ذکر کیا ہے، چونکہ وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جاتی لہٰذا ورثہ کے علاوہ بقیہ اقرباء کے ساتھ وصیت مخصوص ہوگی۔

حنابلہ کا مذہب شافعیہ جیسا ہے البتہ حنابلہ کہتے ہیں: قرابتداروں کے حق میں کی گئی وصیت میں کفار داخل نہیں ہوں گے، یہ وصیت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہوگی، چونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ......النساء ۴/۱۱

اللہ تمہیں تمہارے اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ہر مرد کا دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔

چنانچہ آیت میراث میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان میت کے ترکہ میں کافر کو داخل نہیں کیا، جب اللہ تعالیٰ کے عموم الفاظ میں کفار داخل نہیں تو مسلمان کی وصیت میں بھی کافر داخل نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بظاہر مسلمان اپنی وصیت میں کفار کا ارادہ نہیں کرتا، چونکہ کفار سے مسلمانوں کی دینی عداوت ہوتی ہے۔

اہل......اگر کسی شخص نے اپنے اہل کے لئے وصیت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل کا لفظ بیوی کے ساتھ مخصوص ہے، چونکہ درحقیقت بیوی ہی کو اہل خانہ کہا جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

”وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ“ یعنی اپنی بیوی کو لے کر چلے۔ القصص ۲۸/۲۹

”فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا“۔ ”موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تم ٹھہرو۔“ طٰہٰ ۲۰/۱۰

صاحبین کہتے ہیں......اہل میں خادم کے علاوہ وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جن کا نفقہ موصی پر واجب ہو چونکہ لغوی اعتبار سے اہل کا لفظ مرد کے اقرباء اور خاندان کے لئے بولا جاتا ہے، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ......النمل ۲۷/۵۷

سو ہم نے لوط علیہ السلام کو اور ان کے خاندان کو نجات دی البتہ ان کی بیوی۔

بہتر یہ ہے کہ اس کا دارومدار عرف پر رکھا جائے۔

آل بیت......اگر کسی شخص نے اپنے آل بیت کے حق میں وصیت کی تو اس میں موصی کا قبیلہ شامل ہوگا چونکہ آل سے مراد وہ قبیلہ ہوتا ہے جس کی طرف موصی کی نسبت کی جاتی ہو، اس وصیت میں موصی کے وہ آباء داخل ہوں گے جو اس کے وارث نہ بنتے ہوں حتیٰ کہ وہ دادا بھی داخل ہوگا جو اول وہلہ میں اسلام میں داخل ہوا ہو البتہ پہلا باپ جو اصل ہو وہ اہل بیت میں داخل نہیں، تاہم اہل بیت میں بیٹوں کی اولاد اور بہنوں کی اولاد داخل نہیں ہوگی۔ چونکہ اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف۔

اہل جنس......اگر کسی نے اپنے اہل جنس کے حق میں وصیت کی تو اس میں باپ کے اہل بیت شامل ہوں گے، چونکہ جنس سے مراد نسب ہوتا ہے اور نسب آباء سے تعلق رکھتا ہے۔

علوی......اگر کسی نے علویوں کے حق میں وصیت کی تو اس سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد ہوگی، تاہم اس طرح کی وصیت حنفیہ کے نزدیک صحیح نہیں، چونکہ علویوں کی تعداد کثیر ہے انہیں حساب وشمار میں لانا ناممکن ہے، اور پھر حاجت مند کی نشاندہی اور

زیادہ مشکل امر ہے۔
شافعیہ کہتے ہیں: وصیت صحیح ہے اور نافذ العمل ہے اس میں تین یا اس سے زائد علوی شامل ہوں گی، یہ ایسی ہی ہے جیسے فقراء اور مساکین کے حق میں کی گئی وصیت۔
اسی طرح وصیت ان لوگوں کے حق میں بھی نافذ ہو جاتی ہے جو بے شمار ہوں۔ اور ان میں سے تین اشخاص کے درمیان مال تقسیم کیا جائے گا۔
حنابلہ کہتے ہیں: حتی الامکان تعمیم مستحب ہے یعنی کوشش یہ کی جائے گی کہ زیادہ سے زیادہ علویین وصیت میں شامل ہو جائیں۔

فی سبیل اللہ..... جو وصیت فی سبیل اللہ کی جائے مشہور مذہب کے مطابق فی سبیل اللہ سے مراد مجاہدین اور بیت اللہ کے حجاج کرام ہوں گے۔

علماء..... اگر علماء کے حق میں وصیت کی جائے تو شافعیہ کے نزدیک علماء سے مراد علوم شریعت یعنی تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ وغیرھا کے ماہرین مراد ہوں گے۔

علمائے شریعت میں..... قاری، مقری، ادیب، معبر (تعبیر دان) طبیب، انجینئر اور حساب دان داخل نہیں ہوں گے، اکثر فقہاء کے نزدیک علمائے کرام بھی داخل نہیں ہوں گے۔
چونکہ اہل عرف متکلمین کو علماء میں شمار نہیں کرتے، شافعیہ کے نزدیک ہر علم کے تین تین علماء میں بھی وصیت کا مال تقسیم کر دینا کافی ہوگا۔

حنابلہ..... کہتے ہیں: جب اہل علم کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو وصیت میں وہ لوگ شامل ہوں گے جو صفت علم سے متصف ہوں، اہل قرآن یعنی حفاظ قرآن بھی وصیت میں شامل ہوں گے۔

انسان کے مختلف مراحل..... مراہق، وہ لڑکا ہوتا ہے جو قریب البلوغ ہو قاموس میں ہے۔ "راھق الغلام" یعنی لڑکا بلوغ کے قریب ہو گیا، اور طفل سے مراد انجان بچہ ہوتا ہے۔
صبی، غلام اور یافع (لڑکا) سے مراد نابالغ لڑکا ہوتا ہے، یتیم بھی نابالغ ہوتا ہے، سو اگر کسی شخص نے یتیموں کے حق میں وصیت کر دی تو وصیت میں وہ لڑکا داخل ہوگا جس کے بلوغ سے پہلے باپ مر گیا ہو برابر ہے کہ یتیم مالدار ہو یا فقیر، لڑکا ہو یا لڑکی، حنفیہ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ جس قبیلہ کے یتیموں کے حق میں وصیت کی گئی ہو تو یتیموں کو گنتی اور شمار میں لایا جا سکتا ہو۔
شاب اور فتی کا اطلاق بالغ ہونے سے لے کر تیس سال تک ہوتا ہے۔

کہل..... تیس سال سے لے کر پچاس سال تک کے لئے بولا جاتا ہے۔

شیخ..... کا اطلاق پچاس سال سے ستر سال تک کے لئے ہوتا ہے۔

ھرم..... ستر کے بعد آخر عمر تک کے لئے ھرم بولا جاتا ہے۔

پانچواں مقصد: موصی بہ کے احکام..... موصی بہ کی شرائط میں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) مال ہو یا

مال کے متعلق ہو، چونکہ وصیت ایجاب ملک ہے یا ایسی چیز کا ایجاب ہے جو ملک کے متعلق ہو یعنی بیع، ہبہ اور صدقہ۔

یہاں بالخصوص بحث درج ذیل امور سے کی جائے گی متعین چیز کی وصیت کا حکم یا جزو شائع کی وصیت کا حکم، معدوم یا ایسی چیز جس کو سپرد کرنے سے موصی عاجز ہو کی وصیت کا حکم، مجہول چیز کی وصیت، منافع جات کی وصیت، متعین چیز میں تصرف کرنے کی وصیت، حقوق کی وصیت، ترکہ کی تقسیم کی وصیت، مرتبات کی وصیت اور وصیت کردہ چیز میں اضافہ کردینا۔

ا۔ متعین چیز کی وصیت یا جزو شائع کی وصیت اور موصی بہ کے ہلاک ہونے کا حکم......مشاع چیز کی وصیت اور متعین مقسوم (تقسیم کی گئی چیز) چیز کی وصیت جائز ہے، چونکہ اپنے مال کے کسی جزو کی تملیک وصیت ہے، لہٰذا مشاع اور مقسوم میں بھی وصیت جائز ہے جیسے بیع جائز ہے، جو چیز متعین ہو وہ یا تو بذاتہ متعین ہوگی یا مال کی ایک نوع ہوگی۔ ❶

مصر کے قانون دفعہ ۷۴۔۴۹ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۳۔۲۴۵ کے تحت معین یا مشاع چیز کی وصیت کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور یہ کہ موصی بہ کے ہلاک ہونے کی صورت میں یا استحقاق کی صورت میں کیا احکام مرتب ہوتے ہیں، قانون میں حنفیہ کا مذہب اختیار کیا گیا ہے۔ ❷

الف......اگر وصیت ایسی چیز کے متعلق ہو جو متعین بذاتہ ہو جیسے مثلاً گھر کی وصیت کی جو فلاں شہر میں واقع ہو، وصیت اس متعین گھر کے ساتھ متعلق ہوگی، اگر موصی کی زندگی میں گھر ضائع ہوجائے یا اس میں کسی کا استحقاق نکل آئے یا موصی کی ملکیت سے نکل جائے تو وصیت باطل ہوجائے گی، چونکہ وصیت کا محل ہی فوت ہو چکا۔

اگر موصی مرجائے دراں حالیکہ گھر اس کی ملکیت میں ہو تو پورا گھر موصی لہ کا حق ہوگا۔

بشرطیکہ تہائی مال سے نکلتا ہو اور اگر تہائی مال سے نہ نکلتا ہو تو موصی لہ کو اس گھر کا اتنا حصہ ملے گا جتنا تہائی مال نکلتا ہو۔

اور اگر وصیت کردہ گھر سے مخصوص حق متعلق ہو جیسے مرتہن کا حق اور مرتہن نے اس سے اپنا دین چکا لیا ہو تو موصی لہ کو حق حاصل ہے کہ وہ بقیہ قیمت کا بدل ترکہ سے لے۔

ب......اگر وصیت اموال کی کسی نوع کے متعلق ہو جیسے بکریوں یا گھوڑوں یا گھروں کی وصیت کردی، تاہم موصی بہ ہلاک ہوگیا یا اس میں استحقاق نکل آیا تو وصیت باطل ہوجائے گی۔

چونکہ وصیت مال کی متعین نوع کے متعلق ہوئی ہے اور اب اس کا محل فوت ہو چکا۔

ج......اگر وصیت کسی متعین چیز کے جزو شائع کے متعلق ہو جیسے متعین گھر کے نصف حصہ کی وصیت کردی تو وصیت اس متعین چیز کے جزو سے متعلق ہوگی، اگر پوری چیز (مثلاً گھر) ہلاک ہوجائے یا اس میں استحقاق نکل آئے تو وصیت باطل ہوگی۔

چونکہ محل فوت ہو چکا ہے، اگر وصیت کردہ چیز کا کچھ حصہ ہلاک ہو یا اس کے کچھ حصہ میں استحقاق نکلے تو جو باقی رہا سو وہ اگر تہائی مال سے نکلتا ہو تو موصی لہ کو دے دیا جائے گا ورنہ جتنی مقدار نکلتی ہو وہی لے۔

د......اگر وصیت کسی متعین نوع کے مال کے جزو شائع کے متعلق ہو جیسے مثلاً چوتھائی بکریاں یا نصف گھر کی وصیت کی تو وصیت کے وقت جو مال موجود ہوگا وصیت اس کے ساتھ متعلق ہوگی۔

اگر وصیت (قانون کی رو سے) عدد شائع کے متعلق ہو جیسے گھوڑوں کا پانچواں حصہ، اگر کچھ گھوڑے ہلاک ہوگئے اور صرف خمس (پانچواں حصہ) ہی باقی بچا تو ابن ماجشون مالکی کے نزدیک بقیہ گھوڑوں کا خمس وصیت میں دیا جائے گا۔

---

❶......المهذب ۴۵۲/۱۔ ❷الوصیت لعیسوی ص ۸۸۔۱، الوصية للسباعی ص ۱۲۳۔

جب کہ حنفیہ کے نزدیک پورا خمس موصی لہ کے سپرد کیا جائے گا بشرطیکہ تہائی مال سے یہ خمس نکلتا ہو۔

۲۔معدوم چیز یا ایسی چیز جسے سپرد کرنے سے انسان عاجز ہو کی وصیت...... ❶ حنفیہ کے نزدیک جمہور فقہاء کے نزدیک معدوم چیز کی وصیت صحیح ہے مثلاً باندی کا جو حمل ہو یا درخت کا جو پھل ہو کی وصیت کر دی، چونکہ معدوم چیز کی ملکیت بذریعہ عقد سلم یا مساقات حاصل ہو جاتی ہے، لہٰذا وصیت کے ذریعہ معدوم چیز کا مالک بن سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وصیت میں غرر کی بعض صورتوں کو لوگوں کی آسانی کی خاطر برداشت کر لیا جاتا ہے، لہٰذا جس طرح۔ مجہول چیز کی وصیت درست ہے اسی طرح معدوم چیز کی وصیت بھی درست ہے۔ ایسی چیز جسے سپرد کرنے سے انسان عاجز ہو جیسے بدکا ہوا جانور، ہوا میں اڑتے پرندے اور تھنوں میں پڑا دودھ۔

حنفیہ...... کہتے ہیں: اگر موصی بہ (وصیت کردہ چیز) معدوم ہو تو کسی بھی عقد و معاملے کے ذریعہ اس کی تملیک ضروری ہے، چنانچہ بکریوں کے بچے جنہیں بکریاں جنم دیں گی کی وصیت استحساناً جائز نہیں، چونکہ موصی کی زندگی میں عقد مساقات کے ذریعہ بکریوں کے بچے قابل تملیک نہیں ہوتے، البتہ درخت جو اس سال پھل لائیں یا ہمیشہ جو پھل لائی کی وصیت صحیح ہے اگرچہ موصی بہ معدوم ہو، کیونکہ عقد مساقات کے ذریعہ درخت تملیک کے قابل ہوتے ہیں، چنانچہ معدوم چیز کی وصیت بالاتفاق جائز ہے اگرچہ بعض صورتوں میں اختلاف ہے۔

ایسی چیز جو مقدور التسلیم نہ ہو (جسے سپرد نہ کیا جا سکتا ہو) جیسے پرندے، بھاگا ہوا غلام کی وصیت بالاتفاق جائز ہے چونکہ اس چیز کو میت تہائی مال میں سے نہیں چھوڑتا، جیسے جب کہ موصی لہ کو تہائی مال میں اپنا نائب اور جانشین بناتا ہے، جب یہ جائز ہے کہ وارث میت کو ان اشیاء میں نائب چھوڑتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ میت موصی لہ کو نائب چھوڑے، لیکن حنفیہ کہتے ہیں: ایسی چیز کی وصیت درست نہیں جو پیٹ میں یا تھنوں میں ہو، ان کی وصیت بھی درست نہیں چونکہ شرط یہ ہے کہ موصی کی موت کے وقت وصیت کردہ چیز کا موجود ہونا ضروری ہے۔

جب کہ موصی کی موت کے وقت وصیت کردہ چیز موجود نہ ہو تو وصیت باطل ہو جاتی ہے، پھلوں کی وصیت کی صورت میں پھلوں کا موجود ہونا شرط نہیں یہ استحسان ہے، چونکہ پھل کا اطلاق موجود پھلوں پر بھی ہوتا ہے اور جو مستقبل میں موجود ہوں ان پر بھی ہوتا ہے، جو پھل مستقبل میں پیدا ہو وہ مساقات اور وقف میں داخل ہوتے ہیں، رہی بات بطن میں پڑے بچے کی یا پیٹھ پراُگی اون کی سو یہ معاملات میں نہیں آ سکتی اور نہ ہی ان میں وراثت چلتی ہے۔

چونکہ وصیت ان چیزوں میں نافذ ہوتی ہے جن میں وراثت چلتی ہو اور موصی کی زندگی کے دوران وہ چیزیں کسی نہ کسی معاملہ کے تحت داخل ہو سکتی ہوں۔

جب کہ بطن میں پڑا بچہ اور اس کی دوسری مثالیں ایسی ہیں کہ ان میں وراثت نہیں چلتی۔ اور نہ ہی کسی عقد میں داخل ہوتی ہیں۔ لہٰذا وصیت میں بھی داخل نہیں۔

خلاصہ......ایسی چیز جس کا پیدا ہونا متوقع ہو کی وصیت حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں جب کہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔

۳۔مجہول چیز کی وصیت...... فقہاء کا اتفاق ہے کہ موصی لہ کا متعین ہونا شرط ہے، یا تو شخص متعین ہو جیسے زید، عمرو، بکر، نوع

---

❶ ......الدر المختار ورد المحتار ۴۵۹/۵، البدائع ۳۵۴/۷، الشرح الصغير ۵۸۱/۴، المهذب ۴۵۲/۱ المغنى ۵۹/۶، كشاف القناع ۴۰۷/۴، غاية المنتهى ۳۶۳/۲.

متعین ہو جیسے مساکین، اگر موصی نے کہا: میں نے تہائی مال فلاں شخص کے لئے وصیت کر دیا، فلاں یا فلاں کے حق میں وصیت کر دیا تو جہالت کی وجہ سے وصیت باطل ہو جائے گی۔

اس پر بھی اتفاق ہے کہ موصی بہ (وصیت کردہ چیز) کا متعین ہونا بھی شرط نہیں۔

چنانچہ مجہول چیز کی وصیت بھی درست ہے۔ ❶ جیسے کوئی شخص اپنے مال کے کسی جز و یا حصہ کی وصیت کر دے۔

چونکہ وصیت محض تبرع ہے اس میں جہالت سے کوئی حرج نہیں ہوتا، شافعیہ اور حنابلہ نے مجہول کی وصیت کی یہ مثالیں دی ہیں جیسے بطن کے حمل کی وصیت تھنوں میں پڑے دودھ کی وصیت، یا اپنے غلاموں میں سے ایک غلام کی وصیت۔ ہمیں پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حنفیہ نے مجہول چیز کی وصیت جائز قرار نہیں دی۔

اگر موصی نے اپنی زندگی میں اپنی مراد بیان کر دی تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

اگر بیان و وضاحت سے پہلے ہی مر جائے تو حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کے ورثہ وضاحت کریں۔ اور موصی لہ کو جو چاہیں دیں، چونکہ ورثہ موصی کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

اگر وصیت موصی کے مال کے کسی حصہ کی ہو تو موصی لہ کو وارثوں میں سے کم تر جس کا حصہ ہوگا وہ ملے گا البتہ فریضہ (مقررہ حصہ) سے زائد ہو تا ہم چھٹے حصہ سے زائد نہ ہو، چنانچہ ادنیٰ (کم از کم) حد چھٹا حصہ ہے۔

مالکیہ کہتے ہیں...... مجہول موصی لہ کو ترکہ کا ایک حصہ دیا جائے گا پھر جو باقی بچ رہے وہ ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا تا کہ اس کا اثر سب پر برابر پڑے۔

۴۔ منافع جات کی وصیت...... اس بحث میں چند امور وضاحت طلب ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ منافع کا مقصود، کیا منافع اموال ہیں؟ منافع کی وصیت کا حکم، منفعت کا اندازہ اور تخمینہ، منفعت سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ، مشترکہ منفعت لینے کی کیفیت اور طریقہ کار، منفعت کی وصیت کا اختتام، وہ متعین چیز جس کی وصیت کی گئی ہو کی ملکیت اور اس میں تصرف، جس چیز کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو اس کے اخراجات۔ ❷

ا: منافع کے مقاصد...... حنفیہ کے نزدیک منفعت کا اطلاق خدمت، گھر کی رہائش، کرائے کی آمدنی، زمین کی پیداوار، باغات کی پیداوار پر ہوتا ہے۔ زمین کی پیداوار آمدنی اور کرائے کو فقہی اصطلاح میں ''غلہ'' کہتے ہیں۔ تاہم حنفیہ نے غلہ اور ثمر (پھل) کی وصیت میں فرق کیا ہے حنفیہ کہتے ہیں: غلہ کی تعبیر میں ہر وہ چیز داخل ہے جو موصی کی وفات کے وقت موجود ہو اور موصی لہ کے عرصہ حیات میں جس چیز کا پیدا ہونا متوقع ہو۔

ثمر...... کا اطلاق صرف اسی پیداوار پر ہوگا جو موصی کی وفات کے وقت موجود ہو، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں فرق کا دارومدار عرف پر ہے۔

حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہاء نے غلہ اور ثمر میں فرق نہیں کیا، دونوں کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو موصی کی وفات کے وقت موجود

---

❶ ..... الکتاب مع اللباب ۴/۱۷۶، تکملۃ الفتح ۸/۴۴۳، الدر المختار ۵/۴۷۴، البدائع ۷/۲۵۶، المہذب ۱/۴۵۲، کشاف القناع ۴/۴۰۷۔ ❷ البدائع ۷/۳۵۲، الدر المختار ۵/۴۸۹، تکملۃ الفتح ۸/۴۸۰، تبیین الحقائق ۱۰۵/۵، الشرح الکبیر ۴/۴۴۵، مغنی المحتاج ۳/۶۴، المہذب ۱/۴۵۲، المغنی ۶/۵۹۔

ہو اور بعد میں جس کا پیدا ہونا متوقع ہو۔

مصر اور سوریا کے قانون میں جمہور کے مذہب کو اختیار کیا گیا ہے کہ غلہ اور ثمرہ سے مراد ایک ہی ہے۔

تاہم قانون میں منافع سے وہی معنی مراد لیا گیا ہے جو حنفیہ کے ہاں رائج ہے یہ کہ خواہ متعین چیز کے خالص منافع جات ہوں جیسے گھر کی رہائش، زمین کی کاشتکاری، زمین اور گھر کا کرایہ، باغات وغیرہ کی پیداوار اور پھل۔

وصیت مذکورہ بالا جملہ منافع جات کو شامل ہوگی اسی طرح قانونا عین میں تصرف، قرض دہندگی کی وصیت، حقوق کی وصیت، ترکہ کی تقسیم وغیرھا کو بھی شامل ہے۔

ب: کیا منافع قیمتی اموال ہیں؟......اس مسئلہ کے متعلق فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ کا مذہب......منافع جات بذاتہ مال متقوم نہیں ہوتے، البتہ منافع جات پر جب کوئی عقد (معاملہ) ہو جائے تو استحساناً مال متقوم بن جاتے ہیں مثلاً منافع جات پر اجارہ ہوا یا وصیت ہوئی، چونکہ حنفیہ کے نزدیک وہ چیز مال ہے جو بوقت ضرورت محفوظ اور ذخیرہ کی جاسکتی ہو، جب کہ منافع تو عرض (جو اپنے وجود میں دوسری چیز کے محتاج ہوں) ہیں جو وقتاً فوقتاً حاصل ہوتے ہیں، جب حاصل ہو جاتے ہیں پھر ان کا وجود باقی نہیں رہتا، جب کہ منافع کا اصل چیز سے الگ کرنا ممکن نہیں، منافع جات عقد و معاملہ سے متقوم ہوتے ہیں، جب منافع مال نہیں ہوئے تو وہ ملک ہوں گے چونکہ ملک میں بالخصوص تصرف کیا جاسکتا ہے۔

جمہور کا مذہب......منافع مال متقوم ہوتے ہیں جن کا ضمان بھرا جاتا ہے جیسے متعین اشیاء چونکہ تمام اشیاء سے غرض ان کی منفعت ہوتی ہے۔

قانون میں جمہور کی رائے اپنائی گئی ہے، متاخرین حنفیہ نے منافع کے اموال ہونے کا فتویٰ دیا ہے، کہ منافع بھی مال متقوم ہیں۔

ج: جواز وعدم جواز کے اعتبار سے منافع جات کی وصیت کا حکم......مذاہب اربعہ کے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ منافع جات کی وصیت جائز ہے چونکہ منافع جات اعیان (متعین اشیاء) کی مانند ہیں جیسے کوئی شخص اعیان کا مالک بن جاتا ہے اسی طرح منافع جات کا بھی مالک بن جاتا ہے اور یہ ملکیت کسی عقد کے طفیل حاصل ہوتی ہے جیسے اجارہ، وصیت، وراثت وغیرھا۔ لہٰذا اعیان کی طرح منافع کی وصیت بھی صحیح ہے، حتیٰ کہ حنفیہ جن کے ہاں منافع جات اموال نہیں وہ بھی منافع جات کی وصیت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ عرصہ حیات میں جس طرح اجارہ یا اعارہ وغیرہ سے منافع کی تملیک صحیح ہے اسی طرح وصیت کے ذریعہ مرنے کے بعد بھی منافع جات کی تملیک صحیح ہے۔

چنانچہ وصیت کی صورت میں منافع تہائی مال سے نکالا جائے گا اگر تہائی مال سے نہ نکلے تو تہائی کے بعد اسے نکالا جائے گا۔

د: منفعت کا تخمینہ......قبل ازیں ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وصیت تہائی ترکہ سے نافذ ہوتی ہے، اگر وصیت متعین اشیاء کے متعلق ہو تو انہی متعینہ اشیاء کا اندازہ کیا جاتا ہے اگر وہ ثلث مال سے نکلتے ہوں۔ البتہ اگر منافع جات کی وصیت کی ہو تو منفعت کا تخمینہ کیسے لگایا جائے گا اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

اول۔ حنفیہ اور مالکیہ کی رائے......اصل اشیاء جن کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو کہ نوعیت کو دیکھا جائے گا، سو اگر اشیاء بعینہ تہائی مال سے نکلتی ہوں تو وصیت جائز ہوگی اور نافذ العمل ہوگی، اور اگر تہائی مال سے نہ نکلتی ہوں تو تہائی کے بقدر وصیت نافذ ہوگی، اور

زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف رہے گی، حنفیہ کے نزدیک جس چیز کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو اس کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ مستقل منفعت کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے گھر کی منفعت (رہائش یا کرائے) کی وصیت کی ہو جب کہ گھر تہائی ترکہ سے نہ نکلتا ہو بلکہ آدھا گھر تہائی ترکہ ہو تو موصی لہ کو صرف آدھے گھر کے منافع بطور وصیت ملیں گے۔

حنفیہ کی دلیل......منافع جات کی وصیت کی صورت میں وہ متعین چیز جس کی منفعت کی وصیت کی گئی ہو وہ وارث کی ملکیت میں نہیں جاتی اور اس سے مقصد کا حاصل کرنا فوت ہوتا ہے۔

یعنی وارث نفع نہیں اٹھا سکتا اور اعیان کا مقصد ان سے نفع اٹھانا ہے، لہٰذا واجب یہ ہے کہ وہ چیز جس کی منفعت ممنوع ہو وہ اصل عین (متعین اصل چیز) ہو جو ثلث مال سے نکل رہی ہو۔

دوم: شافعیہ اور حنابلہ کی رائے......منفعت کی وصیت کا تخمینہ وصیت کردہ چیز کی منفعت کی قیمت سے لگایا جائے گا جو وصیت کی مدت میں ہو، چونکہ منفعت ہی کی وصیت کی جاتی ہے۔

حنابلہ کہتے ہیں......اگر وصیت متعین مدت کے ساتھ مقید ہو تو اس مدت میں منفعت کی جو قیمت ہوگی اسی کا تخمینہ لگایا جائے گا اور اگر وصیت زمانہ کے اعتبار سے کلی طور پر مطلق ہو پھر اس میں دو اقوال ہیں۔

ایک قول......جیسا کہ حنفیہ اور مالکیہ کا ہے کہ اصل چیز کی قیمت لگائی جائے گی اور پھر تہائی ترکہ سے نکالی جائے گی۔

دوسرا قول......یہ کہ اصل چیز کی قیمت تو ورثہ کے پاس رہے گی اور منفعت کی قیمت موصی لہ کو ملے گی، چنانچہ اگر کسی چیز کی قیمت سو روپے ہو اس میں سے اس کی اصل (یعنی رقبہ) کی قیمت دس روپے ہو تو ہمیں پتہ چل سکتا ہے کہ منفعت کی قیمت نوے روپے ہے۔

مصر کے قانون دفعہ ۶۲ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۵۳ کے تحت دونوں آراء کے مجموعہ کو اختیار کیا گیا ہے، یہ رائے حنابلہ کے مذہب کے قریب ہے، اس کا متن یوں ہے کہ منفعت اگر موبد (ہمیشہ کے لئے) ہو یا مطلق ہو یا موصی لہ کی زندگی تک ہو یا دس سال سے زائد عرصہ کے لئے ہو تو منفعت کا تخمینہ اس چیز کی قیمت کے اعتبار سے لگایا جائے گا جس کی کل منفعت یا کچھ منفعت کی وصیت کی گئی ہو، یہ رائے حنابلہ کے ہاں مطلق وصیت کے متعلق ہے جو پہلا قول ہے۔

اگر منافع جات کی وصیت ہو اور اتنی مدت کے لئے ہو جو دس سال سے زائد نہ ہو تو اس صورتمیں وصیت کا تخمینہ موصی بھا منفعت کی قیمت کے اعتبار سے ہوگا۔ یہ شافعیہ کی رائے کے موافق ہے، اور مقید وصیت میں حنابلہ کی رائے کے موافق ہے۔

اگر وصیت کسی حق کی ہو جیسے حق شرب، حق مرور اور بالائی منزل کا حق تو مصر کے قانون دفعہ ۶۳ کے تحت منفعت کا تخمینہ اصل چیز کی قیمت جو حق کے تحت احتمال رکھتی ہو اور اس حق کے بغیر اصل چیز کی قیمت کے فرق سے ہوگا۔ دونوں قیمتوں کے درمیان فرق وصیت ہے۔ قانون کی یہ شق حنابلہ کے دوسرے قول کے موافق ہے اور یہ شافعیہ کا مذہب ہے۔

ھ۔ منفعت سے نفع اٹھانے کا طریقہ......نفع اٹھانے کے دو طریقے ہیں۔

اول: مشروع طریقہ سے پیداوار حاصل کرنا......اس کا حاصل یہ ہے کہ مالک منفعت اصل چیز کسی دوسرے کو اجرت پر

دے دے اور موصی لہ مستاجر سے منفعت کی اجرت اپنے لئے لے سکتا ہے۔

دوم: شخصی استعمال...... یہ کہ موصی لہ خود منافع جات سے مستفید ہو اور موصی بھا منفعت سے مستفید ہونے کے طریقے وصیت کی صراحت کے مطابق مختلف ہوتے ہیں۔

اگر وصیت انتفاع کی کسی مخصوص نوعیت کے ساتھ مقید نہ ہو تو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق موصی لہ اپنے اختیار کے مطابق منفعت سے نفع اٹھا سکتا ہے، یا تو شخصی استعمال سے نفع اٹھائے مثلاً موصی لہ خود مکان میں رہائش رکھے یا زمین کی منفعت کی وصیت ہو تو خود اس میں فصل کاشت کرے یا اصل منفعت کرائے پر لگا دے مثلاً گھر ہو یا زمین ہو تو کرائے پر دے دے۔

البتہ اگر موصی نے منفعت سے نفع اٹھانے کی کوئی خاص نوعیت موصی لہ کے لئے متعین کردی ہو تو اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے...... موصی لہ ضابطے کا پابند ہوگا وہ وصیت کردہ چیز کو ذاتی استعمال میں لا سکتا ہے، چنانچہ جس شخص کے حق میں گھر کی رہائش کی وصیت کی گئی ہو تو وہ سرمایہ کاری نہیں کرسکتا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ چونکہ موصی لہ بغیر عوض کے منفعت کا مالک بنا ہے اب وہ عوض کے ساتھ کسی دوسرے کو مالک نہیں بنا سکتا۔

اس کے برعکس اگر ہو یعنی کسی شخص کے حق میں سرمایہ کاری (آمدنی) کی وصیت کی گئی ہو تو راجح قول کے مطابق موصی لہ کو مثلاً گھر کی رہائش حاصل ہوگی چونکہ جو شخص دوسرے کو سکنیٰ کا مالک بنا سکتا ہے وہ بذات خود بطریقہ اولیٰ مالک بن سکتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ موصی لہ کو سکنیٰ حاصل نہیں ہوگا چونکہ موصی لہ کے بذات خود رہائش رکھنے سے میت کا ضرر ہے، پہلا قول حق ہے چونکہ دوسرے قول میں تکلیف اور بعید احتمال ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ...... کی رائے ہے کہ موصی لہ کو کسی بھی طرح سے نفع اٹھانے کا اختیار حاصل ہوگا، خواہ ذاتی استعمال کے ذریعہ یا کرائے وغیرہ پر لگا کر، چونکہ موصی لہ عقد وصیت سے منفعت کا مالک بنا ہے اور جو شخص منفعت کا مالک ہو اسے من چاہے طریقے پر نفع اٹھانے کا حق حاصل ہوگا۔

یہ رائے راجح ہے اسی کو مصر اور سوریا کے قانون میں اختیار کیا گیا ہے۔

مشترکہ منفعت کے حصول کا طریقہ کار...... اگر منفعت موصی لہ اور موصی کے ورثہ کے درمیان مشترک ہو جیسے مثلاً موصی نے نصف گھر کی منفعت کی وصیت کردی یا موصی لہم ایک سے زائد ہوں جیسے مثلاً تین یا چار آدمیوں کے حق میں گھر کی وصیت کردی گئی چنانچہ شرکاء کے درمیان منفعت کی تقسیم کے تین طریقے ہیں۔ ❶

اول...... یہ کہ منفعت کی آمدنی شرکاء کے درمیان تقسیم کردی جائے، مثلاً گھر یا زمین کرائے پر دے دی جائے اور حاصل شدہ کرایا شرکاء کے درمیان تقسیم کیا جائے۔

دوم...... یہ کہ اصل چیز ہی شرکاء کے درمیان تقسیم کردی جائے پھر ہر شریک اپنے حصہ کی منفعت حاصل کرتا رہے، البتہ یہ شرط ملحوظ رہے کہ اصل چیز قابل تقسیم ہو اور تقسیم کے عمل سے ورثہ کا نقصان نہ ہوتا ہو۔

سوم...... اصل چیز کی زمانی یا مکانی تقسیم کردی جائے۔

---

❶..... الوصية لعيسوى ص ۱۳۰، الوصية للسباعي ص ۱۲۶۔

زمانی تقسیم......شرکاء کے درمیان مدت کی تعیین کردی جائے کہ اتنے اتنے عرصہ تک ہر شریک منفعت سے مستفید ہوسکتا ہے مثلاً ایک سال تک ایک شریک وصیت کردہ زمین سے نفع اٹھائے دوسرے سال دوسرا اور تیسرے سال تیسرا۔

مکانی تقسیم......اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر شریک اصل چیز کا ایک حصہ لے اور وقت واحد میں اس سے نفع اٹھائے پھر متعین مدت کے بعد دوسرے شریک کے ساتھ تبادلہ کرلے یوں دونوں شریک ایک دوسرے کی جگہ پر آجائیں۔

اگر وصیت ایسے حق کے متعلق ہو جس کی تقسیم ممکن نہ ہو اور اختلاف بھی ہو تو قاضی اپنے اجتہاد سے شرکاء کے درمیان قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ کرے۔

مصر کے قانون دفعہ ۵۷ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۵۰ کے تحت ان تین طریقوں کی صراحت کی ہے۔

منفعت کی وصیت کا اختتام پذیر ہونا......سوریا کے قانون دفعہ ۲۵۲ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ منفعت کی وصیت مندرجہ ذیل صورتوں میں باطل اور ساقط ہوجاتی ہے۔

الف......وصیت کردہ منفعت کے حصول سے قبل موصی لہ کا مرجانا، چونکہ منافع وراثت میں منتقل نہیں ہوتے۔

ب......یہ کہ موصی لہ وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز کا مالک بن جائے۔

ج......یہ کہ موصی لہ وصیت کردہ چیز سے ورثہ کے حق میں دستبردار ہوجائے خواہ دستبرداری بالعوض ہو یا بغیر عوض کے۔

د......یہ کہ وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز میں کسی دوسرے کا استحقاق نکل آئے چونکہ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ وصیت کردہ چیز موصی کی ملکیت نہیں۔

مصر کے قانون میں دفعہ ۵۹ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ وصیت کردہ منفعت تمام ہونے سے قبل درج ذیل امور سے باطل ہوجاتی ہے۔

الف......موصی کی وفات سے پہلے ہی نفع اٹھانے کی مدت پوری ہوجائے۔ یا مدت سے پہلے ہی موصی لہ مرجائے۔

ب......موصی لہ منفعت میں موجود اپنے حق سے ورثاء کے حق میں دستبردار ہوجائے خواہ بالعوض یا بغیر عوض کے۔

ج......وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز میں کسی دوسرے کا استحقاق نکل آئے یا کوئی شخص موصی لہ سے خریدلے۔

موصی لہ وصیت کردہ منفعت کا کب مستحق ہوتا ہے......مصر کے قانون دفعہ ۵۰، اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۶ کے تحت وضاحت کی گئی ہے کہ موصی لہ وصیت کردہ منفعت کا مدت کے اعتبار سے مستحق ہوجاتا ہے۔

اگر منفعت کی وصیت مدت کے ساتھ مقید کردی گئی ہو اور ابتداء اور انتہاء کی وضاحت کی گئی ہو مثلاً دو سال، سال کے شروع سے آخر تک تو موصی لہ صرف اسی مدت میں مستحق ٹھہرے گا اگر موصی کی وفات سے پہلے یہ مدت پوری ہوجائے تو وصیت باطل ہوجائے گی۔ اگر کچھ مدت گزرچکی ہو تو موصی لہ بقیہ مدت میں وصیت کا مستحق ہوگا یہ شق حنفیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔

اگر منفعت کی وصیت متعین مدت کے ساتھ مقید ہو لیکن انتفاع کی ابتداء اور انتہاء کی تحدید نہ کی گئی ہو تو موصی کی وفات پر موصی لہ منفعت کا مستحق نہ ہوگا۔

یہ شافعیہ کے مذہب کے موافق ہے۔ جب کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ مدت کی ابتداء تقسیم کے وقت سے ہوگی چونکہ یہ نفاذ وصیت کا وقت ہے اور اس وقت ملکیت جاگزیں ہوجاتی ہے۔

موصی لہ کو نفع اٹھانے سے منع کر دینا......مصر کے قانون دفعہ ۵۱، سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۷ کے تحت ایسی تین صورتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ جن میں موصی لہ کو وصیت کردہ منفعت سے منع کا پہلو نمایاں ہو سکتا ہے، یہ صورت یا تو کسی وارث کی طرف سے پیش آسکتی ہے یا سبھی ورثہ کی طرف سے یا موصی کی طرف سے یا موصی لہ کو کوئی اور عذر پیش آسکتا ہے۔

پہلی صورت......اگر منفعت سے نفع اٹھانے کی ممانعت (رکاوٹ) کسی وارث کی طرف سے ہو تو متعینہ مدت میں مذکور منفعت کے بدل کا وارث پر ضمان آئے گا جو موصی لہ کو دے گا۔

دوسری صورت......اگر سبھی ورثہ کی طرف سے ممانعت ہو تو موصی لہ کو خیار حاصل ہوگا، وہ چاہے تو کسی دوسری مدت میں وصیت کردہ چیز سے نفع اٹھانا چاہے تو اس منفعت کا بدل لے۔

تیسری صورت......اگر ممانعت موصی کی طرف سے ہو مثلاً موصی نے وصیت کردہ گھر متعین مدت کے لئے اجرت پر دے دیا ہو ابھی اجارہ کی مدت ختم نہ ہو کہ موصی مر جائے یا ممانعت کسی عذر کی وجہ سے ہو جو کہ منفعت سے نفع اٹھانے اور موصی لہ کے درمیان حائل ہو مثلاً موصی لہ جیل میں ڈال دیا گیا ہو یا کہیں غائب ہو یا گھر غصب کا ہو تو موصی لہ کسی دوسری مدت میں نفع اٹھانے کا مستحق ہوگا۔

یہ احکام شافعیہ کے مذہب سے مستفاد ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں......اگر ممانعت (رکاوٹ) کسی وارث کی طرف سے ہو تو وہ موصی لہ کو منفعت کا بدل دینے کا ضامن ہوگا۔ چونکہ وارث نے تعدی کی ہے لہٰذا اسی پر ضمان ہوگا۔

اور اگر ممانعت سبھی ورثہ کی جانب سے ہو تو وہ سبھی منفعت کے بدل کے ضامن ہوں گے، چونکہ ورثہ کی طرف سے تعدی ہے، موصی لہ متبادل مدت میں انتفاع کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا۔

اگر رکاوٹ کسی اور سبب کی وجہ سے ہو ورثہ کی طرف سے نہ ہو، اور انتفاع کی متعین مدت بھی فوت ہو جائے تو ورثہ پر ضمان نہیں ہوگا چونکہ ورثہ کی طرف سے تعدی نہیں ہوئی، کیونکہ وصیت کردہ چیز ورثہ کے پاس امانت ہوتی ہے۔

ح: وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز کی ملکیت اور اس میں تصرف کرنا......اصل چیز کی ملکیت کا اعتبار مدت کے مطابق ہوگا، چنانچہ اگر وصیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو یا مطلق ہو جس میں مدت کا ذکر نہ ہو اور ایسی جہت اور مصرف کے لئے ہو جس کے منقطع ہونے کا گمان ہی نہ ہو تو اصل چیز وقف ہوگی اور اس کی آمدنی ہمیشہ ہمیشہ موصی لہ کو ملتی رہے گی۔

اگر وصیت منفعت کی متعین مدت ہو یا موصی لہ متعین ہو یا موصی لہم حساب وشمار میں آتے ہوں یا ایسی جہت کے لئے ہو جس کے منقطع ہونے کا گمان ہو تو اصل چیز موصی کے ورثہ کی ملکیت میں رہے گی اور آمدنی موصی لہم کو ملے گی تاوقتیکہ وہ مر کھپ جائیں۔ یا مدت پوری ہو جائے پھر منافع جات ورثہ کی ملکیت ہوں گے۔

رہی بات وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز میں حق تصرف کی، سو اس میں دو آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے......اصل مالک کو وصیت کردہ چیز میں تصرف کا حق حاصل نہیں ہوگا یعنی مالک اس چیز کو آگے فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی تصرف کر بھی دیا تو وہ موصی لہ کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر موصی لہ نے اجازت دے دی تو وہ اپنا حق ساقط کر دے گا۔

جمہور کی رائے ...... مالک کو اصل چیز میں تصرف کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے یعنی وصیت کردہ چیز کو آگے فروخت کر سکتا ہے لیکن موصی لہ کو اس چیز سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہوتا ہے، چونکہ اصل چیز مالک کے بعد وراثت میں منتقل ہو جاتی ہے اور وصیت باقی رہتی ہے۔

ملکیت کے انتقال سے موصی لہ کا کوئی نقصان نہیں، چونکہ منفعت سے متعلقہ حق مالکوں کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا، اصل چیز میں تصرف کے مباح قرار دینے میں چیز کے مالک کی رعایت ہے۔

مصر اور سوریا کے قانون میں جمہور کی رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔

ط: وصیت کردہ منفعت کی اصل چیز کا نفقہ ...... اصل چیز کے نفقہ کے بارے میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

حنفیہ کی رائے ...... اصل چیز کے اخراجات اور اس پر عائد ٹیکسز کی ادائیگی صاحب منفعت (جسے منفعت حاصل ہو) پر ہوگی اگرچہ اصل چیز کی پیداوار اور آمدنی کچھ بھی نہ ہو۔

چونکہ صاحب منفعت ہی تو اصل چیز سے مستفید ہوگا جیسے بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ لازم ہوتا ہے نیز فقہ کا اصول ہے الغرم بالغنم۔

اگر صاحب منفعت اصل چیز کی طرف توجہ نہ دے اس پر خرچہ نہ کرے اور نہ ہی عائد ٹیکسز ادا کرے تو اصل مالک ادا کرے گا اور خرچہ کے بقدر آمدنی سے وصول کرے۔

اور اگر چیز قابل انتفاع نہ ہو جیسے بنجر (تھور والی) زمین تو اس کی درستی کا خرچہ اور ٹیکسز اصل مالک پر ہوں گے۔ حنابلہ کے ہاں بھی یہی اصح ہے۔

شافعیہ کی اصح رائے یہ ہے کہ نفقہ اور ٹیکس مالک پر ہوں گے جیسے اجرت پر دی ہوئی چیز کے جملہ اخراجات مالک کے ذمہ واجب ہوتے ہیں۔

مصر کے قانون اور سوریا کے قانون میں پہلی رائے اختیار کی گئی ہے۔

۵۔ کسی چیز میں تصرف کی وصیت ...... بسا اوقات کوئی شخص اپنے ترکہ میں تصرف کی وصیت کر دیتا ہے کہ فلاں چیز فروخت کر دی جائے یا مکان زمین وغیرہ اجارہ پر دے دی جائے۔ چنانچہ اگر متعین ثمن یا بدل اجارہ ثمن مثل یا اجرت مثل کے بقدر ہو یا مثل سے کسی قدر کم ہو تو تہائی ترکہ میں وصیت نافذ کی جائے گی، نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، چونکہ اس وصیت میں ورثہ کا نقصان نہیں، البتہ تہائی ترکہ میں اس کا اعتبار کیا جائے گا، تاہم ورثہ کی اجازت کی چنداں ضرورت نہیں۔

البتہ اگر وصیت غبن فاحش کے ساتھ پوری کی جارہی تو اس صورت میں وصیت کا نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا بشرطیکہ موصی لہ نے زائد از ثلث مقدار کے دینے کا عندیہ نہ دیا ہو سو اگر ورثہ نے اجازت دے دی یا تہائی سے زائد مقدار موصی لہ نے ورثہ کو واپس کر دی تو وصیت نافذ ہو جائیگی ورنہ باطل ہوگی۔

مصر کے قانون دفعہ ۵۶ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۰ میں فقہاء کے ان متفق علیہا احکام کو اختیار کیا گیا ہے۔

۶۔ قرضہ دینے کے متعلق وصیت ...... بسا اوقات کوئی شخص کسی ضرورت مند کو متعین مقدار میں مال بطور قرض دینے کی وصیت کرتا ہے اور مدت بھی متعین کر دیتا ہے، اس پر سود کی شرط نہیں رکھتا، تاہم یہ وصیت بھی تہائی ترکہ سے نافذ کی جائے گی مصر کے قانون وصیت دفعہ ۱۲ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۱۸ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

اگر وصیت کردہ مقدار تہائی ترکہ سے نکلتی ہو تو وصیت نافذ ہو جائے گی، نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، اگر تہائی ترکہ سے زیادہ قرضہ دینے کی وصیت کی ہو تو تہائی کے بقدر وصیت نافذ ہو جائے گی اور تہائی سے زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

موصی نے جو مدت متعین کردی ہو اس سے قبل ورثہ مستقرض (مقروض) سے قرضہ کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتے، اگر چہ حنفیہ کے نزدیک قرض دہندہ مقروض سے کسی بھی وقت قرضہ کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے مقررہ مدت کی رعایت لازم نہیں، لیکن حنفیہ کے نزدیک بھی چار صورتوں میں مدت قرض کی پابندی لازمی ہے۔

اول..... اگر کسی شخص نے قرض دہندگی کی وصیت کی ہو مال کی مقدار متعین کی ہو اور مدت قرض بھی متعین کردی ہو تو مدت سے پہلے واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

دوم..... یہ کہ قرضہ کا انکار کیا جا رہا ہو اور صاحب حق نے مدت مقرر کردی ہو تو مدت کی پابندی لازمی ہوگی۔

سوم..... قاضی نے مدت کی پابندی لگادی ہو تو امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے مذہب کے مطابق مدت کا لزوم کیا جائے گا۔

چہارم..... اس کا حاصل یہ ہے کہ مدیون کسی دوسرے شخص پر دین کا حوالہ کردے اور قرض دہندہ ادائیگی کی مدت مقرر کردے تو مدت سے پہلے مقرض قرضہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا، یہ حقیقت میں دین کی ادائیگی کی مہلت ہے قرض نہیں۔

۷: **حقوق کی وصیت**..... حقوق ارتفاق جن کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے حقوق ارتفاق جیسے، حق شرب، حق مسیل، حق حجری، حق تعلی (بالائی منزل پر رہائش کا حق) کی وصیت بالاتفاق صحیح ہے، مسیل (پانی بہنے کی نالی) قانوناً بھی جائز ہوتی ہے جب وصیت کردہ زمین کے تابع ہو، یا مسیل مالک زمین کی ملکیت ہو اور اس سے نفع اٹھایا جاتا ہو۔

مصر کے قانون دفعہ ۱۱ میں حق منفعت کی وصیت کو جائز قرار دیا گیا ہے، حق منفعت کی وصیت کا حاصل یہ ہے کہ کسی شخص نے عرصہ دس سال کے لئے زمین اجرت (کرائے) پر لی ہو، اجارہ کی کچھ مدت گزر جائے اور پھر مستاجر بقیہ مدت کی کسی کے حق میں وصیت کردے تو یہ وصیت حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے چونکہ جمہور کے نزدیک اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت سے فسخ نہیں ہوتا، جب کہ حنفیہ اس وصیت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ چونکہ حنفیہ کے نزدیک اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کی مدت سے باطل ہو جاتا ہے۔

مصر ہی کے قانون میں مالکیہ کے مذہب کے مطابق ''حق خلو'' کی وصیت کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے، حق خلو کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ موقوفہ زمین یا مکان جو آبادکاری یا تعمیر کا محتاج ہو، جب کہ اس موقوفہ جائداد کا مال نہ ہو جو آبادکاری یا تعمیر کے لئے خرچ کیا جائے، ایک شخص آبادکاری یا تعمیر و مرمت کے لئے تیار ہو جائے کہ اسے یہ جائداد اجرت پر لینے میں اولویت (ترجیح اور فوقیت) حاصل ہوگی، چنانچہ اسے حق خلو کہا جاتا ہے، جس شخص کو حق خلو حاصل ہو وہ اس حق کی وصیت کرسکتا ہے اور اس کی یہ وصیت صحیح ہوگی۔

۸۔ **تقسیم ترکہ کی وصیت**..... بسا اوقات انسان ایسی وصیت کردیتا ہے جو ورثہ کے درمیان ترکہ کی تقسیم کو متضمن ہوتی ہے، یہ وصیت ترکہ میں ہر وارث کے حصہ کے بقدر ہوتی ہے، یہ وصیت اس لئے کی جاتی ہے تاکہ ورثہ کے درمیان نزاع اور جھگڑا نہ کھڑا ہو اور ہر وارث کا حصہ بغیر سرمایہ کاری یا محابات کے متحقق ہو جائے، کیا یہ وصیت لازمی قرار پائے گی؟

جمہور فقہاء..... کی رائے ہے کہ یہ تقسیم ورثہ کو لازم نہیں ہوئی، چنانچہ ورثہ کو اختیار ہے چاہے اس وصیت کو قبول کریں یا ترک کردیں، چونکہ اشیاء ترکہ کی مالی قیمت بسا اوقات مساوی ہوتی ہے لیکن ان میں مصلحت جدا جدا اور متفاوت ہوتی ہے، چنانچہ جیسے کسی

وارث کے حق کو اسی کے حق کے بقدر باطل کرنا جائز نہیں اسی طرح متعین چیز میں اس کے حق کو باطل کرنا بھی جائز نہیں۔

بعض شافعیہ اور حنابلہ کی رائے......اگر مذہبی اعتبار سے مذکورہ بالا رائے اصح قرار دی گئی ہے تاہم بعض شافعیہ اور حنابلہ کی رائے ہے کہ مورث کی یہ تقسیم جائز ہے اور یہ تقسیم ورثہ کو لازم ہو جاتی ہے، بشرطیکہ تقسیم عدل وانصاف کے ساتھ کی گئی ہو، چنانچہ ہر وارث کو اس کے حصہ کی قیمت کے مساوی حصہ ملے گا، یہ تقسیم ورثہ کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگی چونکہ ہر وارث کا حق قیمت میں ہوتا ہے نہ کہ ترکہ کی متعین اشیاء میں سے کسی ایک متعین چیز میں، اس کی دلیل یہ ہے کہ مورث اگر اپنی زندگی میں کل ترکہ بیچ دے اور ثمن مثل کے ساتھ بیچے تو اس کی بیع صحیح اور نافذ ہوگی۔

مصر کے قانون دفعہ ۱۳ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۱۹ کے تحت دوسری رائے اختیار کی گئی ہے، قانون نے تقسیم ترکہ کی اجازت دی ہے اور موصی نے جو تقسیم کی ہو وہ اس کی وفات پر ورثہ کو لازم ہوگی۔

قانون میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ تقسیم کی رو سے اگر کسی وارث کو اس کے استحقاق حصہ سے زائد مل رہا ہو تو زائد مقدار اس کے حق میں وصیت ہوتی اور اس پر وارث کے حق میں کی گئی وصیت کے احکام لاگو ہوں گے۔

۹۔ مرتبات کی وصیت......فقہائے مالکیہ اور شافعیہ نے ترکہ کے رأس المال (اصل سرمایہ) سے ماخوذ مرتب (وظیفہ) کی وصیت جائز قرار دی ہے، یہ اعیان کی وصیت کے قبیل سے ہے، چونکہ یہ وصیت حقیقت میں متعین مال کی وصیت ہوتی ہے جو سالانہ کی قسط ہو یا مہینہ وار ہو یا یومیہ ہو۔

ترکہ کی آمدنی سے بھی حاصل شدہ مرتب کی وصیت بھی جائز ہے دراصل یہ منافع کی وصیت کے قبیل سے ہے۔

اولاً وصیت کی مقدار دیکھی جائے گی سو اگر تہائی ترکہ سے نکل رہی ہو تو نافذ ہوگی اگر تہائی سے زائد ہو تو ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

اس وصیت کا نفاذ اس لحاظ سے مختلف ہے کہ آیا وصیت متعین مدت کے لئے ہے یا تاعمر۔

الف......اگر مرتب کی وصیت مدت متعینہ کے لئے ہو خواہ ترکہ کے اصل سرمایہ سے ہو یا ترکہ کی آمدنی سے تو جمہور حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک تہائی ترکہ روک لیا جائے گا تاکہ موصی کی متعین کردہ مقدار ہر مہینہ میں لے لی جائے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: تہائی مال سے اتنی مقدار رکھ لی جاوے گی جو متعین مدت میں مرتب کی پیداوار اور آمدنی ہو، اس سے زائد مقدار نہیں روکی جائے گی، چونکہ مقصد تو نفاذ وصیت کا ضمان ہوتا ہے۔

مصر کے قانون دفعہ ۶۴ کے تحت امام ابو یوسف کے قریب قریب رائے اختیار کی گئی ہے۔

ب......اگر مرتب کی وصیت عرصہ حیات تک کے لئے ہو تو یہ وصیت بھی ایسی ہی ہے جیسے مدت متعینہ کی وصیت اس کی مقدار اور نفاذ اسی جیسا ہوگا۔

امام مالک اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدت حیات کا اندازہ اہل زمانہ کی غالب عمر سے لگایا جائے گا، لہٰذا ثلث ترکہ سے اتنی مقدار روک لی جائے گی جو اس عرصہ کے نفقہ کے لئے کافی ہو۔

مصر کے قانون دفعہ ٦٦ میں مدت حیات کی تعیین ماہرین اطباء کے سپرد کی ہے۔

اگر اطباء نے موصی لہ کی عمر کا اندازہ کیا ہو پھر ان کی بیان کردہ مدت سے پہلے موصی لہ مر جائے تو وصیت اختتام پذیر ہو جائے گی، اور اگر بیان کردہ مدت کے بعد بھی موصی لہ زندہ رہے تو مرتب (وظیفہ) کے متعلق ورثہ سے رجوع کر سکتا ہے۔

ابن قاسم مالکی کہتے ہیں: زائد مدت میں موصی لہ ورثہ سے رجوع نہیں کر سکتا، قانون میں یہی رائے اختیار کی گئی ہے۔

ج.....مرتب (وظیفہ) کی وصیت دائمی نیکی کی راہ میں کی گئی ہو۔تو وصیت کا تخمینہ اور نفاذ کا وہی طریقہ کار رہوگا جو متعین مدت میں کی گئی وصیت کا ہے۔

اگر وصیت مطلق یا مؤبد ہو تو یہ وصیت اعیان ترکہ میں سے ہوگی جو تہائی ترکہ کی حد میں ہو اور زائد مقدار ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوتی۔

اس سب پر مصر کے قانون دفعہ ۶۸ میں صراحت کی گئی ہے۔

۱۰۔موصی بہ (وصیت کردہ چیز) میں اضافہ کردینے کا حکم......اگر وصیت کے بعد موصی وصیت کردہ چیز میں اضافہ کردے تو مالکی مذہب کی رو سے یہ وصیت سے رجوع نہیں ہوگا،مصر کے قانون دفعات ۷۱ تا ۷۵ میں احوال اضافہ کی صراحت اس حکم کے مطابق کی گئی ہے پھر سوریا کے قانون میں دفعات ۲۵۴ تا ۲۵۶ کے تحت اسی کو اپنایا گیا ہے میں یہاں ان احوال واحکام کو بیان کروں گا اور یہ کل چار ہیں۔

پہلی صورت......ایسا اضافہ جو بذاتہ مستقل نہ ہو اگر موصی وصیت کردہ چیز میں ایسا اضافہ کردے جو بذاتہ مستقل نہ ہو، جیسے مثلاً گھر کی مرمت کردی یا رنگ روغن کردیا تو یہ اضافہ وصیت کردہ چیز کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور پوری چیز پر وصیت کا اطلاق ہوگا۔

ورثہ کو اعتراض کا حق نہیں ہوگا چونکہ اس اضافے کو اگر اصل چیز سے الگ کیا جائے تو اس کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔

اس صورت کے ساتھ بسیط اضافہ بھی ملحق کیا گیا ہے جس کے متعلق عموماً چشم پوشی برتی جاتی ہے جیسے غسل خانہ یا چھوٹا سا کمرہ مکان میں بنادیا۔

دوسری صورت: اضافہ مستقل بذاتہ ہو......اگر موصی نے وصیت کردہ چیز میں ایسا اضافہ کردیا جو مستقل بذاتہ ہو جیسے مثلاً زمین میں درخت لگادیئے یا مکان بنالیا بایں طور کہ زمین وصیت کردہ ہو، یا ایسا اضافہ کردیا ہو جو غیر مستقل ہو اور عام طور پر اس کے متعلق چشم پوشی نہ برتی جاتی ہو تو ورثہ موصی لہ کے ساتھ وصیت کردہ چیز میں برابر کے شریک ہوں گے البتہ ورثہ کا حصہ اضافہ کی مقدار یعنی باغ اور مکان کی قیمت کے بقدر ہوگا،اور اصل زمین الگ رہے گی۔

تیسری صورت: عمارت منہدم کر کے جدید تعمیر کا اضافہ......اگر وصیت کردہ چیز مثلاً مکان ہو جسے موصی منہدم کردے اور پھر مختلف نقشہ پر نیا مکان تعمیر کرے تو یہ نیا مکان پرانے وصیت کردہ مکان کی جگہ لے لے گا اس میں ورثہ کا کچھ حق نہیں ہوگا۔

البتہ اگر مکان کی تعمیر کچھ اس طرح کی گئی ہو کہ عرف ورواج میں اسے تجدید سے تعبیر نہ کیا جاتا ہو جیسے مثلاً عمارت قبل ازیں ایک رخ پر ہو اور موصی ساتھ دوسرے رخ پر تعمیر کردے تو پوری عمارت موصی لہ اور ورثہ کے درمیان مشترک ہوگی،موصی لہ کا حصہ زمین کی قیمت کے بقدر ہوگا اور ورثہ کا حصہ عمارت کی قیمت کے بقدر ہوگا۔

اسی طرح اگر قدیم زمین کے ساتھ کوئی دوسری زمین ضم کردی جائے تو جدید عمارت مشترکہ ہوگی اور وصیت کا حصہ وصیت کردہ زمین کی قیمت ہوگا، چونکہ عمارت کے زائل ہونے سے وصیت صرف زمین میں منحصر ہو کر رہ جاتی ہے اور ورثہ کا حصہ قائم شدہ عمارت کی قیمت کے بقدر ہوگا اور زمین کی قیمت غیر موصی بہا ہے۔

چوتھی صورت......اگر موصی وصیت کردہ مکان کے ساتھ دوسری عمارت بناڈالے اور دونوں عمارتیں ایک مکان کی شکل دھارلیں

بایں طور کہ وصیت کردہ مکان کو دوسرے سے الگ کر کے سپرد کرنا ممکن نہ ہو جیسے مثلاً دو مکان ہوں ان میں سے ایک کی وصیت کی گئی ہو اور پھر موصی دونوں کو ایک بنا دے تو موصی لہ ورثہ کے ساتھ شریک ہوگا، اور اعتبار وصیت کردہ مکان کی قیمت کا ہوگا اور قیمت بھی تعمیر سے قبل کی لگائی جائے گی۔

پانچواں مقصد: وصیت کی مقدار......قبل ازیں ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ وصیت تہائی ترکہ تک محدود ہے، کیونکہ حدیث نبوی ہے۔''تہائی (وصیت ہو) اور تہائی بھی زیادہ ہے۔'' گویا وصیت کی مقدار ترکہ کا تہائی ہے۔

ا......اگر موصی کا وارث ہو جمہور فقہاء (ظاہریہ اور مالکیہ کے علاوہ) کی رائے ہے کہ تہائی سے زائد وصیت ورثہ کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی، اگر ورثہ نے اجازت دے دی تو وصیت نافذ ہو جائے گی ورنہ باطل ہوگی، چونکہ اللہ تعالیٰ نے موصی کو فقط تہائی حصہ میں تصرف کا حق دیا ہے تاکہ ورثہ کا حق محفوظ رہے، اگر ورثہ اپنا حق ساقط کر دیں تو مانع جاتا رہے گا اور وصیت نافذ ہو جائے گی، چونکہ حدیث۔''بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ورثہ کو مالدار چھوڑو۔''

اگر بعض ورثہ نفاذ وصیت کی اجازت دیں اور بعض اجازت نہ دیں تو اجازت دہندگان کے حصہ میں وصیت نافذ ہوگی نادہندگان کے حصہ میں باطل ہو جائے گی۔

اس صورت میں ترکہ اجازت اور عدم اجازت کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے گا، چنانچہ اجازت دہندگان اپنے حصے پہلی تقسیم پر لے لیں اور نادہندگان دوسری تقسیم پر اپنے حصے لیں۔

مالکیہ اور ظاہریہ کی رائے ہے کہ وصیت تہائی سے زائد مقدار میں نافذ نہیں ہوگی اگرچہ ورثہ اس کی اجازت ہی کیوں نہ دیں، ان فقہاء کا استدلال مذکورہ بالا حدیث کے ظاہر سے ہے۔

ب......اگر موصی کا کوئی وارث نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک وصیت تہائی سے زائد مقدار میں نافذ ہو جائے گی اگرچہ کل مال کی وصیت کی ہو، چونکہ وصیت کی راہ میں ورثہ کا حق رکاوٹ بن رہا تھا، جب کہ یہاں کوئی وارث نہیں ہے لہٰذا تہائی سے زائد حصہ میں کسی کا حق متعلق نہیں ہوگا اس لئے وصیت نافذ ہوگی۔

جمہور کہتے ہیں وصیت ثلث سے زیادہ جائز نہیں چونکہ زائد حصہ عام مسلمانوں کا حق ہے اور مسلمانوں کی طرف سے اجازت دینے کا کسی کو اختیار حاصل نہیں، لہٰذا ثلث سے زائد وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

تہائی سے زائد وصیت کے متعلق ورثہ کی اجازت......تہائی سے زائد مقدار میں ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہیں ہوتی، تاہم میں اجازت ورثہ کے متعلق چند امور کی وضاحت پیش کروں گا۔ ❶

اول: اجازت کا وقت......مذاہب اربعہ کے ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ورثہ کی اجازت موصی کی موت کے بعد معتبر ہوگی اور اگر ورثہ نے موصی کے زندہ ہوتے ہوتے زائد مقدار کی اجازت دی یا زائد مقدار کی تردید کی تو اس اجازت اور تردید کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، چونکہ ترکہ میں ورثہ کی ملکیت مورث کے مرنے کے بعد ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ورثہ کی اجازت اور تردید ملکیت ثابت ہونے کے بعد معتبر ہوگی، البتہ مالکیہ کہتے ہیں کہ اگر موصی مرض الموت میں مبتلا ہو اور اس مرض کے دوران ورثہ نے زائد مقدار کی اجازت دی تو یہ اجازت معتبر ہوگی۔

---

❶ الدر المختار ٥/٤٦٤، الشرح الصغیر ٤/٥٨٦، مغنی المحتاج ٣/٤٣، المغنی ٦/٥ القوانین الفقھیة ص ٤٠٦، کشاف القناع ٤/٣٤٨۔

دوم: رد واجازت کا اختیار کس کو حاصل ہوگا...... اجازت دہندگان اور تردید کنندگان کے بارے میں دو شرطیں ہیں۔

اول...... یہ کہ اجازت دہندہ تبرع کی اہلیت رکھتا ہو یعنی وہ عاقل، بالغ، رشید (سمجھدار) ہو، چنانچہ بچے، مجنون، فاتر العقل اور محجور علیہ کی اجازت صحیح نہیں۔

چونکہ اجازت اسقاط حق ہے لہٰذا تبرع ہوا اور تبرع کا وہی شخص اختیار رکھتا ہے جو تبرع کی اہلیت رکھتا ہو۔

ولی وصیت کی اجازت کا اختیار نہیں رکھتا چونکہ ولی (سرپرست) کا تصرف مصلحت کے ساتھ مشروط ہے، جب کہ مال کا تبرع مصلحت کے دائرہ میں نہیں آتا۔

دوم...... یہ کہ اجازت دہندہ کو وصیت کردہ چیز کا علم ہو، اگر اسے وصیت کردہ چیز کا علم ہی نہ ہو تو اس کی اجازت درست نہیں ہوگی، اگر اسے وصیت کا علم ہو اور پھر اجازت دے تو وصیت نافذ ہو جائے گی۔

سوم...... اجازت کے بعد ملکیت کس کی طرف سے حاصل ہوگی؟...... اس مسئلہ کی وضاحت میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

جمہور...... (اور شافعیہ کا راجح قول) کہتے ہیں: موصی لہ تہائی سے زائد مقدار کا مالک موصی کی طرف سے ہوگا نہ کہ اجازت دہندہ کی طرف سے۔ گویا ورثہ کی اجازت سے زائد مقدار کے تصرف کو بحال رکھتا ہے یہ ابتداءً عطیہ نہیں چونکہ وصیت موصی کا اپنی ملک میں تصرف ہے، ہاں البتہ زائد مقدار کا نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف رہتا ہے چونکہ اس مقدار کے ساتھ ورثہ کا حق متعلق ہوتا ہے اور یہ حق موصی کے تصرف میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

مالکیہ...... (شافعیہ کا ضعیف قول کے مطابق) کہتے ہیں: موصی لہ زائد مقدار کا اجازت دہندہ کی طرف سے مالک بنتا ہے اور یہ ملکیت ابتداً ہبہ کے طور پر ہے چونکہ اس زائد مقدار کے ساتھ اجازت دہندہ کا حق متعلق ہوتا ہے گویا اس کی اجازت ابتداً عطیہ ہے اور موصی لہ اجازت دہندہ کی طرف سے مالک بنتا ہے، اسی طرح وارث کے حق میں کی گئی وصیت ابتداءً عطیہ ہوتی ہے۔

ثمرۂ اختلاف...... وصیت کردہ چیز کے سپرد کرنے کے وجوب میں نکلتا ہے۔

چنانچہ پہلی رائے کے مطابق وارث کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ تہائی سے زائد مقدار موصی لہ کے سپرد کرے، جب کہ دوسری رائے کے مطابق وارث کو مجبور نہیں کیا جائے گا، چونکہ اجازت ہبہ ہے اور موہوب لہ ہبہ کردہ چیز کا مالک قبضہ سے بنتا ہے، جب کہ کسی انسان کو اپنی ملکیت سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔

تہائی مقدار کا وقت...... تہائی ترکہ کی مقدار کے وقت میں فقہاء کا اختلاف ہے، آیا کہ اس کا وقت وفات ہے یا ترکہ کی تقسیم کا وقت؟ سو اس میں فقہاء کی دو آراء ہیں۔

جمہور کا مذہب...... (حنفیہ مالکیہ، حنابلہ) تہائی ترکہ کی مقدار کا وقت ترکہ کی تقسیم کا وقت ہے، چونکہ اس وقت ورثہ کی ملک پختہ ہو جاتی ہے، وصیت نافذ کر دی جاتی ہے اور ہر حق دار کو اس کا حق مل جاتا ہے، اس پر یہ اثر بھی مرتب ہوتا ہے کہ تقسیم سے پہلے ترکہ کا عصمت میں جو نقص اور کمی واقع ہو یا کوئی چیز ضائع ہو تو اس کا اثر سب کے حصوں پر پڑے۔

شافعیہ کا مذہب...... تہائی ترکہ کی مقدار کا وقت وفات کا وقت ہے، چونکہ اسی وقت موصی لہ کے لئے ملک کا ثبوت ہوتا ہے چنانچہ وفات کے بعد وصیت کردہ چیز میں جو اضافہ بھی ہو مثلاً موصی بہ جانور تھا اس نے بچہ جنم دیا یا درخت تھے ان پر پھل آ گیا یا مکان تھا

جس کا کرایہ مل گیا تو یہ اضافہ بھی موصی لہ کی خالص ملکیت ہوا، تہائی ترکہ سے اس کا حساب لگایا جائے گا چونکہ یہ موصی لہ کی ملکیت کی نما اور پیداوار ہے۔

مصر کے قانون دفعہ ۲۵ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قانون میں دوسری رائے اختیار کی گئی ہے۔

ساتواں مقصد: وارث کے حق میں وصیت...... نفاذ وصیت کی شرائط کے ذیل میں اس موضوع پر میں نے بحث کردی ہے۔ میں نے اکثر فقہاء کی رائے بیان کردی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی مگر بقیہ ورثہ کی اجازت سے۔

ایک مصر کے قانون دفعہ ۳۷ میں شیعہ امامیہ کی رائے اختیار کی گئی ہے کہ وارث کے حق میں وصیت بلاتوقف نافذ ہوجاتی ہے۔

البتہ آیت کریمہ " كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ...... الخ (البقرہ۲/۱۸۰) کے ذیل میں بعض مفسرین سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک وارث کے حق میں تہائی ترکہ کی وصیت جائز ہے، ان مفسرین میں ابومسلم اصفہانی بھی شامل ہیں۔

آٹھواں مقصد...... وارث کے حصہ کے بمثل وصیت کرنا

یہ نوع مجہول چیز کی وصیت کی ایک نوع ہے، فقہاء کا اتفاق ہے کہ وارث کے حصہ کی بمثل وصیت کرنا صحیح ہے۔ [1] یہ وصیت خواہ وارث کی تعیین سے ہو یا وارث غیر متعین ہو۔ جیسے کہے: بیٹے کے حصہ یا بیٹی کے حصہ یا بہن کے حصہ کی بمثل وصیت کی یا معدوم وارث کے حصہ کی بمثل وصیت کی۔

اگر ورثہ میراث میں برابر کے شریک ہوں جیسے بیٹے تو موصی لہ کو بیٹوں میں سے کسی ایک کے حصہ کے برابر وصیت ملے گی۔

اگر ورثہ کے حصے مختلف ہوں تو جمہور کے نزدیک موصی لہ کو ایسے وارث کے برابر حصہ ملے گا جسے سب سے کم حصہ مل رہا ہو چونکہ اقل حصہ یقینی ہوتا ہے اور زائد حصہ مشکوک ہوتا ہے۔

مالکیہ، ابن ابی لیلیٰ، زفر رحمۃ اللہ علیہم اور داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر ورثہ کے حصہ برابر ہوں تو موصی لہ کو ان میں سے کسی ایک کے حصہ کے برابر ترکہ دیا جائے گا اور جو باقی بچ رہے گا وہ ورثہ پر تقسیم کیا جائے گا چونکہ وارث کا حصہ وصیت سے پہلے اصل مال میں ہوتا ہے، اگر موصی نے اپنے بیٹے کے حصہ کی بمثل وصیت کی جب کہ موصی کا صرف ایک ہی بیٹا ہو، اگر بیٹا اجازت دے تو کل مال وصیت میں دیا جائے گا ورنہ موصی لہ کو ترکہ کا تہائی حصہ ملے گا، اگر موصی کے دو بیٹے ہوں تو وصیت نصف مال کی ہوگی، اور اگر تین بیٹے ہوں تو تہائی مال کی وصیت ہوگی۔

کسی متعین وارث کے حصہ کی وصیت کے بارے میں ائمہ مذاہب کا اختلاف ہے۔ مثلاً موصی اپنے ایک بیٹے کا نام لے کر کہے کہ زید کا حصہ فلاں کو دے دیا جائے اور یہ وصیت بوقت موت کرے۔

چنانچہ حنفیہ کے ائمہ ثلاثہ اور شافعیہ کے نزدیک یہ وصیت باطل ہے چونکہ یہ وصیت غیر کے مال سے کی جارہی ہے چونکہ بیٹے کا حصہ موصی کی موت کے بعد اسے ملتا ہے اور بیٹے کی ملکیت اپنی ملکیت نہیں ہوتی۔

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: یہ وصیت درست ہے اور یہ وصیت گویا وارث کے حصہ کے برابر کی جارہی ہے، چونکہ بیٹے کے حصہ کا تذکرہ دراصل اس کے حصہ کا بیان ہوتا ہے، یہ غرض نہیں ہوتی کہ بیٹے کا بعینہ حصہ موصی لہ کو دے دیا جائے اور بیٹا محروم رہے، لغوی اور عرفی اعتبار سے اس کی گنجائش ہے، مصر کے قانون میں اسی کو اپنایا گیا ہے۔

---

[1] ......الكتاب مع اللباب ۴/۱۷۵، تكملة الفتح ۸/۴۴۳، الشرح الصغير ۴/۵۹۷، القوانين الفقهية ص ۴۰۶، المهذب ۱/۴۵۷، المغنی ۶/۳۲، غاية المنتهى ۲/۳۷۰.

مذکورہ وصیتوں میں موصی لہ کے استحقاق کی مقدار......وصیت کردہ چیز کی مقدار معلوم کرنے کے مختلف طریقے ہیں چونکہ وصیت مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔

پہلی حالت......یہ کہ وصیت متعین وارث کے حصہ کے بمثل ہو اور وارث موصی کی موت کے وقت موجود ہو۔

چنانچہ ترکہ ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا پھر اصل مسئلہ میں موصی لہ کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا۔مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کے حصہ کے بقدر وصیت کی پھر موصی تین بیٹے چھوڑ کر مر گیا۔

چنانچہ اصل مسئلہ ٣ سے بنے گا پھر اصل فریضہ پر چوتھے حصے کا اضافہ کیا جائے گا وہ موصی لہ کا حصہ ہے یوں اب مسئلہ چار سے بنے گا، ورثہ کی اجازت کی ضرورت نہیں چونکہ موصی لہ کا حصہ تہائی ترکہ سے کم ہے۔

اگر ایک اور شخص نے اپنے بیٹے کے حصہ کے بقدر وصیت کی جب کہ وہ ورثہ میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر مرا، فریضہ تین حصوں پر مشتمل ہوگا بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا، پھر بیٹے کے حصہ کے بقدر موصی لہ کے حصہ کا اصل فریضہ میں اضافہ کیا جائے گا، یوں کل ملا کر پانچ حصے بنیں گے، موصی لہ کے دو حصے، بیٹے کے بھی دو حصے اور ایک حصہ بیٹی کا، یوں تہائی سے زائد حصہ کی وصیت ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

دوسری حالت......یہ کہ وصیت غیر متعین وارث کے حصہ کی بمثل ہو۔

یا تو ورثہ کے حصے برابر برابر ہوں گے یا متفاوت ہوں گے، برابری کی صورت میں اصل فریضہ پر کسی ایک کے حصہ کی بمثل اضافہ کیا جائے گا۔ اور تفاوت کی صورت میں جمہور کے نزدیک سب سے کم مقدار والے وارث کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا۔

پہلی صورت کی مثال کچھ یوں ہے......مثلاً موصی نے دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بہن چھوڑی ہو تو مسئلہ تین سے بنے گا، بہن کو ایک حصہ ملے گا اور ہر بیٹی کو ایک ایک حصہ مل جائے گا، یوں پھر ایک اور حصہ کا اضافہ کر دیا جائے گا کل ملا کر کے برابر برابر چار حصے بن جائیں گے۔

دوسری صورت کی مثال......موصی نے مثلاً دو بیٹیاں، ایک حقیقی بہن اور بیوی چھوڑی ہو تو اصل مسئلہ ٢٤ سے بنے گا دو بیٹوں کو دو تہائی یعنی ١٦ حصے، بیوی کو آٹھواں حصہ یعنی ٣ حصے، بہن کو بقیہ ترکہ یعنی ٥ حصے ملیں گے، پھر اصل مسئلہ میں کم سے کم حصہ پانے والے کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا اور وہ بیوی کا حصہ ہے، یوں مسئلہ ٢٧ سے بنے گا۔

تیسری حالت......یہ کہ وصیت معدوم کے حصہ کے بمثل ہو۔

مثلاً موصی نے کہا: اگر میرا بیٹا ہوا تو میں نے اس کے حصہ کے بقدر وصیت کر دی، چنانچہ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اس صورت میں اور ماقبل مذکور صورت میں کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ بالفعل موجود ورثہ کے درمیان ترکہ تقسیم کیا جائے گا، پھر اس پر معدوم بیٹے کے حصہ کا اضافہ کیا جائے گا اور اگر وصیت ثلث ترکہ کی حدود میں ہو تو موصی لہ کو حصہ مل جائے گا یا اگر زائد ہو تو ورثہ کی اجازت ضروری ہوگی جیسا کہ پہلی حالت میں گزر چکا ہے۔

چوتھی حالت......یہ کہ وصیت کسی ایک وارث کے حصہ کی بمثل ہو اور دوسرے شخص کے حق میں متعین حصہ کے بقدر ہو لیکن وہ حصہ شائع ہو۔

جیسے مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے فلاں شخص کے حق میں اپنے بیٹے کے حصہ کی بمثل وصیت کی اور فلاں شخص کے حق میں چوتھائی ترکہ کی وصیت کی۔

دونوں وصیتوں کے حصے حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نکالنے کا طریقہ کچھ یوں ہے کہ وارث کے حصہ کی بمثل وصیت کا تخمینہ لگایا جائے گا جو ترکہ کے حصوں میں سے کسی حصہ کے برابر ہو گویا ایک ہی وصیت ہے پھر تہائی ترکہ دونوں وصیتوں پر تقسیم کیا جائے گا۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے محتاج کے حق میں بیٹے کے حصہ کی بمثل وصیت کی اور ایک دوسرے شخص کے حق میں چوتھائی مال کی وصیت کی، جب کہ موصی نے دو بیٹے پیچھے چھوڑے تو اصل مسئلہ دو (۲) سے بنے گا اس پر بیٹے کا حصہ کی بمثل ایک اور حصہ کا اضافہ کیا جائے گا یوں موصی لہ کو تہائی مال ملے گا، جب کہ یہاں دو وصیتیں ہیں، ان میں سے ایک تہائی مال کی اور دوسری چوتھائی مال کی ہمیں ثلث اور ربع کے حساب کی ضرورت پڑے اس کا اقل حساب ۱۲ ہے، اس کا تہائی حصہ یعنی ۱۲ میں سے ۴ حصے مسئلے کے حصہ کی بمثل موصی لہ کو ملیں گے اور چوتھائی حصہ یعنی تین (۳) حصے دوسرے موصی لہ کو ملیں گے اور جو باقی بچ رہے وہ بیٹوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔

جب دونوں وصیتوں کا مجموعہ تہائی ترکہ سے زیادہ ہو! تو اس کا نفاذ ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر ورثہ نے اجازت نہ دی تو تہائی حصہ دونوں موصی لھما کے درمیان سات حصوں میں تقسیم کیا جائے گا چار حصے تہائی والے موصی لہ کو ملیں گے اور تین حصے ربع والے کو ملیں گے۔

مصر کے قانون دفعات ۴۰ تا ۴۲ میں ان احکام کو لیا گیا ہے۔

نواں مقصد: اجزاء کے اعتبار سے وصیت......مجہول چیز کی وصیت کی بحث میں میں نے ذکر کر دیا ہے کہ جس شخص نے مال کے کسی جزو یا حصہ یا قسط یا کسی چیز کی وصیت کی تو جمہور کے نزدیک موصی کے ورثہ کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ موصی لہ کو جو چاہیں دے دیں۔

مالکیہ کے نزدیک موصی لہ کو ترکہ کے حصوں میں سے کوئی ایک حصہ دے دیا جائے گا پھر باقی ترکہ ورثہ کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

دسواں مقصد: نفاذ وصیت......اگر سارا ترکہ موجود ہو اس میں سے کچھ بھی غائب یا دین نہ ہو تو کل مال سے وصیت نافذ ہوگی، برابر ہے کہ وصیت کردہ چیز نقود مرسلہ یعنی غیر متعین رقم جیسے مثلاً ایک ہزار دینار ہو یا کوئی متعین چیز ہو جیسے گھر، یا شائع (مشترکہ) حصہ ہو جیسے چوتھائی ترکہ، تہائی ترکہ، تاہم جمیع ترکہ سے وصیت نکالی جائے گی، اور کل مال سے موصی لہ اپنا حصہ لے گا۔

البتہ اگر ترکہ میں سے کچھ مال فی الحال موجود و حاضر نہ ہو اور کچھ مال لوگوں کے ذمہ دین (قرضہ) ہو تو وصیت کے نفاذ کی مختلف صورتیں ہوں گی، چنانچہ ترکہ میں سے کچھ مال یا تو کسی اجنبی پر قرضہ ہوگا یا کسی وارث پر قرضہ ہوگا۔

اول.... یہ کہ ترکہ میں سے کچھ مال کسی اجنبی (غیر وارث) پر قرضہ ہو۔ اس صورت کی مزید چار صورتیں ہیں۔

پہلی صورت......یہ کہ وصیت کردہ چیز مال مرسل ہو، جیسے ایک ہزار دینار، چنانچہ اگر وصیت موجود ترکہ کے تہائی حصہ سے نکلتی ہو تو موصی لہ اس پر قبضہ کر لے، چونکہ اس کے لینے میں ورثہ کا کوئی نقصان نہیں۔ چونکہ ورثہ کے لئے موجودہ مال کے دو تہائی پھر بھی باقی رہتے ہیں۔

اگر موجود مال سے تہائی حصہ (وصیت کا) نہ نکلتا ہو تو موصی لہ موجود مال کا تہائی لے گا اور جو باقی بچ رہے وہ ورثہ کا ہوگا، پھر جوں جوں ترکہ آتا رہیگا موصی لہ وصول شدہ ترکا کا تہائی لیتا رہے گا اور جو باقی ہوگا وہ ورثہ کا حق ہوگا، موصی لہ تہائی تہائی لیتا رہے گا یہاں تک کہ

اپنا حق وصول کرلے۔

دوسری صورت...... یہ کہ وصیت کردہ چیز کوئی متعین چیز ہو جیسے متعین مکان یا متعین نقدی مال مثلاً یہ نقود یا نقدی امانت جو فلاں شخص کی نگرانی میں ہے:

اس صورت کا حکم مذکورہ بالا صورت جیسا ہے یہ مالکیہ کی رائے ہے، چونکہ متعین چیز کا باقی رہنا موقوف ہے جس کی وجہ سے تقسیم ترکہ میں تاخیر ہوتی ہے، جب کہ تقسیم ترکہ میں تاخیر کرنے سے ورثہ کا نقصان ہوتا ہے، اور متعین چیز کے بقیہ حصہ کا ورثہ کو مالک بنانا نقصان سے خالی ہے، اس میں موصی لہ کا نقصان نہیں چونکہ وہ بقیہ چیز کی قیمت لے کر دستبردار ہو سکتا ہے۔

چنانچہ اگر مکان ہزار روپے کے برابر ہو جب کہ ترکہ جو موجود ہو وہ ایک ہزار پانچ سو ہو، اور غیر موجود ترکہ بھی ایک ہزار پانچ سو ہو تو موصی لہ نصف مکان کا حق دار ہوگا چونکہ نصف مکان موجودہ ترکہ کے تہائی حصہ کے برابر ہے، مکان کا بقیہ نصف حصہ ورثہ کا ہوگا، جب بھی غیر موجود ترکہ میں سے کوئی چیز وصول ہوگی موصی لہ اس کا تہائی حصہ لیتا رہے گا یہاں تک کہ موصی لہ ورثہ کو دیئے ہوئے نصف حصہ کی قیمت وصول کرلے۔

مصر کے قانون دفعہ ۴۳ اور سوریا کے قانون دفعہ ۲۴۱ میں انہی دو صورتوں کو اپنایا گیا ہے۔

اس دوسری صورت کے بارے میں حنفیہ کی رائے ہے کہ موصی لہ متعین چیز کے موجود مال سے تہائی حصہ لے گا اور اس چیز کا باقی حصہ موقوف رہے گا اور جب غیر موجود مال میں سے کوئی چیز وصول ہوگی موصی لہ باقی چیز (موقوف) سے اپنا حصہ لیتا رہے جو موجود مال کے تہائی حصہ کے برابر ہو یہاں تک کہ متعین چیز پوری کی پوری لے لے، اگر غیر موجود (غائب) مال ضائع ہو جائے تو باقی چیز ورثہ کی ملکیت ہوگی۔ چونکہ وصیت کا تعلق تو اسی متعین چیز (مثلاً مکان) سے ہے، لہٰذا وصیت اسی میں نافذ ہوگی جب تک نفاذ ممکن ہو، چونکہ موصی کے ارادہ کو نافذ کرنا ضروری ہے۔ اور بقیہ چیز (مکان) موقوف رہے گا تاوقت یہ کہ غائب مال کی صورت حال واضح ہو جائے، جب غائب مال وصول ہو جائے تو وصیت پوری متعین چیز (مکان) میں نافذ ہو جائے گی، اگر غائب مال وصول نہ ہوا تو باقی چیز ورثہ کی ملکیت ہوگی۔

تیسری صورت......ترکہ میں سے کسی عام حصے کی وصیت ہو جیسے ربع یا ثلث کی، پس اس حالت میں موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی ہے) وہ ورثاء کے ساتھ سارے مال میں شریک ہے چاہے وہ مال موجود ہو یا غائب، دین ہو یا عین پس وہ اپنا حصہ موجود مال سے وصول کرلے گا اور جوں جوں غائب مال میں سے کوئی چیز آئے گی اس سے بھی اپنا حصہ وصول کرتا رہے گا اور یہ فقہی اعتبار سے متفقہ مسئلہ ہے اور اسی کو مصر اور شام کے قانون میں لیا گیا ہے۔

چوتھی صورت...... مال کی کسی قسم میں سے عام حصے کی وصیت ہو مثلاً فلاں طرف کی عمارتوں کا چوتھائی، یا تجارتی مال کا چوتھائی، یا تجارتی قرضوں کا چوتھائی وغیرہ۔

الف.....اگر وصیت کے لئے مال کا کچھ حصہ موجود ہو، تو اگر ثلث سے پورا ہو سکتا ہے تو موصی لہ اس سے اپنا حصہ وصول کرے، لیکن اگر پورا نہ ہو سکے تو اس میں سے تہائی کی مقدار لے لے اور باقی مال ورثاء کا ہوگا، اور جب بھی دین، یا اس غائب مال سے کچھ بھی آئے گا تو موصی لہ اس میں سے حصہ تہائی وصول کرتا رہے گا، یہاں تک کہ اس کا حصہ مکمل طور پر وصول ہو جائے، اور اگر اس قسم کے مال کے باقی حصہ میں ورثاء نے کوئی تصرف کر دیا یا اس کی اصلاح و درستگی کی اور اب اسی موصی لہ کو دینے میں ان کا نقصان ہے تو انہیں حق ہے کہ باقی حصہ کی وہ موصی لہ کو قیمت دے دیں۔

ب......اور اگر وصیت کئے گئے مال کی وہ قسم موجود نہ ہو یا کچھ موجود ہو اور کچھ غائب ہو، تو حنابلہ اور زفر کے ہاں موصی لہ، اس حالت میں صرف اس موجود قسم سے ہی اپنا حصہ لے گا اور جب بھی وہ مال حاضر ہوگا اس میں سے وہ اپنا حصہ لیتا رہے گا، اور باقی ورثاء کا ہوگا۔ حنفیہ کے ہاں موصی لہ غائب مال یا دین میں سے جو بھی آئے گا وہ سارا لیتا رہے یہاں تک کہ اس کا حق مکمل طور پر وصول ہو جائے اور ورثاء میں سے اس کے ساتھ اس کا حصہ مکمل ہونے تک کوئی بھی شریک نہ ہوگا۔ مصری قانون میں پہلی رائے کو لیا گیا ہے۔

دوسری بات: ترکہ میں وارث پر کوئی دین ہو......اس کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی حالت......دین کی کوئی مدت مقرر ہو (مؤجل ہو) اس کا حکم وہی ہے جو اس دین کا حکم ہے جو اجنبی پر ہو سابقہ تمام حالتوں میں لہٰذا موصی لہ صرف موجود مال میں سے اپنا حصہ لے گا یا ثلث کے اندر اندر اور جب دین کی مدت ختم ہوگئی تو اس کے لئے وصیت کی مقدار کامل ہوگی۔

دوسری حالت......دین کی مدت، وفات کے وقت یا تقسیم کے وقت ختم ہو رہی ہو اور وہ وارث کے حصہ سے کم ہو یا اس کے مساوی ہو تو اس دین اور مدیون کے حصہ میں اگر وہ اس جنس سے ہو جو ترکہ میں سے حاضر ہے مقاصات ہوگا اور اس مقاصات کی وجہ سے دین کو مال حاضر شمار کیا جائے گا۔ اگر وصی (وصیت کرنے والا) نے ایک ہزار کی وصیت کی اور دو بیٹے چھوڑے جن میں سے ایک پر ایک ہزار قرض ہو اور وہ تین ہزار ترکہ میں چھوڑے تو ترکے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا بچوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا اور موصی لہ کو بھی ایک اور دین کو حاضر شمار کیا جائے گا لہٰذا موصی لہ ایک ہزار لے لے گا اور وہ بیٹا جس پر قرض نہیں وہ ایک ہزار لے لے گا، اور جس پر دین ہے وہ کچھ بھی نہ لے گا، جب اس کے ترکہ کے حصہ اور جو اس پر دین ہے اس میں مقاصہ ہوا ہو تو اس کا حصہ ترکہ میں سے ساقط ہو جائے گا۔

اگر دین ترکہ میں موجود مال کی جنس سے نہ ہو تو مقاصہ نہ ہوگا، قرض دار وارث کے ترکہ کا حصہ روک دیا جائے گا جیسے رہن کو روکا جاتا ہے دین کی وصولی تک، پس جب اس نے دین ادا کر دیا تو اس کا حصہ اسے سپرد کر دیا جائے گا لیکن اگر اس نے ادا نہ کیا تو قاضی اس کے حصہ کو فروخت کر دے گا اور اس دین کو ادا کر دے گا اس کے ثمن سے۔

تیسری حالت......کہ دین کی ادائیگی کا وقت ہو تقسیم ترکہ کے وقت اور وارث کا حصہ اس کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہو، پس اس حالت میں حصہ سے جو زائد ہے وہ اس طرح ہے جس طرح اجنبی پر قرضہ ہوتا ہے یعنی اسے مال غائب شمار کیا جائے گا۔ اور جو اس کے حصہ کے مقابل ہے اسے موجود مال شمار کیا جائے گا پس موصی لہ حاضر مال سے ثلث کی مقدار پوری لے لے گا پھر وہ ثلث بھی لے گا جو زائد دین ہے حتیٰ کہ اس کی وصیت پوری وصول ہو جائے۔

یہ تمام احکام حنفی مذہب سے لئے گئے ہیں اور انہی کو مصر کے قانون (مادہ ۴۶) اور شام کے قانون (م ۲۴۲ / ۲۔۳) میں قانون بنایا گیا ہے اور ان میں سے ہر ایک نے نقد وغیرہ کو ایک جنس قرار دیا ہے مقاصد کے لئے۔

چوتھی بحث: وصیت باطل کرنے والے اسباب......وصیت چند اسباب سے باطل ہو جاتی ہے، یا تو موصی (وصیت کرنے والے) کی طرف سے جیسے اس کا وصیت سے رجوع کرنا، یا اس کی اہلیت کا زائل ہونا یا موصی کا مرتد ہونا یا تو موصی لہ کی طرف سے جیسے اس کا وصیت کو رد کرنا یا اس کا مر جانا، یا موصی کو قتل کر دینا یا موصی بہ (وہ مال وغیرہ جس کی وصیت کی ہے) کی طرف سے ہوگا اور وہ اس عین کا

ضائع وبرباد ہونا ہے جس کی وصیت کی گئی تھی اور یہ اسباب درج ذیل ہیں:❶

۱۔موصی کی اہلیت کا زائل ہونا جنون مطبق وغیرہ کے ذریعہ.....حنفیہ کے ہاں وصیت باطل ہوجاتی ہے۔جنون مطبق اور معتوہ وغیرہ ہونے سے، چاہے وہ موت تک پہنچے یا موت سے پہلے ہی ختم ہوجائے اس لئے کہ وکالت کی طرح وصیت غیر لازم عقد ہے، لہٰذا اس کے بقاء کے لئے ابتداء کا حکم ہے، پس جب جنون ابتداءً وصیت کے لئے نااہل بناتا ہے کیونکہ مجنون کی بات لازم نہیں ہوتی، لہٰذا جنون مطبق کا طاری ہونا اسے باطل کردیتا ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں جنون مطبق وہ ہے جو ایک ماہ یا اس سے زیادہ تک رہے اسی کو قانون میں اختیار کیا گیا ہے، اور امام محمد کے ہاں: وہ ہے جو ایک سال تک رہے، اور معتوہ ہونا بھی جنون کی طرح ہے۔

اگر جنون مطبق نہ ہو تو وصیت باطل نہ ہوگی کیونکہ یہ حالت بے ہوشی کے مشابہ ہے، اور عقد کو باطل کردیتا ہے کیونکہ یہ عقل کو زائل نہیں کرتا، جیسے موصی پر بے وقوفی یا غفلت کی وجہ سے پابندی لگائی گئی ہو تو باطل نہیں ہوتی۔مصر کے قانون (دفعہ ۱۴۔۱۶) اور شام کے قانون (دفعہ ۲۲۰/۱) میں ان احکام کو لیا گیا ہے لیکن جنون مطبق جو موت تک ہو اسے باطل قرار دیا ہے۔

جمہور کے ہاں.....جنون سے وصیت باطل نہیں ہوتی، چاہے مطبق ہو یا نہ ہو، چاہے موت تک پہنچے یا نہ، جب وہ ابتداءً عقد کے وقت اہل عاقل بالغ تھا، اور عقود وتصرفات میں صرف بوقت انشاء اہلیت کا ہونا معتمد ہے، اور اس کے بعد اس کا زائل ہونا صحت عقد وتصرف میں مؤثر نہیں، اس لئے کہ بیع، اجارہ اور وقف وغیرہ۔جنون طاری سے باطل نہیں ہوتے یہی میرے ہاں راجح ہے، کیونکہ کل اہلیت انعقاد کے وقت مطلوب ہے، رہ گیا موصی کا وصیت سے رجوع اگر اسے جنون نہ ہوتا تو یہ ضعیف احتمال ہے۔

۲۔موصی کا مرتد ہوجانا.....حنفیہ اور شوافع کے ہاں اور مالکیہ کے ہاں موصی لہ کا مرتد ہونا بھی جب کہ وہ مرتد مرے اور اسلام میں نہ آئے۔کیونکہ اس کی ملکیت موقوف ہے اصح قول کے مطابق اور قانون نے ارتداد سے تعرض نہیں کیا، کیونکہ اس کا وقوع کم ہوتا ہے اور حنابلہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے کیونکہ وہ مرتد کی وصیت کے صحت کے قائل ہیں:

۳۔ایسی شرط پر وصیت کو معلق کرنا جو حاصل نہ ہو.....مثلاً کہے: اگر میں اپنے اس مرض میں مرگیا یا اس سفر میں مرگیا تو فلاں کو فلاں چیز دی جائے۔وہ مرا نہیں تو وصیت باطل ہے کیونکہ اس نے وصیت کو بیماری یا سفر میں مرنے کے ساتھ معلق کیا ہے اور یہ چیز حاصل نہیں ہوئی مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

۴۔وصیت سے رجوع.....اس سے بھی بالاتفاق وصیت باطل ہوجاتی ہے۔کیونکہ یہ غیر لازم عقد ہے لہٰذا موصی کے لئے جائز ہے کہ وہ جب چاہے اس سے رجوع کرلے، کیونکہ یہی ہے جس کی طرف سے صرف ایجاب پایا گیا، نیز یہ ایک ایسا عقد ہے کہ اس کا حکم صرف موصی کے مرنے کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اس سے پہلے موصی لہ کا حق اس ایجاب پر مرتب نہ ہوگا، لہٰذا اسے جاری رکھنے اور رجوع کرنے کا اختیار ہے۔پھر رجوع یا تو صریح ہوگا یا دلالۃً ہوگا۔

صریح رجوع.....ایسے الفاظ سے ہو جو رجوع کے لئے بطور تصریح استعمال ہوتا ہو، جیسے موصی کا کہنا: میں نے فلاں کی وصیت سے رجوع کرلیا، یا میں نے اسے ترک کردیا، یا میں نے اسے باطل کردیا، یا میں نے اسے توڑ دیا، یا جس چیز کی میں نے فلاں کو وصیت کی

❶.....البدائع: ۷/۳۹۴، الدر المختار: ۵/۴۶۹۔۴۷۱، الشرح الصغیر: ۴/۵۸۴۔۵۸۷، الشرح الکبیر: ۴/۴۲۶۔۴۲۸۔مغنی المحتاج: ۳/۳۹۔۷۱، وما بعدھا، المھذب: ۱/۴۶۱، وما بعدھا، غایۃ المنتھی: ۲/۳۵۳، وما بعدھا، کشاف القناع: ۴/۴۱۸۔

وہ میرے ورثاء کے لئے ہے وغیرہ۔ یہ فقہی اور قانونی اعتبار سے متفقہ مسئلہ ہے، کیونکہ موصی کا وصیت سے عدول اس میں صریح طور پر پایا جاتا ہے، اور وہ عدول کا مالک ہے جب چاہے۔ لیکن درج ذیل کلمات رجوع شمار نہیں ہوں گے میں اپنی اس وصیت پر نادم ہوں جو میں نے فلاں کو کی۔ یا میں نے جلدی کردی، یا میں نے وصیت موخر کردی، کیونکہ مؤخر کرنا ساقط کرنے کو مستلزم نہیں جیسے مدیون سے دین کو مؤخر کرنا، اسی طرح ''ہر وہ وصیت جو میں نے فلاں کو کی تو وہ حرام ہے'' یہ ہی رجوع پر دلالت نہیں کر رہا یا موصی لہ کو تبدیل کر دیا زید تھا خالد بنا دیا تو اس میں دونوں شریک ہوں گے اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں وصیت کا انکار، رجوع نہیں اسی کو قانون میں لیا گیا ہے، اور امام ابو یوسف اور مالکیہ کے ہاں اسے رجوع شمار کیا گیا ہے جیسا کہ میں نے وصیت کی صفت کی بحث میں بیان کردیا ہے۔

دلالۃ رجوع......موصی لہ (وصیت کی گئی چیز) میں کسی قسم کا تصرف وفعل وصیت سے رجوع کا فائدہ دیتا ہے یہ درج ذیل صورتوں کو شامل ہے:

پہلی صورت...... ہر وہ قولی تصرف جو عین کو وصی (وصیت کرنے والا) کی ملکیت سے نکال دے جیسے وہ موصی بہ کو فروخت کردے یا ہبہ کردے یا اسے صدقہ کردے یا اسے مہر میں دے دے یا اسے وقف کردے اور یہ فقہی اور قانونی اعتبار سے متفق علیہ ہے۔ لیکن کیا اگر وہ چیز موصی کی ملکیت میں دوبارہ آجائے تو وصیت بھی لوٹے گی؟ اس بارے میں دو رائے ہیں جمہور کے ہاں اس میں موصی بہ، موصی کی ملکیت سے نکل گیا اور اس وجہ سے وصیت باطل ہوگئی تو اب دوبارہ ملکیت میں آنے سے وصیت نہیں لوٹے گی، کیونکہ تصرف کرنا قطعی قرینہ ہے اس سے رجوع کیا۔

مالکیہ کے ہاں جب موصی بہ، موصی کی ملکیت میں دوبارہ آگئی تو وصیت بھی لوٹ آئے گی مزید نئی وصیت کے بغیر، ظاہری طور پر راجح پہلی رائے ہے اسی کو قانون میں لیا گیا ہے، کیونکہ ملکیت کے زائل ہونے کی وجہ سے معقود علیہ کا محل فوت ہوگیا۔

دوسری صورت......موصی بہ عین میں کسی بھی قسم کا فعل وصیت سے رجوع پر دلالت کرتا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ جو بالاتفاق رجوع پر دال ہے اور وہ معنوی اعتبار سے موصی بہ عین کو ضائع کردینا ہے جیسے وصیت کی گئی بکری کو ذبح کردینا، موصی لہ روئی کو بن لینا وغیرہ۔ ایسے افعال جو شئی کی حقیقت کو تبدیل کردیں اور وہ موصی بہ کے علاوہ دوسری چیز بن جائے، اور اسی کے ساتھ ملحق ہے وہ صورت کہ جب کوئی ایسی تبدیلی کردی جائے جو اس کے نام کو زائل کردے جیسے انگور کا کشمش بن جانا اور انڈے کا جواز بن جانا وغیرہ۔ اسی طرح اگر موصی کے فعل سے وہ چیز تبدیل ہوجائے اور اس کا نام ختم ہوجائے جیسے دھاگے کو بننا اور کان کو بھرنا، گندم کو پیسنا، اور دانوں کو نکال لینا یہ رجوع شمار ہوگا حتی کہ مالکیہ کے ہاں بھی۔

اور ایک قسم وہ ہے جو بالاتفاق رجوع پر دلالت نہیں کرتی، اور وہ ہر وہ فعل ہے جو عین کے تابع ہے یا اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کیا گیا، اس طور پر کہ عین کی حقیقت میں کوئی تبدیلی نہ آئی ہو اور نہ ہی اس کا نام تبدیل ہوا ہو، مثلاً: اون کترنا، دودھ دھونا، کھیتی اور درختوں کو سیراب کرنا، درختوں کی شاخ تراشی کرنا، گھر کو چونا وغیرہ اور اس کی مرمت کرنا، اس لئے کہ یہ افعال موصی بہ عین سے خارج ایک امر سے متعلق ہیں یہ رجوع پر دلالت نہیں کرتے۔

اور اس طرح کے افعال وتصرفات جو موصی بہ کو موصی کی ملکیت سے نہیں نکالتے جیسے اجارہ اور عاریت وغیرہ یہ رجوع شمار نہیں ہوتے۔ اور ایک قسم وہ ہے جس میں فقہاء کا اختلاف ہے، وہ موصی بہ عین میں ایسی زیادتی واضافہ کرنا جس کے بغیر عین سپرد کرنا ممکن نہ ہو جیسے کپڑے کو رنگنا یا زمین پر تعمیر کرنا یا درخت لگانا اور ستو کو گھی میں ملا دینا۔ اور موصی بہ کو ایسی چیز سے خلط ملط کردینا کہ اسے بغیر مشقت کے جدا کرنا ممکن نہ ہو۔ جیسے آٹے میں چینی ملا دینا یا وصیت کی گئی گندم کو دوسری گندم یا جو سے ملا دینا۔ جمہور کے ہاں مذکورہ

چیزیں رجوع شمار ہوتی ہیں دلالت کے اعتبار سے اور مالکیہ کے ہاں مذکورہ چیزیں رجوع شمار نہیں ہوتیں الّا یہ کہ کوئی اور قرینہ رجوع پر دلالت کرے۔

اور قانون میں مالکیہ کی رائے کو لیا گیا ہے کہ افعال میں سے جو رجوع معتبر ہے اور جن میں رجوع معتبر نہیں اسی طریقہ سے جس کو میں نے وصیت کی صفت میں بیان کیا ہے، اور میں نے مالکیہ کے مذہب کی تحقیق کی ہے کہ کسی چیز کا نام تبدیل ہونا [1] جیسے دانوں کو نکالنا دھاگے کو بنا اور کان (معدن) کو بند کر دینا فتہ کو الگ الگ کرنا اور روئی کو کوٹ بنالینا کہ اس کو رجوع شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن قانون میں اس فعل کو رجوع شمار نہیں کیا گیا جو موصی بہ کے نام کو تبدیل کر دے یا اس کی بڑی بڑی صفات کو تبدیل کر دے الّا یہ کہ کوئی قرینہ دلالت کرنے والا یا عرف ہو کہ موصی نے اس سے رجوع کا ارادہ کیا تھا۔

۵۔ وصیت رد کرنا...... اگر موصی کی صفات کے بعد موصی لہ وصیت کو رد کر دے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے۔

۶۔ متعین موصی لہ کا موصی سے پہلے مر جانا...... اس سے بھی ائمہ اربعہ کے ہاں بالاتفاق وصیت باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ وصیت عطیہ ہے، اور معطیٰ تو مر گیا لہٰذا جس طرح میت کے لئے ہبہ جائز نہیں اس طرح یہ بھی درست نہیں نیز وصیت تو موصی کی وفات کے بعد لازم ہوتی ہے۔ اور اسی طرح حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں اگر موصی کے مرنے کے بعد موصی لہ بھی قبول کرنے سے پہلے مر گیا تو وصیت باطل ہوگی، اور حنفیہ کے ہاں وصیت اس صورت میں باطل نہیں ہوتی، اس لئے کہ ان کے ہاں قبول کا مطلب ہے رد نہ کرنا اور جمہور کے ہاں موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی) کے مر جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے چاہے موصی کو اس کی موت کا علم ہو یا نہ، اور مالکیہ کے، ہاں تفصیل ہے جو پہلے ذکر کر دی گئی۔

۷۔ موصی لہ کا موصی کو قتل کر دینا...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قاتل کے لئے کی گئی وصیت باطل ہوتی ہے، چاہے قتل وصیت سے پہلے ہو یا بعد میں، حتیٰ کہ اگر ورثاء نے وصیت جائز قرار دی اور موصی نے بھی اس کی اجازت دے دی قتل کے بعد موت سے پہلے تب بھی باطل ہے۔ اس سلسلہ میں میں نے تفصیل سے بات کی ہے اور موصی لہ کی شرائط کی بحث میں میں نے دوسرے فقہاء کی رائے کو بھی ذکر کیا ہے۔

۸۔ متعین موصی بہ کا ہلاک ہونا یا استحقاق...... اگر موصی بہ (وصیت کی گئی چیز) بذاتہ متعین ہو اور موصی لہ کے قبول کرنے سے پہلے ہلاک ہو جائے تو وصیت باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حکم وصیت کا محل فوت ہو گیا اور تصرف کے حکم کو ثابت کرنے اور اسے باقی رکھنا بغیر محل کے اور باقی رہنے کے محال ہے، جیسے اشارہ کر کے بکری کی طرف وصیت کرے اور وہ ہلاک ہو جائے تو وصیت باطل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وصیت ایک قائم اور موجود عین سے متعلق ہے وصیت کے وقت۔ اور اس کے بعد وہ عین ہلاک ہو گیا تو محل وصیت ختم۔

اسی طرح اگر ایک عام اور مشترک متعین بالذات جزو میں یا کسی خاص قسم کے مال میں وصیت ہو مثلاً اس گھر کا نصف، یا دس معلوم گھوڑوں میں سے ایک معلوم گھوڑے کی وصیت کی اور وہ ہلاک ہو گیا یا آدھے گھر کی اور وہ گر گیا منہدم ہو گیا تو اس میں وصیت باطل ہے۔ اور موصی لہ کو کچھ بھی نہ ملے گا۔ کیونکہ محل وصیت فوت ہو گیا۔ اسی طرح وصیت باطل ہے اگر موصی بہ عین کا کوئی مستحق نکل آیا چاہے استحقاق موصی کی موت سے پہلے ہو یا بعد میں، اس لئے کہ استحقاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وصیت غیر کی ملکیت میں کی گئی لہٰذا باطل ہے۔ مصر اور شام کے قانون میں ان احکام کو لیا گیا ہے اور موصی بہ کی ہلاکت اور استحقاق کی صورت میں وصیت کے بطلان کا حکم لگایا ہے۔

---

[1] ......فالمهم عند المالكية زوال الاسم وعدم زواله (حاشية الدسوقي : ۴۲۸/۴).

۹۔ وارث کو کی گئی وصیت باطل ہے..... مالکیہ کے ہاں اگر چہ ورثاء اجازت بھی دے دیں کیونکہ حدیث میں ہے ''وارث کے لئے وصیت نہیں''۔

پانچویں بحث.....وصیتوں کا مزاحم ہونا

وصیتیں متعدد ہوا اور ثلث سے ادا نہ ہو سکتی ہوں اور وارث اجازت نہ دیں یا وہ اجازت تو دیں لیکن ترکہ میں تمام وصیتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو۔ وصیتوں کا متعدد ہونا تین امور میں سے کسی ایک سے خالی نہیں۔

۱..... یا تو ساری وصیتیں بندوں کے لئے ہوں مثلاً خالد، بکر اور عمرو کے لئے۔

۲..... یا ساری اللہ کے لئے ہوں جیسے روزوں کی فدیہ کی وصیت۔ نفلی صدقہ کی وصیت، مسجد وغیرہ کی عمارت۔

۳..... یا ان دونوں قسموں میں مشترک ہو بعض اللہ کے لئے اور بعض بندوں کے لئے، لوگوں میں کس طرح وصیتوں کو نافذ کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی۔ ❶ کئی آراء ہیں۔ حنفیہ نے اس کی بہت تفصیل بیان کی ہے اور انہوں نے وصیتوں میں مزاحمت کے حل کے لئے قواعد وضع کئے ہیں۔

۱۔ بندوں کے درمیان وصیتوں میں تزاحم کا قاعدہ..... جب کوئی آدمی بہت سارے اشخاص کے لئے متعدد وصیتیں کر دے اور وہ وصیتیں اس کے مجموعی ترکہ کے ثلث سے زیادہ ہوں اور ورثاء زائد کی اجازت نہ دیتے ہوں یا اجازت تو دیتے ہوں لیکن ترکہ میں وصیتیں پورا کرنا ممکن نہ ہو تو اس کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت..... یہ کہ تمام وصیتوں میں سے ہر وصیت ثلث سے متجاوز نہ ہوں جیسے ایک کے لئے سدس مال کی دوسرے کے لئے ربع کی، تیسرے کے لئے ثلث کی تو ثلث میں سے ہر ایک حصہ لے لے یعنی ہر ایک وصیت ثلث میں سے لے لے اور یہ ثلث ترکہ ۹ پر تقسیم کیا جائے، پہلے کو دو حصے دوسرے کو تین حصے اور تیسرے کو چار حصے دیئے جائیں اور یہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے ہاں متفقہ مسئلہ ہے اور اسی کو قانون نے اختیار کیا ہے۔

دوسری حالت..... کہ وصیتوں میں سے کوئی ایک وصیت ثلث سے زائد ہو مثلاً ایک کے لئے ثلث کی وصیت ہو اور دوسرے کے لئے نصف کی، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ثلث دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔ اس لئے کہ جب ثلث سے زائد کی ورثاء اجازت نہ دیں تو زائد مقدار میں وصیت باطل ہے، تو یہاں دو وصیتیں ہوگئی اور دونوں ثلث سے ہیں اور ان میں تزاحم ہے۔

پس ثلث ترکہ دونوں موصی لھما کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول ہے۔ اور صاحبین اور باقی ائمہ کے ہاں اور اسی کو مصری قانون دفعہ (م ۸۰) اور شامی قانون (دفعہ ۲۵۸) میں لیا گیا ہے کہ ثلث کو ان کے درمیان ان کی وصیت کے حصوں کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ پہلی حالت کی طرح زائد مقدار لغو ہوگی جیسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: اس لئے کہ موصی کی رغبت کی رعایت بھی بقدر امکان لازم ہے کہ موصی لہم میں سے بعض کو بعض سے زیادہ دیا جائے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے تین حالتوں کا استثناء کیا ہے۔ اور وہ محابات، دراہم مرسلہ اور سعایۃ ہے اس میں صاحبین کی تقسیم میں حصوں کے حساب سے موافقت ہے اور اس میں نصف نصف تقسیم نہ ہوئی۔ ❷ میں یہاں پہلی دو حالتوں کی وضاحت کروں گا رہ گئی تیسری صورت تو اس کے بیان کی ضرورت نہیں وہ فی الحال واقع نہیں۔

---

❶.....الدر المختار ۴۶۸/۵، تکملہ فتح القدیر: ۴۶۷/۸۔ ۴۶۹، الکتاب مع اللباب: ۱۸۸/۴، بدایۃ المجتھد: ۳۳۲/۲، المھذب: ۴۵۴/۱ حاشیۃ الباجوری: ۸۶/۲۔۸۸، المغنی: ۵/۶۔ ❷الھدایۃ مع تکملۃ فتح القدیر وحاشیۃ العنایۃ: ۴۴۲/۸۔

محابات...... یہ کہ بعض لوگوں کے مبیع کے ثمن میں کمی کرنا مثلاً ایک شخص یہ وصیت کرے کہ اس کی وہ گاڑی جس کی قیمت تین ہزار ہے وہ اسے ایک ہزار کی فروخت کی جائے اور جو گاڑی چھ ہزار کی ہے وہ دو ہزار میں فروخت کی جائے، اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا اس کے علاوہ کوئی مال نہیں اور وہ نرخوں کے حساب سے وصیت کرنا چاہتا ہو تو یہ ثلث مال یعنی تین ہزار ان دونوں کے درمیان اثلاثا تقسیم ہوگا ایک ثلث پہلے کے لئے اور دو ثلث دوسرے کے لئے۔ رہ گئے دراھم مرسلہ۔ ❶ یہ کہ وہ ایک آدمی کے لئے چار سو دینار کی وصیت کرے، اور دوسرے کے لئے آٹھ سو کی اور اس کا کل ترکہ بارہ سو دینار ہوں اور ورثاء اجازت نہ دیں تو گویا اس نے ایک کے لئے ثلث کی وصیت کی اور دوسرے کے لے دو ثلث کی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق استثناء کی وجہ یہ ہے کہ موصی نے اپنی وصیت میں اس چیز یعنی ثلث سے زیادہ کی تصریح نہیں کی جو وصیت کو باطل کرتی ہے، اور بطلان یہاں مزاحمت اور ترکہ کے تنگ ہونے کے راستہ سے آیا ہے۔ اور دونوں وصیتیں ثلث میں پوری نہیں ہو رہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا کوئی اور مال ظاہر ہو جائے اس وصیت کو باطل نہ کرتا ہو، لہٰذا وصیت باطل نہ ہوگی۔

۲۔ حقوق اللہ میں تزاحم...... جب کچھ وصیتیں کریں جو ثلث سے زیادہ ہوں اور سب کی سب حقوق اللہ میں سے ہوں پھر وہ یا تو مرتبہ کے اعتبار سے متحد ہوں گی، یا ان کے مرتبہ میں تفاوت ہوگا یا وہ مخلوط ہوں گی۔

اگر وہ ایک ہی درجہ و مرتبہ کی ہوں مثلاً سب فرائض ہوں جیسے حج اور زکوٰۃ، یا سب واجبات ہوں یا سب مندوبات و مستحبات ہوں تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہم اللہ کے ہاں اسے مقدم کیا جائے گا جس کو میت نے پہلے بتایا ہو جب اس نے حج اور زکوٰۃ کی وصیت کی ہو تو پہلے حج ہوگا اور جب اس نے قسم کے کفارے اور ظہار کے کفارے کی وصیت کی تو پہلی وصیت مقدم ہوگی جب پہلی وصیت سے کچھ بچ گیا تو وہ دوسری کے لئے ہوگا، اور اگر درجہ کے اعتبار سے مختلف ہوں مثلاً بعض فرائض اور بعض واجبات مثلاً صدقۃ الفطر کے لئے وصیتیں ہوں اور بعض مندوبات کے لئے مثلاً نفلی حج تو فرض مقدم ہوگا پھر واجب پھر مندوب و مستحب۔

۳۔ حقوق اللہ اور بندوں کے حقوق میں وصیت کا تزاحم...... مثلاً وصیت کرے حج، زکوٰۃ اور کفارہ کی تو ثلث ان کے درمیان ارباعاً (چار حصوں میں) تقسیم ہوگا، ہر ایک کو ربع دیا جائے گا، حج کے لئے ربع ثلث، زکوٰۃ کے لئے ربع ثلث، کفارہ کے لئے ربع ثلث اور خالد کے لئے ربع ثلث۔ اور اگر قربات قوت میں برابر ہوں تو اس سے ابتداء ہوگی جس سے موصی نے ابتداء کی یا جو عبادت زیادہ قوی ہے، یا سب پر برابر برابر تقسیم ہوگی۔ مصری قانون (م ۸۰) اور شامی قانون (م ۲۵۸، ۲۵۹) میں سابقہ احکام کے تزاحم میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے سے عدول کیا گیا ہے اور صاحبین کی رائے کو لیا گیا ہے۔

اور باقی مذاہب والے صاحبین کی رائے سے متفق ہیں جب وصیتیں ایسی ہوں کہ ثلث ان سے تنگ ہو تو ثلث کو سب پر تقسیم کیا جائے گا ان کے حصہ کے حساب سے مثلاً اگر کسی نے دو آدمیوں کے لئے وصیت کی ایک کے لئے اپنے نصف مال کی اور دوسرے کے لئے ثلث مال کی ورثاء نے زائد کو رد کر دیا تو ان دونوں کے درمیان ثلث کو اخماساً (پانچ حصوں میں) تقسیم کیا جائے گا۔ اور جب ورثاء نے وصیت کو جائز اور نافذ قرار دیا مثلاً اس نے ایک آدمی کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کی تھی اور دوسرے کے لئے سارے مال کی تو ان کے درمیان مال کو اثلاثاً (تین حصوں میں) تقسیم کیا جائے گا، موصی لہ جس کو نصف کی وصیت تھی وہ اس کا ثلث لے لے گا اور باقی سارا دوسرا موصی لہ لے لے گا، اور جب بعض وصیتیں بعض سے اہم ہوں تو اہم کو نصف پر مقدم کیا جائے گا۔ اور پہلے معلوم ہو چکا کہ مالکیہ کے ہاں مشہور یہ ہے کہ ثلث سے زائد کی وصیت باطل ہے، اگرچہ ورثاء اجازت بھی دے دیں، اور اجازت کے وقت ثلث سے زائد کو ورثاء کی طرف سے نیا عطیہ شمار کیا جائے گا۔ نہ کہ میت کی وصیت کی تنفیذ، لہٰذا اس میں شرط یہ ہے کہ اجازت دینے والا وارث تبرع کا اہل ہو اور اس

میں قبول کرنا بھی ضروری ہے، اور موصی لہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے اپنے قبضہ میں لے لے مجیز کی طرف سے مانع آنے سے پہلے۔

چھٹی بحث: قانونی طور پر واجب ہونے والی وصیت......اس وصیت کا فقہی استثناء اور یہ کس پر واجب ہے اور اس کے واجب ہونے کی شرطیں، واجب وصیت کی مقدار اور اسے ترکہ سے نکالنے کا طریقہ۔ ❷

واجب وصیت کا فقہی ثبوت اور سبب جواز......میں یہ بیان کر چکا ہوں کے جمہور ائمہ کے ہاں اور ائمہ اربعہ کے ہاں اقارب کے لئے وصیت مستحب ہے اور کسی شخص پر ان کے لئے وصیت کرنا واجب نہیں الا حقوق اللہ یا حقوق العبد میں، لیکن بعض فقہاء کے ہاں جیسے ابن حزم ظاہری، طبری، اور حنابلہ میں سے ابوبکر عبدالعزیز کے ہاں: کہ دیانۃ اور قضاء بھی والدین، اور ان اقارب کے لئے جو میراث سے محروم ہیں وصیت کرنا واجب ہے، یا ایسے لوگ کہ ان کے لئے وراثت سے کوئی مانع ہو جیسے اختلاف دین، پس جب میت اقارب کے لئے کچھ بھی وصیت نہ کرے تو اس کے ورثاء پر واجب ہے یا وصی پر واجب ہے کہ وہ میت کے مال سے ایک غیر محدود چیز نکالے اور والدین اور غیر وارث وارثین کو دے۔ مصر کے قانون (م ۷۶۔۷۹) اور شام کے قانون (م ۲۵۷) میں اس دوسری رائے کو لیا گیا ہے، اس قانون نے میراث سے محروم بعض لوگوں کے لئے وصیت کو واجب قرار دیا ہے، اور وہ پوتے ہیں کہ جن کا والد ان کے دادا یا دادی کے مرنے سے پہلے مر جائے یا وہ سب اکٹھے مر جائیں چاہے حکماً ہی جیسے غرق ہونا یا جل جانا۔ اسلامی نظام وراثت کے مطابق یہ پوتے اپنے دادا دادی کی میراث سے کچھ بھی نہیں لے سکتے کیونکہ ان کے چچے یا پھوپھیاں بقید حیات ہیں۔ لیکن کبھی یہ پوتے فقر وفاقہ کی زندگی میں ہوتے ہیں اور ضرورت مند ہوتے ہیں اور ان کے چچا اور پھوپھیاں صاحب ثروت ہوتی ہیں۔ تو قانون نے واجب وصیت کا یہ قانون بنایا اس مشکل کے حل کے لئے اسلامی شریعت کی روح کے ساتھ چلتے ہوئے کہ مال ودولت کو عدل وانصاف کے ساتھ تقسیم کیا جائے اس لئے کہ فوت ہونے والے بیٹے کا کوئی قصور نہیں کہ وہ اپنے والد کے حصہ سے محروم رہے جو کہ اپنے والد کے فوت ہونے سے پہلے فوت ہو گیا اور وہ اپنے باپ کے حصے کا برابر کا شریک ہوتا، لہٰذا ان پر حاجت وضرورت اور والد کا نہ ہونا جمع ہو گیا، اور اس لئے بھی کہ پوتے والد کی موت کی حالت میں وارث نہیں ہوتے لہٰذا اولی الامر (حاکم) کے لئے غیر وارث کے لئے مصلحت کی بناء پر ان کی اصلاح کرنی ہے، نیز اپنے دادا کے مال کے وہ زیادہ مستحق ہیں۔

پس جب دادا یا دادی ان پوتوں کے لئے ان کے اصل حصص کے مطابق وصیت نہ کریں۔ تو ان پر واجب ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کے لوگوں کے لئے وصیت کرنا، کہ وہ ثلث سے زیادہ نہ ہو کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؑ

البقرۃ: ۲/۱۸۰

اور اس لئے بھی کہ اس وصیت میں وصیت اختیاری کو قوی کرنے والی چیزیں نہیں ہیں کیونکہ موصی کی طرف سے ایجاب نہیں اور موصی لہ کی طرف سے قبول نہیں لہٰذا یہ میراث کے مشابہ ہے، لہٰذا اس میں میراث کے طریقہ پر چلا جائے گا اور مذکر کو مؤنث کا دوگنا دیا جائے گا اور اصل کی وجہ سے فرع محروم ہو گا اور ہر فرع صرف اپنے اصل کا حصہ لے گی۔

کس کے لئے یہ وصیت واجب ہے......مصری قانون نے اس وصیت کو بیٹے کی اور نیچے تک کے لئے اور بیٹی کی اولاد میں صرف پہلے طبقہ تک کے لئے واجب قرار دیا ہے۔ اور اسی طرح واجب قرار دیا ہے ان فروع کے لیے بھی جو اپنے باپ یا ماں کے ساتھ کسی

❶......المرسلہ: الا المطلقہ غير المقيدة بثلث او ربع او نحوهما۔ ❷الفقه المقارن الأستاذ حسن أحمد الخطيب: ص ۲۲۱۔۳۳۱، الوصية للأستاذ عيسوى: ص: ۶۳۔ ۷۴۔ ۱، الوصية للاستاذ مصطفى السباعى: ص ۱۳۱۔۱۲۷۔

ایک ہی حادثہ میں مرجائیں اور یہ معلوم نہ ہو کہ ان میں سے پہلے موت کس کو آئی، جیسے غرق ہونے والے، جلنے والے یا عمارت کے نیچے دب کر مرنے والے وغیرہ۔

اس لئے کہ فقہی اعتبار سے جن کی وفات کا وقت معلوم نہ ہو تو ان میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس حالت میں فرع اصل کے ساتھ وارث نہ ہوگی لہٰذا اس فرع کی ذریت اور اولاد کے لئے قانوناً وصیت واجب ہے۔ جیسے کہ ان پوتوں کے لئے واجب ہے جن کا باپ یا ماں حقیقتاً مرے ہوں اسی طرح ان کے لئے بھی واجب ہے جن کے والدین کی موت کا حکم لگایا گیا ہو۔

جیسے وہ مفقود جو چار سال یا زیادہ عرصہ غائب ہو جائے اور اس کے ہلاک ہونے کا گمان ہو جیسے لڑائی وغیرہ میں۔

اور شام کے قانون میں اس وصیت کو صرف پوتوں کے لئے خاص کیا گیا ہے، چاہے مذکر ہوں یا مونث، لیکن پوتیوں کے لئے نہیں اس لئے کہ یہ اس حالت میں میراث سے محروم نہیں کیونکہ ان کے خالو اور خالائیں موجود ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ ذوی الارحام میں سے ہیں جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ذوی الفروض اور عصبات کے نہ ہونے کی صورت میں وارث ہوتے ہیں۔ اور اولیٰ یہ ہے کہ مصری قانون کو لیا جائے، کہ ایک جنس کے دو گروپوں میں ان کے ہاں برابری ہے چاہے ایک طبقہ کے ہوں یا زیادہ کے۔

اس وصیت کے واجب ہونے کی شرائط...... اس وصیت کے واجب ہونے کے لئے شامی اور مصری قانون نے دو شرطیں لگائی ہیں:

پہلی یہ کہ والد کا فرع اس مرنے والے کا وارث نہ ہو۔ اگر اس سے وارث ہے اگرچہ تھوڑی میراث ہی کیوں نہ ہو تو اس وصیت کا مستحق نہ ہوگا۔

دوسری شرط یہ کہ مرنے والے نے اسے اتنا نہ دیا ہو جو واجب وصیت کے برابر ہے بغیر عوض کے دوسرے طریقہ سے مثلاً ھبہ یا وصیت، اگر اس نے اسے عطیہ کیا۔ اتنا جتنا وہ اس وصیت کا مستحق تھا۔ تو اس پر واجب نہیں۔ لیکن اگر اس نے اس سے کم دیا تو اس پر واجب ہے کہ واجب وصیت کی مقدار کو مکمل کر دے، اور جب اس نے بعض مستحقین کو عطیہ کیا اور بعض کو نہ کیا، تو محروم کے لئے اپنے حصہ کی بقدر وصیت واجب ہے۔

واجب وصیت کی مقدار...... پوتے مستحق ہیں مصری قانون میں اپنے مردہ والد کے حصے کے کہ اگر ان کا اصل اس کی زندگی میں مرجاتا تو اس کا حصہ ثلث سے زائد نہ ہوتا، اگر زائد ہو گیا تو زائد ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، یہ ہے قانون میں واجب وصیت کی مقدار رہ گئے وہ فقہاء جو اس وصیت کے والدین اور اقارب غیر وارث کے وجوب کے قائل ہیں تو وہ اس وصیت کی مقدار کی حد مقرر نہیں کرتے، اور اس قانون میں مقرر حد کی بناء پر، اگر کوئی آدمی مر گیا اور اس کے پیچھے ایک بیٹا، دو بیٹیاں اور اپنے فوت شدہ بیٹے کی اولاد ہو جو اس کی زندگی میں مر گیا ہے، تو یہ پوتے اسی مقدار کے مستحق ہوں گے جس کا ان کا والد مستحق ہوتا اگر زندہ ہوتا، اور یہ ثلث ترکہ ہے۔ اور شام کے قانون میں یہ والد کے حصہ کے مستحق ہوں گے۔ اور اگر وہ مرجاتے اور اس کا ایک بیٹا ایک بیٹی اور بیٹی کی اولاد ہو جو اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوئی تو مصری قانون کے مطابق بیٹی کی اولاد بھی لے گی جب کہ شامی قانون میں نہیں لے سکتی، اور ان کی ماں کا یہاں ترکہ میں سے چوتھا حصہ ہے۔ اگر وہ مرے اور اس کا ایک بیٹا ایک بیٹی اور بیٹے کی اولاد ہو جو والد کی زندگی میں مر گیا اگر بیٹا جس کا مستحق ہوتا وہ ترکہ کا خمس ہوتا اور ثلث سے زیادہ ہے تو اس کی اولاد صرف ثلث لے گی۔

اس وصیت کو مقدم کرنا...... قانون میں تصریح ہے کہ واجب وصیت دوسری اختیاری وصیتوں پر مقدم ہے کہ ثلث ترکہ میں سے

پہلے اسے پورا کیا جائے گا، اور اختیاری وصیتیں وہ ہیں جو موصی نے اپنی موت سے پہلے اپنے اختیار سے کی ہوں اگر چہ دیانۃً وہ واجب ہی ہوں جیسے نماز اور روزے کی وصیت کیونکہ وہ اس سے مؤکد ہے، کیونکہ اس کے لئے بندوں کی جانب سے مطالبہ ہے اگر تمام واجب اور اختیاری وصیتیں ثلث کو گھیر لیں تو تمام نافذ ہوں گی اگر سارے کو نہ گھیریں تو پہلے واجب وصیتیں نافذ ہوں گی پھر دوسری وصیتیں تزاحم وصایا کے احکام کے اعتبار سے۔

شام اور مصر کے قانون میں مقدار واجب میں فرق......دفعہ نمبر ۲۵۷ میں تصریح ہے۔

فقرہ......شام کے شخصی حالات کے قانون میں کہ۔

الف...... یہ کہ ان پوتوں کے لئے واجب وصیت ان کے اس حصہ کے حساب سے ہوگی جس کا ان کا والد اپنے والد سے وارث ہوتا اس طور پر کہ اس کا والد پہلے فوت ہو جاتا کہ یہ ثلث ترکہ سے نہ بڑھے۔

اور اس میں واضح تصریح ہے کہ پوتے کا حصہ وہ ہے جو اگر اس کا والد زندہ ہوتا تو اپنے والد کے حصہ سے لیتا، اور مصر کے قانون دفعہ (۷۶) میں جو تصریح ہے وہ شام کے قانون دفعہ (۲۵۷) سے ماخوذ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ پوتے کو اپنے مردہ باپ کا پورا حصہ دیا جائے، ثلث ترکہ میں سے اور واجب وصیت کا حق پہلے ہے اختیاری وصیتوں سے اور یہ وہ نہیں جو وہ اپنے باپ کے حصہ سے لے۔ یہ فرق درج ذیل دو مثالوں سے واضح ہوتا ہے۔

شامی طریقہ کے مطابق مثال اول:

٢٤[٤]	٥٥[٩٦]	٢٤	٣٩[٦]	٢٨٨	٢٨٨ علی [٢]	
٨/١بیوی (٤)	٣	١٢	٣	٣٦،١٢	٢٢	٦٩١٢
١/٦	٤	١٦	٤	١٦	٨٤	٨٨٠
٣/٢(بیٹی) (٢)	١٦	٦٤	١٧	٣٤	١٠٢	٣٥٢٠
م بیٹے کی بیٹی (٣)				متوفی کے بیٹے کو (٣٤) بیٹے کو (١٠٢)	٦٨	١٦٣٢

ملاحظہ فرمائیے کہ پوتا جو لے رہا ہے وہ (۱۶۳۲) حصہ ہے جو ثلث ترکہ سے کم ہے اس لئے کے بیٹوں کے لئے دو ثلث ہیں اور مسئلہ (۶۹۱۲) سے بنا ہے اور چھ تک بڑھا ہے۔

مصری طریقہ کے مطابق مثال ثانی:

٢٤		٢٤	٨/٩٦		٧٦٨	١١٥٢
٨/١بیویاں (٤)	٣	١٢ یہ ثمن ہے	٣	١٢	٩٦	٩٦
٦/١اماں	٤	١٦ یہ سدس ہے	٤	١٦	١٢٨	١٢٨
٣/٢بیٹی (٢)	١٦	٦٤	٩	٣٦	٥١٢	٥١٢
بیٹے کی بیٹی (٣)		ثلث کے حساب سے حصہ		٨	٣٢	٣٨٤
ماں شریک بہن						
حقیقی بہن	١	٤		٣٢		٣٢

ملاحظہ کریں یہاں اس مسئلہ میں بیٹے کی بیٹوں کو اپنے والد کا کامل حصہ نہیں دیا کیونکہ وہ ثلث ترکہ سے بڑھ رہا تھا بلکہ صرف ثلث پر اختصار کیا ہے جو (۳۸۴) بنتا ہے۔ اصل مسئلہ ۱۱۵۲ یعنی (۲۳۰۴) (۶۹۱۲) سے اور یہ تصحیح شام کے طریقہ سے زیادہ آسان ہے لیکن شام کے قانون میں عمل یہاں مثال کے عمل پر ہے اور مصر کے قانون میں پوتوں کو صرف ثلث کے اندر اندر حصہ دیا ہے، والد سے وراثت کے حصہ کے اعتبار سے نہیں اور یہ ثلث یا کامل حصہ والد کا جب ثلث سے کم ہو تو پھر اولاد میں "للذکر مثل حظ الا نثیین" کی ترتیب پر تقسیم ہوگا۔

واجب وصیت نکالنے کا طریقہ...... قانون میں واجب وصیت نکالنے کے طریقہ کی تصریح نہیں لیکن وہ ضروری درج ذیل امور کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

۱...... نکالی گئی مقدار ثلث ترکہ سے زیادہ نہ ہو۔

۲...... کہ وہ دادا کی موجودگی میں مرنے والے والد کے حصہ کی مقدار کا ہو۔

۳...... اور اس کا نفاذ اس طرح ہو کہ جو نکالا گیا وہ وصیت ہو نہ کہ میراث اور میراث تو پورے ترکہ سے نکالی جاتی ہے نہ کہ ثلث سے۔

طریقہ...... یہ ہے کہ فوت شدہ شخص کو جو والد کی زندگی میں فوت ہوا زندہ تصور کیا جائے اسے اس کا حصہ دیا جائے، پھر یہ حصہ ترکہ میں سے لیا جائے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ ثلث سے زیادہ نہ ہو اور وہ پوتوں کو دے دیا جائے، اور پھر باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے اسے دیکھے بغیر جیسے زندہ فرض کیا گیا تھا۔ مثلاً ایک شخص مر جائے اور اس کے تین بیٹے ہوں اور ایک پوتی ہو (فوت شدہ بیٹے کی بیٹی) اور ایک ماں اور ایک باپ، اس میں سب سے پہلے اس بیٹے کا وجود فرض کیا جائے گا جو اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوا پس والد کو سدس ملے گا اور چاروں بیٹوں میں سے ہر ایک سدس پھر فوت شدہ بیٹے کا حصہ نکالا جائے گا تمام ترکہ سے، وہ اس کی بیٹی کو دے دیا جائے واجب وصیت کے طور پر، پھر باقی ترکہ موجود وارثوں پر بالفعل شرعی فریضہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا پس والد کے لئے سدس الباقی ہوگا اور ماں کے لئے بھی اسی طرح اور جو باقی بچے گا وہ تینوں بیٹوں پر اثلاثا تقسیم ہوگا۔

ساتویں بحث: وصیت کا اثبات...... بالاتفاق وصیت کا لکھ لینا مستحب ہے، اور اس کی ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اللہ تعالیٰ کی ثناء وحمد سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درود پڑھنے سے ہو پھر کلمہ شہادت لکھنا اور پڑھنا پھر وصیت پر گواہ بنانا اس کی صحت اور نفاذ کے لئے اور یہ بات میں پہلی بحث میں بیان کر چکا ہوں کہ وصیت عبارت سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور لکھنے سے بھی، اور اسی طرح مالکیہ کے ہاں سمجھ میں آنے والے اشارے سے بھی اور مصر کے قانون (م ۲/۱) اور شام کے قانون (۲۰۸) میں تصریح ہے وصیت کے طریقہ پر اور ذکر کیا ہے کہ وصیت عبارت اور کتابت سے منعقد ہو جاتی ہے جو کتابت پر قادر ہو۔ اور جو قادر نہ ہو تو وصیت اس اشارہ سے بھی منعقد ہو جاتی ہے جو سمجھ میں آنے والا اور اس پر دلالت کرنے والا ہو، اور قانون میں شوافع کا مذہب اختیار کیا گیا ہے، سوائے اس صورت کے کہ جب وہ کتابت اور عبارت سے عاجز ہو جیسے گونگا یا کسی مرض کی وجہ سے تو پھر اشارہ حجت ہے اس کی ضرورت کی وجہ اثبات حقوق اور وصیت ثابت ہوگی اثبات شرعی کے طریقے سے جیسے شہادت اور کتابت اور حنفیہ کے ہاں۔ [1] وہ کتابت اور لکھائی معتبر ہے جو کسی ورق وغیرہ پر واضح لکھی ہوئی ہو اور اس پر عنوان ہو، بایں طور کہ شروع میں لکھے فلاں کی طرف سے فلاں کے لئے اگر لکھائی پڑھی جانے والی واضح نہ ہو جیسے ہوا پر لکھنا اور پانی پر لکھنا تو اس کا اعتبار نہیں اور اگر وہ واضح تو ہو لیکن کتابت کی طرح لکھی ہوئی نہ ہو بلکہ دیواروں

---

[1]...... تکملہ الفتح والعنایۃ ۸/۴۱۵، الفتاویٰ الھندیۃ: ۶/۳۴۷، رد المحتار ۳/۴۴۳۔

یا درختوں کے پتوں پر لکھی ہوئی ہو تو یہ کفایہ ہے اس میں نیت ضروری ہے، اور ان کے ہاں خالی خط کافی نہیں سوائے چند مسائل کے اہل حرب کا امان طلب کرنے کا امیر کو خط، اور سمسار (دلال) سنار اور بائع کا خط رہ گئی گواہی وصیت کے خط پر، تو حنفیہ اور شوافع کے ہاں ❶ یہ گواہوں کے سامنے پڑھنے کے بعد ہوگی، گواہ موصی کے مضمون کو سنیں یا موصی کے سامنے اس پر لکھا گیا پڑھیں، اس لئے کہ فیصلہ بالا جماع گواہ کے خط پر نہیں ہوگا لیکن شوافع کے ہاں کتابت سے بھی وصیت منعقد ہو جائے گی بایں طور کہ مکتوب سے وصیت کی نیت کرے اور نیت کو زبان سے ادا کرے، یا اس کے ورثاء اس کے مرنے کے بعد اسے برقرار رکھیں، البتہ صرف خط سے حنفیہ اور شوافع کے ہاں وصیت ثابت نہیں کیونکہ خط مشابہ ہوتا ہے لہٰذا جھوٹ کا امکان ہے۔

مالکیہ کا مذہب...... ❷ وصیت ثابت ہو جائے گی اگر موصی کا خط ہو اور اس پر گواہ بنائے ہوں اگر چہ اسے گواہوں کے سامنے پڑھا نہ بھی ہو، اور وصیت کا خط نہ بھی کھولا ہو اور وصیت نافذ ہوگی جب کہ گواہ شہادت دیں کہ وہ کہے اس میں جو لکھا ہوا ہے اس کی شہادت دو اور اس میں کچھ مٹا ہوا نہ ہو، اگر چہ وہ خط موصی ہی کے پاس ہو اور اس نے اسے نکالا نہ ہو اور اسی حالت میں گولیا تو بھی وصیت ثابت ہے۔ اور اگر قاضی کے پاس ثابت کرنا ہو تو پھر موصی کے خط کے ساتھ درجہ پر ہونا چاہئے۔ یا اس نے گواہوں کے سامنے پڑھا ہو لیکن موصی دو صورتوں میں وصیت پر گواہ نہ بنائے بایں طور نہ کہے کہ میری وصیت پر گواہ نہ ہو، یا نہ کہے اسے نافذ کرو تو اس کی موت کے بعد وصیت نافذ نہ ہوگی، کیونکہ اس سے رجوع کا بھی احتمال ہے، اگر موصی نے گواہوں سے کہا گواہی دو یا کہا اسے نافذ کرو تو وہ نافذ ہوگی۔

حنابلہ کا راجح مذہب...... ❸ جس نے وصیت لکھی اور اس پر گواہ نہ بنایا تو اس کا فیصلہ دیا جائے گا جب تک اس سے اس کا رجوع معلوم نہ ہو اور وصیت ثابت ہوگی یا جو کچھ بھی اس میں لکھا ہوگا وہ ثابت ہوگا جب یہ ثابت ہو جائے کہ یہ موصی کا خط ہے ورثاء کے اقرار سے یا گواہوں کے ذریعے جو اس کا خط پہنچانتے ہوں اور گواہی دیں کہ اسی کا خط ہے۔ اگر چہ وقت بہت گذر چکا ہو اور موصی کی حالت تبدیل ہوگئی ہو، یا اس کا خط پہچانا جائے اور اس کا خط مشہور ہو اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”کسی مسلمان کے لئے یہ حق نہیں کہ وہ دو راتیں گذارے الا یہ کہ اس کی وصیت اس کے پاس لکھی ہوئی ہونا چاہئے“ آپ نے لکھنے پر اور کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا لہٰذا اسی پر اکتفاء کرنے پر دلالت ہے، نیز اس لئے بھی کہ آپ نے ایسے عمال وغیرہ کو لکھا ہے اس کتابت پر عمل کو لازم قرار دیا ہے، اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے بھی اسی طرح کیا ہے۔ نیز اس لئے بھی کہ کتابت بھی مقصود کی خبر دیتی ہے لہٰذا لفظ کی طرح ہے۔

اور اگر اس نے وصیت لکھی اور کہا جو کچھ اس ورقہ میں ہے اس پر گواہ رہو، یا کہا یہ میری وصیت ہے اس بارے میں میرے اوپر گواہی دو تو اس وقت تک ثابت نہیں جب تک اس میں لکھے ہوئے کو سن نہ لیں یا اس پر پڑھا جائے اور وہ اس کا اقرار کرے اور یہ حنفیہ اور شوافع کے قول کے مطابق ہے۔

خلاصہ...... یہ کہ جمہور کے ہاں اثبات وصیت کے لئے گواہوں کا اس کے مضمون کو سننا یا اس کا موصی کے سامنے پڑھنا اور وہ جو اس میں ہے اس کا اقرار کرے اور مالکیہ کے ہاں اس پر گواہ بنانا کافی ہے، اگر چہ گواہوں کے سامنے اسے نہ بھی پڑھا جائے یا وصیت کا خط نہ بھی کھولا جائے، اور حنابلہ کے ہاں وصیت صرف کتابت ہی سے ثابت ہو جاتی ہے جب کہ موصی کا خط مشہور ہو اور قانون نے اسی رائے کو لیا ہے۔

---

❶...... مغنی المحتاج: ۳/۵۳، ۴/۳۹۹۔ ❷ الشرح الصغیر: ۴/۲۰۱۔ ❸ المغنی: ۶/۲۹، کشاف القناع: ۴/۳۴۳، غایۃ المنتھیٰ: ۲/۳۰۸۔

مصری قانون (م ۲ / ۲) میں دعویٰ کی سماعت کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء کی مخالفت کی ہے اور موصی کی وفات کے بعد وصیت سے رجوع یا وصیت کے دعویٰ میں فقہاء کی رائے گواہوں والی کو معتبر نہیں ٹھہرایا، بلکہ سماعت دعویٰ کے لئے انکار کے وقت اثبات وصیت کے لئے اس میں یا عرفی کاغذ پر لکھا ہونا شرط ہے اور یہ سارا کچھ متوفی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہو اور اس پر اس کے دستخط ہوں اور اس پر کسی کی تصدیق ہو، اور یہ قانون کی جانب سے احتیاط ہے فساد زمانہ کے پیش نظر، اور جھوٹی شہادت کے عام ہونے کی وجہ سے۔

( )

مذکرہ تفسیر یہ میں ہے...... یہاں پر حکم ماخوذ ہے علی بن عبدالسلام التسولی المالکی کے ہاں کہ تبرعات کے عقود میں گواہ بنانا اس کی صحت کے لئے شرط ہے، اور شرعی قاعدہ ہے: کہ ولی الامر کو اختیار ہے کہ وہ مباح کا حکم دے جس میں کوئی عام مصلحت دیکھے اور جب وہ حکم دے تو اس کی اطاعت واجب ہے۔ اور بعض فقہاء کی رائے کے مطابق اس کا امر شرعی حکم ہوتا ہے، تو عقد وصیت یہ تبرعات کے عقود میں سے ہے، لہٰذا کتابی گواہ بھی اس میں جائز ہیں اور صرف زبانی گواہ بھی جائز ہیں، اور جب ولی الامر دیکھے کہ گواہ کتابی ہیں واضح لکھے ہوئے تو تمام لوگوں پر واجب ہے کہ اس پر عمل کریں۔

دوسری فصل: مرض الموت والے مریض کے تبرعات...... کیا مرض الموت والے مریض کے تبرعات وصیت کے حکم میں ہیں؟ مریض موت شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❶ وہ ہے جس میں دو شرطیں پائی جائیں: ایک وہ کہ جس کے ساتھ موت متصل ہو، اگر اس مرض سے صحت یاب ہو گیا جس میں تبرع کیا تھا پھر اس کے بعد مر گیا تو اس کے عطیہ کا حکم صحیح کے عطیہ کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ مرض الموت نہیں۔ دوسری یہ کہ وہ مرض خوفناک ہو، اور مرض مخوف وہ ہے جو آدمی کو صاحب فراش بنا دے جیسے جذام، طاعون، نصف یا پورے جسم کا فالج ہو اس کی انتہاء میں اور اس کی موت لمبی نہ ہو اور ایک دو دن کا بخار، اور اسہال ایک یا دو دن کا، اس کے صاحب کا حکم صحیح کے حکم میں ہے۔ کیونکہ عادتاً اس سے خوف نہیں ہوتا ہے۔ اور میں نے مرض الموت والے مریض کی شرائط کو نظریات فقہی کی بحث میں دوسرے مذاہب بھی بیان کئے ہیں اور یہ واضح کیا کہ حنفیہ کے نے مرض الموت کی مدت کو متعین کیا ہے اس نسبت سے کہ اور زیادہ نہ ہوا اگر زیادہ ہو تو وہ مرض الموت ہے اگرچہ کئی سال تک رہے۔

مریض الموت کے تبرعات...... یا تو منجز ہوں یا موت کے بعد کی طرف مضاف ہوں۔ ❷

ا۔ منجز تبرعات...... مثلاً محابات۔ ❸ اور قبضہ شدہ ہبہ، صدقہ، آزاد کرنا، وقف، دین سے بری کرنا مال واجب کرنے والی وصیت معاف کرنا، ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ علماء کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر یہ صحت کی حالت میں ہوں تو اصل مال سے ہوں گی۔

لیکن اگر مخوف مرض الموت میں ہوں جس کے ساتھ موت متصل ہو۔ تو جمہور کے ہاں وہ ثلث مال سے ہے سابقہ حدیث کی وجہ سے "اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری موت کے وقت تمہارے ثلث مالوں کو تمہارے اوپر صدقہ کیا ہے، تمہارے اعمال میں اضافہ کے لئے نیز اس حال میں ظاہری طور پر موت ہے لہٰذا اس کا اپنے ورثاء کو عطیہ، وصیت کے زمرہ میں ہے لہٰذا ثلث سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور اہل ظاہر سے روایت ہے کہ قبضہ شدہ ہبہ راس المال سے ہوگا۔

---

❶......المھذب: ۱/۴۵۳، المغنی: ۶/۸۴۔ ❷الدر المختار: ۵/۴۶۷، ۴۶۹، ۴۸۱، البدائع: ۷/۳۷۰، الشرح الکبیر: ۴/۴۴۳
بدایۃ المجتھد: ۲/۳۲۲ المھذب: ۱/۴۵۳، المغنی: ۶/۷۱۔۹۵۔ ❸المغنی: ۶/۹۶

۲۔ وہ عطیات وتبرعات جو موت کے بعد کی طرف مضاف ہیں......اس کا حکم وصیت کا ہے اور اس کا نفاذ ثلث پر موقوف رہے گا اور اگر ورثاء اجازت دیں تو ثلث سے زیادہ بھی ہوگا یہ بالاتفاق ہے، امام احمد نے ابوزید انصاری سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کیے اور اس کے پاس ان کے علاوہ کوئی مال نہ تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں قرعہ ڈالا اور دو کو آزاد کر دیا اور چار کو غلام ہی رکھا۔ ❶ مصر کے قانون (م۹۱۶) اور شام کے قانون (م۸۷۷) میں مرض الموت کے مریض کے منجز تبرعات کو بھی وصیت کے حکم میں قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے اس کا ارادہ ظاہر ہو گیا اور دلائل اور قرائن بھی اس پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا یہ قانونی تصرفات کو موت کے بعد کی طرف مضاف کرنے کے لئے کافی ہے اور اس پر ہر طرح سے وصیت کے احکام جاری ہوں گے۔

تیسری فصل......وصیتیں (سرپرستی)

پہلی بحث: وصیوں کی اقسام......وصی کی تین قسمیں ہیں یا یں خلیفہ کا وصی، قاضی کا وصی اور خود مختار وصی: خلیفہ کا وصی وہ جسے خلیفہ بیعت کی وصیت کرے اور وہ شخص خلافت کے لئے موزوں بھی ہو اور شرعاً خلیفہ بنانا جائز ہے مہذب میں فرمایا۔ ❷ جس شخص کے لئے خلافت ثابت ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کی وصیت کر دے اس کے موزوں شخص کے لئے، کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر کے لئے وصیت کی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل شوریٰ کے لئے وصیت کی اور تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس پر راضی تھے، اس سے معلوم ہوا کہ وصی کی بیعت کرنا امت کے لئے ضروری ہے۔ قاضی اور حاکم کا وصی وہ ہے جسے قاضی مالی معاملات کی نگرانی کے لئے معین کرے، اور خود مختار وصی وہ ہے جسے کوئی شخص اپنی زندگی میں موت سے پہلے منتخب کرے مالی معاملات کی نگرانی اور تصرف کے لئے۔ اور وصیت کا نام ہے، اور یہ بات یاد رہے۔ ذی استعداد کا وصیت قبول کرنا قربت اور ثواب کا کام ہے، کیونکہ یہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامٰى، قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ" (البقرۃ: ۲/۲۲۰) آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے ان کی اصلاح میں خیر ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں: اس کا چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں خطرہ ہے۔ یہاں پر خود مختار وصی کے احکام، شرائط وغیرہ بیان ہوں گی، کیونکہ موت کے بعد تصرف کرنے پر یہی مامور ہے اور کتب فقہ میں اس کے لئے "موصی الیہ" کا عنوان اختیار کیا جاتا ہے، اور حجر (پابندی) کے تحت میں اس کے اہم احکام بیان کر دیئے ہیں۔

دوسری بحث: وصایا کے ارکان......حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں وصایہ کے چار ارکان ہیں: موصی (وصیت کرنے والا) وصی (جس کے ذمہ تصرف ہے) موصی بہ (جس چیز کی وصیت کی گئی) اور صیغہ، میں ان ارکان کو بالترتیب ذکر کروں گا۔ ❸

۱۔ موصی...... بالاتفاق ہر عاقل بالغ خود مختار کی وصیت نافذ ہے۔ اور شوافع کے ہاں نشئی کی بھی صحیح ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ موصی سمجھدار ہو وہ والد جو مجبور ہے اس کی وصیت بچے کے لئے صحیح نہیں بچہ ہونے یا بے وقوف ہونے کی وجہ سے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں سمجھدار کی وصیت صحیح ہے، اور شوافع کے ہاں موصی کے لئے بچوں کے سلسلہ میں یہ شرط بھی ہے کہ اسے شرعاً بچوں پر حق حاصل ہو، اور وہ

---

❶ ......نیل الاوطار: ۶/۴۱۔۱ ❷ ۴۴۹/۹، وانظر ایضاً غایۃ المنتہٰی: ۲/۳۷۹۔ ❸ الدر المختار: ۵/۴۹۴۔۵۱۳، الشرح الصغیر ۴/۶۰۴۔۶۱۲ الشرح الکبیر: ۴/۴۵۲، مغنی المحتاج: ۳/۷۴۔۷۸، المہذب: ۱/۴۶۳۔۴۶۴، کشاف القناع: ۴/۴۳۶۔۴۴۵، غایۃ المنتہٰی: ۲/۲۷۸، الہدایۃ مع تکملہ فتح القدیر ۸/۴۹۔۵۰۳۔

صرف باپ دادا اور پر دادا وغیرہ ہیں۔ لہٰذا بھائی، چچا، وصی اور نگران (قیم) کی وصیت ان پر صحیح نہیں اور اسی طرح والدہ کی بھی، اور والد کے لئے جائز نہیں کہ وہ بچوں پر وصی مقرر کرے، جب کہ دادا زندہ موجود ہو، اس لئے کہ دادا کی ولایت تو شرعاً ثابت ہے لہٰذا والد کے لئے اس کی ولایت اس سے منتقل کرنا جائز نہیں جیسے شادی ونکاح کی ولایت ہے، شوافع اور حنابلہ کے ہاں وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ دادا کی موجودگی میں کسی غیر کو وصیت کرے ہاں اگر دادا اجازت دے دے تو پھر جائز ہے۔ اور مالکیہ نے والدہ کو چند شرائط کے ساتھ بچوں کے لئے وصیت کی اجازت دی ہے۔ ایک یہ کہ مال تھوڑا ہو مثلاً ساٹھ دینار ہوں اور وہ بچہ اسی سے مال کا وارث ہو، اور وہ عورت مرجائے اور یہ کہ اس کو کوئی اور وصیت کرنے والا والد، یا والد کا ولی یا قاضی کا وصی نہ ہو، اگر مال زیادہ ہو تو اسے اجازت نہیں وصیت کی۔ بلکہ معاملہ حاکم کے پاس لے جایا جائے گا اور اسی طرح اگر والد یا اس کا وصی ہو تو بھی اسے وصیت کی اجازت نہیں۔ لہٰذا بچے اور مجنون کو وصی بنانا درست نہیں کیونکہ وہ غیر کی ولایت میں ہیں لہٰذا غیر کے حکم کو وہ کیسے ولایۃً حاصل کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی غلام کو وصی بنایا جاسکتا ہے اگر چہ آقا کی اجازت ہی سے ہو حنفیہ اور شوافع کے ہاں کیونکہ غلام والد کے مال میں تصرف نہیں کرسکتا، لہٰذا غیر کے لئے وصی بننے کی اس میں کیسے صلاحیت ہے۔ مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں آقا کی اجازت سے غلام کو وصی بنانا جائز ہے، کیونکہ مال کی نگہبانی کا وہ اہل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: خادم اور غلام آقا کے مال کا نگہبان ہے۔ اور اس سے اس بارے میں پوچھ ہوگی۔ ❶ اسی طرح فاسق اور خائن کو وصی بنانا بھی درست نہیں، کیونکہ وصیت امانت کی وصیت ہے، اور جب وصی عادل ہو پھر اس پر فسق طاری ہو تو اسے معزول کیا جائے گا اگر اس نے تصرف کیا تو اس کا تصرف مردود ہوگا۔ اور اسی طرح نا سمجھ کو بنانا بھی درست نہیں جو بے وقوفی یا مرض یا بڑھاپے یا تغافل کی وجہ سے اچھی طرح موصی بہ میں تصرف نہ کرسکتا ہو، کیونکہ اس طرح کے لوگوں کو وصی بنانے میں کوئی مصلحت نہیں۔ اور غیر امین کو وئی بنانا بھی درست نہیں اگر اس کی خیانت ثابت ہوگئی تو اسے معزول کرنا واجب ہے، اور نہ ہی مسلمان کا وصی کافر کو بنانا اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں نیز وہ متہم ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء: ۴/۱۴۱

اور ارشا، باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ ...... آل عمران ۳/۱۱۸

البتہ ذمی کو ذمی کا وصی بنانا جائز ہے یا مسلمان کا جب کہ کفار کی اولاد سے متعلق وصیت ہو، اس شرط کے ساتھ کہ ذمی اپنے دین میں عادل ہو جیسا کہ اس کا ان کا ولی بننا جائز ہے۔

اور اسی طرح مسلمان کا عادل ہونا بھی شرط ہے، اگر وہ عادل ضعیف ہے یا عاجز ہے تو اس کے ساتھ قوی امین کو ملانا ہوگا۔ اور حنابلہ کے ہاں وصی کے صحیح ہونے کے لئے کام پر قدرت شرط نہیں لہٰذا ضعیف کو بھی وصی بنانا صحیح ہے، اسی طرح ان کے ہاں منتظر کو وصی بنانا بھی جائز ہے: اور وہ وہ ہے کہ جس کی اہلیت کا انتظار ہو کہ بلوغت کے بعد وہ وصی بن سکے یا غائب تھا حاضر ہونے کے بعد بن سکے، جیسے جنون سے افاقہ ہونا، اور فسق کا زائل ہونا، بے وقوفی کا ختم ہونا اور اسلام قبول کرنا، مذکر ہونا اور بینائی والا ہونا شرط نہیں، عورت کا وصی ہونا درست ہے کیونکہ وہ شہادت کی اہل ہے۔ نیز عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیٹی ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصی بنایا۔ ❷ اور بچوں کی ماں باقی عورتوں سے زیادہ اولی ہے، جبکہ اس میں سابقہ شرائط پائی جاتی ہوں، کیونکہ اس میں شفقت زیادہ ہے، اور اندھے کا ولی ہونا بھی صحیح ہے، کیونکہ وہ شہادت کا اہل ہے، لہٰذا اس کو وصی بنانا جائز ہے اس لئے کہ جو کام وہ خود نہیں کرسکتا ان میں کسی دوسرے کو وہ وکیل بنا سکتا ہے۔

---

❶ ...... رواہ ابوداؤد۔ ❷ الدر المختار: ۵/۶۹۶، ۶۹۹، الشرح الصغير ۴/۶۰۸۔

کئی وصی ہونا......کئی وصی ہونا جائز ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دو کے لئے وہ ایک لفظ سے وصیت کرے مثلاً میں تم دونوں کو وصی بناتا ہوں یا دو لفظ ہوں چاہے ایک ہی وقت میں یا دو وقتوں میں جیسا کہ روایت ہے کہ فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف میں نظر کی اور اگر کوئی واقع پیش آیا تو اپنے بیٹے کو ساتھ ملا لینا۔ ان میں سے کسی ایک کو اکیلے تصرف کا اختیار نہیں اور حنفیہ و مالکیہ کے ہاں چاہے ایک ہی عقد میں انہیں متعلق کیا ہو یا دو عقدوں میں ہاں اگر موصی انفرادی جواز کی تصریح کردے تو یہ الگ بات ہے۔ اور حنفیہ کے ہاں اگر ایک دوسرے کو انفرادی تصرف کی اجازت دے دے تو بھی جائز ہے، اور یہ دونوں پر تصرفات میں تعاون لازم ہے۔

اور ان میں سے کوئی بھی بغیر توکیل کے اکیلا مستقل طور پر بیع وشراء اور نکاح وغیرہ نہیں کرواسکتا۔ اگر ان میں سے کوئی ایک مر گیا یا کسی معاملہ مثلاً بیع شراء یا نکاح میں ان کا اختلاف ہوگیا تو مالکیہ کے ہاں حاکم جو چیز اصلح ہے ان کے لئے اس میں غور وفکر کرے گا کہ وصیت میں زندہ کو مستقل رکھے یا اس کے ساتھ کسی اور کو بھی رکھے، یا ان میں سے کسی ایک کے فیصلہ کو رد کردے اور دونوں وصیوں میں سے کسی کے لئے یہ اختیار نہیں کہ وہ وصی کی زندگی میں کسی دوسرے کو وصی بنائے اس کی موجودگی میں اگر اس نے اجازت دے دی تو جائز ہے اور ان دونوں کو جس مال کی وصیت کی ہے اس کی تقسیم کا اختیار بھی نہیں اور حنفیہ کے ہاں اگر موصی نے موت کی حالت میں یا جنون کی حالت میں وصیت کی یا وہ کام کیا جس سے دوسرے کو معزول کیا جاسکتا ہے یا کسی ایک وصی کو تو اس کی وصیت پر عمل کیا جائے گا لیکن اگر اس نے وصیت نہ کی تو قاضی کسی دوسرے کو اس کے ساتھ ملائے گا۔

شوافع اور حنابلہ نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے [1] کہ جب تک موصی کسی ایک کے انفرادی عمل کا تصرف نہ کردے اس وقت تک دو وصیوں میں سے کسی کو اختیار نہیں کہ وہ انفرادی تصرف کرے، کیونکہ موصی دونوں کے تصرف پر راضی ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انفرادی عمل اس کے مخالف ہے۔ اگر موصی نے ان میں سے کسی ایک کے انفرادی تصرف کی اجازت دی تو یہ جائز ہے کیونکہ اس کی رضا پائی جارہی ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک ضعیف ہوگیا یا فاسق ہوگیا یا مر گیا موصی کی رضامندی کے ساتھ تو دوسرے کو انفرادی تصرف کی اجازت ہے۔ اور اس کے قائم مقام دوسرے کو نہ رکھا جائے گا کیونکہ موصی ان میں سے ہر ایک کے انفرادی عمل سے راضی ہے۔ اور اگر اس نے دونوں کو وصیت کی ہو پھر ان میں سے ایک ضعیف ہوگیا تو اس کے ساتھ ایک اور ملایا جائے گا جو اس کی مدد کردے اور اگر کوئی ایک فاسق ہوگیا یا مر گیا تو حاکم اس کا قائم مقام مقرر کرے گا کیونکہ موصی ان میں سے ایک کی دیکھ بھال پر راضی نہیں اور حاکم کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ سارے تصرفات ایک کو تفویض کردے کیونکہ موصی اکیلے اس کے اجتہاد پر راضی نہیں یہ اس سلسلہ میں حنفیہ کے موافق نہیں۔

اور یہ تمام احکام ان وصیوں کے سلسلہ میں ہیں جو متعین نہیں لیکن متعین چیزوں کے لوٹانے میں مثلاً غصب شدہ چیز ہو ودیعتیں اور موصی بہ عین اور دین کی ادائیگی اس کے ترکہ کی جنس سے تو اس میں ہر ایک وصی مستقل ہے۔ اور حنفیہ نے بنیادی طور پر دو وصیوں میں سے ایک کے انفرادی تصرف کے اعلان سے دس صورتوں کو ضرورت کی بنا پر مستثنیٰ کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

موصی کا کفن خریدنا، اس کی تجہیز، اس کے حقوق میں جھگڑا، کیونکہ ان چیزوں میں عادۃً اجتماع محال ہے۔ اور اگر دونوں متفق بھی ہوں تو بات ایک ہی کرتا ہے۔ اسی طرح بچے کی ضرورت کی وہ چیزیں جو ضروری ہیں مثلاً کھانا، کپڑا، کیونکہ اس کی تاخیر سے نقصان ہوتا ہے، بچے کے لئے ہبہ قبول کرنا، کیونکہ اس کی تاخیر میں ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اور متعین غلام کا آزاد کرنا۔ اس میں چونکہ رائے کی ضرورت نہیں، برخلاف اس غلام کے آزاد کرنے کے جو متعین نہیں، ودیعت کا لوٹنا اور متعین وصیت کا نافذ کرنا، اس میں مشورہ کی ضرورت

[1] ......المھذب: ۱/۴۶۳، کشاف القناع: ۴/۴۳۸، مغنی المحتاج: ۳/۷۷۔

نہیں، اور اس چیز کو فروخت کرنا جس کے ضائع ہونے کا خوف ہے، اور منتشر اموال کو جمع کرنا، اور بعض حنفیہ نے اور سات چیزوں کا بھی اضافہ کیا ہے کہ غصب شدہ چیز کا لوٹانا، شراء فاسد سے خریدی گئی چیز کا واپس کرنا، کیلی یا وزنی چیز کو تقسیم کرنا، دین طلب کرنا، جنس حق سے دین ادا کرنا، اور یتیم کے مال کی حفاظت کرنا، اور یتیم کو آزادی کے اعمال کی اجازت دینا وغیرہ۔

حنفیہ اور شوافع کا اتفاق ہے کہ جب دونوں وصی مال کی حفاظت میں اختلاف کریں تو وہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا اگر وہ قابل تقسیم ہو ورنہ مہایات ہوگا زمانہ کے اعتبار سے یا وہ دونوں کسی دوسرے کے پاس ودیعت رکھ لیں کیونکہ ان دونوں کو ودیعت کی ولایت حاصل ہے۔ حنابلہ کے ہاں مال ان دونوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وہ دونوں حفاظت میں شریک ہیں جو کہ تصرف میں لازم ہے، بلکہ مال کو کسی جگہ پر رکھا جائے گا جو ان کے قبضہ میں ہو، اگر ان دونوں کے لئے متعذر ہو تو وہ دونوں اس پر مہر لگائیں گے اور قاضی کے امین کے پاس اسے رکھ دیا جائے گا۔

۳۔ موصی فیہ...... وصیت صرف اس تصرف میں جائز ہے جو معلوم ہو اور موصی اس کا مالک بھی ہو، تا کہ وصی کو معلوم ہو جس چیز کی اسے وصیت کی گئی ہے۔

تا کہ وہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں تصرف کرے، جیسے دین کی ادائیگی کی وصیت، یا وصیت کی تقسیم یا نا سمجھ کے معاملات میں دیکھ بھال جیسے بچے، مجنون اور بے وقوف وغیرہ کی دیکھ بھال، اسی طرح ودیعتوں کا ان کے اہل کو واپس لوٹانا، یا جن کے پاس اس کی ودیعت ہے اسے واپس لانا، اور غصب شدہ کا لوٹانا، اور خلیفہ کا اپنے نائب کی وصیت، حد قذف قائم کرنے کی وصیت، اور یہ آخری حنابلہ اور شوافع کے ہاں ہے۔ ❶ اور وصی اسے موصی سے پورا پورا وصول کرے گا نہ کہ موصی الیہ سے اور حنابلہ کے ہاں ۹ سال سے کم کی شادی کی بھی وصیت کرسکتا ہے اور اگر وصی باپ کا ہے تو اگر باکرہ ہے تو اس پر جبر بھی کرسکتا ہے، یا نو سال سے کم ثیبہ ہے۔

جیسے والد کرسکتا ہے اس لئے کہ اس کا نائب اس کے وکیل کی طرح ہے۔ اور شوافع کے ہاں چھوٹے بچے اور بچی کی شادی کی وصیت دادے کی موجودگی میں نہیں کرسکتا کیونکہ چھوٹے بچے اور بچی کی شادی باپ اور دادا کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا۔ نیز حدیث میں ہے، ''سلطان اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں'' ❷ لیکن اگر بچہ بالغ ہوگیا، اور اس کی بے وقوفی کی وجہ سے وصی اس کی دیکھ بھال کررہا ہے تو اس کے نکاح میں اس کی اجازت کا اعتبار ہوگا۔ اور جب اس کی وصیت خاص ہو حفاظت وغیرہ کے لئے یا عام ہو تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا اگر بچوں کے معاملات میں مطلق وصیت ہو اور تصرف کا تذکرہ نہ کرے تو عرف پر اعتماد کرتے ہوئے وہ مال اور حفاظت میں تصرف کرسکتا ہے۔

۴۔ صیغہ...... بالاتفاق وصیت ایجاب وقبول سے منعقد ہوتی ہے مثلاً موصی کہے میں نے تجھے وصیت کی یا میں نے تجھے سپرد کیا وغیرہ جیسے میں نے تجھے اپنا قائم مقام بنادیا اپنے مرنے کے بعد اپنی اولاد کے بارے میں، یا میں نے تجھے وصی بنادیا، اور گونگے کا اشارہ اور کتابت کافی ہے۔ اور شوافع کے ہاں اسی کے مثل ہے، وہ بولنے والا جس کو بولنے میں رکاوٹ آتی ہو، بایں طور کہ وہ اپنے سر سے وصیت کا اشارہ کرے یا ہاں جواب دے جب اس کے پاس وصیت کا خط پڑھا جائے، کیونکہ یہ بھی گونگے کی طرح عاجز ہے، اور وصیت میں قبول شرط ہے کیونکہ یہ تصرف کا عقد ہے، لہٰذا وکالت کے مشابہ ہے اور شوافع کے ہاں۔ ❸ اصح یہ ہے کہ قبول میں تراخی ہوسکتی ہے، اور یہ حنفی مذاہب کے موافق ہیں۔ اور حنفیہ نے ذکر کیا ہے۔ ❹ اگر وصی، موصی کے علم میں وصیت کو رد کردے تو یہ رد کرنا صحیح ہے، اگر اسے معلوم نہیں تو اس کی عدم موجودگی میں رد کرنا صحیح نہیں کیونکہ اسے اس کی جانب سے دھوکا نہ ہو، اور اگر وصی خاموش رہا اور موصی مرگیا تو وصی کو قبول اور رد کرنے کا اختیار ہے، کیونکہ اس میں دھوکا نہیں اگر موصی الیہ خاموش رہا پھر موصی کے مرنے کے بعد اس نے رد کردیا پھر قبول

❶..... کشاف القناع: ۴/۴۴۱، مغنی المحتاج: ۳/۷۵-۷۷۔ ❷نیل الاوطار: ۶/۱۱۸۔ ❸مغنی المحتاج: ۳/۷۷۔ ❹الدر المختار ۵/۴۹۵۔

کرلیا تو یہ درست ہے اور یہ کہ قاضی اس کے رد کو نافذ کردے تو پھر اس کی بعد قبول کرنا صحیح نہیں اور ترکہ میں سے کسی چیز کے فروخت کرنے یا خریدنے سے عقد وصیت معلوم ہوجاتا ہے اگرچہ اسے معلوم نہ بھی ہو کہ وہ وصی ہے اگر وصی بننے کا علم ہوگیا تو بھی تصرف کے درست ہونے کے لئے یہ شرط نہیں اور حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں وصی کا وصیت کو موصی کی زندگی میں قبول کرنا صحیح ہے، کیونکہ یہ تصرف کی اجازت ہے، لہٰذا وکالت کی طرح عقد کے بعد قبول کرنا صحیح ہے، برخلاف مال کی وصیت میں، کیونکہ یہ ایک وقت میں ٹھیک ہے لہٰذا اس سے پہلے اس کا قبول کرنا صحیح نہیں اور اسی طرح موصی کے مرنے کے بعد بھی قبول کرنا صحیح ہے کیونکہ یہ وصیت کی ایک قسم ہے لہٰذا اس کا اس وقت قبول کرنا صحیح ہے مال کی وصیت کی طرح، جب بھی اس نے قبول کیا تو وہ وصی بن جائے گا، لہٰذا تصرف کا فعل لفظ کے قائم مقام ہوگا جیسے وکالت میں ہوتا ہے، بالاتفاق اور قبول لفظاً شرط نہیں۔ اور شوافع کے ہاں وصی کا وصیت کو موصی کی زندگی میں قبول یا رد کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ تصرف کا وقت داخل نہیں ہوا جیسے وصیت مال کی صورت میں، اگر اس نے اس کی زندگی میں اسے قبول کرلیا پھر اسے اس کی وفات کے بعد رد کردیا تو عقد فوت ہوجائے گا لیکن اگر اس نے موصی کی زندگی میں اسے رد کیا پھر اس کی وفات کے بعد قبول کرلیا تو عقد صحیح ہے۔

اور وصی اور سرپرست بنانے میں توقیت (وقت مقرر کرنا) اور تعلیق دونوں درست ہیں [1] پہلے کی مثال میں تجھے (وصی) سرپرست بناتا ہوں ایک سال کے لئے یا اپنے بیٹے کے بالغ ہونے تک یا زید کے آنے تک اور دوسرے کی مثال جب میں مرگیا تو میں تجھے وصی اور سرپرست بناگیا اس لئے وصی اور سرپرست بنانے میں جہالت اور شرط وغیرہ کا تحمل ہے پس اسی طرح وقت متعین کرنا اور معلق کرنا بھی درست ہے نیز سرپرست بنانا، حاکم بنانے کی طرح ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر بنایا ہے اور فرمایا اگر زید شہید ہوگئے تو جعفر امیر ہوں گے اگر وہ بھی شہید ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر ہوں گے۔ [2]

تیسری بحث......وصی کے تصرفات کے احکام

۱۔ خرید وفروخت......حنفیہ کے ہاں [3] وصی کا خرید وفروخت کرنا کسی اجنبی سے اتنے غبن کے ساتھ جس میں عام طور پر لوگ دھوکا کھاجاتے ہیں صحیح اور جائز ہے، اور یہ غبن یسیر ہے، کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں لیکن جس میں عام طور پر لوگ دھوکا نہیں کھاتے جو کہ غبن فاحش ہے اس سے جائز نہیں۔ کیونکہ اس کی ولایت مصلحت سے مقید ہے اور وصی کو اجازت نہیں کہ وہ یتیم کے مال کو غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرے اور غبن یسیر کے ساتھ بیع درست ہے۔ اگر وصی نے یتیم کے مال میں سے کچھ فروخت کیا یا خریدا اپنے لیے اگر وہ قاضی کا وصی ہے تو یہ مطلقاً اس کے لیے جائز نہیں اور اگر والد کا ولی ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر اس میں بچے کا خاصا نفع ہو تو جائز ہے اور صاحبین کے ہاں مطلقاً جائز نہیں اور والد کے لیے جائز ہے کہ بچے کے مال کو مثل قیمت کے ساتھ اپنے لیے خریدے اور جس میں عام طور پر لوگ دھوکہ کھاجاتے ہیں اس غبن کے ساتھ ورنہ جائز نہیں۔ اور یہ تمام احکام منقولی اشیاء کے متعلق ہیں۔

اور وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ بڑے کے لئے بھی بیع کرے جو کہ غائب ہو لیکن یہ غیر منقولی اشیاء کے علاوہ میں اور وصی کے لئے مطلقاً جائز ہے کہ وہ دین کی ادائیگی کے لئے عقار (زمین) کو فروخت کردے یا عقار کے ہلاک ہونے کا خوف ہو تو بھی فروخت کرسکتا ہے۔

اگر موصی علیہ بڑا ہوا اور حاضر ہو تو وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ترکہ میں کسی بھی قسم کا تصرف کرے الا یہ کہ میت پر دین ہو یا وہ وصی کو اس کی وصیت کرے، اور ورثاء نے وہ قرض ادا نہ کئے ہوں اور نہ ہی انہوں نے وصیت نافذ کی ہو، تو اگر دین پورے ترکہ کو محیط ہو تو سارا ترکہ فروخت کیا جائے گا اور اگر سب کو محیط نہ ہو تو پھر دین کی بقدر فروخت کیا جائے گا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وصی دین سے زیادہ بھی فروخت کرسکتا ہے۔ برخلاف صاحبین کے۔ اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ اور وصیت ثلث کی مقدار میں نافذ کی جائے گی

[1]...... مغنی المحتاج: ۳/۷۷۔ [2] رواہ البخاری۔ [3] الدر المختار: ۵/۵۰۰۔۵۰۳، ۵۱۲، ۵۱۳۔

اور اگر اس کی بقدر ترکہ میں سے کوئی چیز اسے نافذ کرنے کے لئے فروخت کی تو بالاتفاق حنفیہ کے ہاں یہ اس کے لئے جائز ہے۔ اور وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ بچے کی زمین اور غیر منقولی اشیاء کسی اجنبی کو فروخت کر دے، اپنے آپ کو فروخت نہیں کر سکتا ڈبل قیمت پر یا بچے کے نفقہ کے لئے، اور میت کا دین ادا کرنے کے لئے یا مرسل وصیت نافذ کرنے کے لئے ❶ کہ اس کا نفاذ صرف اسی سے ہوتا ہو، یا اس کا مہنگا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے خرچہ سے زیادہ نہ ہو یا اس کی ویران اور خراب ہونے کے خوف سے، یا اس کے نقصان کی وجہ سے یا وہ کسی ظالم کے قبضہ میں ہو کہ وصی اس سے وہ واپس لے، اور اس کے پاس گواہ ہی نہ ہوں اور یہ خوف ہو کہ وہ ظالم اس سے بعد میں لے لے گا، لہٰذا وصی کا اسے فروخت کرنا جائز ہے، اگرچہ بچے کو اس کی رقم کی ضرورت نہ بھی ہو، اور یہ اس وقت ہے کہ جب وصی نہ تو ماں کی طرف سے ہو نہ بھائی وغیرہ کی طرف سے جو کہ اقارب ہیں سوائے باپ دادا اور قاضی کے، کیونکہ ماں یا بھائی کی جانب سے مقرر شدہ وصی زمین تو مطلقاً فروخت کرنے کا مالک نہیں اور نہ ہی وہ کھانے کپڑے کے علاوہ کچھ خرید سکتا ہے، رہ گیا والد جو لوگوں کے درمیان پسندیدہ اور محمود ہے یا وہ مستور الحال ہے تو اس کے لئے چھوٹے بچے کی زمین کو فروخت کرنا مذکورہ اسباب کے علاوہ بھی جائز ہے کیونکہ اس میں بچے کے لئے کامل شفقت پائی جاتی ہے۔ اور والد اور دادا چھوٹے بچے کے مال کو کسی اجنبی سے فروخت کر سکتے ہیں مثل قیمت پر جب کہ وہ فاسد الرای نہ ہوں لیکن اگر ان کی رائے فاسد ہو تو زمین کا فروخت کرنا جائز نہیں اور بچہ بالغ ہونے کے بعد بیع ختم کر سکتا ہے، الا یہ کہ جب اس نے ڈبل قیمت پر فروخت کیا ہو تو نہیں۔ اور اسی طرح مفتی بہ روایت کے مطابق اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ منقولی اشیاء کو ڈبل قیمت سے کم پر فروخت کرے۔ اور والد اور دادا اپنے دو بیٹوں میں سے ایک کا دوسرے کو مال فروخت کرنے کے مالک ہیں، اور یہ وصی کے لئے جائز نہیں اور وصی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یتیم کے مال میں اپنے لئے تجارت کرے اگر اس نے ایسا کیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں منافع کو صدقہ کرے البتہ یتیم کے مال میں یتیم کے لئے تجارت جائز ہے، اور یتیم کے مال کی بڑھوتری کے لئے اس پر جبر نہ ہوگا، اور حنفیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ بچے کے مال میں تصرف کرے جس طرح چاہے۔ البتہ بڑے کا وصی مالکیہ کے ہاں ❷ میت کے وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ بڑے کی ❸ موجودگی میں اس کے ترکہ کو فروخت کرے یا کچھ فروخت کرے دین کی ادائیگی یا وصیت کے نفاذ کے لئے الا یہ کہ بالغ حاضر ہو، اس لئے کہ بالغ کے مال میں وصی کا تصرف درست نہیں، اگر بالغ موجود نہیں یا فروخت سے انکاری ہے تو حاکم بیع کے سلسلہ میں دیکھے یا تو وصی کو حکم دے فروخت کرنے کا یا جسے فروخت کر رہا ہے غائب کے ساتھ اس کو حکم دے یا جنہیں تقسیم کرنا ہے ان میں تقسیم کر دے اگر معاملہ حاکم کے پاس نہ لے گئے اور وصی نے فروخت کیا تو اگر مبیع موجود ہے تو بیع کو رد کر دیا جائے گا لیکن اگر مبیع مشتری کے ہاتھ سے نکل جائے ھبہ کے ذریعہ یا اس نے کپڑے کو رنگ دیا یا گندم کو پیسا یا کھانا کھالیا اور بیع درست تھی تو مستحسن یہ ہے کہ بیع کو نافذ ہی کہا جائے اور سفر کی حالت میں اگر کوئی شخص مر جائے تو اس کا وصی سامان کو فروخت کر سکتا ہے کیونکہ اس کا اٹھانا اس کے لئے بوجھل ہے۔ اور حنابلہ کے ہاں۔ ❹ اگر ضرورت ہو بعض زمین کو فروخت کرنے کی، بچوں کی ضرورت کے لئے اور بعض فروخت کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہو۔

مثلاً بچوں کے لئے ثمن کم ہوں تو وصی ساری زمین کو بچوں کے لئے فروخت کر دے اور بڑوں کی بھی اگر وہ انکار کریں یا غائب ہوں اس لئے کہ وصی والد کے قائم مقام ہے اور والد کل کو فروخت کر سکتا ہے، اور وصی بھی اسی طرح ہے کیونکہ وہ وصی ہے اور بعض کو فروخت کرنے کا مالک ہے تو کل کو فروخت کرنے کا بھی مالک ہے۔ جیسا کہ سارے چھوٹے ہوں یا دین نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہو نیز دین تمام ترکہ کے ہر جزو سے متعلق ہوتا ہے۔

❶.....وصیت مرسلہ وہ ہے جس میں ثلث یا ربع کا ذکر نہ ہو۔ ❷ الشرح الکبیر: ۴/۴۵۳، الشرح الصغیر: ۴/۶۰۷۔ ❸ بڑے کا مطلب بالغ ہے۔ ❹ کشاف القناع: ۴/۴۴۴، غایۃ المنتھیٰ: ۲/۳۸۱۔

۲۔ وکیل اور سرپرست بنانا دوسرے کو..... حنفیہ اور مالکیہ نے ❶ وصی کو اجازت دی ہے کہ وہ کسی دوسرے کو بھی وصی (سرپرست) بنا سکتا ہے اور وصی کا وصی چاہے وصی کے مال کا وصی ہو یا موصی کے مال کا وہ دونوں ترکوں میں وصی ہے۔ اور شوافع اور حنابلہ نے (۵) وصی کو اجازت نہیں دی کہ وہ کسی اور کو وصی بنائے الّا یہ کہ موصی کی اجازت ہو۔ کیونکہ وصی اجازت سے تصرف کرتا ہے لہٰذا وصی مالک نہیں وکیل کی طرح ہے۔

اسی طرح اس فریق ثانی کے ہاں وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کو وکیل بنائے سوائے ان چیزوں کے جن میں اکیلے معمول کے اعتبار سے کام نہ کیا جاتا ہو جیسے وکیل کی یہی کیفیت ہے، جیسے جس چیز کی اسے وصیت کی گئی اس کی کئی جانب ہوں اور کئی جہتیں ہوں اور ان کی ادائیگی کے لئے وصی تعاون کا محتاج ہو یا اسی طرح اگر کام ایسا سخت ہو کہ اس کی مثل اس طرح ہو نہیں سکتا اور وہ کسی قوی شخص کا محتاج ہے جو اس کی ادائیگی کروائے، یا وہ کام ایسا ہے جو مہارت کا محتاج ہو جیسے ہندسہ، تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ ان امور کی انجام دہی کے لئے کسی کو وکیل بنالے۔ ❷

۳۔ وصیت کے لئے مال میں مضاربت، دین کی ادائیگی..... نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا، ختنہ کروانا، صدقۃ الفطر نکالنا، اور قرض کا ضمان دینا۔ مالکیہ کے ہاں ❸ وصی اس مال کو کسی دوسرے کو مضاربت کے طور پر دے سکتا ہے۔ یا ابضاعاً بطور تجارت کسی کو درہم دینا کہ وہ اس سے سامان خریدے، اور وصی پر واجب نہیں کہ وہ یتیم کے مال میں بڑھوتری کرے جیسا کہ حنفیہ نے تجارت کے معاملہ میں وضاحت کی اور وصی پر واجب ہے کہ دین کی ادائیگی کرے، اور اگر تاخیر کرنے میں مصلحت ہو تو وصی دین میں تاخیر کرے، اور وصی کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنی سرپرستی میں موجود بچوں پر خرچ کرے عرف کے مطابق بچے کی حالت کے مطابق اور مال کی قلت وکثرت کے مطابق اور اسے اس کے ختنہ اور شادی پر خرچ کرنے کی اجازت ہے۔ اور جس کے اوپر اسے نگران بنایا گیا ہے وہ اس کا نفقہ دے سکتا ہے، اگر چہ وہ کم ہو اور تلف ہونے کا خوف بھی نہ ہو جیسے جمعہ کو یا ہر ماہ، لیکن اگر تلف کا خوف ہو تو پھر وہ روزانہ اسے دے، اور یہ متفق علیہ ہے اور حنفیہ نے اضافہ کیا ہے کہ وہی بچے کی تعلیم قرآن اور ادب کی تعلیم پر خرچ کر سکتا ہے، ورنہ صرف واجب قرأت کی مقدار علم حاصل کرنے پر خرچ کر سکتا ہے۔ اور وصی یتیم اور اس کی فقیر والدہ کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر سکتا ہے، اور وہ جانوروں، کھیتی اور سامان تجارت سے زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں ❹ وصی اور والد یتیم بچے کے مال سے قرض دینے کے مجاز نہیں۔ اگر قرض دیا تو ضامن ہوں گے اور قاضی اس کا مالک ہے اگر وصی نے اپنے لئے اس کے مال کو قرض لیا تو یہ جائز نہیں اور وہ اس پر دین ہوگا۔

۴۔ موصی لہ کے لئے تقسیم..... حنفیہ کے ہاں ❺ اگر بالغ غائب ہو یا چھوٹے ہوں تو وصی نائب ہونے کی حیثیت سے موصی لہ کے ساتھ تقسیم کر سکتا ہے اور ورثاء موصی لہ پر رجوع نہیں کر سکتے اگر وصی کے ساتھ ان کی قسط ضائع ہو جائے کیونکہ تقسیم درست ہے۔

لیکن موصی لہ غائب ہو یا حاضر تو ہو لیکن اس کی اجازت کے بغیر ورثاء کے ساتھ تقسیم کر دی تو درست نہیں اور اس صورت میں اگر موصی لہ کی قسط ضائع ہو گئی تو ثلث میں سے جو باقی ہے اس میں رجوع کرے گا کیونکہ وہ وصی کے ساتھ شریک کی طرح ہے اور وصی ضامن نہ ہوگا کیونکہ وہ امین ہے۔ اور قاضی کی تقسیم درست ہے۔ اور اگر موصی لہ غائب ہوا تو وہ اس کی قسط لے لے گا اور یہ کیلی اور وزنی چیزوں میں ہے، کیونکہ ان میں تقسیم جدا کرنا ہے، البتہ ان کے علاوہ چیزوں میں تقسیم درست نہیں کیونکہ یہ مبادلہ ہے بیع کی طرح اور غیر کے مال

---

❶ الدر المختار: ۵/۴۹۹۔ الشرح الصغير: ۴/۶۱۱۔ ❷ كشاف القناع: ۴/۴۴۰، المهذب: ۱/۴۶۴، غاية المنتهىٰ ۲/۳۷۹
❸ المهذب، ۱/۴۶۴، تكملة الجموع: ۱۵/۵۲۱۔ ❹ الشرح الصغير: ۴/۶۰۹، ۶۱۰۔ ❺ الدر المختار وردالمحتار ۵/۵۰۳۔

کو فروخت کرنا جائز نہیں اسی طرح تقسیم بھی ہے۔ برخلاف وصی کے والد اپنے اور بچے کے درمیان مشترک مال کو تقسیم کرنے کا مالک ہے۔
مالکیہ کے ہاں ❶ حکم حنفیہ کی طرح ہے کہ وصی غائب ورثہ کی طرف سے تقسیم نہیں کرسکتا حاکم کی اجازت کے بغیر اگر حاکم کی اجازت کے بغیر تقسیم کیا تو تقسیم ٹوٹ جائے گی اور ترکہ خریدنے والے یا اس کے بعض حصہ کو وصی سے خریدنے والے حاکم کی اجازت کے بغیر ان کا حکم غاصب کا حکم ہے ان کے لئے کوئی غلہ نہیں اور جو کچھ ضائع ہوگا وہ اس کے ضامن ہوں گے اگرچہ کسی آسمانی سبب سے ہی ہوا ہو۔ اور اسی طرح حنابلہ کے ہاں ❷ بھی یہی حکم ہے کہ وصی کی تقسیم موصی لہ کے لئے وہ ورثاء پر نافذ ہے کیونکہ وہ ان کی طرف سے نائب ہے اس کا فعل ان کے فعل کی طرح ہے اور وصی کی تقسیم ورثاء کے لئے موصی لہ پر نافذ نہ ہوگی کیونکہ وہ اس کا نائب نہیں جیسے فضولی کا تصرف۔

۵۔ وصی کا میت پر دین کا اقرار، نیز کیا وصی ولایت کا زیادہ حق دار ہے یا دادا؟......حنفیہ کے ہاں ❸ وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ میت پر دین کا اقرار کرے اور نہ ہی اس کے ترکہ میں سے کسی چیز کا اقرار کرنا کہ یہ فلاں کی ہے، کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے سوائے اس کے اقرار کرنے والا وارث ہو تو پھر اس کے حصہ میں اقرار درست ہے۔ اگر وصی نے نقد کا کسی دوسرے کے لئے اقرار کیا پھر دعویٰ کیا کہ یہ بچے کا ہے تو اس کا اقرار مسموع نہ ہوگا، اور والد کا وصی بچے کے مال کا زیادہ حق دار ہے دادا سے حنفیہ کے ہاں اگر والد کا وصی نہ ہو تو دادا، اور بچے کے مال پر ولایت درج ذیل ترتیب پر ہے: والد پھر اس کا وصی پھر وصی کا وصی اگر والد مر گیا اور اس نے وصی نہ بنایا ہو تو ولایت پہلے دادا کے لئے ہوئی پھر اس کے وصی کے لئے پھر وصی کے وصی کے لئے اگر وہ بھی نہ ہوں تو پھر قاضی اور اس کے مقرر کردہ لوگوں کے لئے، اور حنفیہ کے علاوہ باقی ائمہ کے ہاں اولیاء کی ترتیب بیان ہو چکی ہے۔

۶۔ مجور کو مال دینا اور اس کا سمجھدار ہونا......حنفیہ کے ہاں ❹ اگر وصی نے یتیم کے بالغ ہونے کے بعد اور اس کی سمجھداری ظاہر ہونے سے پہلے یتیم کو مال دے دیا اور مال ضائع ہوگیا تو صاحبین کے ہاں وصی ضامن ہوگا کیونکہ اس نے اسے مال دیا جو اس کا اہل نہیں اور سمجھداری کا ظاہر ہونا گواہوں سے ہوگا لیکن اگر وہ بالغ ہونے سے پہلے سمجھدار ہوگیا اور اس نے اسے مال دے دیا تو ضامن نہ ہوگا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اگر پندرہ سال کے بعد اسے مال دیا تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس وقت اسے دینے کی ولایت حاصل ہے۔ مالکیہ کے ہاں ❺ بھی صاحبین کی طرح حکم ہے کہ وصی کی بات گواہوں کے بغیر قبول نہ ہوگی اگرچہ سمجھدار ہونے کے بعد وقت زیادہ ہی کیوں نہ ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۝ النساء: ۶/۴

جب تم انہیں ان کے مال دو تو اس پر گواہ بنا لو اور اللہ تعالیٰ کافی ہیں حساب لینے کے لیے۔ اور حنفیہ کے ہاں اصل یہ ہے کہ ہر چیز پر وصی مسلط ہے اس میں اس کی تصدیق ہوگی اور جس پر وہ مسلط نہیں تو تصدیق نہ ہوگی، لہٰذا وصی کا قول قبول ہوگا جو کچھ اس نے خرچ کیا بغیر گواہوں کے سوائے چند اہم مسائل کے جو یہ ہیں: جب دعویٰ کرے میت کے دین کی ادائیگی کا میت کے مال سے ترکہ فرخت کرنے کے بعد اور ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے یا یہ کہ بچے نے کسی دوسرے کے مال کو بچپن میں ہلاک کیا اور اس نے اس کا ضمان دیا یا اس نے اسے تجارت کی اجازت دی ہے۔ ❻

اس میں اسے دیون لاحق ہوتے، یا اس نے اس کی زمین کے خراج کی ادائیگی کا دعویٰ کیا اور اس کے دعویٰ کے وقت زمین زراعت

❶......المرجع السابق ص ۴۹۹، ۵۱۲۔ ❷الشرح الصغیر: ۶۰۷/۴، الشرح الکبیر: ۴۵۳/۴۔ ❸کشاف القناع: ۴۴۱/۴۔
❹الدر المختار: ۵۰۵/۵۔ ❺المرجع السابق۔ ❻الشرح الصغیر: ۶۱۲/۴۔

کے قابل نہ تھی یا اس نے اس کے ایسے محرم پر خرچ کرنے کا دعویٰ کیا جو مر گیا، یا اس نے اپنے ذمہ میں سے یتیم پر خرچ کیا یا اپنے مال سے خرچ کیا اور رجوع کا ارادہ کیا یا اس نے یتیم کی شادی کروائی اور اس کے مال سے اس کا مہر دیا اور وہ مرگئی تھی، اور یتیم نکاح کا اقرار نہیں کررہا لیکن اگر یتیم نے نکاح کا اقرار کیا تو وصی مہر کا رجوع کر سکتا ہے۔ چاہے عورت زندہ ہو یا مردہ یا وصی نے تجارت کی اور نفع حاصل کیا اور دعویٰ کیا کہ مضاربت پر ایسا کیا ہے، تو ان سب حالتوں میں یتیم کی بات معتبر ہوگی اور وصی ضامن ہوگا، الّا یہ کہ وہ گواہ پیش کرے، اور حنابلہ کے ہاں ❶ وصی کی بات گواہوں کے بغیر معتبر نہ ہوگی جیسے دین کے دعویٰ کرنے والوں کی سوائے ضرورت کے حالات کے مثلاً تجہیز وتکفین سفر میں کی ہو اس کے نفقات کے۔

۷۔ سرپرستوں (وصیوں) کی گواہی...... امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں: ❷ وصیوں کی گواہی بچے کے مال میں مطلقاً باطل ہے، اور بالغ وارث کی میت کے مال میں اور ان کی گواہی میت کے مال کے علاوہ میں صحیح ہے کیونکہ ان کی ولایت اس میں نہیں۔ اس وقت تہمت بھی نہیں کیونکہ میت نے وصی کو اپنا قائم مقام بنایا ہے ترکہ میں نہ کہ غیر میں۔ رہ گیا چھوٹے بچے وارث کے لئے شہادت کا باطل ہونا کیونکہ وصی کو اس کے مال میں تصرف کی ولایت ہے، تو وصیوں کی شہادت ولایت تصرف میں اپنے لئے مظہر ہوئی اور بالغ وارث کے لئے شہادت کا باطل ہونا اس لئے کہ وصی کو اس کی عدم موجودگی میں اس کے مال کی حفاظت کی اور منقول اشیاء کو فروخت کرنے کی ولایت حاصل ہے لہٰذا تہمت پائی گئی اور یہی حنفیہ کے ہاں راجح ہے۔

صاحبینؒ کے ہاں...... اگر دو وصیوں نے بالغ وارث کے لئے شہادت دی تو دونوں صورتوں میں شہادت جائز ہے، یعنی مال میت میں ہو یا کسی اور کے مال میں، کیونکہ جب ورثاء بالغ ہوں تو وصیوں کے لئے ولایت تصرف ثابت نہیں لہٰذا شہادت تہمت سے خالی ہے۔

۸۔ وصی کا یتیم کے مال میں رجوع...... حنفیہ کے ہاں ❸ جب وصی نے بچے کے مال کو جو اسے ترکہ میں ملا تھا فروخت کیا پھر اس کے ثمن ضائع ہوگئے اور مبیع کا کوئی مستحق نکل آیا تو وصی رجوع کرے گا پھر بچہ ورثاء سے رجوع کرے گا اپنے حصہ کے لئے کیونکہ استحقاق کی وجہ سے تقسیم ختم۔

۹۔ وصی اور موصی علیہ کا نزاع...... جمہور فقہاء کے ہاں ❹ وصی امین ہے موصی علیہ کے مال کے ہلاک ہونے کا ضامن نہیں اور جب بچہ بالغ ہوگیا اس کا اور وصی کا نفقہ کی مقدار میں اختلاف ہوگیا تو وصی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ اسی بناء پر شوافع نے کہا، اگر وصی نے کہا میں نے تجھ پر خرچ کردیا اور بچہ کہہ رہا ہے تو نے خرچ نہیں کیا تو وصی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اور نفقہ پر گواہ پیش کرنے اس کے لئے متعذر ہیں، اور اگر ان کا اختلاف ہو جائے نفقہ کی مقدار میں وصی کہے میں نے ہر سال تجھ پر سو دینار خرچ کئے اور بچہ کہے بلکہ تو نے مجھ پر پچاس دینار خرچ کئے اگر جس کا وصی دعویٰ کررہا ہے وہ معروف ہے تو اس کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ امین ہے اور اگر معروف نفقہ سے زیادہ ہے تو اس پر ضمان ہوگا کیونکہ اس نے زیادہ خرچ کرنے میں تفریط کی ہے، اور اگر ان کا اختلاف مدت کے سلسلہ میں ہو جائے وصی کہے میں نے دس سال خرچ کیا اور بچہ کہے پانچ سال خرچ کیا تو اس میں دو صورتیں ہیں اکثر شوافع کے ہاں بچے کا قول معتبر ہے کیونکہ اختلاف مدت میں ہے اور اس میں اصل نہ ہونا ہے اور اصطخری نے کہا وصی کا قول معتبر ہے جیسے کہ مقدار نفقہ میں اختلاف

---

❶...... كشاف القناع: ۴/ ۴۴۱۔ ❷ الدر المختار: ۵/ ۵۰۵، الهداية مع تكمله فتح القدير: ۸/ ۵۰۳۔ ❸ الدر المختار: ۵/ ۵۰۰۔
❹ الدر المختار: ۵/ ۵۰۰ الشرح الصغير: ۴/ ۶۱۱، المهذب: ۱/ ۴۶۴، مغنى المحتاج: ۳/ ۷۸۔

ہو، اگر دونوں میں اختلاف ہو بالغ ہونے اور سمجھدار ہونے کے بعد بچے کو مال دینے میں تو بچے کی قسم کے ساتھ تصدیق ہوگی کیونکہ آیت ''فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ'' کا مفہوم یہی ہے۔

۱۰۔وصی کی اجرت اور وصی کا موصی علیہ کے مال سے نفع اٹھانا......حنفیہ کے ہاں ❶ صحیح یہ ہے کہ میت کے وصی کے لئے اجرت نہیں البتہ استحساناً وہ اگر محتاج ہے تو یتیم کے مال سے کھا سکتا ہے اور اگر وہ وصیت پورا کرنے سے رکے اور اجرت کا مطالبہ کرے تو اسے کام پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع کرنے والے پر زبردستی نہیں ہوتی، لیکن اگر قاضی اجرت مثل مقرر کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔اور وصی اپنی ضرورت کے بقدر یتیم کے مال سے کھا بھی سکتا ہے اور جانور پر سواری بھی کر سکتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے ''وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا، فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ'' اور جو محتاج ہو تو وہ معروف طریقے سے کھائے، اور قاضی کا وصی اگر اسے اجرت مثل کے ساتھ مقرر کرے تو جائز ہے اور حنابلہ کے ہاں ❷ کہ یہ موصی اور حاکم کے لئے جائز ہے کہ وہ وصی کے لئے معلوم اجرت مقرر کریں وکیل کی طرح۔

۱۱۔وصی کا معزول کرنا......فقہاء کا اتفاق ہے کہ درج ذیل حالات میں وصی معزول کیا جا سکتا ہے۔❸

پہلی حالت......موصی یا وصی یا قاضی معزول کرنا چاہے، موصی جب چاہے وصی کو معزول کر سکتا ہے اور وصی بھی اپنے آپ کو موصی کی زندگی میں یا موت کے بعد معزول کر سکتا ہے، وکالت کی طرح، کیونکہ عقد لازم نہیں اور موصی کے معزول کرنے سے وصی معزول ہو جائے گا اگرچہ اسے معزول ہونے کی خبر نہ بھی پہنچے برخلاف وکیل کے۔اور قاضی کے معزول کرنے سے بھی معزول ہو جائے گا اگرچہ قاضی ظالم ہی ہو لیکن قاضی گناہ گار ہوگا اور وصی اس وقت اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے جب اس پر وصیت متعین نہ ہو اور اس کا ظن غالب نہ ہو مال کے ضائع ہونے کا، کسی ظالم یا قابض وغیرہ کے غلبہ سے تو اسے اپنے آپ کو اس وقت معزول کرنا درست نہیں۔

دوسری حالت......مکمل طور پر عاجز ہو جائے، یا خیانت کرے، اگر قاضی کے لئے وصی کا بالکل عاجز ہونا ظاہر ہو جائے تو اس کی جگہ پر دوسرے کو رکھے اور خیانت کی وجہ سے وصی کو معزول کرنا واجب ہے۔

تیسری حالت......مر جائے یا مجنون ہو جائے یا فاسق ہو کیونکہ موت کی وجہ سے تصرف محال ہے اور جنون اور فسق کی حالت میں مصلحت نہیں۔

چوتھی حالت......وصیت کی مدت کی انتہاء ہو جانا جس نے کسی متعین چیز کی وصیت کی اور دوسری چیز کی وصیت نہ کی تو اس کی غایت ختم ہونے سے وصیت ختم ہو جائے گی اور مقررمدت کے ختم ہونے سے، کیونکہ وصی اجازت سے تصرف کرتا ہے لہٰذا اس کا تصرف اجازت کے مطابق ہوگا۔

۱۲۔ضرورت کی بناء پر خرچ کرنا......حنابلہ کے ہاں ❹ اگر کوئی انسان مر جائے اور اس کا کوئی وصی نہ ہو اور جس شہر میں وہ مرا اس میں کوئی حاکم نہیں یا وہ صحراء وغیرہ میں مر گیا یا ایسے جزیرہ میں جس کی کوئی آبادی نہیں تو اس مسلمان کے لئے جائز ہے اس کے ترکہ

---

❶......الدر المختار: ۵/۵۰۳، ۵۱۲۔ ❷ کشاف القناع: ۴/۴۴۱۔ ❸ الدر المختار: ۵/۴۹۵، الشرح الصغیر: ۴/۶۰۶، ۶۰۹ الشرح الکبیر: ۴/۴۵۳، المہذب: ۱/۴۶۳، مغنی المحتاج: ۳/۷۵، کشاف القناع ۴/۴۴۰۔ ❹ کشاف القناع: ۴/۴۴۵۔

کو سنبھالنا جو حاضر ہے، اور وہی اس کی تجہیز کے معاملہ میں ولی ہے، اور ترکہ کے لئے جو مفید ہو وہ کرے فروخت یا حفاظت وغیرہ، کیونکہ یہ ضرورت کی جگہ ہے مسلمان کے مال کی حفاظت کی، اگر اس کا ترکہ ہو تو اس میں سے اس کی تجہیز وتکفین کرے، لیکن اگر اس کا ترکہ نہ ہو تو اپنے پاس سے اس کی تجہیز کرے اور پھر معروف طریقہ کے مطابق وہ اس کے ترکہ میں رجوع کرے جہاں کہیں بھی ترکہ ہو۔ یا اگر اس نے کچھ بھی نہ چھوڑا تو جس پر اس کا کفن لازم ہے۔

اس سے رجوع کرے کیونکہ اس نے اس کی طرف سے واجب پورا کیا ہے اور یہ اس وقت ہے جب اس نے رجوع کی نیت کی ہو یا حاکم سے تجہیز کی اس نے اجازت لی ہو لیکن اگر اس نے تبرع کی نیت کی تو وہ رجوع نہیں کرسکتا جیسا کہ اگر اس نے نہ تبرع کی نیت کی ہو اور نہ رجوع کی تو بھی رجوع نہیں کرسکتا۔

پانچواں باب وقف

اس میں دس فصلیں ہیں۔

پہلی وقف کی تعریف، مشروعیت، صفت اور رکن۔

دوسری وقف کی اقسام اور محل۔

تیسری وقف کا حکم اور واقف کی ملکیت کب ختم ہوتی ہے؟

چوتھی وقف کی شرائط۔

پانچویں شرعاً اور قانوناً وقف کا اثبات۔

چھٹی وقف باطل کرنے والی چیزیں۔

ساتویں، وقف کے اخراجات۔

آٹھویں وقف کو تبدیل کرنے اور ویران ہونے کی صورت میں اسے فروخت کرنا۔

نویں مرض الموت میں وقف کرنا۔

دسویں وقف کا نگران اور متولی (اس کی تعیین، شرائط، وظیفہ اور معزول کرنا) میں اس کے بیان کی ابتداء کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے مدد لیتے ہوئے۔

پہلی فصل......وقف کی تعریف، مشروعیت، صفت اور رکن

پہلی چیز: وقف کی تعریف...... وقف، تحبیس اور تسبیل ایک ہی معنی میں ہیں لغوی اعتبار سے تصرف سے رکنا وقف ہے کہا جاتا ہے وقفت کذا یعنی میں نے روکا، اور اوقفتہ نہیں کہا جاتا، صرف بنو تمیم کی لغت میں اور یہ ردی ہے اس پر عام لوگ ہیں اور أحبس کہا جاتا ہے نہ کہ حبس پہلا فصیح ہے۔ اور دوسرا ردی اور اسی سے ہے موقف کیونکہ لوگ اس میں حساب کے لئے رکیں گے، پھر وقف کا لفظ موقوف پر استعمال ہونے لگا اور وقف سے روکنے کو تعبیر کیا جانے لگا اور مغرب میں کہتے ہیں وزیر الاحباس۔ مذاہب میں وقف کی شرعی طور پر تین تعریفیں ہیں۔

پہلی تعریف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں ...... ❶ مال کو واقف کی ملکیت کے لئے خاص کرنے اور اس کی منفعت کو خیر کے کاموں میں صدقہ کرنا، اس بناء پر شئی وقف شدہ کا واقف کی ملکیت سے زائل ہونا ضروری نہیں اور وہ اس سے رجوع بھی کر سکتا ہے اور اس کی بیع بھی جائز ہے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اصح یہ ہے کہ وقف جائز ہے لازم نہیں عاریت کی طرح اور صرف تین صورتوں میں لازم ہے (لیکن اصح اور مفتی بہ قول صاحبین کا ہے)۔

۱...... یہ کہ اس کا فیصلہ حاکم کرے بایں طور کہ واقف اور ناظر میں جھگڑا ہو جائے کیونکہ واقف لازم نہ ہونے والی علت سے رجوع چاہتا ہے، اور حاکم لزوم کا فیصلہ دے دے تو وقف لازم ہوگی، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اور حاکم کا فیصلہ اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔

۲...... یا واقف اسے اپنی موت کے ساتھ معلق کر دے کہ جب میں مرگیا تو میرا گھر وقف ہے فلاں پر تو موت کے بعد یہ لازم ہے ثلث سے وصیت کی طرح۔

۳...... یہ کہ مسجد کے لئے وقف کر دے اور اپنی ملکیت سے جدا کر دے اور اس میں نماز کی اجازت دے دے جب اس میں کسی ایک نے بھی نماز پڑھی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں واقف کی ملکیت ختم ہو جائے گی اور الگ کرنا تو اس لئے کہ صرف اسی کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہوتا ہے، اور نماز اس لئے کہ طرفین کے ہاں سپرد کرنا لازم ہے۔ اور ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور مسجد میں نماز کے ذریعہ ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی رائے پر دو دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

۱...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کے فرائض میں حبس نہیں۔ ❷ اگر وقف سے موقوف شدہ مال واقف کی ملکیت سے نکل جائے تو یہ تو اللہ تعالیٰ کے فرائض سے روکنا ہے کیونکہ یہ ورثاء اور ان کے حصص مفروضہ میں رکاوٹ ہے۔ لیکن یہ حدیث اپنے ضعف کے باوجود امام صاحب کی مقصود پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ اس سے مراد جاہلیت کی عادت کو باطل کرنا ہے کہ وہ وراثت صرف مذکر اور بڑی بالغ اولاد کو دیتے تھے، چھوٹی اور مؤنث اولاد کو نہیں دیتے تھے۔

۲...... وہ روایت جو قاضی شریح سے ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبس کی بیع کے لئے تشریف لائے جب رسول اس لئے آئے تو ہمارے لئے جائز نہیں کہ ہم ایک اور حبس ایجاد کریں، کیونکہ وقف عین کا روکنا ہے اور یہ غیر مشروع ہے۔ لیکن اس قول میں بھی امام کے مطلوب پر دلالت نہیں اس لئے کہ ممنوع رکھنا وہ ہے جو بتوں اور وثنیت کے لئے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیع اور اسے باطل کرنے کے لئے تشریف لائے اور وقف تو محض اسلامی نظام ہے امام شافعی نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اس مین اہل جاہلیت نے کچھ بھی نہیں روکا بلکہ اہل اسلام نے روکا ہے۔

دوسری تعریف ...... جمہور کے ہاں اور وہ صاحبین ہیں اور انہی کی رائے پر حنفیہ کے ہاں فتویٰ ہے اور شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❸ ہے کہ مال کو اس طرح روکنا کہ اس سے نفع اٹھانا ممکن ہو عین کو باقی رکھتے ہوئے واقف وغیرہ کے تصرف کو ختم کرتے ہوئے کسی مباح مصرف کے لئے یا زمین کے منافع کو بطور خیر اور نیکی کے صرف کرنا، اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اور اس بناء پر مال واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے اور واقف کو اس میں تصرف کرنے سے روکا جائے گا اور زمین کے منافع کو بطور تبرع وقف لازم ہوگا۔ یہ بھی اپنی رائے پر دو دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں:

۱...... ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے: عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خیبر کی زمین میں سے زمین ملی تو عرض کی اے اللہ کے رسول!

---

❶ ...... فتح القدیر: ۵/۳۷، ۴۰، ۴۲، اللباب ۲/۱۸۰، الدر المختار: ۳/۳۹۱۔ ❷ رواہ الدارقطنی عن ابن عباس وفیہ ابن لهيعة أخوه عيسى ضعيفان۔ ❸ مراجع الحنفية السابقة، مغنی المحتاج ۲/۳۷۶ کشاف القناع: ۴/۲۶۷، غاية المنتهیٰ: ۲/۲۹۹۔

مجھے خیبر میں زمین ملی ہے، اس سے زیادہ نفیس مال اور عمدہ مال مجھے کبھی بھی نہیں ملا، آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟

تو آپ نے فرمایا اگر آپ چاہتے ہو تو اس کی اصل کو روک لو اور اسے صدقہ کردو تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے صدقہ کر دیا۔ اس طور پر کہ نہ اسے فروخت کیا جائے نہ ھبہ اور نہ اس میں وارث ہے فقراء ذوی القربیٰ، غلاموں مہمانوں اور مسافروں کے لئے، اور جو بھی اس میں سے کھائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور اس سے مال لیا جائے لیکن ملکیت کے طور پر نہیں۔ ❶ ابن حجر نے فتح الباری میں فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث وقف کی مشروعیت میں اصل ہے۔ اور یہ دلالت کرتی ہے موقوف میں تصرف کرنے پر کیونکہ حبس کا معنی منع ہے یعنی عین کو ملک بنانے سے منع کرنا، اور تملیکی تصرف کا حامل بنانا لیکن یاد رہے یہ حدیث اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ مال موقوف، واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے۔

۲..... پوری امت کا عمل ابتداء اسلام سے آج تک مالوں کو خیر کے کاموں میں خرچ کرنے کے لئے جاری ہے اور واقف کو اس میں تصرف سے روکنے پر۔

تیسری تعریف...... مالکیہ کے ہاں ❷ مالک کا منفعت کو مملوک بنانا اگرچہ اُجرت پر مملوک بنائے، یا اس کے غلہ کو بنانا کسی مستحق کے لئے صیغہ کے ساتھ اتنی مدت جتنی روکنے والا مناسب سمجھے یعنی مالک عین کو روکے رکھے تملیکی تصرف سے اور اس کے منافع کو نیکی کی راہ میں صرف کرے اور یہ تبرع لازمی ہے عین کو باقی رکھتے ہوئے واقف کی ملک میں خاص زمانہ تک اس میں ہمیشگی شرط نہیں اور اجرت کے ساتھ مملوک کی مثال یہ کہ ایک اپنے گھر یا زمین کو کسی کو اجرت پر دے دے معلوم مدت کے لئے پھر اس کے نفع کو کسی مستحق پر وقف کردے اور اسی سے ظاہر ہوئی مملوک کی مراد۔ کہ ایک ذاتی ملکیت ہے اور ایک نفع کی، مالکیہ کے ہاں وقف، موقوفہ چیز میں حق ملکیت کو ختم نہیں کرتا، بلکہ صرف تصرف کے حق کو ختم کرتا ہے، یہ حضرات بھی عین موقوفہ میں ملکیت کے باقی رہنے پر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو روکے رکھو، اور اسے صدقہ کردو، اس میں اس سے حاصل ہونے والے غلہ کے صدقہ کرنے کی طرف اشارہ ہے، شئی موقوف کی ملکیت واقف کے ذمہ میں باقی رکھتے ہوئے، اور اس میں غیر کے لئے تملیکی تصرف سے منع کیا گیا ہے، اس دلیل کے ساتھ جو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا کہ نہ تو اسے فروخت کیا جائے نہ ھبہ اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی اور یہ مشابہ ہے اس کی ملکیت کے جس پر فضول خرچی کی وجہ سے پابندی لگائی گئی ہو۔ کہ اس کی ملکیت اس کے مال میں ہے لیکن اسے اس کی بیع اور ھبہ سے روکا گیا ہے، یہ رائے دلیل کے اعتبار سے باریک ہے لیکن دوسری تعریف لوگوں میں مشہور ہے اور علماء کا اتفاق ہے کہ مساجد کے لئے وقف شدہ وقف میں کسی کی ملکیت نہیں اور یہ کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

دوسری چیز: وقف کی مشروعیت، حکمت یا سبب...... جمہور کے ہاں وقف سنت اور مندوب ہے اور یہ پسندیدہ تبرعات میں سے ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ...... آل عمران ۳/ ۹۲

نیکی کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی پسندیدہ اشیاء خرچ نہ کرو، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ...... البقرۃ: ۲/ ۲۶۷

یہ اپنے عموم کے اعتبار سے نیکی اور اچھے کاموں میں خرچ کرنے کا فائدہ دیتی ہے اور وقف میں مال خرچ ہوتا ہے نیکی کی راہ میں۔

---

❶ ...... رواہ الجماعة (نیل الأوطار: ۲۰/۶)۔ ❷ الشرح الکبیر: ۴/ ۷۶، الشرح الصغیر: ۴/ ۹۷، ۹۸، الفروق: ۲/ ۱۱۱۔

اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث میں کہ اگر تم چاہو اس کی اصل کو روک لو اور اسے صدقہ کردو اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد جب ابن آدم مرجائے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جاتا ہو، یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔ ❶ اور صالح بیٹا وہ جو حقوق اللہ بھی پورے کرتا ہے اور حقوق العباد بھی۔ اہل علم میں سے اکثر سلف اور ان کے بعد کے فقہاء وقف صحیح ہونے کے قائل ہیں، اور اسلام میں سب سے پہلا وقف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے خیبر میں سو حصے آپ نے وقف کئے اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کوئی بھی ایسا صحابی نہیں جس نے وقف نہ کیا ہو۔ اور وقف اسلام کی خصوصیات میں سے ہے نووی رحمہ اللہ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا میری معلومات کے مطابق اہل جاہلیت نے نہ کوئی زمین وقف کی نہ کوئی گھر۔ یہ بات یاد رہے کہ وقف کے کچھ تھوڑے مسائل نیت سے ثابت ہیں اور اس کے اکثر احکام فقہاء کے اجتہاد سے مشابہ ہیں بطور استحصان استصلاح اور عرف کے وقف کی حکمت یا اس کا سبب دنیا میں تو دوستوں کے ساتھ نیکی ہے اور آخر میں ثواب حاصل ہوتا ہے جب کہ اس کا اہل اسے نیت سے کرے ❷ اور حنفیہ کے ہاں وقف مباح ہے کیونکہ کافر بھی کرے تو صحیح ہے اور نذر سے واجب ہوجاتا ہے، عین موقوفہ یا اس کے ثمن کو صدقہ کرے اگر ایسے افراد پر وقف کیا جنہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں جیسے اپنے اصول وفروع کو تو شرعی حکم کے اعتبار سے جائز ہے لیکن اس سے نذر ساقط نہ ہوگی اس لئے کہ واجب صدقہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لے ہو، اور ایسے لوگوں کو دینا جن کی اس کے لئے شہادت جائز نہیں اس میں اس کا نفع ہے، لہٰذا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہوا جیسا کہ ان کو کفارہ یا زکوٰۃ دے، کہ صدقہ ہوگا اور اس کے ذمہ میں یہ باقی رہیں گے۔ ❸

تیسری چیز: وقف کی صفت......امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وقف جائز ہے لازم نہیں اس سے رجوع بھی جائز ہے یہ غیر لازم عطیہ ہے سوائے ان صورتوں کے جو پہلے مستثنیٰ کی گئیں یہ عاریت کے درجہ میں ہے، اسے اختیار ہے جب چاہے اس سے رجوع کرے اور اس کے مرنے سے باطل ہوجاتا ہے اور اس میں میراث جاری ہوتی ہے جیسا کہ رعایت کے حکم میں رائے ہے۔ ❹ اور وقف محمد بن الحسن، شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❺ جب صحیح ہو تو لازم ہوجاتا ہے اقالہ وغیرہ سے فسخ نہیں کیا جاسکتا، اور واقف کا تصرف اس میں ختم ہوجاتا ہے، اور وہ اس میں رجوع کا مالک نہیں اور اس سے اس کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے سابقہ حدیث کی وجہ سے اور یہ بمنزلہ صدقہ اور ہبہ کے ہے، اور لہٰذا اس پر شرعی آثار کا مرتب ہونا ضروری ہے کہ اسے اس جگہ خرچ کیا جائے، جیسے تمام عطیات میں ہوتا ہے، اور امام محمد کے ہاں مشاع کا وقف جائز نہیں جو تقسیم کے قابل ہو۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے ہاں وقف سے ملکیت ساقط ہوجاتی ہے اور یہ طلاق اور اعتاق کی طرح ہے کیونکہ ان میں بھی بیوی اور غلام سے ملکیت ساقط ہوتی ہے، لہٰذا صرف تلفظ ہی سے یہ مکمل ہوجائے گا اور اس میں سپرد کرنا شرط نہیں اور مشاع چیز کا وقف بھی بغیر جدا کئے جائز ہے یہی حنفیہ کے ہاں مفتی بہ ہے کیونکہ اس میں احتیاط بھی ہے اور یہ آسان بھی ہے۔ اور مالکیہ کے ہاں وقف ❻ اگر صحیح ہو تو لازم ہے اور حاکم کے حکم پر موقوف نہیں حتیٰ کہ اگر اس نے قبضہ نہ کیا اور اگر واقف نے کہا مجھے اختیار ہے اور اس سے رجوع کا ارادہ کرتا ہے تو بھی وہ ایسا نہیں کرسکتا اگر اس نے قبضہ نہ دیا تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے قبضہ سے نکالے اور زندگی میں یہ لازم عاریت کے قبیل سے ہے اور وفات کے بعد یہ نفع والی وصیت میں سے ہے، اسی بناء پر واقف کے لئے اس میں رجوع جائز نہیں اور اگر اس نے رجوع کی شرط نہ لگائی ہو تو اسے قبضہ دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اسے اس کا اختیار ہے، اور مرض کی حالت میں وقف میں اسے رجوع کا حق ہے وصیت کی طرح۔

---

❶......قال الترمذی هذا حديث حسن. ❷الدر المختار مع الرد: ۳/۳۹۲، ۳۹۹، ۴۰۱. ❸المرجع والمكان السابق. ❹المرجع السابق: ص ۳۹۴. ❺فتح القدير: ۴۵/۵ المهذب: ۴۴۲/۱، كشاف القناع: ۲۶۸/۴. ❻الشرح الكبير: ۷۵/۴، الشرح الصغير: ۱۰۷/۴.

چوتھی چیز: وقف کا رکن...... حنفیہ کے ہاں (1) وقف کا رکن صیغہ ہے اور وہ الفاظ ہیں جو وقف پر دلالت کریں مثلاً میری یہ زمین غریبوں پر ہمیشہ کے لئے وقف ہے، اور اس طرح کے الفاظ اللہ کے لئے وقف ہے، یا بطور نیکی پر وقف ہے، وغیرہ کے الفاظ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اور اسی پر فتویٰ بھی ہے، اور کبھی کبھار وقف ضرورت کے اعتبار سے بھی ثابت ہوتا ہے مثلاً یہ وصیت کرے کہ اس گھر کی آمدن ہمیشہ کے لئے مسکینوں کے لیے ہے یا فلاں کے لئے ہے اور اس کے بعد مساکین کے لئے ہمیشہ کے لئے لہٰذا گھر ضرورت کی بناء وقف ہوگا اس لئے کہ اس کا کلام ان الفاظ کے مشابہ ہے جب میں مر گیا تو یہ گھر وقف ہے۔

اور ان کے ہاں وقف کا رکن وہ واقف کی جانب سے ہونے والا ایجاب ہے جو انشاء وقف پر دلالت کرنے والا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ رکن کا معنی ہے وہ جز وکہ جس کے بغیر وہ چیز باقی نہ رہے۔ پس وقف اس بناء پر وصیت کی طرح ہے تصرف کے اعتبار سے اور ایک ہی ارادہ سے مکمل ہو جاتا ہے اور وہ صرف وقف کا ارادہ کرنا ہے اور یہی ہے جسے واقف کے ایجاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

جمہور کے ہاں (2) وقف کے چار ارکان ہیں: واقف، موقوف، موقوف علیہ، اور صیغہ اس اعتبار سے کہ رکن وہ چیز ہے جس کے بغیر چیز مکمل نہ ہو سکے چاہے اس کا جز و ہو یا نہ ہو، رہ گیا موقوف علیہ کی جانب سے قبول تو حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول کے مطابق وہ رکن نہیں۔ اور حنابلہ کے ہاں بھی جیسا کہ قاضی ابو یعلی نے ذکر فرمایا، اور نہ ہی وقف کی صحت کے لئے شرط ہے اور نہ ہی استحقاق کے لئے چاہے موقوف علیہ متعین ہو یا غیر متعین، اگر موقوف علیہ خاموش رہا تو بھی وہ وقف کے منافع کا مستحق ہے صرف بات اور قول ہی سے چیز وقف ہو جائے گی، کیونکہ یہ ملکیت کو زائل کرنا ہے جو بیع، ھبہ اور میراث سے روکتی ہے، اس میں قبول کی طلب نہیں جیسے عتق میں، لیکن اگر موقوف علیہ متعین ہو جیسے خالد اور محمد پر وقف اور یہ وقف کو رد کر دیں تو یہ وقف کے منافع میں سے کسی چیز کے بھی مستحق نہیں بلکہ یہ ان کی طرف منتقل ہو جائے گا جو ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں جن میں واقف نے متعین کیا ہے، لیکن اگر وہ نہ پائے جائیں تو شئی موقوف واقف یا اس کے ورثاء کی ملکیت میں لوٹ آئے گی، اگر ورثاء ہوں ورنہ حکومت کے خزانہ میں جمع ہوگی۔

لیکن ان کے رد کرنے سے وقف باطل نہیں ہوتا اور ان کا رد کرنا اور قبول کرنا اور قبول نہ کرنا سب برابر ہیں، اس لئے کہ وقف کا رکن واقف کی جانب سے ایجاب ہے جو پایا گیا مصری قانون مادہ ۹ نمبر ۴۸، سنہ ۱۹۴۶ء نے اسی رائے کو لیا ہے کہ قبول کو استحقاق کی شرط قرار نہیں دیا اور دفعہ ۱۷ میں وقف کی اشیاء کا بیان ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں اگر اس نے کسی متعین شخص کے لئے وقف کیا ہو فقراء کے لئے تو اس کے حق میں قبول کرنا شرط ہے اگر اس نے قبول کر لیا تو منافع اس کا ہوگا لیکن اگر اس نے رد کر دیا تو پھر فقراء کا ہوگا جس نے ایک دفعہ قبول کر لیا اسے بعد میں رد کرنے کی اجازت نہیں اور جس نے اولاً رد کر دیا تو اسے بعد میں قبول کرنے کی گنجائش نہیں۔

مالکیہ، شوافع اور بعض حنابلہ کے ہاں قبول کو رکن شمار کیا گیا ہے جب کہ وقف کسی متعین پر ہو اور وہ قبول کرنے کا اہل بھی ہو، ورنہ اس کے ولی کا قبول شرط ہے جیسے ہبہ اور صدقہ میں، اور اس مصری قانون کے اس نویں دفعہ میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ جب وقف اس طور پر ہو کہ اسے قانونی شکل دی جا سکتی ہے جیسے ازہر اور جامعہ ہو، ذرائع اور راستے روکنے کے لئے ہے اگر اس نے قبول نہ کیا تو پھر استحقاق اس کے ساتھ والے کی طرف ہوگا لیکن اگر بالکل پیانہ ہو تو پھر قانون سے ۹ نمبر میں وقف کے حکم کے ختم ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

دوسری فصل: وقف کی اقسام اور محل

...... وقف اپنی ابتدائی شکل کے اعتبار سے دو حصوں پر تقسیم ہوتا ہے ایک نیکی کی جہت اور ایک خاندانی اور اولاد کی جہت۔ (3)

---

(1)...... الدر المختار: ۳/۳۹۳، فتح القدیر: ۵/۳۹، ۴۰. (2) رد المحتار: ۳/۳۹۵، القوانین الفقہیۃ: ص ۳۶۹، الشرح الصغیر: ۴/۱۰۱، مغنی المحتاج ۲/۳۷۶، ۳۸۳، غایۃ المنتھی: ۲/۲۹۹، المغنی: ۵/۵۴۷، کشاف القناع: ۴/۲۷۹، الفروق ۲/۱۱۱. (3) الوقف للشیخ عیسوی: ص ۲۱.

وقف خیری...... وہ وقف ہے جسے شروع ہی سے نیکی کے کام کے لئے وقف کردے اگر چہ متعین مدت کے لئے ہو، اور پھر اس کے بعد کسی متعین شخص یا کسی اشخاص کے لئے وقف ہو جیسے اپنی زمین کو ہسپتال یا مدرسہ کے لئے وقف کرے پھر اس کے بعد اپنے اور اپنی اولاد پر وقف کرے۔

وقف اہل...... وہ ہے جسے سب سے پہلے اپنی ذات کے لئے وقف کرے یا کئی اشخاص کے لئے وقف کرے پھر اگر چہ آخر میں اسے کسی چیز کی جہت پر صرف کرے مثلاً پہلے اپنے اور یا اپنی اولاد پر وقف کرے پھر ان کے بعد نیکی کے کام میں...... اور مصری قانون دفعہ (۱۸۰) سنہ ۱۹۵۲ء اور شامی قانون ۱۹۴۹ء میں اہلی وقف کی انتہاء اور لغو کرنے کی تصریح ہے اور نیکی والا وقف باقی رہے گا۔

محل وقف...... وہ قیمتی موجود مال ہے ❶ چاہے غیر منقولی ہو جیسے زمین اور مکان وغیرہ بالا جماع یا منقولی ہو جیسے کتابیں، کپڑے جانور، اسلحہ وغیرہ، اور امت کا اتفاق ہے کہ چٹائیاں اور لائٹ وغیرہ مساجد کے لئے وقف کرنا درست ہے بغیر نکیر کے، اور زیور کا وقف بھی درست ہے اور عاریت بھی، کیونکہ یہ عین ہے اس سے دائمی طور پر نفع اٹھایا جاسکتا ہے لہٰذا غیر منقول اشیاء کی طرح اس کا وقف بھی صحیح ہے۔ خلال نے اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ نے اپنا زیور بیس ہزار کا فروخت فرمایا اور اسے خطاب کی اولاد کے لئے وقف کر دیا اور اس کی زکوۃ نہیں نکالی جاتی تھی۔ حنفیہ نے منقولی وقف میں شرط رکھی ہے کہ وہ عقار کے تابع ہو یا اس میں عرفا مفاصل جاری ہو جیسے کتابوں کا وقف ہونا اور سامان جنازہ کا۔ اور مشاع کا وقف چاہے منقولی ہو یا غیر منقولی جائز اور درست ہے، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر کے سو حصے مشاع وقف فرمائے تھے۔ ❷ حنابلہ وغیرہ نے ایک ضابطہ بنایا ہے کہ کس چیز کا وقف جائز ہے اور کس چیز کا وقف جائز نہیں، ہر وہ چیز جس کی بیع جائز ہے اس کا وقف بھی جائز ہے اور اس سے عین باقی رکھتے ہوئے نفع اٹھانا جائز ہے اور اصل باقی رہے، جیسے عقار، حیوان، اسلحہ، اثاثہ جات وغیرہ۔ اور اسی طرح وہ چیزیں جن سے تلف کئے بغیر نفع نہیں اٹھایا جاسکتا ہے جیسے دینار درہم اور جو چیزیں زیور نہیں جیسے کھانے پینے کی اشیاء موم بتی وغیرہ کا۔ اور بعض فقہاء کے ہاں ان کا وقف صحیح نہیں۔ کیونکہ وقف میں اصل کو روکنا ہوتا ہے۔ اور اس کے پھل اور ثمرہ کو وقف کہا جاتا ہے اور جس چیز سے بغیر تلف کیے فائدہ حاصل نہ ہوسکتا ہو اس کا وقف صحیح نہیں، کیونکہ اس سے دائمی طور پر نفع اٹھانا ممکن نہیں الا یہ کہ متقدمین حنفیہ دینار، درہم اور کیلی اور وزنی چیزوں کا وقت جائز قرار دیتے ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ آج کل تعامل نہ ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں ہوتی۔ اور حمل کا وقف بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ فی الفور تملیک ہے لہٰذا اکیلے حمل میں درست نہیں جیسے اس کی بیع درست نہیں ابن جزی مالکی نے فرمایا: غیر منقولی اشیاء کا وقف درست اور جائز ہے جیسے زمینیں، گھر، دکانیں، باغات، مساجد، کنویں، ویل، مقبرے اور راستے وغیرہ۔ اور کھانے کا وقف جائز نہیں کیونکہ اس کی منفعت اسے ہلاک کرنے میں ہے، لیکن امام مالک اور ان کی اتباع میں شیخ خلیل نے طعام اور نقد کے وقف کی تصریح کی ہے کہ جائز ہے، اور یہی ان کا مذہب ہے اور اس کے بدل کو عین کے بقاء کی جگہ رکھا ہے۔

مال موقوف کی بعض اقسام میں فقہی آراء کا بیان۔

۱۔ **غیر منقولہ جائیداد کا وقف**...... جاگیر اور غیر منقول جائیداد کا وقت صحیح ہے چاہے زمین ہو یا گھر اور دکانیں، یا باغ وغیرہ بالاتفاق۔ ❸ اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت نے چیزوں کو وقف کیا ہے اور اسی کی مثل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

---

❶...... الدر المختار: ۳/۳۹۳، الشرح الصغير: ۴/۱۰۱، المهذب: ۱/۴۴۰، المغنی: ۵/۵۸۳ (۲) رواه الشافعی۔

❸ الدر المختار: ۳/۴۰۸، فتح القدير: ۵/۴۸، اللباب: ۲/۱۸۲، الشرح الكبير: ۴/۷۶، القوانين الفقهية: ۳۶۹، مغنی المحتاج: ۲/۳۷۷، المهذب: ۱/۴۴۰، المغنی: ۵/۵۸۵۔

خیبر کی زمین کو وقف کرنا ہے نیز اس لئے بھی کہ عقار ہمیشہ کے لئے باقی ہے۔لیکن حنفیہ نے بیان فرمایا ہے کہ وقف کی صحت کے لئے جائیداد کی تعیین وتحدید شرط نہیں اس لئے کہ شرط یہ ہے کہ وہ معلوم ہو، جب گھر معروف ومشہور سے اس کا وقف درست اور صحیح ہے، جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا اگر اس کی حد بندی نہ بھی کرے تو وہ تحدید سے مستغنی ہے شہرت کی وجہ سے۔اور متاخرین حنفیہ نے فتویٰ دیا ہے اور ان کے قول سے استثناء کیا ہے کہ وقف کی جائیداد کے غصب کا ضمان، یا اس کے منافع کو غصب کرنا یا اسے تلف کرنا، جیسے اس میں کوئی شخص بغیر اجازت کے رہائش اختیار کرے یا منتظم اسے رہائش دلائے بلا اجرت تو اس پر اجرت مثل ہوگی، اگر یہ وہ فائدہ اٹھانے کے لئے نہ تیار کی گئی ہو یہ وقف بچانے کے لئے جیسا کہ یتیم کے مال کے ضمان کا فتویٰ دیا ہے اور اصل جو فائدہ اور غلہ حاصل کرنے کے لئے رکھا گیا ہے، اور ہر وہ چیز جو وقف کے لئے نفع بخش ہے اور اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

۲۔منقولی اشیاء کا وقف...... جمہور کا اتفاق ہے ❶ سوائے حنفیہ کے منقول کے وقف کے جائز ہونے پر مطلقاً جیسے آلات مسجد مثلاً قندیلیں، لائٹیں، چٹائیاں اور اسلحہ، کپڑے اور سامان چاہے وہ وقف شدہ چیز بداہۃً مستقل ہو اور اس کے بارے میں نص موجود ہو یا اس کا عرف جاری ہو، یا وہ جائیداد وغیرہ کے تابع ہو کیونکہ ان کے ہاں ہمیشگی شرط نہیں وقف کے صحیح ہونے کے لئے چاہے مؤبد ہو یا مؤقت خیر کے کاموں کے لئے ہو یا اہل وعیال کے لئے درست اور صحیح ہے۔مصری قانون میں اس رائے کو لیا گیا ہے اور انہوں نے غیر منقولہ جائیداد اور منقولہ سب کے وقف کی اجازت دی ہے۔

اور حنفیہ کے ہاں ❷ غیر منقولہ جائیداد کے بغیر صرف منقولی اشیاء کے وقف کو جائز نہیں قرار دیا چاہے وہ عمارت ہو یا درخت الّا یہ کہ غیر منقول جائیداد کے تابع ہو یا وہ جن کے بارے میں نص موجود ہو جیسے اسلحہ اور گھوڑے یا جس کے بارے میں عرف ہو جیسے کتابوں کا وقف، قرآن کریم کا وقف، کلہاڑی، کدال، پھاوڑہ، بسولہ، برتن اور جنازہ کے استعمال کی چیزیں اور کپڑے، دراہم ودینار (نقدرقم) کیلی اور وزنی چیزیں اور کشتی سامان سمیت کیونکہ ان سب میں لوگوں کا تعامل ہے، اور تعامل یہ ہوتا کہ اکثر طور پر اس کا استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں قیاس کو چھوڑا جاتا ہے۔کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے''جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے''۔

نیز اس لئے بھی کہ جو چیز عرف سے ثابت ہو وہ نص سے ثابت کی طرح ہے۔اور یہ بات یاد رہے کہ عمارت کو وقف کرنا متعارف ہو چکا ہے برخلاف ان چیزوں کے جن میں تعامل نہیں جیسے کپڑے اور سامان، یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اسی پر فتویٰ ہے، کیلی اور وزنی چیزوں کو فروخت کیا جائے گا اور ان کی رقم مضاربت کے طور پر دی جائے گی جیسا کہ نقدی کے وقف میں کیا جاتا ہے، اور ان سے جو منافع حاصل ہوگا وہ وقف میں صرف ہوگا۔

لیکن ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا: ❸ دراہم کا وقف رومی شہروں میں متعارف ہے ہمارے شہروں میں نہیں اور کلہاڑی، پھاوڑہ اور بسولہ کا وقف متقدمین کے زمانہ میں متعارف تھا اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ظاہر یہی ہے کہ اب یہ درست نہیں اور اگر ہم تھوڑا بہت پائیں تو اس کا عتبار نہیں اس لئے کہ تعامل یہ ہے کہ جس کا اکثر استعمال ہو۔اور ان کے ہاں منقولی اشیاء کا وقف ناجائز ہونے کا سبب یہ ہے کہ وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے ہو اور منقول ہمیشہ نہیں رہتا۔

۳۔مشترکہ چیز کا وقف...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں ایسی مشترک چیز کا وقف جائز ہے جس کی تقسیم نہ ہو سکتی ہو جیسے گاڑی کا حصہ، کیونکہ وقف ہبہ کی طرح ہے، اور مشاع کا ہبہ جائز ہے۔اور مالکیہ کے ہاں مشاع ھبہ کا وقف جائز نہیں جس کی تقسیم نہ

❶......المرجع السابق۔ ❷ الدر المختار: ۴۰۹/۳۔ ❸ ردالمحتار: ۴۱۰/۳۔

ہوسکتی ہو کیونکہ ان کے ہاں وقف صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے، اور یہ دوقولوں میں سے ایک قول ہے جو راجح ہے مذہب میں، رہ گیا وہ مشترک اور مشاع حصہ جو قابل تقسیم ہے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں اور انہی کے قول پر فتویٰ بھی ہے کہ اس کا وقف جائز ہے کیونکہ تقسیم قبضہ کے اتمام کے لئے ہے۔

اور ان کے ہاں وقف کے مکمل ہونے کے لئے قبضہ شرط نہیں اسی طرح اس کے تتمہ کے لئے بھی، اور یہ موافق ہیں شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کی رائے کے۔

امام محمد نے فرمایا اور اکثر مشائخ نے ان کی رائے کو لیا ہے کہ مشاع اور مشترک چیز کا وقف جائز نہیں اس لئے کہ قبضہ ان کے ہاں وقف کے تمام ہونے کے لئے شرط ہے اور مشاع چیز میں قبضہ صحیح نہیں۔ قاضی ابو عاصم نے فرمایا: ابو یوسف کا قول معنوی اعتبار سے اقوی ہے البتہ امام محمد کا قول آثار کی موافقت کے زیادہ قریب ہے۔ اور دونوں کی تصحیح کرنے والے بہت ہیں اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول میں لوگوں کے لئے ترغیب ہے اور متاخرین نے اس طرح تطبیق دی ہے کہ حنفی قاضی اور مفتی کو اختیار ہے کہ وہ اس کے صحیح ہونے کا حکم لگائے یا باطل ہونے کا البتہ اکثر لوگ امام محمد کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور جس کے ساتھ بھی حکم دیا اس کا حکم صحیح اور نافذ ہے اور نہ اس کے لئے اجازت ہے اور نہ اس کے علاوہ کسی قاضی کے لئے کہ وہ اس کے خلاف فیصلہ کریں اسی کی تصریح ہر ایک نے کی ہے اور بحر میں فرمایا اور مشاع کا وقف صحیح ہے جب اس کی صحت کا فیصلہ دیا جائے، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ میں قاضی کا فیصلہ ہے ❶ یہی معتمد ہے۔ جس پر صاحب درمختار چلے ہیں اور وہ اس کے ساتھ ہیں کہ موقوف میں قبضہ کے بعد وقف مکمل ہوگا اس لئے کہ ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی حالت کے اعتبار سے ہے۔

اور مسجد میں جدا کرنے سے، اور اس کے علاوہ چیزوں میں متولی اور منتظم مقرر کرنے اور اسے سپرد کرنے سے اور تقسیم ہونے والی مشاع چیز کا وقف جائز نہیں برخلاف امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے۔

اور حنفیہ کے علاوہ ❷ مالکیہ کے ہاں مشترک چیز کا وقف جائز ہے اگر اس کی تقسیم ہوسکتی ہو، اور جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی اس کا جائز نہیں۔ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مشاع کا وقف صحیح ہے اگر چہ تقسیم قبول نہ بھی کرے اور واقف کو اس پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ شریک کا ارادہ کرے اور واقف کو بیع پر مجبور کیا جائے گا اور اس کے ثمن وقف ہوں گے دلیل یہ ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیبر کی زمین میں سے سو حصے وقف کئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے اور یہ مشاع ہی تھے، کیونکہ اشارہ اصل کو روکنے کا تھا اور منفعت کو وقف کرنے کا اور اس میں مشاع، تقسیم شدہ کی طرح ہے۔

قانون کے دفعہ (۸) میں پہلی رائے کو لیا گیا ہے، اور تصریح کی ہے کہ ایک عام اور مشترک حصہ کا وقف جائز نہیں جو تقسیم کے قابل نہ ہو (الا یہ کہ اس کا باقی حصہ بھی وقف ہو اور وقف کی جہت متحد ہو جائے، یا پھر حصص خاص ہوں وقف شدہ عین کی منفعت کے۔

۴۔ حقوق ارتفاق کا وقف...... شوافع اور حنابلہ کے ہاں ❸ گھر کے اوپر والے حصہ اور منزل کو نیچے والے کے بغیر وقف کرنا اور نیچے والی منزل کو اوپر والی کے بغیر وقف کرنا جائز ہے، کیونکہ یہ دونوں عین ہیں ان کا وقف جائز ہے لہٰذا دونوں میں سے لیک کا وقف دوسرے کے بغیر بھی جائز ہے نیز اس لئے بھی کہ اوپر والی منزل یا نیچے والی کو فروخت کرنا جائز ہے نیز اس لئے بھی کہ یہ ایسا تصرف ہے جو ملک کو اس کے لئے زائل کر دیتا ہے جس کے لئے تصرف واستقرار کا حق ثابت ہے لہٰذا بیع کی طرح یہ جائز ہے، اور حنفیہ کے ہاں مالی حقوق کا وقف کرنا صحیح نہیں مثلاً حق تعلّی، اور باقی منافع حاصل کرنے کے حقوق، اس لئے کہ حق ان کے ہاں مال نہیں۔

❶..... فتح القدیر: ۵/۴۵، اللباب: ۲/۱۸۱، الدر المختار: ۳/۳۹۹، ۴۰۹۔ ❷الشرح الکبیر: ۴/۷۶، المهذب: ۱/۴۴۱، المغنی: ۵/۵۷۶ : مغنی المحتاج: ۲/۳۷۷، غایة المنتهیٰ: ۲/۳۰۰۔ ❸المهذب: ۱/۴۴۱، المغنی: ۵/۵۵۳۔

۵۔ جاگیر کا وقف...... اقطاعات وہ زمین جو حکومت کی ملکیت میں ہیں، حکومت یہ بعض لوگوں کو الاٹ کرتی ہے تا کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں اوران پر ٹیکس مقرر ہوتا ہے اوران کی ملکیت حکومت کے پاس باقی رہتی ہے۔ جب کسی کو یہ زمین الاٹ کی گئی تو اس کا وقف صحیح نہیں کیونکہ یہ اس کی ملکیت میں نہیں اوراسی طرح حکام، وزراء، امراء کے لئے بھی ان جاگیروں کو وقف کرنا جائز نہیں الاٹ کرنا جائز ہے، اس لئے کہ زمین کو آباد کرنے کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہو گیا اور وقف اپنی مملوکہ زمین کو کررہا ہے۔ ❶ درمختار میں فرمایا کہ مصر کے حکمرانوں نے اکثر اوقاف وہ جاگیریں ہیں وہ انہیں سرکاری خزانہ کے وکیل سے صورۃ خریدتے ہیں۔ اور اگر سلطان اور بادشاہ بیت المال سے وقف کرے کسی عام مصلحت کی وجہ سے تو یہ جائز ہے اوراسے اجر ملے گا۔ اور بادشاہ کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ جو زمین جہاد میں قبضہ ہوگی اور مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوئی تو ان میں سے کچھ زمین مسجد کے لئے وقف کردے، اس لئے کہ اگر تقسیم ہوگئی تو پھر وہ حقیقۃً ان کی ملک میں آگئی اس لئے کہ فتح ہونے اور تقسیم کی وجہ سے وہ مجاہدین کی ملکیت بن گئیں، رہ گئی وہ زمین جو صلح کے ساتھ فتح ہوئی ہیں تو بادشاہ کا حکم ان کے وقف میں نافذ نہ ہوگا کیونکہ یہ اصلی مالکوں کی ملکیت میں باقی ہیں۔ ❷ شوافع کے ہاں بھی یہی حکم ہے ❸ کہ اگر حاکم بیت المال کی کسی چیز کو وقف کردے تو یہ صحیح ہے۔

۶۔ قبضہ والی زمینوں کا وقف...... وہ زمینیں جو بعض لوگوں کی ملکیت ہیں لیکن وہ اس کو آباد کرنے سے قاصر ہیں تو حکومت انہیں اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے تا کہ اس کو آباد کرے اوراپنا ٹیکس وصول کرے، اس کا وقف صحیح نہیں کیونکہ ان کی ملکیت میں نہیں اوراس کے مالکوں کی ملکیت ان سے زائل نہیں ہوئی۔

۷۔ وقف ارصاد...... یہ کہ حکام میں سے کوئی حکومتی اراضی کو کسی عام مصلحت کے لئے وقف کردے جیسے مدرسہ یا ہسپتال کے لئے اور یہ ولایت عامہ کی رو سے جائز ہے لیکن اس کو ارصاد کہتے ہیں حقیقتاً وقف نہیں کیا جاتا۔

۸۔ گروی رکھی گئی چیز کا وقف...... حنفیہ کے ہاں ❹ راہن کے لئے صحیح ہے کہ وہ شئی مرہون کو وقف کرے، کیونکہ وہ اس کا مالک ہے، لیکن مرتہن کا حق، مرہون کے ساتھ متعلق رہے گا اگر راہن نے دین ادا کردیا تو شئی مرہون وگروی رکھی گئی چیز مرتہن کے حق سے پاک اور خاص ہو جائے گی ورنہ مرتہن کو حق حاصل ہوگا کہ وہ وقف کو باطل قرار دے اور مرہون کو فروخت کردے اسی بناء پر قاضی راہن پر زبردستی کرے گا کہ وہ اگر مالدار ہے تو ادائیگی کرے لیکن اگر تنگ دست ہے تو وقف کو باطل کرے اور شئی مرہونہ کو فروخت کرے دین کو ادا کروائے، اسی طرح اگر مرگیا اگر اس کے پاس اتنا کچھ ہے کہ دین ادا ہوسکتا ہے تو وہ چیز وقف ہی رہے گی ورنہ اسے فروخت کیا جائے گا اور وقف باطل ہو جائے گا حنفیہ کے سواء جمہور کے ہاں ❺ مرہون کو وقف کرنا صحیح نہیں۔

۹۔ کرایہ پر دی گئی چیز کو وقف...... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں ❻ مستاجر مالک نہیں شے مستاجرہ کی منفعت کے وقف کرنے کا کیونکہ ان کے ہاں ہمیشہ کے لئے وقف شرط ہے اور اجاب وقتی ہوتا ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا، شوافع کا بھی یہی مذہب ہے۔ ❼ منفعت کا مالک نہ کے ذات کا مالک جیسے مستاجر، اور وہ شخص جسے منفعت کی وصیت کی گئی ہے ان کا وقف صحیح نہیں، لیکن اگر مستاجر عمارت یا درختوں کو جو اس نے کرائے کی زمین پر لگائے ہیں وقف کرے تو اصح یہ ہے کہ یہ جائز ہے اور وقف کے دائم ہونے کے لئے مدت

❶......الدر المختار: ۴۳۰/۳۔ ❷المرجع السابق۔ ❸مغنی المحتاج: ۳۷۷/۲۔ ❹الدر، المرجع السابق، ص ۴۳۲، ومابعدھا۔ ❺کشاف القناع: ۲۷۱/۴، الشرح الکبیر: ۷۷/۴۔ ❻الدر المختار: ۴۳۷،۴۰۰/۳، کشاف القناع: ۲۷۱/۴۔ ❼المحلی علی المنهاج مع حاشیة قلیوبی وعمیرہ: ۹۹/۳، مغنی المحتاج: ۳۷۷/۲۔

اجارہ میں ملکیت کا باقی رہنا کافی ہے مستعیر اور منفعت کا موصی لہ حکم میں متاجر کی طرح ہیں اوران کے ہاں مؤجر (کرایا پر دینے والے) کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی زمین کو وقف کرے، اور مالکیہ کے ہاں ❶ متاجر کے لئے جائز ہے کہ وہ مدت اجارہ میں حاصل ہونے والی منفعت کو وقف کر دے کیونکہ ان کے ہاں وقف میں ہمیشگی شرط نہیں بلکہ متعین مدت کے لئے بھی صحیح ہے اور متاجر کے لئے کرایہ پر دی گئی چیز کا وقف صحیح نہیں۔ حنفیہ اور حنابلہ نے موجر کے لئے عین موجر کو وقف کی اجازت دی ہے کیونکہ وہ جس کا مالک ہے اسے وقف کر رہا ہے، اور متاجر کے لئے نفع اٹھانے کا مدت اجارہ کے ختم تک حق باقی ہے یا وہ رضا مند ہو جائیں مدت اجارہ ختم ہونے سے پہلے ہی فسخ اجارہ پر۔

خلاصہ یہ کہ...... جمہور کے ہاں موجر کے لئے شے مواجرہ کو وقف کرنا صحیح ہے اور مالکیہ کے ہاں صحیح نہیں اور مالکیہ کے ہاں متاجر کے لے اس منفعت کو وقف کرنا صحیح ہے اور جمہور کے ہاں صحیح نہیں۔

تیسری فصل: وقف کا حکم اور واقف کی ملکیت کب ختم ہوگی؟

...... وقف کا حکم یعنی واقف کی جانب سے ہونے والے وقف کا اثر، اور اس سے ہونے والے اثر میں فقہاء کا اختلاف ہے کئی رائے ہیں۔ ❷ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وقف کا اثر یہ ہے کہ منافع کا تبرع ہے جو لازم نہیں، اور شے موقوفہ واقف کی ملکیت میں ہی ہوتی ہے اور اس سے اس میں تصرف کرنا جائز ہے جب چاہے جب اس نے تصرف کر دیا تو یہ اس کا وقف سے رجوع معتبر ہوگا۔ اور جب واقف مر گیا تو اس کے ورثاء وارث ہوں گے، اور اس کے لئے جائز ہے کہ وہ جب چاہے اپنے وقف میں رجوع کرے جیسا کہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے مصارف اور شرائط میں جیسے چاہے تبدیلی کرے میں خصوصی طور پر مذاہب کے بیان کے بعد وقف مسجد سے رجوع وغیرہ کو اس رائے کے مطابق بیان کردوں گا۔

اور صاحبین کے ہاں انہیں کی رائے پر فتویٰ بھی ہے جب وقف صحیح ہو گیا تو وہ واقف کی ملکیت سے نکل جاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے اور موقوف علیہ کی ملکیت میں داخل نہیں ہوتا۔ جب وقف صحیح ہو گیا تو اس کی بیع بھی جائز نہیں نہ اس کی تملیک اور نہ ہی تقسیم، الا یہ کہ وقف مشترک چیز کا ہو تو امام ابو یوسف کے ہاں شریک کے لئے جائز ہے کہ وہ تقسیم طلب کرے، اور اس کا مقاسمہ درست ہے اس لئے کہ تقسیم تمیز او جدائی کے لئے ہوتی ہے اور کیلی اور وزنی چیزوں کے علاوہ میں وقف کا معنی افراز، جدائی میں غالب ہے اور کیلی وزنی چیزوں میں مبادلہ کا معنی، وقف کی مصلحت کو دیکھتے ہوئے مفتی بہ یہی صاحبینؒ کا قول ہے کہ مشاع چیز کی تقسیم جائز ہے جب کہ وہ واقف اور اس کے شریک مالک کے درمیان ہو یا کسی دوسرے ناظر کے درمیان۔

مالکیہ کے ہاں...... وقف شدہ چیز واقف کی ملکیت میں ہوتی ہے اور منفعت البتہ موقوف علیہ کے لئے لازم ہوتی ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرح ہیں۔ اور دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اصل کو روک لو اور پھل کو وقف کردو۔ اور شوافع کے ہاں ظاہر یہ ہے کہ وقف شدہ چیز کی ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے یعنی آدمی کے اختصاص سے نکل جاتی ہے، نہ ہی واقف کی ملکیت میں رہتی ہے اور نہ موقوف علیہ کی ملکیت میں، اور اس کے منافع موقوف علیہ کی ملکیت میں ہوتے ہیں وہ انہیں خود بھی وصول کر سکتا ہے اور کسی دوسرے کو عاریت کے طور پر بھی دے سکتا ہے اور اجارہ پر بھی، اور وہ اجرت کا مالک ہوگا اور اس کے فوائد، وہ پھل، اور دودھ وغیرہ میں اور اسی طرح بچہ بھی یہ صاحبین کی طرح ہیں۔

---

❶...... الشرح الصغیر: ۹۸/۴، الشرح الکبیر /۷۷. ❷ الدر المختار: ۳۹۹/۳، البدائع: ۲۲۰/۶ اللباب: ۱۸۴،۱۸۰/۲، فتح القدیر: ۵۲،۴۵/۵، الشرح الصغیر: ۹۷/۴، القوانین الفقہیۃ: ص ۱۲۰: الفروق: ۱۱۱/۲، المہذب ۴۴۳/۱ مغنی المحتاج: ۳۸۹/۲، المغنی: ۵۴۶/۵، غایۃ المنتھی: ۳۰۶/۲۔

حنابلہ کے ہاں...... صحیح مذہب یہ ہے کہ جب وقف صحیح ہوگیا تو واقف کی ملکیت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ یہ اس کی منفعت اور قبضہ کے تصرف کو زائل کرنے والا سبب ہے، یہ آزادی کی طرح ملکیت کو زائل کرنے والا ہے رہ گئی حدیث ''**حبس الأصل وسبل الثمرة**'' اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اس طرح محبوس ہے کہ نہ فروخت ہوتی ہے نہ ھبہ اور نہ اس میں وراثت جاری ہوتی ہے۔ اوران کے ہاں ملکیت اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اگر مسجد، مدرسہ، جہاد، پل، فقراء اور مجاہدین کے لئے وقف ہو اور اگر کسی متعین آدمی مثلاً زید، عمرو کے لئے ہو تو موقوف علیہ کی ملکیت میں آ جاتی ہے یا سب کے لئے ہوتی ہے جیسے اولاد اور زید کی اولاد کے لئے کیونکہ وقف ایسا سبب ہے جو رقبہ میں تصرف کو زائل کرتا ہے لہٰذا اس کی ملکیت ھبہ کی طرح منتقل ہوتی ہے۔

واقف کی ملکیت کب زائل ہوگی؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں چار اسباب میں سے کسی ایک سبب سے وقف شدہ چیز سے ملکیت ختم ہوتی ہے۔

۱...... مسجد کے لئے علیحدہ کرنے سے۔

۲...... قاضی کے فیصلہ سے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے اور اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ لہٰذا اس میں فیصلہ کرنا اختلاف کو ختم کرتا ہے۔

۳...... اگر موت سے معلق کیا تو موت ہے مثلاً جب میں مرگیا تو میرا گھر فلاں پر وقف ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ وصیت کی طرح لازم ہے ثلث سے موت کی وجہ سے نہ کہ اس سے پہلے۔

۴...... یا واقف کا یہ کہنا میں نے اسے اپنی زندگی میں بھی اور اپنی موت کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے وقف کر دیا یہ ائمہ حنفیہ ثلاثہ کے ہاں جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جب تک وہ زندہ ہے تو اس کا غلہ صدقہ ہوگا نذر کی وجہ سے، اور اس پر اسے پورا کرنا لازم ہے۔ اور رجوع کرنا بھی جائز ہے۔ اگر اس نے رجوع نہ کیا اور مرگیا تو ثلث مال میں وقف اور نافذ ہوگا۔

پہلی دو صورتوں میں ملکیت زائل ہو جائے گی اور واقف کی زندگی ہی میں وقف لازم ہوگا اس کی موت پر موقوف نہیں۔ اور آخری دو صورتوں میں واقف کی موت سے وقف لازم ہوگا اور اس کی ملکیت زائل ہوگی لیکن زندگی میں واقف کو وقف سے رجوع کا اختیار حاصل ہے۔ چاہے امیر ہو یا غریب چاہئے قاضی کے فیصلہ سے ہو۔ اور امام محمد کے قول کے مطابق کہ وقف لازم ہے لہٰذا جب تک قبضہ نہ ہو اور علیحدہ نہ ہو تو وقف تمام اور مکمل نہ ہوگا۔

کیونکہ یہ صدقہ کی طرح ہے، نیز ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی شان کے مطابق ہے تو مساجد میں علیحدہ کرنے سے اور باقی چیزوں میں متولی اور منتظم مقرر کرنے سے، اور امام محمد کے ہاں ایسے مشاع اور مشترک کا وقف جائز نہیں جو تقسیم ہو سکتا ہو، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں جائز ہے، کما تقدم، کیونکہ ان کے ہاں سپرد کرنا شرط نہیں کیونکہ ان کے ہاں وقف آزاد کرنے کی طرح ہے۔

مالکیہ کے ہاں...... ❶ وقف کے صحیح ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے، ھبہ کی طرح، اگر واقف مرگیا یا مرض الموت میں مبتلا ہوگیا یا قبضہ دینے سے پہلے ہی مفلس ہوگیا تو وقف باطل ہے۔

شوافع کے ہاں...... ❷ وقف ایسا عقد ہے جو فی الحال ملک کے منتقل ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ ان کے ہاں اگر وقف کسی متعین پر ہو تو اس میں ایجاب کے ساتھ متصل قبول ہونا شرط ہے اگر وہ قبول کا اہل ہو ورنہ اس کے ولی کا قبول ہے ہبہ اور وصیت میں، رہ گیا عام جہت سے وقف جیسے فقراء پر یا مسجد وغیرہ پر تو اس میں یقینی طور پر قبول شرط نہیں کیونکہ متعذر رہے۔

---

❶ ...القوانین الفقهية: ص ۳۷۰۔ ❷ مغنی المحتاج: ۲/ ۳۸۳، ۳۸۵۔

حنابلہ کے ہاں بھی...... ❶ شوافع کی طرح حکم ہے کہ صرف تلفظ ہی سے ملکیت زائل ہو جائے گی اور وقف لازم ہو جائے گا کیونکہ اس سے وقف حاصل ہو جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے، نیز اس لئے بھی کہ یہ تبرع ہے ھبہ، بیع اور میراث کی طرح لہٰذا صرف تلفظ ہی سے لازم ہوگا عتق کی طرح اور حنابلہ کے ہاں وقف کو دوسرے سے تقسیم کرنا صحیح ہے اس اعتبار سے کہ تقسیم افراز ہے اس تفصیل کے مطابق کہ تقسیم جائز ہے اگر اس میں رد نہ ہو اور اسی طرح اگر واقف کی جانب سے رد ہو تب بھی اس لئے کہ رد کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو خریدنا وقف کے علاوہ سے، لیکن اگر اس میں رد ہو واقفین کے علاوہ کی جانب سے تو جائز نہیں کیونکہ یہ بعض وقف کا خریدنا ہے اور اس کی بیع جائز نہیں اگر مشاع وقف ہو تو سابقہ تقسیم کی تطبیق دو طرح سے ہوگی اگر اس کے اہل تقسیم چاہتے ہوں تو جائز نہیں اگر چہ اس میں رد کسی بھی طرح کا ہو۔ اور جب وقف کی تقسیم جائز ہو اور شریکین میں سے کوئی ایک اسے طلب کرے یا ولی وقف تو دوسرے پر جبر کیا جائے گا اس لئے کہ ہر وہ تقسیم جو بغیر نقصان کے ہو تو وہ واجب ہے۔

قانون کا موقف...... ❷ مسجد اور مسجد کے علاوہ دوسرے وقف میں رجوع کے سلسلہ میں قانون کا موقف۔ مسجد کے وقف میں رجوع کے سلسلہ میں مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۴۶ء دفعہ ۱۱ میں یہ تصریح ہے کہ مسجد کے وقف میں نہ ہی تو رجوع جائز ہے اور نہ ہی تبدیلی اور نہ ہی جس پر وقف کیا گیا ہو۔ اور مسجد پر وقف سے مراد کہ ابتداء جس پر وقف کیا گیا ہو نہ کہ جس پر انتہاء۔ وقف ہو کہ شروع میں ایک جہت پر وقف ہو پھر اس کے بعد مسجد پر ہو۔ اور قانون نے اس میں رجوع کے عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کا متفقہ حکم لیا ہے اور امام ابوحنیفہ بھی صاحبین کے ساتھ اس سلسلہ میں متفق ہیں کہ مسجد کے وقف میں رجوع جائز نہیں اور واقف کا تصرف لازم شمار ہوگا لہٰذا واقف اور اس کے ورثہ کے لئے اس میں رجوع اور تبدیلی جائز نہیں اس لئے کہ مسجد کا وقف جب مکمل ہوا تو وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگیا نیز مساجد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور ان کا اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہونا رجوع جائز نہ ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ رہ گیا مسجد کے علاوہ وقف میں رجوع تو قانون میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کو لیا گیا ہے واقف کی زندگی میں اور واقف کی وفات کے بعد صاحبین اور باقی ائمہ کے مذہب کو لیا گیا ہے۔

واقف کی زندگی میں...... مصری قانون دفعہ ۱۱ میں یہ تصریح ہے کہ واقف کو اجازت ہے کہ وہ اپنے سارے وقف میں یا کچھ وقف میں رجوع کرلے جیسا کہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کے مصارف اور شرائط میں تبدیلی کرے اگر اس نے اپنے نفس کو اس کے لئے حرام کرلیا کہ اس کی تبدیلی نافذ نہ ہوگی الا یہ کہ اس قانون کی حدود میں، یہ دفعہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وقف میں تبدیلی اور اس سے رجوع جائز ہے اور یہ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور کسی کا نہیں۔

وفات کے بعد...... اس سے قانون خاموش ہے اور جس سے قانون ساکت ہو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے راجح مذہب کے مطابق عمل کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں راجح صاحبین کا مذہب ہے وہ یہ کہ وقف لازم تبرع ہے اس میں رجوع جائز نہیں۔ اور اوقاف سے رجوع عمل کرنے سے پہلے اس قانون میں دفع ۱۱ میں تصریح ہے کہ اس قانون پر عمل کرنے سے پہلے وقف میں رجوع اور تبدیلی جائز نہیں اور اس کا استحقاق غیر کو دیا گیا ہے۔ جب کہ اس نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے اس استحقاق کو حرام قرار دیا ہو، اور اس کی نسبت سے دس شرطیں ہیں یا یہ ثابت ہو جائے کہ یہ استحقاق کسی مال کے عوض میں تھا، یا واقف کی طرف سے ثابت شدہ حقوق کا ضمان ہو۔
اور اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس استحقاق سے محروم رکھنے کی حالت میں اس میں واقف کے عمل کا اعتبار ہوگا قطعی قرینہ کے طور پر

---

❶ .....المغنی: ۵/ ۵۴۶، ۵۸۷۔ ❷ راجع الوقف للأستاذ عیسوی. ص ۷۱ وما بعدھا.

کہ اس کا یہ تصرف رجوع سے مانع ہے اور اس صورت میں تحقیق واثبات کی ضرورت نہیں۔اور مالی عوض کی صورت میں استحقاق کی حالت میں مثلاً مدیون دائن اور اس کی اولاد پر وقف کرے اور خود واقف اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اس سے محروم رکھے تو یہ وقف عوض مقابلہ میں کہلائے گا،اور اگر استحقاق واقف کی جانب سے ثابت حقوق کے ضمان کا ہو مثلاً کسی شخص کا اپنے کسی قریبی کو زمین صورتاً فروخت کرنا پھر اس زمین کو اسی قریبی پر وقف کردے تو اس سے رجوع پر لوگوں کو نقصان ہوگا اور حقوق والوں کے حقوق ضائع ہوں گے اور اثبات تمام قانونی دلائل سے ثابت ہے اور ان میں قرائن بھی داخل ہیں۔

دس شرطیں......دفعہ نمبر ۱۲ مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۴۶ء میں وضاحت ہے کہ واقف کے لئے اجازت ہے کہ وہ اپنے لئے اپنے وقف میں دس شرطیں لگالے اور ان کا قرار بھی شرط ہے اور انہیں صحیح شمار کیا جائے گا اور اس کی تصریح یہ ہے۔کہ واقف کے لئے شرط ہے کہ وہ اپنے لئے دس شرطیں لگائے یا ان میں سے جو چاہے،اور ان کا تکرار بھی کرسکتا ہے اس طور پر کہ وہ اس قانون کی حدود میں نافذ ہوگا اور واقف کا دوسرے کے لئے شرائط لگانا وہ باطل ہیں اس مادہ پر عمل کرتے ہوئے اور یہ دس شرطیں استعمالی اعتبار سے نئی ہیں اور کلام فقہاء میں نہیں پائی جاتیں لیکن اس معنی میں یہ استعمال ہیں ان لوگوں کے لئے جو کتابوں کے واقف ہیں اور بعض متاخرین کے فتاویٰ میں محکم نعتوں میں حتیٰ کہ اس کا مدلول محدود اور منضبط ہوگیا اور اصطلاحی چیز بن گیا۔اور اس اصطلاح کی یہ دس شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں: عطاء کرنا،محروم کرنا،داخل کرنا،خارج کرنا،زیادہ کرنا کم کرنا،تبدیل کرنا،تغیر کرنا استبدال بدل وتبادل وغیرہ۔ ❶

اعطاء......کا معنی ہے جسے وہ چاہتا ہے اسے وقف میں داخل کرلے جیسے استثنائی مصرف،اور اس سے لازم آئے گا اصل مصرف غلہ وغیرہ سے اس مدت میں محروم ہونا،جیسے اس نے وقف میں داخل کیا ہے اس کی وجہ سے۔

ادخال......اس کا معنی یہ ہے کہ غیر موقوف علیہ کو داخل کرنا اور اسے وقف کا اہل بنانا تاکہ وہ داخل کرنے کے وقت سے یا اس کے بعد اس کا مستحق ہو یہ شرط استثنائی مصرف کے ساتھ کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔

اخراج......موقوف علیہ کو غیر اہل کے لئے ہمیشہ کے لئے یا اس متعین مدت کے لئے کہ اس کے بعد وہ اس کا اہل ہو اور اس کا مفہوم محروم کرنے کے مفہوم سے علیحدہ ہے اور کبھی دونوں مفہوم جمع ہوجاتے ہیں ہمیشہ کے لئے نکالنا حرمان ہے اور ہمیشہ کے لئے حرمان اخراج ہے۔

زیادہ......بعض موقوف علیہم کو بعض سے زیادہ دینا اور اس کے حصہ کو ہمیشہ کے لئے دوسروں سے زیادہ رکھنا۔

نقصان......کہ تقسیم کے وقت بعض موقوف علیہم کو دوسرے بعض سے کم دینا کہ وہاں پر متعین حصص نہ ہوں۔

تغییر......یہ شرط سابقہ شروط سے اہم ہے اور ان سب کو شامل ہے اور اس کا بعد میں ذکر اجمال کے بعد تفصیل کے مشابہ ہے،اگر انہیں نہ ہی ذکر کیا جائے تو یہ ایک کافی ہے اس شرط کی ملکیت کے لئے جس کے لئے کل شرطیں ہیں جو سابقہ چھ شرطیں اکٹھی فائدہ دیتی ہیں،اور جب تغییر کے بعد تبدیل لائے تو متاخرین نے اسے تاکید معنوی شمار کیا ہے،الا یہ کہ کسی دوسرے معنی کی طرف پھیرے جو مذکور نہیں جیسے استبدال کہ اس کی طرف پھیرا جاسکتا ہے کیونکہ تاسیس،تاکید سے بہتر ہے۔

---

❶......قانون الوقف بلاستاذ الشیخ فرج السنہوری: ص ۲۰۸، ۲۱۳، ۲۱۷۔

استبدال..... فقہاء نے استبدال کا لفظ مطلق ذکر کیا ہے اور اس سے ان کی مراد شئی موقوف کو فروخت کرنا ہے چاہے وہ غیر منقولہ جائیداد ہو یا منقولہ ہو اور عین کو مال کے سبب میں خریدنا تاکہ شئی موقوفہ عین کی جگہ آجائے جسے فروخت کیا گیا، اگر ایک عین کا دوسرے عین سے منقولہ لیکن مولفین کے ہاں ایک اور عرف ہو گیا ہے بعد کے زمانہ سے انہوں نے استبدال کا اطلاق اس عین پر کیا ہے جو مال کے بدلے خریدی گئی ہوتا کہ وقف ہو سکے، اور بیع موقوف کو نقد کے بدلے فروخت کرنا، یا مقایظہ کے طور پر تبادلہ کرنا۔

چوتھی فصل: وقف کی شرائط

چوتھی فصل: وقف کی شرائط..... وقف کے صحیح ہونے کے لئے واقف، موقوف، موقوف علیہ اور صیغہ وقف کے لئے شرائط ہیں۔

پہلی بحث: واقف کی شرائط

پہلی بحث: واقف کی شرائط..... وقف کے صحیح ہونے اور نافذ ہونے کے لئے واقف کے درج ذیل شرائط ہیں۔[1] اور وہ تبرع کا اہل ہونا ہے جیسے باقی تبرعات، ھبہ صدقہ وغیرہ میں اس لئے کہ وقف تبرع ہے اور اس شرط کی تشریح وتحلیل چار شرائط میں ہو سکتی ہے۔

ا۔ واقف آزاد اور مالک ہو..... پس غلام کا وقف صحیح نہیں کیونکہ اس کی ملکیت، ہی نہیں، اور غیر کے مال کو وقف کرنا صحیح نہیں اور غاصب کا مغصوب کو وقف کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ وقف کے وقت واقف کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقوف کا مکمل طور پر مالک ہو۔
یا کسی فاسد سبب سے خریدی گئی چیز کا وقف، یا فاسد ھبہ کا وقف حنفیہ کے ہاں، نیز واقف پر تصرفات کے اعتبار سے پابندی نہ ہو اسی طرح وہ وقف جس کا کوئی مستحق نکل آیا ملکیت یا شفعہ کے اعتبار سے وہ ختم ہو جائے گا اگرچہ اسے اس نے مسجد بنایا ہو، اور مریض کا وقف کہ دین نے اس کے مال کا احاطہ کیا ہوا ہو، اسی طرح جس پر پابندی ہو بے وقوفی یا دین کی وجہ سے اس کا وقف، اگر فضولی کے وقف کو مالک نے جائز قرار دیا تو بھی جائز ہے۔

۲۔ عاقل ہونا..... مجنون کا وقف صحیح نہیں، کیونکہ وہ عقل سے کورا ہے۔ اور نہ ہی معتوہ کا وقف کیونکہ وہ ناقص العقل ہے، اور نہ ہی کسی مرض یا بڑھاپے کی وجہ سے مختل العقل کا وقف، کیونکہ اس کی عقل سلامت نہیں، اس لئے کہ ہر تصرف میں عقل اور تمیز کا ہونا مطلوب ہے۔

۳۔ بالغ ہونا..... بچے کا وقف صحیح نہیں چاہے سمجھدار ہو یا ناسمجھ: اس لئے کہ بالغ ہونا کمال عقل کے لئے ہے اور تبرع کے لئے۔ اور بلوغ کی پہچان جب کہ فقہی نظریات کی بحث میں گذرا، یا تو طبعی علامات کے ظاہر ہونے سے ہوگی جیسے احتلام اور ماہواری، یا پھر پندرہ سال کی عمر تک پہنچنا اکثر کے ہاں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں سترہ سال کی عمر کو پہنچنا اور قانون میں تبرع کے صحیح ہونے کے لئے بلوغ کا سن رشد کو پہنچنا شرط ہے مصری قانون میں ۲۱ سال مکمل اور شامی قانون میں ۱۸ سال۔

۴۔ سمجھدار ہونا..... اس پر بے وقوفی، مفلسی، غفلت کی وجہ سے حجر اور پابندی نہ ہو جیسے مالی تصرفات میں لہٰذا بے وقوف، مفلس اور مغفل کا وقف صحیح نہیں جمہور کے ہاں اور حنفیہ کے ہاں مفلس مقروض کا وقف اگر قرض خواہوں کی اجازت سے ہو تو صحیح ہے۔ اور پابندی کا نہ ہونا ان کے ہاں نفاذ کی شرط ہے نہ کہ صحت کی۔

مقروض کے وقف میں حنفیہ کی رائے..... حنفیہ نے مقروض کے وقف میں درج ذیل تفصیل فرمائی ہے۔

الف..... جب دین اس کے مال کا احاطہ کئے ہوئے نہ ہو اور دین سے جو زیادہ ہے اسے اس نے وقف کیا تو اس کا وقف صحیح اور نافذ ہے کیونکہ یہاں قرض خواہوں کے حق کے ساتھ تصادم نہیں۔

---

[1] ..... البدائع: ۲۱۹/۶، الدر المختار: ۳/۳۹۴، القوانین الفقهية: ۳۶۹، مغني المحتاج: ۳۷۶/۳، كشاف القناع: ۲۷۹/۴ الشرح الكبير: ۷۷/۴، الشرح الصغير: ۱۰۱/۴، ۱۱۸، غاية المنتهى: ۳۰۰/۲.

ب...... جب دین نے اس کے مال کا احاطہ کیا ہوا ہو تو اس کے وقف کا نفاذ قرض خواہوں کی اجازت پر موقوف رہے گا چاہے اس پر پابندی ہو یا پابندی نہ ہو چاہے مرض الموت کی حالت میں ہو یا صحت کی حالت میں اور اس حالت اخیرہ میں متاخرین حنفیہ کی رائے کے مطابق قرض خواہوں کی مصلحت کی خاطر ہے اگر انہوں نے اجازت دے دی تو وقف نافذ ہوگا اگر اجازت نہ دی تو باطل ہوگا لیکن مرض الموت کی حالت میں اجازت موت کے بعد ہی معلوم ہو سکتی ہے، اس لئے کہ مرض کا مرض الموت ہونا موت کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ موافق ہے مصری شہری قانون کے (م ۲۳۸ / ۲) اور شامی قانون (م ۲۳۹ / ۲) کہ مقروض کا تصرف اگر تبرع ہو تو دائن کے حق میں وہ نافذ نہ ہوگا۔

مرض الموت والے مریض کا وقف...... ہمارے سامنے واضح ہو گیا مریض پر پابندی کی بحث میں کہ تمام مذاہب متفق ہیں کہ مریض پر پابندی لگائی جائے اس کے تبرعات میں ثلث سے زیادہ ترکہ میں جب کہ اس پر کوئی قرض نہ ہو لہٰذا اس کے تبرعات درست نہیں یعنی وقف، صدقہ، ھبہ، وصیت، وغیرہ جو ثلث سے زیادہ میں ہو ترکہ میں ورثاء کے حق کی رعایت رکھتے ہوئے البتہ ثلث اور اس سے کم میں اس کے تبرعات جائز ہیں اور انہیں میں وقف بھی ہے۔ اور اس کی مصلحت کی رعایت بھی ہے کہ اس کے لئے اجر و ثواب محقق ہوتا ہے۔

دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری اور مسلم میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر میری عیادت کی کہ مجھے سخت تکلیف تھی تو میں نے عرض کی کہ مجھے تکلیف ہے اور میرے پاس مال بھی زیادہ ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے تو کیا میں اپنا دو ثلث مال صدقہ کر دوں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔

میں نے کہا آدھا صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں پھر فرمایا ثلث صدقہ کرو۔ اور ثلث بھی بڑا یا زیادہ ہے اور آپ اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑ کر جائیں یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں فقیر چھوڑ کر جائیں اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اس موضوع کے سلسلہ میں فقہاء کی آراء تفصیلاً عنقریب بیان ہوں گی۔

مرتد کا وقف...... حنفیہ کے ہاں [1] یہاں دو حالتیں ہیں۔

پہلی حالت...... اگر مرتد ارتداد کی حالت میں وقف کرے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اس کا وقف موقوف ہے اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آیا تو اس کا وقف صحیح ہے ورنہ اگر وہ مر گیا یا وہ ارتداد کی حالت میں قتل کیا گیا یا اس کے دار الحرب میں جانے کا حکم دے دیا گیا تو اس کا وقف باطل ہے۔

دوسری حالت...... اگر پہلے وقف کیا پھر مرتد ہوا (العیاذ باللہ) تو اس کا وقف باطل ہے حتیٰ کہ اگر وہ دوبارہ اسلام میں لوٹ آیا تو جب تک وقف کی تجدید نہ کرے درست نہیں کیونکہ ارتداد کی وجہ سے اس کا عمل ضائع ہو گیا، اس تفصیل سے ان کی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مرتد کے اوقاف باطل ہیں۔

اور ان کے ہاں مرتدہ عورت کا وقف صحیح ہے کیونکہ اسے قتل نہیں کیا جاتا الا یہ کہ حج وعمرہ ہو تو پھر جائز نہیں۔

کافر کا وقف...... شوافع نے کافر کے وقف کی اجازت دی اگرچہ مسجد ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ اور اسے دنیا میں صدقات کا بدلہ

---

[1] ...... ردالمحتار علی الدر المختار: ۳/ ۳۹۴ وما بعدھا، ۴۳۴۔

دیا جائے گا لیکن آخرت کے ثواب میں اس کا کوئی حصہ نہیں کیونکہ مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ساتھ نیکیوں میں ظلم نہیں فرماتے، اسے دنیا میں بھی عطا کرتے ہیں اور آخرت میں بھی اسے بدلہ عطا فرمائیں گے: رہ گیا کافر تو اسے اس کی نیکیوں کے بدلے دنیا میں اللہ تعالیٰ کھلاتے پلاتے ہیں حتیٰ کہ جب وہ آخرت میں جائے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی ہے ہی نہیں جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔

مکرہ کا وقف......شوافع، مالکیہ اور حنابلہ نے واقف کے لئے یہ شرط رکھی ہے کہ وہ مختار ہو۔مکرہ کا وقف صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی عبارت درست نہیں۔

اندھے کا وقف......آنکھیں اور بینائی شرط نہیں لہٰذا اندھے کا وقف صحیح ہے۔

ان دیکھی چیز کا وقف...... یہ شرط نہیں کہ واقف کو موقوف شدہ چیز معلوم ہو لہٰذا جس کو دیکھا نہیں اس کا وقف بھی صحیح ہے جیسا کہ شوافع نے وضاحت کی۔ ❶

واقف کی شرائط نص شارع کی طرح......فقہاء کا اس عبارت۔''واقف کی شرائط نص شارع کی طرح ہیں'' پر اتفاق ہے اس کے وارثوں میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ❷ واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے ❸ یعنی سمجھنے، دلالت اور اس پر عمل کے واجب ہونے کے اعتبار سے اور کبھی اس کا مفہوم میں اعتبار ہوتا ہے یعنی اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں ہوتا جیسا کہ نص شارع میں، اس پر عمل کرتے ہوئے جو ان کے ہاں ضابطہ ہے مفہوم مخالف جسے دلیل خطاب بھی کہا جاتا ہے، نصوص میں معتبر نہیں اور اس کی پانچ اقسام ہیں، مفہوم صفت مفہوم شرط، مفہوم غالب، مفہوم عدد، مفہوم لقب یعنی اسم جامد جیسے کپڑا، اور نصوص میں مفہوم مخالف معتبر نہ ہونے کا مطالبہ یہ کہ اس کا کہنا'' عالم آدمی کو دو، زید کو دو اگر وہ تم سے مانگے یا اسے راضی ہونے تک دو، یا اسے دس دو، یا اسے کپڑا دو، تو یہ باتیں منطوق کے خلاف حکم کی نفی پر دلالت نہیں کرتا بایں معنی کہ جاہل آدمی کو دینے اور عطاء کرنے سے منع نہیں، بلکہ اس کے بارے میں مسکوت عنہ ہے اور عدم اصلی پر باقی ہے حتیٰ کہ کوئی دلیل اسے دینے پر دلالت کرے یا منع کرنے پر اسی طرح باقی مفہوم ہیں۔لیکن کتابوں کی روایات میں مفہوم مخالف معتبر ہے اسے یہ ان الفاظ سے'' تصنیف کا مفہوم حجت ہے'' تعبیر کرتے ہیں۔اس لئے کہ فقہاء حکم ذکر کر کے منطوق کی مفہوم مخالف کی نفی کا ارادہ کرتے ہیں عام طور پر، مثلاً ان کا یہ کہنا جمعہ ہر مذکر آزاد، بالغ عاقل اور مقیم پر فرض ہے ان صفات سے ان کا مقصد اس کے مخالف سے وجوب کی نفی ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ فقیہ عورت غلام، بچے وغیرہ سے نفی پر استدلال کرتا ہے۔

حنفیہ کے اصول والوں کی رائے کے مطابق وقف میں مفہوم مخالف معتبر نہیں، یعنی واقف کی شرط مخالف کی نفی پر دلالت نہیں کرتی، لیکن متاخرین حنفیہ کے ہاں نصوص شرعیہ کے علاوہ میں مفہوم مخالف معتبر ہے، لوگوں کے مفہوم اور عرف پر عمل کرتے ہوئے، لہٰذا وقف کے کلام میں ہی مفہوم مخالف کا اعتبار کرنا واجب ہے۔ کیونکہ وہ اپنے عرف پر بات کرتا ہے، اسی بناء پر جیسے مفہوم تصنیف حجت ہے، تو

❶......مغنی المحتاج: ۲/ ۳۷۶۔ ❷الدر مع الرد: ۳/ ۴۲۶۔ ❸صرح الحنفية فی الفتاوىٰ الخيرية بان الاعتبار فی الشروط لما هو الواقع، لا كما كتب فی مكتوب الوقف فلو اقيمت بينة عالم يوجدفی كتب الوقف، عمل بها بلاريب، لان المكتوب خط حجر دولد عبرة به، محزوجه عن الحجج الشرعية۔

لوگوں کے عرف معاملات اور عقلیات میں مفہوم مخالف معتبر ہے اور تحقیق یہ ہے کہ واقف کے الفاظ، اور موصی کے الفاظ، حلف اٹھانے والے کے الفاظ، نذر ماننے والے کے الفاظ اور ہر عاقد کے الفاظ انہیں اس کے خطاب میں اس کی عادت پر محمول کیا جائے گا اور جس لغت میں وہ بات کررہا ہے اس پر چاہے وہ لغت عربی اور لغت شرع کے موافق ہو یا نہ ہو۔

خلاصہ یہ کہ حنفیہ کے اصولیوں کے ہاں وقف میں مفہوم مخالف معتبر نہیں لیکن متاخرین حنفیہ کے ہاں واقف کے کلام کو زمانے کے عرف پر محمول کیا جائے گا اگر اس نے کہا میں نے اپنی مذکر اولاد پر وقف کیا تو منطوق کے حکم کے مطابق اس کی صرف مذکر اولاد ہی پر وہ صرف ہوگا اور مؤنث اولاد کو کچھ بھی نہیں دیا جائے گا کیونکہ انہیں دینے پر کوئی دلیل نہیں الّا کہ اس کے کلام میں کوئی دلیل انہیں دینے پر دلالت کرے تو وہ انہیں ابتداء دینے کو ثابت کرنے والی ہوگی نہ کہ بحکم معارضہ، اور اسی سے ظاہر ہے کہ متاخرین کے ہاں نصوص شرعیہ کے علاوہ میں مفہوم مخالف معتبر ہوگا جو کہ لوگوں کے مفاہیم ہیں اور ان کے عرف اور معاملات وعقلیات میں ہیں۔ حنفیہ نے اس قاعدے پر قاعدہ مرتب کیا کہ ہر وہ چیز جو واقف کی شرط کے مخالف ہو وہ نص کے مخالف ہے اور ان کے مطابق فیصلہ، بلا دلیل فیصلہ ہے۔ چاہے واقف کا کلام نص ہو یا ظاہر، اس لئے کہ اس کی اتباع واجب ہے۔ مشائخ کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہے۔

اور موقوف اجارہ میں واقف کی شرط کی رعایت رکھی جائے گی، جب واقف نے یہ شرط رکھی کہ موقوف کو ایک سال سے زیادہ اجرت پر نہ رکھا جائے، اور لوگوں کو اس کے اجارہ میں رغبت نہیں اور سال سے زیادہ اجارہ فقراء کے لئے نفع بخش ہے تو ناظر اور نگران کے لئے سال سے زیادہ اجارہ کرنا جائز نہیں بلکہ وہ معاملہ قاضی کے پاس لے جائے کہ وہ اسے اجرت پر دے اس لئے کہ اسے فقراء، غائب، اور میت کے سلسلے میں نظری ولایت حاصل ہے، اگر واقف نے کوئی مدت مقرر نہ کی یا جسے نگران اور منتظم صحیح سمجھے یا جو فقراء کے لئے نفع بخش ہو اس حوالے سے نگران کو ذمہ داری تفویض کردے تو پھر قاضی کی اجازت کے بغیر بھی نگران کو یہ کام کرنے کی اجازت ہے۔

اگر واقف نے موقوف کو فروخت کرنے اور اس کی قیمت اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کی شرط رکھی یا وقف سے کسی دوسرے عاملہ کی طرف نکالنے کی یا اسے ہبہ کرنے اور اس کی قیمت صدقہ کرنے کی شرط رکھی یا یہ کہ وہ جس کو چاہے ھبہ کرے یا جب وہ چاہے اسے رہن رکھے اور وقف سے نکال لے ہاں ان تمام صورتوں میں وقف باطل ہے، اور اگر واقف نے کوئی شرط فاسد رکھی تو وقف صحیح ہوگا اور شرط باطل، اور شرط فاسد یہ ہے کہ جو عقد وقف کے منافی ہو یا وہ شرط شرعاً جائز نہ ہو، یا اس شرط میں کوئی فائدہ نہ ہو جیسے مسجد کے وقف میں یہ شرط رکھنا کہ جب چاہے گا اس میں رجوع کرے گا یا فساد پھیلانے والوں پر وقف کرنا یا فساد کے کاموں میں وقف کرنا، یا یہ شرط رکھنا کہ وقف کے منافع ان لوگوں پر خرچ کئے جائیں جو اس کی قبر کے پاس قرأت کریں گے یا اس کے گھر یا کسی مسجد میں۔ یا واقف کا شرط رکھنا کہ اس کے وقف کے منافع اس کی اولاد پر خرچ کئے جائیں خاص کر نان نفقہ، کپڑے اور روٹی پکانے اور اسے طالب علموں کے سامنے پیش کرنے میں۔

وہ سات مسائل جن میں واقف کی شرائط کی مخالفت جائز ہے......حنفیہ نے سات مسائل ذکر کئے ہیں جن میں واقف کی شرط کی مخالفت جائز ہے اور وہ درج ذیل ہیں۔

پہلا مسئلہ......اگر واقف نے موقوف کو کسی دوسری چیز سے تبدیل نہ کرنے کی شرط رکھی۔

دوسرا مسئلہ...... جب یہ شرط رکھے کہ قاضی اس منتظم اور نگران کو معزول نہیں کرے گا حالانکہ اسے نااہل کو معزول کرنے کا اختیار ہے۔

تیسرا مسئلہ...... یہ شرط رکھے کہ اس کے وقف کو ایک سال سے زیادہ اجرت پر نہ دیا جائے، اور لوگ ایک سال کے اجارہ پر راغب نہ ہوں یا زیادہ مدت میں فقراء کا نفع ہو تو اس میں قاضی کو مخالفت کا حق ہے ناظر و نگران کو نہیں۔

چوتھا مسئلہ...... اگر شرط رکھی کہ اس کی قبر پر تلاوت کی جائے، تو اس کی یہ تعیین باطل ہے کیونکہ قبر پر قرأت و تلاوت مکروہ ہے لہٰذا اس کا خلاف کرنا مختار اور پسندیدہ ہے۔

پانچواں مسئلہ...... یہ شرط رکھے کہ اضافی غلہ کو فلاں مسجد میں مانگنے والوں پر صدقہ کیا جائے، اور نگران اسے کسی دوسری مسجد والوں پر یا مسجد سے باہر یا جو نہ مانگے اسے بھی دے سکتا ہے۔

چھٹا مسئلہ...... اگر اس نے ہر دن مستحقین کے لئے روٹی اور گوشت کو شرط رکھا، تو نگران نقد رقم بھی دے سکتا ہے اور راجح یہ ہے کہ انہیں اختیار ہے۔

ساتواں مسئلہ...... قاضی معلوم عالم کو زیادہ وظیفہ بھی دے سکتا ہے جب کہ وہ مقرر وظیفہ اس کے لئے کافی نہ ہو اور وہ عالم متقی اور پرہیز گار بھی ہو۔

مالکیہ کے ہاں...... ❶ واقف کی شرائط کا وجوبی طور پر اتباع کیا جائے گا اگر جائز ہوں اور اگر یہ مکروہ ہی ہوں اور شرعاً ممنوع نہ ہوں ہاں اگر شرائط جائز نہیں تو اتباع بھی جائز نہیں۔ اگر اس نے غلہ کو مذاہب اربعہ کے اہل کو دینے کی تخصیص کی یا کسی مدرسہ میں تدریس کرنے والوں کے لئے، یا مسجد کے امام کے لئے، یا نگران کو خاص کرے تو اس کی شرط کی اتباع لی جائے گی کیونکہ یہ شرط جائز ہے۔

شوافع...... ❷ نے بھی اسی کو برقرار رکھا ہے، کہ واقف کی شرط بھی باقی تمام شرائط کی طرح جو کسی مصلحت کو متضمن ہوں، اگر اس نے یہ شرط رکھی کہ موقوف کو بالکل کرایا پر نہ دیا جائے یا ایک سال سے زیادہ نہ دیا جائے تو یہ وقف صحیح ہے، اور ضرورت کی حالت مستثنیٰ ہے۔ جیسے وہ یہ شرط لگائے کہ گھر کو ایک سال سے زیادہ اجارہ پر نہ دیا جائے، پھر وہ گر جائے اور اس کی تعمیر دو سال کے اجارہ کے بغیر نہ ہو سکتی ہو تو اس کا اجارہ درست ہے نئے عقد کے ساتھ، اگر واقف نے شرط لگائی کہ نئے سرے سے عقد نہ ہو، کیونکہ اس کا اس سے روکنا اس کے معطل ہونے کی طرف سے جاتا ہے اور یہ وقف کی مصلحت کے مخالفت ہے۔

اور اگر مسجد کے وقف میں کسی خاص مذہب کے لئے شرط لگائے مثلاً شوافع کے لئے تو وہ خاص ہوگی جیسے مدرسہ کے لئے، جہاد کے لئے، جب کہ ان کے وقت میں کسی خاص گروہ کے لئے خاص کرے تو یقینی طور پر ان کے لئے اس کا اختصاص ہوگا، اسی طرح اگر قبرستان کو کسی خاص گروہ کے لئے وقف کرے تو اکثر کے ہاں وہ ان کے ساتھ خاص ہوگا۔

اور غلہ میں واقف کی شرط کے موافق تصرف کیا جائے گا مثلاً برابری، اضافہ، تقدیم، وتاخیر جمع وترتیب، اور جس کو چاہے داخل کرے، جس کو چاہے خارج کرے اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے وقف کیا اور اس کی شرائط لکھیں۔ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ مانگنے والوں محروم، مہمانوں، قریبی رشتہ داروں، مسافروں، جہادیوں وغیرہ کے لئے صدقہ ہے۔

اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تاکہ وہ مجھے جنت میں داخل کرے اور آگ کو میرے چہرہ سے دور رکھے اور مجھے آگ سے بچائے اللہ کے راستہ میں، اور ذی رحم محرم، قریبی ادھر سے لوگوں کے لئے ہے نہ اسے فروخت کیا جائے اور نہ اس میں میراث

❶ الشرح الصغیر ۴/ ۱۱۹، القوانین الفقہیۃ ص ۳۷۱۔ ❷ مغنی المحتاج: ۲/ ۳۸۵، المہذب: ۱/ ۴۴۳۔

جاری ہوگی، اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات اور بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے غریبوں کے لئے لکھا۔

حنابلہ کے ہاں...... [1] بھی اسی طرح حکم ہے کہ وجوبی طور پر واقف کی شرط پر عمل ہوگا اگر چہ شرط مباح ہو اور مکروہ نہ ہو، اور وقف کو اجارہ پر نہ دینے میں شرط پر عمل کیا جائے گا۔

مدت کی مقدار میں جب اس نے یہ شرط رکھی کہ ایک سال سے زیادہ اجارہ پر نہ دیا جائے تو اس پر زیادتی جائز نہیں، البتہ ضرورت کے وقت اس کے حساب سے اضافہ ہوگا جیسے شوافع نے کہا، اور شئی موقوف کے منافع کی تقسیم میں واقف کی شرط کے مطابق حکم ہوگا، یعنی استحقاق کی تقدیر میں، مثلاً مونث کے لئے ایک حصہ اور مذکر کے لئے دو حصے یا اس کا عکس۔

اور اسی طرح اس کی شرط کی طرف رجوع ہوگا تقدیم و تاخیر میں جمع اور ترتیب میں برابری اور کمی زیادتی میں مثلاً میں نے زید، عمر اور بکر پر وقف کیا تو ابتداء کی جائے گی پہلے دینے میں زید سے۔ یا اس نے اپنی اولاد اور ان کی اولاد پر وقف کیا اور استحقاق ایک ہی حالت میں رکھا یا اس نے ان کی اولاد اور پھر ان کی اولاد پر وقف کیا اور استحقاق کو ایک دوسرے پر مرتب کیا یا اس نے مستحقین میں برابری کی مثلاً مذکر اور مؤنث برابر ہیں یا اس نے ان کے درمیان کمی زیادتی کی مثلاً مذکر کو مونث کا دوگنا وغیرہ۔

اگر واقف کی شرط معلوم نہ ہو، تو اس کے اسلوب پر عمل ہوگا کہ جن کی زیادہ امید ہے ان کو پہلے دیا جائے اگر یہ متعذر ہو مثلاً تعمیر یا اصلاح کے لئے وقف ہو تو بقدر ضرورت صرف ہوگا، اور اگر کسی قوم پر وقف ہو تو دائمی معمول کے مطابق خرچ ہوگا ورنہ عرف کے حساب سے مقرر مقدار کے حساب سے اس لئے کہ شرط اکثر عرف کے اعتبار سے واقع ہوتی ہے اگر عرف بھی نہ ہو تو پھر برابری سے صرف ہوگا۔

اور اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ وہ اہل وقف میں سے کسی خاص صفت والے کو نکالے گا مثلاً مالدار فاسق وغیرہ کو یا کسی خاص صفت والے افراد کو داخل کرے گا مثلاً فقیر کو یا اہل صلاحیت کو یا دونوں چیزیں اکٹھی کرے گا مثلاً داخل بھی اور خارج بھی تو اس شرط پر عمل کیا جائے گا گویا اس نے استحقاق کو صفت کے ساتھ معلق کیا ہے۔

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر واقف نے یہ شرط لگائی کے وہ جب چاہے گا موقوف کو فروخت کر دے گا یا ھبہ کر دے گا یا اس میں رجوع کرے گا تو نہ ہی یہ شرط صحیح ہے اور نہ ہی وقف کیونکہ؟ شرط وقف کے مقتضیٰ کے منافی ہے۔

اور اگر واقف نے یہ شرط لگائی کہ اہل وقف میں سے جس کو چاہے گا خارج کر دے گا یا جس کو چاہے گا داخل کر دے گا تو وقف صحیح نہیں، کیونکہ یہ شرط وقف کے مقتضیٰ کے منافی ہے لہٰذا اسے فاسد کر دے گی جیسا کہ یہ شرط لگائی کہ موقوف علیہ وقف سے فائدہ حاصل نہ کرے۔

اگر اس نے قبرستان، رباط، مدرسہ، یا امامت وخطابت اہل شہر کے لئے خاص کی یا کسی خاص مذاہب والے مثلاً حنابلہ کے لئے یا کسی خاص قبیلہ والوں کے لئے تو یہ خاص ہوں گے شرط پر عمل کرتے ہوئے جیسا کہ شوافع نے کہا، ہاں اگر اہل بدعت (،) کے لیے خاص کیا تو پھر خاص نہ ہوگا یا یہ شرط رکھی کہ اس سے نفع نہ اٹھایا جائے یا نیکی کرنے والے اس کے مستحق نہیں تو بھی یہ درست نہیں۔ رہ گیا مالداروں اور بادشاہوں کا وقف تو اس میں ان کی شرائط کی اتباع نہ کی جائے گی سوائے اس کے کہ اس میں کوئی مصلحت ہو مسکینوں اساتذہ یا طلبہ کے لئے۔

خلاصہ یہ کہ تمام مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ واقف کی شرط پر عمل واجب ہے جیسے نص شارع پر۔ اور بعض فقہاء کے ہاں واقف کی نصوص، شارع کی نصوص کی طرح ہیں فہم اور دلالت میں نہ کے عمل کے واجب ہونے میں، اور یہ ثابت شدہ بات کے منافی ہے کہ واقف، موصی، حالف، ناذر اور ہر عاقد کا قول معمول کے مطابق اس کے خطاب پر محمول ہوگا۔

---

[1] ...... کشاف القناع: ۲۸۶/۴۔ ۲۹۰، غایۃ المنتهیٰ: ۳۰۸/۲۔ ۳۱۰، المغنی: ۵۵۲/۵۔

دوسری بحث: موقوف کی شرطیں......اس شرط پر فقہاء متفق ہیں کہ شے موقوف (وقف شدہ چیز) قیمتی مال ہو معلوم ہو اور اس میں واقف کی مکمل اور تمام ملکیت ہو اور اس میں کسی کو کوئی خیار نہ ہو۔

اور موقوف کی شرائط ہر مذہب کے مطابق علیحدہ بیان کرنا زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ مختلف قسم کی ہیں۔ حنفیہ کے ہاں ❶ موقوف میں چار شرطیں ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱: **شے موقوف قیمتی مال ہو اور عقد ہو**......اس چیز کا وقف صحیح نہیں جو مال نہ ہو جیسے منافع صرف عین کے علاوہ، اور حقوق مالیہ مجردہ جیسے حقوق ارتفاق، کیونکہ ان کے ہاں حق مال نہیں۔ اور اس طرح اس خیر کا وقف بھی صحیح نہیں جو شرعاً مال متقوم نہ ہو جیسے نشہ آور اشیاء گمراہیوں کی کتابیں، اور ملحدوں کی کتابیں، کیونکہ ان سے نفع اٹھانا مباح اور جائز نہیں، وقف کا مقصد حاصل نہیں ہوتا یعنی موقوف علیہ کا نفع خاص کرنا اور واقف کو ثواب ہونا۔

اور منقول کا وقف مقصودی اعتبار سے صحیح نہیں کیونکہ وقف کے جائز ہونے کے لئے ہمیشگی شرط ہے اور منقولی اشیاء کا وقف ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔ البتہ منقولی اشیاء کا وقف کسی دوسرے کے تابع ہو کر درست ہے۔ جیسے زمین کے تابع کر کے حقوق ارتفاق مثلاً پانی، پانی گذارنے کے راستہ اور دوسرے راستوں کا وقف، اور اسی طرح جن چیزوں کے وقف میں معمول ہو ان کا وقف بھی استحساناً جائز ہے جیسے کتابوں کو وقف کرنا، جنازہ کے سامان کو، دیگچی وغیرہ کو پانی گرم کرنے کے لئے وقف کرنا، اور قبریں کھودنے کے لئے پھاوڑا کدال وغیرہ کا وقف کیونکہ لوگوں کا اس میں تعامل ہے، اور جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں گھوڑوں اور اسلحہ کا وقف جہاد کے لیے جائز نہیں کیونکہ یہ منقولی اشیاء ہیں، اور اس کی عادت بھی نہیں، جب کہ صاحبین کے ہاں ان چیزوں کا وقف جائز ہے اور ان کے ہاں اس چیز کی فروخت بھی جائز ہے اس میں سے جو پوری ہو جائے اور اس حالت کو پہنچ جائے کہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جا سکتا۔

اسے فروخت کرے اس کے ثمن جمع کرائے جائیں گے سابقہ حدیث کی وجہ سے ''کہ خالد نے تو گھوڑے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں وقف کئے۔''

۲......شئی موقوف معلوم ہو، یا تو اس کی مقدار متعین کرنے سے جیسے ایک ہزار مربع میٹر زمین کا وقف، یا سنت کے اعتبار سے متعین کرنے سے جیسے فلاں طرف سے نصف زمین، لہٰذا مجہول اور نامعلوم چیز کا وقف صحیح نہیں کیونکہ جہالت نزاع کی طرف لے جاتی ہے۔

ان کے ہاں عقار کی حد بندی شرط نہیں البتہ قانونی اعتبار سے مصر میں اس کی حد بندی شرط قرار دی گئی ہے کہ اس کا طول وعرض معلوم ہو۔

۳......وقف کے وقت شئی موقوف واقف کی مکمل ملکیت میں ہو، اور اس میں خیار نہ ہو۔ کیونکہ وقف ملکیت کو ساقط کرنے کو کہتے ہیں، لہٰذا واجب ہے کہ شئی موقوف مملوک ہو، پس جس نے کوئی چیز خریدی اور اس میں بائع کو تین دن کا اختیار ہو پھر مشتری اسے خیار کی مدت میں وقف کر دے تو وقف صحیح نہیں کیونکہ وہ ایسی چیز کو وقف کر رہا ہے جو مکمل طور پر اس کی ملکیت میں نہیں کیونکہ یہ بیع لازم نہیں۔

۴......شے موقوف جدا کی گئی ہو، وہ کسی اور کے ساتھ مشترک نہ ہو جب کہ وہ تقسیم کے قابل ہو اس لئے یہ شئی موقوف کا سپرد کرنا امام محمد رحمہ اللہ کے ہاں وقف کے جائز ہونے کے لئے شرط ہے، اور مشترک ہونا قبضہ اور سپرد کرنے کے لئے مانع ہے۔

---

❶......البدائع: ۶/ ۲۲۰، الدر المختار وردالمحتار: ۳ ۳۹۳، ۳۹۵۔

امام ابو یوسف، شوافع اور حنابلہ نے یہ شرط نہیں لگائی، انہوں نے مشاع ومشترک کے وقف کو جائز قرار دیا ہے، اس لئے کہ سپرد کرنا بالکل شرط ہی نہیں دلیل یہ کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو حصے خیر میں وقف کئے۔

مصری قانون نمبر (۴۸ سن ۱۹۴۶ء) میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے کو لیا گیا ہے، کہ مشاع اور مشترک جو تقسیم کے قابل ہو اس کا وقف جائز ہے کسی نیکی کے کام کے لئے جیسے ہسپتال، مدرسہ، اس لئے کہ اگر اس میں جھگڑا ہوا تو اس کا فیصلہ ممکن ہے تقسیم کر کے۔

اور اس قانون میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کی رائے کو لیا گیا ہے اس مسئلہ میں کہ ایک مشترک حصہ کا وقف بغیر جدا کئے مسجد، یا قبرستان کے لئے کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس کا مشترک ہونا اس کے خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے سے روکنا ہے اور اسے نفع کی جہت سے تبدیلی کا نشانہ بناتا ہے۔ اور اسے دکانیں، بازاری زمین وغیرہ بنا دیا جاتا ہے جب کہ یہ معلوم شرعات ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

اور اسی طرح دفعہ (۸) میں مالکیہ کی رائے ❶ کو لیا ہے کہ جو حصہ تقسیم کو قبول نہیں کرتا اس مشترک سے وقف جائز نہیں، کیونکہ موقوف کا غیر کے ساتھ مشترک ہونا ان کے نفع وغلہ میں حائل ہوتا ہے اور کبھی جھگڑوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ البتہ قانون نے تین حالتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اور ان میں ناقابل تقسیم حصہ کے وقف کو جائز قرار دیا ہے۔

پہلی حالت...... اس کا باقی حصہ بھی وقف ہو، اور اس موقوف کی جہت متحد ہو جائے۔

دوسری حالت...... یہ کہ مشاع حصہ جزو ہو کسی شے کی منفعت کے حصول کے لئے موقوف کا جیسے راہٹ وقف کی زمینوں کے لئے۔

تیسری حالت...... مشترک حصہ یا سہم مالی شرکت میں ہو اس شرط کے ساتھ کہ نفع اور غلہ حاصل کرنے کے طریقے شرعاً جائز ہوں مثلاً پیشے، زراعت، تجارت وغیرہ لیکن اگر شرعی طور پر حرام ہو، جیسے سودی کھاتے تو ان کا وقف صحیح نہیں حرام ہے ❷

اور مالکیہ نے ❸ موقوف میں یہ شرط رکھی ہے کہ وہ اس طرح مملوک ہو کہ اس میں کسی دوسرے کا کوئی حق نہ ہو اور اگر تقسیم کے قابل نہیں تو پھر جدا ہو، اور مملوک کسی چیز اور نفع پر مشتمل ہو جیسے حیوان شامل ہوتا ہے، پس درست ہے کہ کسی مستحق پر وقف کیا جائے تاکہ وہ اس سے اپنی خدمت کے، سواری کرے یا اس پر بوجھ لادے اور یہ طعام، دراہم اور دیناروں کو بھی شامل ہے اور ان کے بدل کو عین کے قائم مقام رکھا جائے گا، لیکن راجح یہی ہے کہ طعام اور نقدی کا وقف جائز ہے۔

شے مرہون کا وقف صحیح نہیں اور اجارہ والی چیز کا اس حال میں کہ اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو۔ مثلاً واقف مذکورہ چیزوں کو فی الحال وقف کرنے کا ارادہ کرے باوجود یہ کہ وہ رہن ہو، یا اجرت پر ہو، کیونکہ ان کے وقف میں مرتہن کے حق کو باطل کرنا ہے لیکن اگر مذکورہ اشیا کو اس طرح وقف کیا کہ رہن اور اجارہ سے چھوٹنے کے بعد کی نیت کی تو وقف صحیح ہے کیونکہ ان کے ہاں وقف میں تنجیز شرط نہیں۔

شوافع اور حنابلہ نے ❹ یہ شرط رکھی ہے کہ موقوف متعین اور معلوم ہو نہ کہ ایسی چیز ہو جو ذمہ میں ہوتی ہے اور ایسی مملوک ہو کہ بیع وغیرہ کے لئے ذریعہ اس کا منتقل کرنا ممکن ہو، اور اس سے عرفاً نفع اٹھانا ممکن ہو جیسے اجارہ اگرچہ اس میں سے مشترک حصہ ہو اور اس کا نفع دائمی ہو مباح اور مقصود ہو۔

لہٰذا خالص منفعت کا وقف درست نہیں عین کے بغیر جیسے مستاجر اجرت پر دی گئی عین کی منفعت، یا موصی لہ چیز کی منفعت، اور ذمہ میں موجود چیز کا وقف۔ جیسے ذمہ میں موجود گھر کو وقف کیا یا کپڑے کو، اور نہ ہی دو گھروں میں سے ایک گھر کا وقف، اور نہ ہی جس کا مالک

---

❶......الشرح الصغیر: ۴/۱۰۷، ۱۰۹، ۱۲۶. ❷الوقف عیسوی ص ۳۱. ❸الشرح الکبیر: ۴/۷۷. ❹مغنی المحتاج: ۲/۳۷۷، المغنی: ۵/۵۸۳-۵۸۷، کشاف القناع: ۴/۲۶۹-۲۷۲، غایۃ المنتہی: ۳/۳۰۰.

نہیں اس کا وقف الا یہ کہ حاکم بیت المال کی زمین میں سے کوئی چیز وقف کرے تو وہ صحیح ہے۔اسی طرح اس چیز کا وقف جو منتقل ہونا قبول نہیں کرتی، یا بیع قبول نہیں کرتی جیسے ام ولد، اور حمل، لہٰذا اکیلے ان کا وقف صحیح نہیں اگر چہ ان کا عتق درست ہے۔اور آزاد کا وقف صحیح نہیں کیونکہ وہ ملکیت میں نہیں۔

اور اس چیز کا وقف صحیح نہیں جس میں کوئی فائدہ نہیں یا جس کی کوئی منفعت نہیں جیسے کتے کا وقف، خنزیر اور درندوں کا وقف، ان پرندوں کا وقف جو شکار نہیں کر سکتے اور فائدہ کا مطلب یہ ہے کہ دودھ اور پھل وغیرہ۔البتہ مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

جیسا کہ شوافع نے ذکر کیا، کہ بھینسے (نر) کا وقف کرنا جفتی کے لئے جائز ہے لیکن اس کو اجرت پر دینا جائز نہیں۔

اسی طرح اس چیز کا وقف بھی جائز نہیں جس کا نفع دائمی نہ ہو، جیسے طعام، پانی کے علاوہ مشروبات، شمع، ریحان وغیرہ، کیونکہ کھانے اور طعام کی منفعت اسے ہلاک کرنے میں ہے۔

اور موم بتی نفع حاصل کرنے سے تلف ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ ماکولات اور مشروبات کی طرح ہے۔

نیز اس لئے بھی کہ موم بتیاں اور پھول وغیرہ بہت جلد تلف ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ کھانے کے مشابہ ہیں اور اس چیز کا وقف بھی صحیح نہیں جس کا وقف مباح نہیں جیسے لہولعب اور گانا بجانے کے آلات، کیونکہ ان سے حاصل ہونے والی منفعت مباح نہیں، اور نہ ہی دراہم ودنانیر (نقدی) کا وقف تزئین وآرائش کے لئے کیونکہ منصوص کے مطابق ان کا وقف صحیح نہیں، کیونکہ انتفاع مقصود نہیں، رہ گیا پانی تو اس کا وقف صحیح ہے۔اور تیل کا وقف مسجد کے لئے صحیح ہے کہ اس کو جلایا جائے، کیونکہ مسجد کو روشن رکھنا مندوب ہے۔

موقوف کی منفعت کو وصول کرنا، یا تو منفعت حاصل کرے جیسے گھر میں رہائش اور سواری پر سوار ہونا، اور زمین کی کھیتی یا عین حاصل کرے جیسے درخت کا پھل اور جانور کی اون، بال، دودھ اور انڈے۔

اور موقوف کا غیر منقولی اشیاء ہونا بھی درست ہے جیسے زمین، درخت وغیرہ، یا منقول ہونا جیسے جانور مثلاً گھوڑے مجاہدین کے لئے وقف کرنا، یا سامان مثلاً مسجد میں بچھانے کے لئے چٹائیاں وغیرہ یا اسلحہ مثلاً تلوار، نیزہ، وغیرہ مجاہدین کے لئے وقف کرنا، یا قرآن کریم اور علمی دینی کتابیں وغیرہ۔❶

زمین اور غیر منقولہ جائیداد کا وقف......تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے خیبر کی زمین سے ایک سو سہم وقف فرمائے تھے، اور جانور تو وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع حدیث کی وجہ سے کہ ''جس نے ایمان کی حالت میں اور ثواب حاصل کرنے کے لئے گھوڑا اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کیا تو اس کا کھانا، لید اور پیشاب قیامت کے دن نیکیوں کے پلڑے میں ہوگا۔اور رہ گیا سامان اور اسلحہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' خالد نے اپنی ذرعہ وقف کی اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ جہاد میں تیار کیا۔❷ اور اس کے علاوہ مذکورہ اشیاء اسی پر قیاس کی گئی ہیں، کیونکہ ان میں نفع ہے مباح اور مقصود لہٰذا ان کا وقف بھی اسلحہ کی طرح جائز ہے۔

اور میں محل وقف میں بیان کر چکا ہوں کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں مشاع اور مشترک کا وقف مطلقاً درست اور صحیح ہے۔اور مالکیہ کے ہاں جو قابل تقسیم ہے اس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی وجہ سے کہ انہوں نے خیبر سے سو حصے وقف کئے اور اگر مسجد کے لئے وقف کیا تو وقف کا تلفظ کرتے ہی فوراً اس کے لئے مسجد کا حکم ثابت ہو جائے گا اس سے جنبی نشینیوں اور جس پر نجاست ہو اسے روکا جائے گا اور مشاع اور مشترک کے وقف میں تقسیم متعین ہو جائے گی مسجد کے لئے، کیونکہ اس سے نفع اٹھانے کا طریقہ متعین ہے اور زیور کا وقف

---

❶......رواه البخاری۔❷متفق علیه، ولفظ البخاری واعتده قال الخطابی، الاعتاد مایعده الرجل من مرکوب وسلاح وآلة الجهاد۔

بھی پہننے کے لئے صحیح ہے اور عاریت پر دینا بھی، نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سابقہ حدیث کی وجہ سے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا زیور خطاب کی اولاد کے لئے وقف کیا۔

گھر وغیرہ کا وقف صحیح ہے اگر چہ اس کی حدود متعین نہ بھی کرے جب کہ وہ واقف کے مملوک ہو اور شوافع کے ہاں اصح قول کے مطابق شکاری معلم کتے کا وقف شکار کے لئے صحیح نہیں نا قابل تعلیم کا کیونکہ وہ اس کا مملوک نہیں۔

اور حنابلہ کے ہاں درندوں کا وقف صحیح ہے اور زخمی کرنے والے پرندوں کا بھی جو شکار کر سکتے ہوں کیونکہ ان سے نفع حاصل کرنا ضرورت کی صلح ہے۔

تیسری بحث: موقوف علیہ کی شرائط..... موقوف علیہ یا تو متعین مثلاً فقراء علماء، قراء مجاہدین، مساجد، کعبہ، جہاد، مدارس، سرحدیں اور مردوں کی تکفین۔

متعین وقف کی شرائط..... متعین پر وقف کی شرط ہے بالاتفاق کہ وہ مالک بننے کا اہل ہو اور فقہاء کا اختلاف ہے معدوم مجہول اور اپنے اوپر وقف کرنے میں۔

حنفیہ کے ہاں..... ❶ معلوم اور معدوم، مسلمان اور ذمی اور مجوسی پر وقف صحیح ہے صحیح قول کے مطابق، کیونکہ مجوس بھی ذمی ہیں البتہ کسی مسلمان کا یا ذمی کا کنیسہ وغیرہ کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں یا کسی حربی کے لئے وقف کرنا مسلمان کے وقف کا بیعہ اور کنیسہ کے لئے صحیح نہ ہونا کیونکہ یہ وقف ثواب اور قربت حاصل کرنے کے لئے نہیں اور ذمی کے لئے اس لئے کہ ذمی کے ہاں بھی اور ہمارے ہاں بھی یہ قربت اور ثواب کا کام نہیں اور حربی کے لئے اس لئے کہ ہمیں حربیوں سے نیکی کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور مفتی بہ قول کے مطابق جو امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور دو دوسرے ائمہ حنفیہ کا قول ہے کہ اپنے نفس کے لئے واقف وقف کر سکتا ہے یا اس کی ولایت اور انتظام اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔

مالکیہ کے ہاں..... ❷ جو لوگ مالک بن سکتے ہیں ان پر وقف کرنا صحیح ہے چاہے موجود ہوں یا عنقریب زمانہ میں موجود ہوں جیسے وہ بچہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا عنقریب میں ہو جائے گا چاہے اس سے ثواب اور قربت کا اظہار ہو جیسے فقیر کے لئے وقف کرنا یا قربت اور ثواب کا اظہار نہ ہو، جیسے موقوف علیہ مالدار ہو، اور یا وقف مسلمان کا ذمی پر ہو اگر چہ وہ کتابی نہ بھی ہو اور حربی پر وقف درست نہیں یا جانور پر وقف درست نہیں، اس بناء پر ان کے ہاں معدوم اور مجہول مسلمان اور ذمی قربت اور بعید سب کے لئے وقف صحیح ہے سوائے اس کے کہ جس نے ابھی پیدا ہونا ہے اس پر وقف لازم نہیں، بلکہ اس کا لزوم موقوف رہے گا اور اس کا غلہ اس کے پائے جانے تک موقوف رہے گا پھر اسے دیا جائے گا، جب کہ وجود میں آنے سے کوئی مانع نہ ہو جیسے موت یا اس کے وجود سے ناامیدی تو غلہ مالک یا اس کے ورثاء کا ہوگا اگر وہ مرگیا، اور اسی بناء پر واقف کے لئے وقف کو فروخت کرنا موقوف علیہ کے پیدا ہونے سے پہلے جائز ہے۔

واقف کا اپنی ذات کے لئے وقف باطل ہے اگر چہ غیر وارث شریک کے ساتھ بعید جیسے اپنے لئے اور فلاں کے لئے وقف پر باطل ہوگا جو اس نے خاص کیا اور اسی طرح جو شریک کے لئے خاص کیا الا یہ کہ شریک مانع کے پائے جانے سے پہلے اس پر قبضہ کرلے اگر اس نے اپنے لئے اور اس کے بعد اپنی اولاد کے لئے وقف کیا تو وہ اس کی موت کے بعد وقف ہوگا اس کی اولاد پر اگر انہوں کسی مانع سے پہلے

❶.....الدر المختار وردالمحتار: ۳/۳۹۵، ۴۲۱، فتح القدیر ۵/۵۶، اللباب ۲/۱۷۵۔ ❷الشرح الصغیر: ۴/۱۰۲، الشرح الکبیر: ۴/۷۷۔۸۰ القوانین الفقهیة: ۳۸۰۔

اس پر قبضہ کرلیا تو چاہے اپنے اوپر وقف کو مقدم رکھے یا مؤخر یا درمیان میں مثلاً کہے میں نے اپنے اوپر وقف کیا پھر اپنے بعد اولاد پر یا میں نے زید پر وقف کیا پھر اپنے اوپر یا میں نے زید پر وقف کیا پھر اپنے اوپر پھر عمر پر یہ بھی اس وقت ہے جب اپنی صحت کی حالت میں ایسا کرے اگر اپنے مرض میں وقف کیا تو ثلث سے صحیح۔

شوافع نے...... ❶ واضح کیا ہے کہ وقف اگر معین پر کیا، اور وقف کی حالت میں تملیک ممکن ہو یعنی خارج میں موجود ہو تو وقف درست ہے اور معدوم پر وقف صحیح نہیں یعنی پیٹ میں موجود بچے پر کیونکہ فی الحال اس کا مالک بننا صحیح نہیں چاہے وہ مقصود ہو یا تابع ہو اگر اس کی اولاد ہو اور اس کا جنین بھی ہو تو وہ اولاد میں داخل نہ ہوگا لہٰذا اولاد کی اولاد پر وقف درست نہیں جب کہ وہ موجود نہیں اور نہ ہی فقیر کی اولاد پر جب کہ ان میں کوئی فقیر نہ ہو اور مجہول پر بھی وقف صحیح نہیں۔

جیسے غیر متعین آدمی پر وقف یا جسے فلاں پسند کرے، کیونکہ وقف میں فی الفور تملیک ہوتی ہے لہٰذا مجہول میں صحیح نہیں جیسے بیع اور ہبہ، اور غلام کا اپنے اوپر وقف صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ ملکیت کا اہل نہیں لیکن اگر اس نے غلام پر وقف کو مطلق رکھا تو وہ اس کے آقا کے لئے ہوگا جیسے ہبہ اور وصیت میں۔ اگر اس نے وقف کو جانور پر مطلق رکھا یا اس کے چارے کے ساتھ مقید کیا تو اس پر وقف لغو ہوگا کیونکہ جانور کسی بھی صورت میں مالک بننے کا اہل نہیں جیسے کہ اس کے لئے ہبہ اور وصیت درست نہیں اور اصح قول کے مطابق اپنے لئے وقف صحیح نہیں یا مرتد کے لئے یا حربی کے لئے، اس لئے کہ انسان کے لئے اپنی ملکیت کا پھر مالک ہونا متعذر ہے کیونکہ اسے پہلے سے ملکیت حاصل ہے اور حاصل شدہ کو حاصل کرنا محال ہے اور مرتد اور حربی تو قتل کے لئے موجود ہیں ان کے لئے دوام نہیں اور وقف صدقہ جاریہ ہے جیسے ایسی چیز کو وقف نہیں کیا جا سکتا جس کے لئے دوام نہیں تو اس پر بھی وقف نہیں کیا جا سکتا جس کے لئے دوام نہیں جیسے کفر، پس مرتد اور حربی کافروں کے لئے وقف درست اور صحیح نہیں کیونکہ وہ تو نافرمانی اور گناہ کا کام ہوگا البتہ واقف کے لئے جائز ہے کہ وہ نگرانی اپنی رکھنا شرط رکھے۔ مسلمان کا وقف یا ذمی کا وقف کسی متعین ذمی کے لئے درست ہے جیسے نفلی صدقہ، کہ یہ اس پر جائز ہے کیونکہ وہ بھی قربت اور ثواب حاصل کرنے کی جگہ ہے لیکن اس پر وقف صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں گناہ کا ارادہ ظاہر نہ ہو، اگر اس نے کہا: میں نے کنیسہ کے خادم پر وقف کیا تو صحیح نہیں جیسے وہ اپنے اوپر ہو اور یہ کہ اس کی تملیک ممکن ہو لہٰذا مصحف کا وقف اور شرعی کتب اس پر وقف کرنا صحیح نہیں اور ذمیوں کی ایک جماعت متعین ایک کی طرح ہے۔

معاہد اور مستامن اصح قول کے مطابق ذمی کی طرح ہیں اگر وہ ہمارے دار میں رہیں جب دار الحرب میں چلے گئے تو ان کے مابعد والوں پر اسے خرچ کیا جائے گا، جیسے کہ ذمی اگر دار الحرب میں چلا جائے تو اس کے وقف کو دوسروں پر صرف کیا جاتا ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... ❷ اجمالی طور پر شوافع کی طرح ہی حکم ہے کہ یہ شرط ہے کہ اس پر وقف کرے جو مستقل طور پر وقف کا مالک بن سکتا ہے اور یہ کہ وہ معلوم بھی ہو اور موجود بھی لہٰذا جو مالک نہیں بن سکتا اس پر وقف صحیح نہیں جیسے غلام مطلقاً اور میت اور پیٹ میں موجود حمل، فرشتے، جن اور شیاطین پر۔ کیونکہ یہ مالک نہیں بن سکتے اور خالص غلام تو لازمی طور پر مالک نہیں بن سکتا، مکاتب غلام اگرچہ مالک بن سکتا ہے لیکن اس کی ملکیت ضعیف ہے اور مستقر نہیں اور حمل وصیت اور میراث کے علاوہ کا مالک نہیں بن سکتا۔ البتہ حمل کے لئے وقف غیر کے تابع کر کے کرنا صحیح ہے جیسے میں اپنی اولاد پر وقف کرتا ہوں اور فلاں کی اولاد پر ان میں حمل بھی ہو تو وقف اسے شامل ہوگا۔

---

❶......مغنی المحتاج: ۳/۳۷۹ وما بعدها، المهذب: ۱/۴۴۱۔ ❷ کشاف القناع: ۴/۲۷۴، ۲۷۷، المغنی: ۵/۵۵۰ وما بعدها ۵۷۰، ۵۸۵۔۵۸۹۔

اور مرتد اور حربی پر وقف درست نہیں کیونکہ ان کے اموال اصل کے اعتبار ہی سے مباح ہیں اور ان سے لینا غلبہ حاصل کر کے اور قہراً جائز ہے اور جو ان کے لئے تجدیدی طور پر ہو وہ تو بطریق اولیٰ لینا جائز ہے اور یہ جائز نہیں کہ وقف اصل میں مباح ہو کیونکہ اس میں تو اصل کو روکا جاتا ہے۔

اور مجہول پر بھی وقف صحیح نہیں جیسے کہ آدمی، مسجد وغیرہ پر اور نہ ہی ان دو میں سے ایک مرد یا ایک مسجد کے لئے کیونکہ اس میں شک ہے اور جو چیز اصلی اعتبار سے معدوم ہو اس پر وقف صحیح نہیں مثلاً میں نے اس پر وقف کیا جو عنقریب پیدا ہو گی۔

یا فلاں کے لے یا جو میرے لئے پیدا ہو یا فلاں کے لئے۔ کیونکہ معدوم کی تملیک صحیح نہیں اور تابع کر کے معدوم پر وقف صحیح ہے جیسے میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور اس پر جو عنقریب پیدا ہو گا یا زید کی اولاد پر اور جو اس کے لئے عنقریب پیدا ہو گا یا اپنی اولاد اور پھر ان کے بعد ان کی اولاد پر ہمیشہ کے لئے اور یہ شوافع کے برخلاف ہے۔

اور جانور کے لئے وقف صحیح نہیں کیونکہ وہ مالک بننے کا اہل نہیں۔ ذمی پر وقف صحیح ہے اور اہل ذمہ پر بھی کیونکہ وہ مالک ہوتے ہیں اور ان کی ملکیت کی حرمت ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ ان پر صدقہ کر دیا جائے، لہٰذا ان پر وقف بھی جائز ہے جیسے مسلمانوں پر، اور مسلمان کا ذمی کے لئے وقف جائز ہونے کی دلیل وہ روایت ہے کہ صفیہ بنت حیی زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک یہودی بھائی کے لئے وقف کیا، نیز اس لئے بھی کہ یہ جائز ہے ذمی مسلمان پر وقف کرے تو یہ بھی جائز ہے کہ مسلمان بھی اس پر وقف کرے جس طرح مسلمان کا مسلمان پر جائز ہے، اور اسی طرح اگر ان لوگوں پر وقف کیا جو ان کے کنسیوں اور بیعوں میں ٹھہرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ وقف ان پر ہے نہ کہ ان جگہوں کے لئے۔

اور اپنے نفس پر وقف باطل ہے، اس لئے کہ جس نے وقف صحیح کے ساتھ کوئی چیز وقف کی تو اس کے سارے منافع موقوف علیہ کے لئے ہیں اور واقف کی اس سے ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے منافع سے، اور اس کے لئے جائز نہیں ہوتا کہ وہ اس میں سے کسی چیز سے نفع اٹھائے اس لئے کہ وقف تو تملیک ہے یا تو عین کی یا اس کے منافع کی اور یہ دونوں یہاں صحیح نہیں اس لئے کہ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے لئے اپنا مالک ہو جیسے اپنے مال کو اپنے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔

اگر اس نے ایسا کیا کہ پہلے اپنے اوپر وقف کیا پھر اپنی اولاد پر تو وقف فی الحال اس کے مابعد والوں کی طرف منتقل ہو جائے گا لیکن واقف کو اجازت ہے کہ وہ کسی دوسرے پر اگر وقف کرے مثلاً کسی انسان یا مسجد وغیرہ پر تو وہ درج ذیل حالات میں شئی موقوف سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

۱..... کہ تمام مسلمانوں کے لئے کوئی چیز وقف کرے تو وہ بھی ان میں داخل ہو گا مثلاً مسجد کے لئے وقف کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس میں نماز پڑھے یا قبرستان کے لئے وقف کرے تو اسے بھی اس میں دفن ہونا جائز ہے، یا کنواں مسلمانوں کے لئے وقف کرے تو وہ بھی اس سے پانی بھر سکتا ہے یا کوئی ایسی چیز جو عام ہو تمام مسلمانوں کے لئے تو یہ بھی ان میں سے ایک طرح ہو گا اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیر رومہ وقف کیا تو ان کا ڈول اس میں عام مسلمانوں کے ڈولوں کی طرح تھا۔

۲..... واقف وقف میں یہ شرط لگائے کہ اس میں سے اپنے نفس پر بھی خرچ کرے گا، جیسا کہ امام احمد نے حجر المری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں یہ تھا کہ ان کے اہل اس میں سے معروف طریقے کے مطابق کھائیں، نیز اس لئے بھی کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وقف کیا تو فرمایا تو اس کا ولی ہے اس کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس میں سے کھائے یا اپنے کسی دوست کو صدقہ کر دے لیکن اس سے وہ مالدار نہیں بن سکتا، اور وقف اس کے قبضہ میں ہونے تک نیز اس لئے بھی کہ

جب اس نے عام وقف کر دیا جیسے مساجد کے لئے یا پانی اور رباط اور قبرستان کے لئے تو ان سے اسے فائدہ حاصل کرنے کی گنجائش ہے تو یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ اپنے لئے زندگی کے دوران نفع اٹھانے کی شرط رکھے یا کسی متعین اور معلوم مدت تک اور چاہے جو اس میں سے کھائے گا اس کی مقدار معین کرے یا نہ، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولی کے لئے کھانے والی چیزوں اور طعام کی مقدار مقرر نہیں فرمائی سوائے اس کے کہ وہ معروف طریقے سے استعمال کرے۔

امام مالک، شافعی اور محمد رحمہم اللہ واقف کے لئے وقف سے فائدہ حاصل کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے، لہٰذا اپنے لئے نفع رکھنے کی شرط جائز نہیں جیسے بیع اور ہبہ، جیسے کہ غلام کو اس شرط کے ساتھ آزاد کرے کہ وہ اس کی خدمت کرے گا۔

نیز اس لئے بھی کہ وہ جو اپنے نفس پر خرچ کرے گا وہ مجہول ہے لہٰذا اس کی شرط صحیح نہیں جیسے کوئی چیز فروخت کرے اور اس سے نفع حاصل کرنے کی شرط لگائے۔

۳.....واقف یہ شرط رکھے کہ وقف سے وہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے گا، یہ وقف اور شرط دونوں صحیح ہیں، اس لئے کہ نبی کریم نے اپنے صدقہ میں یہ شرط لگائی تھی، اور اگر اس نے یہ شرط لگائی کہ اس کا منتظم بھی اس میں سے کھائے گا اور دوستوں کو بھی کھلائے گا تو یہ شرط جائز ہے اس لئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صدقہ میں یہ شرط لگائی تھی جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا تھا۔ اگر واقف خود اس کا متولی بنا تو وہ اس میں سے خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور دوستوں کو بھی استعمال کروا سکتا ہے۔ کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولی بنے تھے صدقہ کے اور اگر اس کے خاندان وعیال میں سے کوئی ولی بنا تو اسے ولایت ہوگی، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے وقف کی متولی تھیں پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر اس کے متولی رہے ہیں۔

موقوف علیہ کی شرائط......موقف علیہ میں جو متعین نہ ہو درج ذیل شرائط ہیں۔ ❶

پہلی شرط...... یہ کہ وہ معلوم ہو اور نیکی کا کام ہو، اور اس پر خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کی قربت سمجھا جاتا ہو اور مسلمان کے لئے تو یہ شرط متفق علیہ ہے۔ بایں طور کہ موقوف علیہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت ہو اور حکماً مالک بننے کی جہت ہو۔ اور یہ (نیکی) خیر کی تمام چیزوں کے لئے جامع نام ہے۔ اور اس کی اصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے اور مراد یہ ہے کہ موقوف علیہ پر خرچ کرنے میں قربت کا معنی شرط ہے، اس لئے کہ وقف قربت اور صدقہ ہے لہٰذا اس کا پایا جانا ضروری ہے جس کی وجہ سے وقف کیا جا رہا ہے، کیونکہ یہی مقصود ہے جیسے فقراء، علماء قریبی رشتہ داروں پر وقف کرنا یا انسانوں کے علاوہ مساجد، مدارس ہسپتال، حج، جہاد، فقہ کی لکھائی، قرآن کی لکھائی کنویں، پل، راستہ کی اصلاح وغیرہ پر اسی طرح حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ اوڑھنے والی چادریں فقراء پر وقف کرنا کہ وہ سردیوں میں استعمال کریں اور اس کے بعد واپس کر دیں تو یہ وقف بھی درست ہے اور اگر مسجد میں تلاوت کرنے والے قاریوں کے لئے قرآن کریم وقف کیا تو یہ بھی جائز ہے۔ جب کہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اور اس میں امیر غریب سب برابر ہیں جب کہ اس نے مسجد پر وقف کیا ہو۔ لیکن یہ اس مسجد کے لئے بھی خاص نہ ہوں گے ان کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے جیسا کہ اوقاف کی کتابوں کو اپنی جگہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے وقف کرے اور طالب علموں پر وقف کرنا صحیح ہے کیونکہ ان میں اکثر فقیر ہی ہوتے ہیں اور حنفیہ کے ہاں صرف امیر لوگوں کے لئے وقف

---

❶......الدر المختار ورد المحتار: ۳/۳۹۱، ۳۹۴، وما بعدها، ۴۱۱، الشرح الكبير: ۴/۷۷ وما بعدها، الشرح الصغير: ۴/۱۰۲، وما بعدها، ۱۱۶، مغني المحتاج: ۲/۳۸۰، وما بعدها، المهذب: ۱/۴۴۱، كشاف القناع: ۴/۲۶۲ و مابعدها، المغني: ۵/۵۷۰، ۵۸۷ وما بعدها۔

کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ قربت اور نیکی نہیں۔

امیروں پر وقف ......شافعیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق اس طور پر وقف کرنا کہ اس میں قربت نہ ہو تو بھی صحیح ہے۔ جیسے امیروں کے لئے، ذمیوں کے لئے، فاسقوں کے لئے وقف کرنا اس بات کو دیکھتے ہوئے کہ وقف تملیک ہے اور وقف کی ساری صورتیں قربت ہی ہیں اور ذمیوں کے لئے وقف بالا تفاق صحیح ہے نیز امیروں کے لئے صدقہ جائز ہے اور امیروں اور غریبوں کے درمیان حد بندی صرف زکوٰۃ کے حساب سے ہے جس کے لئے غریب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ صحیح ہے تو اس کے لئے فقر وفاقہ کی وجہ سے وقف بھی صحیح ہے اور جس کے لئے یہ نہیں اس کے لئے وقف بھی نہیں اور امیر وہ ہے جس پر زکوٰۃ حرام ہو مالک ہونے کی وجہ سے یا قدرت اور طاقت کی وجہ سے یا معاش وغیرہ کی وجہ سے۔

مالکیہ کے ہاں بھی امیروں کے لئے وقف کرنا صحیح ہے جیسا کہ شوافع کے ہاں ہے، اور حنابلہ کے ہاں کسی مباح چیز کے لئے وقف صحیح نہیں جیسے شعر مباح کی تعلیم کے لئے اور نہ ہی مکروہ کے لئے وقف جیسے منطق کی تعلیم کے لئے کیونکہ یہاں قربت نہیں پائی جارہی اور نہ ہی امیروں کے لئے اور بالا تفاق مسلمان کا کسی معصیت کے کام کے لئے وقف درست نہیں جیسے جوا قمار بازی اور لہو ولعب کے لئے اور الحاد وضلالت کے اجتماعات کے لئے کیونکہ یہ چیزیں اسلام کی نظر میں قربت نہیں اور یہاں پر اور بھی مثالیں ہیں معصیت کی مذاہب کی کتابوں میں۔

حنفیہ کے ہاں ......مسلمان کا بیعہ اور کنیسہ کے لئے وقف صحیح نہیں کیونکہ اصل کے اعتبار سے ان میں قربت نہیں۔

اور مالکیہ کے ہاں ......بھی کنیسہ کے لئے وقف صحیح نہیں یا غلہ کو شراب اور افیون کے ثمن میں خرچ کرنا یا ایسے اسلحہ کے لئے خرچ کرنا جو جائز نہیں اور سگریٹ پینے کے لئے وقف باطل ہے اگر چہ سگریٹ پینا جائز ہے۔

شوافع کے ہاں ......بھی کسی مسلمان یا ذمی کا کسی گناہ کے کام میں وقف کرنا صحیح نہیں یا ایسی چیز جس میں قربت اور نیکی نہیں جیسے کنیسوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے اور کفار کے عبادت خانوں کے لئے یا ان کے قلعوں ان کی لائٹوں یا خدمت گذاروں کے لئے یا تورات اور انجیل کے لئے یا ڈاکوؤں کے اسلحہ کے لئے یا مرتدوں کے لئے وقف کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ پر تعاون ہے اور وقف کا مقصد قربت اور نیکی ہے اللہ تعالیٰ کے لئے اور یہ دونوں چیزیں متصادم ہیں اور رہ گیا کنیسوں کی تعمیر تا کہ اس میں مسافر ٹھہریں تو ان پر وقف صحیح ہے۔

حنابلہ کے ہاں ......کسی مسلمان یا ذمی کا کنسیوں، آتش کدہ، بیعہ، صوابع اور دیروں کے لئے وقف جائز نہیں اور نہ ہی ان کے مصالح مثلاً قندیلوں، فرش، ایندھن وغیرہ کے لئے جائز ہیں، کیونکہ یہ گناہ کے کام میں تعاون ہے، اور حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اپنے قبضہ میں لے لے ان جہات میں کیے گئے وقفوں کو اور انہیں نیکی کے کاموں کے لئے صرف کرے۔ جب کہ وقف کرنے والے کے وارثوں کو خبر نہ ہو، ورنہ ورثہ اس پر قبضہ کر سکتے ہیں، اور کنیسوں میں ٹھہرنے والوں کے لئے یا اس میں مسافر بن کر آنے والوں کے لئے وقف درست ہے صرف ذمیوں کے لئے۔

اور ان کے ہاں وقف صحیح نہیں تو راۃ اور انجیل کی لکھائی کے لئے اگر چہ ذمی ہی کیوں نہ کرے کیونکہ ان میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ اور بہت ساری سندوں سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تو راۃ دیکھی تو آپ غصہ ہوئے اور اسی طرح بدعتوں کی کتابوں پر بھی درست نہیں۔ اور چادروں کا وقف کرنا بھی جائز نہیں جو قبروں پر چڑھائی جاتی ہیں سوائے کعبہ شریف

کے غلاف کے کیونکہ قبروں اور مزارات پر چادریں چڑھانا ثواب نہیں۔

اور وصیت بھی وقف کی طرح ہے مذکورہ چیزوں میں وصیت بھی صحیح ہوں گی جن چیزوں میں وقف صحیح ہے اور وصیت بھی باطل ہوگی جن چیزوں میں وقف باطل ہے۔

اور ان کے ہاں امیروں پر وقف صحیح نہیں اور نہ ہی ڈاکوؤں پر اور فاسق لوگوں اور گانا گانے والوں کے لئے اور نہ ہی قبروں کی روشنی کے لئے اور نہ ہی مجاوروں کے لئے، یا اس پر سفر کرکے آنے والوں کے لئے کیونکہ مذکورہ کام نیکی نہیں۔ اور قبر پر مسجد (قبہ) بنانے کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر بھی لعنت فرمائی ہے اور اس پر قبے بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

اور مسجد کی خوبصورتی اور قبروں کی تعمیر کے لئے وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ یہ مال کو ضائع کرنا اور اس کا تلف ہے بغیر فائدے کے۔

کافر کا وقف...... ہمارے فقہاء کا اتفاق ہے کہ کافروں کا کسی گناہ کے کام میں وقف کرنا باطل ہے خاص کر جو نہ ان کے دین میں نیکی اور قربت ہو اور نہ اسلام میں قربت ہو جیسے رقص وسرور کی محفلوں اور جوئے کے اڈوں کے لئے۔ اور ان کا اختلاف ہے ان چیزوں کے بارے میں جن میں ادیان میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے ہاں...... ذمی کے وقف کے لئے شرط ہے کہ موقوف علیہ قربت ہو ہمارے ہاں بھی اور ان کے ہاں بھی یعنی اسلام میں بھی اور واقف کے عقیدہ کے اعتبار سے بھی جیسے فقراء پر وقف یا بیت المقدس کی مسجد پر کیونکہ یہ وقف کرنے والے کے اعتقاد میں بھی نیکی ہے اور اسلام میں بھی رہ گیا کسی کافر کا مسجد کے لئے وقف تو وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اگر یہ اسلام کی نظر میں تو قربت اور نیکی ہے لیکن وقف کرنے والے کی نظر میں نیکی نہیں اور اسی طرح ذمی کافر کا وقف کنسیہ اور بیعہ کے لئے صحیح نہیں اگرچہ یہ ان کی نظر میں قربت ہے لیکن اسلام میں یہ قربت اور نیکی نہیں ہے۔

ابن رشد رحمہ اللہ جو مالکیہ میں سے ہیں ان کے ہاں جب ذمی نے کنسیہ کے لئے وقف کیا اب اگر وہ اس کی مرمت کے لئے ہے یا اس میں موجود زخمیوں اور مریضوں کے لئے ہے تو یہ وقف درست اور معمول بہ ہے۔

اگر وہ ہمارے پاس لے کر آئیں تاکہ ہم ان کے اوقاف میں فیصلہ دیں تو حاکم ان میں فیصلہ دے گا اسلام کی احکام کے مطابق وقف کے صحیح ہونے یا نہ ہونے میں، اور اگر وقف کنسیوں کی عبادت کے لئے ہوا تو اس کے باطل ہونے کا حکم دیا جائے گا تو اعتبار وقف میں واقف کے اعتقاد کا ہے جائز کاموں میں صرف اور مالکیہ کے ہاں ابن رشد رحمہ اللہ کا ایک دوسرا قول معتمد ہے اور وہ یہ کہ ذمی کا کنیسہ کے لیے وقف کرنا مطلقا باطل ہے اور اسی طرح کافر کا وقف مسجد، رباط، اور مدرسہ کے لئے باطل ہے جو کہ اسلامی نیکیوں میں سے ہیں، تو اس صورت میں وقف کا صحیح ہونا ہمارا اور ان کے ہاں نیکی ہونا معتبر ہے جیسے حنفیہ نے فرمایا۔

شوافع اور حنابلہ کے ہاں...... وقف میں اس کا اعتبار ہے کہ وہ اسلام کی نظر میں قربت اور نیکی ہو چاہے واقف کے اعتقاد میں نیکی ہو یا نہ ہو۔ پس کافر کا مسجد کے لئے وقف صحیح ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں یہ نیکی ہے اور کنیسہ پر وقف صحیح نہیں کیونکہ اسلام کی نظر میں یہ قربت نہیں۔

مصری قانون دفعہ (۷) میں حنفی مذہب کو لیا گیا ہے اور بعض مالکیہ کے قول کی اور تصریح کی ہے کہ کافر کا وہ وقف جو ایک شریعت اور اسلام کی نظر میں حرام نہ ہو وہ صحیح ہے۔

دوسری شرط: امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے ہاں ...... ❶ کہ اپنے اہل پر وقف اس طور پر ہو کہ ہمیشہ ختم نہ ہو اگر اس نے آخر تک اس کا تذکرہ نہ کیا تو ان کے ہاں وقف درست نہیں کیونکہ ہمیشگی شرط ہے وقف کے جائز ہونے کے لئے، پس کسی جہت کا متعین کرنا اس کی توقیت کو معناً ختم کرنے والی ہے لہٰذا یہ جواز سے مانع ہے کیونکہ اس وقف پر مجہول کا وقف بن جائے گا تو صحیح نہیں جیسے کہ وقف کی ابتداء میں مجہول پر وقف کرنا ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں یہ شرط نہیں بلکہ وقف صحیح ہے اگر وہ انقطاع کی جہت متعین بھی کردے اور اس کے بعد وہ فقراء کے لئے ہوگا، اگرچہ ان کو متعین نہ بھی کرے کیونکہ یہ شرط صحابہ کرام سے ثابت شدہ نہیں، نیز واقف کا ارادہ آخر میں فقراء کے لئے ہونا ہے۔

اگرچہ وہ انہی کا تذکرہ نہ بھی کرے بس اس شرط کا ہونا دلالت کے اعتبار سے اور ضمنی طور پر ثابت ہے اور دلالت کے اعتبار سے ثابت شدہ چیز نص سے ثابت شدہ کی طرح ہے۔

جمہور کے ہاں ...... ❷ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کو لیا گیا ہے مالکیہ تو وقف میں ہمیشگی کو شرط قرار نہیں دیتے اور ان کے ہاں اگر وقف مؤبد منقطع ہو جائے کہ وہ جہت ہی ختم ہو جائے جس پر وقف ہوا ہے تو وقف اس واقف کے قریبی عصبہ میں سے فقراء کے لئے ہوگا مذکر، مونث اس میں برابر ہوں گے اگر واقف نے اپنے وقف میں یہ شرط رکھی کے مذکر کے لئے دو مؤنث کے حصہ کے برابر ہے تو اس میں پہلے اس کے بیٹوں کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے پوتوں کو پھر والد پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر دادا، پھر چچا، پھر چچازاد بھائی اگرچہ یہ نہ پائے گئے تو مشہور قول کے مطابق فقراء کے لئے ہوگا۔

شوافع کے دو قول ہیں اور صاحب مہذب نے تصحیح کی ہے کہ: اگر اس نے مطلق وقف کیا اور اس کے خرچ کا مصرف متعین نہ کیا تو درست ہے، کیونکہ یہ ملکیت کا خاتمہ بطور قربت لہٰذا مطلقاً درست ہے قربانی کی طرح اور شوافع کے ہاں اظہر یہ ہے کہ مصرف بیان کئے بغیر وقف صحیح نہیں جیسا کہ صیغہ کی شرائط میں آئے گا، لیکن اگر اس نے وقف کا مصرف متعین کیا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس طور پر ہو کہ وہ منقطع نہ ہو جیسے فقراء مجاہدین طالب علم وغیرہ۔

حنابلہ کے ہاں...... اگر وقف کی انتہاء معلوم نہ ہو مثلاً کسی قوم پر وقف کرے تو اسے معمول کے حکم کے مطابق ختم کرنا جائز ہے اور اس کے آخر کو مساکین کے لئے نہیں رکھا جائے گا اور نہ ہی نہ ختم ہونے والی جہت کی طرف، تو یہ وقف صحیح ہے کیونکہ یہ معلوم مصرف میں تصرف ہے تو صحیح ہے جیسا کہ کسی متصل معروف کی وہ تصریح کردے نیز اس لئے بھی کہ اگر مطلق کا کوئی عرف ہو تو اسے اس پر محمول کیا جائے گا جیسے اپنے شہر کی نقدی اور مصرف کا عرف۔

شوافع اور حنابلہ...... مالکیہ کی سابقہ رائے سے متفق ہیں کہ موقوف کے جب موقوف علیہم ختم ہو جائیں تو اسے واقف کے قریب ترین لوگوں پر خرچ کیا جائے گا، اس لئے کہ وقف کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے ہو، اور اسے اس کی شرط پر محمول کیا اگر اس نے مقرر کیا ہو اور اگر وہ مسکوت عنہ ہو تو اس کے مقتضی پر عمل کیا جائے گا اور وہ ہمیشگی کا وقف ہوگا، کیونکہ یہ ثواب کی جہتوں میں سے عظیم جہت ہے، اور شوافع کے ہاں اصح یہ ہے کہ معروف وجوبی طور پر ذوی الارحام قریبی فقراء کے لئے مختص ہوگا نہ کہ میراث کے اعتبار سے پس بیٹی کا بیٹا چچا کے بیٹے پر مقدم ہوگا۔

---

❶ ...... البدائع: ۶/ ۲۲۰، الدر المختار: ۳/ ۳۹۹، ۴۰۰، الکتاب مع اللباب ۲/ ۱۸۲۔ ❷ الشرح الکبیر ۴/ ۸۵، الشرح الصغیر: ۴/ ۹۸، ۱۲۱، المھذب: ۱/ ۴۴۱ وما بعدھا، مغنی المحتاج: ۲/ ۳۸۴ المغنی: ۵/ ۶۷۵۔ ۵۷۰، ۵۷۷، تکملۃ المجموع: ۱۵/ ۵۸۶۔ ۵۸۸۔

اس پر دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے وہ صدقہ ہی نہیں جب کہ قریبی ذی رحم محتاج ہوں۔ ❶ اور سلمان بن عامر کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ''مسلمانوں پر صدقہ، صرف صدقہ ہی ہے اور ذی رحم اور قرابتداروں پر دو ہیں ایک صدقہ اور ایک صلہ رحمی ❷ اور حنابلہ کے ہاں راجح اور شوافع کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے کہ وقف کو واقف کے قرابتداروں میں سے محتاجوں پر صرف کرنا مختص نہیں بلکہ اس میں امیر غریب سب شریک ہیں، کیونکہ وقف محتاجوں کے ساتھ مختص نہیں بلکہ امیر اور غریب اس میں برابر ہیں۔ اگر واقف کے قریبی نہ ہوں یا قریبی ہوں لیکن ختم ہو گئے ہوں تو عام فقراء اور مساکین پر اسے خرچ کیا جائے گا۔ کیونکہ مقصد ہمیشہ کے لئے ثواب حاصل کرنا ہے۔

چوتھی بحث: وقف کے الفاظ اور وقف کے صیغے کی شرائط

وقف کا صیغہ..... حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں جیسا کہ وقف کے رکن میں وضاحت ہوئی وقف صرف ایجاب سے منعقد ہوتا ہے اگرچہ کسی متعین کے لئے ہو اور غیر معین کے لئے بالاتفاق علماء کے ہاں وقف متعین ہو جاتا ہے۔

مالکیہ اور شوافع کے ہاں اور بعض حنابلہ کے ہاں جب متعین پر وقف ہو تو ایجاب اور قبول دونوں سے وقف منعقد ہوتا ہے۔

حنفیہ کے ہاں وقف کے خاص الفاظ..... ❸ یہ صدقہ ہمیشہ کے لئے مسکینوں پر وقف ہے یا اللہ تعالیٰ کے لئے وقف ہے یا نیکی اور خیر کے کاموں کے لئے وقف ہے۔ اور مفتی پر جیسا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے عرف پر عمل کرتے ہوئے بتایا کہ صرف لفظ وقف کافی ہے اگرچہ اس میں ہمیشگی کا تذکرہ یا ہمیشہ پر دلالت کرنے والی کوئی خبر ذکر نہ بھی کرے جیسے لفظ صدقہ، لفظ مسکین، یا مسجد وغیرہ، اور یہ اس وقت ہے کہ جب کسی متعین پر وقف نہ ہو مثلاً زید یا فلاں کی اولاد تو اس وقت صرف وقف کے لفظ سے صحیح نہ ہوگا کیونکہ متعین ہونا ہمیشگی کے منافی ہے۔ اسی وجہ سے فرق کیا گیا ہے موقوف اور زید پر وقف کے درمیان کہ پہلا جائز ہے دوسرا جائز نہیں، اس لئے کہ پہلی صورت فقراء کی طرف عرفاً منصرف ہوتی ہے اور جب اس نے اولاد کا تذکرہ کر دیا تو عرف باقی نہ رہا ہاں مسجد کی تعیین نقصان نہیں دیتی کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے ہے اور حنفیہ کے ہاں بالاتفاق معنوی اعتبار سے ہمیشگی شرط ہے۔

ضرورۃً وقف کا ثبوت..... کبھی کبھی وقف ضرورت کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے مثلاً یہ وصیت کرے کہ اس مکان کا کرایہ ہمیشہ کے لئے مساکین کے لئے ہے یا فلاں آدمی کے لئے ہے اور اس کے بعد مسکینوں کے لئے ہے تو یہ گھر ضرورت کے اعتبار سے وقف ہوگا گویا اس نے کہا جب میں مر گیا تو میرا گھر فلاں پر وقف ہے۔

لیکن جب اس نے وقف کو موت کے ساتھ معلق کیا جیسے جب میں مر گیا تو فلاں پر میرا گھر وقف ہے تو صحیح یہ ہے کہ یہ وصیت کی طرح مرنے کے بعد ثلث سے لازم ہوگا، نہ کہ اس سے پہلے حتیٰ کہ اگر وہ ورثاء پر وقف ہو اور باقی ورثاء اس کو رد کر دیں، یا کوئی ایک وارث رد کر دے، لیکن جب انہوں نے رد کر دیا تو غلہ ثلث میں سے اس طرح تقسیم ہوگا جو وقف ہو چکا تھا بقیہ ترکہ کے ثلثان کی طرح۔

---

❶ هذا جزء من حديث طويل عن ابي هريرة، رواه الطبراني في الاوسط، وجاء فيه: يا أمة محمد والذى بعثني بالحق لايقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الى صلته ويصرفها الى غيرهم، قال الهيثمي وفيه عبدالله بن عامر الاسلمي، وهو ضعيف. ❷ رواه احمد وابن ماجة والترمذى والنسائي وابن حبان والدار قطني والحاكم وحسنه الترمذى. ❸ الدر المختار وردالمحتار: ٣/ ٣٩٣، ٣٩٧، ٤٠١.

اور دو ثلث کا مصرف ورثاء پر صرف ہوگا جب تک موقوف علیہ زندہ ہے، لیکن جب وہ مرگیا تو غلہ تقسیم ہوگا اس پر جس کے لئے وقف ہے، اور جب بعض موقوف علیہم فوت ہو گئے تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا۔ اور جب اس نے کہا میں نے اپنی زندگی میں اور مرنے کے بعد کے لئے ہمیشہ اپنا گھر وقف کر دیا تو جائز ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں جب تک وہ زندہ ہے تو اس کے غلہ کا صدقہ کرنے کی یہ نذر ہے اسے پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہے اور وہ اس سے رجوع بھی کر سکتا ہے۔

اور اگر اس نے رجوع نہ کیا اور مر گیا تو ثلث میں سے جائز ہے۔ اور جب اس نے وقف کو ایک ماہ کے ساتھ مؤقت کیا یا ایک سال کی قید لگائی تمام حنفیہ کے ہاں بالاتفاق وقف باطل ہے کیونکہ ہمیشگی کی شرط نہیں پائی گئی، اور اگر اس نے کسی متعین شخص پر وقف کیا تو اس کے مرنے کے بعد اس کے واقف کے ورثاء کی طرف لوٹ آئے گی۔

مالکیہ کا مذہب...... ❶ وقف یا تو صریح لفظ سے منعقد ہوگا مثلاً **وَقَفْتُ** کے، **حَبَسْتُ**، **سَبَّلْتُ**، یا غیر صریح سے مثلاً میں نے صدقہ کیا جب کہ اسے کسی قید سے مقید کرے، یا اس طور پر ہو کہ وہ منقطع نہ ہو، یا کسی مجہول پر وقف کرے اور ان کی تعداد متعین ہو قید سے مقید کی مثال جو مراد پر دلالت کرے، میں اسے اس پر صدقہ کرتا ہوں اس طرح کہ نہ تو اسے فروخت کرے اور نہ ہی ہبہ کرے، یا میں فلاں پر صدقہ کرتا ہوں ایک گروہ کے بعد ایک یا ان کے بعد ان کی نسل کے لئے۔ اگر اس نے کسی قید سے مقید نہ کیا تو پھر یہ اس کی ملکیت ہے جس پر اس نے صدقہ کیا۔ اور ختم نہ ہونے والی جہت کی مثال یا تو غیر متعین کے لئے ہو جیسے میں نے صدقہ کیا یا وقف کیا فقراء پر یا ایسے طور پر جیسے مساجد پر صدقہ اور مجہول منحصر پر صدقہ فلاں پر صدقہ اور ان کی اولاد اور نسل پر، کیونکہ ''عقبہ'' کے الفاظ ہمیشگی پر دلالت کرتے ہیں۔

اور کبھی کبھی صرف فعل ہی وقف کے انعقاد کے لئے کافی ہوتا ہے جیسے لوگوں کو اس جگہ نماز پڑھنے کی اجازت دینا جو مسجد کے لئے بنائی ہے۔

اور صیغہ کے قائم مقام ہے وقف اور موقوف علیہ کے درمیان تخلیہ جیسے مسجد بنانا، یا مدرسہ بنانا یا رباط بنانا یا کنواں بنانا یا مکتبہ بنانا اگرچہ وقف کا تلفظ نہ بھی کرے اور تخلیہ قبضہ شمار ہوگا۔

شوافع کا مذہب...... ❷ وقف صرف لفظ سے صحیح ہوتا ہے پھر یا تو صریح لفظ ہوگا جیسے میں نے فلاں چیز فلاں پر وقف کر دی یا میری زمین فلاں پر وقف ہے کیونکہ لغوی اور عرفی اعتبار سے یہ لفظ مشہور ہے اور تسبیل اور تحبیس کے الفاظ بھی صریح ہیں کیونکہ شرعاً یہ مکرر ہیں اور عرفی اعتبار سے مشہور ہیں اور صحابہ کرام سے صرف انہی الفاظ سے وقف منقول ہے۔ اگر اس نے کہا میں نے اس کا صدقہ یا وقف کیا یا اسے فروخت نہ کیا جائے اور نہ ھبہ کیا جائے تو ''کتاب الام'' میں جو تصریح ہے اس کے مطابق یہ صریح ہے، کیونکہ صدقہ کا لفظ ان قرائن کی موجودگی میں وقف کے علاوہ کا احتمال نہیں رکھتا، ہاں یہ لفظ صریح لغیرہ ہے اور اس سے پہلے الفاظ صریح لعینہ ہیں۔

اگر اس نے کہا میں نے صدقہ کیا تو یہ لفظ وقف کے لئے صریح نہیں اور اس سے وقف حاصل نہیں ہوتا اگرچہ وقف کی نیت بھی کرے کیونکہ یہ لفظ فرض صدقہ، نفلی صدقہ، وقف شدہ صدقہ وغیرہ کے درمیان دائر ہے، لیکن اگر اس نے اسے کسی عام جہت کی طرف منسوب کیا جیسے فقراء کے لئے اور وقف کی نیت کی تو وقف حاصل ہو جائے گا اور لفظ صریح شمار ہوگا۔

یا وقف غیر صریح الفاظ کے ساتھ ہوگا مثلاً میں نے اسے فقراء کے لئے محترم کر دیا ہے، یا میں نے ان کے لئے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا ہے تو اصح اعتبار سے یہ کنایہ ہے کیونکہ یہ دونوں مستقل استعمال نہیں ہوتے بلکہ ان سے سابقہ الفاظ کی تاکید ہوتی ہے۔

اور اصح یہ ہے کہ واقف کا یہ قول ''میں نے اس جگہ کو مسجد بنا دیا تو اس سے مسجد بن جائے گی اگر یہ نہ بھی کہے ''اللہ تعالیٰ کے لئے''

---

❶..... الشرح الكبير: ٤/٨١، ٨٤، الشرح الصغير: ٤/١٠٣ وما بعدها، القوانين الفقهية: ص ٣٧٠۔ ❷ مغني المحتاج: ٢/٣٨١ وما بعدها، المهذب: ١/٤٤٢۔

کیونکہ مسجد ہوتی ہی وقف ہے لہٰذا مسجد کا لفظ وقف کے لفظ سے مستغنی کر دیتا ہے اگر اس نے غیر آباد جگہ مسجد بنوائی اور اسے مسجد بنانے کی نیت بھی کر لی تو وہ مسجد ہوگئی تو اس میں لفظ وقف کی ضرورت نہیں اور وقف میں لفظ کی شرط سے یہ مستثنیٰ ہے۔

حنابلہ کے ہاں...... ❶ وقف یا تو صریح الفاظ سے ہوگا یا کنایہ الفاظ سے اور صریح الفاظ یہ ہیں میں نے وقف کیا اور اسی کی طرح ''حبست اور سلبت'' اور ان میں سے ایک بھی کافی ہے کیونکہ شرعاً اور عرفاً اس کا استعمال ہوتا ہے اور کنایہ یہ کہ میں نے صدقہ کیا، میں نے حرام کیا، میں نے ہمیشہ کے لئے کیا، کیونکہ یہ مشترک الفاظ ہیں کیونکہ صدقہ کا لفظ زکاۃ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور نفلی صدقہ کے لئے بھی اور تحریم کا لفظ ظہار کے لئے صریح ہے اور ہمیشگی کا لفظ ان تمام چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن میں اس کی ضرورت ہے وقف ہو یا غیر وقف، اور کنایہ الفاظ سے وقف صحیح نہیں سوائے چار چیزوں اور صورتوں کے جو درج ذیل ہیں:

۱...... مالک کی نیت۔

۲...... یا کنائی الفاظ کا ان پانچ الفاظ میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر آنا ان میں سے تین وہی صریح الفاظ ہیں اور دو لفظ تحریم اور تائید کے تو وہ یوں کہے میں نے وقف شدہ صدقہ کیا یا ''حبست اور سلبت'' کے ساتھ ہی یہی معنی ہے یا میں نے ہمیشہ کے لئے صدقہ کیا یا میں نے محترم صدقہ کیا۔

۳...... یا کنایہ کو وصف کی صفات کے ساتھ موصوف کرے اور کہے میں نے اسے ایسے صدقہ کیا کہ نہ تو وہ فروخت کیا جائے نہ ھبہ کیا جائے اور نہ اس میں وراثت جاری ہو۔

۴...... یا کنایہ وقف کے حکم کے ساتھ مقترن ہو، مثلاً کہے میں نے اپنی زمین فلاں پر صدقہ کی اور اس میں میری زندگی کے دن میری نگرانی ہے، یا فلاں اس کا نگران ہے پھر اس کے بعد فلاں۔

اور اسی طرح ایسے فعل کے ساتھ بھی وقف صحیح ہے جو عرفاً وقف پر دلالت کرتا ہو، مثلاً وہ اپنی زمین کو قبرستان بنا دے اور اس میں عمومی دفن کی اجازت دے دے یا مسجد کی شکل کی عمارت بنا دے یا اس میں لوگوں کو عمومی نماز پڑھنے کی اجازت دے دے، اس لئے کہ خاص اجازت کبھی کبھی غیر وقف شدہ کے لئے بھی ہوتی ہے۔

لہٰذا وقف کی دلالت کا فائدہ نہ دے گی یا جس جگہ کو مسجد بنایا ہے وہاں اذان دے اور اقامت کہے اس لئے کہ وہاں پر اذان واقامت اس طرح ہے جس طرح عام اجازت ہوتی ہے نماز کے لئے اگر اس نے اپنے گھر کے نچلے حصہ کو مسجد بنایا اور اوپر والے حصہ سے نفع اٹھاتا رہا یا اس کے برعکس کیا اگرچہ راستہ کا تذکرہ نہ بھی کرے تو وقف صحیح ہے اور اس میں معمول کے اعتبار سے وہ گذر سکتا ہے۔

یا اس نے قضاء حاجت کے لئے بیت الخلاء بنایا اور اس کا راستہ کی طرف دروازہ کھول دیا لوگوں کے لئے، یا اس نے مٹکا وغیرہ بھر کر راستہ پر یا مسجد وغیرہ میں رکھ دیا تو یہ بھی وقف پر دلالت کرتا ہے

وقف کے صیغہ کی شرائط...... فقہاء کے ہاں درج ذیل شرائط وقف کی ذات یا وقف کے صیغہ کے لئے ہیں:

پہلی شرط...... ہمیشگی مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں کسی مدت کے ساتھ موقت کر کے وقف کرنا صحیح نہیں کیونکہ بطور قربت اور ثواب مال کو نکالنا ہے لہٰذا کسی خاص مدت کے لئے جائز نہیں بلکہ اس کا ہمیشگی پر مشتمل ہونا ضروری ہے، اور اس کا تلفظ شرط نہیں جیسے ایسی

---

❶...... کشف القناع: ۲۶۷/۴، ۲۲۲، وما بعدها۔ ❷ الدر المختار: ۳۹۴/۳، ۳۹۸، الشرح الصغير: ۹۸/۴، ۱۰۵، ۱۰۶، الشرح الكبير: ۸۷/۴۔ ۸۹، مغني المحتاج: ۳۸۳/۲۔ ۳۸۵، كشاف القناع: ۲۶۹/۴، ۲۷۷، وما بعدها، المغني: ۵۵۲/۵، ۵۷۰۔ ۵۷۲۔

چیز پر وقف کرنا جو قیامت سے پہلے ختم نہ ہونے والی ہے جیسے فقراء ومساکین، یا اس پر جو ختم ہونے والی ہے پھر نہ ختم ہونے والی پر جیسے زید پر پھر فقراء پر۔ اگر صیغہ کے ساتھ ایسے الفاظ ملا دیئے جو وقف کی مدت پر دلالت کریں مثلاً میں نے اسے فلاں پر وقف کیا ایک سال یا ایک ماہ کے لئے تو یہ وقف باطل ہے۔

کیونکہ صیغہ فاسد ہے، اس لئے کہ وقف کی مشروعیت کا مقصد ہمیشہ کے لئے صدقہ کرنا ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ وقف ہمیشہ کے لئے ہو۔ اسی بناء پر حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ شئی موقوف۔

غیر منقولہ جائیداد ہو، کیونکہ اسی سے ہی ہمیشہ کے لئے فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے اور ان کے ہاں منقول کا وقف، غیر منقولہ جائیداد کے بغیر اور اس کے تابع ہوئے بغیر جائز نہیں یا جس کے بارے میں نص وارد ہو یا جس کے وقف کا عرف ہو اور انہوں نے خاندان پر وقف کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا آخری مصرف ایسی نیکی ہو جو ختم ہونے والی نہیں تاکہ صدقہ ہمیشہ کے لئے اور دائمی ہو۔

البتہ مالکیہ وقف میں ہمیشگی کی شرط نہیں لگاتے اور وہ سال یا اس سے زیادہ عرصہ کے وقف کی اجازت دیتے ہیں اگر مدت معلوم ہو پھر اس کے بعد وہ واقف وغیرہ کی ملک میں واپس آ جائے گا۔ لوگوں پر وسعت کرتے ہوئے خیر کے کام میں۔

مصری قانون (دفعہ ۵) نمبر (۴۸ سن ۱۹۴۶ء) میں وقف کو ہمیشگی اور مدت مقررہ کے اعتبار سے تین اقسام پر تقسیم کیا ہے۔

۱......وہ وقف جو صرف ہمیشہ کے لئے درست ہے اس میں مدت مقرر کرنا باطل ہے اور وہ مسجد کے لئے وقف کرنا یا مسجد پر وقف کرنا ہے یہ جمہور کی رائے ہے سوائے مالکیہ کے۔

۲......وہ وقف جس کا ہمیشہ کے لئے ہونا یا مدت مقرر تک ہونا جائز ہے وہ مسجد کے علاوہ وقف ہے ہسپتال، مدارس، اور فقراء وغیرہ کے لئے یہ مالکیہ کی کتب سے لیا گیا ہے لوگوں پر خیر کے کام میں وسعت کرتے ہوئے۔

۳......وہ وقف جو صرف مدت مقررہ تک ہی صحیح ہے اور اس میں ہمیشگی کی شرط باطل ہے، اور یہ خاندان کے لئے وقف ہے اور اس نے اس میں دو سال مقرر کئے تو واجب ہے کہ دو سالوں سے اوپر نہ ہو واقف کی وفات کے بعد سے اور اگر اس نے کئی طبقوں کے لئے وقف کیا تو واجب ہے کہ دو طبقوں سے زیادہ کے لئے نہ ہو واقف کے بعد، اور اس وقت مقرر کرنے کے لئے سوائے مصلحت کے کوئی سند نہیں۔ لیکن پھر شام میں (۱۹۴۹ء) میں اور مصر میں (۱۹۵۲) میں قانون نمبر (۱۸۰) کے تحت خاندان پر وقف کو لغو قرار دیا گیا ہے۔

دوسری شرط......تنجیز یعنی وہ فی الحال ہو اور کسی شرط کے ساتھ معلق نہ ہو اور نہ ہی مستقبل میں کسی وقت کی طرف مضاف ہو کیونکہ یہ ایک ایسا عقد ہے جو فی الحال ملکیت کے انتقال کا متقضی ہے لہٰذا اسے کسی شرط پر معلق کرنا صحیح نہیں جیسے بیع اور ہبہ جمہور کے ہاں سوائے مالکیہ کے۔ اور منجز صیغہ وہ ہے جو فی الحال وقف کے انشاء اور اس کے آثار کے مرتب ہونے پر دلالت کرے۔ اور معلق صیغہ وہ ہے جو فی الحال وقف کے انشاء پر دلالت نہ کرے بلکہ مستقبل میں کس بات کے پائے جانے پر معلق ہو مثلاً جب زید آیا تو میں نے اس وقت وقف کیا، یا کل، یا مہینے کے شروع میں یا جب میں نے فلاں سے بات کی تو میری یہ زمین وقف اور صدقہ ہے، تو مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں یہ وقف باطل ہے اور تعلیق کے تین صیغے ہیں۔

الف......جب تعلیق دائر ہو وجود اور عدم وجود کے درمیان تو اس سے وقف صحیح نہیں اور اگر میرا بیٹا اگر سفر سے آیا تو میں اپنا گھر فلاں پر وقف کروں گا کیونکہ وقف کو ملکیت کے منتقل ہونے اور تقاضا کرتا ہے، اور تملیک مستقبل میں کسی معاملہ میں تعلیق کو قبول نہیں کرتیں، اور شوافع نے وقف کی تعلیق کے صحیح نہ ہونے کی تعلیل یہ بیان کی ہے کہ یہ عقد لازم ہے جو جہالت سے باطل ہو جاتا ہے۔

لہٰذا مستقبل کی شرط پر اس کی تعلیق صحیح نہیں جیسے بیع۔

ب......اگر تعلیق واقف کی موت پر ہو تو بالاتفاق وقف صحیح ہے مثلاً میں نے اپنے مرنے کے بعد اپنا گھر فقیر پر وقف کر دیا، اس لئے کہ یہ نیکی ہے جو موت کے ساتھ مشروط ہے، لہٰذا صحیح ہے جیسا کہا کہ میرے مرنے کے بعد میرا گھر فلاں پر وقف کر دینا۔ اس لئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت کی کہ ''یہ وصیت ہے عبداللہ بن عمر کے لئے امیر المومنین عمر کی طرف سے کہ اگر مجھے کوئی حادثہ پیش آیا تو صدقہ ہے۔ [1] اور موت سے معلق وقف لازم ہے جب وہ کہے، کہ میرے مرنے کے بعد یہ وقف ہے، اور اسے ورثاء کی اجازت کے بغیر ہی نافذ کیا جائے گا اگر وہ ثلث ترکہ سے پورا ہو جائے۔

ج......اگر تعلیق ایسی کا ہو کہ متحقق ہے اس کا وقت تو بھی وقف صحیح ہے مثلاً اگر یہ زمین میری ملکیت ہے۔ اور بات کرتے وقت وہ اس کی ملکیت تھی۔ تو یہ فلاں پر وقف ہے، اس لئے کہ یہ صورت کے اعتبار سے تعلیق ہے اور اس میں حقیقت کے اعتبار سے صیغہ تنجیز کا ہے، یہ تعلیق ہونے والی یا فی الحال موجود چیز کی ہے لہٰذا اس کی عدم صحت موت سے معلق کے منافی نہیں اس لئے کہ ہونے والی شرط سے تعلیق تنجیز ہے۔

شوافع کے ہاں...... واقف کا یہ قول: ''جب رمضان آیا تو میں نے اسے مسجد بنا دیا'' یہ وقف صحیح ہے۔ اور وہ صیغہ جو مستقبل کی طرف مضاف ہو اور وہ فی الحال وقف کے انشاء پر دلالت کرے لیکن اس کے حکم کی ترتیب مستقبل تک مؤخر ہو مثلاً میرا یہ مکان فلاں کے لئے وقف ہے آنے والے نئے سال کے شروع میں۔

اور ان صیغوں کا حکم حنفیہ کے ہاں درج ذیل تفصیل کے مطابق ہے۔ اگر مستقبل کا زمانہ جس کی طرف وقف مضاف ہے وہ موت کے بعد کا ہو تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں وقف باطل ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ وصیت ہے جو موت کے بعد ثلث سے لازم ہوگی نہ کے اس سے پہلے۔

اور اگر مستقبل کا وقت موت کا وقت نہ ہو مثلاً ہجری سال کی ابتداء تو حنفیہ کے ہاں دو روایتوں کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ یہ وقف صحیح ہے، جیسے مستقبل کی طرف مضاف اجارہ صحیح ہے۔ اور وقف اجارہ کے مشابہ ہے، کیونکہ یہ بھی اسی کی طرح ہے منفعت کی تملیک میں لہٰذا وقف صحیح ہے جیسے میرا گھر کل صدقہ وقف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جمہور کے ہاں وقف کو زندگی کی شرط پر معلق کرنا جائز نہیں مثلاً جب مہینے کا شروع آیا تو میرا گھر وقف ہے۔

اور مالکیہ نے اس شرط کے بارے میں فرمایا: کہ وقف میں تنجیز شرط نہیں تعلیق کے ساتھ بھی جائز ہے، مثلاً کہے: وہ وقف ہے فلاں پر مہینے کے بعد یا سال کے بعد یا کہے اگر میں فلاں گھر کا مالک ہو گیا تو وہ وقف ہے۔

تیسری شرط......الزام، مالکیہ کے علاوہ جمہور کے ہاں وقف کو خیار شرط پر یا شرط خیار پر معلق کرنا درست نہیں چاہے وہ معلوم ہو یا مجہول بایں طور کہ کوئی چیز وقف کرے اور اس میں اپنے لئے یا کسی اور کے لئے رجوع کی شرط رکھے اور وقف ھبہ کی طرح باطل ہو جائے گا لیکن حنفیہ نے مسجد کے وقف کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، اگر اس نے اس شرط پر مسجد بنائی کہ اسے اختیار حاصل ہے تو یہ جائز ہے اور شرط باطل ہے۔

چوتھی شرط......کسی باطل شرط کے ساتھ ملا ہوا نہ ہونا۔ اور حنفیہ کے ہاں شرط کی تین قسمیں ہیں۔

الف ''باطل شرط'' وہ ہے جو وقف کے مقتضیٰ کے منافی ہو مثلاً موقوف کو اپنی ملکیت میں باقی رکھنے کی شرط اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے وقف باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وقف کی حقیقت کے یہ منافی ہے اسی طرح اگر وہ اپنے لئے جب چاہے رجوع کی شرط رکھے تو

---

[1] ..... رواہ احمد، وروی نحوہ ابو داؤد. "وثمغ" مال بالمدینۃ لعمر وقفہ.

اس سے بھی وقف باطل ہو جاتا ہے کیونکہ وقف کا جو حکم ہے وہ اس کے منافی ہے اور اگر یہ شرط رکھی کہ وقف کو فروخت کرے گا اور اس کے ثمن اپنی ضرورت پر خرچ کرے گا تو وقف باطل ہے۔

ب..... ''فاسد شرط'' وہ ہے جو موقوف سے نفع اٹھانے میں مخل ہو۔ یا موقوف علیہ کی مصلحت میں مخل ہو یا شریعت کے مخالف ہو پہلے کی مثال: یہ کہ منافع کو مستحقین میں خرچ کرنے کی شرط لگائے حالانکہ موقوف کو تعمیر کی ضرورت ہے۔ تو یہ فاسد ہے، کیونکہ وقف شدہ چیز سے نفع اٹھانے میں مخل ہے، دوسرے کی مثال یہ کہ وہ یہ شرط لگائے کہ متولی کو معزول نہ کرے گا اپنی اولاد میں سے اگر چہ وہ خیانت بھی کرے تو یہ فاسد ہے، کیونکہ یہ موقوف علیہ کی مصلحت میں مخل ہے۔ اور تیسرے کی مثال کہ کسی گناہ کے کرنے کے لئے منافع کا کوئی حصہ خاص کرے تو یہ شرط فاسدہ ہے، کیونکہ یہ شریعت کے مخالف ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ شرط باطل ہوگی وقف باطل نہ ہوگا بلکہ وقف صحیح ہوگا۔

ج: شرط صحیح...... ہر وہ شرط ہے جو وقف کے مقتضیٰ کے منافی نہ ہو اور نہ ہی منفعت میں مخل ہو اور شریعت سے متصادم ہو۔ مثلاً منافع سے ابتداء ٹیکس ادا کئے جائیں یا تعمیر شروع کر دی جائے اور مستحقین پر بعد میں خرچ کئے جائیں، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی اتباع واجب ہے اور اسے نافذ کرنا واجب ہے۔

رہ گیا مصر کا قانون تو (دفعہ ۶) نمبر (۴۸ سن ۱۹۴۶ء) میں اس طرح تصریح ہے کہ ''جب وقف میں کوئی غیر صحیح شرط لگائی جائے تو وقف درست ہے اور شرط باطل ہے'' اور غیر صحیح شرط فاسد اور باطل دونوں شرطوں کو شامل ہے اور یہی رائے ہے صاحبین کی شرط فاسد میں اور امام ابو یوسف کی رائے ہے شرط باطل ہیں۔

مالکیہ کے ہاں...... جب واقف مستحقین وقف پر اس کی اصلاح کی یا کسی ظالم حاکم کو ٹیکس دینے کی شرط لگائی تو وقف صحیح ہے اور شرط لغو ہے اور اصح قول کے مطابق اصلاح بھی صحیح ہے اور موقوف کے غلہ سے ٹیکس دینا بھی صحیح ہے اسی طرح اگر اس نے شئی موقوف کی اصلاح کے بغیر ابتداء کی شرط رکھی یا جو نفقہ کا محتاج ہے اس کے بغیر ابتداء کی شرط رکھی مثلاً حیوان کا نفقہ تو وقف صحیح ہے، اور شرط باطل ہوگی اور ان پر شئی موقوف کے غلہ اور منفعت سے خرچ کیا جائے گا۔

شوافع کے ہاں...... اگر واقف یہ شرط لگائے کہ وقف کو فروخت کیا جائے، یا یہ شرط لگائے کہ وہ جسے چاہے وقف میں داخل کرے گا اور جسے چاہے نکالے گا تو صحیح قول کے مطابق وقف باطل ہے۔ جیسا کہ خیار شرط میں۔

حنابلہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے کہ اگر واقف نے وقف میں کوئی شرط فاسد لگائی جیسے اس میں خیار رکھا یا یہ شرط لگائی کہ وہ وقف کو موقوف علیہم سے پھیر دے گا کسی دوسرے کی طرف بایں طور کہا میں نے اپنا گھر اس طور پر وقف کیا یا میں اسے اس جہت سے پھیروں گا یا وقف سے کہ میں جب چاہوں گا اس میں رجوع کرلوں گا یا میں جسے چاہوں گا اہل وقف میں سے نکال دوں گا اور ان کے علاوہ جسے چاہوں گا ان میں داخل کروں گا، تو وقف صحیح نہیں، اسی طرح اگر اس نے اس کے ھبہ کی شرط لگائی یا فروخت کرنے کی یا اسے جب چاہے گا باطل کر دے گا تو بھی وقف صحیح نہیں کیونکہ یہ ایسی شرائط ہیں جو مقتضیٰ عقد کے منافی ہیں اگر اس نے وقف کے ویران اور خراب ہونے کے وقت فروخت کی شرط لگائی اور ثمن کو اسی کے مثل میں صرف کرنے کی یا اسے متولی کے لئے شرط رکھا تو شرط فاسد ہوگی فقط، اور وقف صحیح ہوگا جیسا کہ بیع کی شرائط فاسدہ میں ہوتا ہے۔

پانچویں شرط: شوافع کے ہاں...... مصرف کو بیان کرنا، اگر واقف صرف اتنا کہے میں نے اتنا وقف کیا اور مصرف ذکر نہ کرے تو اظہر یہ ہے کہ یہ باطل ہے، کیونکہ اس نے مصرف ذکر نہیں کیا، اور یہ وصیت کے برخلاف ہے کیونکہ یہ صحیح ہے اور اسے مساکین کے لئے

صرف کیا جائے گا، کیونکہ وصیتوں میں غالب مساکین پر صرف ہے۔
لہٰذا مطلق کو اس پر محمول کیا جائے گا۔ برخلاف وقف کے، اور صاحب مہذب نے دوسرے قول کی تصحیح کی ہے کہ اگر چہ مصرف ذکر نہ بھی ہو تو وقف صحیح ہے، کیونکہ یہ ملکیت کو بطور قربت وثواب زائل کرنا ہے۔
لہٰذا قربانی کی طرح مطلق صحیح ہے، اور شوافع کے علاوہ جمہور نے مصرف کا بیان شرط نہیں رکھا، مالکیہ نے کہا:
وقف میں مصرف کی تعیین شرط نہیں لہٰذا یہ کہنا جائز ہے میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کیا، مصرف کی تعیین کے بغیر بھی، اور اسے ان کے عرف کے مطابق صرف کیا جائے گا، اگر غالب عرف نہ ہو تو پھر فقراء پر صرف کیا جائے گا یہ بھی وقف ہے جب کہ موقوف کو کسی متعین جماعت کے لئے خاص نہ کرے ورنہ ان پر صرف ہوگا جیسے علمی کتابیں۔

وقف کے الفاظ کا تقاضا.....کبھی واقف سے درج ذیل الفاظ ادا ہوتے ہیں وقف کے سلسلہ میں ولد، عقب، نسل، ذریۃ، قرابۃ، آل، اہل تو ان سے مذاہب میں کون مراد ہیں۔ ❶

الف: ولد اور اولاد.....اگر واقف نے کہا میں نے اپنی اولاد یا اپنے بیٹے کے لئے وقف کیا، تو بالاتفاق یہ صلبی اولاد کو شامل ہے چاہے مذکر ہوں یا مؤنث، لیکن اگر اس نے کہا میری اولاد اور میرے بیٹے کی اولاد یا میری اولاد اور میری اولاد کی اولاد تو یہ مذکر ومؤنث سب اولاد کو شامل ہے اور مالکیہ کے ہاں راجح یہ ہے کہ اولاد کی اولاد میں یہ صرف مذکر اولاد کو شامل ہے۔

حنابلہ کے ہاں.....جب واقف کسی آدمی کی اولاد پر وقف کرے یا اولاد کی اولاد پر تو اس میں مذکر ومؤنث سب برابر ہیں کیونکہ یہ ان میں اشتراک ہے، اور اشتراک کا مطلق ہونا تسویہ و برابری کا تقاضا کرتا ہے۔ اور مستحب یہ ہے کہ واقف اپنی اولاد پر کئے گئے وقف کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق۔
یعنی میراث کے طریقہ پر مذکر کو مؤنث کا دوگنا دے، اور قاضی ابویعلی رحمہ اللہ نے فرمایا مذکر ومؤنث میں برابری مستحب ہے۔
کیونکہ مقصد دائمی طور پر قربت وثواب حاصل کرنا ہے اور یہ سب قرابت میں برابر ہیں اور جب ان میں سے بعض کو فضلیت دی گئی تو یہ اس قول کے مطابق ہوگا کہ وقف کو الأقرب فالاقرب کے اصل کے تحت تقسیم کیا جائے۔

ب: ذریت، نسل اور عقب.....اگر واقف نے کہا میری ذریت یا میری نسل یا میری عقب پر میرا وقف ہے تو بالاتفاق اس سے صرف مذکر اولاد مراد ہے نہ کہ مؤنث یعنی بیٹیوں کی اولاد مراد نہیں الا یہ کہ وہ تصریح کردے یا کوئی قرینہ ہو۔

ج: آل، جنس اور اہل بیت.....ان میں عصبہ داخل ہیں یعنی مذکر اولاد اور بیٹیاں، بھائی اور بہنیں، پھوپھیاں اور چچے اور خالو اور خالہ کے داخل ہونے میں اختلاف ہے اور حنفیہ نے فرمایا: آل اور جنس اور اہل بیت: ہر وہ ہے جو اسلام میں سب سے آخری دادا کے مناسب ہو اور وہ وہ ہے جس نے اسلام پایا ہو چاہے اسلام قبول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اور حنفیہ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ یہ امیر غریب سب کو شامل ہے اور حنفیہ کے ہاں اصل یہ ہے کہ چھوٹا بچہ اپنے ماں باپ اور دادا دادی کے امیر ہونے کے اعتبار سے امیر شمار کیا جائے گا، اور مرد اور عورت اپنے فروع یعنی بیٹوں اور شوہر کے امیر ہونے کے اعتبار سے امیر تصور ہوں گے، اور خصاف نے فرمایا میرے ہاں درست یہ ہے

❶الدر المختار ورد المحتار: ۳/۴۸۲، وما بعدها، فتح القدير: ۵/۷۰-۷۲، الشرح الكبير: ۴/۹۲ وما بعدها، الشرح الصغير: ۴/۱۲۸-۱۳۲، القوانين الفقهية: ص ۳۷۰، المهذب: ۱/۴۴۴، وما بعدها، كشاف القناع: ۴/۳۰۷-۳۱۴، غاية المنتهى: ۲/۳۱۹ وما بعدها، المغني: ۵/۵۶۰-۵۶۶۔

کہ ان سب کو دیا جائے گا اگر چہ ان کا نفقہ کسی غیر پر ہی فرض کیوں نہ ہو۔

د: القرابۃ...... سابقہ سے یہ اعم ہے اور اس میں واقف کے تمام ذی رحم محرم داخل ہیں چاہے مردوں کی طرف سے ہوں یا عورتوں کی طرف سے، اور چاہے محرم ہوں یا غیر محرم، مالکیہ کے ہاں اصح قول کے مطابق۔

حنفیہ کے ہاں...... واقف کے قرابتدار، ذی رحم محرم اور نسبی: ہر وہ ہے جو اس کے جد امجد کے اعتبار سے اسلام میں اس کے مناسب ہے والدین کی طرف سے سوائے اس کے والدین اور صلبی بیٹے کے، اس لئے کہ انہیں بالاتفاق قرابتدار شمار نہیں کیا جاتا، اور اسی طرح ان میں سے جو اوپر کی طرف یا نیچے کی طرف ہیں امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے ہاں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں دو سے کم نہیں اور صاحبین کے ہاں ایک پر بھی اکتفاء کیا جا سکتا ہے۔

شوافع کے ہاں...... جب اپنے عزیز و اقارب پر وقف کرے تو ان میں سب سے قریب ترین تین پر خرچ ہوگا اور اگر اس نے ان میں سے فقیروں کی قید لگائی تو حنفیہ کے ہاں فقر کا اعتبار سے غلہ کی موجودگی کے وقت کا اعتبار ہوگا، اور وہ وہ ہے جس کے لئے زکاۃ لینا جائز ہے اگر غلہ کو خرچ کرنے میں کسی عارض کی وجہ سے دو سال تاخیر کر دی اور امیر غریب ہوگیا اور فقیر امیر ہوگیا تو تقسیم کے وقت محتاج ان کے ساتھ شریک ہوگا، کیونکہ عطیات میں ملکیت قبضہ حقیقی کے ساتھ آتی ہے، اور غنی ہو جانا اور موت آنا اس کے استحقاق کو باطل نہیں کرتا۔

جب اس نے کہا الاقرب فالاقرب تو اس سے رحم کے اعتبار سے قریبی مراد ہوں گی نہ کہ میراث اور عصوبت کے اعتبار سے۔

اور جب کہا صلحاء اقارب تو صالح وہ ہوگا جیسا کہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے فرمایا جو مستور الحال ہو نہ ہی تو اس میں کسی کو شک ہو اور وہ سیدھی راہ پر ہو اور درست کنارہ پر ہو اور تکلیف دینے سے مامون ہو، اور اس کا شر کم ہو اور نبیذ پینے والا نہ ہو۔

اور اس پر لوگوں کو ندامت نہ ہو، اور نہ ہی وہ محصنہ عورتوں کو تہمت لگانے والا ہو اور نہ ہی وہ جھوٹا مشہور ہو، یہی صلاح ہے اور اس کے مثل ہی لوگ اہل خیر و فضیلت اور صاحب عفت ہیں۔

اور جب واقف نے کہا قرابتداروں میں الاحوج والاحوج، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو سو درہم سے کم کا مالک ہو اگر اس کے پاس سو درہم ہوں تو ان سب میں برابر سرابر تقسیم ہوگی۔

ہ: انسان کے مراحل...... جیسا کہ وصیت میں گذرا، طفل، بچہ اور صغیر وہ ہیں جو بالغ نہ ہوئے ہوں اگر بالغ ہوگئے تو ان کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا۔ شاب اور حدث، نوجوان وہ ہے جو بلوغت سے لے کر چالیس سال کی عمر تک ہو، اگر چالیس سال کے اوپر ہوگیا تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔

کہولت...... چالیس پورے سال سے ساٹھ پورے سال تک، شیخ: ساٹھ سال سے لے کر آخری عمر تک، اور شیخ کے اوپر کچھ بھی نہیں۔ اور یہ الفاظ مذکر و مونث سب کو شامل ہیں جیسا کہ اَرمل کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے۔

و: فی سبیل اللہ...... حنابلہ نے ذکر کیا ہے کہ جب وہ فی سبیل اللہ وقف کرے یا مسافروں اور مجاہدین کے لئے، تو ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں اس لئے کہ آدمیوں کا مطلق کلام شرعی معہود پر محمول ہوتا ہے۔ اور سبیل اللہ کا معنی غزوہ اور جہاد کرنا ہے۔

ہمیشہ کا وقف: اتصال وانقطاع کے اعتبار سے...... ہمیشہ کا وقف جب اس کا موقوف علیہ منقطع ہو جائے یا متصل ہو تو اس کی چار قسمیں ہیں: ❶

۱...... اگر اس کی ابتداء معلوم ہو اور اس کی انتہاء منقطع نہ ہو، یعنی اس کی ابتداء وانتہاء متصل ہو، جیسے مسکینوں پر وقف کرنا یا ایسے گروہ کے لئے وقف کرنا کہ عادۃً ان کا ختم ہونا محال ہو، تو یہ بالاتفاق صحیح ہے، لیکن اگر وقف ابتداء وانتہاء کے اعتبار سے منقطع ہو جیسے اپنی اولاد پر وقف اور اس کی کوئی اولاد ہو ہی نہ، تو وقف باطل ہے، اس لئے کہ جو بچہ پیدا نہیں ہوا وہ مالک نہیں بن سکتا لہٰذا اس پر وقف کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۲...... اگر ابتداء تو متصل ہو لیکن انتہاء معلوم نہ ہو مثلاً ایسے لوگوں پر وقف کرنا کہ معمول کے اعتبار سے ان کے ختم ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے، اور اس نے اس کا آخر مساکین کے لئے بھی نہ چھوڑا ہو، اور نہ ہی کسی غیر منقطع جہت کے لئے تو جمہور کے ہاں وقف صحیح ہے، کیونکہ اس تصرف کا مصرف عرفی اعتبار سے معلوم ہے، اور جب موقوف علیہم ختم ہو گئے تو وہ واقف کے قریبی پر خرچ ہوگا'' کما تقدم'' کیونکہ وقف کا مقصد ثواب حاصل کرنا ہے لہٰذا اسے اس کی شرط پر محمول کیا جائے گا، اور جس چیز کے بارے میں وہ خاموش رہا اس میں اس کے مقتضیٰ پر محمول ہوگا، اور یہ ایسا ہو جائے گا جیسے ہمیشہ کے لئے وقف۔

اور امام محمد بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا اور حنفیہ کے ہاں اسی پر فتویٰ بھی ہے کہ یہ وقف صحیح نہیں اس لئے کہ قربت کی غیر منقطع جہت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ وقف کا تقاضا ہمیشگی ہے جب وہ منقطع ہو گیا تو یہ مجہول پر وقف ہوا تو درست نہیں جیسا کہ ابتداء مجہول پر وقف کرے۔

۳...... اگر وقف ابتداء کے اعتبار سے منقطع ہو اور انتہاء کے اعتبار سے متصل مثلاً کسی ایسے پر وقف کر دے جس کے لئے وقف جائز نہیں جیسے اپنے لئے یا اپنے غلام کے لئے، یا کسی کنیسا یا غیر متعین مجہول کے لئے تو اس میں شوافع اور حنابلہ کی دو رائے ہیں ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ ابتداء باطل ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ صحیح ہے اور جب یہ کہا جائے کہ صحیح ہے تو فی الحال اسے ان پر صرف کیا جائے گا جن پر وقف جائز ہے۔

۴...... اگر وقف دونوں طرفوں سے صحیح ہو اور درمیان سے منقطع ہو مثلاً شروع میں اپنے بیٹے کے لئے وقف کرے پھر غیر متعین کے لئے پھر مسکینوں کے لئے تو اس میں دو رائے ہیں ایک تو منقطع الانتہاء کی طرح، اور ایک قول یہ ہے کہ شوافع اور حنابلہ کے ہاں درست ہے ایک قول ہے کہ باطل ہے۔

اگر اس کی دونوں طرفین منقطع ہوں اور درمیان صحیح ہو جیسے ایک شخص پہلے اپنے پر وقف کرے پھر اپنی اولاد پر پھر کنسیہ پر تو اس کی صحت میں دو رائے ہیں اور اس کا مصرف وقف منقطع کا مصرف ہے۔

پانچویں فصل ...... شرعی اور قانونی طور پر وقف کا اثبات

شرعی طور پر تو وقف کے اثبات کے لئے شہادت بھی ایک طریقہ ہے اور وقف کے دعویٰ میں شرط ہے کہ وقف کو بیان کیا جائے اگر چہ وہ قدیم ہی کیوں نہ ہو، اور اس کے اثبات کے لئے گواہی پر گواہی قبول ہے، اور مردوں کی گواہی عورتوں کے ساتھ اور شہرت اور تسامع کے ساتھ شہادت مثلاً گواہ کہے، میں تسامع کے ساتھ گواہی دیتا ہوں اور مصرف کے بیان کے لئے بھی تسامع کی گواہی قبول کی

---

❶...... الدر المختار ورد المحتار: ۳/۴۰۰، ۴۸۰، الشرح الصغیر: ۴/۱۲۱-۱۲۴، المہذب: ۱/۴۴۱ وما بعدھا، المغنی: ۵/۵۶۷-۵۷۳۔

جائے گی جیسے ان کا کہنا فلاں مسجد پر اور مستحقین کے بیان کے لئے، اور اس کی شرائط کے اثبات کے لئے قبول نہیں اور رہ گیا تحریری اسٹامپ تو وہ حجت نہیں بن سکتا کیونکہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔(نیز جھوٹے اسٹامپ تیار کئے جانا روز کا معمول ہے اور وقف شدہ زمین کی تحدید وحد بندے کے لئے شرط ہے وقف کی صحت کے لئے شرط نہیں۔ اس لئے کہ شرط معلوم ہے اور یہ شرط وقف کی قبولیت کے لئے شہادت ہے۔ ❶

اور مصر اور شام میں اسی پر عمل ہے شرعی فیصلوں اور عدالتوں میں پھر مصری وقف کے قانون میں دفعہ ایک (نمبر ۴۸ سن ۱۹۵۲ء) میں تصریح ہے کہ واقف با قاعدہ طور پر گواہ بنائے، کسی ایک شرعی عدالت کے روبرو جن کے دائرہ میں وقف آتا ہے۔

اس کے ذریعہ باطل دعوؤں کی تردید اور جھوٹ کے دروازے بند کرنے میں۔ کیونکہ جھوٹی گواہی کے ذریعہ لوگ باطل طور پر وقف وغیرہ کو ثابت کر رہے ہیں۔ اور یہ قانونی طور پر زمین کے بندوبست کے کاغذوں کے ساتھ متفق ہے کہ جو بھی زمین کا تصرف ہو اور جس کی زمین ہو اس میں (پٹواری) کے ذریعہ کام ہوگا۔ اور وہ وقف جو منقطع ہو اس کے ثبوت کے لئے خصاف نے فرمایا وہ اوقاف جو قدیمی ہیں اور ان کے گواہ فوت ہو گئے ہوں اور حکم کے دیوان اور دفتر میں جو اسٹامپ وغیرہ میں اور وہ ان کے قبضہ میں ہے تو اسے ان کے کاغذات کے مطابق استحسانا رکھا جائے گا۔ جب کہ اس کے اہل میں جھگڑا ہو، اور جن کے کاغذات نہ ہوں تو جو بھی جھگڑے میں اپنے حق کو ثابت کرے اس کے لئے حکم کیا جائے گا۔

چھٹی فصل......وقف باطل کرنے والی چیزیں

سابقہ شرائط میں سے اگر کوئی شرط نہ پائی جائے تو وقف باطل ہو جائے گا اور مالکیہ نے وقف باطل کرنے والی چیزیں ذکر کی ہیں ان میں سے اہم یہ ہیں۔ ❷

۱: نو پید مانع......مثلاً واقف فوت ہو جائے یا مفلس ہو جائے یا کوئی ایسی بیماری لاحق ہو جائے جو اس کی موت سے متصل ہو قبضہ سے پہلے تو وقف باطل ہے، اور موت کی صورت میں وہ وارث کے لئے ہوگا اور مفلس ہونے کی صورت میں قرض خواہ کے لئے اگر اس نے اجازت دے دی تو نافذ ہوگا ورنہ باطل۔

۲......اگر واقف خود گھر میں ٹھہرا رہا اور اس نے اس میں رہائش اختیار کر لی سال پورا ہونے اور اسے علیحدہ کرنے سے پہلے یا اس نے زمین کا غلہ اپنے لئے لے لیا تو وقف باطل ہے۔

۳......کسی گناہ کے لئے وقف جیسے کنیسہ کے یا موقوف کے غلہ کو شراب یا حرام لڑائی کے لئے اسلحہ خریدنے کے لئے صرف کیا تو بھی باطل ہے۔

۴......حربی کافر پر وقف باطل ہے اور ذمی کے لئے صحیح ہے اور یہ متفق علیہ شرط ہے۔

۵......اپنے لئے وقف کرنا اگرچہ غیر وارث شریک بھی ساتھ ہو مثلاً میں اپنے اوپر وقف کرتا ہوں فلاں کے ساتھ، کیونکہ یہ باطل ہے جو اس نے اپنے لئے خاص کیا اور شریک کے لئے۔

۶......اس طور پر وقف کرنا کہ اس میں نگرانی واقف کی ہوگی تو اس میں پابندی کی وجہ سے وقف باطل ہے۔

۷......قرض سے لاعلمی کی حالت میں کیا گیا وقف جب کہ وقف مجور پر کیا گیا ہو، اگر اس کی نگرانی میں وقف ہوا جس پر پابندی ہے اور اس نے اسے سمیٹ لیا اور واقف پر قرض تھا، اور یہ معلوم نہیں کہ قرض وقف سے پہلے کا ہے یا بعد کا تو وقف باطل ہے، اور اسے قرض کی

---

❶......ردالمحتار: ۴۰۸/۳، ۴۴۱، ۴۴۴۔ ❷القوانین الفقهیة: ص ۳۷۰، الشرح الصغیر: ۱۰۷/۴، ۱۰۸۔

ادائیگی کے لئے فروخت کیا جائے گا واجب کو نیکی اور تبرع پر مقدم کرتے ہوئے، قبضہ ضعیف ہونے کی وجہ سے۔

۸......تخلیہ نہ ہونا، یعنی واقف کا شے موقوف اور لوگوں کے درمیان تخلیہ مثلاً مسجد، رباط یا مدرسہ وغیرہ کے لئے مانع کے حصول سے پہلے تو یہ وقف کو باطل کر دیتا ہے۔ اور یہ میراث ہوگا۔

۹......کافر کا مسجد، مدرسہ، رباط اور دوسری اسلامی نیکیوں کے لئے وقف کرنا، یہی حنفیہ کی رائے بھی ہے۔

اور مکروہ تنزیہی ہے صرف بیٹوں کے لئے وقف کرنا بیٹیوں کے لئے نہ کرنا کیونکہ یہ جاہلیت کے عمل کے مشابہ ہے کہ وہ والد کی میراث سے انہیں محروم رکھتے تھے، لیکن اگر ایسا وقف ہو گیا تو وہ نافذ ہوگا فاسخ نہ ہوگا۔ اور بالاتفاق کسی آدمی کا اپنی بعض اولاد کو ھبہ کرنا سارا مال یا اکثر مال مکروہ ہے اور اسی طرح مکروہ ہے اپنا سارا مال ساری اولاد کو دینا تاکہ وہ مذکر و مونث اپنے درمیان برابر تقسیم کر لیں اگر انہوں نے آپس میں میراث کے حصص کے مطابق تقسیم کر لیا تو یہ جائز ہے اور اس کے برعکس بالاتفاق وقف جائز ہے یعنی صرف لڑکیوں کے لئے وقف کرنا لڑکوں کے لئے نہ کرنا۔

وقف کی انتہاء کے بارے میں قانون کا مؤقف...... مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۵۲ء دفعہ ۱۶۔۱۸ میں وقف کی انتہاء مدت مقررہ کے ختم ہونے پر یا جن پر وقف کیا گیا ہے ان کے ختم ہونے پر تصریح ہے اور اسی طرح وقف ختم ہو جائے گا ہر اس کے حصہ میں کہ جب مدت مقررہ ختم ہونے سے پہلے اس کے اہل ختم ہو جائیں یا وہ طبقہ ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے کہ جن کے ختم ہونے پر وقف ختم ہونا تھا، اور یہ بھی اس وقت ہے کہ جب وقف کی تحریر باقی موقوف علیہم کے حصہ کی طرف لوٹنے پر دلالت نہ کرے اس لئے کہ اس حالت میں وقف ختم نہیں ہوتا الا یہ کہ یہ باقی بھی ختم ہو جائیں یا مدت ختم ہو جائے۔ اور یہ وقف اس طرح بھی ختم ہو جائے گا کہ وہ خراب اور ویران ہو جائے یا گم ہو جائے، اور اگر واقف زندہ ہے تو وقف اس کی ملکیت میں آ جائے گا ورنہ اختتام کے فیصلہ کے وقت اس کے مستحقین کو ملے گا۔

ساتویں فصل......وقف کے اخراجات

وقف کے اخراجات اس کے نفع سے ہوں گے بالاتفاق واقف وغیرہ کی شرط میں اختلاف کے ساتھ۔

حنفیہ کا مذہب...... [1] واجب یہ ہے کہ ابتداء کی جائے وقف کے منافع اور غلہ سے اس کی تعمیر سے اتنی مقدار میں کہ وقف جس حالت پر ہو اسی پر باقی رہے اگر وہ خراب اور ویران ہو جائے تو اپنی صفت پر بنایا جائے، چاہے واقف غلہ سے اخراجات کی شرط لگائے یا نہ لگائے، کیونکہ واقف کا مقصد غلہ کو ہمیشہ کے لئے صرف کرنا ہے اور وہ تعمیر کے بغیر ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہ سکتا ہے تو عمارت کی تعمیر اقتضاءً ثابت ہوگی، نیز "الخراج بالضمان"۔

اگر اس نے گھر کو اپنے بیٹے کی رہائش کے لئے وقف کیا تو تعمیر اس کے ذمہ ہے جس نے رہائش اختیار کرنا ہے کیونکہ "العزم بالغنم" اگر وہ رک گیا جسے رہائش اختیار کرنا تھی تعمیر سے یا وہ عاجز آ گیا مثلاً وہ فقیر ہے تو حاکم جسے چاہے اسے اجرت پر دے دے اور اس کی اجرت سے عمارت وقف کی تعمیر کروائے، پھر تعمیر کے بعد اسے دے دے جس کو رہائش کی اجازت ہے، کیونکہ اس کی تعمیر میں دو حقوق کی رعایت ہے، ایک واقف کے حق کی اور دوسرے رہائش اختیار کرنے والے کے حق کی اور رکنے والے کی تعمیر پر مجبور نہ کیا جائے گا کیونکہ اس میں مال کا تلف ہے، اور جس کو رہائش کا اختیار ہے اسے اجارہ پر دینا درست نہیں بلکہ متولی یا قاضی کو ہے، اور اس کی طرف سے تعمیر

---

[1]......فتح القدیر: ۳۵/۵، الکتاب مع للباب: ۱۸۴/۲، ۱/۱ الدر المختار: ۴۱۲/۳، ۴۱۷۔

نہیں جسے بڑھوتری حاصل کرنی ہے، کیونکہ اس کی رہائش نہیں، بلکہ اس کی تعمیر اس کے ذمہ ہے جس پر رہائش اختیار کرنا ہے۔ اگر اس نے رہائش اختیار کرلی تو اس پر ظاہری اجرت نہیں کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں الا یہ کہ تعمیر کی ضرورت اور حاجت ہو تو متولی لے کر تعمیر کرے۔

وقف کی عمارت یا اس کی آلات میں سے جو کچھ منعدم ہو جائے، جیسے وہ آلات جن سے کام کیا جاتا ہے، ہل جوتنے کے آلات وقف کی زمین میں، اگر وقف ان کا محتاج ہے تو حاکم انہیں واپس کرے گا اور اگر ضرورت نہیں تو انہیں اپنے پاس رکھ کے رکھے گا جب تک کہ دوبارہ اس کی تعمیر کی ضرورت پیش آ جائے، تاکہ ضرورت کے وقت اس پر صرف کرنا متعذر نہ ہو، اگر متعذر رہو تو اس کے عین کو واپس کرنا ضروری ہے۔ تو انہیں فروخت کیا جائے گا اور اس کے ثمن اس کی مرمت واصلاح پر خرچ کئے جائیں گے۔

اور یہ جائز نہیں کہ منعدم شدہ کو یا اس کے بدل کو مستحقین کے درمیان تقسیم کیا جائے۔ کیونکہ یہ شئی موقوف کا جزو ہے اور اس میں ان کا کوئی حق نہیں، بلکہ ان کا حق اس کی منفعت میں ہے۔

لہٰذا اسے ان کے حق کے علاوہ میں صرف نہ کیا جائے گا۔

مالکیہ کے ہاں...... ❶ حکم حنفیہ ہی کی طرح ہے، کہ متولی پر واجب ہے کہ وہ وقف کی اصلاح کرے جب کہ اس میں کوئی خلل واقع ہو اور اگرچہ واقف اس کے خلاف ہی شرط رکھے اس کی مرمت اور اصلاح میں اس کی اتباع نہ کی جائے گی کیونکہ وہ اسے تلف تک لے جائے گا اور وہ باقی نہ رہے گا اور یہ جائز نہیں۔ اور اگر موقوف گھر میں کوئی خرابی ہو تو متولی و منتظم اسے کرائے پر دے دے اور رہائشی کو اس سے نکال دے جب کہ اس سے اس کی مرمت کا مطالبہ کیا گیا ہو اور اس نے مرمت نہ کی ہو۔

اور جب وہ درست ہو جائے تو پھر اجارہ کی مدت کے بعد وہ موقوف کی طرف لوٹ آئے گی لیکن اگر اس نے اس کی اصلاح و مرمت کردی تو اسے نکالا نہ جائے گا۔

اگر شئے موقوف کا غلہ نہ ہو تو اس پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اگر بیت المال میں بھی کچھ نہ ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ خراب ہو جائے اور واقف پر خرچہ کرنا لازم نہیں۔

جہاد کے گھوڑوں اور جانوروں وغیرہ پر بیت المال سے خرچ کیا جائے گا اور واقف پر ان کے نفقہ میں سے کچھ بھی واجب نہ ہوگا اور نہ ہی انہیں اجارہ پر دیا جائے کہ اس کے غلہ سے ان پر خرچ ہو اگر مسلمانوں کا بیت المال نہ ہو یا اس تک پہنچا ممکن نہ ہو تو حیوان کو فروخت کر دیا جائے گا اور ان کے عوض ایسا اسلحہ خرید لیا جائے گا جس پر کوئی خرچ نہیں ہوتا۔

شوافع اور حنابلہ کا مذہب...... ❷ کہ شئے موقوف کا خرچہ اور تجہیز اور تعمیر کا خرچہ اس شرط کے مطابق ہوگا واقف نے اپنے مال سے مشروط کیا ہے یا وقف کے مال سے، اس کے وقف کے سلسلہ میں اس کی شرط کی اتباع ہے، تو اس کے اخراجات کے سلسلہ میں بھی شرط کی اتباع واجب ہے، اگر ممکن نہ ہو تو موقوف کے منافع اور غلہ سے یہ کام ہوں گے جیسے زمین کا غلہ، کیونکہ وقف کی اصل کی حفاظت اس پر اس کے غلہ سے خرچ کئے بغیر ممکن نہیں لہٰذا خرچ کرنا اس کی ضروریات میں سے ہے۔

اگر اس کے منافع معطل ہوں تو خرچہ اور اس کی تیاری کے اخراجات شوافع کے ہاں نہ کے تعمیر کے بیت المال سے ہوں گے، اور حنابلہ کے ہاں اگر جانور کے منافع معطل ہوں تو اس کا نفقہ موقوف علیہ پر ہوگا، کیونکہ وہ اس کی ملک میں ہے، اور بیت المال پر واجب کرنا بھی محتمل ہے، اور اس کا فروخت کرنا بھی جائز ہے۔

---

❶......الشرح الصغیر: ۱۲۴/۴ وما بعدھا، القوانین الفقھیة: ص ۳۷۲۔ ❷المھذب: ۴۴۵/۱ مغنی المحتاج: ۳۹۵/۲، المغنی: ۵۹۰/۵، کشاف القناع: ۲۹۳/۴۔

شے موقوف (وقف شدہ) کی زکاۃ کے سلسلہ میں مالکیہ، حنابلہ اور شوافع نے فرمایا: ❶ اگر وقف کسی خاص قوم پر ہو اور بعض لوگ اس کا پھل یا زمین کے دانے وغیرہ حاصل کریں اور وہ نصاب تک پہنچ جائے یعنی پانچ وسق تو ان پر زکوٰۃ ہے کیونکہ وہ اس کے نتیجہ کے مالک ہیں اور جب وقف مسکینوں کے لئے ہو تو پھر اس میں کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اور امام مالک نے وقف شدہ چیز جب کسی غیر معین مثلاً فقراء اور مساکین کے لئے ہو اور وہ پانچ وسق بھی ہو تو زکوٰۃ واقف پر واجب کی ہے اس بناء پر کہ واقف اس کا مالک ہے لہٰذا وہ اپنی ملکیت کی زکوٰۃ ادا کرے گا اور متعین لوگوں پر وقف کی صورت میں ہر ایک کے حصہ میں پانچ وسق ہونا شرط ہے۔

آٹھویں فصل: خراب اور ویران ہونے کی صورت میں وقف کو تبدیل یا فروخت کرنا...... وقف کا مقصد اس سے ہمیشہ نفع حاصل کرنا ہے، اور اس کے نفع سے ثواب اور اجر حاصل کرنا ہے، جب وہ خراب ہو جائے تو پھر اس کا کیا حل ہے؟ تو فقہاء نے ضرورت کی بناء پر چند شرائط کے ساتھ اس کی تبدیلی اور فروخت کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کی تفصیلات ان کے ہاں ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... ❷ مسجد کے لئے وقف مفتی بہ قول کے مطابق ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے اگرچہ اس کی ضرورت باقی نہ بھی رہے لیکن مسجد ہونے کی صفت اس سے ختم نہیں ہوتی، اگر مسجد ویران اور خراب ہو جائے اور اسے تعمیر نہ کیا جا سکے اور لوگ اس میں مستغنی ہو گئے ہوں دوسری مسجد بنا لینے کی وجہ سے تو بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے ہاں وہ ہمیشہ تا قیامت مسجد ہی ہے۔ اور انہی کی رائے پر فتویٰ ہے، وہ جگہ بنانے والے اور اس کے ورثاء کی ملکیت میں نہیں آئے گی نہ ہی تو اسے منتقل کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مال کو کسی دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز ہے۔ چاہے اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، اور مسجد کی دیوار پر اپنے مکان کے شہتیر رکھنا جائز نہیں اگرچہ اجرت دے کر ہی کیوں نہ ہو، اور امام محمد نے فرمایا: جب وقف منعدم ہو جائے اور اس کا اتنا غلہ بھی نہ ہو کہ اس سے اس کی تعمیر ہو سکے تو وہ بانی اور اس کے ورثاء کے قبضہ میں لوٹ آئے گا۔

یہی مذکورہ اختلاف مسجد کی چٹائیوں، لائٹوں میں بھی جاری ہوگا جب کہ اس کی ضرورت نہ رہے امام ابو یوسفؒ کے ہاں ایک روایت میں انہیں دوسری مسجد میں منتقل کیا جائے گا اور امام محمد کے ہاں وہ مالک کی طرف لوٹے گا جب وہ کلی طور پر انتفاع سے نکل جائے۔ اسی اختلاف پر رباط، اور کنواں بھی ہے جب ان دونوں سے نفع نہ اٹھایا جائے، تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاں مسجد، رباط، کنویں اور حوض کے وقف کو قریب ترین مسجد، رباط، کنویں اور حوض پر صرف کیا جائے گا لیکن مفتی بہ شیخین کا قول ہے مسجد کی ہمیشگی کے سلسلہ میں، کہ نہ تو اسے منتقل کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مال کو کسی دوسری مسجد میں اور جب مسجد خراب ہو گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔ لیکن مسجد کے آلات یعنی لائٹ، چٹائی برخلاف اس کے انقاص کے، امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے یعنی وقف کرنے والے اور اس کے ورثہ کو واپس کر دینا، رہ گیا اس کا انقاص تو جیسے ذکر ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ ہے کہ مسجد میراث نہیں بن سکتی، اور نہ ہی اسے منتقل کرنا نہ اس کی مثل کو منتقل کرنا جائز ہے یعنی اس کے مثل واقف یا اس کے ورثہ کی ملکیت میں نہیں آئے۔

جب واقف نے دو وقف کئے مسجد کے لئے ایک اس کی تعمیر کے لئے اور ایک اس کے امام اور مؤذن کے لئے تو حاکم کو اختیار ہے کہ مسجد کے مصالح اور تعمیر سے فاضل اور بچے ہوئے وقف کو امام اور مؤذن پر خرچ کرے جب کہ ان کے لئے خاص کیا گیا وقف کم ہو اہل محلہ میں سے درست لوگوں کی رائے کے ساتھ، جب کہ وقف متحد ہو کیونکہ مقصد اس کے وقف کو زندہ رکھنا ہے۔ اور وہ اسی نقل کے ساتھ حاصل ہوگا کیونکہ یہ دونوں اس وقت ایک شئی کی طرح ہیں واقف اور اس کی جہت کے اتحاد کی صورت میں نقل کرنا جائز ہے۔ لیکن اگر

---

❶...... المغنی: ٥/٥٨٢، تکملۃ المجموع: ١٤/٥٩٧، الفروق: ٢/١١١ وما بعدھا۔ ❷ الدر المختار وردالمحتار ٤٠٦، ٤٠٨، ٤١٩، وما بعدھا ٤٢٤، ٤٢٧، فتح القدیر: ٥٨٨٥، وما بعدھا، البدائع: ٦/٢٢٠۔

واقف یا اس کی جہت میں سے کوئی ایک مختلف ہو مثلاً دو آدمی دو مسجدیں بنائے یا ایک آدمی مسجد اور مدرسہ بنائے اور ان دونوں پر وقف کرے تو حاکم کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایک خاص کر دوسرے پر خرچ کرے۔

مسجد کے کھنڈرات کی فروخت...... جب وقف منہدم ہو جائے اور اسے تعمیر کرنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور اسے اجارہ پر دینا اور تعمیر کرنا ممکن نہ ہو اور صرف اس کے کھنڈرات، پتھر، لکڑ وغیرہ۔

باقی ہوں تو حاکم کے حکم سے انہیں فروخت کرنا جائز ہے۔ تو ان کے ثمن سے اور وقف کی چیزیں خریدی جائیں گی، جب خریدنا ممکن نہ ہو تو اگر واقف کے ورثاء موجود ہیں تو انہیں لوٹا دیا جائے گا، اور اگر وہ نہ پائے جائیں تو اسے فقراء پر خرچ کیا جائے گا اور قاضی کے حکم سے فروخت کرنا اور اس کے ثمن کو بعض مساجد کے لئے خرچ کرنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر مبنی ہے اور ان سے دوسری روایت ہے اور ورثاء یا غریب لوگوں کو دینا امام محمد کے قول پر مبنی ہے۔ اور یہ بہت ہی عمدہ تطبیق ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے ورنہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر۔

خلاصہ یہ کہ مشائخ حنفیہ کے ہاں مسجد کے کھنڈرات وغیرہ۔ کو فروخت کرنا اور انہیں دوسری مسجد یا رباط پر خرچ کرنے کا مقصد انتفاع حاصل کرنا ہے کیونکہ واقف کا مقصد شئی موقوف سے لوگوں کا فائدہ حاصل کرنا ہے تاکہ ظالم اس کو ظلماً نہ لے لیں۔

راستہ کا کچھ حصہ مسجد بنا دینا یا اس کے برعکس...... جب بانی مسجد، اہل محلہ کے اعتراض کے بغیر راستہ کا کچھ حصہ مسجد میں داخل کر دے مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے اور اس سے گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہوتی ہو تو یہ جائز ہے، کیونکہ دونوں چیزیں مسلمانوں کی ہیں اور اسی طرح اس کا عکس یعنی مسجد میں راستہ رکھنا بھی جائز ہے اس میں سے ہر ایک کے لئے گذرنا جائز ہے۔

حتیٰ کہ کافر بھی گذر سکتا ہے سوائے جنبی، حائضہ اور جانوروں کے۔ اور حاکم وقت کے لئے جائز ہے کہ وہ راستہ کو مسجد بنائے لیکن اس کا عکس اس کے لئے جائز نہیں کیونکہ راستہ میں نماز پڑھنا جائز ہے لیکن مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں۔

تبدیلی کی حالتیں......حنفیہ کے ہاں تبدیلی کی تین صورتیں ہیں۔

پہلی صورت...... واقف اپنے لئے یا کسی دوسرے کے لئے یا اپنے اور دوسرے دونوں کے لئے شرط لگائے، کہ واقف وقف شدہ زمین کو کسی دوسری زمین سے تبدیل کرے گا یا اس کی فروخت کی شرط لگائے تو صحیح قول کے مطابق اس کی تبدیلی جائز ہے تو اسکے ثمن سے دوسری زمین خرید لی جائے گی جب وہ چاہے جب اس نے ایسا کیا تو دوسری زمین شرائط میں پہلی کی طرح ہو جائے گی۔

دوسری صورت...... کہ واقف شرط نہ لگائے، یا تو اس کے عدم کی شرط لگائے یا خاموش رہے لیکن موقوف اس طرح ہو جائے کہ اس سے کلی طور پر نفع نہ اٹھایا جا سکتا ہو کہ اس سے کچھ حاصل ہی نہیں ہو رہا، یا اس کے اخراجات ہی پورے نہیں ہو رہے ہے تو یہ بھی اصح قول کے مطابق جائز ہے جب کہ قاضی کی اجازت سے ہو اور اس کی رائے میں مصلحت ہو۔

تیسری حالت...... واقف کوئی شرط نہ لگائے لیکن اس میں فی الجملہ نفع ہو اور اس سے بہتر کے ساتھ اسے تبدیل کیا جائے، تو اصح قول کے مطابق اسے تبدیل کرنا جائز نہیں۔

تبدیلی کی شرائط......اگر وقف غیر منقولہ جائیداد ہو اور مسجد کے علاوہ ہو تو معتمد ہے کہ قاضی کے لئے اسے ضرورت کے موقع پر

چھ شرائط کے ساتھ اسے تبدیل کرنا جائز ہے اگر چہ واقف نے شرط نہ بھی لگائی ہو۔

۱......شے موقوف سے کلی طور پر نفع حاصل نہ ہو یعنی اس کا نفع ختم ہو جائے۔

۲......وقف کے لئے نفع نہ ہو جس سے اس کی تعمیر نہ ہو سکتی ہو۔

۳......بیع غبن فاحش کے ذریعہ نہ ہو۔

۴......تبدیل کرنے والا علماء کا سربراہ اور قاضی ہو، جو صاحب علم وعمل ہو تا کہ اس کے استبدال سے مسلمانوں کے وقف میں نہ ہو جیسا کہ اس آخری زمانہ میں غالب ہے۔

۵......اس کے ذریعہ غیر منقولہ جائیداد تبدیل ہو نہ کہ دراہم ودنانیر، تا کہ متولی ان کو کھا نہ جائے، نیز بہت کم ہوتا ہے کہ متولی اس سے اس کے بدلہ میں کچھ خریدتا ہو۔ اور بعض نے نقدی سے تبدیل کرنے کی اجازت دی ہے۔ جب تک کہ تبدیل کرنے والا قاضی ہو۔

۶......قاضی اسے فروخت نہ کرے جس کی شہادت اس کے ہاں معتبر نہیں اور نہ ہی اسے جس کا اس پر دین ہے۔ محابات اور تہمت کے خوف ہے۔

جب یہ شرائط کامل طور پر نہ پائی جائیں تو وقف کی بیع باطل ہوگی نہ کہ فاسد، اور جب حاکم کی بیع صحیح ہوگئی تو حاکم نے جسے فروخت کیا اس کا وقف ہونا باطل ہو گیا اور باقی اپنی حالت پر باقی رہے گا۔ یہاں پر چار مسائل ہیں جن میں آباد زمین کو فروخت کرنا جائز ہے۔

پہلا مسئلہ......اگر واقف نے شرط رکھی ہو۔

دوسرا مسئلہ......جب اسے کوئی غصب کرے اور اس پر پانی آ جائے کہ وہ سمندر بن جائے تو قیمت کا ضامن ہوگا اور اسی کا متولی اس کے بدلے زمین لے گا۔

تیسرا مسئلہ......غاصب انکار کر رہا ہو اور اس کے پاس گواہ بھی نہ ہوں اور وہ قیمت دینا چاہتا ہو تو متولی قیمت لے کر اس کے بدلے اور خریدے۔

چوتھا مسئلہ......کوئی شخص اس سے بہتر کی ترغیب دے رہا ہو جس کا نفع بھی زیادہ ہو اور جگہ بھی اچھی ہو تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شے موقوف کے فروخت کرنے کے سلسلہ میں مالکیہ کا مذہب مالکیہ نے ذکر کیا ہے کہ اوقاف فروخت ہونے کے اعتبار سے تین قسم پر ہیں۔ ❶

ایک مسجد......ان کی بیع بالاجماع حلال نہیں، دوسری عقار (زمین، غیر منقولہ جائیداد) اگر چہ خراب ہو جائے لیکن فروخت نہیں کی جائے گی، اور اس کو اس کی جنس سے تبدیل کرنا بھی جائز نہیں جیسے اس کی مثل جو خراب نہیں اس سے تبدیل کرنا، اور اس کے کھنڈرات کی بیع بھی جائز نہیں لکڑ پتھر وغیرہ۔

ہاں اگر موقوف میں اس کا لوٹانا متعذر ہو تو اسے اس کے مثل میں منتقل کرنا جائز ہے۔ اور موقوفہ عقار کو ایک ہی حالت میں فروخت کرنا جائز ہے وہ یہ کہ اس سے مسجد یا راستہ کے لئے وسیع جگہ خریدنی ہو۔

---

❶......القوانین الفقهیة: ۳۷۱، الشرح الصغیر: ۹۹/۴، ۱۰۱، ۱۲۵، ۱۲۷، الشرح الکبیر: ۹۰/۴، وما بعدها الفواکه الدوانی علی رسالة ابن ابی زید القیروانی ص ۴۰۔

تیسری صورت...... سامان اور جانور جب ان کا نفع ختم ہو جائے، مثلاً گھوڑا بوڑھا ہو جائے، اور کپڑا پرانا ہو جائے، کہ اس سے نفع نہیں اٹھایا جاسکتا تو ایسے موقوف کی بیع جائز ہے اور اس کے ثمن اس کے مثل میں خرچ ہوں گے اگر اس کی قیمت کسی چیز کے مکمل خریدنے تک نہ پہنچے تو اس کے مثل حصہ میں اسے رکھا جائے گا، جس نے جانوروں میں سے کوئی چیز وقف کی، تا کہ اس کے دودھ اور اون سے نفع اٹھایا جائے، تو اس کی نسل بھی وقف میں اصل کی طرح ہوگی اور اس کی مذکر جو نسل میں سے جفتی سے رہ گے اور جو مؤنث بڑی ہوگئی تو انہیں فروخت کیا جائے گا اور ان کے بدلے چھوٹی چھوٹی مؤنث خریدی جائیں گی، تا کہ تمام نفع حاصل ہو۔ اور یہ قول ابن قاسم کا ہے جب کہ ابن ماجشون کے ہاں بالکل فروخت نہ کی جائے گی۔

اوپر والی منزل...... مالکیہ کے قول کے مطابق کہ وقف کی یا اس کے کھنڈرات کی بیع ممنوع ہے تو اگر خراب ہو جائے اور غلہ اور اجرت حاصل کرنا اس سے متعذر ہو تو آیا متولی کے لیے جائز ہے کہ اسے کسی کو اجازت ہے کہ وہ اس کی تعمیر کرے یا اس میں رہنے لگا کہ عمارت اور مرمت بانی کے ہوں یا اوپر والی منزل ہو جو اسے فروخت کرے اور اس میں وراثت جاری ہو، کیونکہ عمارت تو بنانے والی کی ہے۔ اور اس کی موقوفہ زمین میں ہمیشہ کے لئے ایک کرایہ رکھ دیا جائے جو مستحقین کو یا مسجد کے خارج کو دیا جائے؟ تو ان میں سے بعض نے فتویٰ دیا ہے جن میں شیخ خوشی بھی ہیں کہ جائز ہے۔ اور حنفیہ نے بھی اجازت دی ہے۔ ❶ اسی کو خلو کہتے ہیں متن خلیل کے شارح دردیر نے فرمایا یہ فتویٰ قطعی باطل ہے اور خاص کر مالکیہ تو ایسا نہیں کہہ سکتے کیونکہ موقوف کی منفعت بھی وقف ہے اس عمل سے مالک نہیں بن سکتے۔

شے موقوف کی فروخت کے سلسلہ میں شوافع کا مذہب...... شوافع کے ہاں۔ ❷

ا...... جب مسجد منہدم ہو جاتے، یا ویران ہو جائے اور اس میں نماز موقوف ہو جائے، اور اس کا اعادہ متعذر ہو، یا شہر کے ویران ہونے کی وجہ سے معطل ہو جائے، تو کسی کی بھی ملکیت میں نہیں آئے گی اور اس میں کسی بھی حالت میں کسی بھی قسم کا تصرف بیع وغیرہ جائز نہیں اس لئے کہ جس چیز کی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے ختم ہو جائے، تو وہ مالک کی ملک میں واپس نہیں آسکتی، جیسے وہ غلام کو آزاد کرے پھر وہ مریض ہو جائے اپاہج ہو جائے تو اس کے آقا کی ملکیت اس میں واپس نہ آئے گی اور مسجد کے غلّہ کو قریب ترین مساجد میں صرف کیا جائے گا اگر اس کی دوبارہ تعمیر کا امکان نہ ہو ورنہ اس کی حفاظت کی جائے گی۔

اگر کسی مسجد کے گرنے کا خطرہ ہو تو اسے توڑ دیا جائے گا اور حاکم اس کے کھنڈرات سے دوسری مسجد تعمیر کرے گا، اگر اس کی یہ رائے ہو ورنہ اس کی حفاظت کرے گا، اور اس کے قریب ہی بنانا زیادہ اولیٰ ہے۔ اور اس سے کنواں نہیں بنایا جائے گا، جیسا کہ اگر کنواں خراب ہو تو اسے مسجد پر خرچ نہیں کیا جاتا، بلکہ اس سے ایک اور کنواں بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ واقف کی غرض کی رعایت ممکنہ حد تک رکھنی ہے۔

اگر واقف نے پل کے لئے وقف کیا وہ وادی جل گئی اور ایک اور جگہ پر پل کی ضرورت پیش آئی تو اسے اس جگہ سے دوسری ضرورت کی جگہ پر منتقل کرنا جائز ہے۔

اور سرحدوں کے وقف کا غلہ جب کہ بارڈر پرامن ہو جائے متولی اس کو حفاظت سے رکھے گا کیونکہ دوبارہ اس پر خطرہ کا احتمال ہے۔ اور مسجد کے تعمیر سے زائد غلہ کو رکھا جائے گا اس کے منہدم ہونے کی بقدر اور باقی سے زمین خریدلی جائے گی اور وقف کردی جائے تا کہ اس کی حفاظت ہو سکے اور موقوف کی تعمیر موقوف علیہم پر مقدم ہے کیونکہ اس سے وقف کی حفاظت ہوتی ہے۔ اور موقوف کے منافع کو مطلق مسجد پر خرچ کیا جائے گا یا اس کی تعمیر پر: کہ مسجد کی تعمیر، چونا وغیرہ کرنا اور سایہ کرنا وغیرہ۔

---

❶ ......رد المحتار: ۴۲۸/۳. ❷ المهذب: ۴۴۵/۱ مغني المحتاج: ۳۹۲/۲، وما بعدها، تكملة المجموع: ۲۱۲/۱۴، وما بعدها.

اور جھاڑو وغیرہ اور صفائی کی مشین خریدنا تا کہ اس سے صفائی ہو سکے اور بیلچہ اور کدال وغیرہ۔

تا کہ مٹی نکالی جا سکے اور نگران کی اجرت، مؤذن امام اور چٹائی اور تیل کی اجرت پر نہیں، کیونکہ نگران عمارت کی حفاظت کرتا ہے، برخلاف باقی کے، اگر وقف مسجد کے مصالح کے لئے ہو تو مذکورہ چیزوں میں اس کے منافع کو خرچ کیا جائے گا، اس کی تزئین اور نقش نگاری نہیں کی جائے گی اگر کسی نے اس کے لئے وقف کیا تو وہ صحیح نہیں۔

۳......اصح یہ ہے کہ مسجد کی۔ بوسیدہ چٹائیوں کو فروخت کیا جائے گا اور اس کے شہتیروں کو جب وہ ٹوٹ جائیں۔ اور سوائے جلانے کے کسی اور کام نہ آ سکتے ہوں تا کہ یہ ضائع نہ ہو جائیں اور بغیر فائدے کے جگہ کو نہ گھیر لیں۔ لہٰذا تھوڑا بہت نفع بھی اس سے حاصل ہونے وقف کے لئے بہتر ہے ان کے ضائع ہونے سے، اور اس کا نصفیہ وقف کی بیع کے تحت داخل نہیں کیونکہ یہ معدوم کے حکم میں ہے۔ اور اس کی رقم کو مسجد کے مصالح میں صرف کیا جائے گا، لیکن اگر جلانے کے علاوہ کسی اور کام وہ آ سکتے ہیں مثلاً دروازے وغیرہ بنانے کے کام تو پھر انہیں بالکل فروخت نہیں کیا جائے گا۔

اور وقف شدہ کھجور کے درخت کو جب وہ خشک ہو جائے اور اس کے شہتیروں سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہو اجارہ وغیرہ کے ذریعہ تو فروخت کرنا جائز ہے، اور اپاہج ہو جانے والے جانور تو اس لئے کہ جس سے نفع کی توقع نہ ہو اس کو چھوڑنے کی بجائے فروخت کرنا اولیٰ ہے برخلاف مسجد کے کیونکہ مسجد میں خراب ہونے کے باوجود نماز پڑھنا ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی جگہ تعمیر کر کے اس میں نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اور مبیع کی قیمت کا حکم جو وقف کی انتہاء پر ہو وہ واقف کے قریب ترین اشخاص پر خرچ کرنا ہے۔ اگر وہ نہ ہوں تو اسے فقراء اور مساکین پر یا مسلمانوں کے مصالح پر صرف کیا جائے گا۔

اگر وقف شدہ درخت کے شہتیروں سے نفع حاصل کرنا ممکن ہو اجارہ وغیرہ کے ذریعے تو صحیح مذہب کے مطابق وقف منقطع نہ ہوگا، کیونکہ اس کے عین میں وقف دائمی رہے گا، نہ اسے فروخت کیا جائے نہ ہی ھبہ، سابقہ حدیث کی وجہ سے جو وقف کے شروع کی بحث میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ حاصل یہ کہ شوافع بھی فی الجملہ اور مالکیہ وقف کی بیع کے عدم جواز میں سب سے سخت رائے والے ہیں۔

حنابلہ کا مذہب: ❶ الف...... جب وقف خراب ہو جائے اور اس کے منافع معطل ہو جائیں جیسے گھر منہدم ہو جائے یا زمین غیر آباد اور موات بن جائے، اور اس کی تعمیر ممکن نہ ہو یا مسجد کی بستی والے اس سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں اور وہ ایسی جگہ رہ جائے کہ اس میں نماز نہیں پڑھی جاتی، یا وہ تنگ ہو جائے اور اس جگہ اس کی توسیع ممکن نہ ہو اور اس کی تعمیر اس میں سے بعض فروخت کئے بغیر ممکن نہ ہو تو اسے فروخت کرنا جائز ہے تا کہ باقی حصہ کی تعمیر ہو سکے، اگر اس سے کسی صورت بھی نفع حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو ساری کو فروخت کر دیا جائے گا۔

ان کا استدلال اس روایت سے ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا تھا اس وقت کے جب انہیں یہ خبر پہنچی تھی کہ کوفہ میں جو بیت المال ہے اس میں نقب زنی کی گئی ہے اور تمارین کی مسجد میں اسے منتقل کر دیا گیا ہے اور بیت المال کو مسجد کے قبلہ کی طرف بنایا گیا ہے اور اس وقت سے ہمیشہ مسجد میں نمازی ہیں اور یہ کام صحابہ کی موجودگی میں ہوا کسی نے اختلاف نہیں فرمایا لہٰذا یہ اجماع ہے نیز مذکورہ چیزوں میں وقف کو معنوی طور پر بقاء حاصل ہو جاتی ہے جب کہ اسے صورت کے اعتبار سے باقی رکھنا متعذر ہے، لہٰذا بیع واجب ہے۔

ب...... جب وقف کی بیع کر دی گئی تو اس کے ثمن سے جونسی چیز خریدی جائے گی، اہل وقف پر رد کر دی جائے گی تو یہ جائز ہے

---

❶......المغنی: ۵/۵۷۵۔۵۷۹، والشرح الکبیر: ۶/۲۲۵۔

چاہے اس کی جنس سے ہو یا غیر جنس سے، کیونکہ مقصد منفعت ہے نہ کہ جنس لیکن یہ منفعت اس مصلحت کی طرف منصرف ہوگی جس میں تصرف اولیٰ ہے، کیونکہ مصرف میں تبدیلی جائز نہیں جب کہ اس کی حفاظت ممکن ہو جیسا کہ وقف کو فروخت کرے تبدیلی جائز نہیں جب اس سے انتفاع ممکن ہو۔

ج...... جب وقف شدہ گھوڑے کے ثمن دوسرا گھوڑا خریدنے کے لئے کافی نہ ہوں تو اس کے ذریعہ وقف شدہ گھوڑا خریدنے میں مدد کی جائے گی جو بعض ثمن سے بنتا ہے، اس لئے کہ مقصد وقف کی منفعت کو باقی رکھنا ہے جب تک اس کا باقی رکھنا ممکن ہو اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اور اس طریقہ کے علاوہ بچانا ممکن نہیں۔

د...... اور جب وقف کی مصلحت کلی طور پر معطل نہ ہو لیکن کم ہو جائے، اور اس کا غیر اس سے زیادہ نفع بخش ہو اور اہل وقف کے لئے زیادہ فائدہ مند ہو تو اس کی بیع جائز نہیں کیونکہ اصل بیع کا حرام ہونا ہے، صرف ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی ہے وقف کے مقصود کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے اس کے حاصل ہونے کے ممکن ہونے کی وجہ سے اور اس سے نفع ممکن ہونے کی وجہ سے اگرچہ کم ہی ہو الا یہ کہ نفع اتنا کم ہو کہ اسے نفع شمار ہی نہ کیا جاتا ہو تو اس کا وجود معدوم کی طرح ہوگا۔

ہ...... مسجد کو منتقل کرنا، اسے تبدیل کرنا اور اس کی جگہ کو فروخت کرنا یا اسے کنواں یا دکانیں بنانا جائز نہیں الا یہ کہ اس سے نفع اٹھانا متعذر ہو، اور مسجد کے مسجد بن جانے کے بعد اس میں کسی بھی قسم کا پھلدار درخت کچھ یا بے پھل درخت لگانا جائز نہیں اور امام احمد نے فرمایا میں اس سے کھانا پسند نہیں کرتا اگر امام اسے اکھیڑ دے تو جائز ہے، اس لئے کہ مسجد اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز، تلاوت وغیرہ کے لئے بنائی گئی ہے

نیز درخت مسجد کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور نمازیوں کو اپنی جگہ نماز پڑھنے سے مانع ہے، اور اس کے پتے اور پھل مسجد میں گریں گے اور اس پر چڑیاں اور پرندے بیٹھیں گے اور مسجد میں پیشاب کریں گے اور بسا اوقات بچے اس کے پھل کو پتھر ماریں گے۔ ہاں اگر کھجور کسی زمین میں ہوں پھر انہیں وہ شخص مسجد بنادے اور درخت زمین میں ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

و...... مسجد کی چٹائی یا تیل میں سے جو کچھ بچ جائے اور اس کی ضرورت نہ ہو تو اسے دوسری مسجد میں دینا جائز ہے یا ان سے اس کے پڑوسی غریبوں پر صدقہ کر دیا جائے، اور یہی حکم ہے اگر اس کے بانسوں یا اینٹ پتھر لکڑ میں سے کچھ بچ جائے ان کا۔

قانون کا موقف تبدیلی کے حوالے سے...... مصری قانون نمبر ۴۸ سن ۱۹۴۶ء دفعہ ۱۴ تبدیلی کے اموال کے سلسلہ میں تصریح ہے کہ محکمہ خریدے گا اس بناء پر کے ذی شان لوگ طلب کریں اپنے ودیعت رکھے گئے اموال یا منقول اموال تو اسے اجازت ہے کہ انہیں اجازت دے نئی جگہ پر خرچ کرنے کی۔

اور محکمہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اگر اس کے لئے آسان ہو تو وہ اس میں سرمایہ کاری کرے، جائز سرمایہ کاری کی وجوہات میں سے جس سے چاہے جیسا کہ اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ وقف کی تعمیر کے لئے اس پر خرچ کرنے کی اجازت دے اور اس کے غلہ میں رجوع نہ کرے، اگر یہ اموال معمولی ہوں اور سرمایہ کاری میں لگانا آسان نہ ہو اور عمارت میں بھی خرچ نہ ہو سکتے ہوں تو ان میں غلہ کا اعتبار ہوگا اور اس کے مصرف میں خرچ ہوں گے۔

شام کا قانون نمبر ۱۰۴ سن ۱۹/۳/۱۹۶۰ء، غیر منقولہ جائیداد کی تبدیلی کے جواز کو متضمن ہے، اور قانون نمبر ۱۶۳ / سن ۲۷/۹/۱۹۵۸ء بھی وقف کی غیر منقولہ جائیداد کی تبدیلی کو متضمن ہے کہ ان میں طویل اجارہ کیا جا سکتا ہے جیسے رصدگاہ، اسٹاکسٹ، دکانیں، جاگیر، دوجارے، پن چکی کا حق، مشر مسکہ اور کردار اور قیمت کا حق۔ (۱)

---

(۱)...... ردالمحتار: ۳/۴۳۶، ۴۲۸، و ۴/۱۷، ۱۸۔

نویں فصل: مرض الموت میں وقف کرنا...... میں نے شرائط کی بحث میں وضاحت کی ہے کہ واقف کے شرط یہ ہے کہ وہ تبرع کا اہل ہو اور تصرف پر پابندی نہ ہو اور وقف کے وقت وہ مکمل طور پر مالک ہو اور حنفیہ کے ہاں اگرچہ کسی فاسد سبب ہی سے کیوں نہ ہو اسی بناء پر حنفیہ نے تصریح کی ہے [1] کہ وہ وقف ختم ہو جائے گا جس کا کوئی اور مالک نکل آیا یا اس میں کسی نے شفعہ کر دیا اگرچہ اسے مسجد ہی کیوں نہ بنایا ہو اور اس مریض کا دین بھی ختم ہو جائے گا جس کے مال کا دین نے احاطہ کیا ہوا ہو برخلاف صحیح آدمی کے یعنی مریض قرض دار کا وقف باطل ہو جائے گا جب کہ دین نے اس کے مال کا احاطہ کیا ہوا ہو تو اسے فروخت کیا جائے گا اور اس کا وقف باطل ہو جائے گا، جیسے تنگ دست راہن کا وقف۔

لیکن اگر قرض، وقف کے مال کا احاطہ کئے ہوئے نہ ہو، تو صحیح ہے اور مرض الموت میں وقف، ھبہ کی طرح ہے اور ثلث سے وصیت کی طرح نافذ ہوگا اگر ثلث سے پورا ہو گیا اگر ورثاء نے اجازت دے دی تو کل نافذ ہوگا۔ ورنہ تہائی سے زیادہ میں باطل ہوگا، اگر بعض نے اجازت دی تو اس کی بقدر جائز ہے۔

حاصل یہ کہ مرض سے بچا ہوا ہونا وقف کی صحت کی شرائط میں سے نہیں اور یہ کہ واقف نے اگر مرض اور بیماری کی حالت میں وقف کیا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں یہ جائز ہے اور تہائی سے نکالا جائے گا، اور یہ مرنے کے بعد وصیت کی طرح ہے حتیٰ کہ مریض متہم نہ ہوگا ورثاء کو یا قرض خواہوں کو نقصان دینے کا، اور صاحبین کے ہاں صحت اور مرض دونوں حالتوں میں وقف برابر طور پر صحیح ہے۔

اور اسی اختلاف پر متفرع ہے کہ امام صاحب کی رائے کے مطابق وقف لازم نہیں اور واقف کی ملکیت اس چیز سے زائل نہ ہوگی الا یہ کہ وہ اسے موت کے بعد کی طرف منسوب کر دے یا حاکم اس کا فیصلہ دے دے اور صاحبین کے ہاں بغیر اضافت کے بھی زائل ہوگی۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق اگر مرض الموت کا مریض بعض ورثاء پر وقف کرے اور باقی اسے جائز نہ قرار دیں تو اصل وقف باطل نہ ہوگا بلکہ جو غلہ اس نے بعض ورثاء کے لئے مقرر کیا اور بعض کے لئے نہیں تو وہ باطل ہوگا، اور ان پر واقف سے پائی جانے والی میراث کی بقدر صرف ہوگا جب کہ موقوف علیہ زندہ ہو پھر اس کی موت کے بعد واقف کی شرط کے مطابق تقسیم ہوگی کیونکہ یہ وصیت ہے جو فقراء کی طرف لوٹتی ہے اور یہ وارث کے حق میں وصیت کی طرح نہیں کہ اس کی اصل ہی باطل ہو جائے۔

جمہور کی رائے...... [2] جو وقف کے لزوم کے قائل ہیں یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے موافق ہیں کہ مرض الموت میں وقف بمنزلہ وصیت ہے کہ تہائی مال سے معتبر ہوگا کیونکہ تبرع ہے لہٰذا مرض الموت میں ثلث سے ہی ہوگا، جیسے آزاد کرنا اور ھبہ کرنا۔ جب تہائی سے پورا ہو گیا تو ورثاء کی رضامندی کے بغیر بھی نافذ ہوگا اور لازم ہوگا، اور جو ثلث سے زیادہ ہوا تو تہائی کی بقدر لازم ہوگا اور زائد ورثاء کی اجازت سے نافذ ہوگی کیونکہ ورثاء کا حق مال سے متعلق ہو گیا مرض کی موجودگی میں لہٰذا تہائی سے زیادہ میں تبرع کے لئے مانع ہے جیسے عطیات اور عتق۔

اور جمہور کے ہاں بھی مرض الموت میں بعض ورثاء کے لئے وقف جائز نہیں، اگر اس نے وقف کر دیا تو وقف تمام ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا، کیونکہ یہ اپنے مرض میں بعض ورثاء کو خاص کرنا ہے لہٰذا اس سے اسے روکا جائے گا جیسے ہبہ وغیرہ سے، نیز اس لئے بھی کہ ہر وہ عین جس کی وصیت جائز نہیں اس کے لئے منفعت کی وصیت بھی جائز نہیں جیسے اجنبی کے لئے تہائی سے زائد حصہ میں۔

اور مالکیہ کی روایت اس سلسلہ میں یہ ہے: مرض الموت میں وارث پر وقف باطل ہے اگرچہ ثلث مال ہی سے کیوں نہ ہوں اس

---

[1] ......الدر المختار و رد المحتار: ۳/۳۹۴، ۴۳۲، البدائع: ۶/۲۱۸۔ [2] المغنی: ۵/۵۷۱۔۵۷۴، الشرح الصغیر: ۴/۱۰۷، ۱۱۰، الشرح الکبیر: ۴/۷۸، کشاف القناع ۴/۲۷۸، مغنی المحتاج: ۲/۳۷۷۔

لئے کہ مرض میں وقف وصیت کی طرح ہے اور وارث کے لئے وصیت نہیں اگر مرض میں وقف وارث پر نہ ہو بلکہ کسی غیر کے لئے ہو تو تمام تبرعات کی طرح ثلث سے نافذ ہوگا اگر ثلث سے پورا ہو گیا تو صحیح ہے ورنہ صرف ثلث میں صحیح ہے باقی میں نہیں۔ اور مالکیہ نے اس میں سے عقب پر وقف کو مستثنیٰ کیا ہے چاہے غلہ ہو یا نہ ہو۔ اور وہ وقف ہے جو مریض یعنی اولاد اور نسل پر کرے۔

اگر ثلث سے پورا ہو گیا تو صحیح اور تقسیم میں اس کا حکم وارث کے لئے میراث کی طرح ہے اور حقیقت کے اعتبار سے میراث نہیں کیونکہ نہ اسے فروخت کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ، پس لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہوگا، اگر چہ واقف ان میں برابری کی شرط بھی رکھے، اور بیوی کے لئے ثمن ہوگا اور والدہ کے لئے سدس، خلاصہ یہ کہ مریض کا وقف لازم ہے اور جمہور کے ہاں اس میں اس کے لئے رجوع جائز نہیں اور مالکیہ کے ہاں باطل ہے کیونکہ یہ وارث کے لئے وصیت کے درجہ میں ہے۔ ❶

دسویں فصل: وقف کا نگران ومتولی...... پہلی بات۔

نگران کی تعیین...... بالاتفاق واقف کے لئے صحیح ہے ❷ کہ وہ خود متولی اور نگران بن جاتے یا موقوف علیہ کو بنائے یا ان کے علاوہ کسی کو یا تو متعین طور پر مثلاً فلاں یا کسی کے وصف کی تعیین کے ساتھ جیسے زیادہ سمجھدار، زیادہ عالم یا بڑا یا فلان صفت کا۔ تو جس میں شرط پائی گئی تو اس میں نگران ثابت ہوگی شرط پر عمل کرتے ہوئے، اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقف میں آپ نے نگرانی اپنے بیٹے حسن کے لئے رکھی پھر اپنے بیٹے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے۔

اور واقف کی شرط کی نگران کی تعیین میں اتباع کی جائے گی اگر واقف نے نگرانی کسی کے لئے بھی نہ رکھی تو مالکیہ اور شوافع کے ہاں قاضی کو نگران مقرر کرنے کا اختیار ہے کیونکہ اس کو خود عمومی نگرانی ہے، لہٰذا اس کا وہ بدرجہ اولیٰ مستحق ہے اس لئے کہ جمہور کے ہاں وقف میں ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے سوائے مالکیہ کے۔

حنابلہ کے ہاں...... اگر موقوف علیہ آدمیوں سے اور متعین ہے تو نگرانی اسی کی ہوگی اور ہر ایک اپنے حصہ میں ہوگی اگر وہ کئی ہوں اور شمار میں آسکتے ہوں جیسے اس کی اولاد یا زید کی اولاد عادل ہوں یا فاسق اس لئے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور غلہ ان کا ہے، اگر موقوف علیہم شمار میں نہ آسکتے ہو جیسے فقراء اور مساکین علماء اور مجاہدین، یا موقوف علیہ مسجد، مدرسہ رباط، پل، کنواں وغیرہ ہو تو پھر نگرانی حاکم یا اس کے نائب کی ہوگی کیونکہ اس وقف کا کوئی متعین مالک نہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... نگرانی واقف کی ہوگی چاہے اس نے اپنے لئے شرط رکھی ہو یا نہ ظاہر مذہب کے مطابق پھر اس کے وصی کی ورنہ حاکم کی۔ اور کئی نگران مقرر کرنا درست ہے اور مصری قانون دفعہ ۴۸ میں تصریح ہے کہ محکم ایک سے زیادہ نگران مقرر نہ کرے سوائے مصلحت کے۔ حنابلہ نے فرمایا اگر نگران اور متولی زیادہ ہوں تو ان سب کو اکٹھے نگرانی کرنا ہوگی کسی ایک کا تصرف دوسرے کے بغیر صحیح نہ ہوگا واقف کی شرط پر عمل کرتے ہوئے۔

دوسری بات: نگران کی شرائط...... نگران کے لئے درج ذیل شرائط ہیں۔ ❸

ا...... ظاہری عدالت اگر چہ وقف سمجھدار اور متعین لوگوں پر ہو کیونکہ نگرانی ولایت ہے جیسے وصی اور قیم کے لئے اور عدالت شرعی

---

❶...... قانون الوقف للشیخ السنهوری : ص ۱۸۹۔ ❷الدر المختار : ۴۲۱/۳، القوانین الفقهیة ص ۳۷۱، مغنی المحتاج : ۳۹۳/۲، کشاف القناع : ۲۹۳/۷، ۲۹۷، ۲۹۸، الشرح الکبیر : ۸۸/۴۔ ❸مغنی المحتاج، کشاف القناع، المکان السابق، الشرح الکبیر مع حاشیة الدسوقی ۸۹/۴۔

اوامر کی اتباع اور شرعی ممنوعات سے اجتناب کو کہتے ہیں اور یہ شرط جمہور کے ہاں ہے اور حنابلہ کے ہاں عدالت شرط نہیں اور فاسق کے ساتھ عادل کو ملایا جائے گا جیسے ضعیف نگران کے ساتھ قوی اور امین کو ملایا جاتا ہے۔

۲: کفایت...... وہ شخصی طاقت اور قوت جس کی وجہ سے وہ نگرانی کا اہل اور تصرف کرسکتا ہو، اور کفایت کی صفت کی وجہ سے صحیح تصرف کرنے کی صفت سے مستغنی ہوجاتے ہیں اور کفایت میں بلوغ اور عقل ضروری ہے۔ اور نگران کا مرد ہونا شرط نہیں، اس لئے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وصی اور نگران بنایا تھا۔ اگر کسی شخص میں عدالت اور کفایت کامل طور پر نہ پائی جاتی ہوں تو حاکم اسے وقف کی نگرانی سے معزول کردے حتیٰ کہ اگر واقف خود ہی ناظر ہو تو بھی۔ اگر مانع زائل ہوگیا تو شوافع کے ہاں دوبارہ اس کی نگرانی لوٹ آئے گی اگر وقف میں یہ مشروط ہو۔

۳: اسلام...... اگر موقوف علیہ مسلمان ہو یا جہت وقف مسجد، مدرسہ ہو کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ النساء ۴/ ۱۴۱

اور ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے۔

اور اگر وقف کسی متعین کافر پر ہو تو اس میں کافر کو نگران بنانا جائز ہے یہ حنابلہ نے ذکر کیا ہے اور حنفیہ نے نگران کے لئے اسلام شرط نہیں رکھا۔

تیسری بات: نگران کا کام...... نگران کو جب عمومی طور پر تفویض ہو ❶ تو اس کا کام یہ ہے کہ وہ وقف کی حفاظت کرے اس کی عمارت کی اس کے اجارہ کی کھیتی کرنے کی اس سلسلہ میں جھگڑا کرنے کی اور اجرت سے غلہ حاصل کرنا زراعت یا پھل سے لینے اور مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کی ذمہ داری اس پر ہے اور احتیاط کی ساتھ اصول اور منافع کی حفاظت۔ اور وہ اپنے اجتہاد سے موقوف کی بڑھوتری اور اس کی جہات میں اسے صرف کرے تعمیر مرمت، مستحقین کو دینا وغیرہ اور اسی کا قول معتبر ہوگا اور وہ تبرعاً یہ کام کررہا ہے اگر تبرعاً نہیں کررہا تو حنابلہ کے ہاں قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اگر نگران بعض چیزوں میں مقید ہو تو مقید ہوگا۔

جب نگران وقف کی تعمیر کے دوران کام کرے تو وہ لے لے گا جیسا کہ حنفیہ نے وضاحت کی، اپنی اجرت کے مقدار اور انہوں نے ہی ذکر کیا ہے کہ اس کے اجارہ وغیرہ میں واقف کی شرط کی رعایت رکھی جائے اس لئے کہ واقف کی شرط نص شارع کی طرح ہے، اور قیم کے لئے جائز نہیں کہ وہ مدت میں اضافہ کرے بلکہ اضافہ قاضی کے اختیار میں ہے اس لئے کہ اسے فقیر، غائب اور میت کے حق میں شفقت کی ولایت حاصل ہے اگر واقف اجارہ کی مدت کو مطلق چھوڑ دے تو کہا گیا ہے کہ حنفیہ کی ہاں نگران کے لئے زیادتی واضافہ مطلق ہے اور ایک قول ہے کہ ایک سال کے لئے۔

طویل اجارہ...... حنفیہ کے ہاں گھر کے اجارہ میں ایک سال کی مدت کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ اور زمین میں تین سال تک کے لئے ہاں اگر کوئی مصلحت ہو تو اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے زمانہ اور جگہ کے اعتبار سے یہ ایسا معاملہ ہے جو جگہ اور زمانہ کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اور ان کے ہاں اوقاف میں اور یتیم کی زمین اور بیت المال کی زمین میں طویل اجارہ کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے اگرچہ یہ کئی مترادف عقود کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو اور ہر عقد سال کا ہو کیونکہ محذور متحقق ہے وہ یہ کہ مدت کا طویل ہونا وقف کو باطل کردیتا ہے لیکن یہ حکم حاجت اور ضرورت نہ ہونے کے وقت ہے، لیکن ضرورت پیش آجائے وقف کی تعمیر کی تو دو آنے والے سالوں کی اجرت معجّل لی جاسکتی ہے محذور کو ختم کرنے کے لئے۔ ضرر کے تحقق کے وقت۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے اگر اس کی حاجت ہو تو نگران مترادف عقود کرے گھر میں ہر عقد ایک سال کے لئے اتنے کا اور زمین میں ہر

---

❶...... الدر مع الرد: ۳/ ۴۱۴ و ما بعدھا ۴۳۴۔

عقد تین سال کے لئے بایں طور کہے ”میں نے فلاں کو فلاں سن مثلاً ۴۹ء میں اتنے کا اجرت پر دیا اور میں نے تجھے وہ پانچ سال کے لئے اتنے کا دیا اور میں نے تجھے سن ۵۱ء میں اتنے کا دیا اور یہ اسی طرح آخر مدت تک ہے، تو پہلا عقد لازم ہوگا اور اس کے علاوہ جو ہیں وہ مستقبل کی طرف مضاف ہوں گے اور صحیح پر ہے کہ مضاف اجارہ بھی لازم ہے اور ایک روایت میں اسے لیا جائے گا اور اجرت کا مالک ہوگا کیونکہ مضاف اجارہ کی ضرورت ہے تعجیل کی شرط کے ساتھ اور شئی موقوف کو اجرت مثل پر اجارہ پر دیا جائے گا اور اتنے کم پر نہیں دیا جائے گا جو غبن فاحش پر مشتمل ہو اور غبن اور نقصان نہیں دیتا، (اور وہ وہ ہے جس میں لوگوں کو دھوکا ہو جاتا ہے اور اسے غبن شمار نہیں کرتے) اگر نگران نے عقد کے بعد اجرت میں کمی کی تو عقد فسخ نہ ہوگا جب مستاجر فسخ طلب کرے۔ کیونکہ وقف کو ضرر لازم ہوگا اور اگر عقد کے بعد اجرت مثل سے زیادہ اجرت کردی تو زائد اجرت کے ساتھ عقد کی تجدید ہوگی ابن عابدین نے فرمایا: ظاہر یہ ہے کہ مستاجر کا زیادتی کو قبول کرنا تجدید عقد کے لئے کافی ہے۔ اور مستاجر اول اولیٰ ہے کسی دوسرے سے جب کہ وہ زیادتی کو قبول کرے اور موقوف علیہ جس کے لئے غلہ اور سکنی ہے اگر وہ متعین آدمی ہے تو وہ اجارہ کا مالک نہیں اور اگر اس سے کوئی غصب کرے تو دعویٰ کرنے کا بھی مالک نہیں سوائے تولیہ کے یا دعویٰ سے اس کا فیصلہ ہوا اور اجارہ کا اس لئے کہ اس کا حق غلہ میں ہے نہ کے عین وقف میں اور جب متولی اور نگران نے اجرت مثل سے زیادہ پر اجارہ پر دیا تو مستاجر پر تمام اجرت مثل دینا لازم ہے۔ اور غاصب، مغصوب کے منافع کا ضامن ہوگا جب اس نے مغصوب زمین کی منافع کو معطل چھوڑا ہو اور ان سے نفع اٹھایا ہو یا اس کے منافع کو تلف کر دیا ہو، جیسے کوئی شخص بے اجازت کے رہائش اختیار کرے یا متولی اسے بغیر اجرت کے رہائش دے تو رہائش اختیار کرنے والے پر اجرت مثل ہوگی اگر چہ زمین نفع حاصل کرنے کے لئے تیار نہ بھی ہو وقف کی حفاظت کے لئے اور اس کی مثل حکم ہے یتیم کے مال کے بارے میں اور ہر وہ چیز جو وقف کے لئے زیادہ نفع بخش ہے اس کا فتویٰ دیا جائے گا جس میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور جب قیمت کا فیصلہ کیا گیا غصب شدہ غیر منقولہ جائیداد میں اور پھر اس پر پانی آ گیا اور وہ جگہ سمندر کا حصہ بن گئی اور اس میں زراعت کی صلاحیت نہ رہی تو ناظر اس کے بدلے اور زمین خریدے گا تو یہ پہلی جگہ کے بدلے میں وقف ہوگی۔

مالکیہ کا مذہب...... ❷ اگر وقف کسی متعین آدمی پر ہو تو نگران کے لئے جائز ہے کہ وہ وقف کی زمین کو ایک سال یا دو سال کے لئے کرایہ پر دے دے اور اگر متعین پر نہ ہو مثلاً فقراء علماء وغیرہ پر ہو تو صرف چار سال کے اجارہ اور کرائے پر دے سکتا ہے اور اس کے لئے دس سال کا کرایہ بھی جائز ہے جس کے لئے وقف کا لوٹنا ہو مثلاً زمین کو زید کے لئے وقف کرے پھر اس کے بعد عمرو کے لئے وہ ملکیت بن جائے یا وقف تو زید کے لئے جائز ہے کہ وہ عمرو کو دس سال کے لئے کرائے پر دے دے۔ اور ضرورت کی بناء پر خراب شدہ وقف کی اصلاح اور مرمت کے لئے چار یا پانچ سال کے لئے کرائے پر دینا جائز ہے اس سے زیادہ نہیں اور کرایہ اجرت مثل کے برابر ہوگا اگر اجرت مثل سے کم پر اجارہ ہوا تو یہ عقد فسخ ہو جائے گا اور دوسرے عقود میں زیادتی و اضافہ قبول ہوگا، اور نگران صرف گذشتہ زمانے کی وقف کی اجرت ہی مستحق پر تقسیم کرے گا اس کے علاوہ نہیں اگر اس نے آئندہ کی اجرت پہلے ہی وصول کرلی تو حاضرین پر اس کا تقسیم کرنا جائز نہیں اس لئے کہ لینے والے کی موت کا بھی احتمال ہے لہٰذا یہ اس کو دینے والا ہوگا جو مستحق نہیں اور جو مستحق ہے وہ محروم ہو جائے گا۔

اور اگر وقف چند لوگوں پر ہو جو متعین ہیں مثلاً فلاں اور فلاں تو ان میں وہ برابر تقسیم ہوگا کسی کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے گی، اور اگر وقف غیر متعین افراد پر ہو جیسے فقراء، مسافر، فی سبیل اللہ اہل علم یا کسی قوم پر اور ان کی اولاد پر یا ان کے بھائیوں اور چچاؤں پر تو نگران ان میں سے جس کے بارے میں مناسب سمجھے اسے زیادہ بھی دے سکتا ہے۔ اور رہائش پذیر کو وقف سے نکالا نہ جائے گا جب اس میں

---

❶......الشرح الصغیر: ۴/۱۳۳-۱۳۷، الشرح الکبیر: ۴/۸۸ وما بعدھا۔ ❷مغنی المحتاج: ۲/۳۹۵۔

استحقاق کا وصف پایا جائے۔ اگر چہ وہ اس سے مستغنیٰ ہی ہوالا یہ کہ واقف شرط رکھے اور کہے جب تک یہ فقیر اور محتاج ہے یا وہاں کوئی عرف اور قرینہ ہو، اگر موقوف علیہ نے موقوف میں کوئی عمارت تعمیر کرلی یا اس میں درخت لگالئے اگر وہ مرگیا اور اس نے وضاحت نہ کی کہ یہ وقف میں یا ملکیت میں تو انہیں وقف شمار کیا جائے گا اور اس میں ورثاء کے لئے کچھ بھی نہ ہوگا لیکن اگر اس نے بیان کیا کہ یہ ملک میں ہے تو پھر وہ وارثوں کی ہوگی اور اسے توڑنے کا حکم دیا جائے گا یا وہ ٹوٹی ہوئی کی قیمت لے لیں ورنہ وہ وقف ہے۔ اور اس پر جو غلہ اس نے صرف کیا اسے لے لے جیسے نگران جب اسے بنائے یا اس کی اصلاح کروائے اگر اس کے لئے غلہ نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ وقف میں سے نگران کے لئے کچھ مقرر کردے جب اس کے لئے کچھ بھی نہ ہو اور نگران کو اجازت ہے کہ وہ بعض جگہوں کو کسی مصلحت کی بناء پر تبدیل کردیں اور دوسری جگہ منتقل کردے جیسے ایک مکان کا دروازہ دوسری جگہ لے جاتے۔

شوافع کا مذہب...... ❶ جب نگران شی موقوف کو کسی کو اجرت مثل سے کم میں اجارہ پر دے تو یہ قطعی طور پر صحیح نہیں اور جب نگران اجرت پر دے اور مدت میں اجرت میں اضافہ کردے یا اس پر اضافہ طلب کرنے والا غلبہ کرلے تو اصح قول کے مطابق عقد فسخ نہ ہوگا کیونکہ عقد مصلحت کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ اس کے مشابہ ہوگیا جب ولی بچے کا مال فروخت کرے پھر بازاروں میں بڑھ جاتی یا زیادتی طلب کرنے والا غلبہ پالے، بہر حال میں ناظر موقوف عین کو جو اس کے لئے وقف کی گئی اجرت پر دے اور اجرت مثل سے کم پر دے تب بھی وہ قطعی طور پر صحیح ہے۔

حنابلہ سے...... ❷ ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا اگر نگران نے اجرت مثل سے کم پر موقوف کو اجارہ پر دیا تو عقد اجارہ صحیح ہے اور نگران اجرت مثل سے کم کا ضامن ہوگا جب کہ مستحق اس کے علاوہ کوئی ہو اور وہ اس سے زیادہ ہو جس میں لوگ دھوکا کھاجاتے ہیں جیسے وکیل ثمن کے بغیر فروخت کردے یا اجرت سے زیادہ ہی کیوں طلب نہ کرے اور اس میں ضرر نہ ہو کیونکہ طرفین سے یہ عقد لازم ہے۔

اگر موقوف علیہ نے اپنے لئے وقف شدہ جگہ میں درخت لگائے یا اپنے لئے تعمیر کی تو اسے یہ لگانے کی اجازت ہے کہ اسی نے اپنے حق میں ایسا کیا، لیکن اگر درخت لگانے والا یا عمارت بنانے والا شریک ہو بایں طور کہ وقف اس پر اور اس کے ساتھ کسی اور پر ہو یا اسے صرف نگرانی کی اجازت ہو استحقاق نہ ہو پھر وہ درخت لگائے یا تعمیر کرے تو اس کے درخت لگانا یا تعمیر کرنا محترم نہیں باقی شرکاء اور مستحقین اسے منہدم کرسکتے ہیں اور نگران معروف طریقے سے اس میں سے کھاسکتا ہے اگر چہ وہ محتاج نہ بھی ہو۔

چوتھی بات: نگران کو معزول کرنا...... فقہی نظریات نگران کو معزول کرنے کے سلسلہ میں قریب قریب ہیں۔

حنفیہ کے ہاں...... ❸ واقف نگران کو مطلقاً معزول کرسکتا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے لیکن اگر واقف نے نگران مقرر نہیں کیا بلکہ اسے قاضی نے مقرر کیا ہے تو پھر واقف اسے معزول نہیں کرسکتا، اور قاضی پر واجب ہے کہ وہ نگران کو معزول کردے جب کہ وہ حالت ہو چاہے وہ واقف خود ہو یا کوئی یا وہ عاجز ہو یا اس میں فسق ظاہر ہوجائے جیسے شراب پینا یا وہ مال کو غیر مفید کاموں میں لگائے جیسے کمہار بنانے کے لئے حتیٰ کہ اگر چہ واقف نے معزول نہ کرنے کی شرط ہی کیوں نہ لگائی ہو یا وہ شرط ہو کہ قاضی یا سلطان اسے معزول نہیں کرسکتا۔ کیونکہ یہ اس کی حکم شرعی کی مخالفت ہے جیسے وصی اس لئے کہ اسے معزول کیا جائے گا اگر چہ موصی اسے معزول نہ کرنے کی شرط بھی لگائے اور قاضی کے لئے جائز نہیں کہ وہ بغیر خیانت کے نگران کو معزول کردے اور متعین نگران کو قاضی کی جانب سے معزول کرنا صحیح ہے نہ کہ واقف کی جانب سے بغیر خیانت کے بھی، اور دوسرا قاضی اسے دوبارہ نہیں رکھ سکتا۔ جب کہ پہلے نے اسے بغیر کسی وجہ سے معزول کیا

---

❶......مغنی المحتاج: ۲/ ۳۹۵۔ ❷ کشاف القناع: ۴/ ۲۹۷ وما بعدھا۔ ❸ الدر المختار: ۳/ ۴۲۱۔ ۴۲۳۔

ہو۔اور نگران بذات خود قاضی کے سامنے معزول ہوسکتا ہے اور غیر کو متعین کرواسکتا ہے اور قاضی کے روبرو پہنچنے سے پہلے اپنے کو معزول نہیں کرسکتا۔

وظائف سے دستبردار ہونا.....نگران کا اپنے آپ کو معزول کرنا چند اور حالات میں بھی ہے خود دستبردار ہونا یا فارغ ہونا دوسرے کے لئے اب جس کے لئے اس نے دستبرداری اختیار کی اگر وہ اہل نہیں تو قاضی اسے مقرر نہ کرے گا اور اگر وہ اہل ہے تو اسے مقرر کرنا بھی واجب نہیں اور جب کوئی انسان اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو اس کا حق بھی ختم ہوجائے گا اگرچہ قاضی نے اسے مقرر نہ بھی کیا ہو۔

قاضی کے سامنے یا کسی اور کے سامنے دستبردار ہونا صحیح ہے اور اپنے کام سے فارغ ہونا مال لے کر یا مفت میں دونوں طرح صحیح ہے لیکن جس کے لئے فارغ ہوا اس کو دیئے گئے مال میں رجوع کا حق ہے اس لئے کہ یہ حقوق مجرد کا عوض ہے جو کہ جائز نہیں۔

حاصل یہ کہ نگران بذات خود بھی معزول ہوسکتا ہے اور واقف کے معزول کرنے سے بھی اور قاضی کے معزول کرنے سے بھی اور مصری قانون دفعہ ۵۲ میں تصریح ہے کہ محکمہ جب چاہے نگران کو ابتدائی تصرفات سے روک سکتا ہے اور اسے معزول کرسکتا ہے۔

مالکیہ نے......❶ حنفیہ کی موافقت کی ہے کہ نگران اپنے آپ کو معزول کرسکتا ہے اگرچہ واقف ہی نے اسے مقرر کیا ہو اور واقف بھی بغیر کسی وجہ کے اسے معزول کرسکتا ہے۔اور قاضی صرف کسی وجہ سے ہی معزول کرسکتا ہے۔اور جب نگران نے اپنے آپ کو معزول کرلیا تو حاکم اس کی جگہ پر جس کو چاہے مقرر کرسکتا ہے اور اس کی اجرت اس کے منافع میں سے ہوگی جب کہ مستحق غیر متعین ہوں جیسے فقراء اور اگر مستحق متعین ہو اور سمجھدار ہو اور وہ وقف کے معاملہ کا متولی بھی ہوگا لیکن اگر سمجھدار نہیں تو اس کا ولی اس کے وقف کا متولی ہوگا۔

یہی رائے شوافع کی......❷ کہ نگران خود معزول ہوسکتا ہے اور اگر واقف نے مقرر کیا ہے تو واقف بھی اسے معزول کرسکتا ہے اور اس کی جگہ دوسرے کو مقرر کرسکتا ہے جیسے مؤکل اپنے وکیل کو معزول کرکے دوسرے کو مقرر کرسکتا ہے، الا یہ کہ واقف کسی شخص کی نگرانی کو مشروط کردے۔❸ یعنی وقف کی حالت میں اس کی نگرانی کو شرط رکھے تو نہ تو واقف کو اختیار ہے اور نہ کسی اور کو اسے معزول کرنے کا اگرچہ کسی مصلحت ہی کی وجہ سے ہو کیونکہ اس کی شرط میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی، اور اگر واقف خود نگران نہ ہو تو اس کے متبادل کو لانا معزول کرنا صرف حاکم کا کام ہے۔

اگر واقف، نگران کے لئے منافع میں سے کوئی چیز شرط رکھے تو یہ جائز ہے اگرچہ اجرت مثل سے زیادہ ہی ہو برخلاف اس صورت کے کہ جب نگرانی اسی کی ہو اور وہ اپنے لئے شرط رکھے تو پھر اجرت مثل سے زیادہ نہیں رکھ سکتا۔

حنابلہ نے بھی......❹ اسی کو برقرار رکھا ہے کہ واقف، نگران کو معزول کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کا نائب ہے لہٰذا یہ وکیل کے مشابہ ہے، اور موقوف علیہ معین اور حاکم بھی نگران کو معزول کرسکتا ہے کیونکہ ان دونوں کو اصل کے اعتبار سے ولایت حاصل ہے۔اور نگران خود بھی معزول ہوسکتا ہے جیسا کہ وکالت میں ہے اور وہ نگران جس کی نگرانی شرط ہے وہ معزول نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو اپنی جگہ مقرر کرسکتا ہے۔

---

❶......الشرح الکبیر: ۸۸/۴۔ ❷مغنی المحتاج: ۳۹۵/۲۔ ❸یہ معزولی کے جواز سے استثناء ہے۔ ❹کشاف القناع: ۳۰۱/۴۔

الباب السادس...... چھٹا باب میراث

اس کی انیس ۱۹ فصلیں ہیں:

پہلی فصل......علم میراث یا علم الفرائض کی تعریف، اس کے مبادی اور اصطلاحات۔

دوسری فصل......میراث کے ارکان۔

تیسری فصل......وراثت کے اسباب۔

چوتھی فصل......وراثت کی شرائط۔

پانچویں فصل......وراثت سے مانع امور۔

چھٹی فصل......ترکہ سے متعلق حقوق۔

ساتویں فصل......وارثوں کی قسمیں، تعداد ان کے مراتب اور مذاہب میں ان کی وراثت تقسیم کرنے کا طریقہ۔

آٹھویں فصل......اصحاب الفروض۔

نویں فصل......عصبات۔

دسویں فصل......شاذ مسائل۔

گیارہویں فصل......حجب۔

بارہویں فصل......عول

تیرہویں فصل......ذوی الفروض پر رد۔

چودہویں فصل......حساب: فروض کے مخارج، مسائل کے اصول اور ان کی تصحیح۔

پندرہویں فصل......ذوی الارحام کی تقسیم میراث۔

سولہویں فصل......باقی وارثوں کی میراث۔

سترہویں فصل......مختلف نوعیت کے احکام۔

اٹھارہویں فصل......مناسخہ۔

انیسویں فصل ..... تخارج یا مخارجہ۔

پہلی فصل ..... علم میراث یا علم الفرائض کی تعریف، اس کے مبادی اور اصطلاحات:

لغت کے لحاظ سے وراثت ..... کسی شخص کا دوسرے شخص کی موت کے بعد اس حیثیت سے زندہ رہنا کہ جو باقی مال میت چھوڑ گیا وہ اسے لے گا

اور فقہ کے لحاظ جو اموال وحقوق میت چھوڑ مرا ہے جن کا حقدار اس کی موت کی وجہ سے شرعی وارث ہوگا۔

علم میراث ..... وہ فقہی حسابی قواعد ہیں جن کے ذریعہ ترکہ کے ہر وارث کا حصہ معلوم کیا جاتا ہے۔صاحب الدر المختار نے اس کی تعریف یوں کی ہے: فقہ اور حساب کے ان اصول کا علم ہے جو حقوق اور ترکہ کے ورثاء میں سے ہر ایک کا حق بتاتے ہیں۔اور بعض نے یہ تعریف کی ہے: فقہ اور حساب کے اصولوں کا علم جن دونوں کے ذریعہ ترکہ میں سے ہر حق دار کے خاص حصہ تک پہنچا جاتا ہے یہ وارث سے عام ہے کیونکہ یہ وصیت اور قرض وغیرہ کو شامل ہے۔

اس کا نام علم الفرائض بھی ہے۔یعنی میراثوں کی تقسیم کے مسائل، اس لئے کہ فرائض فریضہ کی جمع ہے جو فرض بمعنی تقدیر سے ماخوذ ہے اور فریضہ مفروضہ کے معنی میں ہے یعنی مقرر، اس میں مقرر حصے ہوتے ہیں۔

فرائض ..... مقرر حصے۔یوں یہ (نام) دوسروں پر غالب آگئے۔اس نام کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم کے بعد اس کا نام لیا ہے ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے ہوئے۔'' (التوبۃ ۹/ ۶۰) اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''فرائض (کا علم) سیکھو'' اس میں وارث سے متعلقہ قواعد وضوابط بھی داخل ہیں کہ وہ صاحب فرض ہے یا عصبہ یا ذوی الارحام میں سے ہے اور جو اس کے لئے حجب اور میراث سے ممانعت کی حالت پیدا ہوتی ہے۔یوں علم الفرائض تین عناصر پر مشتمل ہو گیا وارث کی پہچان، غیر وارث کی معرفت، ہر وارث کے حصہ کا علم اور اس حصہ تک پہنچنے کا حساب۔

اس کے مبادی ..... [1] دس ہیں۔

رہا اس کا موضوع ..... تو وہ حق داروں میں ترکہ کی تقسیم کی کیفیت ہے۔

اور رہی اس کی امدادی طلب ..... تو وہ کتاب وسنت اور اجماع سے ہے قیاس کو اس میں کوئی دخل نہ ہو البتہ جب اس پر اجماع ہو جائے، واقعہ یہ ہے کہ فقہاء کرام نے میراث کے بعض مسائل میں قیاس کو استعمال کیا ہے۔

رہی کتاب اللہ تو اس سلسلہ میں سورۃ نساء میں تین آیات ہیں:

پہلی (النساء) اولاد اور والدین کی میراث کے بارے میں ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر، اور اگر صرف لڑکیاں ہی ہوں گو دو سے زیادہ ہوں تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو مورث چھوڑ مرا ہے اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اسے نصف ملے گا۔

---

[1] ..... ہر فن کے مبادی دس ہیں۔تعریف، موضوع اور ثمرہ، فضیلت، نسبت، واضع (مؤجد) نام، استمداد (کہاں سے ماخوذ ہے) شارع کا حکم، مسائل، ایک کا دوسرے پر اکتفاء، اور جس نے سب کو جان لیا اسے شرف ومنزلت مل گئی۔

پھر والدین کی میراث بیان فرمائی ''اور ماں باپ کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کی کچھ اولاد ہو اور اگر اس میت کی کچھ اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا ایک تہائی، اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی یا بہنیں ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، وصیت نکالنے کے بعد میت اس کی وصیت کر جائے یا دین (قرض) کے بعد......(النساء ۴/۱۱)

دوسری آیت (۱۲ النساء) جو میاں بیوی کی میراث کے بارے میں ہے ''اور تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا۔ اگر وہ بے اولاد ہوں ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکہ کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے جب کہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ورنہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا بعد اس کے کہ جو وصیت تم نے کی ہو وہ پوری کردی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے۔ النساء ۴/۱۲

اس کے بعد کلالہ کی میراث بیان فرمائی (جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد) اور اس کے ماں شریک بھائی ہوں ''اگر وہ مرد یا عورت (جس کی میراث تقسیم طلب ہے) بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے جب کہ وصیت جو کی گئی ہے پوری کردی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کر دیا جائے......)(النساء ۴/۱۲)

اور تیسری آیت ۱۷۶ النساء میں اس کلالہ کی میراث کا ذکر کیا گیا ہے جس میں ایک یا دو بہنیں ہوں ''اے نبی! لوگ آپ سے کلالہ کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں، کہو اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس ترکہ میں سے نصف پائے گی اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکہ میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی۔'' اور سورۃ الانفال کی ۷۵ آیت میں رشتہ داروں کی میراث بیان کی ہے ''مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں خون کے رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں یقیناً اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔''

اور سنت نبویہ سے اس کا ثبوت تو اس بارے میں احادیث کا ایک مجموعہ وارد ہوا ہے جس میں سے میں نے مندرجہ ذیل کا انتخاب کیا ہے:

۱۔ حدیث ابن عباس...... ''حصوں کو ان کے حق داروں تک پہنچاؤ جو بچ جائے تو وہ مرد رشتہ دار کے لئے ہے۔''❶

۲۔ حدیث اسامۃ بن زید...... ''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا۔''❷

اور حدیث عبداللہ بن عمرو...... ''مختلف مذہبوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔''❸

۳۔ حدیث عبادۃ بن الصامت...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی نانی دونوں کے لئے میراث میں سے چھٹا حصہ ان دونوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ فرمایا۔❹

۴۔ حدیث ابن مسعود جو بیٹی، پوتی اور بہن کے بارے میں ہے ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کے لئے نصف، پوتی کے لئے سدس کا فیصلہ دو ثلثوں کو مکمل کرنے کے لئے کیا جو باقی رہ جائے وہ بہن کا ہے'' ❺ جس سے معلوم ہوا کہ بہن، بیٹی کے ساتھ عصبہ ہے، اپنے

---

❶......متفق علیہ (نیل الاوطار: ۶/۵۵) ❷رواہ الجماعۃ الا النسائی (نیل الاوطار: ۶/۷۳۔) ❸رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ (سابقہ حوالہ اور مقام)۔ ❹رواہ عبداللہ بن احمد فی المسند (نیل الاوطار: ۶/۵۹)۔ ❺رواہ الجماعۃ الا مسلماً والنسائی (نیل الاوطار: ۶/۵۸)۔

حصے کے بعد باقی میراث وصول کرے گی۔

۵۔حدیث مقدام بن معدیکربؓ جو رشتہ داروں کے بارے میں ہے.....جس نے (میراث میں) کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔ میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہو، میں اس کی طرف سے تاوان ادا کرتا ہوں اور وارث بنتا ہوں۔ جس کا کوئی وارث نہ ہو ماموں اس کا وارث ہوگا اس کا تاوان ادا کرے گا اور اس کا وارث ٹھہرے گا۔ ❶

۶۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ولاء کی وجہ سے میراث کے بارے میں حدیث..... ''حق ولاء آزاد کرنے والے کو ہے۔'' ❷

اجماع سے اس کا ثبوت.....صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اس پر اجماع ہے کہ جدۃ (دادی یا نانی) ایک ہو تو اس کا حصہ سدس (چھٹا) ہے اسی طرح دو یا تین جدات کا حصہ بھی یہی ہے۔
جیسا کہ بیہقی نے امام شافعی کے اصحاب میں سے محمد بن نصر سے روایت کی ہے لیکن شافعیہ اور مالکیہ صرف دو جدات کو وارث قرار دیتے ہیں۔

اس علم کی فضیلت...... بہت زیادہ ہے، بقول بعض یہ نصف علم ہے کیونکہ اس کا تعلق انسان کی موت کے بعد والی حالت سے ہے جیسا کہ باقی معاملات اس کی زندگی میں اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میراث کا علم سیکھو اور سکھاؤ اس واسطے کہ یہ آدھا علم ہے اور یہ فراموش کر دیا جائے گا اور میری امت میں سے سب سے پہلے یہی علم ختم ہو جائے گا۔'' ❸

اس کا واضع......شارع ہے وہ جس نے شریعت مقرر کی اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔''

اس کی نسبت......تو یہ علم فقہ کا جزء ہے اور اس سے مخصوص ہے حساب کا جزء ہے اور ان دونوں کے علاوہ کا مباین اور جدا ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ علم فقہ کا موضوع مکلفین کا عمل ہے اور ترکہ کی تقسیم ان کے اعمال میں شامل ہے۔

اس کا ثمرہ اور فائدہ...... یہ ہے کہ اسے سیکھنے والے کو ایسا ملکہ اور مہارت ہو جاتی ہے جس کے ذریعہ شرعی انداز میں مستحقین کے درمیان ترکہ کو تقسیم کرنے کی دسترس حاصل ہو جاتی ہے، ایسے ملکہ والے اور اس علم کے جاننے والے کو فرضی، فارض فراض اور اصطلاح میں فراضی کہا جاتا ہے۔

غرض وغایت......ترکہ میں سے ہر حق دار تک اس کا حق پہنچانا۔

اس کے مسائل......وہ قضیے اور اس کی وہ فروعات ہیں جو اس کے قواعد سے نکالی جاتی ہیں۔ جیسے نصف بیٹی کا حصہ ہے۔

---

❶......رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجه (نیل الاوطار: ۶/۲۲)۔ ❷رواہ البخاری ومسلم (نیل الاوطار: ۵/۱۸۰،۶/۶۸)۔ ❸رواہ ابن ماجہ والدارقطنی والحاکم وفیہ متروک (نیل الاوطار: ۶/۵۳) اس کی تائید حدیث ابن مسعود سے ہوتی ہے جسے امام احمد نسائی، ترمذی اور حاکم نے نقل کیا ہے۔ ''قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، اور میراث کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ اس لئے کہ میں ایسا انسان ہوں جس کی روح قبض ہونے والی ہے اور علم اٹھالیا جائے گا اور ہو سکتا ہے۔ لوگ حصے اور مسئلے میں اختلاف کریں گے اور ان دونوں کے بارے میں بتانے والا کوئی نہ ملے گا'' اس میں انقطاع ہے (سابقہ حوالہ) لیکن حاکم کا قول ہے: صحیح الاسناد ہے اور ان کی روایت میں ہے'' جو ان کا فیصلہ کرے۔''

حساب......اس کی تقسیم ہے اس لئے کہ یہ فرائض (میراث) کے علم کا جز ہے جن پر یہ موقوف ہے۔حساب سے مراد مسائل کی اصل اور تصحیح وغیرہ ہے۔

اس کی اصطلاحات......میراث کی اہم اصطلاحات درج ذیل ہیں:

۱۔**فرض**......شرعی طور پر وارث کا مقرر حصہ یعنی ترکہ میں ایسا مقرر حصہ جس کی صراحت نص یا اجماع سے ہو، جیسے آٹھواں اور چوتھائی حصہ جس میں اضافہ رد کے ذریعے اور کمی عول کے ذریعے ہی ہوسکتی ہے۔

۲۔**سہم**......اس سے وہ جزء مراد لیا جاتا ہے جو اصل مسئلہ میں سے ہر وارث کو دیا جاتا ہے جو ورثاء کے حصوں کا مخرج یا ان کی فردی تعداد کا مخرج ہوتا ہے۔جیسے چھ میں سے دو،کبھی حصہ پر کسی قرینہ کے ساتھ اطلاق ہوتا ہے۔

۳۔**ترکہ**......جو اموال نقدیہ،عینیہ (اشیاء) اور حقوق میت چھوڑ کر مرے جو اس کی ملکیت میں تھے لہٰذا امانتیں وغیرہ جن پر اس کی ملکیت نہیں تھی ترکہ میں شامل نہیں ہوں گی۔

۴۔**نسب**......باپ ہونا اور بیٹا ہونا اور ان میں سے کسی ایک سے نسبت باپ ہونے کو ماں ہونے پر غلبہ دینے کے طریق سے۔

۵۔**جمع اور عدد**......اس سے مراد میراث میں ایک سے زائد ہے لہٰذا دو بیٹیاں اور دو سے زیادہ بیٹیاں جمع ہیں۔

۶۔**فرع**......میراث میں جب فرع مطلق بولا جائے تو اس سے مراد میت کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی مراد ہوتی ہیں کہاں تک سلسلہ پہنچ جائے۔اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ (فرع وارث) ہے تو اس سے مراد بیٹا، بیٹی پوتا، پوتی انتہاء تک مراد ہوتے ہیں۔اور یہ ملحوظ رہے کہ پوتا بیٹے کے درجہ میں ہے رہا بھتیجا تو وہ بھائی کے درجہ میں نہیں۔

باپ کی فرع (شاخ)......اس سے مراد بھائی بہنیں، سگے بھائی یا باپ شریک بھائی کے بیٹے ہوتے ہیں۔

دادا کی فرع......اس سے مراد سگا چچا، والد کا چچا اور ان دونوں کے بیٹے ہیں۔

۷۔**اصل**......جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس سے مراد باپ دادا (باپ کی جہت سے) اور دادیاں (باپ کی جہت سے) چاہے جہاں تک پہنچیں مراد ہوتے ہیں۔چنانچہ جب کہا جائے ''مذکر اصل،تو مراد باپ اور دادا ہیں۔''

۸۔**اولاد**......جسے انسان اپنی موت سے تمام جنم دے۔خواہ نرینہ ہو یا مادہ۔

۹۔**وارث**......جو ترکہ میں سے اپنے حصہ کا حقدار ہو اگر چہ وہ بالفعل وہ حصہ وصول نہ کرے جیسے محروم اور محجوب۔

۱۰۔**بھائی اور چچا**......جب مطلق بھائی کہا جائے تو سگے، باپ شریک اور ماں شریک کو شامل ہوگا۔رہا چچا تو وہ ماں کے چچا کو شامل نہیں اس لئے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

۱۱۔**عصبہ**......جس کا واضح مقرر حصہ نہ ہو۔عصبہ بالنفس ہر وہ مرد ہے جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں کوئی

عورت (واسطہ) نہ ہو۔

۱۲۔ ادلاء: میت سے تعلق واتصال...... ذات سے عملی اتصال ہو جیسے میت کا باپ یا کسی واسطے سے جیسے پوتے کا تعلق بیٹے سے اور پوتی کا بیٹے سے۔

ادلاء بالعصبۃ: وہ عصبہ بنفسہ ہے...... ہر ایسا مرد جس کی میت کی طرف نسبت کرنے میں کوئی اکیلی عورت نہ ہو خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت جیسے پوتا، پڑپوتا اور نواسہ۔

۱۳۔ المیت...... یاء کے سکون سے۔ ذوی العقول میں سے جس کے جسم سے روح نکل گئی ہو، اور میت یاء کی تشدید سے، زندہ انسانوں میں سے جس کی حالت مردوں کی طرح ہو۔

میتہ ...... باقی حیوانات میں سے جس کی روح شرعی ذبح کے بغیر نکل گئی ہو۔

دوسری فصل: میراث کے ارکان...... میراث کے تین ارکان ہیں۔

عورت...... وارث اور موروث۔

ا۔ مورث...... وہ میت جو مال یا کوئی حق چھوڑ مرا ہو۔

۲۔ وارث...... جو میراث کا حق دار اس کی آئندہ اسباب میں سے کسی سبب کی وجہ سے ہو اگر چہ وہ بالفعل کسی مانع کی وجہ سے نہ لے، تو وہ حقیقی رشتہ داری یا حکمی قرابت داری کی وجہ سے دوسروں سے مستحق ہے۔

۳۔ موروث...... ترکہ، اسے میراث یا ارث بھی کہا جاتا ہے یہ وہ چیز ہوتی ہے جسے مورث چھوڑ مرے خواہ وہ مال ہو یا ایسے حقوق ہوں جن کا میت کی طرف سے وارث بننا ممکن ہو جیسے قصاص (جان کے بدلے جان) لینے کا حق۔ اور پورا ثمن (باہمی طے شدہ قیمت) وصول کرنے کے لئے مبیع (بیچی جانے والی چیز) کو روکے رکھنا۔ اور قرض وصول کرنے کے لئے مرہون کو روکے رکھنے کا حق۔

جب ان ارکان میں سے کوئی رکن مفقود ہو جائے تو میراث نہیں رہتی اس واسطے میراث کہتے ہیں: کسی شخص کا دوسرے کے مال کا حصے، عصبہ ہونے یا رشتہ دار ہونے کے ذریعے حق دار ہونا۔

پس جب ان میں سے ایک بھی مفقود ہوگا تو میراث نہیں ملے گی۔

چنانچہ جب کوئی شخص فوت ہوا اور ورثاء میں ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ گیا تو سارا مال بیٹا لے گا پوتے کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ بیٹے کی وجہ سے وہ محجوب ہے باوجود یہ کہ اس میں (میراث) لینے کی استعداد وقوت ہے اس واسطے کہ اگر بیٹا موجود نہ ہوتا تو پوتا ترکہ وصول کرتا۔ اسی طرح اگر ترکہ نہ ہو۔ جس کی صورت یہ ہے کوئی شخص رشتہ دار تو کئی چھوڑ مرا لیکن اس نے میراث میں کوئی چیز نہ چھوڑی تو یہ رشتہ دار اس کے وارث ہوئے اس واسطے کہ ان میں میراث وصول کرنے کی قوت ہے لیکن جب چارے پہنچیں تو کہاں سے لیں اس لئے کہ ترکہ تو ہے نہیں۔

تیسری فصل......میراث کے اسباب:

میراث تین امور پر موقوف ہوتی ہے......اس کے اسباب وشرائط پائی جائیں اور رکاوٹیں نہ ہوں۔ان میں سے ہر ایک کے بارے میں ایک مستقل بحث ہے۔رہے میراث کے وہ اسباب جن پر اتفاق ہے تو وہ تین ہیں: قرابت رشتہ داری۔رشتہ زوجیت، اور ولاء۔ ❶

ا۔قرابت یا حقیقی نسب......احناف کے ہاں اسے رحم (رشتہ داری) کہا جاتا ہے:

اس سے مراد حقیقی رشتہ داری ہے یہ ہر وہ تعلق ہے جس کا سبب ولادت ہو جو میت کے اصول وفروع اور اصول کے فرع کو شامل ہے خواہ میراث پانا فرض کے ذریعے ہو جیسے ماں، یا فرض کے ساتھ تعصیب بھی ہو جیسے باپ یا صرف عصبۃ ہونے کے ذریعے ہو جیسے بھائی یا رحم ورشتہ داری کی وجہ سے جیسے رشتہ دار مثلاً ماں کا چچا، نسب کی وجہ سے میراث مندرجہ ذیل کو شامل ہوگی:

۱......اولاد اور ان کے بیٹے مرد ہوں یا عورتیں۔

۲......باپ دادا اور ان کے باپ دادا اور مائیں یعنی ماں، اس کی ماں اور باپ دادا کی مائیں۔

۳......بھائی بہنیں۔

۴......چچا اور صرف ان کے بیٹے۔

۲۔رہا رشتہ زوجیت یا صحیح نکاح کا تعلق......تو اس سے مراد عقد صحیح ہے خواہ بیوی سے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔جو خاوند بیوی کو شامل ہے، اس لئے جب خاوند بیوی میں سے کوئی ایک مر جائے اگرچہ ہم بستری کئے بغیر مریں دوسرے کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ خاوند بیوی میں باہمی میراث پانے کی ❷ آیت عام ہے۔نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ انہیں میراث ملے گی۔ان کا خاوند ان سے ہمبستری سے پہلے فوت ہو گیا تھا اور ان کے لئے مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا۔عورت جب طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو اپنے خاوند کی میراث پائے گی اس واسطے کہ طلاق رجعی میں جب تک عدت قائم ہو زوجیت بحال رہتی ہے جس پر فقہ وقانون کا اتفاق ہے۔ ❸

لیکن جس عورت کو طلاق بائن ملی ہو تو وہ اگرچہ عدت گزار رہی ہو وارث نہیں ہوگی جب اس کے خاوند نے حالت صحت مندی میں اسے طلاق دی ہو اس واسطے کہ اس پر اس کی میراث سے فرار پانے کی تہمت نہیں۔اور اگر مرض وفات میں اس کی میراث سے جان چھڑانے کے لئے طلاق دی جسے "طلاق فرار" بھی کہا جاتا ہے تو احناف کے نزدیک وہ عورت وارث ہوگی جب اس کا خاوند اس وقت فوت ہوا کہ ابھی تک اس کی عدت ختم نہ ہوئی ہو۔تاکہ اس کے مقصد کے خلاف اس سے معاملہ کیا جائے۔اور مالکیہ کے نزدیک خواہ عدت گزر بھی جائے وہ عورت وارث ٹھہرے گی اور دوسرے شخص سے شادی کر سکتی ہے اس کے بارے میں مطلق آثار واحادیث پر عمل کرتے ہوئے، اور حنابلہ کے نزدیک اگرچہ عدت گزر جائے وارث ہوگی بشرطیکہ اس نے غیر مرد سے شادی نہ کی ہو جس کی دلیل حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے عبدالرحمن بن عوف نے بیماری کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی تو حضرت عثمان

---

❶..... الدرالمختار: ۵/۵۳۸، الشرح الصغیر ۴/۶۱۹، بدایۃ المجتہد ۲/۳۵۵، مغنی المحتاج ۳/۳، الرحبیۃ ص ۱۲، کشاف القناع ۴/۴۴۸، المغنی ۶/۲۰۴، ۳۰۶، ۳۲۲، القوانین الفقہیۃ ص ۳۸۳۔ ❷ یہ سورۃ نساء کی آیت ۱۲ ہے "تمہیں اس کا نصف ملے گا جو تمہاری بیویاں چھوڑ دیں" (النساء ۴/۱۲) ❸ مصر میں قانون وراثت کا آرٹیکل ۱۱، نمبر ۷۷، سال ۱۹۴۳، اور آرٹیکل ۲۶۸ قانون الاحوال الشخصیہ السوری۔

بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس خاتون کی عدت گزر جانے کے بعد بھی اسے وارث قرار دیا۔

خلاصہ یہ رہا...... کہ شافعیہ کے علاوہ جمہور اس عورت کو وارث قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے خاوند نے نقصان کا ارادہ کیا ہے۔ شافعیہ کے نزدیک جب اس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو تو اسے میراث نہیں ملے گی اگر چہ دوسرے مفہوم کے لحاظ سے عدت باقی ہو اس واسطے کہ بینونت رشتہ زوجیت کو ختم کر دیتی ہے جو میراث پانے کا سبب ہے۔ اور نہ اس نکاح فاسد میں باہمی میراث ملے گی جس کے فساد پر اتفاق ہو، جیسے بغیر گواہوں کے نکاح کرنا، اور نہ نکاح باطل میں جیسے متعہ کے نام پر نکاح، اس لئے کہ یہ شرعی نکاح نہیں اگر چہ اس کے بعد ہمبستری یا خلوت پائی گئی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا وجود گویا معدوم ہے، رہا وہ نکاح فاسد جس میں اختلاف ہو تو اس میں باہمی وارث بننے میں اختلاف ہے۔ جیسے بغیر ولی کے نکاح، بعض حضرات میاں بیوی میں وراثت کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ خلاف کا شبہ ہے اور بعض حضرات باہمی وارث ہونے سے منع کرتے ہیں اس لئے کہ فساد کا تقاضا یہی ہے۔

۳۔ رہی ولاء...... تو یہ حکمی قرابت ہے جیسے شارع نے عتق (آزادی) سے نکالا ہے۔ احناف نے دوسروں سے اختلاف کرتے ہوئے مذکورہ تین اسباب کے ساتھ ولاء الموالاۃ کو شامل کیا ہے (باہر سے آ کر کسی علاقہ میں بسنے والا شخص جب کسی سے معاہدہ کرتا کہ میرے ذمہ دار تم لوگ ہو اور وہ لوگ اس بات کو قبول کر لیتے تو اسے موالاۃ کہا جاتا اور اس تعلق کو ولاء الموالاۃ سے تعبیر کیا جاتا اگر وہ باہر سے آنے والا شخص مر جاتا اور کوئی اس کا وارث نہ ہوتا تو یہ لوگ اس کے وارث ہوتے یا اس کے برعکس، ردیف)۔

لہٰذا ولاء العتق، عصبہ سببیہ ہے یا یہ آقا اور اس کے غلام کے درمیان کا تعلق ہے جسے وہ آزاد کرتا ہے جو آقا یا اس کے عصبہ کے لئے جنہوں نے اسے آزاد کیا ہے میراث کے حق کو ثابت کرتا ہے جب اس غلام یا لونڈی کا انتقال اس حال میں ہوا کہ اس کا وارث کوئی رشتہ دار نہ ہو۔ اسے نسب حکمی ❶ کہا جاتا ہے حدیث شریف میں ہے "ولاء کی رشتہ داری نسب کی رشتہ داری جیسے ہے نہ اسے بیچا جاتا ہے اور نہ ہبہ کیا جاتا ہے" ❷ اس لئے آزاد کرنے والا آزاد کئے جانے والے کا وارث ہوگا جب کہ اس کے برعکس نہیں یعنی آزاد کردہ اپنے آزاد کنندہ (آقا) کا وارث نہیں ہوگا۔

ولاء الموالاۃ...... یہ دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کی طرف سے تاوان دینے اور ایک دوسرے کے وارث ہونے کی شرط پر معاہدہ ہوتا ہے۔

شافعیہ اور مالکیہ نے ایک چوتھے سبب کو بھی شامل کیا ہے اور وہ۔

۴۔ اسلام کی جہت...... ہے جو وارث ہے جیسے نسب، لہٰذا مسلمان کا ترکہ یا اس ترکہ کا باقی ماندہ عصبہ ہونے کی بناء پر مسلمانوں کی میراث قرار دیتے ہوئے بیت المال میں صرف کیا جائے گا نہ کہ کسی مصلحت میں، شرط یہ کہ پہلے تین اسباب کے ذریعہ کوئی وارث نہ ہو یا کوئی ایسا سبب ہو جس نے ترکہ کا احاطہ نہ کیا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "جس کا کوئی وارث نہیں اس کا میں وارث ہوں میں اس کا تاوان ادا کرتا اور اس کا وارث ہوتا ہوں۔" ❸ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے کسی چیز کے وارث نہیں ہوتے بلکہ مسلمانوں کی مصلحتوں میں اسے صرف کرتے تھے۔

---

❶ نظام المواریث فی الشریعة للاستاذ الشیخ عبدالعظیم فیاض ص ۱۹، ط ثانیة۔ ❷ رواہ الشافعی وصححہ ابن حبان والحاکم "اللحمة" وہ چیز جو دو کے درمیان رابطہ پیدا کرے۔ ❸ رواہ ابو داؤد وغیرہ۔

وارث ہونے کی دو جہتیں...... جب وارث کی وارث ہونے کی دو جہتیں ہوں تو ایک ساتھ دونوں کی وجہ سے وارث ہوگا۔
جس کی صورت یہ ہے ایک عورت، خاوند اور ماں چھوڑ مری اور خاوند اس کا چچازاد بھی تھا۔ تو اپنا حصہ جوثلث ہے لے گی۔
جب کہ خاوند اپنا آدھا حصہ لینے کے بعد باقی ماندہ بھی وصول کرے گا۔ اس لئے کہ یہ عصبہ ہے البتہ دادیاں میراث میں مستثنیٰ نہیں انہیں ہر صورت چھٹا حصہ ملے گا خواہ جدہ ایک قرابت والی ہو یا دو قرابتوں والی، اسی طرح رشتہ دار مستثنیٰ ہوں گے۔
یہ لوگ ایک جہت سے وارث ہوں گے کئی جہات کا اعتبار نہیں ہوگا۔

قانون میں وراثت کے اسباب...... مصری قانون نے آرٹیکل (۷) میں اس بات کی صراحت کی ہے وراثت کے اسباب تین ہیں: زوجیت، رشتہ داری، عصوبت سببیۃ یعنی ولاء العتق، رہی ولاء الموالاۃ تو اسے میراث کے اسباب میں شامل نہیں کیا۔ اس لئے کہ عرصہ ہوگیا کہ اس کا وجود نہیں رہا۔
اور آرٹیکل (۱۱) نے اس بات کی صراحت کی ہے: کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اور خاوند کا انتقال دوران عدت ہوا ہو تو وہ وارث ہوگی۔ رہی وہ عورت جسے طلاق بائن دی گئی اگر وہ طلاق پر رضامند نہ تھی تو وہ بیوی کے حکم میں ہے اور طلاق دینے والے کا انتقال اسی بیماری کی حالت میں ہوا ہو اور وہ اس کی عدت میں ہو۔ رہا احوال شخصیۃ کا شامی قانون تو اس نے آرٹیکل (۲۶۳) میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ میراث پانے کے اسباب، رشتہ زوجیت اور رشتہ داری ہے، قانون میں ولاء کو سبب شمار نہیں کیا اس واسطے کہ دنیا سے غلامی ختم ہو چکی ہے۔
اور آرٹیکل (۲۶۸) میں یہ صراحت کی ہے کہ بیوی کو جب طلاق رجعی دی گئی اور دوران عدت خاوند کا انتقال ہو گیا اور بیٹا، پوتا اور پڑپوتا نیچے تک کوئی نہیں تو چوتھائی حصہ مقرر ہے۔ اور آرٹیکل (۱۱۶) نے وضاحت کی ہے کہ مرض وفات میں دی گی طلاق بائن میراث کے لئے مانع نہیں جب کہ خاوند کا انتقال اسی بیماری میں ہوا ہو اور عورت عدت گزار رہی ہو اور اس طلاق کو ظلم شمار کیا ہے۔

چوتھی فصل: میراث پانے کی شرطیں...... میراث میں حق دار بننے کے لئے تین شرطیں ہیں: مورث کی موت، وارث کی حیات اور قرابت والی جہت کی پہچان۔ ●

۱۔ مورث کی موت...... مورث کی موت کا یقینی ہونا ضروری ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً اسے مردوں کے ساتھ شامل کر کے فرض کر لیا جائے۔ تفصیل یہ ہے۔

رہی حقیقتاً موت...... تو زندگی کا خاتمہ ہے جس کا تعلق معائنہ سے ہو مثلاً جب کوئی میت دیکھی جائے، یا سماع (سننے) سے یا بذریعہ گواہی۔
حکمی...... موت یہ ہے کہ قاضی کے فیصلے سے ہو یا زندگی کے احتمال یا اس کے یقینی ہونے کے ساتھ۔

پہلی کی مثال...... قاضی نے کسی انسان کے بارے یہ فیصلہ صادر کردیا کہ وہ مر گیا ہے۔ جو لاپتہ انسان کی موت کا فیصلہ ہے۔
دوسری کی مثال...... قاضی نے مرتد کے بارے یہ فیصل صادر کردیا کہ وہ مردوں کے حکم میں ہے کیونکہ وہ دارالحرب چلا گیا ہے دونوں حالتوں میں جب سے موت کا حکم صادر ہوا ہے ترکہ تقسیم کردیا جائے گا۔

● ...الرحبیة ص ۸۰. المواد ۱-۳ من القانون المصری. کشاف القناع ۴/۴۴۸.

تقدیری موت ...... کسی کو مردوں میں فرض کرنا، اور وہ ایسا بچہ ہے جو اپنی ماں سے اس پر جنایت کی وجہ سے جدا ہو گیا ہو، جس کی وجہ سے غرۃ (۵۰ دینار) واجب نہیں۔ جس کی صورت یہ بنتی ہے کہ کوئی شخص کسی حاملہ عورت کو چوٹ لگاتا ہے جس سے اس کے پیٹ کا بچہ مردہ ہو کر گر پڑتا ہے تو غرۃ (جو غلام یا لونڈی ہے) واجب ہے اور اس کا اندازہ کامل دیت کے نصف عشر نمبر ۲۰ سے لگایا ہے لیکن فقہاء کا اس جنین (پیٹ کے بچہ) کی میراث میں اختلاف ہے۔ ❶ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے: یہ جنین وارث ہوگا اور وارث بنائے گا۔ اس لئے کہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ جنایت کے وقت یہ زندہ تھا اور اس کی موت اسی کی وجہ سے واقع ہوئی ہے۔

جمہور کا قول ہے ...... یہ جنین وارث نہیں ہوگا اس واسطے کہ اس کی حیات ثابت نہیں ہوئی اس لئے وارث کا وارث بننے کی اہلیت بھی ثابت نہیں ہوگی۔ سوائے غرۃ (غلام یا لونڈی) جو جنین کی دیت ہے کوئی چیز میراث میں نہیں ملے گی اس واسطے کہ یہ صرف اس کی نسبت سے زندہ شمار کیا جاتا ہے۔

مصری قانون (آرٹیکل ۳) نے لیث بن سعد اور ربیعۃ بن عبدالرحمن کا مذہب اختیار کیا ہے: وہ یہ ہے کہ یہ جنین نہ وارث ہوگا نہ مورث؛ اس واسطے کہ جنایت کی وجہ سے اس کی موت ثابت نہیں ہوئی اور اس وقت اس کی حیات ثابت تھی۔ بدلہ صرف ماں کو دیا جائے گا اس لئے کہ جرم صرف اس پر واقع ہوا ہے۔

۲۔ وارث کا زندہ ہونا ...... مورث کی موت کے بعد وارث کی زندگی کا ثابت ہونا یا تو وہ مستقل حقیقی حیات ہو یا اسے زندوں میں شامل کر کے تقدیراً مان لیا جائے۔

حقیقی حیات ...... وہ زندگی ہے جو مورث کی موت کے بعد مستقل طور پر انسان کی لئے ثابت ہو اور اس کا مشاہدہ بھی ہو۔

تقدیری حیات ...... وہ زندگی ہے جو مورث کی موت کے وقت جنین کے لیے فرض مانی جاتی ہے۔ اگر وہ زندہ ہو مستقل زندگی پا کر اس وقت جدا ہو گیا جس میں مورث کی موت کے وقت اس کا وجود ظاہر ہونا تھا خواہ وہ اس وقت لوتھڑہ ہو جما ہوا خون، تو میراث میں اس کا حق ثابت ہوگا یوں اس کی زندگی کو اس کی زندہ ولادت کے ساتھ فرض مانا جائے گا۔

۳۔ میراث کی جہت کا علم ...... میراث میں مانع کا ختم ہونا۔ (اور وہ میراث پانے میں آئندہ رکاوٹوں میں سے کسی رکاوٹ کا نہ ہونا۔) شرط نہیں شرط صرف پہلی دو ہیں۔ جیسا کہ مصری قانون میں صراحت ہے دوسرے آرٹیکل میں پہلی دو شرطوں کی صراحت کی ہے۔ اسی طرح قانون سوری نے آرٹیکل ۲۶ میں بھی ان دونوں شرطوں کی صراحت کی ہے اور آرٹیکل (۲۶۱) حمل کی وراثت کی شرط کی صراحت کی ہے لیکن اس جہت کا علم ضروری ہے۔

جو میراث کا تقاضا کرتی ہے۔ یعنی یہ معلوم ہو کہ وہ نسبی رشتہ داری کی وجہ سے وارث ہے یا رشتہ ازدواج کی جہت سے یا ان دونوں سے، یا ولاء کی جہت سے۔ اگرچہ اس میں حکم مختلف ہے۔

پانچویں فصل: میراث کے موانع ...... لغت میں مانع مسائل اور رکاوٹ کو کہتے ہیں جب کہ اصطلاح میں، جس کی وجہ سے کسی شخص سے حکم منتفی اور ختم ہو جائے اس میں کسی معنی کی وجہ سے جب کہ اس کا سبب قائم ہو چکا ہو۔ (جس میں یہ مانع موجود ہو) اسے محروم کہا جاتا ہے اس سے وہ خارج ہو گیا، جو دوسرے میں کسی مضر کے پائے جانے کی وجہ سے ختم ہو جائے کیونکہ وہ محجوب ہوتا ہے یا سبب

❶ ...... المغنی ۳۲۰/۶۔

کا قیام معدوم ہو جیسے اجنبی، یہاں مانع سے مراد، وراثت سے روکنے والا ہے نہ کہ وارث بنانے سے۔

اگر چہ بعض موانع جیسے دین کا اختلاف، وراثت اور وارث بنانے سے دونوں سے مانع ہے۔فقہاء کا موانع میراث تین پر اتفاق ہے غلامی، قتل کرنا، اور دین کا مختلف ہونا جب کہ ان کے علاوہ میں اختلاف ہے اختلاف سے مانع ہے۔فقہاء کا ❶ احناف نے چار مشہور موانع ذکر کیے ہیں۔غلامی، قتل کرنا اختلاف دین اور اختلاف دارین، پہلے دو سبب جس میں پائے جائیں اسے دوسرے کا وارث ہونے سے روکتے ہیں جب کہ آخری دو جانبین سے باہمی وارث ہونے سے روکتے ہیں۔قدوری کتاب میں فرماتے ہیں: چار افراد وارث نہیں ہو سکتے: مملوک، مقتول کا قاتل، مرتد اور دو مذہبوں والے۔اسی طرح دار الاسلام اور دار الحرب والے، میں ان تمام موانع کی علیحدہ علیحدہ وضاحت کروں گا۔انہوں نے دو اور موانع کا اضافہ کیا ہے یوں ان کے نزدیک چھ ۶ موانع بن جاتے ہیں اور وہ دو موانع یہ ہیں:

ا۔مرنے والوں کی تاریخ کی جہالت...... جیسے ایک ہی وقت میں ڈوبنے، جلنے، دب/مرنے اور قتل ہونے والے۔اس لئے کہ میراث کی سابقہ شرطوں میں مورث کی موت کے وقت وارث کا زندہ موجود ہونا ہے جو یہاں نہیں اس واسطے کہ اس شرط کی موجودگی کا علم نہیں۔اور شک کے ساتھ توارث نہیں ہے۔

۲۔وارث کی جہالت...... جو پانچ یا زیادہ مسائل ہیں۔اور وہ یہ ہیں۔

ا...... ایک عورت نے اپنے بچے کی ساتھ کسی بچہ کو دودھ پلایا اور فوت ہوگئی یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان میں سے اس کا بیٹا کون سا ہے تو ان میں سے ایک بھی اس کا وارث نہیں ہوگا۔

۲...... مسلمان اور کافر نے مل کر اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے ایک دایہ اجرت پر مقرر کی، وہ دونوں بچے اس کے پاس بڑے ہو گئے۔مسلمان کے بچے کی کافر کے بچے سے پہچان نہ ہو سکی (کہ کون سا بچہ مسلمان ہے) دونوں بچے مسلمان ہیں اور اپنے باپوں کے وارث نہیں ہوں گے۔

ہاں البتہ جب دونوں آپس میں صلح کرلیں تو ان کے لئے جائز ہے کہ میراث کو آپس میں تقسیم کر کے لے لیں۔

وارث کی جہالت...... دوسرا مانع ہے جو حکماً اس کی موت کی طرح ہے جیسے لاپتہ کے بارے میں ہوتا ہے۔بعض احناف نے ساتواں مانع شامل کیا ہے جو نبوت ہے صحیحین کی حدیث میں ہے ''ہم انبیاء کا گروہ کسی کو وارث نہیں بناتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے'' ہر انسان وارث ہوتا اور وارث نہیں بناتا سوائے انبیاء کے وہ نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں۔حق یہ ہے نبوت موانع میں سے نہیں۔اس لئے کہ نبوت ایک ایسا وصف ومعنی ہے جو مورث میں قائم ہے اور مانع وہ ہے جو وارث میں قائم کسی معنی ووصف کی وجہ سے میراث سے روکتا ہے۔

مالکیہ...... ❷ نے میراث کے دس موانع ذکر کئے ہیں:

ا۔اختلاف دین...... بالاجماع کوئی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہوگا اور جمہور کے نزدیک کوئی مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا۔اور کوئی کافر کسی کافر کا وارث نہیں ہوگا جب ان کے مذہب مختلف ہوں۔اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور شافعیہ رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔اور کافر جب اپنے مسلمان مورث کی موت کے بعد اسلام قبول کرلے تو اس کا وارث نہیں ہوگا۔

---

❶ شرح السراجية ص ۱۸۔۲۴، الدر المختار وردالمحتار: ۵/ ۵۴۱۔۵۴۳، تبيين الحقائق ۶/ ۲۳۹، اللباب شرح الكتاب ۴/ ۱۸۸۔۱۹۷۔ ❷ القوانين الفقهية ع ص ۳۹۴، بداية المجتهد: ۲/ ۳۴۶۔

میراث میں مرتد اصلی کافر کی طرح ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک مسلمان، مرتد کا وارث ہوگا۔ رہا زندیق (کافرانہ روش اختیار کرنے والا) تو جب وہ اسلام کا اظہار کرتا ہو تو اس کے مسلمان ورثا، اس کے وارث ہوں گے۔

۲۔ غلامی..... لہٰذا غلام اور ہر وہ شخص جس میں رق (غلامی) کا حصہ ہو جیسے مکاتب (جو اپنے آقا سے رقم دینے کا معاہدہ کر کے آزادی حاصل کرے) مدبر (جسے اس کا آقا یہ کہہ دے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو) ام ولد (جس باندی سے آقا کی اولاد پیدا ہوئی ہو) آدھا آزاد، وہ آزاد جو کسی وقت کے آنے پر آزاد ہوگا یہ سب لوگ نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں ان کی میراث ان کے مالکوں کے لئے ہے۔

۳۔ قتل عمد..... جس نے اپنے مورث کو جان بوجھ کر قتل کر ڈالا ہو تو قاتل اس کے مال اور اس کی دیت کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کسی وارث کو محجوب کریگا۔ اور اگر غلطی سے قتل کیا ہو تو دیت کے بجائے صرف مال کا وارث ہوگا اور دوسرے کو محجوب کرے گا۔

۴۔ لعان..... جس کی نفی کی گئی وہ نفی کرنے والے کا اور نہ وہ اس کا وارث ہوگا۔

۵۔ زنا..... زنا کی پیدائش اپنے باپ کی وارث نہیں اور نہ باپ اس کا وارث ہوگا۔
اس واسطے کہ وہ اس کے ساتھ نہیں ملایا جاتا، اور اگر والد ہونے کا اقرار (زانی) کرے تو اسے حد لگائی جائے گی اور اس کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ اور جس نے بیٹی کے بعد (اس کی) ماں سے یا ماں کے بعد بیٹی سے شادی کی تو ان میں سے کوئی بھی دوسری کی وارث نہیں ہوگی۔
اور جس نے بہن کے بعد (بیوی کی) بہن سے شادی کی تو پہلی اس کی عصمت میں ہے، یہی اس کی وارث ہوگی نہ کہ دوسری۔

۶۔ مورث کی موت میں شک..... جیسے قیدی اور لاپتہ شخص۔

۷۔ حمل..... ولادت تک مال موقوف رہے گا۔

۸۔ نومولود کی زندگی میں شک..... اگر پیدائش کے وقت زور سے چیخے تو وارث بھی ہوگا اور وارث بنائے گا ورنہ نہیں۔
حرکت اور چھینک مذہب میں چیخ کے قائم مقام نہیں ہاں البتہ جب زیادہ ہو یا وہ بچہ دودھ پینے لگ جائے۔

۹۔ مورث یا وارث میں سے پہلے کس کی موت ہوئی اس میں شک..... جیسے وہ شخص کسی دیوار یا ٹیلے تلے دب کر یا پانی میں غرق ہو کر مرتے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک باقی وارثوں کا وارث ہوگا۔
یہی احناف کے نزدیک مردوں کی تاریخ کی جہالت ہے۔

۱۰۔ نر، مادہ ہونے میں شک..... جیسے ہیجڑا کہا جاتا ہے اس کا امتحان پیشاب کرنے داڑھی اور حیض سے لیا جاسکتا ہے اگر وہ مردوں میں شامل ہو تو مردوں کی میراث پائے گا اور اگر عورت میں شامل ہو تو ان کی میراث پائے گا اور اگر خنثیٰ مشکل ہو تو آدھا حصہ عورت کا اور آدھا حصہ مرد کا دیا جائے گا۔

شافعیہ اور حنابلہ ❶ نے میراث کے تین موانع ذکر کئے ہیں......غلامی۔قتل۔اور دین و مذہب کا مختلف ہونا۔شافعیہ نے تین اور موانع بھی شامل کئے ہیں۔یوں ان کے نزدیک چھ ۶ موانع بن جاتے ہیں۔اور وہ تین موانع یہ ہیں:

۱۔اصلی کفر والوں کا ذمی اور حربی ہونے کی وجہ سے اختلاف......مشہور ہے کہ حربی اور ذمی کے درمیان باہمی وراثت نہیں ہے اس واسطے کہ ان دونوں کے درمیان موالات وتعلقات منقطع ہیں۔معاہد اور مستامن ذمی کی طرح ہیں۔

۲۔مرتد ہونا......مرتد مسلمان یا کافر کسی کا وارث نہیں ہوگا اور نہ کسی صورت میں وارث بنا تا ہے۔

جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے ''مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا'' بلکہ اس کا مال بیت المال کے لئے غنیمت ہوگا خواہ اس نے اسے اسلام کی حالت میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں۔یہی مانع دین کے اختلاف میں داخل ہوتا ہے جیسا کہ مالکیہ نے پہلے بیان کیا ہے۔

۳۔حکمی دور......وارث بنانے سے وارث نہ بنانا لازم آئے۔مثلاً ترکہ سمیٹنے والا بھائی،میت کے کسی بیٹے کا اقرار کرے،تو بھائی کے اقرار سے اس کا نسب تو ثابت ہو جائے گا لیکن دور کی وجہ سے یہ بیٹا وارث نہیں ہوگا۔کیونکہ اس بھائی کے بیٹے کے اقرار کرنے اور باپ سے اس کا نسب ثابت ہونے سے،اس کا وارث نہ ہونا ظاہر ہو گیا اس واسطے کہ وہ اس کی وجہ سے محجوب ہے۔لہٰذا اس پر لازم ہے کہ اس کا اقرار باطل ہو۔اس لئے کہ وہ اس وقت ترکہ لینے والا نہیں ہوگا۔اس بنا پر بیٹے کا نسب باطل ٹھہرا اور جب نسب باطل ہوا تو وہ وارث بھی نہیں ہوگا۔لیکن جب حقیقت میں سچا ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ ترکہ اسے دینا واجب ہے۔میراث کے اثبات نے اس کی نفی تک پہنچایا اور جو چیز ایسی ہو کہ اس کا اثبات اس کی نفی کا سبب بنے تو وہ بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

غور کرنے سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ فقہاء نے چار مشہور موانع کے علاوہ جو موانع ارث ذکر کئے ہیں وہ حقیقت میں موانع نہیں۔میراث تو وہاں نہیں ملتی جہاں میراث کی سابقہ شرائط میں سے کوئی شرط ثابت نہ ہو۔لہٰذا میں چار مشہور موانع کی شرح کی طرف واپس لوٹتا ہوں۔جو یہ ہیں۔

پہلا مانع: غلامی......لغت میں اس کا معنی عبودیت (غلام ہونا) ہے اور اصطلاح میں: ایسا حکمی عجز جو انسان کے ساتھ قائم ہو جس کا سبب اصل میں کفر ہے جو مطلقاً میراث کا مانع ہے،خواہ تام ہو یا ناقص یہ احناف اور مالکیہ کی رائے ہے لہٰذا آزاد اور غلام میں توارث نہیں ہوگا یعنی غلام نہ کسی کا وارث ہوگا اور نہ کسی کو وارث بنائے گا۔

اس واسطے کہ غلام ہونا ملکیت پانے کی اہلیت کے منافی ہے اس لئے کہ رقیق وغلام ہونے کا تقاضا آقا کے لئے مال مملوک کا ہے۔کہ وہ مال کا مالک نہیں۔اس اعتبار سے کہ مملوکیت عجز وکمزوری کا پتہ دیتی ہے اور مالک ہونے سے قدرت وکرامت کا پتہ چلتا ہے۔لہٰذا یہ ایک دوسرے کے منافی ہیں۔اس کے پاس جو مال بھی ہوگا وہ آقا کا ہوگا۔

اگر ہم اسے وارث قرار دیں تو ملکیت آقا کے لئے ثابت ہوگی۔جس سے اجنبی کو بلا وجہ وارث بنانا لازم آئے گا جو بالا جماع باطل ہے۔قانون سوری نے اس نسب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دنیا سے رق وغلامی ختم ہو چکی ہے۔

آدھا آزاد......شافعیہ نے جدید مذہب میں اور یہ زیادہ صحیح ہے ❷ عبد مبعض کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ ایسا شخص ہے جس کا

---

❶......مغنی المحتاج :۲۴/۳۔۲۹ الرحبیة: ص ۱۹ کشاف القناع: ۴۴۸/۴ ط مکہ، المغنی ۲۶۶/۶۔۲۷۰، ۲۹۱۔۲۹۸۔

❷مغنی المحتاج :۲۵/۳، الرحبیة ص ۱۹۔

کچھ حصہ آزاد ہو تو اس کا جب انتقال ہوگا تو وہ اپنے آزاد حصے کی وجہ سے اس مال کا وارث بنائے گا جو اس کی ملکیت میں ہو۔ اس واسطے کہ وہ آزاد کی طرح کامل ملکیت رکھتا ہے تو اس کا قریبی آزاد شخص وارث ہوگا یا جس کا کچھ حصہ آزاد ہو، اسی طرح اس کی بیوی، اس کے آقا کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ غلامی میں جو کچھ اس نے کمایا ہے اس میں سے اس نے اپنا پورا حق وصول کیا ہے۔

حنابلہ...... ❶ فرماتے ہیں: جس کا کچھ حصہ آزاد ہو تو وہ اپنے آزاد جزء کی وجہ سے وارث بنے گا اور وارث بنائے گا۔ اور جتنی مقدار اس میں اس آزادی کی ہے اس کی وجہ سے حاجب ہوگا اور باقی مقدار جو اس میں غلامی کی ہے اس کی وجہ سے نہ وارث ہوگا اور نہ وارث بنائے گا۔ ❷ جس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے عبداللہ بن احمد نے بحوالہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام کے بارے میں فرمایا جس کا کچھ حصہ آزاد کر دیا جائے: ''جتنا وہ آزاد ہوا ہے اس کی مقدار وارث اور مورث ہوگا۔''

مکاتب...... حنابلہ کے ہاں اگر مکاتب اپنے اوپر کتابت کی واجب اقساط کی مقدار کا مالک نہ ہو تو وہ غلام ہے نہ وارث ہے نہ مورث اور اتنی مقدار کا مالک ہو جسے بدل کتابت میں ادا کر سکے تو اس کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

اول...... جب تک اس پر ایک درہم کی ادائیگی بھی باقی ہے تو وہ غلام ہے نہ وارث ہوگا اور نہ وارث بنائے گا یہی دوسرے ائمہ میں سے جمہور کی رائے ہے۔ جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

مکاتب پر ایک درہم کی ادائیگی بھی باقی ہو تو وہ غلام ہے۔ ❸

دوسری روایت یہ ہے...... جب وہ اتنی مالیت کا مالک ہو جس سے بدل کتابت ادا کر سکے تو وہ آزاد ہو گیا، وارث اور مورث ہوگا۔ اگر اس کا کوئی ایسا شخص فوت ہو گیا جس کا یہ وارث تھا تو وارث ہوگا۔ اور اگر یہ مر گیا تو باقی ماندہ مال کتابت اس کے

---

❶ المغنی: ۶/۲۶۷۔۲۶۹۔ ❷ ماضی میں رقیق کی یہ قسمیں تھیں: قن، مکاتب، مدبر، ام الولد اور مبعض، قن میں کامل غلامی ہے جب کہ باقی میں ناقص ہے۔

❸ ...... مکاتب ...... وہ غلام ہے جس سے اس کا آقا مقرر رقم پر معاہدہ کر لے مثلاً یوں کہے: تم نے اگر مجھے بیس درہم یا بیس دینار عقد مکاتب کے عوض ادا کر دیئے تو تم آزاد ہو۔ یا قسطوں میں ادائیگی کے لئے معین مدت مقرر کر دے جیسے ہر مہینے ڈیڑھ دینار۔

مدبر وہ غلام ہے جسے اس کا آقا یہ کہہ دے کہ میری موت کے بعد تم آزاد ہو۔

ام ولد...... وہ باندی ہے جس سے آقا کا بچہ پیدا ہوا ہو۔ اور اس کا اس نے دعویٰ بھی کیا ہو کہ یہ بچہ میرا بیٹا ہے یوں اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور باندی ام ولد بن جائے گی۔ مدبر اور ام الولد کی فروختگی ناجائز ہے دونوں آقا کی موت کی وجہ سے آزاد ہو جائیں گے، یہ دونوں نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ وارث بناتے ہیں۔

مبعض...... تو وہ ایسا غلام ہوتا ہے جس کا آدھا حصہ اس کے آقا کے آزاد کرنے سے آزاد اور باقی غلام رہتا ہے۔ اس کی حیثیت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس غلام کی سی ہے جس کی آزادی میں ایک درہم باقی رہ گیا ہو۔ یہ نہ وارث ہوتا ہے اور نہ کسی کو اس کی میراث سے محجوب کرتا ہے۔ جب کہ امام مالک شافعی اور احمد کے نزدیک: وہ آزاد ہے اگر معتق مالدار ہو تو شریک کے حصے کی درمیانی قیمت لگائی جائے گی اور اس کے شریک کو دے کر سارا غلام آزاد ہو جائے گا اور اگر معتق تنگدست ہو تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں اور وہ غلام آدھا آزاد اور آدھا غلام ہی رہے گا۔ اور صاحبین کے نزدیک وہ آزاد ہے میراث پائے گا اور محجوب کرے گا۔ اس مسئلہ کی بنیاد اس پر ہے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عتق میں اجزاء نہیں ہو سکتے جب کہ صاحبین کے نزدیک تجزی ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں اگر کوئی شخص غلام کا حصہ آزاد کرتا ہے تو سارا غلام آزاد ہو جائے گا پھر اگر آزاد کرنے والا مالدار ہو تو اپنے شریک کے حصے کی قیمت کا ضامن ہوگا اور اگر فقیر ہو تو غلام اپنے اس آقا کو مال دینے کی تگ و دو کرے گا جس نے اس کا حصہ آزاد نہیں کیا۔

بدایۃ المجتہد: ۲/۳۶۰

آقا کو ملے گا۔ اور باقی اس کے وارثوں کا ہے جس کی دلیل حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے، فرمایا: ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی (خاتون) کا مکاتب ہو اور اس کے پاس اتنا مال ہو۔ جس سے بدل کتابت ادا کر سکے تو اس سے پردہ کیا کرو۔ ❶

دوسرا مانع: قتل...... اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ قتل میراث کا مانع ہے لہٰذا قاتل، مقتول کا وارث نہیں ہوگا جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' قاتل کے لئے (مقتول کی) کوئی میراث نہیں'' ❷ اس واسطے کہ اس نے حرام کام کے ذریعہ وقت سے پہلے میراث حاصل کرنے کی جلدی کی تو جو اس نے ارادہ کیا اس کے وجہ سے محرومی کی سزا ملی۔ تاکہ جو کچھ اس نے کیا ہے اس سے باز رہے۔ نیز قتل کے ساتھ وارث بنانا فساد کا سبب ہے'' اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے'' لیکن فقہاء کا اس قتل کی قسم کے بارے میں اختلاف ہے جو مانع میراث ہے۔

احناف کی رائے...... وہ قتل حرام ہے: جس سے قصاص واجب ہونے یا کفارہ واجب ہونے کا تعلق ہوتا ہے۔ جو قتل عمد، شبہ عمد، قتل خطا اور جار مجری خطا کو شامل ہے۔ جس سے قصاص واجب ہوتا ہے وہ قتل عمد ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی تعریف یہ ہے: قاتل نے مقتول کو عمداً ضرب سے قتل کیا ہو۔ ہتھیار سے کیا ہو یا اس چیز سے کیا ہو جو (جسم کے) اجزاء کی تفریق میں بمنزلہ ہتھیار ہو مثلاً دھار دار لکڑی، پتھر، بانس کی کھپاچ اور پھانس وغیرہ۔ صاحبین اور دوسرے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: قصداً ایسی ضرب جس کے ذریعے عموماً انسان قتل ہو جاتا ہے اگرچہ وہ دھار دار نہ ہو جیسے بڑا پتھر۔

اور جس سے کفارہ واجب ہوتا ہے تو وہ یا شبہ عمد ہے: مثلاً کسی ایسی چیز سے مقتول کو مارا جس سے عموماً آدمی قتل نہیں ہوتا اور یا خطاء ہے: مثلاً شکار پر تیر چلایا تو وہ کسی انسان کو جا لگا یا نیند میں کسی پر لڑھک گرا اور اسے مار ڈالا یا چھت کے اوپر سے اس (مقتول) پر گرا یا اس کے ہاتھ سے پتھر گرا اور (جسے لگا) مر گیا۔ یا سوار نے اپنی سواری تلے کسی کو روند ڈالا۔

جب تک اس کے ساتھ وجوب قصاص یا کفارہ کا تعلق نہ ہو تو وہ میراث سے مانع نہیں۔ اور وہ کسی حق کی وجہ سے یا عذر یا سبب سے قتل ہونا ہے اور وہ قتل غیر مکلّف سے ہوا ہو۔

حق کی وجہ سے قتل کرنا...... مثلاً قصاص لینے کے لئے مورث کو قتل کرنا یا مرتد ہونے کی وجہ سے حد جاری کرنے کے لئے یا حالت احصان (شادی شدگی کی) میں زنا کی وجہ سے، اپنا دفاع کرتے ہوئے قتل کرنا اور عادل کا اپنے باغی مورث کو قتل کرنا جس پر احناف کا اتفاق ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک باغی کا اپنے عادل مورث کو امام و حاکم کے ساتھ قتل کرنا تو بالکل حرام نہیں۔

---

❶ ...... رواہ ابو داؤد باسنادہ عن ام سلمۃ۔ ❷ رواہ مالک فی الموطا واحمد وابن ماجۃ والشافعی وعبدالرزاق والبیھقی عن عمر وھو منقطع ورواہ ابو داؤد والنسائی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بلفظ: ''لا یرث القاتل شیئا'' واعلہ النسائی والدار قطنی وقواہ ابن عبدالبر (نیل الاوطار ۶ /۷۴)

عذر کی وجہ سے قتل کرنا...... جیسے خاوند کا اپنی بیوی کو قتل کرنا یا زنا میں ملوث اس کے ساتھ زنا کرنیوالے کو قتل کرنا کیونکہ اس وقت اسکا شعور واختیار برقرار نہیں رہتا۔ یا جیسے وہ قتل جو شرعی دفاع کی حدود سے بڑھ جائے اس واسطے کہ اصل دفاع کا ضبط کرنا ممکن نہیں لہٰذا اس میں تجاوز وزیادتی معاف ہے۔

قتل کا سبب بننا...... ایسا قتل جس میں قاتل شریک نہ ہو جیسے کنواں کھودنا، یا کسی کی ملکیت میں پتھر رکھنا۔

غیر مکلف سے ہونے والا قتل...... وہ قتل ہے جو بچے یا مجنون سے ہو جائے، ان چاروں صورتوں میں قاتل میراث سے محروم نہیں ہوگا۔ اور جب باپ جان بوجھ کر اپنے بیٹے کو قتل کردے اگرچہ اس سے قصاص اور کفارہ ثابت نہیں ہوتا۔ (لیکن وہ) میراث سے محروم ہوگا۔ اس واسطے کہ اصل میں قتل قصاص کا سبب ہے، لیکن وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے ساقط ہوگیا: ''بیٹے کے بدلہ میں باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا۔'' ● الحدیث۔

مالکیہ کی رائے...... میراث سے مانع قتل وہ قتل عمد ہے جو دست درازی کے طور پر ہو خواہ عملاً ہو یا سبب بن کر ہو۔ اس کا حکم دینے والے اور ابھارنے والے، سہولت دینے والے، شریک، کھانے پینے میں زہر ملانے والے، (دوران قتل جگہ کی نگرانی کرنے والا) جیسے ربیئہ کہا جاتا ہے، جھوٹا گواہ جب اس کی گواہی پر حکم کا مدار ہو بے گناہ کے قتل پر زبردستی مجبور کرنے والا، اپنے مورث کے لئے کنواں کھودنے والا اور اس کی راہ میں پتھر رکھنے والا۔ جس سے ٹکرا کر اس کی موت واقع ہو جائے، یہ سب لوگ شامل ہیں۔

رہا قتل خطاء...... تو یہ مال میراث کے لئے رکاوٹ نہیں البتہ دیت کی میراث سے مانع ہے۔

شافعیہ کی رائے...... ''قاتل اپنے مقتول کا مطلقاً وارث نہیں ہوتا خواہ عملاً قتل کیا ہو یا سبب بن کر، کسی مصلحت کے تحت ہو جیسے باپ، خاوند اور معلم واستاد کا مارنا، یا کسی مصلحت کے تحت نہ ہو۔ مجبور کرنے والا ہو یا نہ ہو۔ حق کے عوض ہو یا نہ ہو۔ مکلف سے واقع ہوا ہو یا غیر مکلف سے'' یہ تمام آراء میں سے زیادہ وسیع رائے ہے۔ ان کی دلیل ترمذی وغیرہ کی حدیث کا عموم ہے: ''قاتل کے لئے کچھ نہیں'' یعنی میراث میں سے۔

حنابلہ کی رائے...... میراث سے مانع جو قتل ہے وہ ناحق قتل ہے اور جو قصاص یا دیت یا کفارہ کا ضامن ہو لہٰذا یہ عمد، شبہ عمد، خطاء اور جاری مجری خطا کو شامل ہے جیسے قتل کا سبب بننا۔ بچے، پاگل اور سوئے ہوئے کا قتل کرنا۔

خلاصہ...... یہ رہا کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ قتل مانع میراث ہے البتہ اس قتل کی نوع وقسم میں اختلاف کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عملاً دست درازی کے ساتھ عملاً یا خطا کا اعتبار کیا ہے امام مالک نے زیادتی والے عمد کا اعتبار کیا ہے۔ خطاء کا نہیں۔ امام شافعی نے ہر قتل کو مانع میراث شمار کیا ہے اگرچہ وہ کسی قاصر سے سرزد ہوا ہو جب کہ امام احمد نے اس قتل کا اعتبار کیا ہے جس سے قصاص دیت یا کفارہ لازم ہو خواہ وہ کسی قاصر سے سرزد ہوا ہو۔ پس جمہور کے نزدیک قتل عمد، شبہ عمد، خطا اور شبہ خطا میراث سے مانع ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عمداً کے مفہوم کی رعایت رکھتے ہوئے۔ اور احناف کے نزدیک قتل کا سبب بننے کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے۔ مالکیہ کے

● رواہ الترمذی وابن ماجه عن ابن عباس وهو ضعيف وروى ايضاً من حديث عمرو سراقة بن مالك وعمرو بن شعيب عن أبيه عن جده بلفظ "لايقاد الوالد بالولد، وفى سنده طعن لارواية الحاكم عن عمر فهو صحيح الاسناد (نصب الراية: ۴/ ۳۳۹)

نزدیک صرف قتل عمد مانع میراث ہے خواہ قاتل اصلی ہو یا عملاً شریک ہو یا سبب بنا ہو۔

قانون مصری (م ۵) اور قانون سوری (م ۲۲۳، ۲۶۴) نے میراث اور وصیت سے مانع قتل کی حد بندی میں احناف کے مذہب کے خلاف دو مقامات پر قتل بالسبب اور قتل خطا میں مالکیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔

قتل خطا کی دیت کی میراث بیوی کو ملنا......احناف کی رائے یہ ہے کہ قتل خطا کی دیت باقی دیون وقرضوں کی طرح ہے جس کے خاوند بیوی میں سے ہر ایک اور ان کے علاوہ کے لوگ وارث ہوں گے۔ جس کی دلیل یہ حدیث ہے: جس نے کوئی مال یا حق چھوڑا تو وہ اس کے وارثوں کے لئے ہے'' اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اشیم ضبابی کی بیوی کو ان کے خاوند کی دیت کا وارث بنانے کا حکم دیا تھا، امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور مالکیہ کی رائے یہ ہے: کہ زوجین دیت کے وارث نہیں ہوتے، کیونکہ موت کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد دیت واجب نہیں۔ ❶

تیسرا مانع: دین و مذہب کا مختلف ہونا......مورث اور وارث کے درمیان اسلام وغیرہ مذاہب کے ذریعے دین کا اختلاف مذاہب اربعۃ کے اتفاق سے مانع ارث ہے۔ لہٰذا مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوگا خواہ (وراثت کا حق) رشتہ داری یا زوجیت کی وجہ سے ہو دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا نیز آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: ''دو مختلف مذہبوں والے ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔'' ❷

یہی راجح ہے اس لئے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان ولایت وتعلق منقطع ہے۔ اور اسی کو قانون مصری (م ۶) اور قانون سوری (م ۲۶۴) نے اختیار کیا ہے: ''مسلم اور غیر مسلم میں باہمی میراث نہیں'' حضرت معاذ، معاویہ، حسن، ابن الحنفیہ، محمد بن علی بن الحسین اور مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب یہ ہے'' کہ مسلمان کافر کا وارث تو ہوتا ہے لیکن کافر اس کا وارث نہیں ہوسکتا۔'' جس کی دلیل یہ حدیث ہے'' اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا'' ❸ انہیں یہ جواب دیا گیا ہے کہ غلبہ و برتری سے مراد دلیل وحجت کی وجہ سے ہے یا قہر وغلبہ کی وجہ سے ہے۔ یعنی آخرت میں مدد مسلمانوں کی ہوگی۔ امام احمد فرماتے ہیں: مسلمان اپنے آزاد کردہ کافر غلام کا وارث ہوگا۔ اس لئے کہ سابقہ حدیث عام ہے'' ولاء آزاد کرنے والے کا حق ہے۔'' ❹

غیر مسلموں کی میراث......رہا کافروں کا آپس میں مذہب کا اختلاف جیسے یہود ونصاریٰ تو اسے مانع میراث بنانے میں اختلاف ہے۔

ا۔ مالکیہ......فرماتے ہیں کافر، کافر کا وارث نہیں جب ان کا مذہب مختلف ہو جیسے یہودیت اور نصرانیت، لہٰذا یہودی نصاریٰ کے اور نصاریٰ یہود کی وارث نہیں ہوں گے اس واسطے کہ یہ دونوں مختلف مذہب ہیں۔ اور نہ یہ دونوں کسی مشرک کے وارث ہوں اور نہ کوئی مشرک ان دونوں کا وارث ہوگا۔ اس لئے کہ سابقہ حدیث عام ہے'' مختلف مذاہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں'' کیونکہ ان کے درمیان موالات نہیں، رہے وہ مذاہب اور فرقے جو یہودیت اور نصرانیت کے علاوہ ہیں تو ان سب کو ایک شمار کیا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ ❺

---

❶ المغنی: ۶/۳۲۰، نظام المواریث للاستاذ عبدالعظیم فیاض: ص ۳۰. ❷ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو وللترمذی عن جابر (حوالہ ومقام سابقہ ہے)۔ ❸ رواہ الرویانی والدار قطنی والبیھقی والضیاء عن عائذ بن عمرو وھو حدیث حسن. ❹ المغنی: ۶/۳۴۸. ❺ امام مالک کی ایک اور روایت ہے۔ یہودی ایک مذہب ہے اور نصاری ایک مذہب ہے اور دوسرے مذاہب جیسے سورج پرست، آتش پرست وغیرہ تو وہ ایک الگ مستقل مذہب ہے تو ایک مذہب کے پیروکار دوسروں سے الگ وارث ہوں گے۔

مسلمانوں کا دشمن (حربی) بن گیا تو اس کے مال کا حق حکم حربی کے مال کا سا ہو جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ مرتد ہو کر مرجائے۔ ورنہ اس کا مال وقف ہے۔ اور اگر وہ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو وہ مال اسی کا ہے۔

خاوند، بیوی میں سے ایک کا مرتد ہونا.....حنابلہ فرماتے ہیں: ہمبستری سے پہلے خاوند بیوی میں سے اگر کوئی ایک مرتد ہو جائے تو فوراً نکاح ٹوٹ جاتا ہے تو کوئی بھی دوسرے کا وارث نہیں۔ اور اگر ارتداد ہمبستری کے بعد ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے: فرقت جلد از جلد ہو جائے۔

اور دوسری یہ ہے: عدت کے ختم ہونے تک موقوف رہی گی جو بھی ان میں سے مرگیا دوسرا اس کا وارث نہیں ہوگا۔

ا۔ زندیق.....تو وہ ایسا شخص ہوتا ہے جو اسلام کا اظہار اور کفر کو چھپاتا ہو۔ اور وہ منافق ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اسے منافق کہا جاتا تھا اور آج کل زندیق کہا جاتا ہے، لیکن فساد کی کوشش کرنے، اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کے عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے پوشیدہ دعوت دینے میں منافق سے مختلف ہے

مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک اس کا حکم سابقہ تفصیل اور اختلاف کے مطابق مرتد جیسا ہے۔ لہٰذا شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زندیق کا مال بیت المال میں جمع ہوگا۔ اور مالکیہ کا کہنا ہے: باقی مرتدوں کے برخلاف وارث بنائے گا۔ چنانچہ اس کے مسلمان ورثاء اس کے وارث ہوں گے بشرطیکہ وہ اسلام کا اظہار کرتا ہو۔

خلاصہ.....ارتداد فی الجملہ میراث سے مانع ہے۔ بعض فقہاء نے اختلاف دین کے علاوہ اسے مخصوص مانع شمار کیا ہے اس واسطے کہ ارتداد کے خاص احکام ہیں۔ مرتد تو مطلقاً کسی کا وارث نہیں ہوتا اور نہ احناف کے علاوہ جمہور کے نزدیک وارث بناتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک مطلقاً وارث بناتا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف اس کا وہ مال ورثا کو میراث میں ملے گا جو اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا۔

چوتھا مانع: دارین کا مختلف ہونا:

دار سے مراد.....وہ وطن ہے جسے خاص طاقت حاصل ہو اور اس کا مستقل بادشاہ ہو۔

اختلاف دارین..... سے مراد یہ ہے کہ وارث اور مورث میں سے ہر ایک جس حکومت کا تابع ہو وہ طاقت (قوت یا لشکر وفوج) اور ملک (اختیار واقتدار) میں دوسری حکومت کی مخالف ہو اور دونوں کے درمیان حفاظت وعصمت بھی منقطع ہو مثلاً ایک ہندوستان سے تعلق رکھتا ہو اور سیورج کا رہنے والا ہو۔

اس مانع کا ظہور دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان یا صرف دارالحرب کے اجزاء کے درمیان ہوتا ہے۔ رہا دارالاسلام، مسلمانوں کے علاقے تو اسے مسلمانوں کا ایک وطن شمار کیا جاتا ہے اس بناء پر ایک مسلمان خواہ کسی بھی علاقہ میں ہو دوسرے مسلمان کا وارث ہوگا، اس لئے کہ اسلام نے مسلمانوں کے علاقوں کو ایک وطن بنا دیا اگرچہ دار دور دور ہوں اور نظام مختلف ہوں اور تعلقات منقطع ہوں۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں مرتا ہے تو دارالاسلام میں اس کے ورثاء اس کے وارث ہوں گے۔ یہ مانع غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہے۔ اسلام کے علاقے تو ایک وطن ہے۔

۲۔ احناف، شافعیہ اور حنابلہ...... کا قول ہے: کفار ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اس لئے کہ کفر میراث میں ایک ہی مذہب ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' کافر لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' الانفال ۸ / ۷۳

یہ حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام کفار کو شامل ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

'' حق کے بعد تو گمراہی ہی ہے'' یونس ۱۰ / ۳۲

اس لئے کہ اسلام کی نظر میں۔ باطل ہونے کے لحاظ سے تمام مذاہب ایک مذہب کی طرح ہیں۔ اور غیر مسلم بھی مسلمانوں سے دشمنی کرنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے میں برابر ہیں۔ لہٰذا وہ ایک مذہب کا حکم رکھتے ہیں۔ قانون مصری نے اسی کو اپنایا چنانچہ آرٹیکل ۶ میں صراحت ہے'' غیر مسلم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔''

۳۔ ابن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں...... یہود و نصاریٰ آپس میں وارث ہوں گے، یہ اور مجوسی آپس میں وارث نہیں۔

مرتد اور زندیق کی میراث ❶:

مرتد...... وہ ہوتا ہے جو دین اسلام چھوڑ کر کوئی اور مذہب اختیار کرلے یا بے دین ہو جائے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد مرد اور مرتدہ عورت کسی کے وارث نہیں ہوں گے نہ مسلمان کے اور نہ کافر کے۔ اس واسطے کہ اس میں اور دوسرے میں کوئی تعلق نہ رہا۔ اسلام اسے اپنے ارتداد پر برقرار نہیں رکھے گا بلکہ اسے قتل کر دیا جائے گا لیکن احناف کے ہاں مرتدہ عورت قتل نہیں کی جائے گی۔ اس واسطے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے قتل سے منع فرمایا ہے بلکہ اسے قید میں رکھا جائے گا یہاں تک کہ انجام کار مسلمان ہو جائے یا مرجائے۔

اور حنابلہ...... نے اس صورت کو مستثنٰی قرار دیا ہے کہ مرتد میراث تقسیم ہونے سے پہلے اسلام کی طرف رجوع کرلے تو پھر اسے بھی تقسیم میں حصہ ملے گا۔

مرتد کی میراث پانے میں اختلاف ہے:

ا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے...... مرتد شخص نے حالت اسلام میں جو مال حاصل کیا اس کے وارث، مسلمان ورثا ہوں گے اور جو مال اس نے حالت ارتداد میں کمایا تو وہ مسلمانوں کے بیت المال کے لئے فئی (غنیمت) ہے رہی مرتدہ عورت تو اس کا سارا ترکہ اس کے مسلمان ورثا، کے لئے ہے۔ جب کہ صاحبین نے مرتد مرد اور مرتدہ عورت کے درمیان فرق نہیں کیا فرماتے ہیں: اس کا حالت اسلام اور حالت ارتداد کا سارا ترکہ ان دونوں کے مسلمان ورثاء کے لئے ہے۔ اس لئے کہ مرتد کو اس کے اعتقاد پر برقرار نہیں رکھا جاتا بلکہ اسے اسلام کی طرف لوٹنے پر مجبور کیا جائے گا۔ لہٰذا اس کے حق میں اسلام کا حکم معتبر ہوگا۔ اس مال میں نہیں جس سے وہ فائدہ اٹھائے۔ بلکہ جس سے اس کے وارث فائدہ حاصل کریں۔

۲۔ جمہور (مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ) کا قول ہے...... اصل کافر کی طرح مرتد نہ وارث ہوتا ہے اور نہ وارث بناتا ہے بلکہ اس کا مال بیت المال کے لئے غنیمت ہے خواہ اس نے وہ مال حالت اسلام میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں، کیونکہ مرتد ہونے کی وجہ سے وہ

❶...... شرح السراجیۃ ص ۲۲۵، القوانین الفقہیۃ ص ۳۹۴ مغنی المحتاج: ۳/۲۵، المغنی: ۶/۲۸۹۔۳۰۲۔

رہا دارالحرب تو اس کی حکومتوں کے مختلف ہونے سے اس کے احکام مختلف ہیں۔

دار کا مختلف ہونا صرف احناف کے ہاں مانع ارث ہے جب کفار کے درمیان ہو نہ کہ مسلمانوں کے درمیان، اس لئے کہ باغیوں اور اہل حکومت کے درمیان توارث کا ثبوت ہے اگر چہ اقتدار وقوت مختلف ہے۔ لہٰذا یہ مانع غیر مسلموں کے ساتھ خاص ہوگا۔

اختلاف دار کی تین قسمیں ہیں...... حقیقی وحکمی ایک ساتھ، صرف حکمی اور صرف حقیقی۔

الف: حقیقی اور حکمی اختلاف ایک ساتھ...... جو تابع ہونے اور اقامت کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً وارث دارالحرب میں رہنے والا حربی ہو اور مورث دارالاسلام میں رہنے والا ذمی ہو۔ یا وہ ذمی دارالاسلام میں مرا ہو اور اس کا باپ یا بیٹا دارالحرب میں رہتا ہو تو ان میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ ذمی کا تعلق دارالاسلام سے ہے اور حربی کا دارالحرب سے۔ تو اگر چہ ان دونوں کا مذہب ایک ہے لیکن حقیقت میں دار کے جدا ہونے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ولایت واختیار ختم ہوگیا یوں وراثت نے رشتہ داری کو ختم کر دیا۔ اس لئے کہ وارث، مورث کے مال میں ملکیت، اختیار وتصرف کرنے کا نائب ہوتا ہے۔

ب: صرف حکمی اختلاف...... جو صرف تابع ہونے یا قومیت کے مختلف ہونے سے ثابت ہوتا ہے مثلاً وارث المانی ہو اور مورث المانی اور انگلینڈی ایک ساتھ ہو۔ یا ان میں ایک ذمی ہو اور دوسرا مستامن ہو اور دونوں دارالاسلام میں مقیم ہوں۔ اس لئے کہ مستامن حکماً دارالحرب سے شمار ہوگا۔ یا دونوں دو مختلف حکومتوں سے تعلق رکھتے ہوئے مستامن ہوں اور اکٹھے دارالاسلام میں مقیم ہوں۔ تو اس صورت میں یہ دونوں مختلف دیار سے تعلق رکھنے والے حربی ہوئے تو ان سب لوگوں کے درمیان باہمی وراثت نہیں کیونکہ یہ تابع ہونے کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

ج: صرف حقیقی اختلاف...... جو صرف اقامت کے مختلف ہونے سے ثابت ہوتا ہے ساتھ ساتھ رعیت ہونے یا تابع ہونے کا اتحاد ہو۔ جیسے دو المانی شخص ہوں جن میں سے ایک فرانس میں اور دوسرا امریکہ میں مقیم ہو اور دونوں کی قومیت محفوظ ہو، اور جیسے کوئی مستامن ہمارے دار میں دارالحرب میں کسی حربی کے ساتھ۔ جن کا تعلق کسی ایک حکومت سے ہو تو یہ دونوں ایک حکومت کے تابع ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ پہلی اور دوسری قسم مانع میراث ہے کیونکہ تابع ہونے میں اختلاف ہے اور میراث سے مانع ہونے کا مدار تابع ہونے پر ہے۔ اختلاف حکمی وہ اکیلا سبب ہے جو میراث کا مانع ہے۔ البتہ تیسری قسم مانع نہیں کیونکہ تابع ہونے میں اتحاد ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے جب دو حربی اگر چہ قومیت کے اتحاد کے ساتھ دارالحرب کے دو داروں میں ہوں۔ تو دار میں اختلاف حقیقی مانع نہیں۔

اور اگر ہمارے دار میں ہو تو اختلاف حکمی ہوگا ور مانع میراث ہوگا۔ لہٰذا وہ دونوں دارالاسلام میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں ہاں جب دونوں ذمی ہو جائیں۔

شافعیہ کے نزدیک اختلاف دار میراث کے موانع میں سے نہیں۔ لیکن ان حضرات کا کہنا ہے حربی اور معاہد کے درمیان باہمی میراث نہیں۔ جو ذمی اور مستامن کو شامل ہے اس واسطے کہ ان دونون کے درمیان تعلق وموالات ختم ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔ اس بنا پر یہ حضرات پہلی قسم میں احناف کے موافق ہیں اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اختلاف دار مطلقاً مانع میراث ہیں۔ حربی ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں خواہ ان کے دیار متحد ہوں یا مختلف۔

جہاں تک قانون مصری کا تعلق ہے تو آرٹیکل (٦) میں اس کی صراحت ہے کہ اختلاف دار مسلمانوں کے درمیان مانع میراث نہیں

اور نہ غیر مسلموں کے لئے مانع ہے البتہ جب اجنبی دار کا قانون اپنے ہاں سے اجنبی کو میراث دینے سے روکے تو جدا بات ہے۔ یہ قانون اس قاعدے پر جاری ہے کہ اصل یہ ہے کہ دار کا مختلف ہونا غیر مسلموں کے درمیان مانع میراث نہیں جیسا کہ مالکیہ اور حنابلہ کہتے ہیں۔ ہاں یہ شرط ہے کہ اجنبی دار کا قانون اپنے ہاں سے اجنبی کو میراث دینے سے نہ روکے۔ اور اگر اس دار کی قانون سازی اجنبی کو میراث دینے سے روکے تو بدلے کا معاملہ کرتے ہوئے ہمارے ہاں اختلاف دار مانع میراث ہوگا۔

رہا قانون سوری تو آرٹیکل (۲۶۴) میں اس کی صراحت ہے "اجنبی کو میراث کے حق کی اجازت نہیں البتہ اگر اس کے علاقے کے قوانین اس طرح کی اجازت اہل شام کے لئے دیتے ہوں" اور یہ بات ادلے بدلے کا معاملہ کرنے سے لی گئی ہے جو افسوس کے ساتھ مسلمانوں کی مختلف قومیتوں کو شامل ہے جس کا کوئی فقیہ بھی قائل نہیں۔

اہل شام ترکوں کو وارث قرار نہیں دیتے اور ترک اہل شام کو وارث نہیں بناتے جو مقابلہ اور ادلے کا بدلہ پر عمل ہے۔ جو شرعاً ناجائز ہے کیونکہ یہ نص قرآن کے مخالف ہے "مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں" (الحجرات:۴۹/۱۰) لیکن جب لفظ اجنبی سے مقصود یہ مفہوم ہو کہ وہ غیر مسلم اور وہ غیر مسیحی ہے جو اسلامی علاقوں میں مقیم ہے تو پھر مخالفت نہیں۔ اس لئے کہ مسلمان اسلامی علاقوں میں اجنبی تصور نہیں ہوتا۔ جیسا کہ وہ غیر مسلم جو اسلامی علاقوں میں مقیم ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہیں۔ ❶

چھٹی فصل......ترکہ سے متعلقہ حقوق

ترکہ کی تعریف......لغت میں ترکہ اسے کہتے ہیں جسے کوئی شخص چھوڑتا اور باقی رکھتا ہے اور احناف کے علاوہ جمہور کی اصطلاح میں ترکہ ہر وہ چیز ہے جسے میت چھوڑ مرے جس میں اموال اور مطلقاً حقوق ثابتہ ہیں۔ یوں یہ منقولات و جائیداد جیسی مادی اشیاء اور حقوق عینیہ جیسے فوائد اٹھانے کے حقوق جو پانی کے بہاؤ یا سیرابی پر مشتمل ہیں۔

جیسے اجرت یا مانگے پر دی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانے کا حق اور شخصی حقوق جیسے حق شفعہ، اور خیار کا حق جیسے خیار شرط اسی طرح ان چیزوں کو شامل ہے جو ان چیزوں کا سبب بنے۔ اس کی وفات کے بعد شراب سے سرکہ بن جائے، اس نے کوئی جال لگایا جس میں اس کی موت کے بعد شکار پھنس گیا اسی طرح وہ دیت جو اس کے قتل میں لی جائے۔ شافعیہ کے نزدیک اصح قول کو بنیاد بناتے ہوئے کہ اس کی موت سے تھوڑی دیر پہلے اس کی ملکیت میں داخل تھی۔ ❷

احناف کے نزدیک ترکہ کی تعریف یہ ہے......وہ اموال اور حقوق مالیہ جن کا میت مالک ہو۔ جو مادی اموال جیسے جائیداد، منقولات، دوسروں پر قرضوں اور ان عینی حقوق کو شامل ہے جو مال نہیں۔ لیکن وہ مال کے ساتھ قائم اور اس کے ساتھ ملے ہوتے ہیں۔ جیسے سیرابی، پانی کے بہاؤ، گزرنے اور بلند ہونے کا حق، اور دین کیونکہ ورثاء اس قرض کے وارث ہوتے ہیں جو اپنے رہن کے ساتھ بندھا ہوا ہو۔

اعیان کے اختیارات......جیسے خیار عیب، خیار تعیین، کسی چیز میں پسندیدہ خوبی کے نہ ہونے کا اختیار۔ ان کے نزدیک (ترکہ) شخصی اختیارات کو شامل نہیں جیسے خیار شرط، خیار رؤیت اور حق شفعہ اس واسطے کہ یہ ایسے حقوق ہیں جن کا تعلق فوت ہونے والے شخص سے ہے نہ کہ اس کے مال کے ساتھ۔ اسی طرح منافع کو شامل نہیں جیسے اجرت پر دینا اور مانگے پر دینا، کیونکہ موت کی وجہ سے عقد ختم

❶......الاحوال الشخصية، الجزء الثالث: المواريث للدكتور مصطفى السباعي: ص ۴۹۔ ❷رد المحتار: ۵/۵۳۸۔

ہو گیا نیز متقدمین حنفیہ کے ہاں منافع مال نہیں۔ اور نہ وصیت قبول کرنے کو شامل ہے، لہٰذا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے اس کے مرنے کی وجہ سے وصیت لازم ہوگی یعنی اس کے قبول کرنے یا رد کرنے سے پہلے، تردید نہ کرنا قبول شمار کیا جائے گا۔

احناف ترکہ کا احاطہ صرف اس مال یا حق میں کرتے ہیں جس کا مال کے ساتھ تعلق ہو۔ جو چیز ان کے ہاں وراثت ملتی ہے وہ مالی چیزیں ہیں۔ رہے حقوق تو ان میں سے کچھ میراث میں ملتے ہیں جیسے مبیع اور رہن کو روکنے کا حق، اور بعض میراث میں نہیں ملتے جیسے حق شفعہ، خیار شرط، حد قذف اور شادی کرانے کا حق۔ اسی طرح قبول کرنے کا اختیار، اجارۃ کا اختیار اور فضولی کی بیع میں اجارۃ اور مدت میراث میں نہیں ملتے۔ ولایات، عاریت پر دی گئی چیزیں، امانتیں اور ہبہ سے رجوع کرنے کی میراث نہیں ملتی۔ رہا خیار عیب، خیار تعیین، قصاص، خیار رؤیت اور خیار وصف تو میراث میں ملتے ہیں۔

رہے وہ حقوق جو ترکہ سے تعلق رکھتے ہوں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ❶

پہلی قسم: زندگی میں ان سے غیر کا تعلق ہو...... اسے ترکہ نہیں کہا جاتا، تو اسے تجہیز سے مقدم رکھا جائے گا کیونکہ مال کے ترکہ بننے سے پہلے اس کا مال سے تعلق ہے جنہیں میت چھوڑ مرے۔ جیسے مبیع کو حوالہ کرنے میں بائع (بیچنے والے) کا حق، اور رہن رکھی ہوئی چیز میں جس کے پاس رہن رکھا ہے اس کا حق، احناف کے نزدیک یہ بھی اس کی طرح ہے:

مستاجر کا حق جس کو اجرت جلد دے دی کیونکہ جس چیز کی اجرت دی اس کا وہ اجرت کی مدت ختم ہونے تک زیادہ حق دار ہے یا اسے وہ اجرت واپس کر دی جائے جو اس نے جلد ادا کی ہے۔ کیونکہ اجرت پر لینے والا جب اجرت و کرایہ جلد دے دے اور پھر اجرت پر دینے والا مر جائے، تو وہ گھر اجرت پر ہو جائے گا۔

دوسری قسم: ان سے غیر کا حق متعلق نہ ہو...... جیسے ترکہ کہا جاتا ہے جس کے ساتھ مندرجہ ذیل چار حقوق کا تعلق ہوتا ہے۔

میت کی تجہیز و تکفین...... مالکیہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عرف کے مطابق میت کی تجہیز و تکفین سے ابتدا کرنا جو اس کی وسعت و تنگدستی کے مناسب ہو واجب ہے۔ یا احناف کے نزدیک بغیر فضول خرچی اور کوتاہی کے اس کا آغاز کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ یہ ان ضروری امور میں سے ہے جن سے میت کا حق متعلق ہے تاکہ اسے قبر میں رکھ کر اس کی انسانی عزت و حرمت کی حفاظت کی جا سکے۔ جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے'' (الفرقان ۲۵/ ۶۷)

اور یہ تجہیز و تکفین سنت کے مطابق عدد کے اعتبار سے ہوگی (مرد کے لئے تین کپڑے اور عورت کے لئے پانچ) اور اتنی قیمت کی مقدار جتنی قیمت کا لباس وہ زندگی میں پہنتا تھا اس کے درمیانے کپڑوں سے ان سے نہیں جو وہ جمعوں اور عیدین میں پہنتا تھا۔

اسی طرح ورثا خصوصاً کم سنوں کے حال کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

مطلوبہ تجہیز...... جس میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کی میت کو موت سے لے کر اس کی قبر میں دفن کرنے تک ضرورت ہوتی ہے جیسے اس کے غسل، کفن، چارپائی اٹھانے، دفن کرنے اور قبر کھودنے کے اخراجات۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''اسے اس کے دونوں کپڑوں میں کفنا دو'' ❷ جسے حج کے موقع پر اس کی اونٹنی نے گردن کے بل مار گرایا تھا۔ اور آپ نے یہ نہیں پوچھا: آیا اس پر قرض ہے یا

---

❶ شرح السراجیة ص ۷.۳ الدر المختار وردالمحتار: ۵/ ۵۳۵. ۵۳۷ الشرح الصغیر ۶/۴ ۱۱۰.۶۱۱ القوانین الفقهیة: ص ۳۸۳، مغنی المحتاج: ۳/ ۳.۴، کشاف القناع ۴/ ۴۴۷. ❷ رواه البخاری ومسلم.

نہیں۔ کیونکہ اس وقت اسے اس کی ضرورت تھی۔

تجہیز کا بندوبست ترکہ سے کیا جائے گا اگر میت کا ترکہ نہ ہو تو کفنانا اس پر واجب ہے جس پر زندگی میں اس کا نان نفقہ واجب تھا۔ اسی طرح اس شخص کی تجہیز وتکفین مقدم کی جائے گی جو اس سے پہلے فوت ہوا ہو خواہ لمحہ بھر پہلے فوت ہوا ہو۔ اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جن کا خرچ اس پر لازم ہو جیسے والد، بیٹا، بیوی اور بیوی کی خادمہ۔ شافعیہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک (اور احناف کے نزدیک ان کا قول مفتی بہ ہے) طلاق بائن والی حاملہ اور طلاق رجعی والی عورت بیوی ہونے میں داخل ہے۔

اس لئے کہ بیوی کا نفقہ خاوند پر لازم ہے اور اس کی تجہیز کا سامان کرنا اس کے خرچ میں شامل ہے۔ امام محمد بن الحسن، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا قول ہے: خاوند پر بیوی کی تجہیز وتکفین مطلقاً لازم نہیں اگرچہ وہ تنگدست ہو اس لئے کہ موت کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہو گیا، اور اس کی تجہیز کا بندوبست خود اسی کے مال یا اس کے رشتہ داروں کے مال سے کیا جائے گا۔ میرے نزدیک ادب عرف اور تعلقات زن وشوئی کے لحاظ سے ناقابل قبول ہے۔

ہمارے موجودہ دور میں لوگوں نے جو بدعات وخرافات نکال لی ہیں جن میں غمی کی محفلیں، میت کے ساتھ چلنے کے مجمعے، جمعرات، جمعوں، چالیسواں اور سال بنانے کے پروگرام اور تلاوت واذکار جو ختم پڑھنے والے کرتے ہیں انہیں جو کچھ دیا جاتا ہے اسے تجہیز کے اخراجات میں نہیں شمار کیا جائے گا۔ یہ ساری بدعات ہیں۔ ترکہ میں سے ان پر خرچ کرنا ناجائز ہے۔ جو بھی ترکہ میں سے ان امور پر کچھ خرچ کرے گا وہ خود ضامن ہوگا اگر وہ وارثوں میں سے ہے تو اس کے خاص مال سے ہوگا اور اگر اجنبی ہے تو تبرع وخیرات ہوگا جب ترکہ قرض ہو تو قرض دینے والوں پر ان کی رضامندی کے بغیر نہیں خرچ کیا جائے گا۔ قرضوں پر تجہیز کے اخراجات کو مقدم کرنا حنابلہ کا مذہب ہے۔ احناف اور شافعیہ نے تجہیز کے اخراجات سے قرضوں کی ادائیگی کو مقدم رکھا ہے جب کہ مالکیہ نے تجہیز سے اس قرض کو مقدم رکھا ہے جس کی توثیق رہن کے ساتھ ہو۔ العذب الفائض: ۱/ ۱۴ میں ہے: امام احمد کے علاوہ جمہور نے ان حقوق کو تجہیز سے مقدم رکھا ہے جن کا تعلق عین ترکہ کے ساتھ ہو۔

میت کے قرضوں کی ادائیگی:

تجہیز کے بعد میت کے باقی ماندہ تمام مال...... سے اس کے قرضے [1] ادا کئے جائیں کفن اور اس کے لوازمات سے اس کے متاخر (بعد میں) ہونے کا سبب یہ ہے کہ کفن اس کی وفات کے بعد کا لباس ہے جیسے اس کی زندگی میں لباس ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ مقروض شخص کے کپڑے فروخت نہیں کئے جاتے جب اسے کمائی کرنے کی دسترس ہو اور وصیت سے مقدم رکھا جائے گا۔ اگرچہ آیت میں وصیت کا ذکر اس سے مقدم ہے۔'' جس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصیت سے پہلے قرض کی ادائیگی سے آغاز کرتے تھے۔'' [2] وصیت کو مقدم رکھنے کی حکمت یہ ہے: تا کہ اس کا اہتمام رہے اور اس میں تفریط اور کوتاہی نہ ہو۔ کیونکہ یہ بلاعوض لینے میں میراث کے مشابہ ہے اس بنا پر وارثوں کے لئے اسے نکالنا (نافذ کرنا) گراں ہوتا ہے۔ تو اس کی ادائیگی کی ترغیب دینے کے لئے قرض کے ساتھ اسے مقدم رکھا گیا اور اس بات کی تنبیہ کرنے کے لئے کہ وجوب ادا میں یہ قرض کی طرح ہے۔ رہا قرض تو قرض دہندگان کے دل میں اس کی ادائیگی کا اطمینان ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ قرآنی نظریے میں وصیت کو قرض سے مقدم رکھنے کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

---

[1] ......دین وہ شے ہے جو ذمہ میں واجب ہو۔ [2] رواہ الترمذی وروی عن علی انہ قال: ''الدین قبل الوصیۃ ولیس لوارث وصیۃ۔''

اول.....وصیت کی لزومیت قرض سے کم ہے۔اس کے اہتمام کی وجہ سے اسے مقدم رکھا گیا اور قرض کو مؤخر کیا گیا کیونکہ وہ نادر ہوتا ہے کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔لہٰذا اس سے آغاز کیا گیا جو ضروری ہے اور جو کبھی کبھی ہوتا ہے اسے معطوف کیا گیا۔''او'' کے ذریعہ عطف کو مضبوط کیا گیا۔اگر قرض مقرر ہوتا تو عطف واؤ کے ساتھ ہوتا تھا۔

دوم.....وصیت کو اس لئے مقدر رکھا کیونکہ یہ کمزور مسکینوں کا حصہ ہے جب کہ قرض قرض خواہ کا حصہ ہے جس کا مطالبہ وہ قوت سے کرتا اور اسے اس میں بولنے کی اجازت بھی ہے۔

سوم.....وصیت کمزور مسکینوں کا حصہ ہے جب کہ قرض کی ادائیگی ثابت شدہ ہے خواہ اس نے ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

چہارم.....قرض کو وصیت سے مقدم رکھنا ظاہر ہے کیونکہ قرض کی ادائیگی مقروض پر فرض ہے جس کی ادائیگی پر زندگی میں اسے مجبور کیا جائے گا۔وصیت ایک نفلی چیز ہے اور فرض کا درجہ زیادہ ہوتا ہے۔

امام ابوصنیفہ رحمہ اللہ..... کے نزدیک جس قرض کی ادائیگی واجب ہے وہ یہ ہے.....جس کا مطالبہ کرنے والا بندوں کی طرف سے ہو رہے اللہ تعالیٰ کے قرضے جیسے زکوٰۃ اور کفارے تو اس وقت تک ورثاء کے ذمہ واجب الاداء نہیں جب تک میت نے ان کی وصیت نہ کی ہو۔بہرکیف قرضوں کی چار قسمیں ہیں:

ا.....وہ قرضے جن کا تعلق اعیان کے ساتھ ہو جیسے وہ قرض جس کا تعلق رہن میں رکھی ہوئی چیز سے ہو۔جب میت کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو۔تو میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے تجہیز وتکفین سے مقدم رکھا جائے گا جب کہ قانون میں حنابلہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے تجہیز سے مؤخر رکھا جائے گا۔

۲: اللہ تعالیٰ کے قرضے..... جیسے زکوٰۃ، کفارہ اور نذریں منتیں، تو احناف کے نزدیک موت کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ ورثاء پر میت کی طرف سے ان کی ادائیگی واجب نہیں البتہ جب میت نے ان کی وصیت کی ہو تو اس کا نائب بن کر اس کے ترکہ سے ادا کئے جائیں گے تو اس کے مال میں سے صرف تہائی حصے سے ادا کئے جائیں گے۔

جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا کہنا ہے: یہ قرضے واجب الاداء اور ترکہ سے متعلق ہیں اگرچہ میت نے ان کی وصیت نہ کی ہو، ادا کئے جائیں گے۔یہ رائے ذمہ داری سے بری کرنے میں بہت صحیح ہے۔

۳.....بندوں کے دیون قرضے یا میت کے وہ قرضے جو حالت صحت میں اس کے ذمہ لازم تھے۔بیماری کے قرض سے مقدم ہوں گے۔صحت کے قرضے ایک درجہ میں ہیں اگرچہ ان کے اسباب مختلف ہوں جیسے قرض، مہر، اجرت وکرایہ وغیرہ جو کسی دوسری چیز کا بدل ہو کر ذمہ میں واجب ہو۔

صحت کا دین..... جو دلیل یا صحت کے زمانہ میں اقرار کرنے یا بیماری کے وقت کے اقرار کرنے سے ثابت ہو اور اس کا ثابت ہونا معائنے کے ذریعے معلوم ہوا ہو، جس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو اس کا سبب معلوم ہو جیسے دوا وغیرہ کی قیمت (فیس) یا کسی ایسی چیز کا بدل فراہم کرنا جسے اس نے ضائع کر دیا ہو۔

بیماری یعنی مرض الموت کا دین..... جو مقروض کے مرض الموت میں اقرار کرنے سے ثابت ہو۔اور یہ صحت کے دین سے کمزور ہے کیونکہ مریض کے اقرار کے کمزور ہونے کی وجہ سے۔

مالکیہ کے نزدیک حقوق العباد، حقوق اللہ سے مقدم رکھے جائیں گے اور شافعیہ کی ہاں معاملہ اس کے برعکس ہے جیسا کہ میں

وضاحت کروں گا۔ جب کہ احناف کے نزدیک حقوق اللہ ساقط ہو جاتے ہیں ادا نہیں کئے جائیں گے۔

۴: بیماری کے وہ دیون جو میت پر اقرار کی وجہ سے لازم ہوں اور لوگوں کو ان کا علم نہ ہو:

انہیں صحت کے دیون سے مؤخر رکھا جائے گا اس واسطے کہ مرض الموت کا اقرار تبرع ومحاباۃ کا شبہ رکھتا ہے لہٰذا یہ وصیتوں کے حکم میں ہوں گے جو تہائی مال سے ادا اور نافذ کی جاتی ہیں۔ اور وہ بھی دیون سے مؤخر ہوتی ہیں۔

جمہور نے صحت اور بیماری کے دیون میں کوئی فرق نہیں کیا، یہ ایک مرتبہ میں ہیں اس لئے کہ اگر ان کا سبب لوگوں کے ہاں مشہور ہو تو احناف کی رائے کے مطابق انہیں صحت کے دیون کے ساتھ ملایا جائے گا۔ اور اگر ان کا سبب معروف نہ ہو تو ان کو ثابت کرنے کے لئے اقرار کافی ہے۔ اس لئے کہ اقرار ایسی دلیل ہے جو لازم کرنے والی ہے، لغو نہیں ہوتی البتہ جب اسے باطل کرنے یا جھٹلانے والی کوئی بات ثابت ہو جائے۔ قانون مصری (م ۴) اور سوری (م ۲۳۸) نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے اور دیون میں فرق نہیں کیا اور بلا تفصیل مطلقاً انہیں مقدم رکھا ہے دیون میں دوسرے مذاہب کی آراء کا بیان کرنا بہتر ہے ہر رائے علیحدہ علیحدہ بیان کی جائے۔

مالکیہ...... ❶ فرماتے ہیں: میت کے ترکہ میں سے اس حق سے آغاز کیا جائے گا جس کا تعلق ذات سے ہو جیسے رہن میں رکھی ہوئی چیز پھر تجہیز کے اخراجات پھر قرضوں کی ادائیگی کی جائے گی۔ رہی وصیتیں تو اصل مال میں سے قرضوں کی ادائیگی کو وصیتوں سے مقدم رکھا جائے گا۔ یعنی اس کا وہ دین جو کسی آدمی کا اس کے ذمہ ہو خواہ اس کا وقت ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو، کیونکہ مقروض کی موت ہونے سے قرض کا وقت ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد حج تمتع کی ہدی کو مقدم رکھا جائے گا خواہ اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو پھر وہ فطرانہ جس میں اس نے کوتاہی کی ہو اور ان کفاروں کو مقدم رکھا جائے گا جن کا اس نے اپنی صحت میں کسی کو گواہ کر لیا ہو کہ وہ اس کے ذمہ میں یا اس نے صرف وصیت کی ہو۔ نقد کی زکوٰۃ کو جس کا وقت ہو گیا ہو اور اس نے وصیت بھی کی ہو ان کفاروں کی طرح شمار کیا جائے گا جن پر اس نے گواہ کر لئے ہوں۔

حاصل...... یہ ہوا فطرانے کی زکوٰۃ جس میں اس نے کوتاہی کی اور وہ کفارہ جو اس پر لازم ہے وہ قسم، روزے، ظہار اور قتل کے کفارہ کی طرح ہے۔ بشرطیکہ اس نے اپنی صحت میں کسی کو گواہ کر لیا ہو کہ وہ اس کے ذمہ نہیں تو یہ دونوں اصل مال سے نکالے جائیں گے خواہ ان دونوں کی ادائیگی کی اس نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، اور ان دونوں کی طرح وہ زکوٰۃ ہے جس کی ادائیگی کا وقت ہو گیا ہو۔

شافعیہ ❷ کا قول ہے...... جو دیون میت کے ذمہ ہیں انہیں اصل مال سے ادا کیا جائے گا خواہ میت نے ان کی ادائیگی کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس پر لازم ہوں یا کسی آدمی کے لئے، اس واسطے کہ یہ حقوق اس پر واجب ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا دین (قرض) مقدم رکھا جائے گا جیسے زکوٰۃ، کفارہ اور حج اور آدمیوں کا دین مؤخر ہو گا یہی زیادہ صحیح روایت ہے۔ جس دین کا تعلق عین ترکہ سے ہو اسے تجہیز وتکفین کے اخراجات سے مقدم رکھا جائے گا۔ جیسے مال کی زکوٰۃ جو اس میں واجب ہوئی۔ اس لئے کہ یہ رہن میں رکھی ہوئی چیز کی طرح ہے اور مرہون سے مرتہن کے حق کے تعلق کی وجہ سے اور مبیع ذمہ میں ثمن کی وجہ سے جب خریدار اس کے ثمن میں مفلسی کی حالت میں فوت ہو جائے۔ تو تعلق والے کے حق کو دوسرے کے حق سے مقدم رکھا جائے گا۔ جیسا کہ زندگی میں ہوتا ہے اور یہ قول احناف کی سابقہ رائے کے مطابق ہے۔

---

❶ ......الشرح الصغیر مع حاشیة الصاوی: ۴/۷۱۶ وما بعدها۔ ❷ مغنی المحتاج: ۳/۳۔۴۔

حنابلہ ❶ فرماتے ہیں...... دستور کے مطابق تجہیز وتکفین کے اخراجات سے جو مال بچ جائے اس سے میت کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔ خواہ اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو۔ ان میں سے ان قرضوں سے ادائیگی کا آغاز کیا جائے گا جن کا تعلق عین مال سے ہو جیسے رہن کی وجہ سے قرض یا جنایت (جرم) کرنے والے کی گردن پر جنایت کا تاوان ہو، پھر وہ قرضی جو ذمہ میں ہوں خواہ اللہ تعالیٰ کے ہوں جیسے زکوٰۃ، صدقۂ فطر، کفارات، واجب حج اور نذر خواہ آدمیوں کے ہوں جیسے وہ دیون جن کا تعلق قرض، ثمن، اجرت اور انعام جو ذمہ وغیرہ میں مقرر ہو گئے ہوں۔ اور سال کے بعد دیت اور جنایات کا تاوان (جو ان کے عوض میں بنتا ہے) غصب شدہ چیزوں کی چٹی اور تلف کردہ چیزوں کی قیمتیں وغیرہ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت سے پہلے قرض کا فیصلہ فرمایا اور اگر مال کم پڑ جائے تو اس کے حصے بنالیں۔

۳: میت کی وصیتیں نافذ کی جائیں...... سابقہ حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی مال کے تہائی میں سے نہ کہ اصل مال کی تہائی سے وصیتیں پوری کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' جب کہ وصیت جو کی گئی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہوا دا کردیا جائے'' (النساء: ۴/۱۱) اس لئے کہ پہلے امور ذکر ہوئے ان میں صرف کرنا اس کی ان ضروریات میں سے تھا جو ناگزیر ہیں۔ باقی وہ میت کا مال ہے جس میں شریعت نے اسے تہائی تک میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے اس سے زائد میں اس کی وصیتیں نہیں پوری کی جائیں گی ہاں اگر ورثاء اجازت دیں، خواہ جس کے لئے وصیت کی ہے وہ اجنبی ہو یا خود کوئی وارث ہو، پھر اگر ورثاء اجازت دے دیں تو پوری کردی جائیں گی، اور اگر کچھ اجازت دیں اور کچھ نہ دیں تو اجازت دینے والے کے حصہ کی مقدار میں نافذ ہوں گی دوسروں کے مال میں سے نہیں۔ جیسا کہ مطلقاً وارث کے لئے کی جانے والی وصیت نہیں پوری کی جاتی ہاں جب ورثاء اجازت دے دیں خواہ تہائی سے کم ہو یا زیادہ۔

وصیت میراث سے مقدم ہوگی خواہ مطلق ہو جیسے ترکہ کے مشترکہ حصے کے بارے میں ہو جیسے ثلث یا ربع یا مقرر ہو جیسے ترکہ میں سے کسی چیز کے بارے میں ہو جیسے کوئی معلوم گھر یا مقررہ مقدار کی نقدی ہو۔ یہ صورت تو اختیاری وصیت کے متعلق تھی رہی وہ وصیت جو واجب ہوتی ہے جسے مصری قانون نے (م ۷۶) اپنایا ہے اور وہ والد کی زندگی میں فوت ہونے والے کی اولاد کے بارے میں ہے اور قانون سوری (م ۲۵۷) نے اپنائی ہے جو باپ کی زندگی میں فوت ہونے والے بیٹے کی اولاد کے لئے ہے نہ کہ بیٹی کی اولاد کے بارے میں اسے قرض کی ادائیگی کے بعد اختیار وصیت سے مقدم رکھا جائے گا۔

احناف کے نزدیک حقوق اللہ اور حقوق العباد میں وصیتوں کی ترتیب...... احناف کی رائے ہے کہ اگر وصیت اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کے متعلق ہو تو قرض اس سے مقدم رکھا جائے گا کیونکہ دین اس سے قوی تر ہے اور اگر وصیت اس زکوٰۃ کے متعلق ہو جو اس قرض کے برابر ہو جس کی ادائیگی کے لئے قید کر کے مجبور کیا جا سکتا ہو تو وہ دین زیادہ قوی ہے اس لئے کہ قاضی جونہی مقروض کا وہ مال پائے گا جو دین کی جنس میں سے ہو تو اسے مقروض کی رضامندی کے بغیر وصول کر کے قرض دینے والے کو دے دے گا۔ جب کہ زکوٰۃ میں اسے لینے کی اجازت نہیں اگرچہ اس کی جنس کی کوئی چیز مل جائے۔

اور اگر وصیت زکوٰۃ کے علاوہ کسی عمل کے بارے میں ہو جیسے اسلام کا حج، نذر اور کفارہ، تو بندوں کا قرض اس سے بھی مقدم ہے اگر فرض ہونے میں دونوں یکساں نہیں اس لئے کہ قید کے ذریعے اس کی ادائیگی پر اسے مجبور کیا جائے گا اور ان فرائض میں سے کسی کی ادائیگی پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لہٰذا دین (قرض) زیادہ قوی ہوا۔

---

❶ ...... کشاف القناع: ۴/۷۴۴۔

اگر کسی چیز میں حق اللہ اور حق العباد اکٹھے ہو جائیں جیسے ترکہ، اور اس سے ان دونوں کو پورا کرنا مشکل ہو تو بندوں کا حق ان کی محتاجی کی وجہ سے مقدم ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی اور کریم ہے۔

اور اگر قرض اللہ تعالیٰ کا حق ہو......اگر تو میت نے اس کی وصیت کی ہو تو اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو بندوں کا حق تھا۔ اسے باقی ماندہ تہائی مال سے نافذ کرنا واجب ہے۔ اور اگر وصیت نہ کی ہو تو واجب نہیں۔ جس کی کئی نمازیں رہ گئی ہوں اور اس نے وصیت کی ہو کہ اس کی طرف سے کھانا کھلایا جائے تو وارثوں پر لازم ہے کہ اس کے تہائی مال سے کھانا کھلائیں۔ ہر نماز کے لئے گندم کا نصف صاع (دوسیر سات چھٹانک دوتولے) اسی طرح وتر کے لئے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وتر واجب ہیں۔ اور اگر سفر یا بیماری کی وجہ سے رمضان کا روزہ رہ گیا ہو اور باوجود قدرت قضاء کے، قضا کئے بغیر فوت ہو گیا اور کھانا کھلانے کی وصیت کر گیا تھا تو ورثاء پر لازم ہے کہ تہائی مال سے کھانا کھلائیں، ہر دن کے بدلے گندم کا نصف صاع۔ اور اگر حج کی وصیت کر گیا ہو تو تہائی میں سے ہی ادا کیا جائے گا۔

۴۔ ورثاء کا حق......سابقہ حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی ماندہ مال وارثوں میں ان کے مراتب کے لحاظ سے تقسیم کیا جائے گا ورثاء وہ ہیں جن کا میت سے نسب یا تعلق ثابت ہو اور وہ میراث کے حق دار ہوں اور ان کا حصہ کتاب، سنت یا اجماع سے ثابت ہو۔

قانون میں ترکہ سے متعلقہ حقوق کی ترتیب......قانون مصری نے (م ۴) اس کی وضاحت کی ہے کہ مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق حقوق کی ادائیگی ترکہ سے کی جائے گی۔

اول......جو میت کی تجہیز وتکفین کے لئے کافی ہو اور جس کا موت سے دفن تک کا خرچ اس پر لازم ہے۔

دوم......میت کے قرضے۔

سوم......جس کی اس نے وصیت کی اس مد میں جس میں وصیت پوری کی جا سکے۔

چہارم......باقی ماندہ ورثاء پر خرچ ہوگا، اگر ورثاء نہ ہوں تو ترکہ میں سے مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق صرف ہوگا۔

اول......اس شخص کا دوسرے سے زیادہ استحقاق ہوگا جس کا میت نے نسبی رشتہ دار ہونے کا اقرار کیا ہو۔

دوم......جو وصیت اس نے وصیت پوری ہونے کی مقدار سے زائد میں کی ہو۔

جب ان میں سے کوئی نہ پایا جائے تو ترکہ یا باقی ماندہ خزانہ عام کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

یہ ملحوظ رہے کہ قانون نے جمہور کے خلاف، حنابلہ کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے۔

میت کی تجہیز کو تمام حقوق سے مقدم رکھا ہے اس لئے کہ مقروض کی زندگی میں اس کی ضرورت سے زائد سامان سے اس کا قرض ادا کیا جاتا ہے لہٰذا اس کا گھر اور کپڑے نہیں بیچے جاتے یہی حال اس کی وفات کے بعد کا ہے اس کے دیون کی ادائیگی تجہیز سے بچ جانے والے مال سے کی جائے گی۔

دونوں آراء میں اختلاف کا ثمرہ رہن میں رکھی ہوئی چیز میں ظاہر ہوگا جب اس کا مالک اسے چھوڑ مرے اور وہ اس کے دیون کی ادائیگی کے لئے ناکافی ہو، چنانچہ مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ دین (قرض) کی ادائیگی کو مقدم رکھتے ہیں اور تجہیز وتکفین کی ذمہ داری میت کے رشتہ داروں، یا موجود مسلمانوں یا بیت المال پر ڈالتے ہیں جب کہ حنابلہ تجہیز کو مقدم رکھتے ہیں اسی طرح مالکیہ ان عمومی قرضوں پر تجہیز کو مقدم رکھتے ہیں جو رہن کے عوض نہ ہوں۔

قانون سوری (م ۲۶۲) نے درج ذیل کی صراحت کی ہے:

ترکہ سے اس ترتیب کے مطابق ادائیگی ہوگی:

الف..... جو میت کی تجہیز کے لئے کافی ہو اور جس کا موت سے دفن تک کا خرچ شرعی مقدار میں اس پر لازم ہے۔

ب..... میت کے قرضے۔

ج..... واجب وصیت۔

د..... اس قانون میں میراثیں اپنی ترتیب کے مطابق۔

ساتویں فصل.....وارثوں کی قسمیں، تعداد اور ان کے مراتب و مذاہب میں انہیں میراث دینے کا طریقہ

اول: ورثاء کی قسمیں..... جس میراث پر اجماع ہے اس کی دو قسمیں ہیں: یا تو وہ فرض کے ذریعہ ہوگی یا عصبہ بنانے کی وجہ سے، حنفیہ اور حنابلہ نے رشتہ داری ❶ کی وجہ کو بھی شامل کیا ہے۔

فرض کے ذریعہ میراث..... تو متعین حصہ کا مستحق ہونا ہے جو کتاب اللہ تعالیٰ یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع سے مقرر کیا گیا ہو۔

عصبہ بنانے کی وجہ سے میراث..... تو وہ اس مال کا مستحق ہونا ہے جسے فرائض باقی چھوڑیں یا اصحاب فرائض کی عدم موجودگی میں سارے ترکہ کا مستحق ہونا۔ پہلے کو دوسرے سے مقدم رکھا جائے گا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے ''فرائض کو ان کے حق داروں کے ساتھ ملاؤ اور جو مال فرائض باقی چھوڑیں تو وہ زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے۔''

آدمی کبھی صرف فرض کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور وہ لوگ چھ ہیں: (۱) ماں، (۲) دادی، (۹۳ خاوند، (۴) بیوی، (۵) ماں شریک بھائی، (۶) ماں شریک بہن۔ اور کبھی صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے میراث پاتا ہے اور وہ بیٹا، پوتا، سگا بھائی، باپ شریک بھائی چچا، بھتیجا، چچازاد، مولیٰ اور موالاۃ والے ہیں۔

اور کبھی فرض کے ذریعے اور کبھی عصبہ ہونے کے ذریعے میراث حاصل کرتا ہے (لیکن) یہ دونوں اکٹھے نہیں ہو سکتے اور عورتوں میں سے ان کی چار قسمیں ہیں: (۱) بیٹی، (۲) پوتی، (۳) سگی بہن، (۴) باپ شریک بہن۔ اور اگر ان کے ساتھ انہی کی صنف کا کوئی مرد ہو تو عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ وارث ہوں گی مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے جتنا حصہ ہے اور اگر ان کے ساتھ مرد نہ ہو تو فرض کی وجہ سے وارث ہوں گی سگی بہنیں اور باپ شریک بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوں گی۔

اور کبھی فرض کی وجہ سے اور کبھی عصبہ ہونے کی وجہ سے میراث پاتا ہے اور یہ دونوں یکجا ہوتے ہیں، اور ایسے فرد دو ہیں۔ باپ اور دادا، ان میں سے ہر ایک اپنے حصہ کا وارث ہوگا اور اگر حصہ داروں کے بعد کوئی چیز بچ جائے تو عصبہ ہونے کی وجہ سے اسے وصول کرلے گا۔

رہی وہ میراث جو رشتہ داری کی وجہ سے ملتی ہے تو احناف وحنابلہ کے نزدیک تو وہ عصبات اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی کے وقت مستحق ہونا ہے۔ حنابلہ نے اصحاب الفروض میں سے میاں بیوی کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: کہ خاوند بیوی کے علاوہ عصبات اور

❶.....الکتاب مع شرح اللباب ۴/۱۸۶۔۱۸۷، القوانین الفقهیة ص ۳۴ الرحبیة ص ۲۱۔۲۳ المغنی: ۶/۲۱۳۔

اصحاب الفروض کی عدم موجودگی کے وقت رشتہ دار وارث ہوگا۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک مشہور اور شافعی مسلک کی اصل یہ ہے، کہ: نہ رشتہ دار وارث ہوں گے اور نہ اہل فرض پر رد ہوگا بلکہ بیت المال میں مال جمع ہو جائے گا۔

متاخرین شافعیہ نے زوجین کے علاوہ اہل فروض سے جو مال بچ جائے تناسب سے اہل فرض پر اس صورت میں رد کا فتویٰ دیا ہے جب بیت المال کا انتظام نہ ہو اور اگر اہل فرض نہ ہوں تو رشتہ داروں پر صرف کیا جائے گا۔ اسی طرح متاخرین مالکیہ کا قول ہے: ذوی الفروض پر رد ہوگا اگر وہ نہ ہو تو رشتہ داروں پہ۔

ثانی: ورثاء کی تعداد...... فقہاء نے مردوں عورتوں ❶ میں سے ورثاء کا احاطہ کر کے فرمایا: مردوں میں سے جن کے وارث ہونے پر اجماع ہے ان کی تعداد دس ہے مختصراً وہ یہ لوگ ہیں:

بیٹا، پھر پوتا نیچے تک۔ باپ، دادا اوپر تک، بھائی، بھتیجا، چچا، چچازاد خاوند مولیٰ نعمت یعنی آزاد کرنے والا۔

اور تفصیل سے یہ لوگ پندرہ ہیں...... بیٹا، پوتا نیچے تک، باپ، دادا اوپر تک سگا بھائی، باپ شریک بھائی، ماں شریک بھائی، سگے بھائی کا بیٹا، باپ شریک بھائی کا بیٹا، سگا چچا، باپ کا چچا، سگے چچے کا بیٹا، باپ کے چچے کا بیٹا، خاوند آزاد کرنے والا، ان مردوں کے علاوہ رشتہ دار مرد ہوں گے۔

اور خواتین ورثاء جن کی میراث پانے پر اجماع ہے سات ہیں مختصراً یہ: بیٹی، پوتی خواہ نیچے تک، ماں، (دادی) نانی خواہ اوپر تک، بہن، بیوی مولاۃ نعمت یعنی آزاد کرنے والی خاتون۔ اور تفصیل سے ان کی تعداد دس بنتی ہے:

بیٹی، پوتی، نانی، دادی، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، بیوی اور آزاد کرنے والی خاتون اور ان کے علاوہ رشتہ دار خواتین۔

ثالث: ورثاء کے مراتب...... تجہیز وتکفین، قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کو پورا کرنے کے بعد ترکہ میں سے باقی ماندہ کو ورثاء کے درمیان اس ترتیب سے تقسیم کیا جائے گا۔

الف: اصحاب الفروض...... یہ وہ لوگ ہیں جن کے حصے کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اجماع سے مقرر ہیں۔ خواہ وہ نسبی رشتہ دار ہوں یا سببی ہوں اور ان کی تعداد بارہ ۱۲ بنتی ہے۔

نسبی تو یہ ہیں...... تین مرد اور سات عورتیں اور سببی دو ہیں، خاوند اور بیوی تین مرد یہ ہیں: باپ دادا اور ماں شریک بھائی۔

اور سات عورتیں یہ بنتی ہیں...... بیٹی، پوتی، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، ماں اور جدہ (دادی، نانی)۔

ذوی الفرض وہ شخص ہوتا ہے جس کا حصہ شرعاً مقرر ہو جس میں رد کے ذریعہ اضافہ اور عول کے ذریعہ کمی ہوتی ہے۔

۲۔ نسبی عصبات...... وہ باپ کی طرف مرد رشتہ دار ہوتے ہیں جنہیں اصحاب الفروض کے بعد ترکہ میں سے باقی ماندہ ملتا ہے اور اگر صاحب فرض بالکل نہ ہو جیسے بیٹا، باپ، سگا بھائی، یا ماں شریک بھائی، سگا چچا یا باپ کا چچا تو سارا ترکہ لے لیتے ہیں۔ نسبی عصوبت سببی عصوبت سے زیادہ قوی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ نسبی اصحاب الفروض پر رد ہوتا ہے نہ کہ اصحاب فروض سببی پر یعنی خاوند بیوی۔

---

❶...... الدرالمختار: ۵/۵۳۸۔۵۴۱، السراجیۃ ص۷۔۱۱ الشرح الصغیر ۴/۶۱۹/۶۳۰ مغنی المحتاج ۳/۸۔۵ الرحبیۃ ص ۲۳۔۳۸ المغنی ۶/۲۰۱، ۲۳۱، ۲۳۶۔

۳۔عصبہ سببی ......وہ آزاد کردہ شخص ہے (یا مولی العتاقہ) مرد ہو یا عورت اس لئے کہ جو غلام یا لونڈی کو آزاد کرتا ہے اس کے لئے ولاء ہوتی ہے اور اگر فوت ہونے والی کا عصبہ نسبیہ نہ ہو تو وہ اس کے ذریعہ اس کا وارث ہوگا اور اصحاب الفروض کے بعد باقی ماندہ ترکہ وصول کرے گا، اور اگر فوت ہونے والے کا ذوی الفروض میں سے کوئی نہ ہو تو آزاد کرنے والا سارا ترکہ لے لے گا۔ اور مذکورہ تعلق کو ولاء العتاقہ اور نعمت کہا جاتا ہے۔

۴۔عصبہ مولی العتاقہ : (آزاد کرنے والے کا عصبہ)......جب غلام مرجائے اور اس کا آقا زندہ نہ ہو تو آزاد کرنے والے کا عصبہ وارث ہوگا۔

یہ وہ اصول ہے جسے احناف نے مرتب کیا ہے۔لیکن قانون مصری (م ۳۹) اس ترتیب کے مخالف ہے اس نے مولی العتاقۃ اور اس کے عصبۃ کو اصحاب الفروض پر رد کرنے اور ذوی الارحام سے مؤخر رکھا ہے۔

۵۔نسبی اصحاب الفروض پر رد......جب میت کے اصحاب الفروض میں سے رشتہ دار ہوں اور اس کا عصبہ نسبیہ اور عصبہ سببیہ نہ ہو اور ترکہ سے کوئی چیز باقی بچتی ہو تو باقی ماندہ صرف نسبی اصحاب الفروض پر رد ہوگا۔ تو وہ اسے آپس میں اپنے حصوں کے تناسب سے تقسیم کرلیں گے کیونکہ اپنے مقرر حصے وصول کرنے کے بعد ان کی قرابت باقی ہے۔ خاوند بیوی جو اصحاب الفروض سببیہ میں سے ہیں ان پر رد نہیں ہوگا کیونکہ ان کی قرابت اپنا حصہ وصول کر چکنے کے بعد باقی نہیں رہتی۔

رد کے قائل احناف اور حنابلہ ہیں جبکہ مالکیہ اور متقدمین شافعیہ کے نزدیک رد نہیں ہوتا۔ بلکہ باقی ماندہ بیت المال میں جمع کرادیا جائے گا۔ اور متاخرین شافعیہ بیت المال کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے زوجین کے علاوہ پر رد کا فتویٰ دیا ہے اسی طرح متاخرین مالکیہ نے بھی رد کا فتویٰ دیا ہے۔ قانون مصری (م ۳۰) نے اس ترتیب کی بھی خلاف ورزی کی ہے چنانچہ اس نے ذوی الارحام کی میراث سے رد کو مؤخر رکھا ہے۔

۶۔ذوی الارحام (رشتہ دار)......یہ میت کے وہ رشتہ دار ہوتے ہیں جو اصحاب الفروض اور عصبہ نہیں ہوتے، ان میں سے خواتین یہ ہیں: پھوپھی، خالہ، بھتیجی، اور مردوں میں سے وہ ہیں جن کے اور میت کے درمیان کوئی عورت واسطہ بنے جیسے نانا، بھانجے اور نواسے۔

یہ سب لوگ اس صورت میں وارث بنیں گے جب میت کا ان اصحاب فروض میں سے کوئی نہ ہو جن پر رد ہوتا ہے۔ اور نہ عصبہ نسبیہ اور عصبہ سببیہ میں سے کوئی ہو یہ تو احناف اور حنابلہ کا مسلک ہے۔ لیکن سابقہ بیان سے یہ ملحوظ رہے کہ: متاخرین مالکیہ نے ذوی الاسھام پر رد کرنے پر اعتماد کیا ہے اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر ذوی الارحام پر رد ہوگا۔ اور متاخرین شافعیہ نے بیت المال کا انتظام نہ ہونے کے وقت رد کا فتویٰ دیا ہے اور اگر ذوی الفروض اور عصبات میں سے کوئی نہ ہو تو مال ذوی الارحام پر صرف ہوگا۔

۷۔مولی الموالاۃ......جب کوئی ایسا شخص جس کے نسب کا پتہ نہ ہو دوسرے شخص سے اس بات پر معاہدہ کرلے کہ اگر اس سے کوئی جرم ہوگیا تو وہ اس کی دیت [1] دے گا اور اگر مرگیا تو وہ اس کا وارث ہوگا، قبول کرنے والے کو ''مولی الموالاۃ'' کہتے ہیں۔ چنانچہ جب اصحاب الفروض نسبیہ، عصبات اور ذوی الارحام نہ ہوں تو یہ سارا ترکہ لے لے گا۔ یا زوجین میں سے ایک کے حصہ کے بعد باقی

[1] ......یعنی مقتول کی دیت برداشت کرے گا، عربی میں دیت کو عقل اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ دیت میں اونٹ دیئے جاتے ہیں جنہیں لوگ مقتول کے صحن ... باندھتے تھے یوں دیت کو عقل کہا جانے لگا پھر اس سے فعل مشتق کرلیا گیا۔

ماندہ ترکہ لے گا جب کہ حلیف شادی شدہ ہو۔

اور حلیف کی موت کے وقت اگر مولی الموالاۃ زندہ نہ ہو تو اس کا عصبہ اس حلیف کا وارث ہوگا۔ اور جب دوسرا شخص بھی مجہول النسب ہو اور پہلے شخص سے اس کی بات کی طرح کہے: (تم میرے مولا ہو میرے مرنے پر میرے وارث ہو گے اور جنایت کرنے پر میری طرف سے دیت ادا کرو گے) اور وہ قبول کر لے تو ہر ایک دوسرے کا وارث ہوگا اور اس کی طرف سے دیت ادا کرے گا۔ احناف نے ولاء الموالاۃ کا الگ قول اختیار کیا ہے اور مولی الموالاۃ کو ذوی الارحام سے ان کی رشتہ داری کی وجہ سے مؤخر رکھا ہے احناف کی رائے ہے:

یہ حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے۔

جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے۔ امام شعبی فرمایا کرتے تھے: ولاء العتاقہ کے علاوہ کوئی ولاء نہیں۔ مصر اور شام میں جمہور کی رائے پر عمل ہے۔

۸۔ جس کے لئے نسب کا اقرار کیا جائے وہ غیر پر محمول ہوتا ہے...... [1] جب کوئی انسان فوت ہو جائے اور سابقہ مراتب میں سے کوئی وارث نہ چھوڑے تو ترکہ غیر پر نسب کا اقرار کئے جانے والے شخص کے لئے ہے پھر جس کے لئے ثلث (تہائی) سے زائد کی وصیت کی جائے پھر بیت المال کے لئے۔ جس کے لئے نسب کا اقرار کیا جائے وہ غیر پر محمول ہوتا ہے جو اقرار کرنے والے کا وارث ہوگا جب اقرار کرنے والا مر جائے۔ بشرطیکہ اس کا کوئی ذوفرض، عصبہ، ذورحم اور مولی الموالاۃ نہ ہو۔"

۹۔ جس کے لئے غیر پر نسب کا اقرار کیا جائے...... وہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی نامعلوم نسب کے لئے یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا بھائی یا چچا یا پوتا ہے اور اقرار کے علاوہ کسی اور دلیل سے اس کا نسب ثابت نہ ہوتا ہو تو اس میں پہلے میں نسب کو باپ پر محمول کیا ہے اور دوسرے میں نسب کو دادا پر محمول کیا ہے اور تیسرے رشتہ میں نسب کو بیٹے پر محمول کیا گیا ہے۔

اس کے ذریعہ جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کا نسب اقرار کرنے والے کی طرف سے ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ کسی انسان کی دسترس سے یہ بات خارج ہے کہ وہ محض دعویٰ کی بنا پر کسی شخص کا نسب دوسرے سے ملا لے۔ لہٰذا جس پر اقرار کیا گیا ہے اس کے ترکہ کی کسی چیز کا وارث نہیں ہوگا۔ صرف اقرار کرنے والے کے ترکہ کا مستحق ہوگا جب وہ فوت ہو اور سابقہ مراتب والوں میں سے کوئی بھی اس کا نہ ہو جس کی تین شرطیں ہیں۔

اول......کہ نسب کا اقرار غیر پر اس کے نسب کے اقرار کو شامل ہو اور اگر اس کا اقرار اپنے آپ سے اس کے نسب کو ثابت کرنے کو شامل ہو جیسے یوں اقرار کرے کہ وہ میرا بیٹا ہے تو اس سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔

دوم......وہ اقرار اس انداز میں ہو کہ اس کا نسب غیر سے ثابت نہ ہو: جیسے اس نسب میں اس کا باپ اس کی تصدیق نہ کرے جو پہلی مثال میں ہے۔ پس اگر نسب کے اقرار میں اس کا باپ اس کی تصدیق کر دے تو اقرار کرنے والے کی وجہ سے اس کا نسب اس کے باپ سے ثابت ہو جائے گا۔ اور جس کا نسب مجہول تھا وہ اقرار کرنے والے کا بھائی بن جائے گا۔ یہی صورت حال تب ہوگی جب وہ یہ اقرار کرے کہ وہ اس کا چچا ہے اور اس کے اقرار کا اس کا دادا تصدیق کر دے تو وہ اس کا چچا بن جائے گا۔

سوم......اقرار کرنے والا اپنے اقرار پر قائم رہتے ہوئے فوت ہو جائے: اس لئے کہ اگر اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رجوع

[1] ......سابقہ مراتب کا استحقاق میراث کی وجہ سے ہے رہا وہ شخص جس کے لئے نسب کا اقرار کیا جائے اور جو آئندہ سطور میں آئیں گے تو وہ دوسری جہت سے ہیں جنہیں ہم واضح کریں گے۔

کرلیتا ہے تو اس کا بالکل اعتبار نہیں ہوگا اور اس سے میراث یقیناً ثابت نہیں ہوگی۔ جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کا مذکورہ طریقے سے میراث کا مستحق ہونا، میراث پانے کے طریقے سے نہیں بلکہ وصیت کے مفہوم میں ہے لہٰذا اقرار کرنے والے کے لئے اقرار سے رجوع کرنا صحیح ہے۔ رہا نسب تو اس کے ثبوت کے بعد اس سے رجوع کرنا ممکن نہیں۔ اوروں کے علاوہ احناف کے نزدیک اس اقرار سے میراث ثابت ہوجاتی ہے کیونکہ غیر پر نسب کے حمل کا اقرار باطل ہے اور ایسا دعویٰ ہے جو نا قابل سماع ہے۔

احناف کے نزدیک جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اس کا نسب ان دو میں سے ایک طریقے سے ثابت ہوجاتا ہے:

پہلا......ایک شخص دوسرے کے نسب کا اپنے آپ کے لئے اقرار کرے مثلاً دوسرے کا اپنے لئے بیٹا ہونے کا اقرار کرے۔ اور اقرار کرنے والا عاقل وبالغ ہو اور جس کے لئے اقرار کیا جارہا ہو وہ اس کی تصدیق کرے اور اس جیسا شخص اقرار کرنے والے کے ہاں پیدا ہوسکتا ہو تو اس کے ذریعہ اقرار کرنے والے سے اقرار کئے جانے والے کا نسب ایسے طریقے سے ثابت ہوجائے گا جو رجوع کو قبول نہیں کرتا۔

دوسرا......آدمی نسب کا اقرار کرے اور غیر پر محمول کرے اور غیر اسے سچا کہہ دے۔ یا اقرار کرنے والے کے ساتھ کوئی دوسرا شخص نسب کی گواہی دے دے تو اس کے ذریعہ اقرار کیے جانے والے کا نسب جس پر اقرار کیا گیا ہے سے ایسے طریقے سے ثابت ہوجائے گا جو رجوع کو قبول نہیں کرتا۔

جہاں تک قانون مصری (م ۴۱) اور سوری (م ۲۹۸) کا تعلق ہے تو دونوں نے جس کے لیے اقرار کیا گیا ہے کے استحقاق کو اقرار کرنے والے کے ترکہ سے مندرجہ ذیل شرائط سے ثابت کیا ہے۔

۱......مقر علیہ (جس پر اقرار کیا گیا ہے اس) سے مقرلہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے) کا نسب ثابت نہ ہو۔

۲......اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رجوع نہ کرے۔

۳......میراث سے مانع کوئی سبب نہ ہو۔

۴......جس کے لئے اقرار کیا گیا وہ اقرار کرنے والے کی موت کے وقت زندہ ہو یا فیصلہ کے وقت اسے میت شمار کیا جائے۔

۹: جس کے لئے ثلث سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو...... جس کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی گئی ہو وہ سابقہ لوگوں کی عدم موجودگی کے وقت ثلث سے زائد کا مستحق ہوگا یا ان لوگوں میں سے کوئی ایک موجود ہو اور وصیت کی اجازت دے دے سابقہ مرتبہ کی طرح یہاں استحقاق میراث کی طرح نہیں۔

بلکہ وصیت کے طور پر ہے لیکن یہ وصیت حقیقی ہے اور وہ وصیت کے حکم میں ہے یعنی وصیت حکمی ہے۔ پس اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے نصف یا سارے مال کی وصیت کر جاتا ہے اور اس کا سابقہ مراتب میں مذکور کوئی وارث نہ ہو تو احناف کے نزدیک وہ شخص وصیت کردہ سارے مال کا مستحق ہوجائے گا اس میں اوروں کا اختلاف ہے۔ کیونکہ ثلث سے زائد وصیت اس لئے موقوف رہتی ہے تاکہ ثلث سے زائد مال میں ورثاء کے حق کی رعایت وحفاظت ہو۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا شخص فوت ہوتا جس کی وارث بیوی ہو اور اس نے موصی لہ (جس کے لئے وصیت کی گئی) کے لئے آدھے مال کی وصیت کر رکھی ہو تو پہلے موصی لہ ثلث لے گا پھر بیوی باقی نصف وصول کرے گی۔ اس کے بعد موصی لہ بقیہ مال لے لے گا جو ثلث ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک زوجین پر رد نہیں ہوتا، لیکن قانون مصری (م ۳۰) اور سوری (م ۲۸۸) دونوں نے عصبہ نسبیہ اور رشتہ داروں کی عدم موجودگی کے وقت زوجین پر رد کو اختیار کیا ہے، رد کرنا مقرلہ بالنسب (جس کے لئے نسب کا اقرار کیا گیا) اور جس کے لئے ثلث (تہائی) سے زائد کی وصیت کی گئی اور بیت المال سے مقدم ہے۔

۱۰۔ بیت المال...... جب سابقہ تمام مراتب میں سے کوئی بھی نہ پایا جائے تو ترکہ بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔
اس بناء پرنہیں کہ یہ امام ابوحنیفہ اور حنابلہ کے نزدیک میراث ہے بلکہ اس بنا پر کہ یہ ضائع ہونے والے ان اموال میں سے ہے جن کے مالک کا پتہ نہیں، یا اس بناء پر کہ یہ فئی (غنیمت) ہے لہٰذا اسے عوامی مصلحتوں میں صرف کیا جائے گا اور اس میں سے محتاجوں پر خرچ کیا جائے گا۔
پس اگر کوئی وارث نکل آئے اور اپنے وارث ہونے کی دلیل پیش کردے تو بیت المال سے ترکہ واپس لے سکتا ہے۔

ورثاء کے مراتب کے بارے میں قانون کا موقف......مصری اور سوری قانون نے سابقہ ترتیب سے اعراض کیا ہے اور ہر ایک نے ان میں سے بعض کو وارث اور بعض کو مستحق قرار دیا ہے۔ اور دونوں قانون میں فقہاء کی طرز کے خلاف کئی جگہوں میں استحقاق کے درجات بیان ہوئے ہیں۔ ورثاء کے مراتب کے لئے قانون مصری کے ان آرٹیکلز (۴،۸،۱۶،۳۰،۳۹،۴۱) اور قانون سوری کے ان آرٹیکلز (۲۶۲،۲۶۵،۲۷۴،۲۷۸،۲۸۹) سے مندرجہ ذیل ترتیب سمجھ آتی ہے۔

۱......اصحاب الفروض۔

۲......عصبات نسبیہ۔

۳......زوجین کے علاوہ ذوی الفروض پر رد۔

۴......ذوی الارحام۔

۵......ذوی الارحام کی عدم موجودگی کے وقت زوجین میں سے کسی ایک پر رد۔

۶......عصبہ سببیہ (مولی العتاقہ اور اس کا عصبہ) مصری قانون (م ۳۹) میں نہ کہ سوری میں۔

۷......جس کے لئے نسب کا اقرار کیا گیا اور وہ غیر پر محمول ہو۔

۸......جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی۔

۹......عام خزانہ (بیت المال)

آخری تین مراتب استحقاق کی وجہ سے ترکہ لیتے ہیں نہ کہ وارث ہونے کی وجہ سے، آئندہ سطور سے احناف کی رائے اور قانون کے موقف کے درمیان فرق کو ملاحظہ کیا جائے!

الف......دونوں قانونوں نے پہلا اور دوسرا مرتبہ اپنے مال پر رکھا ہے۔

ب......دونوں قانونوں نے مولیٰ الموالاۃ کے مرتبہ کو حذف کردیا ہے اور اسے بالکل مستحقین میں شامل نہیں کیا ہے کیونکہ آج کل اس کا وجود نہیں۔

ج......قانون سوری درجات استحقاق میں سے، مولی العتاقہ اور اس کے عصبہ کے مرتبہ کو ختم کردیا ہے کیونکہ غلامی کا وجود نہیں رہا۔ جو اباضیۃ کے مذہب سے ماخوذ ہے اور قانون مصری نے اس مرتبہ کو باقی رکھا ہے۔

د......دونوں قوانین نے ایک نیا مرتبہ ایجاد کیا ہے جو پہلے نہ تھا اور وہ ذوی الارحام کی عدم موجودگی کے وقت زوجین میں سے کسی ایک پر رد کرنا ہے۔

ہ......قانون مصری (م ۳۰) نے رد علی الزوجین اور ذوی الارحام کی میراث کو مولیٰ عتاقہ اور اس کے عصبہ (سببیہ) سے مقدم کیا ہے۔ یوں رد پانچویں مرتبہ کے بجائے تیسرے مرتبہ میں ہوگیا اور ذوی الارحام بجائے چھٹے مرتبہ کے چوتھے مرتبہ میں ہوگئے۔ تو جب

زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ ذوی الارحام میں سے کوئی ہوگا تو وہ زوجین میں کسی ایک کے حصہ کے بعد باقی ماندہ لے لے گا۔

و......دونوں قانونوں نے ذوی الارحام کو وارث بنانے پر عمل کیا ہے جیسا کہ یہ احناف وحنابلہ اور متاخرین مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک ہے۔

ز......مصری قانون نے عصبہ سببیہ کو مقرر کیا ہے اور ان کے عصبہ کو میراث کی وجہ سے استحقاق کے چھٹے مرتبے میں رکھا ہے۔

ح......دونوں قوانین نے مقولہ بالنسب، جس کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اور بیت المال کو مستحقین میں شمار کیا ہے اور ان پر وارثوں والی صفت کا اطلاق نہیں کیا۔

اور دونوں قوانین میں ان لوگوں کے لئے اور مصری قانون میں زوجین میں سے کسی ایک کی موجودگی کے ساتھ عصبہ سببی کے لئے کچھ نہیں ہے۔

رابع: مذاہب میں ورثاء کو (وارث بنانے) میراث دینے کا طریقہ......فقہاء کے ہاں میراث تقسیم کرنے کے دو طریقے ہیں جو صحابہ کرام سے منقول ہیں۔ان میں سے ایک طریقہ حجازی اور دوسرا عراقی ہے۔حجازی طریقہ یہ ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ماخوذ ہے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود گواہی دی کہ وہ صحابہ میں سے میراث کے مسائل کے زیادہ عالم ہیں۔

چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا "زید تم میں سے میراث کے سب سے زیادہ عالم ہیں" ❶ اور اس طریقہ کو جمہور مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے اختیار کیا ہے جو کویت، سوڈان مغرب کے عربی علاقوں اور افریقا کے مغربی علاقوں میں راجح اور مانا جاتا ہے اور عراقی طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے (جن کے فضائل بھی بہت زیادہ ہیں) جسے فقہاء احناف نے اختیار کیا ہے جس کا اتباع مصر، شام اور عراق میں کیا جاتا ہے۔دونوں طریقوں کے درمیان مسائل کی جزئیات میں بہت سے اختلافات ہیں۔

آٹھویں فصل: اصحاب الفروض......اس میں دو بحثیں ہیں۔پہلی بحث اصحاب الفروض کے بارے میں، اور دوسری بحث اصحاب الفروض کے حالات کے بارے میں ہے۔

بحث اول: اصحاب الفروض کا بیان......میراث کی دو قسمیں ہیں، فرض اور تعصیب (عصبہ)۔

اصحاب الفرض وہ ورثاء ہیں جن کے حصے شرعاً ترکہ میں مقرر ہوں۔اور ذوی الفروض وارثین بارہ ۱۲ ہیں: چار مرد، خاوند، باپ، دادا اور ماں شریک بھائی۔اور آٹھ ۸ عورتیں: (۱) بیوی، (۲) ماں، (۳) جدہ، (دادی) (کیونکہ نانی ذوی الارحام میں سے ہے ذوی الفروض میں سے نہیں) (۴) بیٹی، (۵) پوتی، (۶) سگی بہن، (۷) باپ شریک اور (۸) ماں شریک بہن۔اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ان کے مقرر کردہ حصے چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن، ثلثان (دو تہائی) ثلث (ایک تہائی) سدس (چھٹا حصہ) اور ہر حصے کے افراد کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ❷

---

❶......حاکم وابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اور امام احمد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس سے اسے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت پر میری امت میں سے سب سے زیادہ مہربان ابوبکر ہے اور ان میں سے اللہ تعالیٰ کے دین میں سب سے زیادہ مضبوط عمر ہے اور عثمان حیا کا پیکر ہے حلال وحرام سے زیادہ واقف معاذ بن جبل ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو زیادہ پڑھنے والا ابی ہے اور فرائض ومیراث کا زیادہ عالم زید بن ثابت ہے ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے" یہ حدیث معلول ہے۔(نیل الاوطار: ۶/ ۵۴ نصب الرایۃ ۴/ ۴۲۷)۔

❷السراجیۃ ص ۲۶۔۵۱ تبیین الحقائق: ۶/ ۲۴۳ اللباب: ۴/ ۱۸۷۔۱۹۲، الشرح الصغیر: ۴/ ۲۱۹۔۲۲۵۔ القوانین الفقہیۃ ص ۳۸۴ الرحبیۃ ص ۲۱۔۳۱، کشاف القناع: ۴/ ۴۴۹، المغنی: ۶/ ۱۸۳، ۲۱۳، مغنی المحتاج: ۳/ ۹۔

اول: نصف والے......نصف حصہ پانے والے بالا جماع پانچ افراد ہیں:

۱۔خاوند......فرعی وارث کی عدم موجودگی کے وقت یعنی جب بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی کے نہ ہونے کے وقت۔

۲۔بیٹی......جب اپنے مساوی سے منفرد اور عصبہ بنانے والے سے خالی ہو جیسے بیٹا۔

۳۔پوتی......جب اکیلی ہو اور عصبہ بنانے والے سے خالی ہو اور نہ بیٹی ہو اور نہ بیٹا اس لئے کہ وہ اسے نصف سے محجوب کر دے گا۔

۴۔سگی بہن......جب اکیلی اور عصبہ بنانے ولے اور حاجب سے خالی ہو اور بیٹی اور پوتی نہ ہو۔

۵۔باپ شریک بہن......جب اکیلی اور عصبہ بنانے والے اور حاجب سے خالی ہو ورنہ کوئی بیٹی، پوتی اور سگی بہن نہ ہو۔

تین مقامات پر نصف حصہ کی دلیل قرآن سے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی بیٹی کے بارے میں ہے ''اگر ایک ہو تو اسے نصف ملے گا'' یعنی بیٹی۔(النساء ۴/ ۱۱)

اور زوجہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے'' تمہاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں۔''(النساء ۴/ ۱۲)

اور بہن کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' لوگ آپ سے (کلالہ کے متعلق) پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے باری میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی شخص بے اولاد مر جائے اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس ترکہ میں سے نصف پائے گی۔''(النساء ۴/ ۱۷۶)

جہاں تک پوتی کا مسئلہ ہے تو اس کی دلیل اجماع ہے۔

دوم: ربع (چوتھائی) والے......ربع دو افراد کا حصہ ہے اور وہ دو یہ ہیں:

۱۔خاوند......وارث فرع کے ساتھ۔

۲۔ایک یا زیادہ بیویاں......وارث فرع کی عدم موجودگی کے وقت۔

اس بارے میں ربع کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' پھر اگر وہ اولاد والیاں ہوں تو تمہارے لئے ان کے ترکہ میں سے ربع (چوتھائی حصہ) ہے۔'' النساء: ۴/ ۱۲

'' اور ان کے لئے ربع ہے جو تم چھوڑ جاؤ اگر تم صاحب اولاد نہ ہو''۔ النساء: ۴/ ۱۲

سوم: ثمن (آٹھویں حصہ) والا فرد:

ثمن......ایک فرد کا حصہ ہے اور وہ ایک یا زیادہ بیویاں ہیں جب کہ وارث فرع موجود ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) ہے'' النساء: ۴/ ۱۲

چہارم: ثلثین (دو تہائی) پانے والے......ثلثین چار افراد کا حصہ ہے اور وہ یہ ہیں:

۱......دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں جب انہیں عصبہ بنانے والا نہ ہو'' اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے'' اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے''۔ النساء: ۴/ ۱۱

۲......دو یا دو سے زیادہ پوتیاں جب میت کا بیٹا اور انہیں عصبہ بنانے والا اور دو بیٹیاں نہ ہوا جماع کی وجہ سے۔

۳.....دو یا دو سے زیادہ سگی بہنیں جب دو بیٹیاں، دو پوتیاں اور انہیں عصبہ بنانے والا اور حاجب نہ ہو۔

۴.....دو یا دو سے زیادہ باپ شریک بہنیں جب دو بیٹیاں، دو پوتیاں، دو سگی بہنیں اور انہیں عصبہ بنانے والا اور حاجب نہ ہو، بہنوں کی مطلقاً میراث کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دو تہائی کی حق دار ہوں گی''۔ النساء ۴/۱۷۶

پنجم: تہائی اور باقی میں سے تہائی والے.....تہائی دو افراد کا حصہ ہے:

۱.....ماں جب وارث فرع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) اور بھائیوں کی تعداد نہ ہو۔

۲.....ماں شریک بھائیوں اور بہنوں کی تعداد، وارث فرع اور اصل مذکر کی عدم موجودگی کے وقت، تہائی کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین اس کے وارث ہوں تو ماں کو تہائی ملے گا۔'' النساء ۴/۱۱

''اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے۔'' النساء: ۴/۱۲

اور ثلث الباقی ماں کے لئے باپ اور زوجین میں سے کسی ایک کے ساتھ ہے اور اسے مسئلہ غراوین کہا جاتا ہے جو آگے آرہا ہے۔ ❶

ششم: سدس (چھٹے حصے) والے.....سدس سات افراد کا حصہ ہے جو یہ ہیں:

۱.....باپ وارث فرع (ولد) کے وجود کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔'' النساء: ۴/۱۱

۲.....دادا اولاد کے ساتھ جب باپ نہ ہو، اجماع کی وجہ سے۔

۳.....ماں جب وارث فرع یا بھائی بہنوں کی تعداد موجود ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

''اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہئے۔'' النساء: ۴/۱۱

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی۔'' النساء: ۴/۱۱

۴.....جدہ صحیحہ یعنی ماں یا باپ کی یا اس سے زیادہ ہوں جب کہ ماں نہ ہو۔ جدات جب اکٹھی ہو جائیں تو سدس میں شریک ہوں گی ان میں سے قربیٰ (زیادہ قریب والی) بعدیٰ (زیادہ دور والی) کو محجوب کردے گی۔

دلیل.....وہ حدیث ہے جسے حضرت ابوسعید الخدری، مغیرہ بن شعبہ اور قبیصہ بن ذویب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس دیا'' اور رہا جدات کی شراکت تو وہ اس روایت کی وجہ سے کہ نانی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آکر کہنے لگی: ''کہ مجھے میری بیٹی کی اولاد کی میراث دیجئے'' آپ نے فرمایا: مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے تک صبر کرو کیونکہ مجھے کتاب اللہ میں تمہارا حصہ نہیں ملا۔ اور نہ میں نے تمہارے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد سنا ہے پھر آپ نے ان حضرات سے پوچھا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سدس (چھٹا حصہ) دیئے جانے کی گواہی دی، آپ نے حضرت مغیرہ سے فرمایا: کیا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ تو محمد بن مسلمہ انصاری نے بھی یہی گواہی دی تو آپ نے اسے یہ حصہ عطا کیا۔

پھر آپ کے پاس دادی میراث طلب کرنے آئی، آپ نے فرمایا: میرے خیال میں یہ سدس تم دونوں کے درمیان مشترک ہے اور وہ تم میں سے (اگر) اکیلی ہو تو اس کے لئے ہے۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں کو اس میں شریک کیا۔ ❷

---

❶.....غرا کا مطلب واضح اور ظاہر، مشہور ہونے کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے اور عمریہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا فیصلہ کیا تھا۔ ❷رواہ الخمسة الا النسائی وصححه الترمذی عن قبیصة بن ذویب (نیل الاوطار: ۶/۵۹) شرح السراجیة ص ۳۹، الرحبیة ص ۳۳) خمسة سے مراد امام احمد اور سنن اربعہ کے مصنفین ہیں۔

۵......ایک یا ایک سے زیادہ پوتیاں ایک بیٹی کے ساتھ جب عصبہ بنانے والا نہ ہو دو تہائی کو پورا کرنے کے لئے۔اس روایت کی وجہ سے جسے مسلم اور نسائی کے علاوہ ایک جماعت نے ہزیل بن شرحبیل سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیٹی پوتی اور بہن کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا: بیٹی کو نصف (آدھا حصہ) بہن کو نصف، پھر وہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا اور ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد سنایا، آپ نے فرمایا: تب تو میں گمراہ ہوا ہدایت یافتہ لوگوں میں سے نہ ہوا، میں تو اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کروں گا، بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس ملے گا تا کہ دو تہائی کو مکمل کر دیا جائے اور جو باقی بچ جائے وہ بہن کا ہے۔

امام احمد اور بخاری نے یہ اضافہ نقل کیا ہے ''ہم لوگ ابوموسیٰ کے پاس آئے اور انہیں ابن مسعود کے قول سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا: جب تک یہ عالم موجود ہے مجھ سے نہ پوچھا کرو۔'' ❶

۶......باپ شریک بہن ایک یا ایک سے زیادہ جب سگی بہن کے ساتھ ہو اور عصبہ بنانے اور اصل مذکر اور فرع موجود نہ ہو، اس پر اجماع کی وجہ سے کہ دو تہائی مکمل کرنے کے لئے اسے دو بہنوں کا حصہ ملے گا۔

۷......ماں شریک بہن یا بھائی جب وارث فرع اور اصل مذکر نہ ہو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے'' اور اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا'' النساء: ۴/ ۱۲

دوسری بحث: اصحاب الفروض کے حالات......معلوم ہوا ورثاء کی مجموعی تعداد بارہ ہے چار مرد: باپ دادا، ماں شریک بھائی اور خاوند اور آٹھ عورتیں: بیوی، بیٹی، پوتی، سگی بہن، باپ شریک بہن، ماں شریک بہن، ماں جدۃ نانی یا دادی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ورثاء کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ایک قسم جو صرف فرض کی وارث ہوتی ہے......اور وہ سات افراد ہیں۔ خاوند بیوی ماں، نانی، دادی، ماں شریک بھائی، ماں شریک بہن، اور مختصراً انہیں یوں کہا جا سکا ہے: ماں اور اس کی دونوں اولادیں دو جدہ (نانی دادی) اور زوجین۔

۲۔ ایک قسم جو صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتی ہے......ان کی تعداد بارہ ہے باپ دادا کے علاوہ عصبہ بنفسہ، آزاد کرنے والا مرد اور آزاد کرنے والی عورت۔

۳۔ایک قسم جو کبھی فرض کی وجہ، کبھی عصبہ بننے کی وجہ سے وارث ہوتی ہو اور یہ دونوں یکجا بھی ہو جاتی ہیں

۱......اور وہ دو ہیں۔ باپ اور دادا، ان میں سے ہر ایک بیٹے یا پوتے کے ساتھ فرض کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور جب وارث فرع سے خالی ہو تو عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتا ہے اور فرض اور عصبہ اس وقت جمع ہو سکتے ہیں جب اس کے ساتھ فروع میں سے کوئی عورت ہو اور سدس سے زیادہ زائد مال جسے وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا۔

۴۔ایک قسم جو کبھی فرض کی وجہ سے کبھی عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوتی ہے اور دونوں یکجا نہیں ہوتے

اور وہ چار افراد ہیں۔ بیٹی، پوتی، سگی بہن اور باپ شریک بہن اگر ان میں سے کوئی عصبہ بنانے والے سے تنہا ہو فرض کی وارث

❶......شرح السراجیۃ ص ۲۸ تبیین الحقائق ۲۳۰/۶ القوانین الفقهیة ص ۳۸۹ مغنی المحتاج: ۱۱/۳، ۱۴۔۱۵ المغنی: ۱۷۷/۶۔

ہوگی، اور اگر اسے عصبہ بنانے کے ساتھ ہوتو عصبہ بننے کی وجہ سے وارث ہوگی۔ اور ان ورثاء میں سے بعض نسبی قرابت کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں اور انہیں اصحاب الفروض النسبیہ کہا جاتا ہے اور وہ زوجین کے علاوہ تمام ورثاء ہیں۔ اور بعض رشتہ زوجیت کی وجہ سے وارث ہوتے ہیں اور انہیں اصحاب الفروض سببیہ کہا جاتا ہے اور وہ خاوند بیوی ہیں۔ اس بناء پر اصحاب الفروض کے حالات تفصیلاً متعارف کرائے جاتے ہیں۔

اول......مردوں کے احوال

ا۔ باپ کے حالات...... باپ میراث سے کبھی محروم نہیں ہوتا جب کہ دوسرے کو محجوب کر دیتا ہے فرع وارث کی قسم کے لحاظ سے مذکر ہو یا مونث اس کی میراث مختلف ہوتی ہے کبھی صرف فرض کی وجہ سے وارث بنتا ہے اور کبھی صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے اور بسا اوقات فرض اور تعصیب دونوں کی وجہ سے اس کے تین احوال ہیں۔

پہلا حال...... چھٹا حصہ فرض ہونے کی حیثیت سے، فرع وارث جو مذکر ہو، کی موجودگی میں، بیٹا، پوتا، نیچے تک، اس صورت میں باپ مطلق چھٹا حصہ فرض ہونے کی وجہ سے لے گا۔

دوسرا حال...... سارا مال یا باقی ماندہ صرف عصبہ ہونے کی وجہ سے، کل ترکہ یا اصحاب الفروض سے باقی ماندہ ترکہ اس صورت میں وصول کرے گا جب مطلقاً فرع وارث نہ ہو۔ مذکر یا مؤنث۔ جس کا وارث صرف باپ ہو تو وہ عصبہ بنفسہ ہونے کی وجہ سے سارا ترکہ وصول کرے گا اور جس کا وارث باپ اور بیوی ہو تو بیوی چوتھائی حصہ فرض اور باقی ماندہ باپ کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

تیسرا حال...... سدس فرض کی وجہ سے اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے جب مؤنث وارث موجود ہو، جو بیٹی پوتی ہے خواہ جہاں تک اس کا باپ پہنچ جائے (یعنی پڑپوتی، سکڑ پوتی وغیرہ)

مثلاً کسی نے ایک بیٹی اور باپ وارث چھوڑا تو باپ اپنا حصہ سدس لے گا اور بیٹی نصف اور باقی ماندہ بھی باپ کا ہے۔ دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین کو ترکے میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی والدہ کا تہائی حصہ ہے اور اگر اس کے بھائی (بھی) ہوں تو اس کی والدہ کا چھٹا حصہ ہے۔'' النساء: ۴/۱۱

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب میت کی اولاد ہو خواہ نرینہ یا مادینہ باپ کا حصہ صرف سدس ہے۔ پھر اگر اولاد مذکر ہو تو وہ عصبہ بنفسہ ہے باقی کا مستحق ہوگا اور باپ سے مقدم ہوگا کیونکہ بنوت (بیٹا ہونا) ابوت سے مقدم ہے اور اگر اولاد مونث ہو تو باپ فرض کی وجہ سے سدس (چھٹا حصہ) وصول کرے گا اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ قریبی مرد ہے۔ لہٰذا سابقہ حدیث کی وجہ سے باقی کا مستحق ہوگا۔ ''فرائض (حصوں) کو ان کے حقداروں تک پہنچاؤ جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔''

اور اگر میت کی اولاد نہ ہو تو باپ باقی ماندہ سارا مال پائے گا۔ کیونکہ آیت کا دوسرا حصہ ماں کے لئے تہائی حصہ فرض پانے پر دلالت کرتا ہے۔ اور باپ کے حصہ سے خاموش ہے۔ لہٰذا نص نے یہ بتایا کہ باپ، والدہ کا اپنا حصہ وصول کر چکنے کے بعد باقی ماندہ کو وصول کرے گا۔ اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ مال دونوں کے درمیان منقسم ہے۔

اور جب ایک حصہ بیان کر دیا گیا تو باقی ماندہ دوسرے کا ہوگا۔ مصری قانون (م ۹، ۲۱) اور سوری قانون (م ۲۶۶، ۲۸۰) نے باپ کی میراث کی حالتوں پر دلالت کی ہے۔

مثالیں: ا.....جب کسی شخص کا انتقال اس حالت میں ہو کہ پسماندگان میں بیوی، باپ اور بیٹا ہو، تو بیوی کے لئے ترکے کا ثمن (آٹھواں حصہ) ہے کیونکہ وارث فرع جو بیٹا ہے موجود ہے۔ اور باپ کے لئے صرف ترکے کا سدس (چھٹا حصہ) ہے جو فرض (مقرر) ہے۔ اور یہ پہلی حالت ہے باقی مال بیٹے کا ہے۔

۲.....اور جب میت کے ورثا میں بیوی اور باپ ہو تو بیوی کو میت کی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ربع (چوتھائی حصہ) ملے گا اور باقی سارا عصبہ کے لئے ہے اور یہ دوسری حالت ہے۔

۳.....اور جب عورت کے ورثاء میں خاوند، باپ اور بیٹی ہو۔ تو خاوند کو بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے چوتھائی ملے گا اور بیٹی کو نصف ملے گا اور باپ کو سدس فرض ہونے کی وجہ سے اور باقی عصبہ ہونے کی بنا پر کیونکہ وہ زیادہ قریبی مرد ہے۔

۴.....اور جب میت کے ورثاء میں بیوی باپ اور بیٹی ہو تو وارث فرع یعنی بیٹی کی موجودگی کی وجہ سے بیوی کو آٹھواں حصہ اور بیٹی کو نصف جب کہ باپ کو پہلے فرض ہونے کی وجہ سے سدس اور دوسری بار باقی ماندہ عصبہ ہونے کی وجہ سے اور یہ تیسری حالت ہے۔

دادا کے احوال.....اس سے مراد عصبی (نسبی) دادا یا باپ ہے اسے جد صحیح یا جد ثابت بھی کہا جاتا ہے اور وہ ایسا دادا ہے جس کے میت کے ساتھ رشتہ میں کسی عورت کا واسطہ نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں رشتہ کا دادا ہوتا ہے جیسے جد فاسد یا غیر ثابت جد کہا جاتا ہے۔

جیسے نانا اور وہ ایسا جد ہوتا ہے جس کے میت کے ساتھ رشتہ میں کسی عورت کا واسطہ ہو، جو نہ صاحب فرض ہے اور نہ عصبہ، بلکہ وہ رشتہ داروں (ذوی الارحام) میں سے ہے (دیکھئے آرٹیکل ۲۶۵ از قانون سوری) [1] سابقہ تینوں حالتوں میں دادا باپ کی طرح ہے۔ لیکن باپ کی موجودگی میں کسی شئی کا وارث نہیں ہوگا۔ جس کی دلیل یہ عمومی قاعدہ ہے ''جس کا میت کے رشتہ کسی واسطے سے ہو تو وہ اس واسطہ کی موجودگی کے وقت وارث نہیں ہوتا'' لہٰذا باپ کی وجہ سے دادا ساقط ہو جاتا ہے۔

الف.....جب میت نے بیٹا یا پوتا چھوڑا تو دادا کو سدس ملے گا۔ اور جب میت کے ورثا میں بیوی، بیٹا اور دادا ہو تو بیوی کا حصہ ثمن (آٹھواں حصہ) فرض ہے کیونکہ فرع وارث موجود ہے اور دادا کو سدس ملے گا جو فرض ہے اور باقی بیٹے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور اگر میت کے ورثاء میں پوتا اور دادا ہو تو دادا سدس فرض ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا اور باقی پوتے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

ب.....اور جب میت کی فرع وارث نہ ہو تو دادا اکیلا عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا۔ لہٰذا دادا کل مال وصول کرے گا یا اصحاب الفروض کے (حصص مل چکنے کے) بعد باقی ماندہ مال لے گا۔ پس جب کسی میت کے ورثاء میں بیوی اور دادا ہو تو بیوی کو چوتھائی ملے گا کیونکہ وارث فرع نہیں۔ اور دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ مال ملے گا۔ ور جب میت کا سوائے دادا کے کوئی وارث نہ ہو تو دادا سارا ترکہ لے لے گا۔

ج.....اور فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا: یہ اس صورت میں ہے جب میت کی بیٹی یا پوتی ہو تو دادا فرض سدس اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا۔ پس اگر کسی شخص کا انتقال اس حالت میں ہوا ہو کہ ورثاء میں بیوی پوتی اور دادا ہو: تو وارث فرع کی موجودگی کی بنا پر بیوی کو ثمن اور پوتی کو نصف اور دادا کو فرض کی وجہ سے سدس اور عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ملے گا۔ دادا کے میراث پانے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے سدس ہے'' (النساء ۴/۱۱) چونکہ دادا کو باپ کے نہ ہوتے ہوئے معاشرے اور زبان کے لحاظ سے مجازاً باپ کہا جاتا ہے۔ اور وہ روایت اس کی دلیل ہے جیسے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے '' کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرنے لگا: میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے تو مجھے اس کے

---

[1].....شرح السراجیة ص ۲۹ القوانین الفقهیة ص ۳۹۰ مغنی المحتاج ۳/۱۵، المغنی: ۶/۲۱۶۔

میراث میں سے کیا ملے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تمہارے لئے سدس ❶ (چھٹا حصہ) ہے۔

اور صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ باپ کی عدم موجودگی میں دادا وارث ہوگا۔

اور قانون مصری (م ۲۱۹) اور سوری (م ۲۶۶، ۲۸۰) نے باپ کی طرح دادا کی میراث کی صراحت کی ہے۔

جن صورتوں میں دادا باپ سے مختلف ہے...... دادا سوائے چار مسائل کے باپ کی طرح ہے۔

۱۔ **دادی یا باپ کی ماں......** باپ کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے جب کہ دادا کی وجہ سے محجوب نہیں ہوتی، دادا کے ساتھ وارث ہوتی ہے لیکن باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتی۔

۲۔ **مسئلۃ الغراوین......** جب میت کے ورثا میں والدین یا زوجین میں سے کوئی ایک ہو (یعنی بیوی مرے تو خاوند وارث یا خاوند فوت ہو تو بیوی وارث ہو) تو اس صورت میں، زوجین میں سے ایک حصے کے بعد ماں کو ثلث باقی (باقی ماندہ کا تہائی) ملے گا (اسی مسئلہ میں) اگر باپ کی جگہ دادا ہوتا تو جمہور کے نزدیک ماں کو پورے ترکے کا تہائی ملتا، امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے۔ لہٰذا دادا کے ساتھ غراویہ کی صورت میں ہوگی۔ امام ابو یوسف کے نزدیک زوجین میں سے ایک کے حصے کے بعد دادا کو ثلث الباقی ملے گا۔

۳۔ اس پر ❷ اجماع ہے کہ باپ سگے بہن بھائیوں یا باپ شریک بہن بھائیوں کو محجوب کر دیتا ہے اور جمہور (ائمہ ثلاثہ اور صاحبین) کے نزدیک دادا انہیں محجوب نہیں کرتا، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک ان لوگوں کو محجوب کر دے گا۔

۴...... امام ابو یوسف کے نزدیک آزاد کرنے والے کا باپ اپنے بیٹے کے ساتھ ولاء کا چھٹا حصہ پائے گا۔ جب کہ دادا کو یہ حصہ نہیں ملتا بلکہ ساری ولاء بیٹے کے لئے ہے باقی ائمہ کے نزدیک ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ وہ دونوں ولاء میں سے کچھ نہیں لیتے۔

بھائیوں کے ساتھ دادا کی میراث...... دادا جب (میت کے) بھائیوں سے الگ ہو تو اس کے حالات معلوم ہو چکے ہیں البتہ جب اس کے ساتھ سگے بہن بھائی یا باپ شریک بھائی بہن ہوں تو کیا حکم ہے؟

آیا دادا ان کے ساتھ وارث ہوگا؟ یا انہیں ساقط کر دے گا؟ اس میں اختلاف ہے۔ رہی وہ صورت جب دادا ماں شریک بہن بھائیوں کے ساتھ ہو تو اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں کہ نسبی دادا انہیں ساقط کر دیتا ہے۔ جیسا کہ باپ کی وجہ سے وہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی یہ عبارت ہے؟ اخیافی بہن بھائی دادا کی وجہ سے بالا جماع ساقط ہو جاتے ہیں۔ کتاب وسنت کے نقلی دلائل میں سے دادا کے بھائیوں کے ساتھ والی صورت میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا بلکہ ان کا حکم صحابہ کے اجتہاد سے ثابت ہے اور صحابہ کرام کے اس مسئلہ میں دو ❸ مذہب ہیں۔

پہلا مذہب: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا...... اور آپ کے پیروکار صحابہ کا جیسے ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابی بن کعب، حذیفہ بن یمان، ابوسعید خدری، معاذ بن جبل، ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین میں سے حسن بصری، ابن سیرین رحمہم اللہ۔

---

❶......رواہ احمد وابو داؤد۔ ❷ سگے بہن بھائیوں کو بنی الاعیان کہتے ہیں کیونکہ وہ جنس کی اقسام میں سب سے کامل ہوتے ہیں۔ اور باپ شریک بہن بھائیوں کو بنی العلات کہا جاتا ہے اس لئے کہ وہ سوکنوں کی اولاد ہوتی ہیں۔ اور ماں شریک بہن بھائیوں کو بنی الاخیاف کہا جاتا ہے اس لئے کہ ان کی اصلیں مختلف ہوتی ہیں۔ ❸ علاتی، عینی، اخیافی بہن بھائیوں کی تعریف سابقہ صفحہ پر بیان ہو چکی ہے۔

دادا کے ساتھ اخیافی اور علاتی بھائی بہن وارث نہیں جیسا کہ یہ لوگ باپ کے ساتھ وارث نہیں ہوتے، بلکہ دادا، باپ کی طرح مال میں خود مختار ہوگا یعنی میراث میں دادا باپ کی طرح ہے مطلقاً (سگے بہن بھائیوں یا باپ یا ماں شریک بہن) بھایوں کو مجوب کردے گا۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے ہے لہٰذا ان کی رائے (جو صحابہ کرام کے اجتہاد پر مبنی ہے) میں دادا اور بہن بھائیوں میں مقاسمہ (آپس میں تقسیم) نہیں۔

قرآن وسنت سے ان حضرات کی دلیل...... قرآنی دلائل، جن میں بہت سی آیات ہیں جہاں دادا پر باپ کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "میں نے اپنے آباء ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے طریقہ کو اپنایا ہے" (یوسف ۱۲/ ۳۸) لہٰذا ضروری ہے کہ دادا مجوب بھائیوں کی وجہ سے مطلقاً باپ کا حکم رکھے، اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میرا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جس کا میں باپ نہ ہوں؟ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: زید بن ثابت اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے کہ وہ پوتے کو بیٹا قرار دیتے ہیں اور دادا کو باپ قرار نہیں دیتے۔

سنت سے دلائل...... ایک تو وہ سابقہ حدیث ہے "حصوں کو ان کے حصہ داروں تک پہنچاؤ اور جو باقی رہ جائے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اور دادا بھائیوں سے زیادہ قریبی ہے اور عصبات میں قاعدہ یہ ہے کہ باپ ہونے کی جہت کو بھائی ہونے کی جہت سے مقدم رکھا جاتا ہے۔

دوسرا مذہب...... حضرت علی، ابن مسعود، زید بن ثابت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایک فریق کا ہے۔ کہ بھائی دادا کے ساتھ وارث قرار دیئے جائیں گے اس لئے دادا سگے بھائیوں اور باپ شریک بھائیوں کو مجوب نہیں کرتا بلکہ میراث میں ان کے ساتھ مقاسمہ کرے گا۔ یہی دادا کے مقاسمہ کی بنیاد ہے۔

اور یہ جمہور (مذاہب ثلاثہ اور صاحبین) کی رائے اسی کو مصر وسوریا کے قانون نے اختیار کیا ہے۔

ان حضرات کی دلیل درج ذیل ہے: اول...... (یعنی اور علاتی) بھائیوں کی میراث قرآن سے ثابت ہے لہٰذا وہ نص یا اجماع سے ہی مجوب ہوں گے اور یہاں ان میں سے ایک بھی نہیں۔

دوم...... استحقاق کے سبب میں دادا اور بھائی برابر ہیں کیونکہ دونوں کا تعلق میت سے ایک ہی درجہ کا ہے اور وہ باپ ہے۔

میراث دینے کا طریقہ...... بھائیوں کے ساتھ دادا کو وارث قرار دینے والوں کا میراث دینے کے طریقہ میں اختلاف جس کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا...... دادا کے بھائیوں کے ساتھ تین احوال ہیں:

۱...... اس کے لئے سدس (چھٹا حصہ) فرض ہے۔ جب تک دادا کا حق سدس سے کم نہ ہو وہ بھائیوں سے مقاسمہ کرے گا۔ پس جب کم ہو جائے تو سدس دیا جائے گا۔ اور اگر اس کے ساتھ دو یا تین سگے بھائی ہوں یا چار ہوں تو دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہے۔ اور جب پانچ ہوں تو مقاسمہ اور سدس برابر ہیں، اور دادا، ماں، زوج، بیٹی اور دو بھائیوں کی صورت میں ماں کو سدس، خاوند کو ربع، بیٹی کو نصف ملے اور سدس سے کم باقی رہ جائے گا تو دادا کے لئے سدس فرض کیا جائے گا اور مسئلہ کا (۱۳) میں عول ہوگا اور دونوں بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔

۲...... عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا۔ اصحاب الفروض کے بعد باقی ماندہ وصول کرے گا اور اگر اس کے ساتھ بہنوں یا ایک

بہن میں سے کوئی عورت ہوتو کئی بہنوں کی صورت میں بہنوں کو دو تہائی ملے گا اور ایک ہونے کی صورت میں نصف دیا جائے گا اور باقی دادا عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرے گا۔اور اگر دادا کے ساتھ سگی بہن یا باپ شریک بہن ہوتو پہلی کو نصف اور دوسری کو سدس جب کہ دادا کو باقی ماندہ ملے گا۔

۳۔مقاسمہ......دادا چونکہ ورثاء میں سے ایک ہے اس لئے بھائیوں کے ساتھ باہمی تقسیم کرے گا۔اس کے لئے عورت کا دوگنا حصہ ہے۔اور جب دادا کے ساتھ سگا بھائی یا باپ شریک بھائی ہوتو مال اس میں اور سگے بھائی کے درمیان آدھا آدھا ہوگا اور باپ شریک بھائی یا بہن تقسیم میں سگے بھائیوں کے ساتھ نہیں شمار ہوتے ،اور جب ورثاء میں دادا، دوسگی بہنیں،اور ایک سگا بھائی ہوتو دادا ان سے مقاسمہ کرے گا ترکہ کے ان لوگوں کے درمیان تین حصے ہوں گے۔

۴......دادا بہنوں کو عصبہ نہیں بناتا،لہٰذا بہن فرض (مقرر حصے) والی ہوگی اور اگر دادا کے ساتھ سگی بہن اور باپ شریک بہن ہوتو پہلی کو نصف اور دوسری کو سدس ملے گا جب کہ باقی ماندہ دادا کے لئے ہے۔

دوسرا مذہب: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا: ۱......دادا بھائیوں سے مقاسمہ کرے گا جب تک تہائی سے اس کا حق کم نہ ہو،حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے موافق۔

۲......دادا کے مقاسمہ میں عینی (سگے) بھائیوں کے ساتھ علاتی (باپ شریک) بھائیوں کا اعتبار نہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے جو سابقہ تیسری شق میں گزرا ہے۔

لہٰذا سگی بہن کے ساتھ باپ شریک بہن دادا سے مقدم شمار نہیں ہوگی۔فقہاء کی عبارت یہ ہے ''تقسیم میں عینی بھائیوں کے ساتھ علاتی بھائی دادا سے مقدم شمار نہیں ہوتے بخلاف حضرت زید کے طریقہ کے جو آرہا ہے: علاتی بھائی یعنی بھائیوں کے ساتھ دادا سے مقدم شمار ہوں گے۔

۳......اکیلی بہنیں دادا کے ساتھ فرض والیاں ہیں۔جس میں دوسری شق میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت کی ہے۔ملحوظ رہے کہ اس طریقہ میں حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دونوں طریقے جمع ہیں۔

تیسرا مذہب: حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا: ۱......دادا کے لئے بھائیوں کے ساتھ مقاسمہ اور سارے مال کے تہائی میں سے دونوں میں سے افضل کام یہ ہے جب ان کے ساتھ صاحب فرض نہ ہو۔کہ دادا کو تقسیم میں بھائیوں کی طرح کا ایک شخص بنایا جائے گا۔اور مال کو ان میں اور بہنوں میں تقسیم کیا جائے۔مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے اور جب تک دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہوتو اسے بھائیوں کے ساتھ کا ایک فرد بنا کر بھائیوں کے ساتھ اس کا حصہ دیا جائے گا۔

پھر اگر (اس کا حصہ) تہائی مال سے کم ہو جائے تو ہم اسے تہائی دیں گے۔اور جب اس کے ساتھ ایک بھائی ہوتو آدھا مال لے گا۔

حاصل یہ ہوا۔جب دادا کے ساتھ کوئی ذوفرض نہ ہوتو دادا کا زیادہ حصہ مقاسمہ سے ہے یا سارے مال کے تہائی سے۔

۲......بنی العلات (باپ شریک بہن بھائی) تقسیم میں بنی الاعیان (سگے بہن بھائیوں) ساتھ دادا کو ضرر پہنچانے کے لئے شریک ہوتے ہیں۔یعنی سگے بہن بھائیوں کے ساتھ انہیں دادا پر ترجیح حاصل ہوتی ہے اور جب دادا اپنا حصہ لے لے تو علاتی بہن بھائیوں کے لئے کچھ نہیں۔دادا کے حصہ کے بعد باقی ماندہ عینی بہن بھائیوں کے لئے ہے جسے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر کا حصہ ہے۔

یہی معادۃ ہے کیونکہ اس نے باپ شریک بھائی کے ذریعہ دادا سے دشمنی کی پھر جو کچھ اسے حاصل ہوا اس سے لے لیا۔ لہٰذا جب ورثاء میں دادا، سگا بھائی اور باپ شریک بھائی ہو تو باپ شریک بھائی دادا سے مقدم شمار ہوگا تاکہ دادا مقاسمہ سے کم ہو کر تہائی مال تک آجائے۔ اور جب دادا تہائی مال وصول کرلے گا تو سگا بھائی باپ شریک کی طرف رخ کرے گا اور اس کے ہاتھ سے لے لے گا کیونکہ یہ اس کا حاجب ہے۔

۳...... جب ایک سگی بہن ہو تو وہ اپنا حصہ لے گی اور دادا اپنا حصہ وصول کرے گا پھر بھی کوئی چیز بچ جائے تو بنی علات (باپ شریک بہنوں) کے لئے ہے ورنہ ان کے لئے کچھ نہیں۔ جیسے اگر ورثاء میں دادا، ایک سگی بہن اور دو باپ شریک بہنیں ہوں، تو دادا کے لئے مقاسمہ بہتر ہے لہٰذا ورثاء کے رؤس یعنی پانچ سے مسئلہ بنایا جائے گا۔ دادا کے اس میں سے دو حصے اور سگی بہن کے لئے کل کے نصف میں سے دو حصے ہیں اور باقی حصہ باپ شریک دو بہنوں کے لئے ہے اور بیس ۲۰ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔

اور مذکورہ مثال میں اگر دو باپ شریک بہنوں کی جگہ ایک بہن ہوتی تو اس کے لئے کچھ نہ بچتا اس لئے کہ دادا مقاسمہ کے ذریعہ آدھا مال لے لیتا ہے جو اس کے لئے تہائی سے بہتر ہے اور باقی آدھا سگی بہن کے لئے رہ جائے گا اور باپ شریک بہن کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔

۴: اگر ان لوگوں کے ساتھ کوئی ذوفرض ہو تو...... یا تو دادا فرض کی وجہ سے چھٹا حصہ لے لے گا یا اس کے لئے تین امور میں سے سب سے زیادہ حصے والا امر ہوگا۔ مقاسمہ، یا باقی مال کا تہائی یا سارے مال کا چھٹا حصہ، اور یہ اس صورت میں ہے جب فروض کے بعد سدس سے زیادہ بچ جائے۔ اور سدس کی بقدر مال بچے تو: جیسے اگر ورثاء میں دو بیٹیاں ماں، دادا اور بھائی ہوں یا سدس سے کم بچے جیسے زوج، دو بیٹیاں دادا اور بھائی ورثاء میں ہوں یا کچھ نہ بچے جیسے دو بیٹیاں، زوج، ماں، دادا اور بھائی۔ تو دادا کو سدس ملے گا اور اگر ضرورت پڑے تو مسئلہ کا عول ہوگا۔

سوائے اکدریہ بہن کے بھائی ساقط ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ اس نے حضرت زید ❶ کے مذہب کو مکدر (گدلا) کردیا۔ رہا دادا کے لئے سدس کا وجوب: تو چونکہ اولاد جب دادا کے ساتھ ہو تو دادا کا حصہ سدس سے کم نہیں کرتے۔ تو زیادہ بہتر ہے کہ بھائی بھی اس کا یہ حصہ کم نہ کریں۔ رہا مقاسمہ: تو وہ اس وجہ سے کہ اصل یہ ہے کہ بھائیوں کو دادا کے درجہ میں رکھا گیا ہے۔ اور جہاں تک ثلث الباقی ہے: تو چونکہ صاحب فرض اپنے فرض (مقرر حصہ) کا حق دار ہے تو باقی ماندہ گویا سارا مال ہوگیا۔ اور اصول ومبدأ دادا کا حصہ تہائی سے کم نہیں کرتا تو یہاں ثلث باقی سے بھی کم نہیں کرے گا جس کا قیاس مسئلہ غراوین میں ام (ماں) پر کیا گیا ہے۔

الاکدریہ...... کی صورت یہ ہے کہ کوئی عورت اس حال میں فوت ہوئی ہو کہ ورثاء میں خاوند والدہ، دادا، سگی بہن یا باپ شریک بہن چھوڑی ہو تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی بنیاد پہ، دادا، بہنوں میں جو خواتین ہیں انہیں عصبہ بنادے گا وہ ان کے نزدیک فرض والی نہیں شمار ہوں گی۔ جس میں حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہبوں کا اختلاف ہے۔ بہن کے عصبہ ہونے کے مقتضی کی وجہ سے اس کے لئے کچھ نہیں جب اصحاب الفروض ترکہ کو ختم کردیں تو عصبہ کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔

لیکن چونکہ یہاں بہن کے ساقط ہونے کی گنجائش نہیں اس لئے کہ اسے محجوب کرنے والا کوئی حاجب نہیں۔

اور نہ دادا کی وجہ سے اسے عصبہ بنایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ تو فرض والا ہوگیا، وہ اگر اسے عصبہ قرار دیتا تو سدس سے اس کا حصہ کم ہوجاتا۔ تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصول میں دادا کی بھائیوں کے ساتھ میراث میں اس مسئلہ کو مستثنیٰ کیا۔ اور دادا کے

❶...... یا اس وجہ سے کہ یہ بنی اکدر کی عورت کا واقعہ ہے اور اہل عراق کے ہاں اسے غراء کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اسی نام سے ان کے ہاں مشہور ہے۔

ساتھ بہن کو فرض کی وجہ سے وارث قرار دیا اور اس کے لئے نصف حصہ مقرر کیا اور مسئلہ کو چھ ٦ سے بنایا۔

لہٰذا خاوند کے لئے نصف (٣) ہے اور ماں کے لئے تہائی جو (٢) ہے اور دادا کے لئے سدس (چھٹا (١) حصہ) ہے اور بہن کے لئے نصف (٣) ہے اور مسئلہ کا (٩) میں عول ہوگا

لیکن تقسیم کی وجہ سے بہن کا حصہ دادا کے حصہ سے بڑھ جاتا ہے۔ اور جب دادا کے لئے بہن کے ساتھ یکجا ہونے میں بہن کا دوگنا حصہ ہے تو ضروری ہے بہن اور دادا کا حصہ جمع کیا جائے پھر دونوں اسے آپس میں بانٹ لیں مرد کے لئے عورت کے حصہ کا دوگنا کے قانون ہے یوں مسئلہ (٢٧) سے ہوگا جس میں سے خاوند کے لئے (٩) ماں کے لئے (٦) دادا کے لئے (٨) اور بہن کے لئے (٤) جس کی تکمیل عدد رؤس (٣) (دادا اور بہن) کو اصل مسئلہ (٩) میں ضرب دینے سے ہوگی اس طرح (٢٧) سے، خاوند کے لئے (٩=٣x٣) تہائی مال اور ماں کے لئے (٦=٣x٢) جو ثلث باقی ہے جب کہ دادا اور بہن کے لئے (١٢=٣x٤) بہن کے لئے (٤) باقی کے باقی کا تہائی ہے اور دادا کے لئے (٨) باقی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا...... کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب سگی بہن یا باپ شریک بہن کو دادا کے ساتھ فرض والی نہیں بناتا بلکہ دادا کے ساتھ سوائے اس مسئلہ کے اسے عصبہ قرار دیتا ہے اور اس مسئلہ میں اسے فرض والی بناتا ہے یہ دونوں آپس میں دونوں حصوں کے مجموعہ کو مرد کے لئے عورت کے دو حصوں کے اصول سے تقسیم کرلیں گے۔ اگر بہن کی جگہ ایک بھائی یا دو بہنیں ہوتیں تو پھر عول نہ ہوتا ورنہ اکدریہ والا مسئلہ ہوتا۔ اس لئے کہ تمام مال کا سدس دادا کے لئے بہتر ہے دوسرا سدس بھی اس کا ہوتا بھائی کے لئے کچھ نہ ہوتا اور مسئلہ اکدریہ اس طرح نہ ہوتا کہ بھائی عصبہ ہے البتہ جب ایک بہن کی جگہ دو بہنیں ہوتیں تو ماں کا حصہ مختلف ہوجاتا، وہ سدس لیتی اور خاوند کے حصہ کے بعد دو حصے رہ جاتے یعنی تہائی، مقاسمہ اور سدس برابر ہیں لہٰذا نہ عول ہوگا اور نہ اکدریہ۔

حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے مطابق تقسیم...... یہ تقسیم بھائیوں کے ساتھ دادا کے حالات کو ان کے ساتھ اہل فرض کے وجود وعدم کے اعتبار سے بیان کرتی ہے۔

اول: یا تو ان کے ساتھ کوئی صاحب فرض نہ ہو:

دادا کے لئے دو میں سے بہترین امر...... سارے مال کا تہائی ہے جیسے جب ورثاء میں دادا، دو بھائی اور ایک بہن ہو یا مقاسمہ ہے جو اس کے لئے اس وقت بہتر ہے۔

جب بھائی بہنوں کی تعداد اس کی دوگنی تعداد سے کم ہو جس کا انحصار پانچ مسائل میں ہے۔ جیسے دادا اور ایک بھائی، دادا اور ایک بہن، دادا اور دو بہنیں، دادا اور تین بہنیں، دادا اور ایک بھائی اور ایک بہن۔

دوم: یا ان کے ساتھ کوئی فرض والا ہو...... زوجین میں ہے، ماں، جدتین، بیٹی، پوتی یعنی بہنوں کے علاوہ۔

ا...... پھر یا تو فرض سے زائد مال سدس سے زیادہ ہو تو دادا کے لئے تین امور افضل ہیں۔ مقاسمہ، ثلث الباقی، اور سارے مال کا سدس، دادا، دادی اور بھائی کی صورت میں مقاسمہ اس کے لئے بہتر ہے مسئلہ بارہ (١٢) سے ہوگا، دادا اور بھائی، ہر ایک کے لئے پانچ حصے، دادی کے لئے دو حصے، اور زوج، دادا اور بھائی کی صورت میں، مسئلہ (٤) سے ہوگا۔ اور ماں، دادا اور دس بھائیوں کی صورت میں ثلث الباقی اس کے لئے زیادہ بہتر ہے، مسئلہ (٦) سے ہوگا اور تصحیح (١٨) سے ہوگی۔ ماں کے لئے (٣) دادی کے لئے (٥) اور باقی

بھائیوں کے لئے۔ اور جیسے دادا، دادی، دو بھائی اور ایک بہن کی صورت میں، مسئلہ (۶) سے ہوگا اور تصحیح (۱۸) سے ہوگی اور تقسیم کی تکمیل تب ہوگی جب باقی کے لئے صحیح ثلث نہ ہو۔

تو ثلث کے مخرج کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے یعنی (۱۸=۶x۳) دادا کے لئے (۵) دو بھائیوں کے لئے۔ اور جیسے دادا، دادی، دو بھائی اور ایک بہن کی صورت میں مسئلہ (۶) سے ہوگا اور تصحیح تو ثلث مخرج کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے یعنی (۱۸=۶x۳) دادا کے لئے (۵) دو بھائیوں کے لئے (۸) اور بہن کے لئے (۲) ہے۔ اور اس صورت میں جب ورثاء میں بیوی، دو بیٹیاں، دادا اور بھائی ہوتو دادا کے لئے سارے مال کا سدس بہتر ہے۔ بیوی کو (۲۴) میں سے (۳) دو بیٹیوں کو (۱۶) ملے گا اور (۵) باقی رہ جائے گا، سارے مال کا سدس دادا کے لئے مقاسمہ سے بہتر ہے۔

۲...... یا سدس زائد ہوجائے۔ تو دادا کو بطور فرض دیا جائے اور بھائی ساقط ہوجائے گا۔ جیسے جب ورثاء میں خاوند، ماں، دادا اور بھائی ہو، مسئلہ (۶) سے ہوگا خاوند کو نصف (۳) ماں کو تہائی (۲) اور دادا کو سدس (۱) ملے گا جب کہ بھائی کے لئے کچھ نہیں۔

۳: یا سدس سے کم مال زائد ہوجائے ...... تو عول کے ذریعہ دادا مکمل سدس پائے گا اور بھائی ساقط ہوجائے گا۔ جیسے جب ورثاء میں خاوند، دو بیٹیاں، دادا اور ایک بھائی ہوتو مسئلہ (۱۲) سے ہوکر (۱۳) میں عول ہوگا۔ دو بیٹیوں کو (۸) خاوند کو (۳) اور ایک بچ جائے گا تو سدس کی تکمیل کے لئے ایک کے ذریعہ عول ہوگا اور بھائی ساقط ہوجائے گا۔

اور جیسے ورثاء میں خاوند، دادا، بیٹی ماں اور سگی بہن ہو مسئلہ کا عول (۱۳) میں ہوگا اور بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ اس نے بیٹی یا دادا کے ساتھ عصبہ ہونا تھا اور دادا کا اپنا مقرر حصہ سدس لے چکنے کے بعد اس کے لئے کچھ نہیں بچا۔

۴...... حصے سدس کو ختم کردیں، بھائی ساقط ہوگا اور عول میں اضافہ کیا جائے گا جیسے خاوند، ماں، دادا اور ایک بھائی ورثاء میں ہیں مسئلہ کا عول (۱۳) میں ہوگا اور دادا کے سدس کا عول میں اضافہ کیا جائے گا۔ تو یوں مسئلہ پندرہ (۱۵) سے ہوجائے گا۔

دادا کا بھائی سے مقاسمہ کے بارے میں قانون کا موقف...... مصری قانون (م ۲۲) اور شامی قانون (م ۲۷۹ / ۱۔ ۴) نے بھائیوں کے ساتھ دادا کے مقاسمہ کے بارے میں تصریح کی ہے۔

ان میں سے مصری قانون نے دادا کی بھائیوں کے ساتھ دو حالتیں مقرر کی ہیں۔

پہلی...... کہ دادا کے ساتھ جو بہن بھائی موجود ہیں وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوں اور صرف مذکر یا مذکر مونث یا مونث عصبہ مع الغیر ہوں جیسے سگا بھائی یا سگا بھائی سگی بہن کے ساتھ ہو یا باپ شریک بھائی باپ شریک بہن کے ساتھ ہو یا سگی بہن کے ساتھ ہو یا باپ شریک بہن بیٹی یا پوتی کے ساتھ ہو۔ تو دادا کو بھائی کی طرح قرار دیا جائے گا او، عصبہ ہونے میں ان کے ساتھ وارث ہوگا۔ اور جب تک سدس سے حصہ کم نہ ہو ان کے ساتھ مقاسمہ کرے گا اور اگر اس سے کم ہوجائے تو اس وقت فرض ہونے کی وجہ سے سدس دیا جائے گا۔ اور اگر دادا کے ساتھ پانچ سے کم ہوں تو مقاسمہ بہتر ہے اور اگر پانچ ہوں تو پھر مقاسمہ اور سدس برابر ہے۔

اور اگر اس کے ساتھ چھ یا اس سے زیادہ ہوں تو مقاسمہ سے سدس بہتر ہے لہٰذا فرض ہونے کی وجہ سے سدس دیا جائے گا۔ سگے بھائیوں کے ساتھ باپ شریک بھائیوں کو دادا سے ترجیح نہیں دی جائے گی اس لئے کہ وہ سگے بھائیوں کی وجہ سے محجوب ہیں لہٰذا دادا، سگا بھائی، اور باپ شریک بھائیوں کی صورت میں دادا اور سگے بھائی میں سے ہر ایک کو نصف ملے گا اور بھائی ساقط ہوجائیں گے۔ اور یہ حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر عمل ہے۔

دوسری.......دادا کے ساتھ موجود بہنیں فرض کی وجہ سے وارث ہوں: جیسے سگی بہن یا باپ شریک بہن ایک یا ایک سے زیادہ ہوں اور دادا کے ساتھ عصبہ بنانے والا بھی نہ ہو تو دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے میراث ملے گی اور فروض کے بعد، جو باقی بچ جائے گا وہ بھی لے گا جب تک سدس سے کم نہ ہو اور اگر سدس سے کم ہو تو سدس دیا جائے گا، جب ورثاء میں دادا اور ایک سگی یا باپ شریک بہن ہو تو بہن کو نصف فرض ہونے کی وجہ سے ملے گا اور باقی دادا کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے اور دادا، دو سگی بہنوں یا باپ شریک بہنوں کی صورت میں، دو بہنوں کو دو تہائی فرض اور باقی دادا کے لئے عصبہ ہونے کی وجہ سے، اور ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بہن اور دادا کی صورت میں سگی بہن کو فرض کی وجہ سے نصف اور باپ شریک بہن کو فرض کی وجہ سے سدس تا کہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے اور باقی دادا کو عصبہ ہونے کی وجہ سے، اور یہ حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب ہے کہ دادا صرف بہنوں کو عصبہ نہیں بناتا۔

جہاں تک شامی قانون کا تعلق ہے......تو وہ ہر حال میں دادا کو سدس دینے میں مصری قانون کے موافق ہے خواہ اس کے ساتھ ذو فرض ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ آرٹیکل (۲۷۹) کے (۱) فقرہ میں سابقہ پہلی حالت کی تصریح ہے اور یہ سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اکثر فقہاء کی رائے ہے اور حضرت ابن مسعود اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب کے موافق ہے کہ جب بہنیں بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہوں تو دادا بہنوں سے مقاسمہ کرے گا۔ اور مذکورہ آرٹیکل کے (۲) فقرہ میں سابقہ دوسری حالت کی تصریح ہے جو حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر عمل ہے کہ دادا اکیلی بہنوں کو عصبہ نہیں بناتا، بلکہ فرض کی وجہ سے وہ اپنا حصہ لیں گی اور دادا عصبہ ہوگا۔ اور اسی آرٹیکل کے (۳) فقرہ میں اس بات کی صراحت ہے کہ دادا چاہے مقاسمہ سے لے یا عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کا حصہ سدس سے کم نہیں ہوگا۔ اور یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے ماخوذ ہے جس میں دادا کا فرض سدس قرار دیا جاتا ہے، اور آرٹیکل کے (۴) فقرہ میں سگے بہن بھائیوں کے ساتھ باپ شریک بہن بھائیوں کے اعتبار نہ کرنے کی صراحت ہے جو حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب سے ماخوذ ہے کہ باپ شریک بھائی جب سگے بھائیوں کی وجہ سے محجوب ہوں تو مقاسمہ میں ان کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

۱......میت کے ورثا میں دادا، سگا بھائی اور سگی بہن ہے، مسئلہ پانچ سے ہوگا دادا کے دو حصے ہیں بھائی کے بھی دو حصے اور بہن کا ایک حصہ ہے۔

۲......میت کے ورثاء میں ایک بیوی، دو سگی بہنیں ہیں۔ بیوی کو چوتھائی اور دونوں بہنوں کو دو تہائی اور دادا کو سدس ملے گا مسئلہ کا عول (۱۳) میں ہوگا۔

۳......میت کے ورثاء میں باپ، دادا اور ایک بیٹا ہے: باپ کو سدس اور بیٹے کو باقی جب کہ دادا کو کچھ نہیں ملے گا۔

خاوند کی حالتیں......خاوند کی دو[1] حالتیں ہیں۔

پہلی......بیٹے پوتے، پڑپوتے وغیرہ کی عدم موجودگی کے وقت نصف (آدھا مال) ملے گا۔ چنانچہ جس عورت کے ورثاء میں خاوند اور ایک سگا بھائی ہو تو خاوند کو نصف اور باقی بھائی کو ملے گا۔

دوسری......بیٹے، پوتے پڑپوتے وغیرہ کے ہوتے ہوئے چوتھائی ملے گا خواہ وہ اس خاوند سے ہوں یا کسی اور سے، چنانچہ اگر عورت ورثاء میں خاوند بیٹا یا پوتا چھوڑ مرتی ہے تو خاوند کو چوتھائی، یا جائے گا جب کہ باقی بیٹے یا پوتے کا حصہ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کے

[1]......شرح السراجیۃ: ص ۳۱ تبیین الحقائق: ۲۳۳/۶ القوانین الفقہیۃ: ص ۳۸۸، الرحبیۃ ص ۲۵ مغنی المحتاج ۹/۳، ۱۷، المغنی ۱۷۸/۶۔

اس ارشاد میں ہے" اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے نصف ہے اگر وہ بااولاد نہ ہوں اور اگر وہ بااولاد ہوں تو تمہیں ان کے ترکے سے چوتھائی ملے گا وصیت پوری کر چکنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو اور قرض ادا کر دیا جائے جو انہوں نے چھوڑا ہو۔" (النساء ۴/ ۱۲) مصری قانون (م ۱۱) اور شامی قانون (م ۲۶۸) نے خاوند کی مذکورہ دونوں حالتوں کی تصریح کی ہے۔

۴: ماں شریک بہن بھائی کی حالتیں (یعنی اخیافی)...... ماں کی اولاد جنہیں بنی الاخیاف کہا جاتا ہے کی تین حالتیں ہیں: ❶

پہلی: سدس...... ان میں سے ایک کے لئے مذکر ہو یا مونث، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اور اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (النساء: ۴/ ۱۲) اور اس سے بالا جماع مراد ماں کی اولاد ہے اور حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی (قرأت (کا انداز) بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس کا ماں شریک بھائی یا ماں شریک بہن ہو" چنانچہ جس کے ورثا میں ایک سگا بھائی اور ایک ماں شریک بھائی یا بہن ہو تو ماں شریک بھائی یا بہن کو سدس (چھٹا حصہ) ملے گا جب کہ باقی ماندہ سگے بھائی کو ملے گا۔

دوسری تہائی...... جو دو یا دو سے زیادہ کے لئے ہے مذکر ہوں یا مونث، دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے" اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی میں شریک ہوں گے" (النساء ۴/ ۱۲) ان کے مذکر مونث تقسیم واستحقاق میں برابر ہیں۔ تقسیم میں اس طرح کہ ان میں سے مونث مرد کی طرح حصہ لے گی اور استحقاق میں اس طرح کہ ان میں سے ایک خواہ مذکر ہو یا مونث، سدس کا مستحق ہے۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں ماں، ماں شریک بھائی اور بہنیں اور ایک چچا ہو تو ماں کو سدس اور ماں شریک بہن بھائیوں کو تہائی جب کہ باقی ماندہ چچا کو ملے گا۔

تیسری: ان کا محجوب ہونا...... فرع وارث۔ بیٹا، پوتا پڑپوتا وغیرہ۔ کے ہوتے ہوئے اور اصل مذکر وارث۔ باپ نہیں دادا کے ہوتے ہوئے بالاتفاق ساقط ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ کلالہ کی قبیل سے ہیں اور ان کی میراث میں بیٹے اور باپ کا نہ ہونا شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ (النساء ۴/ ۱۲) اور اولاد نہ ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی ایسا شخص ہلاک ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو (البتہ) اس کی ایک بہن ہو"۔ (النساء ۴/ ۱۷۶)

اور روایت میں ہے" کلالہ وہ کہلاتا ہے جس کی نہ اولاد ہو اور نہ والد" اور بیٹے کی اولاد بیٹے (ہونے) میں داخل ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے " اے اولاد آدم"۔ (الاعراف ۷/ ۳۱) اور دادا باپ کے حکم میں داخل ہے" اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جیسا کہ اس (ابلیس) نے تمہارے والدین کو جنت سے نکالا" (الاعراف ۷/ ۲۷) لہٰذا ماں کی اولاد کے لئے ان لوگوں یعنی اولاد اور آباء اجداد کے ہوتے ہوئے میراث نہیں ہے۔

قانون مصری (م ۱۰، ۲۶) اور شامی (م ۲۶۲) نے ماں کی اولاد کے سابقہ احوال کی تصریح کی ہے جیسا کہ ان دونوں میں مشترکہ مسئلہ کی صراحت کی ہے۔

مثالیں: ۱...... ایک شخص ورثاء میں باپ، ایک بیٹا اور ایک ماں شریک بھائی چھوڑ مرا، تو باپ کو سدس ملے گا اور باقی بیٹے کا ہے جب کہ ماں شریک بھائی کے لئے کچھ نہیں۔

---

❶ ...... شرح السراجیة ص ۳۰ تبیین الحقائق: ۶/ ۲۳۷ القوانین الفقهیة ۳۸۸، مغنی المحتاج: ۳/ ۱۱ المغنی ۶/ ۱۸۳۔

۲......ایک عورت کا انتقال ہوا ورثاء میں خاوند، ایک ماں شریک اور ایک سگا بھائی ہے تو خاوند کو نصف ملے گا ماں شریک بھائی کو سدس جب کہ باقی ماندہ سگے بھائی کے لئے ہے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

۳۔ بیوی کا انتقال ہوا ورثاء میں خاوند، دادا اور دو ماں شریک بھائی ہیں۔تو خاوند کو نصف ملے گا باقی دادا کا ہے جب کہ ماں شریک بھائیوں کے لئے نہیں۔

ا۔ وہ صورتیں جن میں ماں کی اولاد دوسروں سے مختلف ہوتی ہے...... ماں کی اولاد اپنے علاوہ اصحاب الفروض سے مندرجہ ذیل امور میں مختلف ہوتی ہے۔

ا......اس ماں کے ساتھ وارث ہوتے ہیں جس کے ساتھ ان کی نسبت ہے۔

۲......ان میں سے مذکر مونث تقسیم اور استحقاق میں برابر ہیں۔

۳......ان میں سے ایک کے لئے سدس اور زیادہ کے لئے تہائی ہے۔

۴......کسی مورث کی وجہ سے اس ماں کو جس کے ساتھ ان کی نسبت ہوتی ہے حجب نقصان سے تہائی سے سدس (چھٹا حصہ) تک محجوب کرتے ہیں۔

۵......ان میں سے مذکر، مونث کی وجہ سے نسبت حاصل کرتا ہے اور اس کے ساتھ فرض کی وجہ سے وارث ہوتا ہے۔

مسئلہ مشترکہ یا حجریہ......یعنی جس میں سگے بھائی اور ماں کی اولاد کو شریک کیا جائے۔

یہ مقرر ہے کہ عصبہ بننے والا اصحاب الفروض کا اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد ہی وارث ہوتا ہے جس کی دلیل وہ سابقہ حدیث ہے: ''مقررہ حصوں (فرائض) کو ان کے حق دار تک پہنچاؤ جو بچ جائے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔'' لیکن کبھی کبھار سگا بھائی ماں شریک بھائی کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے چنانچہ جب کسی عورت کے ورثاء میں خاوند، ماں، دو ماں شریک بھائی، ایک سگا بھائی اور ایک سگی بہن ہو تو خاوند کا حصہ نصف ہے ماں کو سدس ملے گا، جب کہ ماں شریک بھائیوں، سگے بہن بھائی سب کے لئے تہائی ہے جو برابر سرابر ان میں تقسیم کر دیا جائے گا مردوں عورتوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں رکھا جائے گا۔ اس کے مطابق حضرت عمرؓ نے اپنے آخر عہد میں فیصلہ کیا تھا، حالانکہ پہلے انہوں نے سگے بھائیوں کی محرومی کا فیصلہ صادر کیا تھا اور پھر جب تمہارا ہی مسئلہ پیش ہوا، تو کسی نے آپ سے کہا: ''ہمارے باپ کو سمندر کا ایک پتھر سمجھئے، کیا ہماری ماں ایک نہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ سب تہائی میں شریک ہوں، مذکر مونث برابر ہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ اور صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے آپ کی اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور اسی کو مالکیہ، شافعیہ نے اختیار کیا ہے مصر اور شام کے قانون میں یہی فیصلہ شامل ہے۔ اسے ''مشترکہ'' کہنے کی یہی وجہ ہے کہ تہائی میں سب کو شریک کیا گیا اسے ''مشترکہ'' کہ اس میں شرکت ہے اور ''حجریہ'' کہ ان میں سے کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا ہمارے باپ کو سمندر کا حجر (پتھر) سمجھیں اور ''حماریہ'' کو ان میں سے کسی نے کہہ دیا تھا ہمارے باپ کو گدھا سمجھیں'' کہا جاتا ہے۔

احناف اور حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ سگے بھائی ساقط ہو جاتے ہیں؛ خاوند کو نصف دیا جائے گا ماں کا حصہ سدس ہے اور ماں شریک بھائی کو تہائی ملے گا۔ ان لوگوں کی دلیل سابقہ آیت کلالہ ہے'' اور اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور بھائی بہن ایک سے زیادہ ہو تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے۔'' النساء ۴/ ۱۲

اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت سے مراد خصوصاً ماں کی اولاد ہے سو جس نے ان میں (کسی کو) شریک کیا اور ہر ایک کو سدس نہ دیا تو یہ تقسیم ظاہر قرآن کے خلاف ہے۔❶

دوم: عورتوں کے احوال......عورتوں میں فروض (مقرر حصہ) والیاں آٹھ خواتین ہیں:

بیوی، بیٹی، پوتی (پڑپوتی وغیرہ) اور بہن خواہ جس جہت سے ہو (سگی ہو یا باپ شریک یا ماں شریک ہو) ماں، نانی، دادی۔

ا۔ بیوی کی حالتیں......بیوی کی دو حالتیں ہیں۔❷

پہلی: ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے چوتھائی......جب فرع وارث نہ ہو۔ بیٹا، پوتا، پوتے کا بیٹا وغیرہ۔

خواہ اس سے ہوں یا کسی اور عورت سے، دوسری آٹھواں حصہ جب فرع وارث ہو بیٹا، پوتا، پوتے کا بیٹا وغیرہ خواہ اس سے ہو یا کسی اور عورت سے، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو اور نہ صاحب اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا، بعد اس کے جو وصیت تم نے کی ہے وہ پوری کر دی جائے اور جو قرض تم نے چھوڑا ادا کر دیا جائے۔'' النساء ۴/ ۱۲

تو ایک بیوی کا حصہ اور ایک سے زائد کا برابر ایک ہی حصہ ہے خواہ ان کی تعداد چار ہو کیونکہ آیت عام ہے۔ ولد پوتے کو بھی نص یا اجماع کی وجہ سے شامل ہے۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں بیوی، بیٹی اور باپ ہو تو بیوی کو آٹھواں حصہ بیٹی کو نصف اور باپ کو سدس بطور فرض اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور جس کے ورثاء میں بیوی، بھائی اور نواسہ ہو تو بیوی کو چوتھائی، بھائی کو باقی ماندہ عصبہ ہونے کی وجہ سے اور نواسے کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ ذو رحم (رشتہ دار) ہے۔

مصری قانون (م ۱۱) اور شامی قانون (م ۲۶۸) نے دونوں حالتوں میں عورت کے مقررہ حصے کی صراحت کی ہے خواہ اسے طلاق رجعی ملی ہو اور اسکا خاوند فوت ہو گیا ہے اور وہ عدت گزار رہی ہو، اور اگر وہ عورت طلاق بائن والی ہو تو اس کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وفات کی وجہ سے رشتہ زوجیت ختم ہو گیا۔ البتہ جب اس کی طلاق، طلاق فرار (وہ طلاق جو خاوند مرض الموت میں بیوی کی میراث سے جان چھڑانے کے لئے دیتا) ہو تو بخلاف شافعیہ، جمہور کے نزدیک ایسی عورت وارث ہوگی۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ زوجین کے دونوں حصوں میں اس بات کی رعایت کی گئی ہے کہ ان دونوں میں سے مرد کے لئے دو عورتوں کا حصہ ہے۔

تا کہ مرد عورت کے درمیان ذمہ داریوں کی تقسیم میں عدل کے اصول کا التزام کیا جائے۔

مرد چونکہ مہر کی ادائیگی، عورت خواہ ماں ہو یا بیٹی یا بیوی پر خرچ کرنے کا پابند ہے جب کہ عورت معاشرتی ذمہ داریوں میں سے کسی چیز کی پابند نہیں، یوں اس کا حصہ کسی ناگہانی حالت کی تیاری کے لئے محفوظ رہے گا جس میں وہ آزادی اور خودمختاری سے تصرف کر سکتی ہے۔

اور یہ اصول (مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر والا) عام اصول ہے۔ کیونکہ میراث میں باہمی تفاضل کی بنیاد ضرورت ہے، بیٹے کا حصہ بیٹی کے حصے سے دوگنا ہے۔

کیونکہ زندگی میں بیٹے کی ذمہ داریاں اس کی بہن کی ذمہ داریوں سے زیادہ ہیں۔ وہ اپنی ذات، اپنی بیوی کے مہر اور بیوی کے اخراجات، اولاد کے نان نفقہ اور نادار ماں باپ کی کفالت کرنے کا پابند ہے۔ جب کہ بیٹی اپنی زندگی میں ان ذمہ داریوں میں سے کسی کی مکلف نہیں جن کا اس کا بھائی پابند ہے۔

❶......المغنی ۶/ ۱۸۰ مغنی المحتاج ۳/ ۱۷۔❷شرح السراجیة: ص ۳۴، تبیین الحقائق ۶/ ۲۳۳، القوانین الفقهیة ص ۳۸۸ مغنی المحتاج ۳/ ۹، ۱۳ کشاف القناع: ۴/ ۴۵۰۔

۲۔ بیٹی کی حالتیں...... صلبی بیٹیوں کی تین حالتیں ہیں:

پہلی: ایک کے لئے نصف ہے...... جب وہ اپنی برابر کی اور اسے عصبہ بنانے والے سے الگ اور اکیلی ہو جیسا کہ باپ اور بیٹی کے ورثا میں ہونے کی صورت میں بیٹی کا حصہ فرض، نصف ہے جب کہ باقی باپ کا فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

دوسری...... دو اور دو سے زیادہ کے لئے دو تہائی، بشرطیکہ ان کے ساتھ انہیں عصبہ بنانے والا کوئی نہ ہو جیسے باپ اور دو بیٹیاں جب وارث ہوں تو دونوں بیٹیوں کا حصہ دو تہائی فرض کے طور پر اور باقی باپ کا فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

تیسری: غیر کے ساتھ عصبہ ہونا...... جیسے مذکر بیٹے کے ساتھ یوں وہ مرد مونث کا دوگنا حصہ لے گا خواہ کئی بیٹیاں یا کئی بیٹے ہوں مثلاً جب ورثاء میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہو تو ان دونوں کا حق یہ ہے کہ ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ بیٹے کو بیٹی کا دوگنا ملے گا۔ دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے ''تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے اور اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں انہیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے'' (النساء ۴/۱۱) جس میں ایک تین اور زیادہ کے حکم تصریح ہے رہی دو لڑکیاں (بیٹیاں) تو ان کا حکم سنت سے معلوم ہوا۔

سوائے نسائی، پانچوں نے بحوالہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کی ہے فرمایا: حضرت سعد بن الربیع کی بیوی اپنی ان دو بیٹیوں کو لے کر جو حضرت سعد سے تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی: اللہ کے رسول! یہ دونوں سعد بن الربیع کی بیٹیاں ان کے والد آپ کی معیت میں احد کے مقام پر شہید ہو گئے اور ان کے چچا نے ان دونوں کا مال لے لیا ہے اور ان کے لئے کوئی مال نہ چھوڑا، مال کے بغیر ان کا نکاح نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا: تمہارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا۔ جس پر آیت میراث نازل ہوئی۔

چنانچہ آپ علیہ السلام نے ان دونوں بچیوں کے چچا کی طرف پیام بھیجا اور فرمایا: سعد کی دونوں بیٹیوں کو دو تہائی اور ان دونوں کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اس کے بعد جو بچ جائے وہ تمہارا ہے۔'' ❶ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں: یہ اسلام میں پہلا ترکہ تھا جس کی تقسیم عمل میں آئی'' قانون مصری (م ۱۲،۱۹) اور شامی (م ۲۶۹، ۲۷۷) نے بیٹی کے مذکورہ حالات کی تصریح کی ہے اور آرٹیکل (۲۷۷) کے فقرہ ❷ نے اس کی صراحت کی ہے کہ عصبہ ہونے کی حالت میں بیٹے، بیٹیوں میں میراث مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ کے قاعدہ سے تقسیم ہوگی۔

۳۔ پوتیوں کے احوال...... پوتیوں کے چھ احوال ہیں پہلے تین بیٹیوں کے اور تین اور ہیں۔ ❸

پہلا حال...... اکیلی کو نصف ملے گا جب بیٹی یا بیٹا یا ان کا ہمسر نہ ہو جیسے اگر ورثا میں باپ، ماں اور پوتی ہو تو پوتی کا حصہ نصف، ماں کا چھٹا اور باقی باپ کا ہے فرض اور عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

دوسرا...... بیٹی، بیٹے یا ان کے ہمسر کی عدم موجودگی میں دو یا دو سے زیادہ کے لئے دو تہائی، چنانچہ جس کے ورثا میں باپ۔ اور دو پوتیاں ہوں تو دونوں پوتیوں کو دو تہائی جب کہ باقی باپ کو ملے گا۔

---

❶......السراجیۃ ص ۳۴، تبیین الحقائق حوالہ سابقہ، القوانین الفقہیۃ ص ۳۸۸ مغنی المحتاج ۳/۱۴، المغنی ۶/۱۷۲۔ ❷ اس حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے اور حاکم نے بھی نقل کی ہے (نیل الاوطار: ۶/۵۶) خمسہ سے مراد امام احمد اور سنن اربعہ کے مؤلفین ہیں۔ ❸ السراجیۃ: ص ۳۵، تبیین الحقائق ۶/۲۳۴ القوانین الفقہیۃ: ص ۳۸۹ مغنی المحتاج ۳/۱۴۔

تیسرا: عصبہ...... پوتے کے ساتھ جوان کے درجہ میں ہو، مرد کو عورت کا دوگنا، جیسے جب ورثاء میں پوتا اور پوتی ہوں تو دونوں کو کل ترکہ ملے گا۔

چوتھا...... ایک بیٹی کے ساتھ ایک یا زیادہ کے لئے چھٹا حصہ تا کہ دوتہائی کو پورا کیا جائے۔ جس میں حضرت ابن مسعود کے سابقہ فیصلے پر عمل ہے'' کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کردہ فیصلے کی طرح فیصلہ کرتا ہوں بیٹی کے لئے نصف اور پوتی کے لئے چھٹا حصہ تا کہ دوتہائی کو پورا کیا جائے۔ اور جو بچ جائے وہ بہن کے لئے ہے اس لئے کہ شریعت نے دوتہائی بیٹیوں کا حق رکھا ہے لہٰذا جب ایک سگی بیٹی ہو تو وہ صرف نصف لے گی اب بیٹیوں کے حصہ میں سے چھٹا حصہ رہ گیا جو پوتی کو دیا جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے۔
جب انہیں عصبہ بنانے والا نہ ہو جو انہی کے درجہ کا پوتا ہے اگر وہ ہو تو یہ اس کی وجہ سے عصبہ بن جائیں گی۔ جو اس کے ساتھ باقی ماندہ حصہ بھی لے گی۔ مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ ہے۔ چنانچہ جب میت کے ورثاء میں بیٹی، پوتی اور پوتا ہو، تو بیٹی کو نصف اور پوتی کو پوتے کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ ملے گا۔ اور اگر ترکہ میں سے کچھ نہ بچے تو اس کا کوئی حصہ نہیں چنانچہ اس صورت میں کہ جو ورثاء میں باپ ماں، خاوند بیٹی، پوتی اور پوتا ہو تو ماں باپ دونوں کے لئے چھٹا حصہ، خاوند کو چوتھائی، بیٹی کو نصف ملے گا سارا ترکہ ختم ہو گیا پھر عول ہو گا لیکن پھر بھی پوتی اور پوتے کے لئے کچھ نہیں رہا۔ اگر پوتا نہ ہوتا تو پوتی سدس (چھٹا حصہ) فرض ہونے کی وجہ سے لے لیتی۔

پانچواں اور چھٹا حال: حجب...... پوتی، بیٹے کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے۔
چنانچہ جب ورثا میں بیٹا اور پوتی ہو تو سارا ترکہ بیٹے کا ہے کیونکہ وہ عصبہ ہے جب کہ پوتی کے لئے کچھ نہیں۔ اسی طرح دو سگی (صلبی) بیٹیوں یا دو سے زیادہ کی وجہ سے محجوب اور ساقط ہو جاتی ہے البتہ جب اس کے ساتھ یا اس سے نیچے مذکر اولاد ہو تو وہ اسے عصبہ بنا دے گی، اس صورت میں باقی ان کے درمیان ہو گا مرد کے لئے عورت کا دوگنا، مثلاً میت کے ورثاء میں ماں باپ دو بیٹیاں اور ایک پوتی ہو تو والدین میں سے ہر ایک کو سدس، دونوں بیٹیوں کو دوتہائی جب کہ پوتی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ دونوں بیٹیوں نے اس کا حصہ ختم کر دیا۔
اور اگر پوتی کے ساتھ پوتا یا پوتے کا بیٹا ہو تو ان میں سے ہر ایک اسے عصبہ بنا دے گا۔ کیونکہ اسے (پوتی کو) اس کی ضرورت ہے اگر چہ دوسرے کی ضرورت نہیں پھر اگر بیٹیوں کے حصے سے اس کے لئے کچھ بچ جائے تو پوتا اسے عصبہ نہیں بنائے گا بلکہ وہ اپنا فرض (مقرر) حصہ لے گی اور وہ (پوتا) عصبہ بنفسہ باقی رہے گا۔ جو فروض کے بعد باقی ماندہ میراث لے گا۔

دلیل:ا...... وہ نصوص جو بیٹی کی میراث کے احکام پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے کہ نص میں'' اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔'' (النساء۴/۱۱) اولاد سے مراد تمہاری وہ فرع ہے جو حقیقتاً تمہاری ہو یا تمہارے بیٹوں کے واسطہ سے ہو۔
۲...... حضرت ابن مسعود کا سابقہ فیصلہ جسے سوائے نسائی صحاح ستہ کے مصنفین نے بحوالہ ہزیل بن شرجیل نقل کیا ہے کہ آپ نے دوتہائی کو پورا کرنے کے لئے پوتی کے لئے سدس کا فیصلہ فرمایا۔
قانون مصری (م ۱۲، ۱۹) اور شامی (م ۲۶۹، ۲۷) نے پوتیوں کے حالات خصوصاً ایک یا ایک سے زیادہ کے بیٹی یا ذرجہ میں اعلیٰ پوتی کے ساتھ چھٹے حصے کے استحقاق کی صراحت کی ہے۔

مثالیں: الف...... میت کے ورثا میں بیٹی، پوتی اور باپ ہے تو بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور باپ کو سدس فرض اور باقی عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔
ب...... ورثاء میں پوتی اور پوتا ہے۔ سارا ترکہ دونوں کے درمیان'' مرد کو عورت کا دوگنا'' کے تحت تقسیم ہو گا۔

ج.....میت نے ورثاء میں بیٹی، پوتی اور پوتے کا بیٹا چھوڑا، تو بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس جب کہ باقی دوسرے (پوتے) کے لئے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

د.....ورثاء میں دو بیٹیاں، ایک پوتی اور ایک پوتے کا بیٹا ہے، دونوں بیٹیوں کو دو تہائی پوتی کو پوتے کے ساتھ باقی ماندہ ملے گا کیونکہ اسے (پوتی کو) اس (لڑکے) کی ضرورت ہے۔ اسے مبارک لڑکا کہا جاتا ہے۔

ہ.....ورثاء میں خاوند، باپ، ماں، بیٹی پوتی اور پوتا ہیں۔ تو خاوند کو چوتھائی باپ، کو سدس، بیٹی کو نصف ملے گا جب کہ پوتی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ ہوگئی اور ان دونوں کے لئے کچھ نہ بچا۔ وہ اگر اکیلی ہوتی تو سدس لیتی، تو اس کے بھائی کا وجود اس کے لئے میراث سے محرومی کا سبب ہوا اس بنا پر اسے نامبارک لڑکا کہا جاتا ہے۔ لیکن قانون مصری اور شامی جانب وصیت پر عمل پیرا ہیں۔ وہ اس طرح کہ جو اولاد اپنی اصل کی زندگی میں فوت ہوگئی اسے زندہ تصور کیا جائے اور اس کا حصہ اس طرح مقرر کیا جائے گویا کہ وہ موجود ہے۔ پھر ترکہ میں سے وہ حصہ نکالا جاتا ہے اور وصیت والے کو اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ وہ تہائی سے زائد نہ ہو اس کے بعد شرعی فریضہ کے مطابق ورثاء میں باقی ترکہ کو کل ترکہ سمجھ کر تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

چنانچہ اگر کسی کے ورثاء میں تین بیٹے، ماں باپ اور اس کے بیٹے کی پوتی ہو جو اپنے والد کی حیات میں فوت ہو گیا تھا۔ تو فوت شدہ کے وجود کو زندہ سمجھا جائے گا اور اس کی بیٹی کو واجب وصیت دی جائے گی جو چھ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور باقی ترکہ جو پانچ حصے ہیں ورثاء کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ ماں باپ کو سدس، سدس پانچ میں سے دیا جائے گا نہ کہ چھ میں سے اور باقی تین بیٹیوں میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ہر بیٹے کا پانچ میں سے ایک حصہ ہوگا۔ اور مسئلہ کی تصحیح (۱۰۸) سہام (حصوں) سے ہوگی باپ کے (۱۵) ماں کے (۱۵) اور تینوں بیٹیوں میں سے ہر ایک کے (۲۰) اور فوت شدہ بیٹے کی بیٹی کے (۱۸) حصے ہوں، ذوی الفروض کے حصے سے جو باقی بچ جائے گا اس سے بیٹیوں کے حصوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل (۱۰۸) میں وصیت کے بعد (۹۰) حصے بچتے ہیں: اور تصحیح ۶ کو تین (۳) بیٹوں کی تعداد میں ضرب دینے سے ہوگی یوں (۱۸) ہو جائیں گے اور پھر وصیت کے بعد جدید مسئلہ میں (۱۸) کو (۵) سے ضرب دینے سے (۹۰) حصے بن جائیں گے، والدین میں سے ہر ایک کے لئے (۹۰) کا سدس (چھٹا) حصہ ہے۔

خلاصہ..... یہ رہا کہ جدید مسئلہ واجب وصیت کے نکالنے کے بعد ورثاء کے لئے کارگر ثابت ہوگا۔

و.....میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں، ایک پوتی اور ایک پوتا ہے۔ دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا جب کہ باقی ان دونوں (پوتی اور پوتے) کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر پوتا نہ ہوتا تو پوتی کسی چیز کی وارث نہ ہوتی، دونوں بیٹیوں کے دو تہائی مکمل کر لینے کی وجہ سے لیکن پوتے کے وجود نے اسے عصبہ بنا دیا یوں اس کے ساتھ تہائی لے گی جو باقی ہے اور یہ لڑکا مبارک ہے۔

ز.....اور اگر میت کے ورثاء میں تین پوتیوں کے درجات ایک دوسرے سے بلند یا ایک دوسرے سے کم ہوں اسی طرح اس کے ورثاء میں پوتے کی تین پوتیاں ہوں جو ایک دوسرے سے کم درجہ ہوں۔ جیسا کہ آئندہ صورت میں ہے۔ ❶ کسی مرد کے تین بیٹے ہیں جن میں سے فریق اول کے ہاں ایک بیٹا اور بیٹی ہے اور اس بیٹے کی ایک بیٹی اور بیٹا ہے اور اس دوسرے بیٹے کے ہاں ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔ رہا فریق ثانی تو بیٹے کا ایک بیٹا ہے۔

اور اس کے بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے اور اس بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔

اور اس بیٹے کا ایک بیٹا اور بیٹی ہے۔ اور فریق ثالث تو بیٹے کا ایک بیٹا ہے۔

---

❶ .....السراجیة: ص ۳۷ القوانین الفقهیة: ص ۳۸۹ ہمارے استاد مرحوم شیخ حسن الشطی القاضی الفرضی کی ڈائری۔

بہنیں ہیں تو ماں کو فرض سدس ملے گا اور دونوں بہنوں کو دو تہائی۔
اس کے بعد باقی ماندہ ماں اور دونوں بہنوں کی طرف ہر ایک کے حصے کی نسبت سے رد ہوگا۔

تیسرا: غیر کے ذریعہ عصبہ ہونا...... جب ایک یا ایک سے زائد سگی بہنوں کے ساتھ ایک یا ایک سے زائد سگے بھائی ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کا حصہ ہے۔ جیسے اگر ورثاء میں ایک سگا بھائی اور ایک سگی بہن ہو تو کل ترکہ ان دونوں کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو بہن کا دو گنا ملے گا۔

چوتھا: غیر کے ساتھ عصبہ ہونا...... جب ایک یا ایک سے زائد سگی بہنوں کے ساتھ بیٹی یا پوتی یا دونوں ایک ساتھ ہوں، ایک ہو یا ایک سے زائد اور بہن کے ساتھ سگا بھائی بھی نہ ہو جو اسے عصبہ بنا تا تو اس صورت میں ایک سگی بہن یا ایک سے زیادہ کے لئے اصحاب الفروض کے حصوں کے بعد باقی ماندہ ترکہ ہے جس کی وجہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی جس میں اسی شرعی قاعدہ پر عمل ہے (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ)۔ ❶

شیعہ امامیہ کا کہنا ہے...... بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ نہیں بنتی، اگر بیٹی اکیلی ہو تو باقی ماندہ اس پر رد ہوگا۔ چنانچہ جب ورثاء میں ایک بیٹی اور ایک سگی بہن ہو تو بیٹی کو فرض نصف ملے گا اور باقی ماندہ بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور بیٹی پوتی اور سگی بہن کی صورت میں، بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے اور باقی ماندہ سگی بہن کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔
اور بیٹی، پوتی، خاوند، ماں اور دو سگی بہنیں جب ورثاء میں ہوں تو دونوں بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے کہ فروض کے بعد کوئی شے نہ بچی، بلکہ مسئلہ میں عول ہے، خاوند کو چوتھائی حصہ، ماں کو فرض سدس اور دونوں بیٹیوں (یعنی بیٹی اور پوتی) کو فرض دو تہائی ملے گا۔
اور جب دو بیٹیاں اور دو سگی بہنیں ہوں تو دونوں بیٹیوں کو دو تہائی تو فرض ملے گا جب کہ باقی ماندہ ترکہ دونوں بہنوں کو عصبہ ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔ اور جب دو سگی بہنیں اور ایک پوتی ہو تو پوتی کو نصف فرض ملے گا اور باقی بہنوں کو عصبہ ہونے کی وجہ سے اور جب ورثاء میں ماں شریک بھائی یا ماں شریک بہنیں سگے بھائیوں کے ساتھ ہوں تو اسے مسئلہ مشترکہ کہا جاتا ہے اور وہ خاوند، ماں، اور ماں شریک دو بھائی اور ایک سگا بھائی ہے لہٰذا یہ بھائی تہائی میں ماں شریک دونوں بھائیوں کے ساتھ شریک ہوگا اگر سگے بھائی کی جگہ باپ شریک بھائی ہوتا تو ساقط ہو جاتا۔

پانچواں: وارث مذکر فرع کی وجہ سے ساقط ہونا...... اور وہ بیٹیا، پوتا، پوتے کا پوتا وغیرہ ہیں۔ باپ کی وجہ سے بالاتفاق اور دادا کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک، جس میں صاحبین اور دوسرے مسالک کا اختلاف ہے۔ مصر اور شام کے قانون نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:
''اے نبی! لوگ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی ایسا شخص ہلاک ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اسے ترکے کا نصف دیا جائے گا اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث

❶ ......اسی کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فیصلہ کیا (نیل الاوطار ۶/ ۵۸) اور حدیث ابن مسعود، ہزیل بن شرجیل سے سوائے مسلم اور نسائی کے ایک جماعت نے نقل کی ہے اور حدیث معاذ، اسود سے ابوداؤد اور بخاری نے اس کے مفہوم میں (معناً) نقل کی ہے۔ شوکانی فرماتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہے اگر اس کے ساتھ پوتی نہ ہو تو اپنا مقرر حصہ (فرض) لینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ لے گی جیسا کہ حدیث معاذ میں ہے اور اپنے اور پوتی کے فرض کے بعد باقی ماندہ ترکہ وصول کرے گی جیسا کہ حدیث ہزیل میں ہے اور اس پر اجماع ہے۔

بہنیں ہیں تو ماں کو فرض سدس ملے گا اور دونوں بہنوں کو دو تہائی۔

اس کے بعد باقی ماندہ ماں اور دونوں بہنوں کی طرف ہر ایک کے حصے کی نسبت سے رد ہوگا۔

تیسرا: غیر کے ذریعہ عصبہ ہونا...... جب ایک یا ایک سے زائد سگی بہنوں کے ساتھ ایک یا ایک سے زائد سگے بھائی ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کا حصہ ہے۔ جیسے اگر ورثاء میں ایک سگا بھائی اور ایک سگی بہن ہو تو کل ترکہ ان دونوں کے درمیان اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کو بہن کا دوگنا ملے گا۔

چوتھا: غیر کے ساتھ عصبہ ہونا...... جب ایک یا ایک سے زائد سگی بہنوں کے ساتھ بیٹی یا پوتی یا دونوں ایک ساتھ ہوں، ایک ہو یا ایک سے زائد اور بہن کے ساتھ سگا بھائی بھی نہ ہو جو اسے عصبہ بناتا تو اس صورت میں ایک سگی بہن یا ایک سے زیادہ کے لئے اصحاب الفروض کے حصوں کے بعد باقی ماندہ ترکہ ہے جس کی وجہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگی جس میں اسی شرعی قاعدہ پر عمل ہے (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ)۔ ❶

شیعہ امامیہ کا کہنا ہے...... بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ نہیں بنتی، اگر بیٹی اکیلی ہو تو باقی ماندہ اس پر رد ہوگا۔ چنانچہ جب ورثاء میں ایک بیٹی اور ایک سگی بہن ہو تو بیٹی کو فرض نصف ملے گا اور باقی ماندہ بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور بیٹی پوتی اور سگی بہن کی صورت میں، بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے اور باقی ماندہ سگی بہن کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

اور بیٹی، پوتی، خاوند، ماں اور دو سگی بہنیں جب ورثاء میں ہوں تو دونوں بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا اس لئے کہ فروض کے بعد کوئی شے نہ بچی، بلکہ مسئلہ میں عول ہے، خاوند کو چوتھائی حصہ، ماں کو فرض سدس اور دونوں بیٹیوں (یعنی بیٹی اور پوتی) کو فرض دو تہائی ملے گا۔

اور جب دو بیٹیاں اور دو سگی بہنیں ہوں تو دونوں بیٹیوں کو دو تہائی تو فرض ملے گا جب کہ باقی ماندہ ترکہ دونوں بہنوں کو عصبہ ہونے کی بنا پر دیا جائے گا۔ اور جب دو سگی بہنیں اور ایک پوتی ہو تو پوتی کو نصف فرض ملے گا اور باقی بہنوں کو عصبہ ہونے کی وجہ سے اور جب ورثاء میں ماں شریک بھائی یا ماں شریک بہنیں سگے بھائیوں کے ساتھ ہوں تو اسے مسئلہ مشترکہ کہا جاتا ہے اور وہ خاوند، ماں، اور ماں شریک دو بھائی اور ایک سگا بھائی ہے لہٰذا یہ بھائی تہائی میں ماں شریک دونوں بھائیوں کے ساتھ شریک ہوگا اگر سگے بھائی کی جگہ باپ شریک بھائی ہوتا تو ساقط ہو جاتا۔

پانچواں: وارث مذکر فرع کی وجہ سے ساقط ہونا...... اور وہ بیٹیا، پوتا، پوتے کا پوتا وغیرہ ہیں۔ باپ کی وجہ سے بالاتفاق اور دادا کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک، جس میں صاحبین اور دوسرے مسالک کا اختلاف ہے۔ مصر اور شام کے قانون نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے نبی! لوگ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی ایسا شخص ہلاک ہو جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اسے ترکے کا نصف دیا جائے گا اور اگر بہن بے اولاد مرے تو بھائی اس کا وارث

---

❶ ..... اسی کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فیصلہ کیا (نیل الاوطار ۶ / ۵۸) اور حدیث ابن مسعود، ہزیل بن شرجیل سے سوائے مسلم اور نسائی کے ایک جماعت نے نقل کی ہے اور حدیث معاذ، اسود سے ابوداؤد اور بخاری نے اس کے مفہوم میں (معناً) نقل کی ہے شوکانی فرماتے ہیں: اس میں دلیل ہے کہ بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہے اگر اس کے ساتھ پوتی نہ ہو تو اپنا مقرر حصہ (فرض) لینے کے بعد باقی ماندہ ترکہ لے گی جیسا کہ حدیث معاذ میں ہے اور اپنے اور پوتی کے فرض کے بعد باقی ماندہ ترکہ وصول کرے گی جیسا کہ حدیث ہزیل میں ہے اور اس پر اجماع ہے۔

ہوگا اگر میت کی وارث دو بہنیں ہوں تو وہ ترکے میں سے دوتہائی کی حق دار ہوں گی اور اگر کئی بھائی بہنیں ہوں تو عورتوں کا اکیلا اور مردوں کا دہرا حصہ ہوگا۔'' (النساء ۴/۱۷۶)

جیسا کہ ہمیں معلوم ہوا کلالہ وہ شخص کہلاتا ہے جس کے ورثاء میں باپ بیٹا نہ ہو، مذکورہ آیت نے پہلی تین اور پانچویں حالت کی صراحت کی ہے اسی میں نصف اور دوتہائی، فرضوں، غیر کے ذریعہ عصبہ ہونے بیٹے۔ جس میں پوتا بھی داخل ہے۔ کی وجہ سے ساقط ہونے اور باپ کی وجہ سے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک دادا بھی باپ کی طرح ہے۔ ساقط ہونے کی صراحت موجود ہے اور یہ بات اس ارشاد باری تعالیٰ سے ''وہ بے اولاد ہو اور اس کی ایک بہن ہو'' (النساء ۴/۱۷۶) اور لفظ کلالہ سے معلوم ہوتی ہے رہا چوتھا حال جو بہنوں کا بیٹیوں کے ساتھ عصبہ ہونے کا ہے تو وہ اس روایت سے معلوم ہوا جسے سوائے نسائی کے ایک جماعت نے ہزیل بن شرجیل سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی، پوتی اور بہن کے بارے یہ فیصلہ فرمایا کہ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور بہن کو باقی ماندہ دیا اور مقررہ قاعدہ ہے'' (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ) قانون مصری (م ۱۳، ۱۹، ۲۰) اور شامی (م ۲۷۰، ۲۷۷، ۲۸۰) نے سگی بہنوں کے حالات کی تصریح کی ہے۔ اور یہ ملحوظ رہے کہ بہنیں ذوی الفروض میں سے ہیں جب کہ بھائی عصبہ ہیں بہن بھائیوں پر'' حواشی'' کا اطلاق بھی ہوتا ہے جب یہ باپ شریک بھائیوں سے الگ ہوں تو نسبی اولاد کی طرح وارث ہوتے ہیں۔''

ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے سارا مال ہے اور مونث کے لئے نصف ہے جب کہ دو یا دو سے زائد کے لئے دوتہائی ہے اور جب دونوں صنف یکجا اور اکٹھی ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کا حصہ ہے۔

مثالیں: الف.....میت کے ورثاء میں ماں، سگی بہن اور بیوی ہے: تو ماں کا حصہ تہائی، جب کہ سگی بہن کا نصف اور بیوی کا چوتھائی ہے مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۳) میں عول ہوگا۔

ب.....میت کے پسماندگان میں ایک بیٹا، ایک سگی بہن اور باپ ہے تو باپ کا حصہ سدس اور باقی بیٹے کا ہے رہی سگی بہن تو اس کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ بیٹے اور باپ کی وجہ سے محجوب ہوگئی۔

ج.....میت کے ورثاء میں خاوند، ایک سگی بہن اور دادا دادی ہیں۔ خاوند کو نصف ملے گا اور سگی بہن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق محجوب ہو جائے گی۔

جب کہ جمہور کے نزدیک (جو حضرت زید کی رائے ہے) دادا، مقاسمہ، ثلث الباقی اور سدس میں سے افضل لے گا اور افضل اس کے لئے یہاں مقاسمہ ہے مسئلہ چھ ۶ سے ہوگا اور اٹھارہ (۱۸) سے تصحیح ہوگی خاوند کے (۹) دادی کے تین (۳) دادا کے (۴) سگی بہن کے (۲) حصے ہوں گے، مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ۔

د.....میت کے ورثاء میں بیٹی، سگی بہن اور ماں ہے۔ تو ماں کو سدس بیٹی کو نصف اور بہن کو بیٹی کے ساتھ عصبہ ہونے کی بنا پر باقی ترکہ ملے گا۔

ہ.....میت کے ورثاء میں بیٹی، پوتی، سگی بہن اور سگا بھائی ہے، بیٹی کو نصف پوتی کو سدس تا کہ دوتہائی کی تکمیل ہو جائے اور باقی ترکہ بھائی اور بہن کے لئے مرد کے لئے عورت کے دو حصوں کے قانون کے مطابق ہے۔

باپ شریک بہنوں کے حالات (علاتی بہنیں).....باپ شریک بہنوں کی چھ حالتیں ہیں جن میں سے پانچ تو وہی ہیں جو سگی بہنوں کی ہیں۔

پہلی: نصف......اکیلی کے لئے جب اپنی جیسی سے الگ ہو اور نہ اس کے ساتھ باپ شریک یا سگی بہن ہو، سابقہ نفس آیت کو دلیل بناتے ہوئے جس میں سگی بہن کو وارث بنانے کا حکم ہے، جیسے جب ورثاء میں خاوند اور ایک باپ شریک بہن ہو تو ان دونوں کو نصف ملے گا۔

دوسری: دو تہائی......دو یا دو سے زیادہ کے لئے جب باپ شریک بھائی یا سگی بہنیں نہ ہوں جیسا کہ دو سگی بہنوں کی حالت ہے مثلاً ورثاء میں ماں شریک بھائی اور دو باپ شریک بہنیں ہیں تو ماں شریک بھائیوں کو ایک تہائی اور باپ شریک دو بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

تیسری: سدس......ایک کے لئے سگی بہن کے ساتھ، تاکہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے جب باپ شریک بہن کے ساتھ باپ شریک بھائی نہ ہو جو اسے عصبہ بنانا۔

جیسا کہ اگر میت کے ورثاء میں بیوی، ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بہن ہو تو بیوی کو چوتھائی، سگی بہن کو نصف، فرض اور باپ شریک بہن کو چھٹا حصہ فرض ملے گا جب کہ باقی ماندہ ترکے کا بہنوں پر رد ہوگا۔

چوتھی: غیر کی وجہ سے عصبہ ہونا......جب اس کے ساتھ باپ شریک بھائی ہو۔ مثلاً جب میت کے ورثاء میں ایک باپ شریک بھائی اور ایک باپ شریک بہن ہو ذوی الفروض سے جو مال بچے وہ عصبہ لیتا ہے اور اگر فروض میں ہی سارا ترکہ تقسیم ہو جائے تو پھر باپ شریک بھائی اور بہن کے لئے کچھ نہیں۔

پانچویں: غیر کے ساتھ عصبہ ہونا......اور یہ صورت بیٹی یا پوتی یا دونوں کے ساتھ ہے ایک یا ایک سے زیادہ۔ تو وہ ان لوگوں کے بعد باقی ماندہ ترکہ لے گی۔ جیسے بیٹی، پوتی اور باپ شریک بہن۔ اگر کسی شخص نے ورثا میں ایک بیٹی، ایک بیوی، ماں اور دو باپ شریک بہنیں چھوڑی ہیں تو بیٹی کو نصف بطور فرض ملے گا اور بیوی کے لئے ثمن (آٹھواں حصہ) فرض ہے کیونکہ فرع وارث موجود ہے اور اسی بنا پر ماں کے لئے سدس فرض ہے اور دوسری وجہ سے بہنوں کی موجودگی ہے اور دونوں بہنوں کے لئے باقی ماندہ ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے ہے جو ان دونوں میں برابر سرابر تقسیم کر دیا جائے گا۔

چھٹی حالت: میراث سے محجوب ہونا......جن وجوہات سے سگی بہن محجوب ہوتی ہے انہی سے باپ شریک بہن بھی محجوب ہو جاتی ہے یعنی وارث فرع (بیٹا، پوتا، پوتے کا پوتا وغیرہ) اور باپ کے ہوتے ہوئے۔ اور باپ شریک بہن اپنے محجوب ہونے میں سگے بھائی کے ذریعہ بڑھ جاتی ہے۔ جیسے خاوند، سگا بھائی اور باپ شریک بہن۔ اور دو یا دو سے زیادہ سگی بہنوں کی وجہ سے، جیسے خاوند، دو سگی بہنوں اور ایک باپ شریک بہن ہو تو۔ البتہ جب باپ شریک بہن کے ساتھ اسے عصبہ بنانے والا اور وہ باپ شریک بھائی بنتا ہے، ہو چنانچہ وہ اگر ہو جسے مبارک بھائی کہا جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ اصحاب الفروض سے باقی ماندہ ترکہ وصول کرے گی مرد کو عورت کا دہرا حصہ ملے گا۔ اور سگی بہن کی وجہ سے جب وہ غیر کے ساتھ عصبہ ہو، جیسے بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بہن وارث ہوں۔

باپ شریک بہن نسبی دادا کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی، امام ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اور باپ شریک بہنوں کو میراث دینے کی دلیل وہی دلیل ہے جو سگی بہنوں کو میراث دینے کی ہے کہ ان کو آپس کے مشترکہ حالات میں کس طرح میراث دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''لوگ آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں'' آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے (جس کے نہ والدین ہوں) ''اور وہ بے اولاد ہو اور اس کی ایک بہن ہو'' (النساء ۴/ ۱۷۶) سے بالاتفاق سگی یا باپ شریک بہن

مراد ہے۔ رہا باپ شریک بہن کا سگے بھائی کی وجہ سے ساقط ہونا تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے ''ماں کی وہ اولاد جو عینی ہو وہ علاتی کے علاوہ وارث ہوتی ہے آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہوتا ہے نہ کہ باپ شریک بھائی کا'' ❶ بنی اعیان جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ''سگے ہیں۔'' اور بنی العلات باپ شریک بھائی اور بہن ہیں قانون مصری (م ۱۳، ۱۹، ۲۰) اور شامی۔ (م ۲۷۰، ۲۷۷، ۲۷۸) نے باپ شریک بہنوں کے چھ احوال کی تصریح کی ہے۔

مثالیں: الف...... کسی شخص کے ورثاء میں ماں، بیٹی، سگی بہن اور باپ شریک بہن ہے ماں کو چھٹا حصہ، بیٹی کو نصف، سگی بہن کو باقی ماندہ، جب کہ باپ شریک بہن کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ اس سگی بہن کی وجہ سے ساقط ہوگئی جو بیٹی کی وجہ سے عصبہ بنی تھی۔

ب...... میت کے ورثاء میں دو سگی بہنیں، دو باپ شریک بہنیں اور ایک باپ شریک بھائی ہے۔ سگی بہنوں کو دو تہائی، باپ شریک بہنوں اور بھائی کو باقی ماندہ کیونکہ وہ اس (بھائی) کی وجہ سے عصبہ ہوگئیں۔

ج...... میت کے ورثاء میں ایک بیوی، ایک بیٹی اور ایک باپ شریک بہن ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ، بیٹی کو نصف اور باقی باپ شریک بہن کا ہے کیونکہ وہ بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہے۔

د...... ایک عورت فوت ہوئی جس کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک سگا بھائی اور ایک باپ شریک بہن ہے، تو بیٹی کو نصف اور باقی سگے بھائی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے اور باپ شریک بہن کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ اس (سگے بھائی) کی وجہ سے محجوب ہوگئی۔

۶۔ ماں شریک بہن کے حالات...... اس کے حالات کا بیان ماں کی اولاد کے احوال میں پہلے ہو چکا ہے کیونکہ مذکر مؤنث برابر (یہاں استحقاق میں) برابر ہیں۔

۷۔ ماں شریک بہن کے حالات...... ماں کی تین حالتیں ہیں۔ ❷

پہلی: سدس (چھٹا حصہ)...... جب مطلقاً فرع وارث موجود ہو۔ جو بیٹا، پوتا اور پوتے کا بیٹا وغیرہ ہو یا بھائی بہنوں میں سے دو یا دو سے زیادہ خواہ کسی جہت سے ہوں موجود ہوں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے والدین کو اس کے ترکے میں سے ہر ایک کو سدس ملے گا۔'' النساء ۴/ ۱۱

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اور اگر اس میت کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا۔'' النساء ۴/ ۱۱

دوسری: سارے ترکے کا تہائی...... پہلی حالت میں مذکور فرع وارث اور بھائی کی تعداد نہ ہو اور نہ والدین کے ساتھ زوجین میں سے کوئی ایک ہو، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے'' اور اگر میت کی اولاد نہ ہو اور اس کے وارث اس کے والدین ہوں تو اس کو تہائی ملے گا اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔'' النساء ۴/ ۱۱

اس آیت نے دونوں حالتوں میں ماں کے مقرر حصہ کی وضاحت کردی اولاد ہو یا نہ ہو اور بھائیوں کی ایک تعداد موجود ہو اور یہ بہنوں کو بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ حقیقتاً ''اخوۃ'' کے لفظ کا اطلاق مذکر پر ہوتا ہے اور بطریق تغلیب مذکر مونث پر ہوتا ہے اور اس پر صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ میراث میں دو کا عدد جمع کے حکم میں ہے جیسا کہ ماں شریک دو بھائیوں کی میراث کے مسئلہ میں ہے، آپ صلی اللہ

---

❶ ......رواہ احمد والترمذی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ. ❷ السراجیۃ ص ۴۴-۴۸ تبیین الحقائق ۶/ ۲۳۱، الشرح الصغیر: ۴/ ۶۲۲ مغنی المحتاج ۳/ ۱۵ الرحبیۃ ص ۳۰-۳۱ المغنی ۶/ ۱۷۶ القوانین الفقہیۃ ص ۳۸۹۔

علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے ''دو اور دو سے زیادہ جماعت نہیں'' ❶ البتہ آیت میں باپ اور زوجین میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئی ماں کے حکم کی صراحت نہیں، جس کی وجہ سے صحابہ میں اختلاف ہے، جس کی تفصیل آتی ہے۔

تیسری: باقی کا تہائی...... جب والدین کے ساتھ زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو، اور یہ مسئلہ عمریہ یا غراء ہے جیسے جب میت کے ورثاء میں خاوند اور ماں باپ ہوں۔ یا بیوی اور ماں باپ ہوں پہلی صورت میں خاوند کو نصف ملے گا چھ میں سے تین اور باپ کو عصبہ ہونے کی بناء پر باقی دیا جائے گا اور ماں کو خاوند کے حصہ کے بعد باقی کا تہائی ملے گا جو چھ میں سے ایک حصہ ہے اور دوسری صورت میں بیوی کے لئے بارہ (۱۲) میں سے چوتھائی ہے کیونکہ وارث فرع موجود نہیں۔ اور باپ کے لئے باقی جو چھ ہے عصبہ ہونے کی وجہ سے، اور ماں کے لئے باقی کا تہائی ہے اور وہ تین حصے ہیں۔ اگر باپ کی جگہ دادا ہوتا تو ماں کا حصہ کل مال کا تہائی بنتا اور یہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں دادا کی حالت باپ سے مختلف ہے۔ ان دونوں مسئلوں کو غراوین کہا جاتا ہے جو غراء کا تثنیہ ہے ان دونوں اغر کوکب (زیادہ روشن ستارے) کے ساتھ مشابہت دیتے ہوئے کیونکہ یہ دونوں مشہور ہیں اور عمریتین بھی کہا جاتا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں کا فیصلہ فرمایا تھا۔

دلیل: ا...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد ''اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ٹھہریں تو اس کی ماں کا تہائی حصہ ہے''۔ (النساء: ۴/۱۱) یہ ضروری ہے کہ اس میں تہائی سے مراد وہی تہائی ہو جس کے والدین مستحق ہوتے ہیں نہ کہ کل مال کا تہائی، تا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''اور اس کے والدین وارث ہوں'' فائدے سے خالی نہ ہو۔ اور یہاں جس تہائی کے وہ مستحق ہو رہے ہیں وہ زوجین میں سے ایک کے حصہ کے بعد باقی ماندہ کا تہائی ہے۔

۲...... ہاں اگر ماں کل مال کا تہائی لے لیتی تو اس کا حصہ باپ سے دوگنا ہو جاتا بشرطیکہ خاوند ہوتا یا باپ کے حصہ کے قریب ہو جاتا اگر بیوی ہوتی۔ اور یہ اس نص کے مخالف ہے جس میں ہے کہ عورت کے لئے مرد کے حصے سے آدھا حصہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے: مسئلہ غراوین میں ماں کے لئے ترکے کا تہائی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ظاہر ہے ''اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا تہائی حصہ ہے'' (النساء ۴/۱۱) اس لئے کہ ضروری ہے اس میں تہائی سے مراد کل ترکے کا تہائی ہے اس واسطے کہ سدس کی نسبت کل کی طرف ہے اور مقرر حصہ نص سے ہی ہوتا ہے اور آپ علیہ السلام کے اس ارشاد کی وجہ سے ''مقررہ حصوں کو ان کے مالکوں تک پہنچاؤ جو باقی بچ جائے اسے قریبی مرد رشتہ دار کو دے دو'' اور ماں یہاں مقررہ حصے والی ہے اور باپ بذات خود عصبہ ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ماں اپنا مکمل حصہ لے پھر جو باقی، بچے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ وہ باپ کا ہے۔

جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ آیت کا مفہوم ہے خاص اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوئے ہوں۔ اور حدیث سے استدلال کا جواب یہ دیا ہے کہ باپ میں عصبہ ہونا ہی محقق نہیں۔ قانون مصری (م ۱۴) اور شامی (م ۲۷۱) نے ماں کے تینوں حالات کی تصریح کی ہے۔ اور غراوین کے دونوں مسئلوں میں جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

۸۔ دادی کے حالات: دادی...... وہ ہوتی ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں رشتہ دار جد (نانا) داخل نہ ہو اور یہ (جدہ) والدین میں سے کسی ایک کی ماں ہوتی ہے جیسے ماں کی ماں، باپ کی ماں، دادا کی ماں، باپ کی ماں کی ماں، اسے جدۂ صحیحہ یا ثابتہ کہا جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں جدہ رحمیہ یا جدہ فاسدۃ (نانی) ہوتی ہے جس کی میت کے ساتھ نسبت میں رشتہ دار جد (نانا) داخل ہو

❶...... رواہ ابن ماجہ وابن عدی عن ابی موسیٰ ورواہ احمد والطبرانی وابن عدی عن ابی امامۃ ورواہ الدارقطنی عن ابن عمرو، بلفظ ''اثنان''۔

جیسے ماں کے باپ کی ماں، باپ کی ماں کے باپ کی ماں، یہ ذوی الفروض میں سے نہیں بلکہ ذوی الارحام (یعنی رشتہ داروں میں سے ہے۔ جدہ ابویہ اور جدہ امویہ کی دو حالتیں ہیں۔ ❶

پہلی ...... ماں کی عدم موجودگی میں ایک یا ایک سے زیادہ کے لئے سدس ہے خواہ وہ جس جہت سے ہو۔ ابویہ ہو یا امویہ دونوں جہتوں سے ہوں (یعنی دوہری رشتہ داری والیاں) جب وہ تعداد میں کہیں ہوں اور درجہ میں برابر ہوں جیسے نانی، دادی کے ساتھ، تو وہ دونوں سدس کو آپس میں برابر سرابر تقسیم کریں گی۔ اور اگر درجہ میں متفاوت ہوں تو ان میں سے زیادہ قریبی زیادہ بعید والی کو محجوب کر دیتی ہے۔

دوسری: محجوب یا ساقط ہونا ...... جدۂ مطلقا (ابویہ ہو یا امویہ یا دونوں جہتوں سے دوہری قرابت والی ہوں) ماں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے اور جدہ ابویہ باپ کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے پس جب کبھی بھی ماں موجود ہوئی تو جدات میں سے کوئی بھی کسی چیز کی وارث نہیں ہوگی اور جب باپ موجود ہوا تو ابویہ وارث نہیں ہوں گی اسی طرح ابویہ دادا کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں جب اس کے ذریعہ نسبت رکھیں جیسے پردادی، اور اگر وہ اس کے ذریعہ نسبت نہ رکھے تو دادا انہیں محجوب نہیں کرتا اور اگر پشت اور آگے ہو جائے جیسے دادی کی ماں تو وہ اس کی جانب سے نہیں بلکہ اس کی بیوی یا بیوی کی ماں ہے۔ رہی جدہ امویہ تو وہ باپ کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی مثلاً میت کے ورثاء میں باپ اور نانی ہے تو وہ باپ کے ساتھ سدس کی وارث ہوگی اس لئے کہ اسے اس کی وجہ سے نسبت نہیں حاصل۔

دوہری رشتہ داری والی جدہ ...... کوئی عورت اپنے پوتے کی شادی اپنی نواسی کو دے اب ان سے پیدا ہونے والا جو بچہ ہوگا یہ عورت اس بچہ کے باپ کی جہت سے اس کی دادی ہے کیونکہ یہ اس کے باپ کے باپ کی ماں ہے اور اپنی ماں کی طرف سے اس کی نانی ہے اس لئے کہ وہ اس کے باپ کی ماں کی ماں ہے اور ایک رشتہ والی جدہ اس جدہ کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور وہ اولاد کے باپ کی ماں کی ماں ہے۔

جدہ کے مطلقا ماں کی وجہ سے محجوب ہونے کا سبب، جب کہ باپ کی وجہ سے صرف ابویات ہی محجوب ہوتی ہے: یہ ہے کہ سبب اور نسبت میں سے ہر ایک کے متحد ہونے کا حجب پر اثر ہے، چنانچہ باپ کی ماں باپ کی وجہ سے صرف نسبت کی بنا پر محجوب ہوتی ہے اور ماں کی وجہ سے سبب کے ایک ہونے پر جو ماں ہونا ہے کی بنا پر محجوب ہو جاتی ہے رہی ماں کی ماں تو وہ باپ کے ساتھ بھی وارث ہوتی ہے اس لئے یہاں نسبت اور سبب کے متحد ہونے میں سے ہر ایک معدوم ہے اور ماں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے اس لئے کہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ لہٰذا حجب میں دو میں سے ایک امر کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائے گا۔ نسبت اور سبب کا متحد ہونا۔

جدہ کی میراث کی دلیل ...... نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس چھٹا حصہ دیا ❷ اور یہ کہ آپ علیہ السلام نے دو جدہ (دادی، نانی) کے لئے میراث میں سے ❸ سدس کا فیصلہ فرمایا۔

اور یہ کہ آپ نے ❹ ماں کی عدم موجودگی میں جدہ کے لئے سدس مقرر کیا ہے، اور آپ نے تین جدات کو سدس دیا، جن میں سے دو باپ کی جانب سے تھیں اور ایک ❺ ماں کی طرف سے، اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نانی کے لئے سدس مقرر کیا۔

---

❶ ..... السراجیۃ ص ۴۸۔ ۵۱ تبیین الحقائق ۲۳۱/۶ الشرح الصغیر ۶۲۵/۴ مغنی المحتاج ۱۶/۳، المغنی ۲۰۶/۶۔ ۲۱۲۔

❷ رواہ الخمسۃ الا النسائی عن قبیصۃ بن ذویب وصححہ الترمذی۔ ❸ رواہ ابوداؤد عن عبادۃ بن الصامت۔ ❹ رواہ الدارقطنی مرسلاً عن عبدالرحمن بن یزید۔ ❺ رواہ مالک فی المؤطا عن القاسم بن محمد (راجع الکل فی نیل الاوطار: ۵۹/۶۔)

وراثت پانے والی جدہ کی پہچان...... جب جدات تعداد میں کئی ہوں تو وارث ہونے والی جدہ کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اس صورت میں ماں کی جانب سے وارث ہونے والی ہمیشہ ایک ہوگی۔ اس لئے کہ جب بھی ان میں کوئی اب خلل انداز ہوگا تو وہ فاسد ہوگا۔ تعدد تو ان جدات میں ہوتا ہے جو باپ کی جانب سے ہوں اور یہ تعدد درجہ کے تعدد سے ہوتا ہے۔

چنانچہ دوسرے درجہ کی جدات دو ابو یہ میت کی وارث ہوں گی اس لئے کہ ہر ایک کے لئے باپ، باپ کی ماںؒ اور ماں ہو جاتی ہے اور تیسرے درجہ میں یعنی جو میت سے تین درجات دور ہے تو میت کی تین ابویات وارث ہوں گی چوتھے درجہ میں چار اور پانچویں درجہ میں پانچ اسی طرح ہر درجہ میں، صرف ایک وارثہ زیادہ ہوگی جدۂ قربیٰ خواہ جس جہت سے ہو جدۂ بعدی کو خواہ جس جہت سے ہو محجوب کردے گی چنانچہ باپ کی ماں (دادی) ماں کی ماں کی ماں (پڑنانی) باپ کے باپ کی ماں (پڑدادی) اور باپ کی ماں کی ماں (دادی کی ماں) کو محجوب کردے گی اس لئے کہ یہ درجہ میں ان سے زیادہ قریبی ہے لہٰذا میراث میں ان سے مقدم ہوگی۔ اور نانی، پڑدادی اور دادی کی ماں اور پڑنانی کو محجوب کردے گی کیونکہ یہ درجہ میں ان سے زیادہ قریبی ہے۔ وارث ہونے والی جدات کی تعداد یوں معلوم کی جاسکتی ہے کہ جس عدد کی مقدار آپ چاہتے ہیں اسے لفظ (ام) سے ذکر کریں پھر ہر مرتبہ میت کی طرف سے آخری ام کو اب سے تبدیل کردیں یہاں تک کہ ایک ام رہ جائے۔ چنانچہ اگر کوئی انسان وارث ہونے والی چار جدات کے بارے میں پوچھے کہ ماں کی ماں کی ماں کی ماں (سکڑ نانی) دادی کی نانی، دادا کی نانی، پڑدادا کی ماں میں سے کون سی وارث ہوگی؟ تو زیادہ قریب امو یہ ہے باقی ابویات ہیں۔

قانون مصری (م ۱۴) اور شامی (م ۲۷۲) نے جدۂ کی حالتوں کی صراحت کی ہے۔

مثالیں :الف......میت کے ورثاء میں، ماں، نانی، اور باپ ہے تو ماں کو تہائی ملے گا جب کہ نانی ماں کی وجہ سے محجوب ہے اسے کچھ نہیں ملے گا اور باپ کو باقی ملے گا۔

ب......میت کے پسماندگان میں دادا، نانا اور پردادی ہے۔ تو سارا مال دادا کا ہے نانا کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ رشتہ دار جد ہے اور نہ پردادی کو کچھ ملے گا اس واسطے کہ وہ دادا کی وجہ سے محجوب ہے۔

ج......کسی کے ورثاء میں چار جدات ہیں جن میں سے ماں کی نانی، باپ کی نانی باپ کی دادی، ماں کی دادی اور ایک چچا ہے تو پہلی تین جدات مشترکہ طور پر سدس کی وارث ہوں گی جب کہ چوتھی جدہ کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ رشتہ دار جدہ (جسے جدہ فاسدہ غیر صحیحہ کہا جاتا) ہے جس کا تعلق میت سے جد فاسد کے ذریعہ ہے۔ اور باقی ماندہ چچا کے لئے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

عام مثالیں مع حل وتعلیل :۱......ایک عورت فوت ہوگئی جس کے ورثاء میں خاوند، ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بھائی ہے تو خاوند کو نصف، بہن کو نصف ملے گا باپ شریک بھائی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے اور اس کے لئے کچھ بچا نہیں۔

۲......ایک شخص کے ورثاء میں ایک بیٹا، بیوی، ماں اور باپ ہیں بیوی کو آٹھواں حصہ باپ کو سدس، ماں کو سدس اور باقی ۲۴/۱۳ بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے۔

۳......ایک عورت کے بوقت انتقال یہ ورثا تھے خاوند، ماں باپ اور بیٹا تو یہاں بیٹے کی وجہ سے خاوند کو چوتھائی ملے گا باپ کو سدس ماں کو سدس اور باقی ۱۲/۵ بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ نسبی ہے۔

۴......ایک عورت کے ورثاء میں دو بیٹے، خاوند باپ اور ماں کی ماں کی جدہ ہے تو خاوند کو چوتھائی ملے گا اور باپ اور جدہ ہر ایک کو سدس ملے گا اور باقی ۲۴/۱۰ دونوں بیٹوں کو ہر ایک ۵ ملے گا۔

۵......میت کے ورثاء میں بیوی، بیٹی، پوتی بیٹے کا پوتا اور ماں ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ، بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تا کہ دو تہائی کی

تکمیل ہو جائے اور ماں کو سدس ملے گا اور باقی ۲۴ / ۱ بیٹے کے پوتے کو ملے گا۔

۶.....میت کے ورثاء میں بیوی، باپ دو بیٹیاں اور پوتے کا بیٹا ہے بیوی کو آٹھواں حصہ دو بیٹوں کی وجہ سے، باپ کو سدس، اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا جب کہ باقی ۲۴ / ۱ بیٹے کے پوتے کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

۷..... کسی کا انتقال ہوا اور ورثاء میں بیوی، باپ، ماں اور دو بیٹیاں ہیں۔ بیوی کو آٹھواں حصہ، دونوں بیٹیوں کو دو تہائی، ماں کو سدس باپ کو سدس بطور فرض، عصبہ ہونے کی وجہ سے لینے کے لئے کوئی چیز نہیں، مسئلہ کا عول ۲۴ سے ۲۷ تک ہوگا۔

۸.....ایک عورت کے ورثاء میں باپ، دو بیٹیاں اور خاوند ہے خاوند کو چوتھائی اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی، باپ کو سدس ملے گا عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے لینے کی کوئی شے نہیں رہی۔

۹.....ایک شخص کے ورثاء میں بیوی، باپ، بیٹی، پوتی اور پوتا ہے، بیوی کو آٹھواں حصہ، باپ کو سدس، بیٹی کو نصف جب کہ باقی ۲۴ / ۵ پوتے اور پوتی کا ہے اس واسطے کہ وہ دونوں غیر کی وجہ سے عصبہ ہیں چنانچہ پوتی ۲۷ / ۵ اور پوتا ۲۷ / ۱۰ وصول کرے گا۔

۱۰.....ایک عورت کے ورثاء میں خاوند، اور پوتی ہے خاوند کو چوتھائی بطور فرض ملے گا اور پوتی کو نصف فرض اور باقی جو چوتھائی ہے ردکی وجہ سے ملے گا۔

۱۱.....ایک عورت کے ورثاء میں خاوند، پوتی، سگی بہن اور ماں ہے۔ خاوند کو فرض چوتھائی، ماں کا فرض سدس جب کہ باقی ۱۲ / ۱ سگی بہن کو پوتی کے ساتھ جو غیر کے ساتھ عصبہ ہے ملے گا۔

۱۲.....ایک عورت کے ورثاء میں خاوند، سگی بہن، باپ شریک بہن اور ماں شریک بہن، ہے خاوند کا فرض نصف ماں کا سدس، سگی بہن کو نصف، باپ شریک بہن کو سدس تا کہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے اور مسئلہ کا عول (۶ سے ۸) تک ہوگا۔

۱۳.....ایک شخص کے ورثاء میں بیوی، ایک سگی بہن اور ماں ہے جو سب مقررہ حصوں والے ہیں (جنہیں اصحاب الفروض کہا جاتا ہے) چنانچہ بیوی کو چوتھائی، سگی بہن کو نصف، ماں کو تہائی، کیونکہ اس کے ساتھ میت کی وارث فرع (اولاد) نہیں اور نہ دو بہن بھائی ہیں مسئلہ کا عول (۱۲ سے ۱۳) تک ہوگا۔

نویں فصل: عصبات.....عصبہ کی تعریف، عصبات کی تقسیم اور قسمیں ہر نوع کی میراث کا حکم۔ [1]

عصبات، عصبہ کی جمع ہے، میت کے رشتہ داروں میں سے وہ مذکر رشتہ دار جس کی میت کے ساتھ نسبت میں عورت شامل نہ ہو مرد کے عصبہ: اس کا باپ اس کے بیٹے اور اس کے باپ کی قرابت والے لوگ ہیں۔ اس کو عصبہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ قریبی انسان کا احاطہ اور اس کا دفاع کرتے ہیں۔ فقہاء نے عصبہ کا لفظ واحد کے لئے استعمال کیا ہے اس لئے کہ سارے مال کو سمیٹنے میں یہ جماعت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ باوجود یہ کہ لفظ عصبہ میں اصل یہ ہے کہ جمع ہے اہل لغت اس کے مصدر کے بارے میں فرماتے ہیں: عصوبہ، مذکر، مونث کو عصبہ بناتا ہے عصبہ کا اطلاق واحد جمع مذکر اور مونث پر ہوتا ہے اور اس کی جمع عصبات آتی ہے۔

علم میراث میں عصبہ..... ہر وہ شخص ہے جو خاص طور پر ترکہ سمیٹ لے یا جو اصحاب الفروض باقی چھوڑیں اسے جمع کر لے۔ اور جب ان سے کچھ نہ بچے تو وہ کسی چیز کا وارث نہیں ہوتا، مرتبہ میں یہ اصحاب الفروض کے بعد ہوتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ اہل میراث کی اصطلاح میں عصبہ وہ ہے جن کا حصہ مقرر نہ ہو۔

---

[1] السراجیة ص ۷۰۔ ۹۲ تبیین الحقائق ۶ / ۲۳۳ اللباب ۴ / ۱۹۳ الشرح الصغیر ۴ / ۶۲۵۔ ۶۳۱ مغنی المحتاج ۳ / ۱۷۔ ۲۰ الرحبیة ص ۳۸ المغنی ۶ / ۱۶۸۔ ۱۷۵۔ ۱۸۲، الدر المختار ۵ / ۵۲۶۔ ۵۵۰ کشف القناع ۴ / ۴۷۰۔ ۴۷۶۔

اس کا حکم...... جوفروض باقی چھوڑیں اسے وصول کرے اور جب اکیلا ہو مستقل طور پر سارے مال کو لے لے۔

عصبہ کی تقسیم...... عصبہ کی دو قسمیں ہیں۔ عصبہ نسبیہ، عصبہ سببیہ۔

ا۔ **عصبہ سببیہ**...... یہ معتق کا عصبہ ہوتا ہے جسے وہ آزاد کرے پھر اس کے عصبہ عصبہ بالنفس کی آئندہ ترتیب کے مطابق ہیں۔ مولی عتاقہ جسے آزاد کرے اگر اس (آزاد کردہ) کے اصحاب الفروض وارث اور عصبہ نسبیہ نہ ہوں تو یہ اس کا وارث ہوتا ہے یہ حکمی قرابت ورشتہ داری اس کا سبب عتق ہے کیونکہ آقا نے غلام پر احسان کیا ہے چونکہ غلامی کا وجود نہیں اس لئے اس نوع کی بحث کی ضرورت نہیں صرف تخصص کرنے والے کو اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ معتق کے عصبہ کی ترتیب یہ ہے معتق کا بیٹا عصبات میں سے زیادہ حق دار ہے پھر اس کا پوتا آخر تک پھر اس کا باپ دادا پر دادا وغیرہ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ”ولاء نسبی رشتہ داری کی طرح ہے“ [1] کیونکہ معتق (آزاد کرنے والا) معتق (آزاد کردہ) کو زندگی دینے کا سبب ہے جیسا کہ باپ اولاد کو وجود دینے کا سبب ہے اس حیثیت سے کہ آزادی انسان کی زندگی ہے جو اس کے لئے مالک ہونے کی صفت کو ثابت کرتی ہے۔

اور غلامی ضیاع اور ہلاکت ہے جیسے بیٹا باپ کی جانب منسوب ہوتا ہے اسی طرح معتق معتق کی طرف ولاء کی وجہ سے منسوب ہو جاتا ہے۔ میراث نسب سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح ولاء سے ثابت ہوتی ہے۔ جو معتق اور اس کے عصبہ کی حدود تک رہتی ہے لہٰذا شریعت نے معتق کا تعلق اس کے آزاد کردہ کے ساتھ رشتہ دار کے تعلق کا اس کے قریبی کے ساتھ جڑنے والے حکم میں رکھا ہے چنانچہ جب وہ اکیلا ہو تو سارے مال کا اور جب اصحاب الفروض پائے جائیں تو باقی کا وارث ہوگا۔ معتق کی مؤنث ورثاء کے لئے کچھ نہیں ہاں اگر ان کے آزاد کردہ کی ولاء ہو تو جدا بات ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کے لئے صرف ان کے آزاد کردہ یا جیسے ان کے آزاد کردہ آزاد کریں اس کی ولاء ہے۔“ [2]

پہلے عتق کی وجہ سے میراث کی دلیل ذکر ہو چکی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے ”ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے“ عصبۃ سببیہ کا مرتبہ عصبہ نسبیہ کے بعد ذوی الفروض پر رَدّ کرنے اور ذوی الارحام کی میراث سے پہلے ہے۔ حضرت عمر، ابن مسعود، ابن عباس اور بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین سے مروی ہے کہ عصبہ سببیہ کی میراث ذوی الارحام کی میراث سے مؤخر ہے۔ قانون مصری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کا مذہب اختیار کیا ہے، تو عصبہ سببیہ اسی وقت وارث ٹھہرے گا جب میت کا قرابت دار یا رشتۂ زوجیت کا وارث نہ ہو۔

۲: عصبہ نسبیہ اس کی اقسام اور ہر نوع کا حکم

عصبہ نسبیہ کی تعریف...... میت کے وہ مرد (مذکر) رشتہ دار جن کے اور میت کے درمیان کوئی عورت واسطہ نہ ہو، جیسا بیٹا، باپ، بھائی، چچا، بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ اور بہن بیٹی کے ساتھ، یہ لوگ ذوی الفروض سے باقی ماندہ کے وارث ہوتے ہیں۔ اور میت

---

[1] ...... رواه الطبری عن عبدالله بن ابی اوفی والحاکم والبیهقی عن ابن عمر وتتمته : ”لا یباع ولا یوهب، وهو صحیح۔ [2] أخرج ابن ابی شیبة وعبدالرزاق والدارمی والبیهقی من حدیث عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: میراث الولاء للاکبر من الذکور ولا ترث النساء من الولاء الا ولاء من اعتقن او اعتقه من اعتق (نیل الا وطار: ۲/ ۶۹) وقال فی الدرالمختار (۵/ ۵۵۰) عن حدیث ”لیس للنساء......“ وهو وان کان فیه شذوذ (انفراد راوبه) لکنه تاید بکلام کبار الصحابة مضار بمنزلت الشهوت

کے ساتھ نسبت میں کوئی عورت حائل ہو تو وہ شخص ذوی الارحام میں سے ہوگا، جیسے نانا، نواسہ یا ذوی الفروض میں سے ہوگا جیسے ماں شریک بھائی۔

ان کے وارث ہونے کی دلیل...... اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں (میراث کا یہ) حکم دیتا ہے کہ مذکر کیلئے مونث کا دہرا حصہ ہے'' (النساء ۴/ ۱۱) پھر ماں باپ کا حصہ بیان فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ اولاد ماں باپ کے حصوں کے بعد باقی ماندہ وصول کرے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''اگر وہ بھائی بہنیں ہوں تو مرد کے لئے عورت کا دہرا حصہ ہے'' سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کی جہت عصبہ نسبیہ کی جہات میں سے ہے۔ اور انہی دونوں آیات سے۔'' بھی معلوم ہوا کہ مقرر حصے والی عورت اپنے بھائی کے ہمراہ عصبہ بن جاتی ہے تاکہ اس اصول کی حفاظت ہو کہ مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہوتا ہے۔

اور سنت نے میت سے تعلق رکھنے والے مرد رشتہ دار کے لئے عصبہ ہونے کو ثابت کیا ہے جس کی صراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے ''فرائض کو ان کے حق داروں تک پہنچاؤ جو بچ جائے تو وہ زیادہ قریبی مرد کے لئے ہے'' مراد رشتہ داری کی نزدیکی ہے۔

اس کی اقسام...... عصبہ نسبیہ کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ **عصبہ بنفسہ**...... میت کا ایسا مذکر رشتہ دار جس کی میت کے ساتھ نسبت میں کوئی عورت داخل نہ ہو ایسے افراد کے چار جہات ہیں جو ایک دوسرے سے مقدم ہیں ان کا حصہ بارہ افراد میں ہے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مندرجہ ذیل ترتیب پر ہیں۔

الف: بیٹا ہونے کی جہت...... میت کا جزء جیسے بیٹا، پوتا، پوتے کا بیٹا وغیرہ۔

ب: باپ ہونے کی جہت...... یہ میت کے باپ کا جزء ہوتا ہے جیسے سگا بھائی یا باپ شریک بھائی، سگے بھائی اور باپ شریک بھائی کا بیٹا۔

د: چچا ہونے کی جہت...... اور یہ میت کے دادا کا جزء ہوتا ہے جیسے سگا چچا اور پھر دادا شریک چچا اور ان دونوں کے بعد سگے چچے کا بیٹا اور پھر دادا شریک چچے کا بیٹا جہاں تک درجہ بدرجہ پہنچنے پھر اس (میت) کے باپ کا سگا چچا یا باپ شریک چچا یا باپ کے سگے چچے یا باپ شریک ''چچے کا بیٹا۔ پھر دادا کا چچا پھر اس کا بیٹا، قریب بعید سے مقدم ہوگا۔

بیٹے ہونے کی جہت کو باپ ہونے کی جہت سے مقدم رکھا جائے گا اور باپ ہونے کی جہت کو بھائی ہونے کی جہت سے، اور یہ جہت چچا ہونے کی جہت سے مقدم ہوگی۔

ترجیح پہلے جہت کی وجہ سے ہوتی ہے پھر قریب درجہ کی وجہ سے پھر قوت قرابت کی وجہ سے، علامہ جعبری کا قول ہے:

فبالجهة التقديم، ثم بقربه   وبعدهما التقديم بالقوة اجعلا

یعنی پہلے سابقہ جہات میں سے جہت کی وجہ سے تقدیم ہوگی پھر میت سے قرب کی وجہ سے پھر قوت کی وجہ سے یعنی سگا، باپ شریک سے مقدم ہوگا۔

اول: جہت کی وجہ سے ترجیح...... سب سے پہلے جہت کو ترجیح ہوگی جب بعض عصبہ بیٹے ہونے کی جہت سے اور دوسرے باپ ہونے کی جہت سے یکجا ہو جائیں۔ تو پہلے گروہ کو دوسرے پر ترجیح ہوگی یعنی فرع کی جہت اصل کی جہت سے مقدم ہوگی اور یہ جہت بھائی ہونے کی جہت سے مقدم ہوگی اور یہ چچا ہونے کی جہت سے مقدم ہوگی۔ چنانچہ میت کا بیٹا، پوتا (پوتے کا بیٹا وغیرہ) میراث میں

عصوبت کی جہت سے میت کے اصول (آباء واجداد) سے مقدم ہوں گے اور اصول بھائیوں وغیرہ سے مقدم ہوں گے اور یہ چچاؤں وغیرہ سے مقدم ہوں گے۔لہٰذا اگر میت نے ورثاء میں بیٹا اور باپ یا باپ اور بھائی یا بھائی اور چچا چھوڑا تو بیٹے کو مقدم کیا جائے گا اور وہ باقی ترکہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وصول کرلے گا۔اور باپ صرف اپنا فرض جو چھٹا حصہ ہے لے گا۔اور دوسری مثال میں سارا مال باپ کو عصبہ ہونے کی بنا پر ملے گا جب کہ بھائی کے لئے کچھ نہیں۔اور تیسری مثال میں سارا مال بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا جب کہ چچا کو کچھ نہیں ملے گا۔بیٹیوں کو باپ سے مقدم رکھنے کا سبب: یہ ہے کہ انسان کی فرع (اولاد) کا تعلق اس کے اصول سے زیادہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے اس کے ترکے میں سے چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو۔(النساء ۴/ ۱۱) تو اللہ تعالیٰ نے باپ کو فرض (مقرر حصے) والا اور اولاد کو عصبہ قرار دیا ہے اور پوتوں کو خواہ جہاں تک ہوں باپ سے مقدم رکھا جائے گا اس واسطے کہ وہ بیٹے ہونے کی جہت سے ہیں اور یہ باپ ہونے کی جہت سے مقدم ہے۔

اصول، بھائیوں سے زیادہ قریب ہوتے ہیں کیونکہ اصول بھائیوں سے تعلق کا واسطہ ہیں لہٰذا میراث میں ان سے مقدم ہوئے۔

دوم: میت سے قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح...... پھر قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح ہوگی جس کا درجہ زیادہ قریبی ہوگا اسے دوسرے سے مقدم رکھا جائے گا۔چنانچہ بیٹا، پوتے سے باپ، دادا سے بھائی، بھتیجے سے چچا، چچازادے اور میت کا، چچا باپ کے چچا سے مقدم ہوگا۔اس وقت قوت قرابت کا اعتبار نہ ہوگا، باپ شریک بھائی سگے بھتیجے کو اور باپ کا چچا سگے، چچا کے بیٹے کو محجوب کردے گا۔

سوم: قوت قرابت کی وجہ سے ترجیح...... جب درجہ ایک ہو تو میت سے قوت قرابت کی وجہ سے ترجیح ہوگی لہٰذا جس کی دہری رشتہ داری ہوگی وہ اکہری (سنگل) رشتہ داری والے سے مقدم ہوگا جیسے سگا بھائی، باپ شریک سے اور سگا بھتیجا، باپ شریک بھائی کے بیٹے سے اور سگا، بھائی، باپ شریک سے اور سگا بھتیجا، باپ شریک بھائی کے بیٹے سے اور سگا، چچا دادا شریک چچا سے، اور سگے چچا کا بیٹا دادا شریک، چچا کے بیٹے سے مقدم ہوگا یہی ماں باپ کے چچا، اور دادا کے چچا کا ہے۔

پھر اگر عصبات، جہت، درجہ اور قوت قرابت میں برابر ہوں تو سب برابر کے شریک ہوں گے۔چنانچہ اگر میت نے ورثاء میں ایک طرف ایک بھتیجا اور دوسری جانب دس بھتیجے چھوڑے تو مال ان کے درمیان رؤس کے اعتبار سے تقسیم ہوگا نہ کہ ان کے حالات کے لحاظ سے۔

جمہور کے نزدیک عصبات کی ترتیب...... سابقہ ترتیب امام ابوحنیفہؒ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جب کہ جمہور (ائمہ ثلاثہ اور صاحبین) اور اسی کو مصر وشام کے قانون نے اپنایا ہے، نے دادا کو بھائیوں کے ساتھ ایک درجہ عصوبت میں شمار کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سگے بھائیوں کو اصول میں باپ کے علاوہ کوئی محجوب نہیں کرتا۔

ان حضرات کے نزدیک عصبات کی ترتیب اس طرح ہے:

۱: **بیٹے ہونے یا میت کا جزء ہونے کی جہت**...... جو بیٹے، پوتے اور پوتے کے بیٹے وغیرہ ہیں۔

۲: **باپ ہونے یا اصل میت کی جہت**...... جو صرف باپ تک محدود ہے۔

۳...... دادا سگے بھائیوں یا باپ شریک بھائیوں کے ساتھ نہ کہ ان کے بیٹوں کے ساتھ۔

۴...... سگے یا باپ شریک بھائیوں کے بیٹے، پوتے پڑپوتے وغیرہ۔

۵: چچا ہونے کی جہت...... جو میت اور اس کے آباء واجداد کے چچاؤں اور ان کے بیٹوں کو شامل ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۲: دوسرے کی وجہ سے عصبہ...... یہ ہر وہ عورت ہے جس کا حصہ مقرر ہو، جس کے ساتھ اسی کے درجہ کا کوئی مذکر (وارث) پایا جائے۔ جس کی وجہ سے یہ عورت عصبہ بن جاتی ہے، یہ قسم صرف انہی کو شامل ہوگی جن کا مقرر حصہ اکیلے ہونے میں نصف اور زیادہ ہونے میں دو تہائی ہو اور ایسی چار ہی ہیں:

ا......ایک یا ایک سے زیادہ بیٹیاں اپنے ہم درجہ بیٹے کے ساتھ۔ جب کہ پوتے کے ساتھ فرض والی ہوں گی۔

۲......ایک یا ایک سے زیادہ پوتیاں اپنے ہم درجہ پوتے کے ساتھ خواہ وہ ان کا بھائی ہو یا چچازاد، اسی طرح پوتے کے بیٹے کے ساتھ جو ان سے کم درجہ ہو جب ان کے لئے دو تہائی میں سے کچھ نہ ہو تو اس کی ضرورت کی وجہ سے اس (پڑپوتے) کے ساتھ عصبہ ہو جائیں گی اگرچہ وہ درجہ میں ان سے کم ہے۔ یہاں تک کہ وہ میراث سے محروم نہ ہوں اور اسے (میراث کو) ان سے کم درجہ لے لیں (اور یہ محروم رہ جائیں) اور اگر اس (پڑپوتے) کی ضرورت نہ ہو جیسے بیٹی اور پوتی تو وہ انہیں عصبہ نہیں بنائے گا اور جب پوتا پوتے سے بلند درجہ ہو تو اسے محجوب کر دے گا جیسے پڑپوتی پوتے کے ساتھ ہو۔

۳......سگی بہن اپنے سگے بھائی کے ساتھ، پھر اگر اس (بہن) کے ساتھ باپ شریک بھائی ہو تو اسے نصف بطور فرض ملے گا اور زیادہ ہوں تو دو تہائی۔

۴......باپ شریک بہن باپ شریک کی وجہ سے.....خواہ اس کا سگا ہو یا نہ رہی وہ عورت جس کا مقرر حصہ نہیں اور اس کا بھائی عصبہ ہے جیسے، پھوپھی چچا کے ساتھ اور چچازاد بہن، چچازاد بھائی کے ساتھ اور بھتیجی، بھتیجے کے ساتھ تو یہ اپنے بھائی کی وجہ سے عصبہ نہیں ہوگی کیونکہ یہ فرض (مقرر حصے) والی نہیں۔

۳: غیر کے ساتھ عصبہ...... یہ ہر وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے ساتھ مل کر عصبہ ہو جاتی ہے اس کی صرف دو حالتیں ہیں۔

ا......ایک سگی بہن یا ایک سے زیادہ۔ بیٹی یا کئی بیٹیوں، یا ایک پوتی یا کئی پوتیوں کے ساتھ۔

۲......ایک یا ایک سے زیادہ باپ شریک بہنیں، اسی طرح ایک بیٹی یا کئی بیٹیوں یا ایک پوتی یا کئی پوتیوں کے ساتھ، ایک بیٹی یا کئی بیٹیوں یا ایک پوتی یا کئی پوتیوں سے جو باقی بچے گا وہ ایک بہن یا کئی بہنوں کو ان کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ سابقہ قاعدہ کی وجہ سے (بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی وجہ سے کہ آپ نے بہن کے لئے بیٹی اور پوتی کے ساتھ باقی ماندہ کا فیصلہ فرمایا۔

یوں وہ سگی بہن جو بیٹی یا پوتی کے ساتھ عصبہ بنتی ہے سگے بھائی کی طرح ہوگئی اور وہ مطلقاً باپ شریک بھائیوں کو محجوب کر دے گی۔ اور باپ شریک بہن جو غیر کے ساتھ عصبہ ہوتی ہے یعنی بیٹی یا پوتی کے ساتھ وہ باپ شریک بھائی کی طرح ہو کر سگے بھتیجے اور اس کے بعد والوں کو محجوب کر دی گی۔ البتہ جب بہن کے ساتھ اس کا بھائی ہو تو عصبہ بالغیر ہو جاتی ہے نہ کہ عصبہ مع الغیر جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور باقی ماندہ اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان "مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا" کے تحت تقسیم ہوگا۔

پہلی حالت کی مثال...... بیٹی، پوتی، سگی بہن اور باپ شریک بھائی ہے: بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس تا کہ دو تہائی کی تکمیل ہو جائے اور بہن کو باقی ماندہ ملے گا۔

جب کہ باپ شریک بھائی کو کچھ نہیں ملے گا وہ سگی بہن کی وجہ سے محجوب ہوگا۔ کیونکہ وہ بیٹی اور پوتی کے ساتھ عصبہ بن گئی۔

جہاں قانون مصری (م ۱۶۔ ۲۲) اور شامی (م ۲۷۴۔ ۲۸۰) کا تعلق ہے تو دونوں نے عصبہ بنفسہ کی اقسام، ترجیح کے طریقہ اور دادا کے بھائیوں کے ساتھ حالات کی سابقہ طرز کے مطابق جو شرعاً مقرر ہے صراحت کی ہے۔

مثالیں :۱......میت کے ورثاء میں باپ، ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک سگی بہن ہے، باپ کو صرف سدس ملے گا عصبہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے کچھ نہیں کیونکہ بیٹا موجود ہے اور بیٹا بیٹی کو ''مرد کو عورت کا دوگنا'' کے تحت ملے گا اور سگی بہن کو کچھ نہیں ملے گا اس واسطے کہ وہ بیٹے اور باپ کی وجہ سے ساقط ہوگئی۔

۲......میت کے ورثاء میں دادا، ایک بیٹی اور ایک سگا بھائی ہے بیٹی کو نصف ملے گا جب کہ باقی بھائی اور دادا کے لئے ہے۔

۳......میت کے ورثاء میں خاوند، ایک ماں شریک بھائی، ایک سگا بھائی اور ایک سگی بہن ہے۔ خاوند کو نصف، ماں شریک بھائی کو سدس، جب کہ باقی بہن بھائی کے درمیان ''مرد کو عورت کا دہرا حصہ ملے گا'' کے تحت تقسیم ہو جائے گا۔

۴......میت کے ورثاء میں، ایک بیٹی ایک پوتی، ایک پوتا اور ایک پوتے کا بیٹا ہے۔ بیٹی کو نصف اور پوتی کو پوتے کے ساتھ باقی جب کہ پڑپوتے کے لئے کچھ نہیں۔

۵......میت کے ورثاء میں ایک پوتی، ایک باپ شریک بہن اور ایک پھوپھی ہے۔ پوتی کو نصف، باپ شریک بہن کو پوتی کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا جب کہ پھوپھی کو کچھ نہیں ملے گا۔

۶......میت کے ورثاء میں، خاوند، پوتی، سگی بہن اور دادی ہے خاوند کو چوتھائی پوتی کو نصف، دادی کو (۱۲) میں سے سدس اور سگی بہن کو باقی ملے گا کیونکہ وہ پوتی کے ساتھ عصبہ بن گئی۔

۷......میت کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک باپ شریک بہن اور ایک باپ شریک بھائی اور بیوی ہے۔ بیٹی کو نصف، بیوی کو آٹھواں حصہ، باپ شریک بہن اور باپ شریک بھائی کو عصبہ بالغیر ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔

۸......میت کے ورثاء میں دو بیٹیاں، دو پوتیاں (ایک بیٹے سے) اور ایک پوتی (دوسرے بیٹے سے) ایک پوتا، ایک پڑپوتی اور باپ ہے دونوں بیٹیوں کو دو تہائی، باپ کو سدس، دونوں پوتیوں کو پوتے کے ساتھ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔

جب کہ پڑپوتی کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ پوتے کی وجہ سے محجوب ہوگئی۔

۹......میت کے ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی اور ایک سگی بہن ہے بیٹی کو نصف پوتی کو سدس اور سگی بہن کو عصبہ مع الغیر ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔

۱۰......میت کے ورثا میں خاوند، سگی بہن، باپ شریک بہن اور باپ شریک بھائی ہے خاوند کو نصف سگی بہن کو (بھی) نصف ملے گا اور آخری دو وارث عصبہ نہیں جو دونوں کے لئے کچھ نہیں بچا اور اگر بھائی نہ ہوتا تو بہن سدس وصول کرتی۔

۱۱......میت کے ورثاء میں بیٹی، پوتی، اور پڑپوتا ہے۔ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس اور باقی دوسرے کے لئے ہے کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ اس لئے کہ پوتی کو اس کی ضرورت نہیں۔

۱۲......ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پڑپوتی اور ایک پوتے کا پوتا (سکڑ پوتا) ہے۔ بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس، اور باقی آخری دو کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا کیونکہ پوتی کو اس کی ضرورت ہے۔

۱۳......ورثاء میں خاوند، ماں، باپ شریک بھائی، ایک سگی بہن اور ایک سگا بھائی ہے، خاوند کو نصف، ماں کو سدس، باپ شریک بھائی کو (بھی) سدس اور باقی آخری دو کو عصبہ ہونے کی وجہ سے۔

۱۴.....ورثاء میں خاوند ایک بیٹی، دادی اور ایک باپ شریک بہن ہے خاوند کو چوتھائی بیٹے کو نصف، دادی کو سدس اور باقی باپ شریک بہن کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔

دسویں فصل: شاذ ونادر پیش آنے والے مسائل......کچھ مسائل ایسے ہیں جو میراث کے عمومی قواعد سے مستثنیٰ اور شاذ ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں: منبریہ، غراوان، خرقاء، اکدریہ، مالکیہ اور اسی جیسا۔ مشرّکہ ❶ ان کی طرف رجوع میں آسانی کے لئے میں یہاں ان کی وضاحت کرتا ہوں اگر چہ دوسرے مقامات پر ان کی طرف اشارے ہوئے ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ مشترکہ کی حدیث بیہقی نے بحوالہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حدیث حماریہ کو حاکم اور بیہقی نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی طرح بیہقی نے حدیث خرقاء اور حدیث اکدریہ نقل کی ہے اور حدیث منبریہ بھی بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ❷ کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

۱۔ **مسئلہ منبریہ**...... یہ عول کے مسائل میں سے ایک مسئلہ ہے جس میں ثمن (آٹھویں حصے) اور سدس (چھٹے حصے) کے اجتماع کے وقت (۲۴ سے ۲۷ تک) عول ہوتا ہے جیسے جب ورثاء میں ایک بیوی، دو بیٹیاں اور ماں باپ ہوں: تو بیوی کو ۸ / ۱ دونوں بیٹیوں کو ۳ / ۲ ماں ۶ / ۱ باپ کو ۶ / ۱ ملے گا اور مسئلہ ۲۴ سے ہو کر ۲۷ میں عول ہوگا۔

اسے منبریہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر اس مسئلہ کے بارے میں فتویٰ دیا تھا۔

۲۔ **مسئلہ غراوان یا عمریتان**...... یہ ایسے دو مسئلے ہیں جن میں زوجین میں سے کوئی ایک والدین کے ساتھ ہوتا ہے جن میں سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ورثاء میں خاوند اور ماں باپ ہیں اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ورثا میں بیوی اور ماں باپ ہیں۔ ان دونوں میں حکم یہ ہے کہ زوجین میں سے ایک اپنا مقرر حصہ لے لے گا اور باقی کی تین تہائیاں کر کے تقسیم کردی جائیں گی۔ دو تہائیاں باپ کی اور ایک تہائی ماں کی۔ یوں ماں کا مقرر حصہ خاوند یا بیوی کے بعد باقی کا تہائی ہوگا۔ جو پہلے مسئلہ میں چوتھائی اور دوسرے میں سدس ہے اور باپ کے لئے ان دونوں کے بعد باقی ماندہ کا دو تہائی ہے اور یہ اس اصل کے خلاف ہے جسے ماں نے وصول کیا ہے اور وہ ماں کا اصل مال سے مقرر حصہ ہے۔ ان دونوں مسئلوں کو عمریتان اس لئے کہا جاتا ہے۔

کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان دونوں مسئلوں کے بارے میں یہی فیصلہ فرمایا تھا۔ حضرت عثمان، زید بن ثابت اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسی فیصلہ کی پیروی کی۔ اور حضرت علی سے بھی یہی فیصلہ منقول ہے اور یہ جمہور کی رائے ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ان دونوں صورتوں میں ماں اصل ترکے کا تہائی لے گی جو اس کا اصلی مقرر حصہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو دلیل بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ہوتے ہوئے اس کے لئے پہلے ترکے کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے ''اور اس کے والدین میں سے ہر ایک لئے چھٹا حصہ ہے اگر اس میت کی اولاد ہو'' (النساء ۴/۱۱) پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے تہائی ہے ''اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کو تہائی ملے گا'' (النساء ۴/۱۱) اس سے یہ بھی مفہوم ہوتا ہے۔

کہ مراد اصل ترکے کا تہائی ہے۔ بعض حضرات نے جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ''پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس ماں کو تہائی ملے گا'' (النساء ۴/۱۱) کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے جس کے وہ دونوں وارث ہوئے اس کا تہائی ہے

---

❶......السراجية: ص ۴۶، ۱۵۳، القوانين الفقهية ص ۳۸۹، ۳۹۳، ۳۹۷ الشرح الصغير ۴/۶۲۳، ۶۳۸، الشرح الكبير ۴/۴۶۲ مغنى المحتاج ۳/۱۵، ۲۳، الرحبية ص ۳۳، ۴۷، ۵۲، ۵۹، ۶۰ المغنى: ۶/۱۷۹، ۱۸۰، ۲۲۳، ۲۲۶، كشاف القناع ۴/۴۷۵، غاية المنتهى ۲/۳۸۷۔ ❷نصب الراية: ۴/۴۲۹۔

خواہ سارا مال ہو یا بعض ہو، اس لئے کہ اگر اصل کا تہائی مراد لیا جائے تو بیان کے لئے یہ کافی تھا ''اگر اس کی اولاد نہ ہو تو اس کی ماں کو تہائی ملے گا۔اور اس سے یہ لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''اور اس کے والدین اس کے وارث ہوں'' بے فائدہ ہو جاتا ہے۔

۳۔مسئلہ خرقاء...... یہ ماں، دادا اور بہن (کا مسئلہ) ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے: ماں کو تہائی ملے گا، اور جو باقی بچ جائے اسے دادا اور بہن آپس میں ''مرد کا عورت سے دوہرا حصہ'' کے تحت تقسیم کر لیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے...... ماں کو تہائی، بہن کو نصف اور دادا کو باقی ماندہ ملے گا جو سدس ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے: بہن کو کچھ نہیں ملے گا اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے اسے خرقاء اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس میں صحابہ کے اقوال مختلف ہیں یا اس وجہ سے کہ اقوال کی کثرت نے اسے پھاڑ دیا ہے۔

۴۔الاکدریہ یا الغراء...... یہ، خاوند، ماں، دادا، سگی بہن یا باپ شریک بہن (کا مسئلہ) ہے۔
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ جمہور کا قول ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب پر عمل ہے: کہ دادا کے ساتھ بہن کے لئے نصف مقرر نہیں ہوگا بلکہ اس کے ساتھ بقیہ کی وارث ہوگی صرف اکدریہ کے فریضہ میں، لہٰذا خاوند کو نصف: ماں کو ثلث، دادا کو سدس اور بہن کو نصف ملے گا ساقط نہیں ہوگی اور مسئلہ کا (۹) تک عول ہوگا اور (۲۷) سے تصحیح ہوگی خاوند کے (۹) ماں کے (۶) بہن کے (۴) دادا کے (۸) حصے ہوں گے۔وہ اس طرح کہ وہ ایک جو دادا کو دیا گیا ہے ان تین کے ساتھ ملایا جائے گا جو بہن کو دیئے گئے۔اور دونوں چاروں حصوں کو آپس میں مرد کا عورت سے دوگنا حصہ کے تحت تقسیم کر لیں گے یعنی دادا اور بہن کے درمیان مقاسمہ کے اصول کی بنا پر اس کا نام اکدریہ اس لئے ہے کہ اس نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کو تین طرح سے گدلا کیا: دادا کے ذریعہ عول کیا اور بہن کے لئے حصہ مقرر کیا اور فرض کے سہام کو جمع کیا اور عصبہ ہونے کی بنا پر انہیں تقسیم کیا۔حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب بہن کو نصف میراث دینے کا بھی ہے لیکن اس میں دادا کے ساتھ اس کا حصہ نہیں ملایا جائے گا۔
لہٰذا اس رائے میں اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذاہب میں اختلاف اس مقدار کی تعیین ہے جو بہن کی طرف راجع ہے اس پر اتفاق ہے کہ وہ ساقط نہیں ہوگی۔
امام ابوحنفیہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول لیا ہے اور وہ بہن کو ساقط کرنا ہے چنانچہ وہ کچھ نہیں لے گی۔

۵۔مشرّکہ یا حجریہ یا حماریہ...... یہ خاوند، ماں (یا دادی) سگے بھائیوں یا ماں شریک بھائیوں کا (مسئلہ) ہے: اس میں اصل تو یہ ہے کہ سگے بھائیوں کی میراث نہیں کیونکہ وہ عصبہ ہیں اور اصحاب الفروض سے باقی ماندہ وصول کریں گے اور یہاں فروض نے سارے ترکہ کو ختم کر دیا وہ اس طرح کہ خاوند نصف لے گا ماں کو سدس ملے گا اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی ملے گا اور مال ختم ہو جائے گا۔لیکن مالکیہ اور شافعیہ نے حضرت عمر، عثمان اور زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے پر عمل کیا ہے ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ سگے بھائیوں کو ماں شریک بھائیوں کے ساتھ برابر کا شریک کیا جائے گا خواہ مؤنث ہوں خواہ مذکر اس لئے کہ سگے بھائیوں نے حضرت عمر سے کہا تھا: سمجھئے ہمارا باپ پتھر یا حمار (گدھا) تھا ہم تو اپنی ماں کی وجہ سے وارث ہوں گے جس کی بنا پر اسے حماریہ یا حجریہ کہا جاتا ہے۔
اسی طرح اس کا نام مشترکہ یا مشرّکہ ہے۔ کہ سگے بھائی ماں شریک بھائیوں کے ساتھ شریک ہیں۔یوں سگا بھائی ایسا عصبہ ہوگا جو فروض کے پورے ترکہ کو ختم کرنے کے ساتھ وارث ہوگا جو اصل کے خلاف ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام ابوحنیفہ امام احمد بن

حنبل اور داؤد رحمہم اللہ کا کہنا ہے: سگے بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہیں اور فروض میں مال کی تقسیم مکمل ہوگئی۔ اور سابقہ طرز پر مال کے حصے کئے جائیں گے: خاوند کو نصف، ماں کو سدس، اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی ملے گا۔

آیت کے ظاہر پر عمل بھی ہو جائے گا ''اگر وہ مرد یا عورت بے اولاد بھی ہو اور اس کے ماں باپ بھی زندہ نہ ہوں مگر اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔'' (النساء ۴/۱۷۶) اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس آیت سے خصوصی طور پر ماں شریک اولاد مراد ہے اور دوسری آیت کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے اور وہ یہ ہے ''اگر بہن بھائی اکٹھے ہوں تو مرد کو عورت کا دوہرا حصے ملے گا۔'' (النساء ۴/۱۷۶) اس آیت سے باقی بہن بھائی مراد ہیں۔ پہلے فریق کے مذکر و مؤنث میں مساوات ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرائض (مقررہ حصوں) کو ان کے حق داروں تک پہنچاؤ جو بچ جائے وہ قریبی مرد کے لئے ہے'' سو جس نے شریک کیا تو فرائض حق داروں تک نہ پہنچے اور سگے بہن بھائی عصبہ ہیں ان کا حصہ مقرر نہیں۔ فروض میں مال پورا ہو گیا، لہٰذا ضروری ٹھہرا کہ وہ ساقط ہو جائیں جیسے اگر ماں کی اولاد کی جگہ دو بیٹیاں ہوتیں۔

۶۔ام الفروخ یا شریحیہ......اس مسئلہ کو ام الفروخ کا نام اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ یہ سب سے زیادہ عول والا مسئلہ ہے۔ یوں زوائد اربعہ کو فروخ (چوزوں) سے مشابہت دی گئی ہے اور شریحیہ بھی اس کا نام ہے کہ کیونکہ یہ مسئلہ قاضی شریح کے زمانہ قضاء میں پیش آیا: جب سگے بہن بھائیوں یا باپ شریک بھائیوں کی جگہ سگی بہن یا باپ شریک ایک بہن یا زیادہ، خاوند ماں یا دادی اور ماں شریک بھائیوں کے ہوتے ہوئے ہوں تو مسئلہ کا عول دس ۱۰ تک ہوگا خاوند نصف (۳) ماں یا دادی کو سدس (۱) ماں شریک بھائیوں کو ایک تہائی (۲) سگی بہنوں یا باپ شریک بہنوں کو دو تہائی (۴) ملے گا۔

۷۔فریضہ مالکیہ......فوت ہونے والی عورت ورثا میں خاوند، ماں، دادا ایک باپ شریک بھائی اور چند ماں شریک بھائی چھوڑ جائے۔ یعنی سابقہ مسئلہ (حجریہ) میں سگے بھائیوں کی جگہ باپ شریک بھائی وارث ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ دادا سدس لے گا۔

اور باقی باپ شریک بھائیوں کو ملے گا اماں شریک بھائیوں کے لئے کچھ نہیں، مالکیہ نے اس مسئلہ میں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے خلاف یوں کہا ہے: خاوند نصف لے گا ماں سدس اور باقی اکیلا دادا وصول کرے گا اور بھائی کچھ نہیں لیں گے خواہ باپ شریک ہوں یا ماں شریک۔ اس لئے کہ دادا ماں شریک بھائیوں کو محجوب کر دیتا ہے اور جب انہیں محجوب کر دے گا تو باقی کا زیادہ حق دار ہوگا۔

۸۔مسئلہ مالکیہ کی طرح یا اس کے مشابہ......سابقہ مسئلہ میں باپ شریک بھائی کی جگہ سگا بھائی ہو تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام شافعیؒ کا مذہب یہ ہے کہ دادا اصل مال سے سدس لے گا جو فرض ہے اور باقی عصبہ کو ملے گا کہ وہ سگے بھائی ہیں امام مالک رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں حضرت زید کے مذہب کے خلاف اسے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: دادا ذوی السہام کے بعد باقی سارا وصول کرے گا نہ کہ بھائی، بھائیوں کے لئے کچھ نہیں، نہ سگوں اور نہ باپ شریکوں کے لئے۔

۹۔یتیمتان......یہ دو مسئلے ہیں پہلا یہ کہ فوت ہونے والی ورثا میں خاوند ایک سگی بہن چھوڑ جائے یا خاوند اور باپ شریک بہن چھوڑ مرے۔ تو مسئلہ (۲) سے ہوگا دونوں وارثوں کے لئے ایک ہوگا۔

۱۰۔ام للا رامل...... کہ میت تین بیویاں دوجدہ چار ماں شریک بہنیں اور آٹھ سگی بہنیں چھوڑ جائے تو بیویوں کے لئے چوتھائی ہے دونوں جدہ کو سدس ملے گا ماں شریک بہنوں کو تہائی اور سگی بہنوں کو دوتہائی۔

مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوکر (۱۷) تک عول ہوگا اس کا یہ نام سب وارثوں کے خواتین ہونے کی وجہ سے

۱۱۔مروانیہ......فوت ہونے والی خاوند، دوسگی بہنیں، دوباپ شریک اور دو ماں شریک بہنیں چھوڑ جائے تو خاوند کو نصف، دونوں سگی بہنوں کو دوتہائی ملے گا باپ شریک دونوں بہنیں محجوب ہوں گی اور ماں شریک دو بہنوں کو تہائی ملے گا۔

مسئلہ (۶ سے ہوکر ۹ تک عول ہوگا) اسے مروانیہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ مسئلہ مروان بن الحکم کے دور میں پیش آیا۔

۱۲۔حمزیہ......فوت ہونے والا برابر درجہ کی تین جدات، ایک دادا، ایک سگی بہن، ایک باپ شریک بہن اور ایک ماں شریک بہن چھوڑے۔تو جدات کو سدس، دادا، سگی بہن اور باپ شریک بہن عصبات میں ماں کو شریک بہن دادا کی وجہ سے محجوب ہوگی مسئلہ (۶) سے ہوگا۔(۳) جو جدات کا عدد ہے دادا اور دو بہنوں کے عدد رؤس جو (۳) ہے سے ضرب دی جائے گی۔حاصل (۹) ہوا جسے اصل مسئلہ جو (۶) ہے سے ضرب دیا جائے گا یوں حاصل ہوگا (۵۴) اس کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا کہ حمزہ زیّات نے اس کا یہ جواب دیا تھا۔

۱۳۔دیناریہ.... وہ مسئلہ یہ ہے کہ میت نے ایک بیوی، ایک دادی دو بیٹیاں، بارہ باپ شریک بھائی اور ایک باپ شریک بہن چھوڑی، بیوی کو آٹھواں حصہ، دادی کو سدس دونوں بیٹیوں کو دوتہائی اور بقیہ ورثاء عصبہ ہوں گے۔مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اور (۶۰۰) سے تصحیح ہوگی (۲۴ کو ۲۵) سے ضرب دی جائے گی۔باپ شریک بھائیوں کا عدد رؤس ۲۴ اور باپ شریک ایک بہن کا عدد (۱۔۲۵) ہے۔حاصل ہوا (۶۰۰) اسے دیناریہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مورث نے چھ سو ۶۰۰ دینار چھوڑے اور سترہ ۱۷ امرد عورت ورثاء چھوڑے جن میں سے ایک کو ایک دینار ملا باپ شریک اور وہ بہن تھی۔

۱۴۔امتحان...... یہ ہے کہ میت چار بیویاں، پانچ دادیاں، سات بیٹیاں اور نو باپ شریک بہنیں چھوڑے، بیویوں کو آٹھواں حصہ، دادیوں کو سدس، بیٹیوں کو دوتہائی ملے گا اور باپ شریک بہنیں عصبہ میں مسئلہ (۲۴) سے ہوگا چونکہ ہر فریق کے عدد اور سہام میں تباین ہے اس لئے ہم رؤس کو ایک دوسرے سے ضرب دیں گے۔(9x140=7x02=5x4=) ۱۲۶۰ حاصل ہوا جسے (۲۴) سے ضرب دیں گے حاصل ہوگا (۳۰۲۴۰)۔کیونکہ اس میں عامل کا امتحان ہوتا ہے اس لئے اسے ''امتحان'' کہا جاتا ہے کہا جاتا ہے فلاں نے ورثاء کی ایک تعداد کو ہزار کردیا ہر صنف دس سے کم ہے مسئلہ صرف اسی سے صحیح ہوگا جو تیس ہزار سے زائد ہو۔

گیارہویں فصل: حجب......اس کی تعریف، حجب وحرمان میں فرق، اس کی اقسام، ہر قسم کا حکم، حجب میں ورثاء کے حالات۔●

سب سے پہلے: حجب کی تعریف......لغت میں حجب کا معنی ہے روکنا، اور شرعاً ساری یا بعض میراث سے روکنا، فقہاء کی عبارت ہے: دوسرے شخص کے موجود ہونے کی وجہ سے جو اسے اپنے حصہ میں شریک نہیں کرے گا متعین وارث کو ساری یا بعض میراث سے روکنا، جیسے دادا کا باپ کی وجہ سے اور خاوند کا اولاد کی وجہ سے نصف سے محجوب ہوکر چوتھائی کا مستحق ہونا۔

● .....السراجیۃ ص ۸۴۔۸۹ الدر المختار ۵/۵۵۰۔۵۵۵۔ تبیین الحقائق ۶/۲۳۳، ۲۳۹، الکتاب مع اللباب: ۴/۱۹۵، القوانین الفقہیۃ ص ۳۸۶، الرحبیۃ ص ۴۳۔۴۶ مغنی المحتاج ۳/۱۱۔۱۳ کشاف القناع ۴/۴۶۹۔

ثانی: حجب وحرمان میں فرق...... حجب، حرمان سے الگ ہے حرمان کی تعریف ہے: کسی شخص کو میراث سے منع کرنا جب کہ میراث کے موانع میں سے کوئی سبب موجود ہو جیسے قتل کرنا لہٰذا قاتل اولاد وارث نہیں ہوگی، کیونکہ قتل بقاء کے ساتھ موجود ہے یا میراث کا سبب جو قرابت ہے قائم ہے۔ جس میں محرومیت پائی گئی ہو وہ دوسرے کو محجوب نہیں کرتا، بلکہ وہ کالعدم شمار ہوتا ہے چنانچہ میت کے ورثاء میں قاتل بیٹا، بیوی اور باپ تھا تو بیوی کو چوتھائی ملے گا یوں سمجھا جائے گا کہ میت کی اولاد ہی نہ تھی اور باپ عصبہ ہوگا۔ رہا حجب تو وہ میراث سے منع کرنا ہے اس کے کسی سبب کی وجہ سے نہیں بلکہ میت کا اس سے زیادہ قریبی کوئی شخص موجود ہوتا ہے، دوسرے شخص کی وجہ سے محجوب ہونے والا دوسرے کو محجوب کرتا ہے اور اسے موجود شمار کیا جاتا ہے چنانچہ اگر میت نے باپ، ماں اور دو سگے بھائی چھوڑے ہیں تو دونوں سگے بھائیوں کی وجہ سے ماں کو سدس ملے گا باوجودیکہ وہ دونوں باپ کی وجہ سے محجوب ہیں۔

اور کبھی دوسرے کو حجب نقصان یا حجب حرمان کی صورت میں محجوب کرتا ہے جیسے ماں باپ کے ساتھ بھائیوں کا ہونا اور جیسے باپ کی ماں اس کی وجہ سے محجوب ہوتی ہے اور ماں کی نانی کو محجوب کردیتی ہے۔ اس بناء پر حجب میں مانع کوئی ایسا وصف نہیں جو ممنوع کی ذات میں قائم ہو۔ اس سے میراث کی اہلیت لازم نہیں آتی اور حرمان میں مانع ایسے وصف کی وجہ سے ہوتا جو ممنوع کی ذات میں قائم ہوتا ہے جیسے اس کا قاتل ہونا اس سے میراث کی اہلیت ختم ہوجاتی ہے۔

حالت انفراد میں اصحاب الفروض کے ساتھ ان کے ہم جنسوں کے یکجا ہونے کی وجہ سے حصوں کی کمی حجب نہیں۔ جیسے بیویاں، بیوی اگر اکیلی ہو تو اس کا حصہ چوتھائی یا آٹھواں ہے اور جب کئی بیویاں ہوں تو ان کے صرف مقرر حصہ ہے۔ اسی طرح عول کے ذریعے حصوں کی کمی بھی حجب نہیں جب اصل مسئلہ سے حصے بڑھ جائیں۔

ثالث: حجب کی دو قسمیں...... حجب کی دو قسمیں ہیں: حجب نقصان، حجب حرمان۔

ا...... حجب نقصان یہ ہے کہ دوسرے شخص کی موجودگی کی وجہ سے مقرر حصہ زیادہ سے کم ہوجائے جیسے خاوند اولاد کی وجہ سے نصف کے بجائے چوتھائی تک پہنچ جاتا ہے اور جیسے ماں، بیٹے کی وجہ سے تہائی کے بجائے سدس تک منتقل ہوجاتی ہے۔

نص اور اجماع کی وجہ سے پانچ ذوی الفروض میں ہر ایک کے لئے دو حصے بنتے ہیں۔

اعلیٰ اور ادنیٰ (یعنی زیادہ اور کم) ان میں سے دو خاوند بیوی، پوتی، باپ شریک بہن اور ماں ہے۔

خاوند...... زوجہ کی وارث فرع کی وجہ سے جو خواہ اس سے ہو یا کسی اور سے خاوند کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر چوتھائی تک پہنچ جاتا ہے۔

زوجہ...... خاوند کی وارث فرع کی وجہ سے خواہ اسی عورت سے ہو یا کسی اور سے۔ زوجہ کا حصہ چوتھائی سے آٹھویں تک منتقل ہوجاتا ہے۔ پوتی، سگی بیٹی کی وجہ سے پوتی کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر سدس تک پہنچ جاتا ہے۔

باپ شریک بہن...... سگی بہن کی وجہ سے اس کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر سدس تک پہنچ جاتا ہے۔

ماں...... مطلقاً وارث فرع اور بھائیوں بہنوں کی وجہ سے خواہ جس جہت سے ہوں ماں کا حصہ تہائی سے سدس تک منتقل ہوجاتا ہے۔

۲۔ حجب حرمان...... یہ ہے کہ کوئی بالکلیہ میراث سے محروم ہوجائے، جیسے دادا باپ کی وجہ سے اور پوتا بیٹے کی وجہ سے محجوب ہوجاتا ہے اور ماں شریک بھائی باپ کی وجہ سے محجوب ہوجاتا ہے۔

حجب حرمان کی نسبت سے ورثاء کی دو قسمیں ہیں:

اول.....جن میں حجب حرمان نہیں ہوتا اور وہ چھ ہیں تین مرد اور تین عورتیں باپ، ماں، بیٹا، بیٹی، خاوند اور بیوی۔ ان چھ کا میت کے ساتھ براہ راست تعلق ہے جب ان میں سے کوئی ایک پایا جائے تو وہ ضرور وارث ہوتا ہے، انہیں ہم یوں بھی شمار کر سکتے ہیں۔ ولدان (بچے) ابوان (والدین) زوجان (خاوند بیوی)

دوم.....جن میں حجب حرمان ہوتا ہے وہ سات ہیں۔

دادا، نانی، سگی بہنیں، باپ شریک بہنیں، ماں کی اولاد، پوتیاں اور پوتا۔ دادا تو باپ کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے نانی ماں کی وجہ۔ سگی بہنیں بیٹے یا پوتے کی وجہ سے، اور باپ کی وجہ سے اجماع ہے کہ محجوب ہو جاتی ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دادا کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہیں۔

اور جن سے دو سگی بہنیں محجوب ہو جاتی ہیں ان سے باپ شریک بہنیں محجوب ہو جاتی ہیں۔

جیسے وہ سگے بھائی کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہیں اور دو سگی بہنوں کی وجہ سے جب ان کے ساتھ عصبہ بنانے والا نہ ہو۔ اور ماں شریک بھائی باپ، دادا اور وارث فرع کی وجہ سے محجوب ہو جاتے ہیں (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی) اور جن سے بیٹیاں محجوب ہوتی ہیں ان سے پوتیاں محجوب ہو جاتی ہیں، پوتے، دو یا دو سے زیادہ پوتیوں کی وجہ سے جب ان کے ساتھ عصبہ بنانے والا نہ ہو محجوب ہو جاتی ہیں۔ اور پوتا بیٹے کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے۔

حجب حرمان دو قاعدوں پر مبنی ہے۔

پہلا قاعدہ.....جس کا تعلق میت کے ساتھ کسی واسطہ سے ہو تو وہ واسطہ اسے محجوب کر دیتا ہے، خواہ ماں کی اولاد ہو اس لئے کہ وہ ماں کی وجہ سے تعلق رکھتے اور اس کے ساتھ وارث ہوتے ہیں۔ جیسے باپ کے ساتھ دادا اور ماں کے ساتھ نانی۔

دوسرا قاعدہ: زیادہ قریبی.....زیادہ دور والے کو محجوب کر دیتا ہے جیسا کہ عصبات میں مذکور ہے جیسے ماں کے ساتھ جدات، ماں ہر جدہ کو محجوب کر دیتی ہے، زیادہ قریبی زیادہ دور والی کو محجوب کر دیتی ہے پوتیاں، بیٹے یا بیٹی کے ساتھ، پوتا بیٹے کے ساتھ وہ بیٹا جو اس پوتے کا چچا نہ کہ اس کا والد، کیونکہ بیٹا اپنے بھتیجے کو محجوب کر دیتا ہے۔

اس لئے کہ اس کا درجہ قریب ہے اور بیٹا، پوتا اور باپ ہر ایک بالاجماع اور دادا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مطلقاً بھائی بہنوں کو محجوب کر دیتے ہیں۔ فرع وارث اور اصل مذکر ان میں سے ہر ایک ماں کی اولاد کو محجوب کر دیتا ہے۔ عصبات میں حجب اس طرز پر ہے جو پہلے بیان ہو چکا، ان میں ترجیح سب سے پہلے جہت کے اعتبار سے ہوگی اس طرح کہ دادا اور بھائی ایک مرتبہ میں ہوں گے پس جب جہت میں برابر ہوں تو ترجیح میت سے قرب درجہ میں ہوگی اس لحاظ سے باپ دادا سے مقدم ہوگا اور بھائی، بھتیجے سے مقدم ہوگا، اور اسی طرح اگر جہت اور درجہ میں برابر ہوں تو قوت قرابت کی وجہ سے ترجیح ہوگی لہٰذا سگا بھائی، باپ شریک بھائی پر مقدم ہوگا۔ [1]

حجب کی اقسام کا خلاصہ

اول: وصف کی وجہ سے حجب.....ممکن ہے کہ اس وصف سے سارے ورثا متصف ہوں۔ جب میراث کے مواضع میں سے کوئی وصف قائم ہو جو یہ ہیں قتل، غلامی، دین کا اختلاف اور احناف کے ہاں اختلاف دارین۔

---

[1].....مذکرات العلامہ الفرضی مرحوم للشیخ حسن الشطی۔

دوم: شخص کی وجہ سے حجب...... جو یا حجب نقصان ہے یا حجب حرمان۔

حجب نقصان...... وہ ایک حصہ سے محجوب ہو کر کم تک پہنچنا ہے۔اور اس کے افراد پانچ ہیں۔

۱...... ایک مقرر حصے سے منتقل ہو کر کم حصہ تک پہنچنا۔ جیسے اولاد کی وجہ سے خاوند کا حصہ نصف سے کم ہو کر چوتھائی تک پہنچ جاتا ہے۔ اور اولاد یا بھائیوں بہنوں کی تعداد کی وجہ سے ماں کا حصہ تھائی سے سدس تک پہنچ جاتا ہے اور ایک بیٹی کی وجہ سے پوتی کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر سدس تک پہنچ جاتا ہے اور اولاد کی وجہ سے بیوی کا حصہ چوتھائی سے منتقل ہو کر ثمن (آٹھویں) تک پہنچ جاتا ہے اور ایک سگی بہن کی وجہ سے باپ شریک بہن کا حصہ نصف سے منتقل ہو کر سدس تک پہنچ جاتا ہے۔

۲...... ایک تعصیب سے کم تعصیب تک۔ جیسے سگی یا باپ شریک بہن بیٹی یا پوتی کے ساتھ جب اس کے ساتھ اس کا بھائی ہو تو بھائی کی وجہ سے اس کا حصہ اس تعصیب سے کم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

۳: فرض سے تعصیب کی طرف...... جیسے بیٹی، بیٹے کے ساتھ ہو تو اس کا حصہ فرض سے منتقل ہو کر کم تعصیب تک پہنچ جاتا ہے۔

۴: تعصیب سے فرض کی طرف...... جیسے باپ یا باپ کی عدم موجودگی میں دادا بیٹے یا پوتے کے ساتھ ہو۔

۵: فروض میں مزاحمت...... جیسے عول کے مسائل، کیونکہ وہ حصوں میں زیادتی و اضافہ اور مقررہ حصوں میں کمی ہے۔

حجب حرمان...... یہ ہے کہ ایک شخص بالکل میراث سے محجوب ہو جائے پھر وہ محروم کی طرح ہو جاتا ہے یہ ان چھ میں شامل نہیں، سات میں شامل ہے۔ وہ چھ افراد جن میں یہ شامل نہیں یہ ہیں: بیٹا، بیٹی، والدین، خاوند، بیوی اور سات میں شامل ہے جو یہ ہیں:

۱...... باپ کے ساتھ دادا۔

۲...... ماں کے ساتھ جدات۔

۳...... بیٹے کے ساتھ پوتا۔

۴...... پوتیاں، دو بیٹیوں اور بیٹے کے ساتھ۔

۵...... باپ شریک بہنیں دو سگی بہنوں اور ایک سگے بھائی کے ساتھ۔

۶...... مطلقاً بہن بھائی بیٹے، پوتے، پوتی اور باپ کی وجہ سے بالاتفاق اور دادا کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک۔

۷...... ماں شریک بہن بھائی وارث فرع اور اصل مذکر کی وجہ سے۔

حجب کے بارے میں قانون کا موقف...... قانون مصری (م ۲۳۔۲۹) اور شامی (م ۲۸۱۔۲۸۷) نے حجب کی تعریف اس کا حکم اس کا اور حجب حرمان کا فرق، اور حجب حرمان سے محجوب ہونے والوں کے حالات کی صراحت کی ہے۔

اصحاب الفروض میں سے محجوب افراد...... اصحاب الفروض بارہ ۱۲ ہیں جن میں سے دو تو بالکل محجوب نہیں ہوتے اور وہ باپ اور بیٹی ہیں۔ جب کہ دوسرے کبھی حجب نقصان تو کبھی حجب حرمان کی وجہ سے محجوب ہوتے ہیں۔

۱: خاوند...... فرع وارث کی موجودگی کے وقت نصف سے چوتھائی تک صرف حجب نقصان سے محجوب ہوتا ہے۔

۲۔ بیوی...... فرع وارث کی موجودگی کی وجہ سے چوتھائی سے آٹھویں حصہ تک صرف حجب نقصان کے ساتھ محجوب ہوتی ہے۔

۳۔ ماں...... فرع وارث اور کسی بھی جہت سے بہن بھائیوں کی تعداد کی وجہ سے تہائی سے سدس تک صرف نقصان سے محجوب ہوتی ہے۔

۴۔ جدہ...... ماں کی وجہ سے حجب حرمان کی وجہ سے محجوب ہوتی ہے حجب نقصان سے محجوب نہیں ہوتی، زیادہ قریبی زیادہ دور والی کو محجوب کر دیتی ہے۔

۵۔ دادا...... باپ کی وجہ سے حجب حرمان کی وجہ سے محجوب ہوتا ہے اور اس جد کی وجہ سے جو میت کے اس سے زیادہ قریبی ورجہ والا ہو۔

۶۔ پوتی...... مذکر فرع وارث کی وجہ سے خواہ اس کے ساتھ عصبہ بنانے والا ہو یا نہ ہو حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتی ہے اسی طرح دو یا زیادہ بیٹیوں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے البتہ اگر اس کے ساتھ اسی کے درجہ کا یا اس سے کم درجہ کا کوئی عصبہ بنانے والا ہو۔ جب یہ میراث سے محروم ہو جائے تو مصری قانون میں اس کے لئے واجب وصیت ہے۔

۷۔ سگی بہن...... بیٹے، پوتے، پوتے کے بیٹے اور باپ کی وجہ سے حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتی ہے خواہ اس کے ساتھ سگا بھائی ہو یا نہ ہو۔

۸۔ باپ شریک بہن...... جن کی وجہ سے سگی بہن محجوب ہوتی ہے ان سے یہ حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتی ہے خواہ اس کے ساتھ عصبہ بنانے والا ہو یا نہ ہو۔
سگے بھائی بہن کی وجہ سے جب یہ بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہو جائے۔ اور دو سگی بہنوں کی وجہ سے محجوب ہو جاتی ہے البتہ اگر اس کے ساتھ عصبہ بنانے والا ہو۔

۹، ۱۰۔ ماں شریک بھائی بہنیں...... مطلقاً وارث فرع اور اصل مذکر وارث (باپ دادا اتفاقاً) کی وجہ سے حجب حرمان کے ساتھ محجوب ہو جاتے ہیں۔ حجب نقصان کے ساتھ محجوب نہیں ہوتے۔

مثالیں: ۱...... ورثا میں زوجہ، سگی بہن، باپ شریک بھائی اور ایک سگا بھتیجا ہے: بیوی کو چوتھائی، سگی بہن کو نصف، بھائی عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گا اور بھتیجا بھائی کی وجہ سے محجوب ہوگا اور مسئلہ (۴) سے ہوگا۔
۲...... ورثا میں خاوند، ماں، بیٹی، ماں شریک بھائی، ایک باپ شریک بہن اور ایک سگا، چچا ہے۔ خاوند کو چوتھائی، ماں کو سدس، بیٹی کو نصف ملے گا۔ ماں شریک بھائی بیٹی کی وجہ سے محجوب ہیں اور باپ شریک بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گی اور چچا باپ شریک بہن کی وجہ سے محجوب ہوگا مسئلہ (۱۲) سے ہے۔
۳...... ورثا میں دو سگی بہنیں، دو باپ شریک بہنیں، ماں، دادی اور سگا بھتیجا ہے۔
دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی ملے گا اور باپ شریک دونوں بہنیں سگی بہنوں کی وجہ سے محجوب ہوں گی۔ ماں کو سدس ملے گا اور دادی ماں کی وجہ سے محجوب ہوگی۔ اور سگا بھتیجا عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گا مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۴.....ورثاء میں، ایک بیٹی، ایک پوتی، دو بیویاں، ایک جدہ، سگے بھائی اور ایک باپ شریک بھائی ہے: بیٹی کو نصف، پوتی کو سدس، دونوں بیویوں کو آٹھواں حصہ، جدۃ کو سدس دونوں سگے بھائی عصبہ ہو کر باقی لیں گے باپ شریک بھائی سگے بھائیوں کی وجہ سے مجحوب ہوگا۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا۔

۵.....بیٹی، پوتی، ایک سگی بہن، ماں کی نانی، دادی، وارث ہیں۔ بیٹی کو نصف پوتی کو سدس، سگی بہن عصبہ ہو کر باقی وصول کرے گی اور دادی کو سدس ملے گا اور پڑنانی، قریبی ام کی وجہ سے مجحوب ہوگی مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۶.....ورثاء میں ایک سگی بہن، دو ماں شریک بہنیں، دو ماں شریک بھائی، ایک چچا اور ایک باپ شریک بھائی ہے۔ سگی بہن کو نصف، ماں کی ساری اولاد کو ایک تہائی۔ باپ شریک بھائی عصبہ ہے، چچا مجحوب ہوگا مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۷.....ورثاء میں ایک بیٹی، دو پوتیاں، ایک پڑپوتا، ایک پڑپوتی اور باپ ہے۔ بیٹی کو نصف، دونوں پوتیوں کو سدس، باپ کو سدس ملے گا آخری دو عصبہ ہوں گے مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

۸.....ورثاء میں ایک بیٹی، ایک سگی بہن، ایک سگا بھائی، ایک باپ شریک بہن اور ایک ماں شریک بہن ہے، بیٹی کو نصف، سگا بھائی اور سگی بہن عصبہ ہیں۔ آخری دو مجحوب ہیں مسئلہ (۲) سے ہوگا۔

۹.....ورثاء میں ایک پوتی، ایک پڑپوتا، باپ اور ایک بیوی ہے پوتی کو نصف ملے گا پڑپوتا عصبہ ہے باپ کو سدس اور بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا مسئلہ کی اصل (۲۴) سے ہوگی۔

۱۰.....ورثاء میں دو بیٹیاں، ایک پوتی، ایک سگی بہن، ایک باپ شریک بہن اور ایک ماں شریک بہن ہے۔ دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا پوتی دونوں بیٹیوں کی وجہ سے مجحوب ہوگی۔ اور سگی بہن غیر کے ساتھ عصبہ ہوگی اور آخری دو بیٹیوں کی وجہ سے مجحوب ہوں گی۔ مسئلہ کی اصل (۳) سے ہوگی۔

۱۱.....ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پوتا (جو اس پوتی کا بھائی ہے) اور پڑپوتی ہے۔
بیٹی کو نصف ملے گا، پڑپوتی، پوتے کی وجہ سے مجحوب ہوگی۔ اور آخری دو غیر کی وجہ سے عصبہ ہوں گے۔ مسئلہ (۲) سے ہوگا۔

۱۲.....ورثاء میں ایک بیٹی، ایک پوتی، ایک پوتا (جو اس پوتی کا چچا زاد ہے) اور ایک پڑپوتی ہے۔ بیٹی کو نصف ملے گا پڑپوتی، پوتے کی وجہ سے مجحوب ہے اور آخری غیر کی وجہ سے عصبہ ہوں گے مسئلہ (۲) سے ہوگا۔

بارہویں فصل: عول.....عول کا معنی اور اس کی شرعی حیثیت، اصول مسائل میں سے کس کا عول ہوتا ہے اور کس کا نہیں ہوتا۔ ❶

سب سے پہلے عول کا معنی.....لغت میں عول کا معنی ظلم وستم اور حد سے تجاوز ہے، کہا جاتا ہے، عال الرجل: ظلم کیا۔ اور اصطلاح میں اصل مسئلہ کے سہام کے مجموعہ میں اضافہ کرنا اور حصوں میں واقعی کمی کا ہونا۔ اور اس پر حکم مرتب ہوتا ہے کہ جو اضافہ ہوگا وہ تمام ورثاء کے مقررہ حصوں میں ایک ہی نسبت سے تقسیم ہوگا چنانچہ جب مخرج (اصل مسئلہ) میں شامل حصوں کو پورا تقسیم ہونے سے قاصر ہو، جیسے (۶) تو ترکہ کو مخرج سے زیادہ بڑے عدد کی طرف بلند کیا جائے گا جیسے (۷) پھر تقسیم ہوگی یہاں تک کہ کمی تمام ورثاء کے حصوں میں ایک نسبت سے داخل ہو جائے وہ اس طرح کہ عول کے غیر کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے اور حاصل ضرب سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جائے۔ جس مسئلہ میں فریضہ کے سہام اصل مسئلہ سے زیادہ ہوں اسے (عائلۃ) کہا جاتا ہے جیسے جب ورثاء میں خاوند اور دو سگی بہنیں

---

❶.....السراجیۃ ۹۷۔۱۰۳ تبیین الحقائق: ۲۴۴/۶ الدر المختار ۵۵۵/۵۔۵۵۸، الشرح الصغیر: ۶۴۵/۴۔۶۴۸، القوانین الفقہیۃ ۳۹۵، مغنی المحتاج ۳۲/۳۔۳۴ المغنی ۱۸۹/۶۔۱۹۲، کشاف القناع ۴۷۶/۴، الرحبیۃ ص ۵۸/۶۳۔

ہوں، تو اس صورت میں اصل مسئلہ (۶) ہے اور سہام کا مجموعہ ہے سات ۷، اس کا یہ نام عدل سے ماخوذ ہے جس میں اضافہ اور بلند ہونے کا معنی ہے کہا جاتا ہے: عال المیز ان، جب ترازو بلند ہو، اس لئے کہ اس زیادتی کے ذریعہ سہام اصل مسئلہ سے زیادہ کی طرف بلند ہوجاتے ہیں۔ اور جہاں فریضہ کے سہام اصل مسئلہ کے مساوی ہوں تو اسے (عادلہ) کہا جاتا ہے اس لئے کہ ہر حقدار اپنا حق بغیر کمی کے مکمل وصول کرلیتا ہے جیسے جب ورثاء میں، بیوی، ماں اور سگا بھائی ہو۔

بیوی کا مقرر حصہ چوتھائی، ماں کا فرض تہائی اور باقی بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں نہ عول ہے اور نہ رد۔ اور جس مسئلہ میں فریضہ کے سہام اصل مسئلہ سے کم ہوں اور ورثاء میں باقی وصول کرنے کے لئے کوئی عصبہ بھی نہ ہو تو اسے (قاصرہ) کہا جاتا ہے اس میں سوائے زوجین کے باقی اصحاب الفرائض پر باقی ماندہ ترکہ کا رد ہوگا جیسے جب ورثاء میں ایک سگی بہن اور ماں ہو تو بہن کا مقرر حصہ نصف ہے اور ماں کا مقرر حصہ تہائی ہے مسئلہ (۶) سے ہوگا باقی جو ایک ہے اس کا ان دونوں (وارثوں) پر رد ہوگا۔

دوم: عول کی شرعی حیثیت......سب سے پہلے عول کا فیصلہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صادر فرمایا۔ آپ کے دور میں یہ مسئلہ پیش آیا کہ حق داروں سے اصل مسئلہ کم پڑ رہا تھا جس کی صورت خاوند اور دو بہنیں ہیں یا خاوند، ماں اور بہن ہے آپ نے اس بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا تو حضرت عباس یا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عول کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا:

حصوں کو بڑھاؤ، چنانچہ حضرت عمر نے اسے برقرار رکھا اور اس کے مطابق فیصلہ فرمایا اور صحابہ کرام نے آپ کی پیروی کی، حضرت عمر کی وفات کے بعد صرف ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کا انکار کیا، تو کسی نے آپ سے پوچھا جب فریضہ میں عول ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا: میں سب سے برے حال والے پر نقص و کمی داخل کروں گا اور وہ بیٹیاں اور بہنیں ہیں اس لئے کہ وہ مقررہ حصہ سے منتقل ہوکر غیر مقرر حصہ تک پہنچ جاتی ہیں۔ اور آپ نے فرمایا: تم لوگ جمع کیوں نہیں ہوتے تاکہ ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کریں۔ جس ذات نے ریت کے ذرات [1] کو گن رکھا ہے اس نے مال میں نصف اور تہائی کو نہیں رکھا۔

درست وہ ہے جو حضرت عمر اور صحابہ کرام نے کیا، کیونکہ کبھی ترکہ میں اصحاب الفروض سبب استحقاق میں برابر ہوتے ہیں لہٰذا وہ استحقاق میں برابر ہوں گے۔ اس لئے اگر محل میں اس کی گنجائش ہوئی تو ہر ایک اپنا سارا حق لے گا ورنہ سب کو ان میں سے ہر ایک کی سہام کی نسبت کے اعتبار سے نقصان ہوگا جیسے قرض دہندہ گان کو ان کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے مال ناکافی ہو تو وہ آپس میں حصوں میں تقسیم کرلیں اور وصیت والوں میں تہائی کی پوری تقسیم کم پڑ جائے۔ تو وہ اس کے حصے کرلیں گے۔

اسی بنا پر مصر و شام کے قانون نے حضرت عمر اور جمہور صحابہ اور مذاہب اربعہ کی رائے کو اختیار کیا ہے۔

سوم: اصولی مسائل میں سے جن کا عول ہوتا اور جن کا عول نہیں ہوتا......اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مذکور فروض چھ ہیں۔ اور ان کے مخارج پانچ اعداد ہیں۔

دو، تین، چار، چھ، اور آٹھ اور یہ اس وجہ سے کہ تہائی اور دو تہائی مخرج میں متحد ہیں۔ اور ان مخارج کی دو قسموں کے درمیان اختلاط کا تقاضا ہے کہ دو اور مخرج وجود میں آئیں اور وہ دو (۱۲، ۲۴) ہیں یوں مجموعہ سات اعداد ہوگئے۔

جن اصول کا عول نہیں ہوتا......ان سات میں سے چار کا بالکل عول نہیں ہوتا، دو، تین، چار اور آٹھ (۲، ۳، ۴، ۸) کیونکہ ان میں فروض اصل مسئلہ سے زائد نہیں ہوتے۔ لہٰذا دو میں عول نہیں۔

---

[1] جنگل میں بہت زیادہ ریت والی جگہ۔

جیسے خاوند اور باپ شریک بہن، مسئلہ دو سے ہوگا۔ اور نہ تین میں عول ہے جیسے دو بیٹیاں اور ایک باپ شریک بھائی، مسئلہ تین سے ہوگا اور اس میں باقی بھائی کا ہے۔ اور نہ چار میں عول ہے جیسے خاوند اور بیٹا، کیونکہ مسئلہ چار سے ہوگا، خاوند چوتھائی لے گا اور باقی بیٹے کا ہے۔ اور نہ آٹھ میں عول ہے جیسے بیوی اور بیٹا اس میں مسئلہ آٹھ سے ہوگا۔ بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا اور باقی بیٹے کا ہوگا۔

اصول میں سے جن کا عول ہوتا ہے..... باقی سابقہ اعداد کا کبھی عول ہوتا ہے اور وہ چھ، بارہ اور چوبیس ہیں (۶، ۱۲، ۲۴)۔

۱۔ چھ..... کا عول کبھی سات تک ہوتا ہے۔ جیسے ورثاء میں خاوند اور دو سگی بہنیں ہیں خاوند کو نصف (۳) اور دو سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) ملے گا مسئلہ (۶) سے ہوکر (۷) تک عول ہوگا۔ اور کبھی چھ کا عول آٹھ تک ہوتا ہے۔ جیسا کہ مباہلہ کے مسئلہ میں ہے، اور اس میں یہ وارث ہوتے ہیں خاوند، دو سگی بہنیں اور ماں، خاوند کو نصف (۳) دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) اور ماں کو سدس (۱) ملے گا مسئلہ (۶) سے ہوکر (۸) تک عول ہوگا اسلام میں یہ عول کا پہلا مسئلہ ہے۔

اور کبھی چھ کا عول (۹) تک ہوتا ہے جیسا مسئلہ مروانیہ میں ہے خاوند، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں، خاوند کو نصف (۳) دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) اور ماں شریک دونوں بہنوں کو ایک تہائی (۲) ملے گا مسئلہ (۶) سے ہوگا اور (۹) تک عول ہوگا۔ اور جیسے خاوند، ایک سگی بہن، ماں ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک بہن ہو تو خاوند کو نصف (۳) سگی بہن کو نصف (۳) اور ماں کو سدس (۱) باپ شریک بہن کو سدس (۱) اور ماں شریک بہن کو سدس (۱) ملے گا۔

اور کبھی چھ کا عول (۱۰) آتا ہے جیسا مسئلہ شریحیہ ❶ میں ہے اور اسے ام الفروخ بھی کہا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ عول میں بہت افراد ہوگئے (جیسے چڑیوں کے بچے ہوتے ہیں) اور وہ خاوند، دو سگی بہنیں، دو ماں شریک بہنیں اور ماں ہے۔

خاوند کو نصف (۳) دو سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) ماں شریک دونوں بہنوں کو تہائی (۲) ماں کو سدس (۱) ملے گا مسئلہ (۶) سے اور اس کا عول ۱۰ تک ہوگا۔

جیسے، خاوند، ماں، دو ماں شریک بہنیں،، ایک سگی بہن اور ایک باپ شریک بہن اگر وارث ہوں تو خاوند کو نصف (۳)، ماں کو سدس (۱) ماں شریک دونوں بہنوں کو تہائی (۲) سگی بہن کو نصف (۳) باپ شریک بہن کو سدس (۱) مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا اور عول (۱۰) تک ہوگا۔

۲۔ بارہ..... کا عول کبھی ۱۳ تک ہوتا ہے جیسا کہ جب ورثاء میں بیوی، دو سگی بہنیں: اور ایک ماں شریک بہن ہو تو بیوی کو چوتھائی (۳) دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۸) ماں شریک بہن کو سدس (۲) ملے گا مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۳) تک عول ہوگا۔ اور جیسے، خاوند، دو بیٹیاں، اور ماں وارث ہوں تو خاوند کو چوتھائی (۳) دونوں بیٹیوں کو دو تہائی (۸) اور ماں کو سدس (۲) ملے گا مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۳) تک عول ہوگا۔

اور کبھی بارہ ۱۲ کا عول پندرہ ۱۵ آتا ہے جیسا کہ جب ورثاء میں خاوند، دو بیٹیاں اور باپ ہو تو خاوند چوتھائی (۳) لے گا دونوں بیٹیوں کو دو تہائی (۸) ملے گا اور ماں کو سدس (۲) باپ کو سدس (۲) ملے گا مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور پندرہ (۱۵) تک عول ہوگا۔ اور جیسے، بیوی، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں وارث ہوں تو بیوی کو چوتھائی (۳) دو سگی بہنوں کو دو تہائی (۸) اور دو ماں شریک بہنوں کو تہائی (۴) ملے گا۔ مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۵) تک عول ہوگا۔

---

❶..... قاضی شریح کے فیصلہ کرنے کی وجہ سے انہوں نے خاوند کو ۱۰ میں سے ۳ حصے دیا تو وہ شہروں گھوم گھوم کر کے پوچھنے لگا کہ اگر کوئی عورت خاوند چھوڑ مرے اور اس کی اولاد بھی نہ ہو تو اسے کیا ملے گا؟ لوگ اسے بتاتے نصف، تو وہ کہنے لگا: شریح نے نہ مجھے نصف دیا ہے اور نہ تہائی، قاضی شریح نے اسے طلب کر کے ڈانٹ پلائی اور کہا: تم نے غلط کہا اور عول کو چھپایا مجھ سے پہلے پر بہ کار منصف حاکم یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فیصلہ کر چکے ہیں۔

اور کبھی بارہ ۱۲ کا عول سترہ ۱۷ آتا ہے جیسے، بیوی، دوسگی بہنیں، دو ماں شریک بہنیں، اور ماں ہوں تو بیوی کو چوتھائی (۳) دوسگی بہنوں کو دوتہائی (۸) اور ماں شریک دو بہنوں کو تہائی (۲) ملے گا۔مسئلہ (۱۲) سے ہوگا اور (۱۷) تک عول ہوگا۔

۳۔ چوبیس ۲۴......ایک عول اٹا ہے یا ایک مرتبہ ستائیس ۲۷ تک عول آتا ہے جیسے مسئلہ منبریہ ہے، بیوی، دو بیٹیاں، باپ اور ماں ہوں تو بیوی کو آٹھواں حصہ (۳) دونوں بیٹیوں کو دوتہائی (۱۶) باپ کو سدس (۴) ماں کو سدس (۴) ملے گا مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اور (۲۷) عول آئے گا۔اس کا نام منبریہ اس وجہ سے ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر سوال کرنے والے کے سوال پر فی البدیہہ جواب دیا ''عورت کا آٹھواں حصہ نو ہوگیا'' قانون کا موقف، قانون مصری (م ۱۵) اور شامی (م ۲۳) نے عول کی صراحت کی ہے اور آرٹیکل کی یہ وضاحت ہے: جب فروض کے حصے ترکہ سے بڑھ جائیں تو میراث میں ان کے حصے آپس میں تقسیم ہوں گے۔

تیرہویں فصل: رد......رد کی تعریف، اس میں علماء کے مذاہب، اور رد کا قاعدہ۔ ❶

سب سے پہلے رد کی تعریف......رد عول کی ضد ہے اس لئے کہ وہ حصوں میں اضافہ اور سہام میں نقص ہے لہٰذا ذوی الفروض نسبیہ کے حصے سے جو بچ جائے اسے ان کے سہام کے بقدر ان پر رد کیا جائے گا جب کہ زوجین پر رد نہیں ہوگا۔اصحاب الفروض النسبیہ، زوجین کے علاوہ کے لوگ ہیں جن پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد ہوگا۔تو میراث والوں کے نزدیک رد یہ ہوا: جو کچھ اصحاب الفروض نسبیہ کے حصوں میں بچ جائے وہ ان کے حقوق کے بقدر عصبہ کے نہ ہوتے ہوئے ان کی طرف رد کر دیا جائے، اور یہ عول کی ضد اور متضاد ہے کیونکہ عول کے ذریعہ اصل مسئلہ بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے اصحاب الفروض کے حصوں میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور رد کے ذریعے اصل مسئلہ میں نقص اور سہام میں اضافہ واقع ہو جاتا ہے۔

دوم: رد کے بارے میں علماء کے مذاہب......بنیادی طور پر رد کے بارے میں علماء کے دو فریق ہیں:

۱......ایک فریق عدم رد کی رائے رکھتا ہے جب کہ باقی ماندہ ترکہ اصحاب الفروض کا اپنے حصے لینے کے بعد اور عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بیت المال کو دیا جائے گا۔یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے جسے امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے لیکن متاخرین مالکیہ کے نزدیک معتمد اور متاخرین شافعیہ کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے: جب بیت المال کا انتظام نہ ہو تو باقی، زوجین کے علاوہ اہل فروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد ہوگا اور اگر وہ نہ ہوں تو ذوی الارحام (رشتہ داروں) پہ۔حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کی دلیل یہ ہے: اللہ تعالیٰ نے نص کے ذریعے ہر وارث کا حصہ بیان کیا ہے جس پر بلا دلیل اضافہ جائز نہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے'' جو آپ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فرمایا'' اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے تو کوئی وارث اپنے حصے سے زیادہ کا حق دار نہیں ہوگا۔'' ❷

۲......جمہور فقہاء صحابہ اور تابعین جن میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں کی رائے یہ ہے'' کہ سوائے زوجین کے اصحاب الفروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد ہوگا، اسی کو احناف حنابلہ، متاخرین مالکیہ اور شافعیہ نے اختیار کیا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔اس لئے کہ بیت المال کا نظام بگڑ گیا ہے امام غزالی ''المستصفی'' میں فرماتے ہیں: آج کل مستحق کے نہ ہونے کی وجہ سے زوجین کے

---

❶......السراجیة ص ۱۲۸۔۱۳۹، الکتاب مع اللباب: ۱۹۷/۴، الشرح الصغیر: ۶۲۹/۴۔۶۳۰، مغنی المحتاج: ۶/۳۔۷، المغنی: ۲۰۱/۶۔۲۰۳۔۲۳۶، الدر المختار ورد المحتار: ۵۵۶/۵۔ ❷ مشہور حدیث یہ ہے'' اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا کر دیا ہے سو کسی وارث کے لئے وصیت نہیں'' ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی امامۃ (نصب الرایۃ: ۴۰۳/۴)

علاوہ پر رَد کا فتویٰ ہے کیونکہ بیت المال نہیں رہا اس واسطے کہ ظالم اسے اپنے مصرف میں نہیں صرف کرتے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اصحاب الفروض حتیٰ کہ زوجین پر رد کو جائز کہا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ارشاد ہے ''تین افراد پر رد نہیں ہوتا، زوجین اور جدہ، کیونکہ سنت سے جدہ کی میراث ایک لقمہ ثابت ہوئی'' حدیث ہے ''دادیوں کو سدس کھلاؤ''❶ اس میں اضافہ اسی صورت میں ہوگا جب اس کے علاوہ کوئی نسبی وارث نہ ہو۔

جمہور کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ قریبی ہیں۔'' (الاحزاب ۳۳/۶) اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ذوی الارحام (میت کے قریبی رشتہ دار) دوسرے سے زیادہ تر کے حقدار ہیں۔ لہٰذا وہ بیت المال سے بھی زیادہ حق دار ہوں گے اس لئے کہ وہ تو باقی مسلمانوں کے لئے ہے۔ اور رشتہ دار نص کی وجہ سے اجنبیوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میت سے سب سے قریبی رشتہ داری والے اصحاب الفروض ہیں اور زوجین جب رشتہ داروں میں سے نہیں ہیں تو انہیں آیت شامل نہیں۔ اس لئے وہ رد کے ذریعہ کوئی چیز نہیں لیں گے۔ اس لئے کہ ان کی میراث قرابت ورشتہ داری کے علاوہ ایک اور سبب سے بنتی ہے جو زوجیت ہے۔

اور سنت میں ہے: ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر عرض کرنے لگی: اللہ کے رسول! میں نے اپنی والدہ کو ایک باندی صدقہ میں دی، بعد میں میری والدہ فوت ہوگئی اور وہ باندی رہ گئی۔ آپ نے فرمایا: تمہیں ثواب مل گیا اور باندی اور میراث میں تمہارے پاس واپس آ گئی'' تو آپ نے اس کا حق پوری باندی میں مقرر فرمایا، اگر رد نہ ہوتا تو اس کا حصہ صرف نصف بنتا تھا۔

قانون کا موقف...... قانون مصری (م ۳۰) اور شامی (م ۲۸۸) نے زوجین پر رد کے بارے میں تفصیل بیان کی ہے اور عصبہ نہ ہونے کی صورت میں زوجین کے علاوہ اصحاب الفروض پر ان کے حصوں کے تناسب سے رد کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح جب نسب میں سے کوئی عصبہ نہ ہو یا اصحاب الفروض نسبیہ میں سے یا ذوی الارحام میں سے کوئی نہ ہو تو زوجین میں سے ایک پر رد کو جائز قرار دیا ہے۔ قانون کی رو سے زوجین پر رد ذوی الارحام کی میراث سے مؤخر ہوگا۔ اس تفصیل کے فقہاء قائل نہیں۔ کبھی کبھار مصلحت پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عصبہ نسبیہ کی عدم موجودگی کی صورت میں زوجین کے علاوہ پر رد کی اجازت دی گئی ہے اور یہ جمہور کی رائے ہے البتہ جب ذوی الارحام نہ ہو اور زوجین میں سے کسی ایک پر رَد ہو تو اس صورت میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے اتفاق کرتا ہے جنہوں نے تمام ذوی الفروض (بشمول زوجین) پر رد کی اجازت دی ہے۔ اور اس بات سے بھی اتفاق کرتے ہیں جس کی متاخرین حنفیہ نے اجازت دی ہے کہ زوجین پر رَد ''اس صورت میں جائز ہے جب ان کے علاوہ کوئی رشتہ دار نہ ہو، اس لئے کہ آج کل حکمران خراب اور حکام ظالم ہیں''۔❷

ذوی الارحام کو میراث دینے کے بعد زوجین میں سے کسی ایک پر رد کی وجہ یہ ہے کہ زندگی میں خاوند بیوی کا تعلق اس حالت میں یہ تقاضا کرتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا دوسرے کے مال میں دوسرے مستحقین کی جگہ حق ہو۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے: کہ قانون نے زوجین کے علاوہ پر رد میں جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے اور ایک حالت کو مستثنیٰ کیا ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر عمل کیا ہے اور وہ ذوی الارحام کی عدم موجودگی میں زوجین میں سے کسی ایک پر رَد ہے۔

سوم: رد کا قاعدہ...... رد کے مسائل کی چار قسمیں ہیں۔ وہ اس طرح کہ مسئلہ میں ''من یرد علیہ'' میں سے ایک صنف ہوگی

❶..... حدیث مغیرہ سے مشہور ہے جو امام مالک، امام احمد اور اصحاب السنن کی کتابوں میں ہے'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا آپ نے دادی کو سدس دیا'' (نصب الرایۃ: ۴/۴۲۸) ❷ حاشیۃ ابن عابدین ۵/۵۵۶، ط الحلبی۔

یا زیادہ۔ پھر دونوں تقدیروں پر یا تو مسئلہ میں ''من لایرد علیہ'' میں سے کوئی ہوگا یا نہیں ہوگا یوں یہ چار قسمیں ہوگئیں۔

اول...... مسئلہ میں **من یرد علیہ** کی ایک صنف ہو اور ان کے ساتھ **من لایردعلیہ** میں (یعنی خاوند بیوی میں) سے کوئی نہ ہو۔ اس مسئلہ کو عدد رؤس کی مقدار سے بنایا جائے گا کیونکہ سارا مال انہیں فرض اور رد کے ذریعے ایک ساتھ ملے گا۔ اور عدد رؤس کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، جیسے کوئی شخص دو بیٹیاں یا دو بہنیں یا دو جدات چھوڑ مرا، تو اصل مسئلہ (۲) سے ہوگا ہر ایک کو ان دو میں سے فرض اور رد کی وجہ سے نصف دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں مستحق ہونے میں برابر ہیں۔ اور جس کے ورثا میں ایک بیٹی ہو تو سارا ترکہ اسے فرض اور رد کی وجہ سے ملے گا۔ اور جس کے ورثاء میں ۳ سگی بہنیں ہوں تو فرض اور رد کی وجہ سے سارا ترکہ ملے گا۔ ہر ایک کو تہائی ملے گا۔

دوم...... مسئلہ میں **من یرد علیہ** میں سے ایک صنف سے زیادہ ہوں، اور ان کے ساتھ کوئی ''**من لایرد علیہ**'' میں سے کوئی نہ ہو۔ اصلی مسئلہ سہام الفروض کے مجموعہ کو بنایا جائے گا جو مسئلہ کے مخرج سے ماخوذ ہیں۔ چنانچہ جدہ اور ماں شریک بہن میں سے ہر ایک کو سدس دیا جائے گا اصل مسئلہ دو/ ۲ سے بنایا جائے گا، کیونکہ یہ ان دونوں کے سہام کا مجموعہ ہے اس لئے کہ مسئلہ کی اصل (۶) سے ہے جو دو سدس کا مخرج ہے۔ جدہ کو سدس دیا جائے گا جو اس کا سہم ہے اور ماں شریک بہن کو سدس ملے گا جو اس کا سہم ہے یوں ان دونوں کے سہام کا مجموعہ دو ہوا، اور اصل مسئلہ کو مہمل قرار دیا جائے گا اور مجموعہ سہام کو اصل قرار دیا جائے گا۔ تین ۳ بیٹیوں اور ماں کی صورت میں اصل مسئلہ پانچ سے بنے گا بیٹیاں ۵ / ۴ وصول کریں گی اور ماں ۵ / ۱۔ اور ماں اور دو ماں شریک بھائیوں کی صورت میں اصل مسئلہ (۳) سے بنے گا کیونکہ یہ مجموعہ سہام ہے جب کہ بنیادی اصل (۶) ہے ماں کے لئے سدس: جو ایک سہم ہے اور دونوں بھائیوں کے لئے تہائی دو سہم ہوئے۔

اصل کو چھوڑ کر مجموعہ سہام کو اصل بنایا جائے گا۔ اور سگی بہن اور باپ شریک بہن ہونے کی صورت میں اصل مسئلہ مجموعہ سہام سے بنایا جائے گا جو چار ہے اس لئے کہ پہلی اصل (۶) ہے سگی بہن کو نصف جو تین سہم ہیں اور باپ شریک بہن کا سدس جو ایک سہم ہے۔ اصل کو چھوڑ کر مجموعہ سہام کو اصل بنایا جائے گا، اسی طرح رد، وہ تمام مسائل جن میں زوجین سے کوئی ایک نہ ہو چھ/۶ سے ہوں گے اور اس سے کم پر ختم ہوں گے اور کبھی ان میں تصحیح کی ضرورت پڑتی ہے۔

جب ورثاء میں تقسیم پوری ہو جائے جیسا کہ سابقہ مثالوں میں ہے تو بہتر ورنہ جیسے جب ورثاء میں ایک بیٹی اور تین پوتیاں ہو تو مسئلہ چھ/۶ سے ہوگا اور چار کی طرف رد ہوگا بیٹی کو (۳) اور پوتیوں کو ایک ملے گا جو ان پر تقسیم نہیں ہوتا۔

لہٰذا ان کے عدد رؤس یعنی (۳) کو رد مسئلہ کی اصل جو (۴) ہے سے ضرب دی جائیگی حاصل (۱۲) ہوگا اور اسی سے تصحیح ہوگی۔

سوم...... اصل مسئلہ میں **من یرد علیہ** کی صنف واحد کے ساتھ **من لایرد علیہ** یعنی زوجین میں سے کوئی ایک ہو: تو اصل مسئلہ ''**من لایرد علیہ**'' کے حصے سے بنایا جائے گا اور اس میں سے اسے اس کا مقرر حصہ (فرض) دیا جائے پھر باقی کو ''**من یرد علیہ**'' میں ان کے عدد رؤس کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے۔ پھر اگر باقی سہام کی تقسیم عدد رؤس پر صحیح عدد کے ذریعے بغیر کسر کے ممکن ہو تو کوئی اشکال نہیں۔ اور اگر ممکن نہ ہو تو سہام کی تصحیح اصل مسئلہ کو ایسے کم عدد میں ضرب دے کر کی جائے جو **من یرد علیہ** کے جس میں تقسیم کو قبول کرتا ہو۔ خاوند اور تین بیٹیوں کی صورت میں اصل مسئلہ خاوند کے حصہ کے مخرج سے ہوگا جو چار (۴) ہے اس میں سے خاوند کا ایک سہم اور باقی کے تین سہام تین بیٹیوں کے لئے بطور فرض ورد ہوں گے۔ یہاں تصحیح اور ضرب کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ سہام کی تعداد صحیح عدد کے ذریعے رؤس کے عدد میں تقسیم کو قبول کرتی ہے۔ ایک بیوی، اور تین سگی بہنوں کی صورت میں اصل مسئلہ بیوی کے حصہ کے مخرج

سے ہوگا جو چار ہے، بیوی کا حصہ چوتھائی جو ایک سہم ہے اور باقی بہنوں کے لئے فرض اور رد کے اعتبار سے، جو تین سہم ہیں۔ اور یہاں بھی سہام کی تعداد صحیح عدد کے ساتھ عدد روٗس میں تقسیم کو قبول کرتی ہے۔ بیوی اور چار بیٹیوں میں اصل مسئلہ (۸) سے ہوا بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا جو ایک سہم ہے اور بنات کو باقی ملے گا فرض اور رد کے اعتبار سے۔ اور وہ سات سہم ہیں۔ لیکن من یرد علیه کے عدد روٗس میں بغیر کسر سہام کا مجموعہ تقسیم قبول نہیں کرتا، لہٰذا مسئلہ کی تصحیح اصل مسئلہ جو (۸) ہے کو ایسے کم عدد میں ضرب دینے سے ہوگی جو روٗس بنات میں تقسیم کو قبول کرے اور وہ چار (۴) ہے یوں (۳۲) سہام حاصل ہوں گے جن میں سے بیوی آٹھواں حصہ وصول کرے گی جو چار سہام ہیں باقی بیٹیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا ہر ایک کے سات سہام ہوں گے۔

اور خاوند اور پانچ بیٹیوں کی صورت میں مسئلہ رد: یہ چار سے ہوگا خاوند کے اس میں سے چوتھائی ہوگا جو ایک سہم ہے باقی بیٹیوں میں تقسیم نہیں ہوسکتا، کیونکہ ان کے سہام کی تعداد اور عدد روٗس میں تباین (تضاد) ہے لہٰذا عدد روٗس جو پانچ ہے کو ردی مسئلہ کی اصل سے جو (۴) ہے ضرب دیں گے یوں (۲۰) حاصل ہوگا۔ اور اسی سے تصحیح ہوگی۔ خاوند اور چھ/۶ بیٹیوں کی صورت میں خاوند کو چوتھائی ملے گا جو ایک سہم ہے اور باقی تن چھ بیٹیوں کے لئے ہے اس میں اور بیٹیوں کے عدد روس میں تین کی وجہ سے موافقت ہے بنات کے عدد کو (۲) کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس عدد کو اصل ردی مسئلہ سے ضرب دی جائے گی، مجموعہ (۸) ہوگا۔ خاوند کے (۲) اور بیٹیوں کے چھ (۶) حصے ہوں گے ہر ایک کا ایک سہم ہوگا۔

چہارم...... دونوں صنفوں کے ساتھ یا ان سے زیادہ من یرد علیه اور من لایرد علیه میں سے کوئی ایک ہو تو اصل مسئلہ من لایرد علیه کے فرض کے مخرج سے بنایا جائے گا اور اس میں سے اسے اس کا حصہ دیا جائے گا۔ پھر باقی میں سے من یرد علیه پر ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا اور اس میں سے جہاں تصحیح کی ضرورت ہوگی تصحیح کی جائے گی۔ بیوی، ماں اور دو ماں شریک بھائیوں کی صورت میں اصل مسئلہ چار سے ہوگا زوجہ کو چوتھائی ملے گا جو ایک سہم ہے اور باقی (۳) ماں اور ماں شریک بھائیوں میں سدس سے تہائی تک کے تناسب سے تقسیم ہو جائے گا۔ یعنی ایک سے دو تک، یہاں بغیر کسر کے سہام کی تقسیم ممکن ہے ماں کا ایک سہم ہوگا اور ماں شریک بھائیوں کے دو سہم، دونوں میں سے ہر ایک کا ایک سہم ہوگا۔

اور بیوی، دو بیٹیوں اور ماں کی صورت میں، بیوی کو دو تہائی اور ماں کو سدس ملے گا اصل مسئلہ (۸) سے ہوگا، بیوی کو اس میں سے ایک سہم ملے گا باقی (۷) دو بیٹیوں اور ماں میں دو تہائی سے سدس تک کی نسبت (یعنی ۴ سے ۱) تقسیم کر دیا جائے گا، مجموعہ پانچ ہوا، سات ان میں بغیر کسر کے تقسیم ہو نہیں سکتا، اصل مسئلہ میں تصحیح ہوگی جسے ایسے کم عدد سے ضرب دی جائے گی جو صحیح عدد کے ذریعہ پانچ میں تقسیم کو قبول کرے۔ یوں (۵x۸=۴۰) حاصل ہوگا، اسی سے تصحیح ہوگی، زوجہ کو آٹھواں حصہ ملے گا پانچ سہام اور باقی (۳۵) سہم بچیں گے جنہیں دو بیٹیوں اور ماں میں تقسیم کر دیا جائے گا (۴ تا ۱) کے تناسب سے یعنی دونوں بیٹیوں کے (۲۸) سہم، ہر ایک کے (۱۴) سہم اور ماں کے (۷) سہام ہوں گے۔

یہ پوری تقسیم ایک مثال پر منطبق (فٹ) ہوتی ہے وہ: چار/۴ بیویاں، نو/۹ بیٹیاں (۶) جدات والی مثال ہے، بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا جو اصل مسئلہ ہے اور بیٹیوں کو دو تہائی اور جدات کو سدس دیا جائے گا۔ جب ترکہ (۱۴۴۰) دینار ہوں (۴۰) پر تقسیم ہوں (۳۶) حاصل ہوگا۔ جسے بیویوں کے سہم سے ضرب دی جائے گی جو (۵) ہے تو حصہ (۱۸۰) بنے گا۔ اور (۲۸) سے بیٹیوں کے حصہ کو ضرب دی جائے گی تو ان کا حصہ (۱۰۰۸) بنے گا اور (۷) کو ماں یا جدات کے حصے سے ضرب دی جائے گی تو (۲۵۲) حصہ بنے گا۔

اور ایک بیوی (۳) جدات اور (۵) ماں شریک بہنوں کی صورت میں اصل مسئلہ (۴) سے بنے گا جو بیوی کے حصہ کا مخرج ہے وہ

(۱) وصول کرے گی اور باقی (۲ تا ۱) کی نسبت سے تقسیم ہو جائے گا یعنی تہائی کے تناسب سے جو بہنوں کا فرض ہے سدس تک جو جدات کا فرض ہے، تصحیح کی ضرورت پڑے گی کیونکہ (۱) اور جدات کے عدد (۳) میں اور (۲) اور بہنوں کے عدد کے درمیان تباین ہے لہٰذا ہم جدات کے عدد روٗس (۳) کو بہنوں کے عدد روٗس (۵) سے ضرب دیں گے۔ حاصل (۱۵) ہوگا جسے ہم اصل (۴) مسئلہ سے ضرب دیں گے تو حاصل (۶۰) ہوگا بیوی کو چوتھائی (۱۵) ملے گا اور باقی (۴) تین تہائیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جدات کو اس کا تہائی (۱۵) دیا جائے گا ہر ایک کے (۵) سہم ہوں گے اور ماں شریک بہنوں کو دو تہائی ملیں گے جو (۳۰) ہیں ہر بہن کو (۶) دیا جائے گا۔

چودہویں فصل: حساب

فروض کے مخارج، مسائل کے اصول اور ان کی تصحیح: حساب.....لغت کے لحاظ سے **حسب یحسب الشی** کسی چیز کو شمار کرنا ہوتا ہے اور اصطلاح میں ان اصول کا علم جن کے ذریعہ عددی مجہولات کو نکالنے تک پہنچا جاتا ہے۔ اور یہ علم فرائض وغیرہ کے حساب کو شامل ہے۔ یہاں اس سے مقصود کسی چیز کے حسابی مسائل کے نتائج پر کلام کرنا ہے اور وہ مسائل کے اصول بنانا اور ان کی تصحیح ہے۔ ❶

اس کی تمہید فروض کے مخارج بیان کرنے سے قائم کی جاتی ہے:

سب سے پہلے فروض کے مخارج.....اللہ تعالیٰ کی کتاب کی رو سے مقرر کردہ فروض چھ/۶ ہیں جن کی دو قسمیں ہیں ❷

۱.....نصف، ربع (چوتھائی) اور ثمن (آٹھواں)۔

۲.....ثلثان (دو تہائی) ثلث (تہائی) اور سدس (چھٹا حصہ)

تنصیف اور تضعیف کی نسبت ہے۔

ہر فرض کا مخرج باقی فروض سے منفرد ہے: اس کے ہم نام سے، سوائے نصف کے کہ وہ دو سے ہے اور دو کا کوئی ہم نام نہیں یعنی سارے اپنے عدد کے مادہ سے مشتق ہیں سوائے اول کے، ثلث کا مخرج تین ہے ربع کا چار اسی طرح باقی کا، سوائے نصف کے، کہ اس کا مخرج دو ہے۔

اور فروض کے مخارج کا مجموعہ سات اعداد ہیں ان میں سے پانچ اعداد کتاب اللہ میں مذکور فروض کے مخارج ہیں اور وہ یہ ہیں: دو ۲، تین ۳، چار ۴، چھ ۶، اور آٹھ ۸۔ یہ اس وجہ سے کہ ثلث اور ثلثین کا مخرج متحد ہے۔

ان کے ساتھ بارہ ۱۲ کو ملایا جاتا ہے۔ چھ کا دوگنا اور چوبیس، بارہ کا دوگنا، پہلے کی مثال: بیوی، ماں شریک بھائی اور ماں ہے بیوی کو چوتھائی ماں کو سدس اور ماں شریک بھائیوں کو تہائی ملے گا۔ چوتھائی کا مخرج چار اور تہائی کا تین ہے اور دونوں مخرجوں میں تباین ہے لہٰذا ہم ایک کو دوسرے سے ضرب دیں گے۔ حاصل ہوا بارہ ۱۲۔ اور دوسرے کی مثال سدس اور ثمن کا یکجا ہونا ہے۔ جیسے بیوی ماں اور ولد بیوی کو ثمن، ماں کو سدس اور ولد کو باقی ملے گا۔ دونوں مخرجوں میں نصف کی وجہ سے توفیق ہے لہٰذا ہم دونوں میں سے ایک کے نصف سے دوسرے کامل عدد کو ضرب دیں گے تو نتیجہ چوبیس ۲۴ ہوگا۔

---

❶.....الرحبیۃ ص ۵۶۔ ❷السراجیۃ ص ۹۱، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۱۰، ۱۱۹، تبیین الحقائق ۶/۲۴۳-۲۵۰، القوانین الفقهیۃ ص ۳۸۵، الشرح الصغیر: ۴/۶۴۱، ۶۵۵، ۶۶۰، ۶۷۱، مغنی المحتاج: ۳/۳۲-۳۷، المغنی: ۶/۱۸۹، ۲۰۴، الدرالمختار: ۵/۵۷۰-۵۷۲ اللباب: ۴/۲۰۳ کشاف القناع: ۴/۴۷۶۔

دوم: سات مسائل کے اصول اور ان کی تصحیح:

فرائض کے مسائل کی تصحیح......وہ یہ کہ سہام کسی ایسے کم سے کم عدد سے لئے جائیں کہ ممکن حد تک کسی وارث کو کسر کا سامان نہ کرنا پڑے، اور ہر وارث کا حصہ اس عدد صحیح نکل آئے۔ اور یہ مضاعف کا مشہور قاعدہ ہے اور اس سے مراد وہ مضاعف ہے جو ان اعداد کے لئے بسیط ہے جن سے تقسیم کرنا مقصود ہو۔

اور مسائل کے اصول کا مطلب ہے جن سے ان کے فروض نکالے جاتے ہیں۔ اور سارے مسائل کے اصول سات اعداد ہیں جن کی وضاحت میں نے پہلے کردی ہے ان میں سے چار میں عول نہیں ہوتا اور وہ دو ۲، تین ۳، چار ۴، اور آٹھ ۸ ہے اور تین ان میں سے عول کو قبول کرتے ہیں اور وہ چھ ۶، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴ ہے جن کا مجموعہ (۲، ۳، ۴، ۶، ۸، ۱۲، ۲۴) ہے۔ میں عول اور رد کی دونوں حالتوں میں ترکہ کی تقسیم کا طریقہ واضح کر چکا ہوں۔ عول میں ہر ذی فرض کا حصہ اس طرح پہچانا جاتا ہے کہ پہلی اصل کو بے کار قرار دیا جاتا ہے اور عول کے بعد والی اصل کو اصل سمجھا جاتا ہے اور سہام کی نسبت بھی اسی کی طرف ہوتی ہے اور اسی کے مطابق ترکہ کی تقسیم ہوتی ہے تا کہ ہر وارث کو اپنے حصہ کے تناسب سے کمی کا سامنا ہو۔

اور رد میں اصل مسئلہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے صرف زوجین میں سے کوئی ایک اپنا فرض وصول کرتا ہے۔ اور باقی ماندہ اصحاب الفروض میں ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اسی کے تناسب سے ان پر رد ہو جاتا ہے یوں ہر ذی فرض کا حصہ وہی بنتا ہے جس کا وہ فرض اور رد کے اعتبار سے مستحق ہوتا ہے۔

البتہ عول اور رد کی دونوں حالتوں کے علاوہ، اصل مسئلہ کی پہچان مندرجہ ذیل طریقوں سے ہوتی ہے۔ ❶

۱۔ جب مسئلہ میں ایک صاحب فرض ہو......تو اس کی اصل اسی فرض کا مخرج ہوگی جیسے باپ اور ماں، ماں کو تہائی اور باپ کو باقی ملے گا۔ مسئلہ کی اصل (۳) سے ہوگی ماں (۱) اور باپ باقی (۲) وصول کرے گا۔

۲۔ جب مسئلہ میں دو اصحاب الفروض جمع ہوں اور وہ دونوں سابقہ دو انواع میں سے کسی ایک نوع سے تعلق رکھتے ہوں

(اول: نصف ربع اور ثمن اور۔ دوم: ثلثان، ثلث اور سدس) تو مسئلہ کی اصل وہ مخرج ہوگا جو اس کے دوگنے اور دوگنے کے دوگنے کو شامل ہو، اس لئے پہلی قسم میں آٹھ (آٹھویں حصے) کا مخرج ہے اور اس کا دوگنا چار ہے اور دوگنے کا دوگنا نصف ہے۔ اور دوسری قسم میں چھ سدس کا مخرج ہے جو اس کے دوگنے اور دوگنے کے دوگنے کو بھی شامل ہے جو ثلث اور ثلثان ہے۔ اسی واسطے ثلث اور ثلثین کے دونوں مخرجوں میں سے ہر ایک سدس کے مخرج میں داخل ہے اگر میت کے ورثاء میں بیوی اور بیٹی ہو تو مسئلہ آٹھ سے ہوگا کیونکہ ثمن اور نصف موجود ہے بیوی کو ثمن اور بیٹی کو نصف (۴) ملے گا باقی (۳) بیٹی پر رد ہوگا۔

اور اگر ورثاء میں خاوند اور بیٹی ہو تو مسئلہ چار سے ہوگا اس لئے کہ چوتھائی اور نصف موجود ہے اور اگر میت کے وارثوں میں ماں اور دو ماں شریک بہنیں ہوں تو مسئلہ چھ سے بنے گا کیونکہ سدس اور ثلث موجود ہے اور اگر ورثا میں ماں، دو سگی بہنیں، اور دو ماں شریک بہنیں ہوں تو مسئلہ چھ سے بنے گا اس واسطے کہ سدس اور دو تہائی موجود ہے۔ اور اگر ورثاء میں دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں ہوں تو مسئلہ

---

❶......السراجیة ص ۱۱۰۔۱۱۸، تبیین الحقائق ۲۴۵/۶، الدر المختار ۵/ ۵۷۰۔۵۷۲، الکتاب مع اللباب: ۴/ ۲۰۳۔۲۱۱، الشرح الصغیر: ۴/ ۲۴۱۔۲۴۴، ۶۵۵۔۶۷۱، مغنی المحتاج: ۳/ ۳۲۔۳۷، الرحبیة ص ۶، المغنی: ۱۸۹۔۱۹۶۔

تین سے ہوگا اس لئے کہ تہائی اور دو تہائی موجود ہے۔

۳۔ جب مسئلہ نوع اول کے بعض افراد، نوع ثانی کے بعض یا کل افراد کے ساتھ جمع ہوں......تو اس میں تفصیل ہے۔

الف......جب دو تہائی اور تہائی کے ساتھ نصف جمع ہو، جیسے خاوند، دوسگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں تو مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا۔

اور جب صرف نصف کا تہائی سے اختلاط (Mixing) ہو جیسے خاوند دو ماں شریک بہنیں یا صرف دو تہائی کے ساتھ جیسے خاوند، اور دوسگی بہنیں یا صرف سدس کے ساتھ جیسے بیٹی اور ماں تو مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا۔ اسی طرح جب نصف کا اختلاط ثلث اور سدس کے ساتھ اکٹھے ہو جیسے خاوند دو ماں شریک بہنیں اور ماں تو پھر بھی مسئلہ (۶) سے ہوگا۔

ب......جب چوتھائی نوع ثانی کے تمام افراد کے ساتھ جمع ہو جائے جیسے بیوی، ماں، دوسگی بہنیں اور دو ماں شریک بہنیں تو مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوگا۔ اسی طرح جب چوتھائی کا صرف ثلثین کے ساتھ اختلاط ہو جیسے خاوند اور دو بیٹیاں یا صرف ثلث کے ساتھ جیسے بیوی اور ماں یا ثلثان اور سدس کے ساتھ جیسے بیوی، ماں اور دوسگی بہنیں یا چوتھائی ثلث اور سدس کے ساتھ مل جائے جیسے بیوی، ماں اور دو ماں شریک بہنیں تو ان تمام صورتوں میں مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوگا۔

ج......اور جب ثمن، ثلثین اور سدس کے ساتھ یکجا ہو جائے جیسے بیوی دو بیٹیاں اور ماں یا صرف ثلثین کے ساتھ جیسے بیوی اور دو بیٹیاں یا صرف سدس کے ساتھ جیسے بیوی، ماں، اور بیٹا تو مسئلہ چوبیس (۲۴) سے ہوگا۔ نوع ثانی کے تمام افراد کے ساتھ ثمن کے جمع ہونے کا تصور نہیں ہوسکتا۔

سوم: مسائل کی تصحیح کا طریقہ......جب بعض ورثا کے سہام جو اصل مسئلہ سے حاصل ہوں مستحقین میں بغیر کسر کے تقسیم نہ ہوتے ہوں تو اسے سہام بنانے کی ضرورت پیش آتی ہے جو بغیر کسر تمام ورثاء میں تقسیم ہونے کو قبول کریں یعنی صحیح تقسیم۔ اور اسی کا نام تصحیح ہے۔

مسئلہ کی تصحیح......اصل مسئلہ یا اس کے عول کو ایسے کم عدد سے ضرب دی جائے جس کے ساتھ ہر وارث سہام کی مقدار میں صحیح عدد کے ساتھ منفرد ہو اور اس میں کسر نہ ہو، تصحیح کے بعد حاصل ضرب اصل مسئلہ ہوگی جس کی تکمیل آنے والے قواعد کی موافقت سے ہوگی جس میں دو عددوں کے درمیان تماثل، توافق، تداخل، یا ان کا اعداد رؤس کے ساتھ تباین ہوتا ہے یعنی ان کے رؤس جن کے سہام میں کسر واقع ہو جب یہ کسر ایک ہی طائفہ میں یا ایک سے زیادہ میں ہو۔

ان انواع اربعہ کی وجہ سے حصر ہے......آپ جب ایک عدد کو دوسرے کی طرف منسوب کریں تو وہ اس کے مساوی ہوگا یا نہیں، پہلی قسم تماثل ہے دوسری قسم میں یا تو زیادہ کم پر صحیح تقسیم کے ساتھ تقسیم ہو جائے گا یا نہیں، پہلے کو تداخل اور دوسرے یا تو ان دونوں کو ایک کے علاوہ کوئی عدد ختم کردے گا یا نہیں پہلی قسم توافق اور دوسری تباین ہے۔

پہلی قسم: ایک سے زیادہ طائفہ میں انکسار کی حالت......اس حالت میں عدد رؤس کے درمیان نسبت کو دیکھا جاتا ہے۔

۱۔ عددین کا تماثل......یعنی جب ایک دوسرے کے مساوی ہو جیسے تین، تین جب دو عددوں میں تماثل ہو تو ان میں سے ایک کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جاتی ہے جیسے تین بیویاں تین بیٹیاں اور چچا، بیویوں کو ۸/۱ = ۳ اور بیٹیوں کو ۳/۲ = ۱۶ اور چچا کو باقی (۵) ملے گا کیونکہ وہ عصبہ ہے مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اور (۷۲) سے تصحیح ہوگی اس لئے کہ بیوی کا عدد (۳) ہے اور بیٹیوں کا بھی (۳) اور یہ دونوں متماثل ہیں اس لئے ہم نے ایک متماثل (۳) لیا اور اسے اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دی تو (۷۲) حاصل ہوا اور اسی سے تصحیح کی۔ سہام

میں جس کا حصہ ہوگا وہ اصل مسئلہ سے ضرب دیئے ہوئے میں ضرب دے کر وصول کرے گا اور اس مضروب کو جزء سہم'' کہا جاتا ہے لہٰذا بیویاں (۹) بیٹیاں (۴۸) اور چچا (۱۵) وصول کرے گا یہ صرف تمثیل کے لئے۔

۲۔ **عددین میں توافق**.....ان اعداد رؤس کے درمیان جن میں کسر واقع ہوتی ہے کسی جزء میں موافقت اس انداز میں کہ ان دونوں میں سے کم کو زیادہ شمار نہ کیا جائے۔ جیسے چار ۴ اور چھ ۶ کیونکہ یہ دونوں نصف کے ساتھ موافق ہیں یعنی دونوں دو پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح آٹھ ۸ اور بیس ۲۰، کیونکہ یہ دونوں نصف اور چوتھائی میں موافق ہیں یعنی دونوں دو ۲ اور چار ۴ پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ جب دو اعداد میں توافق ہو تو وفق اعلیٰ کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جاتی ہے جب وہ مسئلہ عادلہ ہو نہ کہ عائلہ یا اس کے عول میں ضرب دی جائے گی اگر مسئلہ عائلہ ہو اور اسی سے تصحیح ہوگی جیسے۔ ۴ بیویاں: ۸ / ۱، ۶ بیٹیاں: ۳ / ۲، چچا کے لئے باقی ہے۔ بیویوں کے (۳) بیٹیوں کے (۱۶) اور چچا کے (۵) حصے ہوں گے۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا بیویوں کے سہام اس مسئلہ میں ان پر تقسیم نہیں ہو رہے۔ اور بیٹیوں کے سہام (۱۶) ان پر تقسیم نہیں ہو رہے اور بیویوں اور بیٹیوں کے عدد کے درمیان موافقت بالنصف ہے لہٰذا ہم ان دو میں سے ایک کے وفق کو دوسرے کے کامل عدد میں ضرب دیں گے ($6 \times 2 = 12$) حاصل بارہ ۱۲ ہوا اور یہی جزء سہم ہے۔ جسے ہم اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے جو (۲۴) ہے تو (۲۸۸) بن جائیں گے اور جس کا سہام میں کوئی حصہ ہوگا وہ سہم کے جزء میں جو (۱۲) ہے مضروب لے گا۔ لہٰذا بیویوں کے (۳۶) بیٹیوں کے (۱۹۲) اور چچا کے (۶۰) حصے ہوئے۔

۳۔ **تداخل عددین**.....وہ یہ ہے کہ کم پر صحیح طرح تقسیم ہو جائے بایں طور کے زیادہ میں سے کچھ نہ بچے جیسے تین اور چھ (۶،۳) چنانچہ اگر چھ کو تین پر دو مرتبہ تقسیم کیا جائے تو کچھ نہ بچے گا۔ یا ہم کم میں اسی کی یا اس سے کئی زیادہ مقدار اضافہ کر دیں کہ بالآخر زیادہ کے مساوی اور برابر ہو جائے، مذکورہ مثال میں اگر ہم تین میں اور تین شامل کرتے ہیں تو یہ بڑے عدد کے مساوی ہو جائے گا۔ پھر تداخل عددوں میں سے بڑے عدد کو لیا جائے گا جو چھ ہے اس واسطے کہ تین تو چھ میں داخل ہے اسی پر ہم اکتفا کریں گے اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دیں گے۔ جیسے (۳) بیویاں: ۸ / ۱ (۶) بیٹیاں ۳ / ۲ چچا باقی کا حق دار، تین بیویوں کو (۳) بیٹیوں کو (۱۶) اور چچا کو (۵) ملے گا۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا بیویوں اور بیٹیوں کا عدد آپس میں متداخل ہے تو اتنا ہی کافی ہے کہ ان میں سے بڑا عدد لیا جائے اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دے دیں ($24 \times 6 = 144$) تصحیح (۱۴۴) سے ہوگی جس کا سہام میں کوئی حصہ بنتا ہے وہ چھ سے ضرب دیئے جانے کے بعد جو جز سہم ہے وصول کرلے گا۔ اس لحاظ سے بیویوں کے (۱۸) بیٹیوں کے ۹۶) اور چچا کے (۳۰) حصے ہوئے اور یہ محض مثال بیان کرنے کے لئے ہے۔

۴۔ **تباین**.....وہ یہ ہے کہ تیسرا عدد دو مختلف عددوں کو ایک ساتھ شمار نہ کرے۔ جیسے نو ۹ اور دس ۱۰، جب دو عدد متباین ہوں تو ان میں سے ایک کو دوسرے سے ضرب دی جائے گی۔ اور اگر مسئلہ عائلہ نہ ہو تو حاصل کو اصل مسئلہ سے اور اگر عائلہ ہو تو اس کے عول سے ضرب دی جائے گی۔ جیسے (۲) بیویاں ۸ / ۱، (۳) بیٹیاں ۳ / ۲ اور چچا کو باقی ملے گا۔ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا بیویوں اور بیٹیوں کے اعداد متباین ہیں اس لئے عدد رؤس زوجات (۲) کو ہم عدد رؤس بنات (۳) سے ضرب دیں گے مبلغ (۶) ہوگا جو جزء السہم ہے اسے اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی یوں (۱۴۴) ہو جائے گا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ اب دونوں بیویوں کو (۳x۶=۱۸) اور تینوں بیٹیوں کو (۱۶ x۶=۹۶) اور چچا کو (۵x۶=۳۰) دیا جائے گا۔

اور جیسے (۲) بیویاں ۸ / ۱ (۳) بہنیں ۳ / ۲، ۲ چچا، اصل (۱۲) ہے دونوں بیویوں کو (۳) بہنوں کو (۸) بطور فرض دیا جائے گا اور دونوں چچاؤں کو (۱) عصبہ ہونے کی وجہ سے ملے گا۔ بیویوں اور بہنوں کے عدد کے مابین تباین ہے لہٰذا ان میں سے ایک کو دوسرے سے

ضرب دیں گے (۶۲=۳×۳) یہی جزءالسھم ہے پھر حاصل کو (۱۲) سے ضرب دی جائے گی (۷۲=۱۲×۶) اور اسی سے تصحیح ہوگی، پھر ورثاء کے سہام کو چھ (۶) سے ضرب دی جائے تو بیویوں کے (۱۸) بہنوں کے (۴۸) اور چچاؤں کے (۶) حصے ہوں گے۔

دوسری قسم: ورثاء کے ایک طائفہ میں کسر کی حالت......اس حالت میں عدد رؤس اور کسر والے سہام میں تناسب کو دیکھا جائے گا۔

ا......اگر سہام بغیر کسر کے تقسیم ہو جائیں جیسے (۳) بیویاں، ماں اور دو ماں شریک بہنیں تو مسئلہ (۱۲) سے ہے تصحیح نہیں ہوگی، بیویوں کو (۱۲) میں سے چوتھائی (۳)، ماں کو سدس (۲)، اور ماں شریک دونوں بہنوں کو تہائی (۴) ملے گا۔ ہر بیوی کو (۱) اور ہر بہن کو (۲) دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر سب ورثاء کے سہام ان پر بلا کسر منقسم ہو جائیں تو ضرب کی ضرورت نہیں جیسے ماں باپ اور دو بیٹیاں، مسئلہ چھ سے بنے گا ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس جو ایک ہے ملے گا۔ اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی یعنی چار ہر ایک کو دو ملے گا۔

۲......اور اگر دونوں کے درمیان توافق یا تداخل ہو تو جزء سہم (اور وہ تداخل کی حالت میں ہے سہام پر عدد رؤس کی تقسیم سے حاصل ہوتا ہے اور توافق کی حالت میں ان کے عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ سے یا عول سے اگر مسئلہ عائلہ ہو ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے) اور نتیجہ سے مسئلہ کی تصحیح ہوتی ہے تداخل کی مثال! (۸) بیٹیاں ۳/۲، ماں ۶/۱، اصل مسئلہ (۶) سے ہوگی (۵) کی طرف رد ہوگا بیٹیوں کے سہام (۴) ماں کا ایک (۱)۔ بیٹیوں کے سہام (۴) اور ان کی تعداد (۸) میں تداخل ہے اور جزء سہم (8÷4=2) ہے پھر (۵×۲) اصل مسئلہ: (۱۰) اسی سے تصحیح ہوگی یوں بیٹیوں کے (۸=۲×۴) ماں کے (۲=۱×۲)۔

توافق کی مثال......(۶) بیٹیاں ۳/۲ ماں ۶/۱، مسئلہ کی اصل (۵) سے، بیٹیوں کو (۴) ماں کو ایک (۱) جزء سہم یہاں (۶) ہے جسے (۵) سے ضرب دی جائے گی۔ مسئلہ کی تصحیح (۳۰) سے ہوگی بیٹیوں کے (۲۴=۶×۴) ہر بیٹی کا (۴) ماں کے (۶=۶×۱)۔

۳۔ اگر دونوں عددوں میں تباین ہو......تو جزء سہم ہی عدد رؤس کا کل ہے جیسے (۵) بیٹیاں ۳/۲ باپ ۶/۱ اور عصبہ، مسئلہ کی اصل (۶) سے بیٹیوں کو (۴) باپ کو (۲) اور جزء سہم (۳۰=۶×۵) ہے اور اسی سے تصحیح ہوگی لہٰذا بیٹیوں کو (۲۰=۵×۴) اور باپ کو (۱۰=۵×۲) دیا جائے گا۔

تصحیح کے طریقہ کا اجمالی بیان: خلاصہ......ایک سے زیادہ طائفہ سہام کی کسر کی حالت میں رؤس اور رؤس کے درمیان چار اصول ہیں۔ تماثل، توافق، تداخل اور تباین اور ایک ہی طائفہ پر سہام کی انکسار کی حالت میں تین اصول ہیں۔ وہ یہ کہ یا تو ورثا پر سہام کی تقسیم بلا کسر ہو جائے گی اور یہ کہ سہام اور رؤس کے درمیان توافق ہوگا یا تداخل یا سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہوگا۔

اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ مسائل کی تصحیح کے لئے سات اصول کا جاننا ضروری ہے، تین سہام اور رؤس کے درمیان اور چار رؤس اور رؤس کے درمیان۔

نوع اول: سہام اور رؤس کے درمیان انکسار

ا......یا تو سہام ورثاء پر پورے ہوتے ہوں تصحیح کے بغیر اصل سے صحیح واقع ہوں جیسے ماں باپ اور دو بیٹے، یہ پہلی اصل ہے یا پورے نہ ہوتے ہوں اور اس حالت میں: کسر ایک ایک طائفہ پر واقع ہوگی یا دو یا دو سے زیادہ طائفہ پر واقع ہو۔ اگر کسر ایک ہی طائفہ پر واقع ہو۔

۲......تو پھر سہام اور رؤس کے درمیان یا تو موافقت ہوگی تو اس صورت میں ورثا کے عدد رؤس کے وفق کو اصل مسئلہ سے ضرب دیں

گے اور اسی سے تصحیح ہوگی جیسے ماں باپ اور دس بیٹیاں: مسئلہ (۶) سے ہوگا ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس ملے گا اور بیٹیوں کو دو تہائی دیا جائے گا۔ بیٹیوں کے سہام اور رؤس میں نصف کی وجہ سے موافقت ہے اس لئے ہم نے بنات کے عدد کے وفق (۵) کو اصل مسئلہ (۶) سے ضرب دے دی جس کا مبلغ (۳۰) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی اور یہ دوسری اصل ہے۔

۳.....اور یا سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہوا۔ تو عدد رؤس کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی اور اسی سے تصحیح ہوئی جیسے خاوند اور جدہ اور (۳) ماں شریک بھائی، مسئلہ چھ (۶) سے ہوگا خاوند کو نصف (۳) جدہ کو سدس (۱) اور بھائیوں کو تہائی (۲) دیا جائے گا۔ بھائیوں کے عدد (۳x۶) کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی مبلغ (۱۸) اور یہ تیسرا اصول ہے۔

نوع ثانی: سہام کا دو یا زیادہ طائفہ پر کسر ہو.....تو صورت حال کئی امور میں سے ایک امر سے خالی نہیں ہوگی۔ یا تو ان کے روس کے درمیان مماثلت ہوگی یا مداخلت، یا موافقت اور یا مباینت۔

۴۔ **پہلی حالت میں**.....تماثل۔ متماثلین میں سے ایک کو لے کر اصلی مسئلہ سے ضرب دی جائے گی۔ جیسے چھ بیٹیاں، (۳) جدات اور (۳) چچا یہ چوتھا اصول ہے۔

مسئلہ (۶) سے ہوگا بیٹیوں کو (۳×۲=۴) جدات کو (۶/۱=۱) اور چچاؤں کو باقی۔ (۱) ملے گا۔ بیٹیوں کا حصہ ان میں تقسیم نہیں ہو رہا، ان کے سہام اور عدد رؤس میں نصف کی وجہ سے توافق ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کو وفق (۳) کی طرف لوٹا دیا۔ اور اس عدد اور جدات اور چچاؤں کے عدد کے درمیان غور کیا جن کے سہام میں کسر واقع ہوئی ہے اور تقسیم نہیں ہوئے تو ہمارے پاس گروہ جمع ہو گئے جن میں مماثلت ہے۔ بیٹیوں کا اگروہ جدات کا گروہ اور چچاؤں کا گروہ۔ ہم نے متماثلوں میں سے ایک (۳) پر اکتفاء کیا اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دی حاصل (۱۸) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ یوں بیٹیوں کو (=۳x۴ جزء سہم=۱۲) ہر بیٹی کا حصہ دو سہم ہوئے اور جدات کو (۱=۳x۳ جزء سہم ۳=) ہر جدہ کو ایک سہم اور چچاؤں کو (۱×۳ جزء سہم=۳) ہر چچا کو ایک سہم دیا جائے گا۔

۵۔ **دوسری حالت میں تداخل**.....وہ یہ ہے کہ رؤس کے بعض اعداد دوسرے میں تداخل ہوں، تو ان میں سے اکثر عدد کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جائے گی جو حاصل ہوگا اس سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ اور یہ پانچ واں اصول ہے۔ جیسے چار بیویاں ۴/۱ (۳) جدات ۶/۱ (۱۲) چچے، جنہیں باقی ملے گا، مسئلہ بارہ (۱۲) سے ہوگا بیویوں کو (۳) جدات کو (۱۲) اور چچاؤں کو باقی ملے گا جو (۷) ہے بیویوں، جدات اور چچاؤں میں سے ہر ایک کے سہام ان پر تقسیم نہیں ہو رہے تو ہم نے اعداد میں غور کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ بیویوں کا عدد چچاؤں کے عدد میں داخل ہے اسی طرح جدات کا عدد چچاؤں کے عدد میں داخل ہے تو ہم نے بڑے پر جو بارہ (۱۲) ہے اکتفاء کیا اور اسے اصل مسئلہ سے ضرب دی۔ جو بارہ (۱۲) ہے۔ حاصل (۱۴۴) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوئی۔ یوں بیویوں کے (۳۶=۳x۱۲) ہر بیوی کو (۹) اور جدات (۲۴=۲x۱۲) ہر جدہ کو (۸) اور چچاؤں (۸۴=۷x۱۲) ہر چچا کو (۷) ملے گا۔

۶۔ **تیسری حالت: توافق**.....بعض اعداد جن کے سہام میں کسر ہے بعض کے موافق ہوں ور یہ چھٹا اصول ہے۔ جیسے (۴) بیویاں ۸/۱ اور (۱۸) بیٹیاں ۳/۲ اور پندرہ (۱۵) جدات ۶/۱ اور (۶) چچا۔ باقی، اصل مسئلہ (۲۴) بیویوں کے سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہے اسی طرح چچاؤں اور دادیوں کے سہام اور رؤس کے درمیان تباین ہے جب کہ بیٹیوں کے عدد اور سہام میں توافق بالنصف ہے اس لئے ہم نے بیٹیوں کے عدد کو وفق (۹) کی طرف لوٹایا تو ہمارے پاس (۴) عدد بیویوں کا (۹) عدد بیٹیوں (۱۵) عدد جدات کا اور (۶) عدد چچاؤں کا جمع ہو گیا۔

چار ۴ اور نو ۹ کے درمیان تباین ہے تو ہم نے ایک کو دوسرے کے کامل سے ضرب دے دی مجموعہ (۳۶) ہوا۔ اور ۱۶ اس میں داخل ہے ۳۶ اور ۱۵ جو جدات کا عدد ہے کے درمیان توافق بالثلث ہے یعنی ۱۲، ۳۶ کا تہائی ہے اور ۵، ۱۵ کا تہائی ہے ہم نے ایک کے وفق کو دوسرے کے کامل عدد سے ضرب دی یعنی (۳۶x۵) حاصل (۱۸۰) پھر اسے اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دی تو حاصل (۴۳۲۰x) ہوا اور اسی سے تصحیح ہوگی لہٰذا جس کی سہام میں کوئی چیز ہوگی وہ جزء سہم (۱۸۰) میں ضرب ہونے کے بعد وصول کرے گا۔

بیویوں کو (۵۴۰x یعنی ۱۸۰x۳) ہر بیوی کا ۱۳۵، اور بیٹیوں کو (۲۸۸۰) ہر بیٹی کا (۱۶۰) جدات کو (۷۲۰ ہر جدہ کا (۴۸) اور چچاؤں کو (۱۸۰) ہر چچا کا (۳۰) ہے۔

۷۔ چوتھی حالت: تباین...... وہ یہ ہے کہ جن رؤس کے سہام میں کسر ہے ان کے اعداد دوسرے فریق کے مباین ومخالف ہوں، جن میں سے ایک کو دوسرے سے ضرب دی جاتی ہے اور پھر مجموعہ کو اصل مسئلہ سے ضرب دی جاتی ہے اور یہ ساتواں اصول ہے۔ جیسے دو بیویاں ۸/۱ (۶) جدات ۶/۱ (۱۰) بیٹیاں ۳/۲ (۷) چچے، باقی۔ اصل مسئلہ (۲۴) سے دونوں بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا جو تین ہے اور ان دونوں پر تقسیم نہیں ہو رہا، ان کے رؤس اور سہام کے درمیان مبائنہ ہے اس لئے ہم نے ان کے عدد رؤس (۲) کو لیا، اور چھ جدات کا سدس (۴) ہے جو ان پر پورا تقسیم نہیں پا رہا۔ ان کے عدد رؤس اور سہام میں موافقت بالنصف ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کا نصف لیا جو تین ہے۔ اور دس بیٹیوں کا حصہ دو تہائی تھا جو سولہ ۱۶ بنتا ہے اور ان پر تقسیم نہیں ہو رہا ان کے عدد رؤس اور سہام میں موافقت بالنصف ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس کا نصف (۵) لے لیا سات چچاؤں کا حصہ باقی ترکہ ہے جو ایک ہے اور وہ ان پر تقسیم نہیں ہوتا اس میں اور ان کے عدد رؤس میں تباین ہے تو ہم نے ان کے عدد رؤس (۷) کو لیا یوں ہمارے پاس یہ اعداد ہوگئے: دو، تین، پانچ اور سات (۲، ۳، ۵، ۷) اور یہ سب اعداد آپس میں متباین ہیں۔ تو ہم نے ایک کو دوسرے سے ضرب دی حاصل (۲۱۰) ہوا پھر اسے اصل مسئلہ (۲۴) سے ضرب دی تو حاصل (۵۰۴۰) ہوا اور اسی سے تصحیح ہونی ہے۔

دونوں بیویوں کو (۶۳۰) ہر بیوی کا (۳۱۵)

چھ جدات کو (۸۴۰) ہر جدہ کا (۱۴۰)

دس بیٹیوں کو (۳۳۶۰) ہر بیٹی کا (۳۳۶)

سات چچاؤں کو (۲۱۰) ہر چچا کا (۳۰)

چہارم: ورثاء اور غرماء (قرض خواہوں) میں ترکہ کی تقسیم...... ترکہ اور تصحیح المسائل میں سابقہ چار نسبتوں میں سے ایک نسبت ضرور ہوگی اگر مماثلت ہو تو ظاہر ہے اور اگر دونوں میں مماثلت نہ ہو تو پھر یا تو ایک دوسرے کا مباین ہوگا یا موافق۔ ❶

چنانچہ تباین کی حالت...... میں ہم تصحیح میں سے ہر وارث کے سہام یعنی اصل مسئلہ یا اس کے عول کو سارے ترکہ سے ضرب دیں گے پھر حاصل کو تصحیح پر تقسیم کریں گے جو نتیجہ ہوگا وہ اس وارث کا حصہ ہے۔ جیسے خاوند، ماں اور دو سگی بہنیں۔ مسئلہ (۶) سے ہوگا خاوند کو نصف ۳۰ ماں کو سدس (۱) اور دونوں بہنوں کو دو تہائی (۴)، (۸) تک عول ہوگا اور یہی تصحیح ہے۔

چنانچہ اگر ترکہ (۲۵) دینار ہو تو ہم خاوند کے حصے (۳) کو سارے ترکہ سے ضرب دیں = (۷۵) کے۔ پھر مبلغ کو تصحیح (۸) پر تقسیم کریں گے ۸/۳ (۹) دینار جواب آئے گا۔ اور جب ماں کے حصہ کو جو ایک ہے سارے ترکہ (۲۵) ۲۵= سے ضرب دیں گے اس کے بعد

❶......السراجیة ص ۱۲۱۔۱۲۶۔

مبلغ کوتصحیح (۸) پرتقسیم کریں تو جواب ۸ / ۱(۳) دینار آئے گا۔اور جب بہنوں کے حصہ (۴) کوسارے ترکہ سے ضرب دیں گے (=۱۰۰۲۵) پھر مبلغ کوتصحیح (۸) پرتقسیم کریں گے تو ۸ / ۴(۱۲) جواب آئے گا یعنی ۴ / ۱(۶) دینار ترکہ میں سے ہر بہن کا حصہ ہے۔

اورتوافق کی حالت......میں تصحیح میں۔سے ہر وارث کے سہام کوترکہ کے وفق سے ضرب دیں گے پھر حاصل کوتصحیح کے وفق پر تقسیم کریں گے جو حاصل ہوگا وہ اس وارث کا حصہ ہے۔سابقہ مثال میں اگر ترکہ ۵۰ دینار ہوتے تو ہم خاوند کے سہام (۳) کوترکہ کے وقف (۲۵) سے ضرب دیں گے حاصل (۷۵) ہوگا پھر ہم تصحیح کے وفق (۴) پرتقسیم کریں گے تو خاوند کا حصہ نکل آئے گا۔ ۸ / ۶(۱۸)اور ماں کا حصہ ۸ / ۲(۶)اور بہنوں کا حصہ (۲۵) ہوگا۔

اور جب ترکہ میں کسر ہوتو قاعدۃ یہ ہے کہ ہم ترکہ کو پھیلائیں گے تا کہ ایک جنس سے بن جائے اس کے بعد ہم ترکہ میں سے صحیح (عدد) کوکسر کے مخرج سے ضرب دیں گے اور حاصل پر اس کسر کا اضافہ کردیں گے اس کے بعد اس عدد کوترکہ کی کسر کے مخرج سے ضرب دیں گے جس سے مسئلہ کے تصحیح ہوئی ہے پھر دونوں حاصلوں سے وہی عمل کریں گے جیسا پہلے گزر چکا ہے جو حاصل ہوگا وہ ایک وارث کا حصہ ہوگا۔سابقہ مثال میں اگر بالفرض (۲۵) دینار اور تہائی ہوتی تو ہم (۲۵) کوتہائی کے مخرج (۳) سے ضرب دیں گے حاصل (۷۵) ہوگا اس پر ہم اسی کسر (۱) کا اضافہ کریں گے تو مجموعہ (۷۶) ہوجائے گا اور (۸) تصحیح کو بھی (۳) سے ضرب دیں گے۔حاصل (۲۴) ہوگا جب ہم نے (۸) میں سے ہر وارث کے حصہ کو (۷۶) سے ضرب دیا اور حاصل کو (۲۴) پر تقسیم کیا۔جو نتیجہ نکلا وہ اس وارث کا حصہ تھا۔ گویا ترکہ (۷۶) صحیح عدد تھا۔اور اصل مسئلہ (۲۴) تھا۔

قرضوں کی ادائیگی......جب قرض خواہ کئی ہوں اور ترکہ سے قرضوں کی ادائیگی نہ ہو پا رہی ہوتو ہر ایک کا قرض تصحیح کے مسئلہ میں سے ہر وارث کے سہام کی طرح بنالیا جائے گا اور قرضوں کے مجموعہ کوتصحیح کے مجموعہ جیسا بنالیا جائے گا۔

اگر کسی میت کے ترکہ میں (۹) دینار ہوں اور (۱۵) دینار اس پر قرض ہوتو قرض خواہ کو دس دینار اور دوسرے کو پانچ ملیں گے پندرہ تصحیح کے قائم مقام ہوں گے۔اب ان میں اور نو میں موافقت بالثلث ہے جب ہم نے اس کے قرض کو جس کے (۱۰) دینار تھے۔نو کے وفق (۳) سے ضرب دی تو حاصل (۳۰) ہوا اور جب اسے تصحیح کے وفق (۵) پر تقسیم کیا تو حاصل (۶) ہوا یہ اس کا حصہ ہے جس کے دس دینار ہیں اور جس کے (۵) دینار تھے اس کا (۳) ہوا۔

اور اگر بالفرض ترکہ (۱۳) دینار ہوتے تو ان میں اور تصحیح میں تباین تھا تو اس وقت ہم دس والے کے قرض کو کل ترکہ یعنی (۱۳) سے ضرب دیں گے حاصل ہوگا (۱۳۰) اور جب اسے تصحیح (۱۵) پر تقسیم کریں گے تو نتیجہ ۸ / ۲(۸) ہوگا اسی طرح دوسرا۔

پنجم: ترکہ کی تقسیم کے طریقے......ترکہ کی تقسیم کے تین طریقے ہیں......۱۔ضرب ۲۔تقسیم ۳۔تناسب اور ایک چوتھا طریقہ بھی شامل کیا جاتا ہے۔

۱۔ضرب کا طریقہ......میت کے ورثا میں بیوی، ماں اور چچا ہے مسئلہ (۱۲) سے ہوگا بیوی کو ۴ / =۱(۳) ماں کو ۳ / ۱(۴) اور چچا کو باقی ملے گا۔

اور ترکہ (۲۴) دینار تھا مسئلہ (۱۲) سہم سے ہوگا ہم ہر وارث کے سہام کوترکہ سے ضرب دیں گے اور حاصل کو اصل مسئلہ پر تقسیم کریں گے حاصل ہونے والا اس وارث کا حصہ ہے۔بیوی کا حصہ (6=12÷72=24X3) اسی طرح کا عمل ماں اور چچا کا حصہ نکالنے

---

❶......السراجیة ص ۷۱۔۷۲۔ المغنی: ۶/ ۲۰۰، کشاف القناع: ۴/ ۴۹۶۔

کے لئے کیا جائے گا۔

۲۔ **تقسیم کا طریقہ**...... ترکہ کو مسئلہ پر تقسیم کیا جائے اور خارج (حاصل) کو ہر وارث کے سہام سے ضرب دی جائے یوں اس کا حصہ نکل آئے گا۔ چنانچہ مذکورہ مثال میں اگر ہم ترکہ کو مسئلہ پر تقسیم کرتے تو (۲) حاصل ہوتا، تو جس کا مسئلہ میں کوئی حصہ بنتا ہوتا وہ (۲) سے ضرب کھانے کے بعد وصول کرتا جو حاصل ہوتا وہ اس کا حصہ ہوتا تھا لہٰذا بیوی کا حصہ (۳x۲=۶) ہے اسی طرح باقی کا۔

۳۔ **نسبت کا طریقہ**...... مسئلہ میں سے ہر وارث کے سہام کو آپ مسئلہ کی طرف منسوب کرلیں اور اسی نسبت سے ترکہ میں سے لے لیں۔ ماخوذ اس کا حصہ ہوگا بیوی کے سہام کی مسئلہ کی طرف نسبت چوتھائی کی ہے (یعنی بارہ ۱۲ میں سے ۳) لہٰذا اس کے لئے چوتھائی ترکہ جو چھ ہے (۲۴) میں سے لیا جائے گا۔ اسی طرح ماں کا تہائی (یعنی ۱۲ میں ۴) اس کے (۲۴) میں (۸) لئے جائیں گے۔ اور چچا کے سہام کی اس میں نسبت چوتھائی اور چھٹے حصے کی ہے اسے اسی تناسب سے دیا جائے گا۔ ترکہ میں چوتھائی (۶) اور سدس (۴) لیا جائے گا مجموعہ (۲۴) میں سے دس ۱۰ ہوگا۔

۴۔ **وفق کی طرف رد کا طریقہ**...... جب سہام اور ترکہ کے درمیان موافقت ہو تو دونوں کو اس کے وفق کی طرف لوٹایا جائے گا۔ لہٰذا سہام کو ان کے وفق کی جانب رد کیا جائے گا۔ اس لئے سابقہ مثال میں ہم مسئلہ کے سہام۔ جو بارہ (۱۲) ہے اور ترکہ (۲۴) میں غور کریں گے تو ہمیں سدس کے نصف کی موافقت معلوم ہوئی اب سہام کو ان کے وفق سدس کے نصف یعنی (۱) کی جانب اور ترکہ کو اس کے سدس کے نصف (۲) کی جانب لوٹائیں گے اور ہر وارث کے سہام کو ترکہ کے وفق سے ضرب دیں گے جو حاصل ہوگا وہ اس کا حصہ ہے جب ہم نے بیوی کے سہام (۳) کو ترکہ کے وفق (۲) سے ضرب دی تو چھ حاصل ہوا۔ جو ترکہ میں سے اس کا حصہ ہے اسی طرح باقی وارثوں کا حصہ ہوگا۔ یہ تقسیم کے طریقہ جیسا ہے۔

مثالیں...... ۱۔ ۲۴ (اصل مسئلہ) ۱۴۴ (ترکہ) ۶ (اصل مسئلہ پر ترکہ کو

۸/ ادو بیویاں ۳۔ ۱۸۔	۲/ ابیٹی ۱۲۔ ۷۲۔
۶/ اپوتیاں (۳) ۴۔ ۲۴۔	(م با) ماں شریک بھائی مجوب۔
باقی ۶/ اباپ ۴۔ ا۔ ۳۰۔	۲۔ ۲۴/ ۶۰ ۱۴۴۰ (ترکہ)
۸/ ۴۱ بیویاں ۳۔ ۱۸۰۔	۳/ ا۔ ۵ بیٹیاں ۱۶۔ ۹۶۰۔
۶/ ا۔ ۳ جدات ۴۔ ۲۴۰۔	باسگا بھائی ا۔ ۶۰۔
۳۔ ۱۲۔ ۱۰۸ (ترکہ)	۴/ اخاوند ۳۔ ۲۷۔
با (بٹیا ۳ پوتیاں) ۵۔ ۳۰	۶/ اماں ۲۔ ۱۸۔
۶/ اباپ ۲۔ ۱۸۔	۴۔ ۶/ ۳۰۔ ۱۸۰ (ترکہ)
۶/ اجدتین ۲۔ ا۔ ۳۰۔ ۹۔ ۷۸۴۔	۳/ ا۔ ۳ ماں شریک بھائی۔ ۲۔ ۶۰۔
با ۵ چچا ۳۔ ۹۰۔	۵۔ ۶/ ۳۔ ۱۸ ترکہ۔
باپوتی ا۔	۳/ ۲ دو بیٹیاں ۴۔ ۱۲
م جدۃ	۶/ اماں ۱۔ ۳۔

ی اولاد، پوتیوں کی

باپڑپوتا ۲

پندرہویں فصل: ذوی الارحام کی توریث......ان کی تعریف۔ انہیں وارث بنانے میں علماء کے ومراتب ان کی توریث کے قواعد۔ ❶

، نانا شامل ہے،

ے کی

سب سے پہلے ذوی الارحام کی تعریف......ذوالرحم لغت میں مطلقاً رشتہ دار کو کہا جاتا ہے خواہ صاحب فرض ہو یا عصبہ ہو یا کوئی اور ہو۔ اور علماء میراث کی اصطلاح میں وہ قریبی جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو۔ اکیلے ہوتے ہوئے سارا مال جمع کر لیتا ہے جیسے بیٹیوں کی اولاد، بہنوں کی اولاد، بھتیجیاں، نانا۔ نانی۔ ❷ ماموں، خالہ اور اس طرح کا وہ قریبی جو نہ عصبہ ہو اور نہ صاحب فرض۔

دوم: ذوی الارحام کی توریث میں علماء کے مذاہب......ذوی الارحام کی توریث میں فقہاء کا دو آراء پر اختلاف ہے۔

ا۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ......کا مذہب ہے کہ یہ وارث ہوں گے۔ یہی حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اللہ تعالیٰ کی کتاب میں رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں'' (الاحزاب ۶/۳۳) آیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم فرض کیا اور جو فیصلہ فرمایا ہے اس کی رو سے یہ ایک دوسرے کے زیادہ قریبی اور حق دار ہیں۔ یہ حکم تمام رشتہ داروں کو شامل ہے۔

خواہ وہ ذوی الفروض ہوں یا عصبات یا نہ ہوں۔ آیت میراث نے ذوی الفروض اور عصبات کی میراث کو بیان کر دیا ہے تو باقی ماندہ رشتہ دار دوسروں سے زیادہ ترکہ یا باقی ماندہ کے حق دار ہوں گے۔ اس آیت نے بھائی چارے کی میراث کو منسوخ کر دیا جیسا کہ ہجرت مدینہ کے آغاز میں تھا۔ اور اس آیت کے بعد لوگ نسب کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوئے جیسا کہ دارقطنی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''لوگوں کا بھانجا انہی میں شمار ہے'' ❸ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے ''جس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہے اور میں اس کا وارث ہوں جس کا کوئی وارث نہ ہوں اس کی طرف سے دیت ادا کروں گا اور اس کا ❹ وارث ہوں گا اور ماموں اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کی طرف سے دیت دے گا اور اس کا وارث ہوگا'' ❺ اور اس کی دلیل ذوی الارحام کی میراث کے وہ واقعات ہیں جو عہد نبوی، عہد صحابہ اور تابعین میں پیش آئے ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ثابت بن دحداح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہوا، ثابت اجنبی تھے کوئی انہیں پہچانتا نہ تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: کیا تم لوگوں کو ان کا نسب معلوم ہوا؟'' عرض کی: نہیں۔ اللہ کے رسول! تو آپ نے ان کے بھانجے ابولبابہ بن منذر کو بلا بھیجا اور انہیں ان کی میراث دی۔ ❻

اور ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی طرف لکھا سہل بن حنیف جب

---

❶......المبسوط: ۳۰/۲۔۲۷، السراجیۃ: ص ۱۶۳۔۲۰۴، تبیین الحقائق، ۶/۲۴۱۔ ۲۴۳ اللباب ۴/۲۰۰ الدر المختار: ۵۵۹/۵۔۵۶۳، الشرح الصغیر: ۴/۶۳۰ مغنی المحتاج ۳/۷۔۸، کشاف القناع: ۴/۴۷۴، المغنی ۶/۲۲۹۔۲۵۲۔ ❷ نانا کو جد فاسد اور نانی کو جدۂ فاسدہ کہا جاتا ہے۔ ❸ رواہ البخاری ومسلم۔ ❹ قتل خطا کے مقتول کی دیت دینا مراد ہے۔ ❺ رواہ احمد وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ والحاکم وابن حبان وصححہ وحسنہ ابو زرعۃ الرازی واعلہ البیہقی بالا ضطراب وذالک عن المقدام بن معدیکرب (نیل الاوطار: ۶/۶۲) ❻ رواہ سعید بن منصور وابو عبید فی الا موال الا انہ قال: ''ولم یخلف الا ابن اخ لہ، فقضی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میراثہ لا بن اخیہ''۔

کے لئے کیا جائے؟ آپ سے ان کی میراث کے بارے میں پوچھ رہے تھے کیونکہ ان کے رشتہ داروں میں صرف ان کے ماموں تھے
لیٰ عنہ نے انہیں جواباً لکھا: ''جس کا کوئی مولا نہیں اس کا اللہ اور اس کا رسول مولا ہے اور ماموں اس کا وارث ہے
۲۔ تقسیم کا ط ۔'' ❶
کا حصہ نکل آ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اس شخص کے بارے میں جس نے ماں کا چچا اور بھائی وارث
(۲) چھوڑا تھا یہ فیصلہ فرمایا کہ یہ چچا کو دو تہائی اور ماموں کو ایک تہائی دیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے بارے میں فیصلہ فرمایا جس کے رشتہ داروں میں ایک پھوپھی اور ایک خالہ تو آپ نے پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی دیا۔ ان سب سے ذوی الارحام کو میراث دینے کا پتہ چلتا ہے، جس پر متاخرین مالکیہ نے ہجرت کے دو سو سال بعد اعتماد کیا ہے اور متاخرین شافعیہ نے بھی چوتھی صدی ہجری سے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

کیونکہ بیت المال کا انتظام صحیح نہ تھا کیونکہ مستحقین اس سے اپنا حق وصول نہ کر پاتے تھے یوں اس کے اموال اپنے مصارف میں صرف نہ ہوتے تھے۔ اسی کو قانون مصری (م ۲۱۔ ۳۸) اور شامی (م ۲۸۹۔ ۲۹۷) نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ مذاہب اربعہ اور مروج قوانین میں ذوی الارحام کو میراث دینے کا قانون ثابت ہے۔

۲۔ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ..... کا مذہب ہے کہ ذوی الارحام وارث نہیں ہوں گے چنانچہ اگر کسی میت کے ورثا میں کوئی ذی فرض اور عصبہ نہ ہو اور رشتہ دار ہو تو اس کا ترکہ بیت المال کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

یہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن المسیب اور سعید بن جبیر کی رائے ہے اور اسی کو اوزاعی، ابوثور، داؤد اور ابن جریر الطبری نے اختیار کیا ہے۔ ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میراث کی آیتوں میں اصحاب الفروض اور عصبات کے حصوں کا ذکر کیا ہے اور ذوی الارحام کے لئے کسی چیز کا ذکر نہیں کیا۔ اگر ان کا کوئی حق بنتا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بیان فرما دیتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بھولا کرے'' (مریم ۱۹ / ۶۴) اور آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیا ہے'' ❷ اسی طرح آپ علیہ السلام سے پوچھا گیا: آیا پھوپھی اور خالہ وارث ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے جبرائیل نے بتایا ان دونوں کے لئے میراث میں سے کچھ نہیں'' ❸ یہ ملحوظ رہے کہ ان نفی کرنے والے حضرات نے جس حدیث کو دلیل بنایا ہے وہ مرسل ❹ ہے جس سے استدلال نہیں ہوسکتا ہے اگر یہ صحیح روایت ہوتی تو اسے موصول بیان کرتے۔ اس میں اور اثبات کرنے والوں کی روایت میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ پھوپھی اور خالہ کی میراث کی نفی آیت انفال کے نازل ہونے سے پہلے کی ہے ''اللہ کی کتاب میں رشتہ دار آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔'' (الاحزاب ۳۳ / ۶) یعنی پھوپھی اور خالہ کا مقرر حصہ نہیں۔ یا یہ دونوں عصبہ اور ایسے ذی فرض کے ساتھ وارث نہیں ہوتیں جس پر رد ہو، اس لئے کہ ذوی الفروض پر رد ذوی الارحام کی میراث سے مقدم ہے لیکن جن پر رد نہیں ہوتا ان کے ساتھ وارث ہوتی ہیں اور وہ خاوند بیوی ہیں۔

سوم: ذوی الارحام کی قسمیں اور ان کے مراتب..... ذوی الارحام کے لئے مشہور تصنیف اچھے طریقے والی ہے ان کا حصر چار اقسام میں ہے قانون مصری (م ۳۱) اور شامی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

---

❶ رواہ احمد وابن ماجہ والترمذی منہ المرفوع وقال حدیث حسن وھو من حدیث ابی امامۃ بن سھل (نیل الاوطار: ۶ / ۶۲)
❷ رواہ الترمذی وغیرہ۔ ❸ رواہ ابو داؤد فی المرسل۔ ❹ المرسل: جس روایت کو تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کر کے بیان کرے خواہ آپ کا قول، فعل یا تقریر ہو، تابعی صغیر ہو یا کبیر یا جسے صحابی کے علاوہ کوئی مرفوعاً بیان کرے۔

صنف اول......میت کی وہ فرع جس کا تعلق میت سے عورت کے واسطہ سے ہوان کی دو قسمیں ہیں: بیٹیوں کی اولاد، پوتیوں کی اولاد خواہ جہاں تک ہو مذکر اور مونث جیسے نواسی، بیٹی کی پوتی، پوتی کا بیٹا، پوتی کی بیٹی، اسی طرح آگے تک۔

صنف ثانی......میت کے وہ اصول جن کا تعلق میت کے ساتھ عورت کے واسطہ سے ہو۔ خواہ مرد ہوں جن میں نانا شامل ہے، عورتوں کی ماں اور وہ نانی ہے جیسے میت کی ماں کا باپ، ماں کے باپ کا باپ، میت کی ماں کے باپ کی ماں، میت کی ماں کے باپ کی نانی، خواہ سب نانا، نانی کی طرف سے ہوں قریب یا دور کے ہوں خواہ جہاں تک پہنچ جائیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

صنف ثالث......جن کا تعلق میت کے والدین کی فروع سے ہو جن میں بھائی اور بہنیں شامل ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں۔
الف......مطلقا بہنوں کی اولاد جہاں تک پہنچے یعنی خواہ سگی ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک جیسے بھانجا، بھانجی، بھانجی کا بیٹا، بھانجی کی بیٹی اسی طرح آگے تک
ب......مطلقا بھتیجیاں جہاں تک پہنچیں یعنی خواہ سگے بھائیوں کی ہوں یا باپ شریک کی جیسے سگے بھائی کی بیٹی، باپ شریک بھائی کی بیٹی، سگی بھتیجی کا بیٹا یا باپ شریک بھائی کی بیٹی کا بیٹا، اسی طرح آگے تک۔ رہے بھائیوں کے بیٹے تو وہ عصبہ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے۔
ج......ماں شریک بھائیوں کی اولاد جہاں تک پہنچے۔ جیسے ماں شریک بھائی کا بیٹا، ماں شریک بھائی کی بیٹی، باپ شریک بھائی کی پوتی اور باپ شریک بھائی کا پوتا، اسی طرح آگے تک۔

صنف رابع......میت کے اجداد یا جدات میں سے کسی ایک کی فرع جو نہ اصحاب الفروض ہوں اور نہ عصبہ، خواہ قریبی ہوں یا دور کے، اور یہ لوگ استحقاق میں مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق چھ طائفہ بنتے ہیں۔
پہلا......مطلقاً ماں کے چچا اور پھوپھیاں یعنی خواہ سگی ہوں خواہ باپ شریک یا ماں شریک، مطلقاً ماموں اور خالائیں یعنی خواہ سگے ہوں یا باپ شریک یا ماں شریک، رہے ماں باپ کے چچا یا باپ شیرک چچا تو وہ عصبات ہیں۔ (یعنی عینی یا علاتی چچا)
دوسرا......سابقہ طائفہ کی اولاد جہاں تک پہنچے۔ میت کے سگے چچاؤں کی بیٹیاں یا علاتی چچا کی بیٹیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں جہاں تک پہنچیں اور ان خواتین کی اولاد جن کا ذکر ہوا خواہ جہاں تک پہنچے۔
تیسرا......میت کے باپ کے ماں شریک چچا اور پھوپھیاں، اس کے ماموں اور خالائیں سب۔ ان لوگوں کی قرابت باپ کی جہت سے ہے میت کی ماں کے چچا اور پھوپھیاں، اس کے ماموں اور خالائیں اور ان لوگوں کی قرابت ماں کی جہت سے ہے۔
چوتھا......سابقہ طائفہ میں مذکور لوگوں کی اولاد جہاں تک پہنچے۔ میت کے باپ کے سگے چچاؤں یا باپ شریک چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں جہاں تک پہنچیں۔ اور ان سب کی اولاد جہاں تک پہنچے۔
پانچواں......میت کے دادا کے ماں شریک چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں۔ اور میت کی دادی کے چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ان لوگوں کی قرابت باپ کی جہت سے ہے میت کے نانا کے چچا، پھوپھیاں ماموں اور خالائیں، میت کی نانی کے چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ان لوگوں کی قرابت و رشتہ داری ماں کی جہت سے ہے۔
چھٹا......سابقہ طائفہ میں مذکور لوگوں کی اولاد خواہ جہاں تک پہنچے میت کے دادا کے سگے چچاؤں اور باپ شریک چچاؤں کی بیٹیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں جہاں تک پہنچیں اور مذکورہ خواتین کی اولاد جہاں تک پہنچے۔

ذوی الارحام کی اقسام کی ترتیب......ذوی الارحام کی اقسام میراث میں ان کی سابقہ ترتیب کے مطابق ہے جیسے عصبات محضہ یا عصبات بالنفس کی ترتیب ہے۔

صنف اول کو ثانی پر ثانی کو ثالث پر ثالث کو رابع اور اس سے ملحق سے مقدم رکھا جائے گا۔ میت کے چچاؤں اور ماموؤں کو اس کے باپ دادا کے چچاؤں اور ماموؤں سے مقدم رکھا جائے گا۔

یہ بالکل وہی ترتیب ہے جو عصبات بالنفس میں ہے جیسے وہاں کوئی باپ کے عصبہ اور بعد والوں کی وجہ سے اس وقت تک وارث نہیں ہوسکتا جب تک بیٹے ہونے کی جہت سے کوئی ہو اسی طرح یہاں ہے۔ اسے ان کے نزدیک ''تقدیم بالجھۃ'' کا نام دیا جاتا ہے یعنی فرع کی جہت، اصل کی جہت سے مقدم ہے اور یہ اخوۃ کی جہت سے اور یہ چچا اور ماموں ہونے کی جہت سے مقدم ہے۔ جب کسی جہت کا کوئی شخص پایا جائے گا وہ زوجین میں سے ایک کے فرض کے بعد سارے مال کا مستحق ہوگا۔ اور دو یا دو سے زیادہ شخص پائے جائیں تو اس وقت ہر صنف کی علیحدہ تفصیل کی ضرورت ہوگی۔

اصناف کی ترتیب پر مثالیں:

ا۔نواسی اور نانا......مال نواسی کو ملے گا کیونکہ وہ میت کی فرع ہے اور پہلی صنف ہے اور یہ صنف نانا سے مقدم ہے اس لئے کہ وہ صنف ثانی سے تعلق رکھتا ہے۔

۲۔نانا اور بھانجی......مال نانا کو ملے گا اس لئے کہ اس کا تعلق صنف ثانی سے ہے اس لئے اسے بھانجی سے مقدم رکھا گیا کیونکہ وہ صنف ثالث سے ہے۔

۳۔بھانجی اور اخیافی چچا......مال بھانجی کو ملے گا کیونکہ وہ صنف ثالث سے تعلق رکھتی ہے اسے حقیقی چچا سے مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ اس کا تعلق صنف رابع سے ہے اسی طرح باقی اصناف۔

چہارم: ذوی الارحام کی توریث کے قواعد......ذوی الارحام کی توریث کے تین طریقے یا تین مذاہب ہیں۔

مذہب اول: اہل رحم کا طریقہ......اسے مذہب التسویہ بھی کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ترکہ کی تقسیم میں ذوی الارحام میں برابری رکھی جائے۔

دینے میں قریب بعید، مذکر اور مونث کا فرق نہ ہو، اور نہ یہ فرق ہوتا ہے کہ کون صنف اول سے یا صنف رابع ہے اور نہ مذکر اور مونث ہونے میں فرق کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سب رشتہ دار ہونے کے ناتے سے میراث کے مستحق ہوتے ہیں اور یہ صفت سب میں ہے۔ چنانچہ اگر میت کے ورثا میں نواسہ، بھتیجی اور چچا زاد ہو تو مال ان میں تین تہائیوں میں تقسیم کردیا جائے گا۔ اور جس کے ورثاء میں نواسی، پھوپھی زاد کا نواسہ ہو تو ترکہ دونوں کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کردیا جائے گا اگرچہ نواسی میت کے پھوپھی زاد کے نواسے سے زیادہ قریبی ہے۔ فقہاء کے ہاں یہ طریقہ متروک ہو چکا ہے کیونکہ یہ معقول سے بعید ہے اور میراث کے بنیادی شرعی اصولوں کے مخالف ہے اس کے قائل صرف دو شخص ہیں: حسن بن میسر اور نوح بن ذراح۔ ❶

❶......المبسوط السرخسی: ۴/۳۰۔

مذہب ثانی: اہل تنزیل کا طریقہ...... یہ انہیں ان کے اصول کی جگہ اتار کر وارث قرار دیتے ہیں وہ اصول جو اصحاب فروض اور عصبات ہوں۔ یوں ترکہ میں سے ان کا حصہ جمع کرلیں گے۔ جیسے اگر وہ اصول زندہ ہوتے تو وہی وارث ہوتے۔ پھر ہم ان میں سے ہرایک کا حصہ ذوی الارحام میں سے اس کی فروع کو دیں گے''المذکر مثل حظ الانثیین'' کے اصول کے تحت چنانچہ نواسہ کو بیٹی کی طرح، بھتیجے کو بھائی کی طرح اور چچازاد کو چچا کی طرح قرار دیا جاتا ہے لہٰذا جس کے ورثا میں نواسی، بھتیجی اور ایک چچازاد بہن ہو تو یہ فرض کیا جائے گا گویا میت کے ورثا میں بیٹی بھائی اور چچا ہے۔ مال کو صرف بیٹی اور بھائی کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔ رہا چچا تو بھائی کے ہوتے ہوئے اسے کچھ نہیں ملے گا۔ یوں نواسی کو اس کی ماں کا حصہ نصف بطور فرض دیا جائے گا اور بھتیجی کو اس کے باپ کا حصہ نصف بطور عصبہ دیا جائے گا۔ اس قاعدہ سے ماموں اور خالاؤں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اس لئے کہ انہیں ماں کے درجہ میں رکھا جاتا ہے اسی طرح حقیقی، چچا اور پھوپھیاں باپ کے درجہ میں ہوتی ہیں۔

جس کے پسماندگان میں خالہ اور پھوپھی ہو تو خالہ کو ماں کے درجہ میں ہونے کی وجہ سے تہائی ملے گا اور پھوپھی کو باپ جو باقی وصول کرتا ہے کی جگہ ہونے کی بنا پر دو تہائی ملے گا، اس طریقہ کے قائلین، علقمہ، مسروق اور شعبی تابعین میں سے اور احناف کے علاوہ حضرات میں وہی قول معتمد ہے۔ البتہ حنابلہ ذوی الارحام مردوں اور عورتوں کو برابر قرار دیتے ہیں اور تعلق والے صاحب فرض یا عصبہ کا حصہ ذوی الارحام وارث کو دیتے ہیں۔ مرد و عورت اس میں برابر ہیں اگر ایک جہت سے ہوں جیسے پھوپھی زاد بھائی اور پھوپھی زاد بہن، ان میں تقسیم برابری سے ہوگی مذکر کو مؤنث پر کوئی فضیلت نہیں۔

اہل تنزیل کی دلیل...... یہ ہے میراث میں استحقاق کی نسبت کو رائے سے ثابت کرنا ممکن نہیں۔ اور ہمارے پاس ترکہ میں ان کے حصہ کے بارے میں کوئی نص یا اجماع نہیں۔ لہٰذا ہمارے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ ہم مدلی (نسبت والے یعنی فرع) کو مدلی بہ (جس کے ساتھ نسبت ہو یعنی اصل) کی جگہ پر رکھیں اور اس کا حصہ دیں۔ ان کی رائے کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس شخص کے بارے میں مروی ہے جس کے ورثاء میں نواسی اور بھانجی ہو کہ مال ان دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہو جائے گا۔ اس واسطے کہ اگر بیٹی اور بہن بقید حیات ہوتیں تو وہ اسی طرح مال کو آپس میں بانٹ لیتیں۔ لہٰذا ان دونوں میں سے ہرایک کی بیٹی کو اس کا حصہ دے دیا گیا۔

مثال ایک شخص کا انتقال ہوا ورثاء میں، نواسہ، پوتی، کی بیٹی، سگی بھانجی اور باپ شریک بہن (علاتی) کی بیٹی ہے مسئلہ (۶) سے ہوگا کیونکہ ہم نے یہ فرض کرنا ہے کہ اس شخص کے ورثاء میں بیٹی، پوتی، سگی بہن اور علاتی بہن ہے۔

بیٹی کو نصف...... (۳) پوتی کو سدس (۱) اور سگی بہن کو باقی ملے گا دو سہم اور علاتی بہن کو کچھ نہیں ملے گا۔ ہرایک کا حصہ اس کی اولاد کو دیا جائے گا۔ جسے وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔ گویا وہ انہیں چھوڑ مری ہیں۔

مذہب ثالث: اہل قرابت کا طریقہ...... یہ احناف کا مذہب ہے اسی کو قانون مصری (م ۳۲۔۳۸) اور شامی (م ۲۹۱۔۲۹۷) نے اختیار کیا ہے: یہ حضرات عصبات کی طرح ذوی الارحام کو وارث قرار دیتے ہیں۔ یعنی میت کی قریب، اور قریب ترکی ترتیب سے۔ ان کا یہ نام اس وجہ سے ہے کہ یہ میراث میں زیادہ قریبی کو مقدم رکھتے ہیں جو قرابت میں اس کے قریب ہو عصبات پر قیاس کرتے ہوئے یعنی جیسے عصبات میں ہوتا ہے قرب درجہ کی وجہ سے میراث دی جائے گی۔

علماء فرماتے ہیں: اہل تنزیل کا مذہب، اہل قرابت کے مذہب سے زیادہ قرین قیاس ہے اور مذہب اہل قرابت زیادہ قوی ہے اسی

بنا پر احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے۔ مذکورہ قانون نے تقسیم کے لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے کو اختیار کیا ہے کیونکہ مذہب میں اسی پر فتویٰ ہے اس لئے کہ یہ واضح قول ہے۔

نیز یہ آسان ہے اگر چہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول زیادہ صحیح ہے۔

لہٰذا سابقہ مثال میں اہل تنزیل کے طریقہ کے مطابق.....اہل قرابت کے طریقہ کے مطابق سارا مال نواسے کو ملے گا۔ عصبات میں تقدیم کا طریقہ ذوی الارحام میں منطبق ہوتا ہے لہٰذا پہلے جہت کی وجہ سے پھر درجہ کی وجہ سے پھر قوت کی وجہ سے تقدیم ہوگی۔ البتہ جب اصول مذکر مونث ہونے میں مختلف ہوں تو اس صورت میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کی رائے مختلف ہے۔

ان حضرات کی دلیل.....میت کی طرف نسبت کی وجہ سے ذوی الارحام عصبات ہیں۔

فرق صرف یہ ہے کہ اگر یہ مذکر ہوتے تو حقیقی عصبہ ہوتے اور اب چونکہ ان میں اور میت کے درمیان عورت واسطہ ہے اس لئے یہ حکماً عصبات ہیں۔ اور عصبات کی ترتیب میں ہم نے قوت قرابت کی حقیقت کا اعتبار کیا ہے۔ اس لئے بنوت (بیٹا یعنی اولاد ہونے) کو ابوت (باپ ہونے) سے مقدم رکھا ہے پھر اسے اخوت سے مقدم رکھا ہے اسی طرح عصبات حکمی کی ترتیب ہونی چاہئے۔ ان حضرات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کے بارے فیصلہ فرمایا، جس نے ورثاء میں، نواسی اور بھانجی چھوڑی کہ سارا مال نواسی کا ہے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ آپ ذوی الارحام میں قوت قرابت کی ترجیح کی قائل تھے۔

اگر آپ کی رائے اہل تنزیل جیسی ہوتی تو آپ یہ فیصلہ فرماتے کہ مال دونوں میں نصف نصف تقسیم کیا جائے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

توریث میں اہل قرابت کے قاعدہ کا بیان.....ذوی الارحام کی توریث کی تکمیل مندرجہ ذیل اصولوں کے مطابق ہوتی ہے۔[1]

۱.....اگر میت نے ذوی الارحام میں سے صرف ایک شخص چھوڑا ہو تو وہ سارا مال سمیٹ لے گا خواہ وہ جس صنف سے ہو، مرد ہو یا عورت، چنانچہ جب کے پسماندگان میں خاوند اور ایک چچازاد بہن ہو تو خاوند کو نصف ملے گا۔

اور باقی ماندہ، چچازاد کو دیا جائے گا جو نصف بنتا ہے، خاوند پر کچھ رد نہیں ہوگا۔

یہاں تک کہ قانون میں بھی یہی حکم ہے کیونکہ ذی رحم موجود ہے اور جس سے ورثا میں بیوی اور ایک بھتیجی ہو تو بیوی کو چوتھائی ملے گا اور ایک ذی رحم کی وجہ سے بیوی پر رد نہیں ہوگا اور اس بھتیجی کو باقی ماندہ ترکہ ۴/۳ ملے گا۔

۲.....ذوی الارحام وارث ہوں گے اس طرح کہ مرد کو عورت کا دوگنا ملے گا اگر وہ ماں شریک بھائی (حقیقی) کی اولاد ہوں۔

۳.....جب ذوی الارحام کی کئی اصناف موجود ہوں تو صنف اول کو ثانی پر ثانی کو ثالث پر اور ثالث کو رابع پر ترجیح دی جائے گی بالکل وہی ترتیب جو عصبات میں ہے اور یہی جہت کی وجہ سے تقدیم ہے۔ اور جس کے ورثا میں نواسی اور نانا ہو تو سارا مال نواسی کو ملے گا اس واسطے کہ وہ میت کی فروع میں سے ہے اور میت کی فروع، اصل سے مقدم ہوتی ہے۔

اور جس کے ورثا میں نانا اور سگی بھتیجی ہو تو سارا مال نانا کو ملے گا کیونکہ وہ صنف ثانی (میت کے اصول) سے تعلق رکھتا ہے جسے اس کے والدین کی فروع سے مقدم رکھا جائے گا۔ اور جس کے ورثاء میں بھتیجی اور حقیقی چچا اور سگی پھوپھی ہو تو سارا مال بھتیجی کو ملے گا کیونکہ اس کا تعلق صنف ثالث (میت کے والدین کی فرع) سے ہے جسے صنف رابع سے مقدم رکھا جائے گا۔

---

[1].....احکام المواریث للدکتور مصطفی السباعی: ص ۱۴۲۔۱۶۳، نظام المواریث للاستاذ عبدالعظیم فیاض: ص ۱۹۴ پر احکام المواریث للاستاذ عیسوی: ص ۱۳۳۔

اور جس کا ورثا میں پوتی کا بیٹا اور جد (ماں کا دادا) ہو تو سارا مال پہلے وارث کو ملے گا کیونکہ وہ صنف اول سے ہے۔

۴.....اگر سارے ذوی الارحام وارث صنف واحد سے تعلق رکھتے ہوں تو ان کی توریث مندرجہ ذیل قواعد کی بنا پر ہوگی!

صنف اول کی توریث کے قواعد:

۱۔درجہ کی وجہ سے تقدیم......میراث میں اس شخص کو مقدم رکھا جاتا ہے جو درجہ کے اعتبار سے میت کے زیادہ قریب ہو، چنانچہ اگر میت کے ورثاء میں نواسہ اور پوتی کا بیٹا ہو تو سارا مال پہلے وارث کو ملے گا کیونکہ وہ درجہ میں دوسرے سے زیادہ قریب ہے۔

۲۔صاحب فرض یا عصبہ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے تقسیم (تقدیم بالوارث)......اگر ورثاء درجہ میں برابر ہوں تو اسے مقدم رکھا جائے گا جو صاحب فرض یا عصبہ کے ساتھ نسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ اگر میت کے ورثاء میں پوتی کی بیٹی اور نواسی کا بیٹا ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ وہ سدس پانے والی کی بیٹی ہے اس لیے مقدم ہوگی۔

۳۔مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا......اگر درجہ میں سب برابر ہوں۔ اور صاحب فرض سے نسبت میں بھی برابر ہوں یا سارے ذی رحم سے نسبت رکھتے ہوں تو مال ان کے درمیان ''للذکر مثل حظ الانثی'' کے تحت تقسیم ہوگا۔ یہ امام ابو یوسف کے رائے ہے اور احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے اور قانون نے بھی اسے اختیار کیا ہے جس کے ورثاء میں نواسی کا بیٹا اور نواسی کی بیٹی ہو تو میراث ان دونوں کے درمیان تین تہائیوں میں تقسیم ہوگی دو تہائی پہلے کے لئے اور ایک تہائی دوسری کے لئے اس لئے کہ دونوں درجہ اور ذی فرض سے نسبت میں برابر ہیں۔ اور جس کے ورثاء میں نواسے کی بیٹی اور نواسی کی بیٹی (کنواسی) ہو تو مال دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا اس لئے کہ دونوں وارث درجہ اور ذی رحم سے نسبت میں برابر ہیں۔

اور امام محمد رحمہ اللہ...... کے نزدیک مال تقسیم سب سے پہلے اس درجہ میں ہوگی جس میں ذکورت وانوثت (مذکر مونث) کا اختلاف واقع ہوا ہے جو مال ہر اصل کو ملے گا وہ اس کی فرع کو دیا جائے گا اس لئے کہ اس کے بعد اختلاف نہیں ہوتا۔

جیسا کہ مذکورہ مثال میں ہے۔ لہٰذا اول یعنی نواسی کے بیٹے کو اس کی ماں کا حصہ ایک سہم دیا جائے گا اور دوسری کو یعنی نواسے کی بیٹی کو اس کے باپ کا حصہ دو سہم دیئے جائیں گے۔ اور اگر ان کی اولاد میں اختلاف ہو تو مال کی تقسیم مذکورہ طریقہ سے ہوگی۔ پھر مردوں کا ایک طائفہ اور عورتوں کا ایک طائفہ بنالیا جائے گا۔ اور وہ اصل سے صفت اور فرع سے عدل لے گا۔

جب تعداد میں کئی ہوں: مثال......نواسی کے دو نواسے، نواسی کی پوتی، اور نواسے کی دو نواسیاں۔ تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک مال کو فروع میں سات حصوں میں تقسیم کرلیا جائے گا جس میں ذکورت وانوثت کا اعتبار ہے۔

اس لئے کہ دو بیٹے چار بیٹیوں کی طرح ہیں اور ان کے ساتھ تین اور بیٹیاں ہیں مجموعہ گویا سات بیٹیاں ہوگیا۔ ہر بیٹی کا ایک سہم اور ہر بیٹے کے دو سہم۔ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پہلے درجہ میں اختلاف واقع ہونے کی بنا پر مال تقسیم کیا جائے گا۔ جو مذکورہ مثال میں بطن ثانی ہے تو فروع کی تعداد کے لحاظ سے مال ان دونوں میں سات حصوں میں تقسیم ہوگا درجہ ثانیہ میں پہلی بیٹی دو بیٹیوں کی طرح ہے کیونکہ ان کی فرع متعدد ہے جب کہ درجہ ثانیہ میں دوسری بیٹی اپنی حالت پر رہے گی کیونکہ اس کی فرع متعدد نہیں، اور درجہ ثانیہ میں بیٹا دو بیٹوں کی طرح ہے کیونکہ اس کی فرع متعدد ہے وہ چار بیٹیوں کی طرح ہے اس کے لئے ۴ ہے اور پہلی اور دوسری بیٹی کے لئے تین ہے۔ پھر مردوں کو ایک طائفہ بنالیا جائے گا۔ اور عورتوں کو الگ طائفہ بنالیا جائے گا لہٰذا نواسے کے سات میں سے چار حصے اس کی دونوں نواسیوں کو

---

❶.....احکام المواریث للدکتور مصطفیٰ السباعی: ص ۱۴۲۔۱۶۳، نظام المواریث للاستاذ عبدالعظیم فیاض: ص ۱۹۴ احکام المواریث للاستاذ عیسوی: ص ۱۳۳۔

دیئے جائیں گے، کیونکہ اختلاف نہیں۔ اور درجہ ثانیہ میں دو بیٹیوں کے سات میں سے تین حصے درجہ ثالث میں ان کے دونوں بیٹوں کو نصف نصف دیئے جائیں گے۔ کیونکہ بیٹی دو بیٹیوں کی طرح ہے اس لئے کہ اس کی فرع متعدد ہے یوں وہ بیٹے کے برابر ہوگئی۔

پھر ہر ایک کا حصہ اس کی فرع کو دیا جائے گا۔ اور تصحیح (۲۸) سے ہوگی کیونکہ مسئلہ کی اصل (۷) ہے۔ بیٹے کو بطن ثالث میں ساڑھے سات حصے ملے اور بیٹی کو جو بطن ثالث میں دو بیٹیوں کی طرح ہے کیونکہ اس کی فرع متعدد ہے ساڑھے تین حصے ملے۔ تو ہم نے کسر کے مخرج (۲) کو اصل مسئلہ سے ضرب دی مبلغ (۱۴) ہوا، ہم نے ہر ایک کا حصہ اس کی فرع کو دے دیا۔ اس طرح نواسی کی پوتی نے سات میں سے تین حصے وصول کئے اور ہم نے نواسی کی بیٹی کا حصہ اس کے دونوں بیٹوں کو دیدیا جو تقسیم نہیں ہورہا تو ان دونوں کے عدد رؤس کو (۱۴) سے ضرب دی مبلغ (۲۸) ہوا اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ نواسے کی دونوں نواسیوں کو تہائی (۱۶) اور نواسی کی پوتی کو (۶) اور نواسی کے دونوں نواسوں کو (۶) ہر ایک کو تین۔

۴۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے اور قانون میں دو جہتوں کی نسبت کا شمار نہیں...... اس لئے کہ قرابت کی جہت جو بنوت (بیٹا ہونا) ہے ایک ہے اور وہ ایک جہت ہے وارث میں رہا ہے ذوی الارحام میں کئی جہات کا اعتبار نہیں۔ رہا غیر ذوی الارحام میں تو وارث دونوں جہتوں سے وارث ہوتا ہے جیسے کسی خاتون کے ورثا میں ماں اور اس کا وہ خاوند جو چچا زاد بھی ہو۔ تو ماں تہائی لے گی اور خاوند نصف فرض اور سدس عصبہ ہونے کی وجہ سے لے گا کیونکہ وہ چچا زاد ہے۔

رہا وہ شخص جس کے ورثاء میں نواسہ، نواسے کا بیٹا ہو وہ بھی نواسی کا بیٹا ہو تو ترکہ ان دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔ ابن ثانی کی متعدد جہات کا اعتبار نہیں۔ اور امام محمد رحمہ اللہ متعدد جہات کا اعتبار کر کے ان کے ذریعہ وارث قرار دیتے ہیں۔ اور یہ اعتبار اس اعلیٰ جہت میں ہے جس میں ذکورت وانوثت کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ اصل کو صفت کے ساتھ موصوف اور فرع کے تعدد کے ساتھ متعدد بنایا جاتا ہے۔ اور مال اس درجہ ثانیہ میں تقسیم کیا جاتا ہے جس میں اختلاف واقع ہوا ہے اور اس میں دو بیٹے ہیں ان میں سے ایک دو بیٹوں کی طرح ہے ایک باپ کی جانب سے اور ایک ماں کی طرف سے اور بیٹی دو بیٹیوں کی طرح، ایک باپ کی جہت سے اور ایک ماں کی جانب سے۔ تو ان میں مال ۴ سے تقسیم ہوگا۔ پہلے بیٹے کو ایک سہم اور دوسرے بیٹے کے دو سہم کیونکہ وہ دو بیٹوں کی طرح ہے اور بیٹی کا ایک سہم ہے کیونکہ وہ دو بیٹیوں کی طرح ہے اور مردوں کو ایک طائفہ بنایا جائے گا اور عورتوں کو ایک طائفہ۔ یوں بیٹے کا حصہ (۲) اس کے بیٹے کی طرف اور بیٹی کا حصہ (۱) وہ بھی اس کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اس طرح اس کے پاس تین چوتھائی مکمل ہو جائیں گے ایک چوتھائی ماں کی جانب سے نصف باپ کی جانب سے۔ اور نواسے کے بیٹے کو اس کے باپ کا حصہ چوتھائی ملے گا۔ بہرکیف امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ مردوں کو ایک طائفہ اور عورتوں کو ایک طائفہ بنا کر ہر طائفہ کی صفات کے مطابق ان کا حصہ ان کی فروع کو دیا جائے گا۔

صنف ثانی کی توریث کے قواعد...... یہ بالکل صنف اول کی توریث کے قواعد ہیں۔ جہت کے متعدد ہونے اور جانب کے مختلف ہونے کی وجہ سے توریث کے ساتھ۔

۱۔ تقدیم بالدرجہ...... جب اس صنف کے لوگ زیادہ ہوں تو جس کا درجہ میت کے زیادہ قریب ہو اسے مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ جب ورثاء میں نانا اور باپ کا نانا ہو تو سارا مال پہلے کو ملے گا اس لئے کہ وہ درجہ کے اعتبار سے میت کے زیادہ قریبی ہے۔

۲۔ صاحب فرض یا عصبہ سے نسبت کی وجہ سے تقدیم (بالوارث)...... جب درجہ میں برابر ہوں تو جس کا تعلق میت

سے صاحب فرض یا عصبہ کی وجہ سے ہو اسے ذی رحم سے نسبت رکھنے والے سے مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں نانی کا نانا اور نانے کا نانا، ہو تو سارا مال پہلے کو ملے گا اس لئے کہ اس کا تعلق صاحب فرض جدہ پڑنانی کی وجہ سے ہے جب کہ دوسرے کا تعلق ذی رحم کی وجہ سے ہے جو ماں کی دادی ہے۔

۳۔ مرد کو عورت کا دوہرا حصہ..... جب یہ لوگ درجہ اور صاحب فرض سے نسبت یا ذی رحم سے تعلق میں برابر ہوں تو دیکھا جائے۔

الف..... اگر سب باپ کی جانب سے یا ماں کی جانب سے ہیں تو میراث میں شریک ہوں گے مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں دادے کا نانا اور دادی کا نانا ہو تو مال دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا کیونکہ یہ دونوں قریب درجہ میں اور فرض والی دادی کی وجہ سے نسبت میں برابر ہیں۔ پہلے میں دادا کی ماں اور دوسرے میں باپ کی نانی اور دونوں ایک جانب باپ سے ہیں۔

ب..... اور اگر درجہ اور نسبت میں برابر اور جانب میں مختلف ہوں۔ بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے تو باپ کی قرابت کے لئے دو تہائی اور ماں کی قرابت کے لئے ایک تہائی ہوگا۔ جس کے ورثاء میں جدۃ دادی کی دادی اور دوسری جدہ نانا کی دادی ہو تو مال دو جدات میں تہائیوں میں تقسیم ہوگا۔ دو تہائی پہلی کے لئے کیونکہ وہ میت کی جدہ اس کے باپ کی جانب سے ہے اور ایک تہائی دوسری کے لئے کیونکہ وہ اس کی ماں کی جانب سے اس کی جدہ ہے۔ دونوں رشتہ دار جدہ میں درجہ اور ذی رحم سے نسبت میں برابر ہیں۔

۴۔ کئی جہات کا ہونا..... تینوں ائمہ احناف کی رائے میں قرابت کی جہت کے تعدد کا اعتبار ہے اور قانون میں جانب قرابت کے تعدد کے وقت صنف اول میں مذکور قاعدہ کے خلاف کیونکہ اس میں تعدد جانب نہیں رہا اس صنف میں تو اگر قرابت کا تعدد باپ اور ماں کی جانب سے ایک ہی وقت میں پیدا ہو تو یہاں ذی رحم باپ کی قرابت کی جہت کی وجہ سے وارث ہوگا اور ساتھ ہی ماں کی قرابت کی جہت سے وارث ہوگا۔ جیسا کہ آئندہ دو مثالوں میں ہے۔

الف..... میت کے ورثا میں علاتی ماموں ہے اور اسی وقت وہ ماں خیفی چچا بھی ہے اور ایک اور خیفی، چچا اور ایک اور علاتی ماموں ہے۔ تو پہلے ماموں دو مختلف جانبوں سے قرابت کی دو جہتیں ہیں۔ ماں کی جانب سے وہ میت کا قریبی ہے کیونکہ علاتی ماموں ہے اور باپ کی جہت سے بھی اس کا قریبی ہے کیونکہ اس کا خیفی چچا ہے اب بھلا ہم اسے دوسرے چچا اور دوسرے ماموں کے ساتھ دو جہتوں یا ایک جہت کی وجہ سے وارث قرار دیں؟

قانون مصری (م ۳۷) اور شامی (م ۲۹۷/ ۳) اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ وہ دو جہتوں کی وجہ سے وارث ہوگا کیونکہ قرابت کی جانب مختلف ہے اور ترکہ کو یوں تقسیم کیا جائے گا۔ گویا مسئلہ میں دو خیفی چچا اور دو علاتی ماموں ہیں چچاؤں کے لئے دو تہائی اور ماموؤں کے لئے ایک تہائی۔ پہلا ماموں دوسرے ماموں کو تہائی میں شریک کرے گا۔ اس کے لئے اس کا نصف یعنی سدس ۶/ ۱ اور وہ اسی طرح دوسرے چچا کا دو تہائی میں شریک ہوگا اس کے لئے ان دونوں کا نصف ہے یعنی دو سدس ۶/ ۲۔ اس طرح اس کے لئے آدھا ترکہ ہو جائے گا سدس تو ماموں ہونے کے ناتے اور تہائی چچا ہونے کی بنا پر دوسرے ماموں کے لئے صرف سدس ہے اور دوسرے چچا کے لئے صرف تہائی ہے۔

ب..... میت کے ورثاء میں پھوپھی زاد بھائی ہے جو دوسرے رشتے سے اس کا سگا ماموں زاد بھی ہے اور ایک سگی ماموں زاد بہن ہے ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ پھوپھی زاد کی میت سے قرابت کی دو جہتیں ہیں اور دو مختلف جانبوں سے ایک باپ کی جانب سے اور دوسری ماں کی طرف سے اب یہ دو جہتوں کی وجہ سے وارث ہوگا یا ایک جہت سے؟

سابقہ دونوں قانون اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک دونوں جہتوں کی وجہ سے وارث ہوگا اور اس کا مسئلہ میں ترکہ کی تقسیم اس

طرح ہوگی گویا میت کے ورثا میں ایک پھوپھی زاد بھائی اور ایک سگا ماموں زاد اور ایک سگی ماموں زاد بہن ہے اب پھوپھی زاد بھائی باپ کی طرف سے قرابت کی بنا پر دو تہائی وصول کرے گا۔ اور ماموؤں کی تہائی میں سے دو تہائی وصول کرے گا کیونکہ وہ ماں کے قرابت دار ہیں اور دوسرے تہائی کا تہائی سگی ماموں زاد کو دیا جائے گا۔ یوں پھوپھی کا حصہ ۹/۶ چچاؤں کا حصہ۔ ۹/۲۔ ماموؤں کا حصہ ۹/۸ اور سگی ماموں زاد کا حصہ ۹/۱ ہے اس اعتبار سے کہ مرد کا حصہ عورت کا حصہ۔ ہے۔

اس صورت میں دونوں مذکورہ قوانین نے تعدد جہات کا اعتبار نہیں کیا جیسا کہ صنف اول کی مثالوں میں ہے جب جانب مختلف نہ ہو امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی یہ پہلی روایت پر عمل کرتے ہوئے۔ اور جہاں جانب مختلف ہو وہاں تعدد جہات کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ اس صنف کی مثالوں میں ہے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے مروی دوسری روایت پر عمل کرتے ہوئے۔ اور یہ باقی آئمہ احناف کی رائے ہے۔ ❶

صنف ثالث کی توریث کے قواعد...... یہ صنف ماں شریک بھائیوں کی اولاد اور مطلقا بہنوں کی اولاد اور سگے اور باپ شریک بھائیوں کی بیٹیوں کو شامل ہے اور ان کی توریث کے قواعد فی الجملۃ سابقہ دو صنفوں کے قواعد جیسے ہیں۔

ا۔ درجہ کی وجہ سے تقدیم...... جب درجہ قرابت میں مختلف ہوں تو وہ میراث کا زیادہ حق دار ہے جو درجہ میں میت کے زیادہ قریب ہو چنانچہ جس کے ورثاء میں بھانجی اور بھائی کا نواسہ ہو تو ساری میراث بھانجی کو ملے گی کیونکہ وہ دوسرے سے زیادہ قریبی درجہ والی ہے۔

۲...... وارث کی وجہ سے تقدیم...... اور اگر درجہ میں برابر ہوں اور بعض کی نسبت عصبہ کی وجہ سے اور بعض کی ذی رحم کی وجہ سے ہو تو عاصب کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد سے مقدم کیا جائے گا جیسے سگے بھائی کی پوتی یا باپ شریک بھائی کی پوتی اور سگے یا باپ شریک بھائی کا نواسہ ہو تو میراث بھائی کی پوتی کو ملے گی۔ کیونکہ اس کی نسبت عاصب کی وجہ سے ہے جب کہ دوسرا ایسا نہیں۔ اس لئے کہ اس کی نسبت ذی رحم کی وجہ سے ہے۔

۳۔ قوت قرابت کی وجہ سے تقدیم...... اگر درجہ اور نسبت میں برابر ہوں، اس طرح کہ سب عصبات کی اولاد ہوں جیسے سگے بھائی کی بیٹی اور باپ شریک بھائی کی بیٹی، یا اصحاب الفروض کی اولاد ہوں جیسے باپ شریک بہن کی بیٹی اور ماں شریک بھائی کا بیٹا، یا ذوی الارحام کی اولاد ہوں جیسے سگے بھائی کی نواسی اور باپ شریک بھائی کی نواسی، یا کوئی عصبہ کی اولاد ہو اور کوئی صاحب فرض کی، جیسے سگے بھائی کی بیٹی اور ماں شریک بھائی کی بیٹی۔

تو اس صورت میں قوی قرابت والے کو مقدم کیا جائے گا یہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہے لہٰذا جس کی اصل عینی ہوا سے اس سے مقدم رکھا جائے گا جس کی اصل علاتی ہو اور علاتی اصل والے کو خیفی اصل والے سے مقدم رکھا جائے گا۔

چنانچہ جس کے ورثاء میں سگے بھائی کی بیٹی اور باپ شریک (علاتی) بھائی کی بیٹی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ اس کی قرابت زیادہ قوی ہے باوجود یہ کہ دونوں درجہ، قرب اور عصبہ کے ساتھ نسبت میں برابر ہیں۔ اور جس کے ورثا میں باپ شریک بھائی کی بیٹی اور ماں شریک بھائی کی بیٹی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ اس کی قرابت زیادہ قوی ہے۔

۴۔ مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ...... اگر قرابت میں برابر ہوں تو مال ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' کے تحت تقسیم

❶...... السراجیۃ : ص ۱۸۱۔

ہوگا اگر چہ ماں کی اولاد کی فروع سے ہوں۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں ماں شریک بھائی کی دو بیٹیاں اور ماں شریک بھائی کا بیٹا ہو تو مال ان میں نصف نصف مشترک ہوگا۔ دونوں بیٹیاں نصف لیں گی اور بیٹا نصف وصول کرے گا کیونکہ یہ صنف درجہ اور قوۃ قرابت میں برابر ہیں۔
یہ ملحوظ رہے کہ ماں کی اولاد فریضہ کی میراث میں نصِ قرآنی کی وجہ سے مساوی ہیں۔ لیکن ذوی الارحام کی توریث میں ان پر عام قاعدہ منطبق ہوگا۔ اور مرد کے لئے عورت کا دوگنا حصہ ہے یہی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے ہے اور اسی کو قانون مصری اور شامی نے اختیار کیا ہے اس لئے کہ ان کی برابری کے بارے میں کوئی نص نہیں۔
اور امام محمد رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اخیافی بہن بھائیوں پر وہی اصول منطبق ہوگا جو ان کے والدین پر تھا اور وہ مذکر مونث کے درمیان برابری ہے لہٰذا سابقہ مثال میں مال کی تقسیم تہائیوں میں ہوگی ہر بیٹی کو تہائی ملے گا اور بیٹے کو تہائی دیا جائے گا۔

صنف رابع کی توریث کے قواعد...... یہ وہ لوگ ہیں جن کی نسبت میت کے دونوں جدوں (دادا نانا) اور دونوں جدات (دادی نانی) کی طرف ہو خواہ یہ قریبی ہوں یا بعیدی۔ لہٰذا یہ دادا، نانا، دادی اور نانی اور مطلقاً پھوپھیوں کو شامل ہے خیفی چچا اور مطلقاً ماموؤں اور خالاؤں کو شامل ہے۔
ان کی توریث کے قواعد مندرجہ ذیل ہیں۔ ❶

۱۔ درجہ کی وجہ سے تقدیم یا مافوق المرتبہ کا حجب...... اس صنف کے مراتب میں سے ہر مرتبہ اپنے تمام طبقات کے ساتھ مافوق کے تمام مراتب کو جمیع طبقات کے ساتھ محجوب کر دیتا ہے چنانچہ میت کے چچا پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں میت کے باپ کے حقیقی، چچاؤں اور باپ کی پھوپھیوں باپ کے ماموؤں اور خالاؤں اسی طرح اوپر کے رشتہ داروں کو محجوب کر دیں گے۔
اور میت کے خیفی، چچا کی اولاد اور اس کی پھوپھی، ماموں اور خالہ کی اولاد اس کے باپ کے خیفی چچاؤں کی اولاد باپ کی پھوپھی کی اولاد باپ کے ماموں کی اولاد اور باپ کی خالہ کی اولاد کو اسی طرح محجوب کر دے گی۔
چنانچہ جس کے ورثاء میں پھوپھی اور باپ کی پھوپھی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا اس لئے کہ وہ درجہ کے اعتبار سے زیادہ قریبی ہے۔
اور جس کے ورثاء میں پھوپھی زاد اور باپ کی چچا زاد ہو تو مال پہلی کا ہوگا۔

۲۔ جہت میں قوت قرابت کی وجہ سے تقدیم...... جب مرتبہ میں برابر ہوں اور متعدد اور ہوں بھی سارے صرف باپ کی جانب سے جیسے پھوپھیاں یا صرف ماں کی جانب سے جیسے خالائیں، تو خواہ مرد ہو یا عورت جس کی قرابت مضبوط ہوگی اسے مقدم رکھا جائے گا۔
چنانچہ جس کے ورثاء میں عینی پھوپھی اور علاتی پھوپھی ہو تو سارا مال پہلی کو ملے گا کیونکہ اس کی قرابت زیادہ قوی ہے۔ اور جس کے ورثا میں علاتی پھوپھی اور حقیقی پھوپھی ہو تو سارا مال پہلی کو دیا جائے گا کیونکہ اس کی قرابت مضبوط ہے اور احناف کے ہاں اسی پر فتویٰ ہے۔

۳۔ للذکر ضعف الانثیٰ...... جب قوت قرابت میں برابر ہوں تو للذکر مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ پر عمل ہوگا۔
اگر ورثا میں دو خالہ علاتی اور حقیقی ہو تو مال دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا کیونکہ دونوں کی قوت قرابت برابر ہے اور جس کے ورثاء میں علاتی پھوپھی اور خیفی پھوپھی ہو یا دو علاتی اور دو خیفی پھوپھیاں ہوں۔
تو مال ان دونوں میں نصفاً نصف ہوگا کیونکہ دونوں کی قوت قرابت برابر ہے اور جس کے ورثا میں خیفی چچا، اور خیفی پھوپھی ہو تو مال

---

❶......احکام المواریث المساعی: ص ۱۵۱۔۱۷۰۔

تہائیوں میں تقسیم ہوگا۔ چچا کو دوتہائی اور پھوپھی کو ایک تہائی دیا جائے گا۔

۴۔ باپ کی جہت کی وجہ سے ماں کی جہت کا دوگنا...... اگر ایک طبقہ کے افراد مختلف ہوں بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے ہوں تو باپ کی جہت سے دوتہائی اور ماں والی کو تہائی دیا جائے گا پھر ہر فریق کا حصہ اس کے افراد کے درمیان قوت قرابت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ اگر قرابت میں برابر ہوں تو "لـلذكر ضعف الانثىٰ" کے تحت مال ان میں تقسیم ہوگا۔ چنانچہ جس کے ورثا میں یعنی پھوپھی اور حقیقی پھوپھی اور عینی ماموں اور علاتی ماموں ہو تو عینی پھوپھی کو دوتہائی باپ کی قرابت کا اعتبار کرتے ہوئے اور حقیقی پھوپھی کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ پہلی دوسری سے قرابت میں قوی ہے۔ اور عینی ماموں کو تہائی ملے گا کیونکہ وہ ماں کی قرابت سے ہے اور علاتی ماموں کو کچھ نہیں دیا جائے گا کیونکہ پہلے کی قرابت دوسرے سے زیادہ قوی ہے۔

اور جس کے ورثاء میں خیفی چچا، خیفی پھوپھی، یعنی ماموں اور عینی خالہ ہو تو چچا اور پھوپھی کو دوتہائی مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملے گا کیونکہ دونوں ایک درجہ اور ایک جانب سے ہیں اور باپ کی جانب ہے ماموں اور خالہ کو تہائی ملے گا مرد کو عورت کا دوہرا حصہ، کیونکہ دونوں ایک درجہ اور ایک جانب سے ہیں اور وہ ماں کی جانب ہے۔

۵۔ طبقہ نازلہ میں قرب درجہ کی وجہ سے تقدیم...... اس صنف کے مراتب میں سے ہر مرتبہ کے تمام طبقات نازلہ میں اقرب کو ابعد سے مقدم رکھا جائے گا۔ طبقہ نازلہ خیفی چچا اور پھوپھیوں کی اولاد ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد پھر نیچے تک ان کی اولاد کی اولاد ہے۔ اسی طرح حقیقی چچا اور باپ کے پھوپھیوں کی اولاد، باپ کے ماموؤں اور خالاؤں کی اولاد اور پھر نیچے تک ان کی اولاد کی اولاد۔ چنانچہ جس کے ورثاء میں پھوپھی زاد اور خیفی پھوپھی کی بیٹی ہو تو سارا مال پھوپھی کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ میت سے اس کا درجہ زیادہ قریبی ہے۔

۶۔ وارث کی وجہ سے تقدیم...... اگر درجہ میں برابر ہوں اور ہوں بھی ایک جانب سے یعنی باپ کی قرابت یا ماں کی قرابت سے تو عصبہ کی اولاد ذی رحم کی اولاد سے مقدم ہوگی۔ لہٰذا جس میت کے ورثا میں سگے یا علاتی چچا کی بیٹی اور خیفی چچا کا بیٹا ہو تو سارا مال چچا زاد کو ملے گا کیونکہ اس کا واسطہ عصبہ کی وجہ سے ہے اور خیفی چچا کے بیٹے کے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ وہ ذی رحم کا بیٹا ہے

۷۔ اولاد میں سے قوت قرابت کی وجہ سے تقدیم..... جب سب درجہ میں برابر ہوں اور ہوں بھی عصبات یا ذی رحم کی اولاد تو اقوی قرابت والے کو مقدم رکھا جائے گا۔ لہٰذا جس کے ورثا میں یعنی پھوپھی کی بیٹی اور علاتی پھوپھی کی بیٹی ہو تو سارا مال پہلی کو ملیگا کیونکہ وہ زیادہ قوی قرابت والی ہے۔

اس لئے سارے مال کے ساتھ مخصوص ہوگی اگر چہ صنف، قرب درجہ اور ذی رحم سے نسبت میں دوسری کے برابر ہے۔ یہی حال علاتی پھوپھی کے بیٹے اور خیفی پھوپھی کے بیٹے ہے سارا مال اول کو ملے گا۔

۸۔ اولاد میں باپ کی جہت ماں کی جہت سے دوگنی ہے...... جب یہ لوگ درجہ میں برابر اور جانب قرابت میں مختلف ہوں بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے، تو ترکے کا دوتہائی باپ کی جہت کے لئے اور ایک تہائی ماں کی جہت کے لئے۔ پھر اس پر فریق کا حصہ اس کے افراد میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جس میں ترتیب یہ ہوگی کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم سے مقدم رکھا جائے گا اس کے بعد قوی قرابت والے کو ضعیف قرابت والے سے مقدم رکھا جائے گا۔ چنانچہ جس کے ورثا میں ایک پھوپھی زاد اور ایک ماموں زاد ہو تو مال کا دوتہائی پھوپھی زاد کا کیونکہ وہ باپ کی قرابت سے تعلق رکھتا ہے اور مال کا تہائی خالہ زاد کو ملے گا کیونکہ وہ ماں کا رشتہ دار

ہے۔اور جس کے ورثاء میں عینی پھوپھی کی بیٹی، اور علاتی پھوپھی کے دو بیٹے ہوں اور عینی ماموں کی بیٹی اور علاتی ماموں کے دو بیٹے ہوں، تو عینی پھوپھی کی اولاد کو دو تہائی دیا جائے گا اور علاتی پھوپھی کی اولاد کے لئے کچھ نہیں کیونکہ یہ رشتہ داری میں اس سے کمزور ہے اور عینی ماموؤں کی اولاد کو ایک تہائی ملے گا اور علاتی ماموؤں کے دونوں بیٹوں کے لئے کچھ نہیں کیونکہ یہ رشتہ داری میں ان سے کمزور ہیں۔

خلاصہ...... یہ ہوا کہ:

۱......صنف رابع کا پہلا طائفہ (جس میں مطلقاً پھوپھیاں، خیفی چچا، اور مطلقاً ماموں اور خالائیں ہیں) کی اگر جانب قرابت متحد ہو تو قوت قرابت کی وجہ سے وارث قرار دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح کہ سب باپ کی جانب سے یا ماں کی جانب سے ہوں اور اگر قوت قرابت میں برابر ہوں تو مرد کو عورت کا دوگنا حصہ ملے گا۔ البتہ جب قرابت کی جانب مختلف ہو تو باپ کی قرابت کے لئے دو تہائی اور ماں کی قرابت کے لئے ایک تہائی۔ اور ہر فریق کا حصہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ مرد کو عورت کا دوہرا حصہ ملے گا۔

۲......اس صنف کا دوسرا طائفہ (جس میں طائفہ اولیٰ کی اولاد، میت کے چچاؤں کی بیٹیاں، اور ان کی پوتیاں اور نیچے تک ان کی اولاد ہے) قرب درجہ کی وجہ سے وارث قرار دی جاتی ہے ان میں سے میراث کا زیادہ حق دار وہ ہوگا جس کا درجہ میت کے زیادہ قریب ہو خواہ قرابت کی جانب متحد ہو یا مختلف ہو۔ پھر اگر قرب کا درجہ متحد ہو: تو دیکھا جائے گا اگر قرابت کی جانب متحد ہو تو اسے غیر سے مقدم رکھا جائے گا جس کی نسبت عاصب کے ذریعہ ہو اور اگر جانب قرابت مختلف ہو تو باپ کی قرابت کے فریق کو دو تہائی اور ماں کی قرابت کے فریق کے لئے ایک تہائی ہوا۔

۳......تیسرا اور پانچواں طائفہ (تیسرا طائفہ جس میں میت کے باپ خیفی چچا پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں ہوتی ہیں جن کی قرابت باپ کی جہت سے ہوتی ہے۔ اور میت کی ماں کے چچا، پھوپھیاں، ماموں اور خالائیں جن کی قرابت ماں کی طرف سے ہوتی ہے اور پانچواں طائفہ جس میں میت کے دادا کے چچا، پھوپھیاں ماموں اور خالائیں اور میت کی دادی کے چچا، پھوپھیاں ماموں اور خالائیں ان کی رشتہ داری باپ کی جانب سے ہے اور میت کے نانا کے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالائیں۔ اور میت کی نانی کے چچا پھوپھیاں ماموں اور خالائیں جن کی قرابت ماموں کی طرف سے ہوتی ہے۔ ان دونوں طائفوں کی توریث اسی طرح ہوتی ہے جیسا کہ طائفہ اولیٰ کی توریث پہلے بیان ہو چکی ہے۔

۴......طائفہ رابعہ (جس میں طائفہ ثالثہ میں مذکور لوگوں کی اولاد اور آگے ان کی اولاد نیچے تک ہوتی ہے اور میت کے باپ کے چچا کی بیٹیاں، اور ان کی پوتیاں نیچے تک اور ان سب کی اولاد نیچے تک۔)

۵۔ چھٹا طائفہ......(جن میں طائفہ خامسہ میں مذکور لوگوں کی اولاد وغیرہ اور میت کے دادا کی چچا زادیاں اور ان کے بیٹوں کی بیٹیاں نیچے تک اور ان کی اولاد وغیرہ ہوتی ہے) یہ دونوں طائفے اسی طرح وارث ہوں گے جیسا طائفہ ثانیہ کے بارے میں ذکر ہوا ہے قانون مصری اور شامی نے ان احکام پر عمل کیا ہے۔

سولہویں فصل: باقی وارثوں کی میراث

......ذوی الفروض، عصبات نسبیہ اور سببیہ اور ذوالارحام کے بعد باقی وارث مولی الموالات اور جس کا غیر سے نسب کا اقرار کیا گیا ہو، اور جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو اور بیت المال ہے۔ جب کسی میت کا انتقال اس حال میں ہو کہ اس کا کوئی وارث نہ ہو تو مندرجہ ذیل ترتیب کے مطابق ترکہ ان میں سے کسی ایک کے لئے ہوگا۔ ❶

---

❶......السراجیۃ ص ۹۔ ۱۱، الدر المختار: ۵/ ۵۴۰/ ۵۴۱، المغنی ۶/ ۱۲، ۲۷۸، احکام المواریث فیاض: ص ۱۹۶۔ ۲۰۰۔

سب سے پہلے مولی الموالاۃ...... یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا وارث آپس میں قائم معاہدے کی بنا پر ہو خواہ دونوں مجہول النسب ہوں یا ایک مجہول النسب اور دوسرے کا نسب معلوم ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو مجہول النسب آپس میں یہ معاہدہ کریں کہ ان میں سے ہر ایک دوسری کی ایسی جنایت (قتل خطا کی) دیت کا ذمہ دار ہوگا۔ جو مال کو واجب کرنیوالی ہو اور ان میں سے جو پہلے مر جائے دوسرا اس کا وارث ہوگا۔ یا دو آدمی جن میں سے ایک مجہول النسب اور دوسرا معلوم النسب ہو یہ معاہدہ کریں کہ پہلا جب کوئی جنایت (جرم) کر بیٹھے گا تو دوسرا اس کی دیت وتاوان دے گا اور جب وہ مر جائے تو اس کا وارث ہوگا۔

پہلی صورت میں...... ہر ایک دوسرے کا مولی الموالاۃ ہے اس سے میراث ثابت ہوگی اور دوسری حالت میں ولاء قبول کرنے والا مجہول النسب کا مولی اعلیٰ ہے ادنیٰ سے اس کی میراث ثابت ہو جائے گی جو موالات کا طلب گار ہے نہ کہ اس کے برعکس۔ یہ معاہدہ اپنی صورت میں ہمیشہ لازم نہیں ہوتا بلکہ اس سے رجوع کرنا جائز ہے جب تک اس میں ایک کی طرف سے دوسرے کی دیت کی ادائیگی نہ ہوئی اگر ہوگئی ہو تو پھر جائز نہیں۔

اس بارے میں علماء کی آزاء...... حضرت عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے پر عمل کرتے ہیں احناف کا مذہب یہ ہے کہ یہ معاہدہ مندرجہ ذیل اصولوں کی بنا پر میراث کا سبب ہے:

۱...... اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے "وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کا حصہ انہیں دو۔" (النساء ۴/۳۳) یعنی تمہارے وہ حلیف جن سے تم نے نصرت ومیراث کا معاہدہ کیا ہے تو اس عہد و پیمان کے بموجب میراث میں سے انہیں ان کا حصہ دو۔

۲...... حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا اور اس سے معاہدہ کرتا ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ زندگی موت میں اس کا زیادہ حق دار ہے" ❶ زندگی میں اس کی زیادہ حق داری یہ ہے کہ جب وہ کوئی جرم وجنایت کر بیٹھے اس کی دیت ادا کرے اور موت میں اس کی زیادہ حق داری یہ ہے کہ جب وہ مر جائے اس کا وارث بنے۔ بشرط یہ کہ کوئی ذوفرض اور عصبہ وارث نہ ہو۔ جمہور نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ ولاء میراث کا سبب نہیں جس کی دلیل سابقہ حدیث ہے" جو آزاد کرے ولاء اس کا حق ہے" ❷ جس میں ولاء کو ولاء عتق میں منحصر کر دیا ہے لہٰذا اس کے علاوہ ہر قسم کی ولاء باطل ہے۔

مصر اور شام کے قانون نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے اس لئے کہ عرصہ دراز سے اس صنف کا وجود نہیں اور اس کی کامل شرطیں ناپید ہیں۔

ولاء الموالاۃ کی میراث کی شرطیں...... احناف نے ولاء الموالاۃ کی وجہ سے میراث کے لئے مندرجہ ذیل شرطیں لگائی ہیں۔

۱...... عقد ومعاہدہ کرنے والا آزاد ہو، غلام اپنے آقا کے علاوہ کسی سے موالات قائم نہیں کرسکتا۔

۲...... عہد کرنے والا عربی نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ عربی ہوا تو اس کا نسب مشہور ہوگا۔ لہٰذا اس کی ولاء اس کے نسب میں ہوگی۔

۳...... وہ آزاد کردہ نہ ہو۔ اگر ہوا تو اس کی ولاء آزاد کرنے والے یا اس کے عصبہ کے لئے ہوگی۔

۴ اس کا کوئی نسبی وارث نہ ہو جیسے بیٹا یا بھائی۔ اگر ہوا تو اس کی نسب والے کے لئے ہوگی۔

۵...... دوسرے نے اس کی طرف سے دیت ادا نہ کی ہو اگر کسی اور مولا نے اس کی طرف سے یا بیت المال نے دیت ادا کر دی تو وہی اس کا مولا ہے۔

۶...... وہ مجہول نسب ہو۔

---

❶...... رواہ البخاری و ابوداؤد والترمذی۔ ❷ نیل الاوطار : ۶/۶۸

دوم: دوسرے سے جس کے نسب کا اقرار کیا گیا ہو

دوسرے کے نسب کا اقرار......وہ اقرار ہے جو حقیقی بیٹے کے علاوہ اور اقرار کرنے والے کے حقیقی والدین کے علاوہ کے متعلق ہو جیسے بھائیوں، چچاؤں اجداد اور اولاد کی اولاد کا اقرار۔ جمہور کے نزدیک یہ اقرار بالکل میراث کا سبب نہیں۔ اگر مقرلہ (جس کے لئے نسب کا اقرار کیا گیا) کا نسب تین شرعی طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ثابت ہو جائے تو وہ قرابت نسبیہ کی وجہ سے وارث ہوگا۔

اور احناف کی رائے یہ ہے کہ جس کے لئے غیر سے نسب کا اقرار کیا گیا ہو وہ مندرجہ ذیل شرائط کی وجہ سے وارث ہوگا۔

۱......وہ مجہول النسب ہو، اس لئے کہ اگر وہ معروف النسب ہوا تو یہ اقرار باطل ہے۔

۲......غیر پر محمول ہو۔ لہٰذا اس غیر کے متعلق اقرار صحیح نہیں جب کہ اقرار کرنے والے کے حق صحیح ہے۔

۳......اس غیر سے مقرلہ کا نسب ثابت نہ ہو اس طرح کہ جس کے متعلق اقرار کیا گیا ہے وہ اس کی تصدیق نہ کرے یا اس کے ورثا تصدیق نہ کریں۔

۴......اقرار کرنے والے کی اپنے اقرار پر قائم رہتے ہوئے موت ہوئی ہو، لہٰذا وہ اگر اس سے رجوع کرلے یا انکار کردے اور پھر مرجائے تو ''مقرلہ'' اس کا وارث نہیں ہوگا۔

قانون کا موقف......قانون مصری (م ۴۱) اور شامی (م ۲۹۸) نے احناف کی رائے کو اختیار کیا ہے اور اس کا مرتبہ زوجین میں سے کسی ایک پر رد کرنے سے مؤخر رکھا ہے اور اسے ترکے کا مستحق قرار دیا ہے۔ میراث کے طور پر نہیں، حقیقت اور واقع کو ترجیح دیتے ہوئے اس لئے کہ اس اقرار سے نسب نہیں ثابت ہوتا۔ جب کہ میراث نسب ثابت ہونے کی فرع ہے۔

اور دونوں قوانین نے اس کی میراث کے لئے یہی فقہی شرائط مقرر کی ہیں:

۱......مقرلہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کا مقر علیہ (جس کے متعلق اقرار کیا گیا) سے نسب نہیں ثابت ہوگا۔

۲......اقرار کرنے والا اپنے اقرار سے رجوع نہ کرے۔

۳......اس میں کوئی مانع میراث نہ ہو۔

۴......اقرار کرنے والے کی موت کے وقت مقرلہ زندہ ہو یا حکم کے وقت اسے میت شمار کیا جائے۔ لیکن ان شرائط کے ساتھ یہ شامل کرنا مناسب ہے کہ مقرلہ مجہول النسب ہو۔

سوم: جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو......جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اس رقم کو بیت المال میں جمع کرا دیا جائے جس کے لئے وصیت کی گئی وہ اس کا مستحق نہ ہوگا۔ البتہ موجودہ وارثوں کی اجازت سے اسے دیا جاسکتا ہے۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ جس کے لئے تہائی سے زیادہ کی وصیت کی گئی ہو جب میت کا کوئی وارث اور جس کا غیر سے نسب کا اقرار کیا گیا ہو نہ ہو تو یہ ترکہ کا مستحق ہوگا۔ اس لئے کہ اسے تہائی سے زیادہ سے باز رکھنا ورثا کی مصلحت کی خاطر تھا اور اس حالت میں کوئی وارث تو ہے نہیں۔ لہٰذا جس کی اس کے لئے وصیت کی گئی ہے اس کا مستحق ٹھہرے گا۔ جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اگر اس کے ساتھ زوجین میں سے کوئی ایک ہو تو خاوند موصی لہ کی تہائی کے بعد نصف (یعنی دو تہائی کا نصف) وصول کرے گا اور بیوی چوتھائی حصہ پائے گی۔

پھر موصی لہ بشرطیکہ اس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہو تو باقی یا جس کی وصیت کی گئی ہے اس کی مقدار وصول کرے گا۔ اور اگر

زوجین کے علاوہ قرابت یا ولاء کی وجہ سے کوئی وارث ہو تو اجازت کے بغیر تہائی سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔ قانون مصری (م ۳۷) اور شامی (م ۳۳۸/ ۴) نے احناف کی رائے کو اختیار کیا ہے اس کا تعلق میراث سے نہیں بلکہ میت کے ارادہ کو نافذ کرنے اور اس کی رغبت کو ثابت کرنے سے ہے:

چہارم: بیت المال...... مذاہب اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو مال میت چھوڑ مرے اور اس کا کوئی میراث یا وصیت کی وجہ سے مستحق نہ ہو تو اس مال کو بیت المال میں رکھا جائے گا۔ البتہ احناف ❶ کے اور حنابلہ کے ہاں یہ بطور میراث نہیں بلکہ اس کا تعلق مصلحت کی رعایت سے ہے۔ اس سے تمام مسلمانوں کے عمومی مصالح کی جہاں جہاں ضرورتیں ہوں وہاں صرف کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا مستحق تو ہے نہیں۔ جیسا کہ بیت المال میں اس ذمی کا مال رکھا جاتا ہے جس کا وارث نہ ہو اور اس دلیل کی وجہ سے کہ اس مال کے دینے میں مرد عورت میں کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔ باوجود یہ کہ میراث میں دونوں کے درمیان برابری نہیں۔ مصر اور شام کے قانون نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔

مالکیہ اور شافعیہ ❷ کی رائے یہ ہے کہ یہ مال بیت المال کی میراث ہے اور یہ رائے شافعیہ اور متقدمین مالکیہ کی ہے خواہ بیت المال کا انتظام منصف حاکم کے ذریعے قائم ہو کہ وہ اسے اپنے مصرف میں صرف کرتا ہو یا انتظام نہ ہو، کیونکہ میراث مسلمانوں کی ہے اور حاکم اس کا نگران ہے اور انہیں مکمل طور پر ادا کرنے والا ہے۔ اور مسلمان معدوم نہیں ہوئے۔ لہٰذا بیت المال سارا مال لے گا یا جو فروض سے بچ جائے اسے وصول کرے گا متاخرین مالکیہ کی رائے یہ ہے: کہ بیت المال اس شرط کے ساتھ وارث ہوگا کہ وہ منتظم ہو اور دونوں فریقین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے ''بیت المال اس کا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔''

سترہویں فصل: مختلف نوعیت کے احکام...... میں یہاں مختلف تکمیلی احکام میں سے چند ایک بیان کروں گا جن میں غیر مسلموں کی میراث، حمل (پیٹ کے بچہ) کی میراث، لاپتہ شخص، قیدی، ہیجڑا کی میراث، اکٹھے ڈوب کر مرنے والوں، عمارت وغیرہ تلے دب کر مرنے والوں اور جل کر مرنے والوں کی میراث اور اس شخص کی میراث جس کا شرعی والد نہ ہو ولد الزنا ہو، لعان کے بچے کی میراث شامل ہے یوں یہ سات موضوعات ہوئے۔ جن میں سوائے اول کے باقیوں میں فرض واحتیاط کی وجہ سے میراث ثابت ہوتی ہے۔

پہلی بحث: غیر مسلموں کی میراث...... موانع میراث میں، میں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور میں نے یہ بیان کیا تھا کہ دین کا اسلام اور کفر کے اعتبار سے اختلاف (جمہور کے نزدیک) مانع میراث ہے (بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے جیسے معاذ اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) لہٰذا کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا احادیث سے اس کی صراحت ہوتی ہے۔ مشہور تو یہ ہے کہ مرتد دوسرے کا بالکل وارث نہیں ہوسکتا، اور نہ جمہور کے نزدیک کوئی اس کا وارث ہوسکتا ہے۔ اس کے مال کو غنیمت کی طرح بیت المال میں جمع کرادیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: حالت اسلام میں جو مال اس نے کمایا ہے وہ میراث ہے کیونکہ اس میں مسلمان مسلمان کا وارث بن رہا ہے اور جو مال حالت ارتداد (نعوذ باللہ منہ) کے بعد کمایا وہ بیت المال کی غنیمت ہے اس لئے کہ اگر اس مال کو اس کے ورثا لیتے ہوں تو یہ مسلمان کو غیر مسلم کا وارث قرار دینا ہوگا جو ناجائز ہے۔

رہی مرتد عورت تو اس کا مال مطلقاً اس کے وارثوں کا ہے اس لئے کہ اسے مرتد ہونے کی وجہ سے نہیں قتل کیا جاتا بلکہ اس کی توبہ قبول کی جاتی اور تعزیر دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں اسلام کی طرف لوٹ آئے یا مرجائے۔

---

❶......السراجیة: ص ۱۱، غایة المنتهی: ۲/ ۴۱۲۔ ❷الشرح الصغیر: ۴/ ۶۲۹، مغنی المحتاج: ۳/ ۶۔

لہٰذا اس کا ارتداد بطور موت شمار نہیں ہوتا اور اسلام اس کے حق میں معتبر ہے۔

مرتد مرد کی حالت اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ تین دن توبہ کی مہلت دیئے جانے کے بعد جب توبہ نہ کرے قتل کر دیا جاتا ہے یوں اس کا مرتد ہونا اس کے بارے میں بطور موت شمار ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے حق میں اسلام کا اعتبار کرنا ممکن نہیں۔ اس بناء پر وہ ملک کا اہل نہیں ہوگا۔ اس لئے حالت ارتداد میں جو مال اس نے حاصل کیا اس میں ورثا کا حق ثابت نہیں ہوگا۔ اس طرح اس کی حیثیت ان تمام اموال کی طرح ہو جائے گی جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور وہ بیت المال کا حق ہوتے ہیں۔ ❶

میں نے یہ بھی وضاحت کی تھی کہ غیر مسلم ایک مذہب وملت ہیں اگر چہ ان کے عقائد مختلف ہوں لہٰذا مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ پس یہودی عیسائی آپس میں وارث ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" کافر لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں" (الانفال ۸/ ۷۳) بغیر تفریق۔

مذکورہ دلائل سے ظاہر ہوا کہ غیر مسلم آپس میں انہی اسباب کی بنا پر وارث ہوتے ہیں جن کے ذریعے مسلمان ہوتے ہیں جیسے رشتہ داری اور رشتہ زوجیت لیکن بیاہ، رشتہ داری کے بعض ایسے حالات میں بھی وارث ہوتے ہیں جن میں مسلمان وارث نہیں ہوتے۔

شادی کی صورت میں...... اگر اس قسم سے ہو جس پر وہ اسلام کے بعد برقرار نہیں رکھے جاتے تو باہمی توارث ثابت نہیں ہوگا۔ جیسے نسبی اور رضاعی محرمات سے شادی کرنا مثلاً ماں، بیٹی اور بہن اور جیسے طلاق دینے والے کا اس عورت سے شادی کرنا جیسے اس نے تین طلاقیں دی ہوں اور اس نے دوسری جگہ شادی نہ کی ہو۔ یا کسی عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے اس سے شادی کرنا۔ البتہ اگر ان کی شادی اس قسم سے ہو جس پر وہ اسلام لانے کے بعد برقرار رکھے جاتے ہیں تو اس کی وجہ سے باہمی توارث ثابت ہوگا جیسے بغیر گواہوں کے شادی کرنا، غیر مسلم کی بیوی سے اس کی عدت کے دوران شادی کرنا، جیسا کہ فقہ حنفیہ میں راجح ہے۔

نسب میں...... غیر مسلموں کے ہاں چاہے باطل طریقہ شادی سے ہو نسب ثابت ہو جاتا ہے چنانچہ مجوسی جب اپنی بہن یا بیٹی سے شادی کر لے تو شادی کی وجہ سے اس کی نسل کا نسب ثابت ہو جائے گا اور دونوں میں باہمی "میراث" بھی ثابت ہوگی۔

دوسری بحث: حمل کی میراث...... اسے وارث قرار دینے کی شرطیں، حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت، حمل کی کم از کم مدت، کیا حمل کی موجودگی کے وقت ترکہ تقسیم ہوگا؟ تعداد میں کتنے حمل ہو سکتے ہیں؟ حمل کے لئے موقوف کی جانے والی مقدار یا ترکہ میں حمل کا حصہ، حمل کو وارث قرار دینے کی کیفیت، حمل کے مسائل کی تصحیح۔ ❷

حمل کو وارث قرار دینے کی شرائط...... مالکیہ کے علاوہ جمہور کے نزدیک حمل اس طرح وارث ہوتا ہے کہ اس کے لئے متعین حصہ موقوف کیا جاتا ہے جس کی دو شرطیں ہیں:

۱...... اس کے مورث کی موت کے وقت اس کے زندہ ہونے کا وجود ثابت ہو۔

۲...... وہ زندہ پیدا ہوا گر چہ کچھ منٹوں بعد مر جائے۔ تا کہ اس کے مالک ہونے کی اہلیت ثابت ہو جائے۔

رہا حمل کا زندہ ہونے کا وجود...... تو اس کا اندازہ مورث کی وفات کے وقت اس مدت سے یقین یا ظن غالب کے ذریعہ لگایا

---

❶...... السراجیة ص ۲۲۵، اللباب: ۱۹۷/۴، المغنی: ۱۹۸/۶۔۳۰۳، کشاف القناع ۵۲۸/۴۔ ❷السراجیة ص ۲۱۲۔۲۲۱، اللباب: ۱۹۹/۴، تبیین الحقائق: ۲۴۱/۶، الدر المختار ۵۶۵/۵، الرحبیة: ص ۷۸۔۷۹، المغنی: ۳۱۳/۶۔ ۳۲۰، القوانین الفقهیة ص ۳۹۵۔

جاسکتا ہے جب وہ اپنی ماں کے پیٹ میں موجود ہو۔ یہی مدت، مدت حمل ہے جس کی زیادتی یا کمی کو میں بیان کروں گا۔

اور رہا اس کا زندہ پیدا ہونا.....تو احناف کے ہاں اس کی زندگی اس کے زیادہ حصے کے زندہ برآمد ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔ اور جمہور کے نزدیک اس کی زندگی اس طرح ثابت ہوگی کہ وہ زندہ پیدا ہو اس واسطے کہ مالک بننے کی اہلیت پورے وجود سے ثابت ہوتی ہے اور اسی کو مصر (م ۴۳) اور شام (م ۳۰۰) کے قانون نے اپنایا ہے اور اس کی زندگی کا پتہ زندگی کی علامات میں سے کسی علامت کے ظاہر ہونے سے لگایا جاسکتا ہے جیسے بچے کا چیخنا، چھینکنا وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بچہ آواز سے روئے تو وارث ہوگا۔'' [1] اور اگر کوئی علامت ظاہر نہ ہو یا ان میں سے کسی علامت میں دیکھنے والوں کا اختلاف ہو جائے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ تجربہ کار طبیبوں ڈاکٹروں یا ان لوگوں سے مدد لے جو خواتین ولادت کے وقت موجود تھیں اور انہوں نے بچشم خود مشاہدہ کیا تھا۔

حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت.....حمل کی زیادہ مدت کے بارے میں فقہاء کی کئی آراء ہیں جن کی بنیاد اندازے اور حاملہ عورتوں سے پوچھنے پر ہے کیونکہ اس بارے میں کتاب وسنت کی کوئی نص نہیں۔ بہر کیف اگر حمل کی ولادت حمل کی زیادہ مدت پوری ہونے کے بعد ہو تو وارث بھی ہوتا ہے اور مورث بھی۔

مالکیہ کا مشہور قول ہے.....زیادہ مدت پانچ سال ہے۔

شافعیہ کا قول ہے.....اور حنابلہ کا زیادہ صحیح قول ہے۔ زیادہ مدت چار سال ہے۔

احناف کا کہنا ہے.....دو سال کی مدت زیادہ سے زیادہ ہے۔

ظاہریہ کا قول ہے.....نو ماہ۔

محمد بن عبدالحکم جو امام مالک کے تلامذہ میں سے ہیں فرماتے ہیں: اس کی زیادہ مدت قمری سال کے لحاظ سے (۳۵۴) دن ہیں۔ جہاں تک قانون مصری (م ۴۳) اور شامی (م ۱۲۸) کا تعلق ہے تو انہوں نے اطباء کی رائے کو اختیار کیا ہے جو شمسی سال کے لحاظ سے (۳۶۵ دن جو ابن عبدالحکم) کی رائے کے قریب اگرچہ دونوں سالوں میں تسامح ہے۔

حمل کی کم از کم مدت: جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے.....حمل کی کم از کم مدت یہ ہے کہ وہ چھ ماہ کی مدت میں زندہ پیدا ہو، دونوں آیتوں کو جمع کرنے کی وجہ سے ''اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے'' (الاحقاف ۴۶/ ۱۵) ''اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (لقمان ۳۱/ ۱۴) پس جب دودھ چھڑانے میں دو سال لگ گئے تو حمل کے لئے چھ مہینے ہی بچے یہی بات حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سمجھی ہے۔ مصری قانون (م ۴۳/ ۲) نے بخلاف شامی قانون (م ۱۲۸) ابن تیمیۃ اور حنابلہ کے قول کو اختیار کیا ہے جو یہ ہے کہ حمل کی کم از کم مدت نو ۹ ماہ ہے عمومی اور غالب واقعات کی پیروی کرتے ہوئے اس لئے کہ اکثر عورتوں کی وضع حمل نو ماہ میں ہوتی ہے اسی کو بنیاد بناتے ہوئے قانون میں آئندہ تفصیل کے ذریعے حمل کی حیات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے:

الف.....اگر حمل میت کی اولاد ہو جس کی صورت یہ ہے کہ اس نے حاملہ یا عدت گزارنے والی بیوی چھوڑی ہو تو اگر اس عورت

---

[1]......رواہ ابو داؤد عن ابی ہریرۃ وفی اسنادہ محمد بن اسحاق، وفیہ مقال معروف

نے اس حمل کو مدت حمل کی زیادہ سے زیادہ (جو ۳۶۵ دن ہیں) مدت میں یا کم میں جنا تو میت سے اس حمل کا نسب ثابت ہوگا اور اس کا وارث بھی ہوگا۔ اور اگر سال سے زیادہ مدت میں جنا تو اس کا وارث نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ استقرار حمل وفات کے بعد ہوا لہٰذا نہ نسب ہوگا اور نہ میراث۔

ب: اور اگر وہ حمل میت کے علاوہ کسی اور سے ہو......جس کی صورت یہ ہے کہ میت نے اپنے والد یا دادا وغیرہ اپنے ورثاء میں سے کسی کی بیوی کو حاملہ چھوڑا ہو (یعنی وہ بھی اس کے ورثا میں شامل ہو) تو اگر اس نے حمل کی ماں اسے مورث کی وفات کے بعد حمل کی کم از کم مدت میں (جو نو ۹ ماہ ۲۷۰ دن) ہے جنا تو اس کا وارث ہوگا۔

دونوں حالتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے...... پہلی صورت میں ہم اس (میت) سے اس کے حمل کا اثبات کرتے ہیں اور پھر اس سے حمل کی میراث کو ثابت کرتے ہیں یوں ہم نے حمل کی انتہائی مدت کو اختیار کیا، جب کہ دوسری حالت میں (حاملہ میت کے علاوہ کسی سے حمل والی ہو) اس کی ماں سے ہم سے حمل کے نسب کو ثابت نہیں کرنا چاہتے۔ جس کے لئے عمومی قواعد ہیں البتہ ہم اس کے مورث کی وفات کے وقت اس کے وجود کا یقینی ہونا چاہتے ہیں جو مورث کی وفات سے نو ماہ کے دورانیہ میں یقینی ہے جو مدت اس سے مستزاد ہوگی اس میں شک ہے اور شک کی وجہ سے میراث ثابت نہیں ہوتی۔

کیا حمل کے وجود کے وقت ترکہ تقسیم کیا جائے گا؟ :ا...... مالکیہ کی رائے یہ ہے: کہ حمل کی موجودگی کے وقت ترکہ تقسیم نہیں کیا جائے گا اور حمل کو وضع تک ایسا سبب سمجھا جائے گا جس کی وجہ سے مال موقوف ہوگا۔ لہٰذا ولادت تک ترکہ کی تقسیم موقوف رہے گی۔ یا جب تک ولادت سے مایوسی ہو جائے۔ کیونکہ تقسیم میں ورثا پر مال لینے اور اس میں تصرف کرنے کی زبردستی ہے اور حمل کا اپنا حق واپس لینے میں خطرہ ہے۔

۲: جمہور کی رائے یہ ہے...... کہ ولادت کا انتظار کئے بغیر ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ تا کہ ورثاء کو نقصان پہنچانے سے روکا جا سکے اور مالک کو اپنی ملک سے فائدہ اٹھانے سے روکا جائے۔ ورثا کی طرف سے ایک کفیل لیا جائے گا تا کہ حمل کے حق کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے۔

حمل کی کتنی تعداد ہو سکتی ہے؟...... حمل کبھی ایک اور ایک سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں آیا اس کی کتنی تعداد فرض کی جا سکتی ہے؟ احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے جسے مصر وشام کے قانون نے اپنایا ہے کہ ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ عموماً حمل کے بارے میں یہی عادت چلی آرہی ہے ایک سے جو زائد ہوگا وہ نادر ہے اس کے باوجود ہم حمل کی تعداد کے لئے احتیاط کریں گے لہٰذا قاضی ان ورثاء سے ایک کفیل لے گا جن کا حصہ کئی حمل ہونے کی وجہ سے متاثر ہو رہا تا کہ وہ مال جو انہوں نے لیا ہے اسے واپس لیا جائے بشرطیکہ حمل ایک ہو۔

اور حنابلہ کے ہاں دو کا اندازہ لگایا جاتا ہے کیونکہ ایسا بسا اوقات ہوتا ہے اور بقیہ ورثا زیادہ نقصان دہ کا معاملہ کریں گے ان دونوں کو مذکر فرض کرتے ہوئے یا ان میں سے ایک کو یا دونوں کو مونث سمجھتے ہوئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: چار کا اندازہ لگایا جائے گا کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے اور بقیہ ورثا سے زیادہ نقصان کا معاملہ کیا جائے گا ان حملوں کو مذکر یا مونث قرار دیتے ہوئے۔

شافعیہ کے نزدیک زیادہ اصح روایت یہ ہے: کہ حمل کی تعداد منضبط کرنے کے لئے کوئی قاعدہ نہیں اس لئے کہ کبھی ایک عورت کے ہاں چار، پانچ، چھ یا سات بچوں کی پیدائش ہو جاتی ہے۔

ترکہ میں حمل کا حصہ......حمل کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی یہ وارث ہوتا ہے اور کبھی وارث نہیں ہوتا ہے کبھی مذکر ہوتا ہے اور کبھی مونث اور کبھی اس کی ولادت زندہ اور کبھی مردہ ہوتی ہے تو اس کے لئے کتنا حصہ موقوف کیا جائے؟

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اگر ورثا حمل کی ولادت تک ترکہ کی تقسیم موقوف رکھنے پر راضی ہو جائیں تو ترکہ کی تقسیم موقوف رہے گی۔

الف......اور اگر وہ تقسیم پر ہی مصر ہوں تو پھر اگر حمل میراث سے محجوب ہو تو ترکہ میں سے کوئی چیز اس کے لئے موقوف نہیں رکھی جائے گی۔ جیسے کسی نے انتقال پر ایک سگا بھائی، باپ، ماں جو باپ کے علاوہ کسی اور سے حاملہ ہو ورثا میں ہوں تو ترکہ کو فوراً ورثا میں تقسیم کر دیا جائے گا جو ماں اور باپ ہیں باقی سگے بھائی کا ہے اور باپ کی وجہ سے حمل محجوب ہے کیونکہ وہ ماں شریک بھائی ہے۔

ب......اگر حمل اکیلا ہی وارث ہو یا اس کے ساتھ کوئی ایسا وارث ہو جو اس کی وجہ سے محجوب ہوتا ہو جیسے میت کے ورثا میں اس کی حاملہ بہو یا ماں شریک بھائی کی بیوی ہو تو سارا ترکہ ولادت تک موقوف رکھا جائے گا اگر وہ حمل زندہ پیدا ہوتا ہے تو اسے لے لے گا اور اگر مردہ پیدا ہوتا ہے تو دوسرے کو دیا جائے گا۔

ج......اگر حمل میراث سے محجوب نہ ہو اور اس کے ساتھ ایسے ورثا ہوں جو اس کی وجہ سے محجوب نہیں ہونے والے تو اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کتنا ترکہ اس کے لئے موقوف رکھا جائے؟

امام شافعی کی رائے جس کے وہ قائل ہیں: حمل کی تعداد کا قاعدہ نہیں ان اصحاب الفروض کو دیا جائے گا جن کے حصے حمل کی تعداد سے تبدیل نہیں ہوتے اور باقی ترکہ ولادت تک موقوف رہے گا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور رائے یہ ہے......اس کے لئے چار بیٹوں کا یا چار بیٹیوں کا حصہ موقوف رکھا جائے گا۔ اور باقی ورثاء کو کم حصے دیئے جائیں گے۔

امام محمد بن الحسن رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے......تین بیٹوں یا تین بیٹیوں کا حصہ موقوف کیا جائے گا۔ جو ان دونوں میں سے زیادہ ہو۔ جب کہ احناف کے نزدیک مفتیٰ بہ قول امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا ہے اور اسی کو قانون مصری (م ۴۲) اور شامی (م ۲۹۹) نے اختیار کیا ہے وہ یہ کہ اس کے لئے ایک بیٹے یا بیٹی کا حصہ موقوف کیا جائے گا جو ان میں سے زیادہ ہو۔ اور قانون شامی نے صراحت کی ہے: حمل خواہ مذکر ہو یا مونث اسے مذکر تصور کر کے اس کے لئے دو حصوں میں سے بڑا حصہ رکھا جائے گا'' اور قاضی پر لازم ہے کہ وہ حمل کے ساتھ وارث ہونے والوں اور جن کے حصے کئی حملوں کی وجہ سے تبدیل ہوتے ہیں میں سے ایک کفیل لے۔ یہ حمل کے لئے احتیاط ہے تا کہ اس کا حصہ ضائع نہ ہو اس لئے کہ وارث سے واپس لینا مشکل ہے۔

حمل کو میراث دینے کی کیفیت......ایک مرتبہ حمل کو مذکر تصور کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے گا پھر اسے مونث سمجھ کر تقسیم کیا جائے گا۔ اگر حمل دو فرضوں میں سے ایک کا وارث بن رہا ہو دوسرے کا نہ بن رہا ہو تو اسے وقتی وارث شمار کیا جائے گا اور اس کا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا اور اگر دونوں تقدیروں کی وجہ سے وارث ہو لیکن مذکر و مونث کی وجہ سے اس کا حصہ مختلف ہو تو اس کے لئے بڑا حصہ محفوظ کر لیا جائے گا۔ اور دونوں تقدیروں کی بنا پر اس کا حصہ مختلف نہ ہو تو اس کے لئے یہی حصہ محفوظ کیا جائے گا۔

رہے باقی وارث......تو ان میں سے جو دو میں سے کسی ایک تقدیر کی بنا پر وارث ہو تو اسے وقتی وارث نہیں سمجھا جائے گا اور کوئی چیز نہیں دی جائے گی۔

اور جو دونوں تقدیروں کی بنا پر وارث ہو لیکن اس کا حصہ مختلف ہو تو اسے کم حصہ دیا جائے گا۔ اور جو دونوں تقدیروں کی بنا پر وارث ہو اور اس کا حصہ مختلف نہ ہو تو اسے یہی حصہ دیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہوا..... حمل کے ساتھ دو میں سے اچھی حالت کا معاملہ کیا جائے گا اور اس کے ساتھ دوسرے وارث کے ساتھ دو میں سے زیادہ بری حالت کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور جو فریق رہ جائیں ولادت تک ان کا حصہ محفوظ رکھا جائے۔ اور اگر حمل کا وہم تھا یا بغیر جنایت مردہ پیدا ہو جائے تو موقوف مال ورثاء کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر وہ زندہ پیدا ہوا اور ہو بھی ایک تو اسے وہ موقوف حصہ دیا جائے گا جس کا وہ مستحق ہے اور باقی ماندہ مستحقین کو واپس کر دیا جائے گا۔ اور اگر حمل کئی ہوں تو ورثا اور کفیل سے ان کے حق سے زائد کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔

حمل کے مسائل کی تصحیح..... حمل کے مسائل میں تصحیح کی اصل یہ ہے: کہ دونوں صورتوں میں مسئلہ کی تصحیح کی جائے یعنی اس تقدیر پر کہ حمل مذکر ہے اور اس تقدیر پر کہ حمل مونث ہے پھر دونوں مسئلوں کی تصحیحوں میں غور کیا جائے:

الف.....کسی جزء میں دونوں متفق ہوں تو ایک کے وفق کو دوسرے کے کل سے ضرب دیں۔ اور اگر دونوں میں تباین ہو تو ایک کو دوسرے کے کل سے ضرب دے دیں۔ حاصل مسئلہ کی تصحیح ہے پھر تباین کی حالت میں جس کی اس کے مذکر ہونے کے مسئلہ میں سے کوئی چیز ہو اس کے حصہ کو اس کے مونث ہونے کی حالت کے مسئلہ سے ضرب دیں اور توافق کی حالت میں ایک کے وفق کو دوسرے سے ضرب دیں اسی طرح تباین کی حالت میں جس کے مؤنث ہونے کے مسئلہ سے کوئی چیز ہو اس کے مذکر ہونے کے مسئلہ سے ضرب دی جائے یا اس کے وفق سے ضرب دی جائے جیسا کہ ہیجڑے کی میراث کے بارے میں مقرر ہے۔ پھر ہر وارث کے لیے حاصل ضرب میں غور کریں تو سب سے کم حصہ وہ اس وارث کو دیا جائے کیونکہ اس کا کم حصہ یقینی ہے اور دونوں حاصلوں میں فرق وارث کے حصہ پر موقوف ہے یہاں تک کہ اشتباہ ختم ہو جائے۔

چنانچہ ایک بیٹی، والدین اور حاملہ عورت (بیوی) کی صورت میں مسئلہ (۲۴) سے ہوگا اس تقدیر پر کہ حمل نرینہ ہے اس لئے کہ اس وقت اس مسئلہ میں دو سدس، ایک ثمن اور باقی جمع ہو گیا۔ لہٰذا بیوی کو ثمن (آٹھواں حصہ) (۳) اور والدین میں سے ہر ایک کو سدس (۴) اور بیٹی کو مذکر حمل کے ساتھ باقی (۱۳) ملے گا۔

اور اس تقدیر پر کہ حمل مونث ہے مسئلہ (۲۷) سے ہوگا کیونکہ اس صورت میں ثمن، دو سدس اور دو تہائی جمع ہیں اور یہ مسئلہ منبریہ ہے (۲۴) سے (۲۷) تک عول ہوگا والدین کو (۸) بیوی کو (۳) اور بیٹی کو مونث حمل کے ساتھ (۱۶) ملے گا۔ دونوں مسئلوں کی دونوں تصحیحوں یعنی (۲۴ اور ۲۷) میں توافق بالثلث ہے۔ کیونکہ اس کا مخرج تین ہے جو دونوں کو ختم کر دیتا ہے اس لئے جب ایک کے وفق یعنی تہائی کو جو پہلے عدد کا (۸) اور دوسرے کا (۹) بنتا ہے دوسرے کے کل سے ضرب دی جائے گی تو حاصل (۲۱۶) سہم آئیں گے اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی ۔ بیوی، حمل کے مذکر ہونے کی بنا پر (۹×۳) مسئلہ کے مونث ہونے کی بنا پر اس کے وفق سے = (۲۷) والدین میں سے ہر ایک کو (۴=۹×۳۶) ملے گا۔ اسی طرح حمل کے مونث کے حال میں بیوی کو (۳=۸×۲۴) اور والدین میں سے ہر ایک کو (۳=۸×۳۲) ملے گا والدین اور بیوی کو کم حصہ دیا جائے گا۔

مثالیں: الف..... ایک شخص کے ورثا میں ایک سگا بھائی باپ اور ماں کسی اور سے حاملہ ہے۔ یہاں حمل وارث نہیں۔ اس واسطے کہ ماں شریک بھائی بہن باپ کی وجہ سے میراث سے محجوب ہو جاتے ہیں۔

۲......ایک شخص کے ورثا میں صرف ایک کی حاملہ بہو یا باپ کی حاملہ اہلیہ ہے یہاں حمل اکیلا وارث ہے کیونکہ یہ پہلی حالت میں یا تو پوتا ہوتا یا پوتی ہوتی پہلا عصبہ ہوگا جو سارا ترکہ سمیٹ لے گا اور دوسری فرض اور رد کے لحاظ سے ترکہ جمع کر لیتی اور دوسری حالت میں یا باپ شریک بھائی ہوتا جو عصبہ ہوتا ہے اور سارا ترکہ جمع کر لیتا ہے یا باپ شریک بہن ہوتی جو سارا ترکہ فرض اور رد کے لحاظ سے سمیٹ لیتی۔ دونوں حالتوں میں سارا ترکہ تا وقت ولادت موقوف رکھا جائے گا۔

۳......میت کے ورثاء میں بیوی، ماں باپ اور حاملہ بہو ہے، ترکہ کو حمل کو مذکر تصور کرتے ہوئے تقسیم کر دیا جائے یعنی حمل پوتا ہوا لہٰذا بیوی کو ثمن ۲۴/۳ اور ماں باپ میں سے ہر ایک سدس (۴) سہام دونوں کے لئے۔ اور باقی (۱۳) سہم پوتے کے لئے ہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ پھر مونث ہونے کی تقدیر پر ترکہ تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل کو پوتی شمار کرتے ہوئے۔ لہٰذا بیوی کو ثمن ۲۴/۳ ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس (۴) سہام دونوں کے لئے۔ اور باقی (۱۳) سہم پوتے کے لئے ہیں کیونکہ وہ عصبہ ہے۔ پھر مؤنث ہونے کی تقدیر پر ترکہ تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل کو پوتی شمار کرتے ہوئے۔ لہٰذا بیوی کو ثمن ۲۴/۳ ماں باپ میں سے ہر ایک کو سدس (۴) سہام دونوں میں سے ہر ایک کے لئے۔ اور پوتی کو نصف ۲۴/۱۲ ملے گا باقی سہم (۱) باپ کو دیا جائے گا یوں اس کے پانچ (۵) سہام ہو جائیں گے۔

حمل کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مذکر تصور کیا جائے گا اور اس کے لئے (۲۴) میں سے (۱۳) سہام موقوف کئے جائیں۔

۴......میت کے ورثا میں بیوی اور اپنے والد سے حاملہ ماں ہے پہلے ترکہ کو مذکر ہونے کی تقدیر پر تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل سگا بھائی ہے لہٰذا بیوی کو چوتھائی ۱۲/۳، ماں کو تہائی ۱۲/۴ اور سگے بھائی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ۱۲/۵ ملے گا پھر بر تقدیر مونث ترکہ کو تقسیم کیا جائے گا یعنی حمل سگی بہن ہے۔ لہٰذا ۱۱ سے نصف ۱۲/۶ ملے گا اور مسئلہ کا عول ۱۳ تک ہوگا۔ مسئلہ کی تصحیح ❶ سے ہمیں معلوم ہوا کہ (۱۵۶) میں سے سگے بھائی کے (۶۵) سہام ہیں اور سگی بہن کے (۷۲) سہام ہیں اس بنا پر حمل کو مؤنث سمجھا جائے گا کیونکہ یہ اس کے لئے افضل ہے اور ۱۵۶/۷۲ اس کے لئے موقوف رکھے جائیں گے۔

۵۔ ایک عورت فوت ہوئی اس کے ورثاء میں، خاوند ایک سگی بہن اور باپ کی حاملہ بیوی چھوڑی، اگر حمل کو مذکر سمجھا جائے تو خاوند کو نصف، سگی بہن کو نصف ملے گا اور باپ شریک بھائی کو کچھ نہیں ملے گا۔ کیونکہ وہ عصبہ ہے جو اصحاب الفروض کے بعد باقی ماندہ لے گا۔ اور اگر حمل کو مونث سمجھا جائے تو پھر بھی خاوند اور سگی بہن کا حصہ نصف، نصف ہے اور دو تہائی کو مکمل کرنے کے لئے باپ شریک بہن کو سدس ملے گا پھر مسئلہ کا عول (۷) تک ہوگا۔

اس وقت افضل یہ ہے کہ حمل کو مونث سمجھا جائے اور سات میں سے ایک سہم اس کے لئے موقوف کیا جائے گا۔

۶......ایک شخص کے ورثا میں باپ، ماں، حاملہ بیوی اور ایک بیٹی ہے، پہلے حمل کو مذکر شمار کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ لہٰذا باپ کو سدس ۲۴/۴ اور ماں کو سدس ۲۴/۴، بیوی کو ثمن ۲۴/۳ اور باقی (۱۳) سہم بیٹے اور بیٹی کو عصبہ ہونے کی وجہ سے ملیں گے یوں بیٹے کا حصہ تصحیح کے بعد (۷۲) میں سے (۲۶) سہم ہوں گے۔ اس کے بعد حمل کو مونث تصور کر کے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ تو باپ کو سدس، بیوی کو ثمن اور دونوں بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا ہر بیٹی کو ایک تہائی ملے گا۔ مسئلہ کی اصل (۲۴) سے ہوگی اور (۲۷) تک عول ہوگا لہٰذا حمل کا حصہ (۲۷) میں سے (۸) ہوگا۔ اور تصحیح کے ذریعہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حمل کو مذکر تصور کرتے ہوئے اس کا حصہ (۱۲۶) میں سے (۷۸) بنتا ہے اور اسے مؤنث قرار دیتے ہوئے اس کا حصہ (۲۱۶) میں سے (۶۴) بنتا ہے حمل کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مذکر سمجھا جائے اور صرف بیٹی کے لئے ایک کفیل لیا جائے گا کیونکہ متعدد ہونے سے اس کا حصہ کم ہو جاتا ہے۔

۷......ایک عورت کا انتقال ہوا اور ورثا میں خاوند، باپ کی حاملہ بیوی، دو سگی بہنیں اور دو ماں شریک بھائی ہیں۔

❶ ......السراجیة ص ۲۲۱-۲۲۵، الرحبیة ص ۷۶، المغنی: ۳۲۵-۳۲۱/۶، مغنی المحتاج: ۲۶/۳، القوانین الفقهیة: ص ۲۱۶.

پہلے حمل کو مذکر سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا یعنی اسے سگا بھائی سمجھا جائے گا لہٰذا خاوند کو نصف ۶ / ۳ ماں کو سدس جو ایک سہم بنتا ہے ملے گا باقی ایک تہائی میں دونوں ماں شریک بہنیں اور دونوں سگی بہنیں اور ایک سگا بھائی شریک ہوگا۔ مسئلہ کی تصحیح (۳۰) سے ہوگی، سگے بھائی ۳۰ / ۳ ملے گا۔

دوبارہ ترکے کی تقسیم حمل کو مؤنث قرار دے کر کی جائے گی یعنی اسے سگی بہن سمجھا جائے گا۔ لہٰذا خاوند کو نصف ۶ / ۳ ماں کو سدس ایک سہم اور تینوں سگی بہنوں کو دو تہائی ۶ / ۴ اور ماں شریک بھائی کو تہائی ۶ / ۲ ملے گا (۳۰) تک مسئلہ کا عول ہوگا اور (۳۰) سے تصحیح ہوگی یوں سگی بہن کو ۳۰ / ۴ ملے گا۔

حمل کے لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مؤنث قرار دیا جائے اور اس کے لئے ۳۰ / ۴ محفوظ کیا جائے رہا حصوں کا فرق جو (۶) سہم ہیں تو انہیں چار محفوظ سہام کے ساتھ حمل کے لئے ولادت کے وقت تک محفوظ رکھا جائے گا۔

تیسری بحث: لا پتہ کی میراث......اس کی تعریف، اس کی بیوی کی نسبت سے اس کی موت کی مدت کی حد بندی کے بعد اس کے احکام، اس کے مال اور میراث کے حوالہ سے احکام لا پتہ کی توریث کی کیفیت، کیا اس کی مدت وفات کا اندازہ لگایا جائے گا اور کب اسے لا پتہ شمار کیا جائے گا۔

لا پتہ کی تعریف: مفقود......وہ شخص ہوتا ہے جو غائب ہو اور اس کا کوئی اتا پتہ معلوم نہ ہو اس کی زندگی موت کی کوئی اطلاع نہیں ہوتی جب اس کی موت وحیات کا علم نہیں تو جگہ کی پہچان یا لاعلمی کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر جگہ کا پتہ ہو لیکن زندہ ہے یا مردہ اس کا پتہ نہ ہو تو وہ مفقود اور لا پتہ ہے۔

لا پتہ کے احکام......لا پتہ کے تین احکام ہیں جن کا تعلق اس مدت کی حد بندی سے ہوتا ہے جس کے گزر جانے کے بعد اس کے مرنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ جو اس کی بیوی، مال اور اس کی میراث وغیرہ کی نسبت سے ہوتے ہیں۔

اس کی بیوی کی نسبت سے......احناف کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ یہ معاملہ حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ غور وخوض کرے اور وہ اپنے گمان غالب کے مطابق جو مصلحت ہو وہی کرے اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مطلق ہے "لا پتہ کی بیوی ایسی عورت ہے جو ایک آزمائش سے گزر رہی ہے اسے چاہئے کہ وہ صبر کرے جب تک لا پتہ کی موت کی یقینی خبر نہ آ جائے نکاح نہ کرے"۔

اور حنابلہ نے یہ تفصیل بیان کی ہے اور انہوں نے سابقہ رائے کو اختیار کیا ہے جس کے ساتھ اس کے زندہ رہنے کا گمان ہو جس کی صورت یہ ہے کہ وہ سیر وسیاحت، تجارت، طلب علم یا حالت امن میں حج کی ادائیگی کے لئے نکلا ہو تو قاضی اس وقت اس کی موت کا فیصلہ کرے گا جب اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ مر چکا ہے اور مدت کا اندازہ لگانا قاضی کی صواب دید پر مبنی ہے۔ اور اگر لا پتہ شخص اتنا عرصہ غائب رہا ہو جس میں اس کے ہلاک ہونے کا گمان ہو جیسے دوران جنگ، یا حملے یا میدان کارزار میں لا پتہ ہونا یا کوئی قریبی مصلحت کو پورا کرنے کے لئے گیا ہو اور واپس نہ آیا ہو تو قاضی اس کی گم شدگی کی تاریخ سے لے کر چار سال کے بعد اس کی موت کا فیصلہ سنا دے گا۔ ❶

❶......قانون مصری نمبر ۱۵، ۱۹۲۹ء نے اس گم شدگی میں جس میں ہلاک ہونے کا گمان غالب ہو امام احمد کے مذہب کو اختیار کیا ہے اور جس میں ہلاک ہونے کا غالب گمان نہ ہو احناف کے نزدیک صحیح قول کو لیا ہے چنانچہ آرٹیکل ۲۱ میں دونوں حالتوں کی صراحت ہے۔ لا پتہ کی تاریخ گم شدگی سے لے کر چار سال بعد اس کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا جب اس کا ہلاک ہونا غالب گمان میں آتا ہو رہی دوسری حالتیں ان میں قاضی کی صوابدید کے مطابق اس کی موت کا فیصلہ ہوگا جس کے لئے وہ تمام طریقے بروئے کار لائے گا جن سے اس کا زندہ یا مردہ ہونا معلوم ہو جائے

مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ چار سال کے بعد جس دن سے اس کی بیوی نے قاضی سے فیصلہ طلب کرنے کے لئے اپنا مقدمہ دائر کروایا ہو اس کی موت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ جب وہ مدت گزر جائے تو عورت وفات کی عدت گزارے گی پھر اگر چاہے تو شادی کرلے۔ اور مالکیہ کا ایک قول یہ ہے: ایک سال یا زیادہ عرصہ غائب رہنے کی وجہ سے قاضی خاوند بیوی کے درمیان تفریق کردے'' اور شافعیہ کا قول ہے:

جو شخص لا پتہ یا قید ہو گیا ہو اور اس کا کچھ اتا پتا نہ ہو تو جب تک اس کی یقینی اطلاع نہ آجائے اس کی موت کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ یا اتنی مدت گزر جائے جس سے معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ وہ اس سے زیادہ نہیں جی سکتا جیسا کہ اس کے ہم عمروں کا حال ہوتا ہے۔

رہا اس کے اموال کے لحاظ سے...... ائمہ مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ لا پتہ شخص کو اس کے اپنے ان اموال کے بارے میں زندہ شمار کیا جائے گا جن کی ملکیت اس کے لئے ثابت ہے اور اس کے دوسرے حقوق میں یہاں تک کہ اس کے فوت ہونے کی کوئی دلیل مل جائے۔

یا قاضی اس کے فوت ہونے کا فیصلہ سنا دے تو یہ لا پتہ شخص کی سلبی جانب ہے اور اس پر مندرجہ ذیل امور مرتب ہوتے ہیں۔

اس کے ورثا میں اس کا مال تقسیم نہیں ہوگا اور قاضی اس کے مال میں سے اس کی بیوی اور اس کے اصول (ماں باپ دادا و دادی) وفروع (اولاد وغیرہ) پر خرچ کرے گا اس لئے کہ ان کا خرچ تو اس پر خواہ وہ حاضر ہو یا غائب واجب ہے۔ اور اس کے کئے ہوئے عقود و معاملات فسخ نہیں ہوں گے جیسے وہ اجارہ جو احناف کے نزدیک عقد کرنے والوں میں سے ایک کے مرنے سے ختم ہو جاتا ہے اور قاضی اس کے قرضے وصول کرنے اور اس کے مال کو محفوظ کرنے کے لئے ایک وکیل مقرر کرے گا۔ جب تک اس کا اتا پتا معلوم نہیں ہو جاتا اس کے اموال محفوظ رکھے جائیں گے پھر اگر وہ زندہ مل جائے تو اپنے اموال لے لے گا اور اگر شرعی دلیل سے اس کی موت ثابت ہو جائے تو اسے اس وقت سے مردہ گنا جائے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس میں مرا تھا اور اس کے ورثاء اسی وقت سے اس کے وارث ہوں اور اگر قاضی نے اس کی موت کا فیصلہ صادر کیا ہے تو فیصلے کے وقت سے مردہ شمار ہوگا اور اس کے ورثا صرف فیصلے کی تاریخ سے وارث ہوں گے۔ اس کے مال کے لحاظ سے اسے زندہ سمجھنے کی وجہ اس کی زندگی کا استصحاب الحال ہے جس پر وہ لا پتہ ہونے سے پہلے تھا۔ اصل تو یہ ہے کہ وہ جس حالت میں بھی ہو وہ باقی ہو یہاں تک کہ اس کے خلاف بات دلیل سے ظاہر ہو جائے۔ لہٰذا کوئی اس کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ میراث کے مستحق ہونے کی شرط مورث کی موت کا ثابت ہونا ہے اور اس کی موت ثابت نہیں۔

غیر سے اس کی وارث ہونے کے لحاظ سے...... استصحاب کے حجت ہونے میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء کی دو آراء ہیں:

جمہور حنفیہ [1] کی رائے ہے...... کہ لا پتہ کے غیر سے ایجابی حقوق ثابت نہیں ہوتے جیسے میراث پانا اور دوسروں کی طرف سے وصیت، نہ یہ غیر کا وارث ہوتا ہے اور نہ غیر کی وصیت اس کے لئے ثابت ہوتی ہے کیونکہ استصحاب ان کے نزدیک دینے کی دلیل ہے ثابت کرنے کی نہیں یعنی وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کے ذریعہ حال کی تبدیلی کا دعویٰ کرنے والے کو دیا جائے نہ کہ جس پر تھا اس پر برقرار رہے۔ اس کی حیات کا استصحاب صرف اسے یہ فائدہ دیتا ہے کہ اس کی وفات کی وجہ سے اس کے مال کی تقسیم اور بیوی کی جدائی کے جو احکام مرتب ہوتے ہیں انہیں دے۔ یہ سلبی حق ہے غیر کی ملکیت اس کی طرف منتقل ہونے میں فائدہ مند نہیں۔ یہ ایجابی حق ہے مختصراً یہ کہ غیر کو اس کے اموال کی ملکیت دینے کی استصحاب صلاحیت رکھتا ہے لیکن غیر سے اس کی ملکیت کو ثابت نہیں کرتا۔ اسی بنا پر نہ وہ وارث

[1] ...... اصول السرخسی ۲/۲۲۵، مرآۃ الاصول: ۲/۳۶۷، کشف الاسرار: ص۱۰۹۸۔

ہوتا ہے اور نہ اس کے لئے وصیت ہوتی ہے اس لئے کہ میراث اور وصیت کے استحقاق کے لئے مورث اور موصی (وصیت کرنے والی) کی موت کے وقت وارث اور موصی لہ ٠ جس کے لئے وصیت کی جائے) کی زندگی کا ثبوت شرط ہے۔ جب کہ لاپتہ شخص کی حیات ثابت نہیں۔ بلکہ یہاں یہ احتمال ہے کہ وہ مردہ ہو اس لئے نہ یہ وارث ہوگا اور نہ کسی کو وارث کرے گا۔

جمہور مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ، ظاہریہ اور شیعہ امامیہ کی رائے یہ ہے: کہ: لاپتہ شخص اگرچہ کسی کو وارث نہیں کرتا لیکن دوسرے کا وارث ہوتا ہے، ❶ اس واسطے کہ استصحاب دینے اور ثابت کرنے کے لئے مطلقاً دلیل ہے جب تک استمرار سے مانع کوئی دلیل قائم نہ ہو مفقود و لاپتہ شخص کی زندگی اصل ثابت شدہ ہے لہٰذا وہ غیر کا وارث ہوگا اور اس کا مال کسی کی میراث نہیں ہوگا یعنی استصحاب دونوں حق ایجابی اور سلبی ثابت کرتا ہے۔ البتہ حنابلہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جب اس کی گم شدگی پر چار سال کا عرصہ بیت جائے تو نہ وہ وارث ہوگا اور نہ کسی کو وارث کرے گا۔

قانون مصری (م ۴۵) اور شامی (م ۳۰۲) نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے اور آرٹیکل نے یہ صراحت کی ہے: لاپتہ شخص کا حصہ اس کے مورث کے ترکہ سے موقوف کیا جائے گا پھر اگر وہ زندہ مل جائے تو وصول کرلے گا اور اگر اس کی موت کا فیصلہ صادر ہو جائے تو اس کا حصہ اس کے مورث کی وفات کے وقت مستحقین کو لوٹا دیا جائے گا اور اگر موت کے فیصلے کے بعد وہ زندہ مل گیا تو ورثاء کے پاس اس کے حصہ میں سے جو باقی رہ چکا ہوگا وہ وصول کرلے گا۔

مفقود کی توریث کی کیفیت: الف......اگر مفقود و لاپتہ شخص اکیلا ہی وارث ہو تو سارا ترکہ اس کے لئے موقوف ہوگا۔

ب......اور اگر اس کے ساتھ وارث ہونے والے ورثا ہوں تو ترکہ کو دو فرض صورتوں میں تقسیم کیا جائے گا ایک اس صورت میں کہ وہ زندہ ہے اور ایک اس صورت میں کہ وہ مردہ ہے۔ پھر دونوں حالتوں میں اصل مسئلہ کی ایجاد کی جائے گی اس کے لئے افضل حصہ رکھا جائے گا اور ہر وارث کو بڑا حصہ دیا جائے گا۔

اور جو مال مفقود کے لئے موقوف کیا گیا ہے اس کے ساتھ فروض کے حصوں میں سے جو کچھ ہوگا وہ محفوظ رکھا جائے گا۔ اور اگر مفقود زندہ مل جائے تو موقوف شدہ مال لے لے گا۔ اگر اس کی موت اس کے مورث کی موت کے بعد گواہی سے ثابت ہو جائے تو اس کا روکا ہوا حصہ اس کے شرعی ورثا کو دے دیا جائے گا۔

اور اگر اس کی موت اس کے مورث کی موت سے پہلے ثابت ہو جائے یا اس کی موت صرف قاضی کے حکم سے ثابت ہو تو موقوف مال اس کے مورث کے ورثا کا حق ہوگا۔

مثالیں: ا......ایک شخص فوت ہوا جس کا صرف ایک لاپتہ بیٹا یا لاپتہ بیٹا اور دو ماں شریک بھائی ہیں تو یہاں لاپتہ شخص اکیلا وارث ہے کیونکہ دونوں ماں شریک بھائی اس کی وجہ سے محجوب ہیں۔ اور اگر لاپتہ شخص زندہ مل جائے تو سارا ترکہ لے لے گا ورنہ پہلی حالت میں بیت المال اسے وصول کرے گا۔ یا دوسری حالت میں دونوں ماں شریک بھائی لیں گے۔

۲......میت کے ورثا میں، بیوی،، ماں باپ، بیٹی اور ایک لاپتہ بیٹا ہے۔

پہلے لاپتہ شخص کو زندہ تصور کر کے ورثا کی ترتیب یوں ہوگی.

---

❶......مختصر ابن الحاجب: ص ۲/۲۱۷، مفتاح الوصول الی بناء الفروع علی الاصول للتلمسانی المالکی: ص ۱۸۹، الابهاج للسبکی: ۱۱۱/۳، شرح المحلی علی جمع الجوامع: ۲۸۵/۲ المدخل الی مذهب احمد ص ۱۳۳ شرح روضة الناظر: ۳۸۹/۱، الاحکام لابن حزم: ۵۹۰/۵، محمد تقی الحکیم: ص ۴۵۴.

بیوی ۸ / ا باپ ٦ / ا ماں ٦ / ا بیٹا بیٹی دونوں عصبہ ہوں گے مسئلہ کی اصل ۲۴ سے ہوگی اور سہام ۳ ۴ ۴ ۳ (۱۳) ہوں گے مسئلہ کی تصحیح ۳ عدد روٴس عصبہ کو اصل مسئلہ ۲۴ سے ضرب دینے سے ہوگی۔

یوں تصحیح کے بعد سہام ۳۹۱۲۱۲۹ ہوں گے بیٹے (۲٦)

دوسری صورت میں لاپتہ کو مردہ تصور کر کے ورثا کی ترتیب یوں رکھی جائے گی۔ بیوی ۸ / ا باپ ٦ / ا ماں ٦ / ا بیٹی ۲ / ا اصل مسئلہ ۲۴ سے سہام ۳، ۱+ ۴ ۴ ۱۲ باپ کو ایک زائد ملا وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے۔ اور لاپتہ کو زندہ تصور کر کے اس کا حصہ (۷۲ میں سے ۲٦) محفوظ کیا جائے گا اور بیوی اور ماں دونوں کو ان کا حصہ دیا جائے گا۔

کیونکہ دونوں حالتوں میں اس میں تبدیلی واقع نہیں ہوگی۔ اور باپ اور بیٹی دونوں کو ان کا گھٹیا حصہ دیا جائے گا اور باقی کو موقوف رکھا جائے گا۔ پھر اگر لاپتہ شخص زندہ مل جائے تو وہ موقوف مال وصول کر لے گا اور اگر اس کی موت کا فیصلہ ہوگیا تو باپ اور بیٹی کا حصہ مکمل ہو جائے گا۔

۳.....ایک عورت کا انتقال ہوا ورثاء میں خاوند، دو سگی بہنیں اور ایک لاپتہ سگا بھائی ہے پہلے اس بھائی کو زندہ سمجھ کر ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ لہٰذا خاوند کو ۲ / ا یعنی (۱) اور سگا بھائی دونوں بہنوں کے ساتھ عصبہ ہے جو باقی (۱) لے گا مسئلہ کی اصل (۲) سے ہوگی اور مسئلہ کی تصحیح (۸) سے (۴) کو عدد روٴس سے ضرب دینے سے ہوگی پھر لاپتہ شخص کو مردہ سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا تو خاوند کو ۲ / ۱ (۳) اور دونوں سگی بہنوں کو دو تہائی (۴) مسئلہ کا (۷) تک عول ہوگا۔

پھر دونوں مسئلوں میں اصل کو دونوں مسئلوں کی اصلوں سے ضرب دینے کے ذریعے ایک بنایا جائے گا (۸×۷=۵٦) چنانچہ سگے بھائی (۲×۷=۱۴) کے لئے موقوف کیا جائے گا۔ وہ اس طرح کہ جس کی پہلی حالت میں کوئی چیز ہو اسے (۷) سے ضرب دیں اور جس کے لئے دوسری حالت میں کوئی شے ہو اسے ۸) سے ضرب دے کر۔ اور دونوں سگی بہنوں کو زندہ ہونے کی صورت میں (۲×۷=۱۴) اور مردہ ہونے کی صورت میں (۴×۸=۳۲) یوں انہیں دو حصوں میں سے زیادہ برابر حصہ دیا جائے گا۔ اور خاوند کو زندہ ہونے کی صورت میں (۴×۷=۲۸) اور مردہ ہونے کی حالت میں (۳×۸=۲۴) یوں دو میں سے زیادہ بڑا حصہ دیا جائے گا۔ حصوں کے فرقوں کو موقوف رکھا جائے گا اور مفقود کے حصے کے ساتھ محفوظ رکھے جائیں گے۔ پھر اگر وہ زندہ مل جائے تو اس کے لئے ۱۴ اور خاوند کے لئے ۴ ہے اور اگر وہ مردہ ملے تو دونوں بہنیں۔ حصے کے فرق کو وصول کریں گی۔

۴.....میت کے ورثا میں بیوی، ماں باپ اور ایک لاپتہ بیٹا ہے پہلے اسے زندہ سمجھتے ہوئے ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔ بیوی کو ثمن جو (۲۴ میں ۳ ہے) باپ کو سدس (۴) ماں کو سدس (۴) اور باقی (۱۳) بیٹے کو ملے گا۔

پھر ترکہ کو اس بنا پر تقسیم کیا جائے گا کہ وہ مردہ ہے لہٰذا بیوی کو ربع (۲۴) میں سے (٦) ماں کو باقی کا تہائی (٦) باپ کو باقی (۱۲) سہام اور بیٹے کے لیے (۱۳) سہام روک کر رکھے جائیں گے۔ دونوں مسئلوں میں بیوی اور ماں باپ کے حصہ میں فرق پائے جائیں گے۔ اور ورثا کو سب سے بڑے حصے دیئے جائیں گے۔ چنانچہ بیوی کو (۳) سہام اور ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے ۴ سہام۔

کیا لاپتہ شخص کی وفات کی مدت کا اندازہ لگایا جائے گا؟.....ایک قول ہے: اندازہ لگایا جائے گا، اور ایک قول کے مطابق اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ قاضی اپنے اجتہاد سے کام لے گا۔

جہاں تک مالکیہ اور حنابلہ کا تعلق ہے تو ان کا کہنا ہے: مدت کا اندازہ لگایا جائے مالکیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ستر ۷۰ سال گزر جائیں۔ اور حنابلہ کے ہاں قابل اعتماد قول یہ ہے کہ نوے ۹۰ سال گزر جائیں شامی قانون (م ۲۰۵) نے لاپتہ کے اسی ۸۰ سال کے

ہو جانے کی حد بندی کی ہے۔

احناف کی ظاہر روایت اور شافعیہ کے نزدیک صحیح یہ ہے: اندازہ نہیں لگایا جائے گا۔ احناف کے ہاں اس کی موت کا فیصلہ اس وقت کیا جائے گا۔

جب اس کے شہر میں اس کے ہم عمر فوت ہو جائیں ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک قاضی اپنے اندازے کے مطابق اجتہاد کرے گا بایں طور کہ اتنی مدت گزر جائے جس سے معلوم یا ظن غالب یہ ہو کہ وہ اس سے زیادہ نہیں زندہ رہ سکتا۔

کب سے اسے لاپتہ شمار کیا جائے گا؟...... جب غائب شخص کی وفات دلیل سے ثابت ہو جائے پھر اگر قاضی وفات کا فیصلہ کر دے تو اس تاریخ کو بنیاد بنایا جائے گا جس کی حد بندی دلیل نے کی ہے۔

اور اگر فیصلے کی بنیاد اجتہاد اور غالب گمان ہو تو دو اقوال ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا قول ہے...... اس کی موت کا فیصلہ اس کے لاپتہ ہونے کی تاریخ کی طرف لوٹایا جائے گا لہٰذا لاپتہ ہونے کی تاریخ سے اسے مردہ سمجھا جائے گا تو جو لوگ فیصلے سے پہلے فوت ہو گئے وہ وارث نہیں ہوں گے اور جو اس کے لاپتہ ہونے کی تاریخ کے وقت موجود ہوں وہ مفقود کے مال کے وارث ہوں گے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کا قول ہے: جس تاریخ سے اس کی وفات کا فیصلہ ہوا ہے اس سے اسے مردہ شمار کیا جائے گا۔ لہٰذا جو لوگ اس کی موت کے فیصلہ سے پہلے فوت ہو گئے مفقود ان کا وارث ہوگا اور اس کی موت کے فیصلہ کے وقت جو ورثا موجود ہوں گے وہ اس کے مال کے وارث ہوں گے۔

چوتھی بحث: قیدی کی میراث

...... قیدی یا زندہ ہوگا یا اس کی زندگی کا علم نہیں ہوگا۔ ❶

الف...... اگر قیدی کی زندگی کا علم ہو تو وہ دوسرے کا وارث ہوگا اس کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوگا اس واسطے کہ وہ زندہ ہے لہٰذا اس کے ساتھ زندوں جیسا معاملہ کیا جائے گا دارالاسلام کا مسلمان جہاں بھی ہو قید کچھ اثر انداز نہیں ہوتی (مسلمان) قیدی کا حکم میراث میں باقی مسلمانوں کی طرح ہے جب تک وہ اپنا دین نہ چھوڑے۔ اور اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے تو اس کا حکم مرتد جیسا ہے اس لئے کہ دارالاسلام اور دارالحرب میں مرتد ہونے والے میں فرق ہے۔

ب...... اور اگر وہ مجہول الحال ہو نہ اس کی زندگی کا پتہ ہو اور نہ موت کا اور نہ مرتد ہونے کا تو اس کا حکم مذکور لاپتہ شخص کا ہے نہ اس کا مال تقسیم ہوگا اور نہ اس کی بیوی دوسری جگہ نکاح کرے گی یہاں تک کہ اس کی خبر مل جائے۔

پانچویں بحث: ہیجڑے کی میراث

...... ہیجڑا اس کو کہتے ہیں جس میں دونوں نسلی اعضا مردانہ عضو اور زنانہ عضو اکٹھے ہوں یا جس میں ان میں سے بالکل کوئی عضو نہ ہو اس کی دو قسمیں ہیں مشکل اور غیر مشکل۔ ❷

رہا خنثی غیر مشکل یا واضح...... تو وہ ایسا ہیجڑا ہے جس میں مرد ہونے یا عورت ہونے کی علامت راجح ہو مثلاً اس نے شادی کی تو اولاد ہوئی یہ تو مرد ہوا یا شادی ہونے سے وہ حاملہ ہوگئی تو یہ عورت ہے جن دونوں پر اپنا اپنا حکم منطبق ہوگا اور اگر وہ ہیجڑا مردوں کے آلہ سے پیشاب کرے تو وہ مرد ہے دوسرا عضو بدن میں اضافہ ہے اور اگر زنانہ عضو سے پیشاب کرے تو وہ عورت ہے دوسرا آلہ بدن میں

❶ ......السراجیۃ: ص ۲۲۸، مغنی المحتاج: ۳/۲۶، المغنی: ۶/۳۲۶۔ ❷ السراجیۃ: ص ۲۰۵۔۲۱۲، القوانین الفقہیۃ: ۳۹۵، الرحبیۃ: ص ۷۳۔۷۵، المغنی: ۶/۲۵۳۔۲۵۸۔

اضافہ ہے جو ظاہر ہو گیا۔ اس کا امتحان پیشاب کرنے، داڑھی کے ظاہر ہونے اور حیض آنے سے لیا جائے گا۔ اگر وہ مردوں میں شامل ہو تو مردوں کی میراث پائے گا۔ اور اگر عورتوں میں شامل ہو تو عورتوں کی میراث پائے گی۔

رہا خنثی مشکل..... تو وہ ایسا ہیجڑا ہوتا ہے جس کا حکم واضح نہ ہو اس کے مرد عورت ہونے کا پتہ نہ چلے وہ زنانہ و مردانہ دونوں آلات سے پیشاب کرے، اور داڑھی کے ساتھ ساتھ اس کے پستان بھی ابھر آئے ہوں موجودہ ڈاکٹری طب کی ترقی کے ساتھ آپریشن کے ذریعے اس کی پیچیدگی کو ختم کر کے اس کی حقیقت واضح کی جا سکتی ہے۔

خنثی مشکل کی میراث کا حکم..... خنثی مشکل کو خاوند یا بیوی تصور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب تک وہ خنثی مشکل رہے گا اس کی شادی صحیح نہیں۔ اور نہ اسے ماں باپ اور دادا دادی تصور کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ پھر وہ مشکل نہیں رہے گا۔

یہ ممکن ہے کہ وہ بیٹا ہونے یا بھائی ہونے یا چچا ہونے کی فرع ہو پھر اس کی میراث میں اختلاف ہوگا آیا وہ مرد ہے یا عورت؟ لیکن اگر مرد یا عورت ہونے کی وجہ سے اس کا حصہ مختلف نہ ہو تو بلا اشکال ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور اگر مرد یا عورت تصور کرنے کی بنا پر وارث ہو کسی اور عورت صورت میں وارث نہ بنتا ہو تو احناف کے نزدیک اسے ترکہ میں سے کچھ نہ دیا جائے گا۔ اور شافعیہ کے نزدیک ورثا کو سب سے کم حصہ دیا جائے گا اور اس کا حصہ اس کا معاملہ واضح ہونے تک محفوظ رکھا جائے گا مالکیہ اور حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے اور اگر اس کے حصہ میں مرد و عورت ہونے کی وجہ سے فرق پڑ رہا ہو تو اس میں چار اقوال ہیں۔

۱۔ احناف کا مفتی بہ مسلک..... مرد یا عورت ہونے کی صورت میں اسے سب سے بری حالت کا یا دونوں میں سے کم کا حصہ دیا جائے گا۔ اور ورثا کو بہترین حصہ دیا جائے گا۔ یعنی بالکل حمل کی برعکس صورت۔ اسی کو قانون مصری (م ۴۶) نے اختیار کیا ہے چونکہ یہ صورت نادر ہے اس لئے قانون شامی نے اس کی صراحت نہیں کی ہے اور اگر پائی جائے تو آرٹیکل (۳۰۵) ❶ کی وجہ سے اس رائے کو منطبق کیا جائے گا۔ چنانچہ جس کے ورثا میں بیوی، ماں، باپ اور ہیجڑا بیٹا ہو تو مسئلہ (۲۴) سے ہوگا پہلے اسے مرد سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا لہٰذا بیوی کو ۸/۱=(۳) باپ کو ۶/۱=(۴) ماں کو ۶/۱=(۴) اور ہیجڑے سے بیٹے کو باقی (۱۳) ملے گا۔ اس کے بعد اسے عورت سمجھ کر ترکہ تقسیم کیا جائے گا بیوی کو ۸/۱=(۳) باپ کو ۶/۱۔ باقی=(۵) ماں کو ۶/۱=(۴) اور ہیجڑا بیٹی کو ۲/۱=(۱۲) ملے گا۔ یوں ہیجڑے کو (۱۲) دیا گیا کیونکہ یہ دونوں حصوں میں سے کم حصہ ہے۔

اور جس کا حصہ متاثر ہوا وہ باپ ہے۔ اسے دونوں حالتوں میں سے بہترین مال کا حصہ (۵) دیا گیا۔

۲۔ مالکیہ کا مذہب..... خنثی مشکل کو عورت کے حصے کا نصف دیا جائے اور نصف مرد کے حصے کا۔ اگر وہ ایک فرض کی وجہ سے وارث ہو اور دوسرے فرض کی بنا پر وارث نہ بنتا ہو تو اسے اس کی میراث کے فرض کی بنا پر اس کے حصے کا نصف دیا جائے گا۔

۳۔ شافعیہ کا مذہب..... ہیجڑے اور دوسرے ورثا کو دو میں سے کم حصہ دیا جائے گا اور باقی ترکہ کو معاملہ واضح ہونے تک موقوف رکھا جائے گا یا ورثا اس کے ساتھ صلح کر لیں لہٰذا سابقہ مثال میں ہیجڑے کو (۱۲) باپ کو صرف (۴) ملا اور باقی (۱) کو اس کی حقیقت واضح ہونے تک یا باپ کی اس کے ساتھ صلح کرنے تک موقوف رکھا جائے گا۔ اگر کسی کے ورثا میں بیٹا اور خنثی مشکل ہو تو ہیجڑے کو مرد تصور کرتے ہوئے مال اس میں اور بیٹے میں آدھو آدھ ہوگا ہر ایک کو مال کا نصف ملے گا مسئلہ (۲) سے ہوگا۔ اور اسے مؤنث قرار دیتے ہوئے ہیجڑے کا حصہ ۳/۱ اور بیٹے کا ۳/۲ اور مسئلہ (۳) سے ہوگا ہیجڑے کو صرف تہائی ملے گا اور بیٹا نصف لے گا۔ کیونکہ اس کی حالت یقینی ہے اور باقی چھٹا

---

❶..... اس کی صراحت ہے ”جس مسئلہ کی اس قانون میں صراحت نہیں اس کے بارے میں مذہب حنفی کے راجح قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔“

حصہ دونوں کے درمیان اس وقت تک موقوف رہے گا جب تک اشکال کی حالت واضح نہیں ہو جاتی یا وہ دونوں آپس میں صلح کرلیں۔

تصحیح کی کیفیت...... دونوں مسئلوں میں غور کیا جائے۔صرف اسے مرد قرار دیتے ہوئے کا مسئلہ اور صرف اسے مونث قرار دینے کا مسئلہ۔ اور یہ سابقہ چار نسبتوں (تماثل،توافق اور تداخل اور تباین) کی وجہ سے ہے۔اور ایسا کم عدد حاصل ہوگا جو دونوں تقدیروں میں ہر مسئلہ پر تقسیم ہوگا۔ جو جواب ہوگا وہ دونوں مسئلوں کو جمع کرنے والا ہوگا۔اب دیکھیں! سابقہ مسئلہ میں تین اور دو کے درمیان تباین ہے اس لئے ایک اصل کو دوسری سے ضرب دی جائے گی چھ حاصل ہوگا۔

پس اگر حاصل کو مرد ہونے کے مسئلہ پر تقسیم کیا جائے تو ہیجڑے کا حصہ تین بنتا ہے اور اگر عورت ہونے کا مسئلہ پر تقسیم کیا جائے تو ہیجڑے کا حصہ دو ہوگا اور مذکر کے لئے چار ہوگا ہیجڑے کے لئے زیادہ نقصان دہ اس کا مؤنث ہونا ہے لہٰذا اسے دو سہم دیئے جاتے ہیں اور بیٹے کے حق میں ہیجڑے کا مذکر ہونا زیادہ نقصان دہ ہے لہٰذا اسے تین دیا جائے گا۔ چھٹا حصہ جو ایک ہے باقی رہ جاتا ہے جو موقوف رہے گا۔ اگر مذکر ہونا واضح ہو جائے تو اسے وصول کرلے گا۔ اور اگر مؤنث ہونا واضح ہوجائے تو بیٹا اسے وصول کرے گا۔ اور اگر وضاحت نہ ہو سکے تو باہمی صلح کرنے تک وہ مال موقوف رہے گا۔

۴: **حنابلہ کا مذہب**: الف...... اگر مستقبل میں ہیجڑے کے حال کی وضاحت ہونے کی امید ہو تو ان حضرات کا مسلک شافعیہ کی طرح ہے بقیہ ورثا کے ساتھ دو میں سے کم حصے کا معاملہ کیا جائے گا۔

ب...... اگر اس کے حال کی وضاحت ہونے کی امید نہ ہو تو ان کا مسلک مالکیہ کی طرح ہے اسے مرد سمجھتے ہوئے مذکر کی میراث کا نصف اور مؤنث سمجھتے ہوئے مؤنث کی میراث کا نصف دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ دونوں حالتوں میں وارث ہو۔ اور اگر ایک فرض کی بنا پر وارث ہو اور ایک فرض کی وجہ سے وارث نہ ہو تو میراث کی حالت میں اس کے حصے کا نصف دیا جائے گا۔

چھٹی بحث: ڈوبنے، دبنے اور جلنے والے اور اسی طرح ان لوگوں کی میراث جن کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو

جب مورث کی وفات کا علم نہ ہو اس طرح کہ چند ایسے لوگ مرجائیں جن کی آپس میں رشتہ داری ہو اور یہ معلوم نہ ہو پا رہا ہو کہ پہلے کون مرا ہے جیسے اکٹھے کشتی میں بیٹھے ڈوب جائیں یا اچانک آگ میں گر پڑیں یا ان پر دیوار یا مکان کی چھت گر پڑے یا سب کسی معرکہ میں مرجائیں اور کسی کی موت کے پہلے یا بعد میں ہونے کا پتہ نہ چلے یا تاریخ وفات کا علم نہ ہو اگرچہ ایک حادثہ میں شریک نہ ہوں۔ تو ان لوگوں کی آپس میں میراث پانے کا کیا حکم ہے؟ ❶

ا۔ **حنابلہ کے علاوہ جمہور کا قول ہے**...... ان کی آپس میں میراث نہیں۔ ہر ایک کا مال اس کے باقی زندہ ورثا کے لئے ہے۔ کیونکہ میراث کی شرط ہے کہ مورث کی وفات وارث کی وفات سے پہلے ثابت ہو اور وارث کی حیات وارث کی وفات کے وقت ثابت ہو۔ اور یہاں واقعہ اور علم کے مطابق مورث کی موت کے بعد وارث کی زندگی کا یقین منفی ہے اور بلا مرجح ترجیح ممنوع ہے۔ (یعنی کسی وجہ کے بغیر ترجیح اور فوقیت دینا ممنوع ہے)۔

ان حضرات کا استدلال اس روایت سے ہے جو حضرت خارجہ بن زید بن ثابت نے اپنے والد سے نقل کی ہے کہ مجھے ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل یمامہ کی میراث تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے زندوں کو مردوں کا وارث قرار دیا اور مردوں کو ایک دوسرے کا

---

❶......السراجیة: ص ۲۲۹۔۲۳۱، الدر المختار: ۵/۵۴۳، ۵۶۳، المبسوط: ۳۰/۲۷۔۲۸، بدایة المجتهد ۲/۳۴۸، القوانین الفقهیة: ص ۳۹۵، مغنی المحتاج: ۳/۲۶، الرحبیة ص ۸۹، المغنی ۶/۳۰۸۔

وارث قرار نہیں دیا۔ اور حضرت عمر نے مجھے طاعون عمواس سے ہلاک ہونے والوں میں میراث تقسیم کرنے کا حکم دیا حال یہ تھا کہ پورے کا پورا قبیلہ فوت ہو جاتا۔ تو میں نے زندوں کو مردوں کا وارث بنایا اور مردوں کو آپس میں ایک دوسرے کا وارث قرار نہیں دیا۔ اسی طرح کا فیصلہ جنگ جمل اور جنگ صفین کے مقتولین کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

۲۔ حنابلہ کا قول ہے...... جب آپس میں باہمی میراث پانے والے دو شخص مرجائیں اور ان میں سے پہلے مرنے والے کا علم نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ان میں سے ایک کو پہلے مرنے والا قرار دیا جائے گا لیکن ان دونوں میں سے کوئی دوسرے کے اس مال کا وارث نہیں ہوگا جس کا وہ (دوسرا) وارث ہوا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ہر ایک اپنے مال کا وارث ہوا ہے۔

ان حضرات نے ایک اور روایت سے استدلال کیا ہے جو حضرت عمر، علی، ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم، شریح، ابراہیم نخعی اور شعبی رحمہم اللہ سے مروی ہے ان حضرات کا قول ہے: وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ یعنی اس کے مال کے، نہ کہ اس مال کے جس کا اس کے ساتھ والا وارث ہوا ہے۔

اسی بنا پر اگر ایک ہی وقت میں دو سگے بھائی مرجائیں اور ہر ایک کے ورثا میں ماں، بیٹی اور چچا ہو اور ہر ایک کا ترکہ (۹۰) درہم ہو۔ تو جمہور کے نزدیک ہر ایک کا ترکہ تقسیم ہوگا لہٰذا ماں کو دونوں کا سدس (۱۵) ملے گا اور بیٹی کو نصف (۴۵) اور باقی (۳۰) چچا کا ہوگا۔

''اور حنابلہ کے نزدیک، ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت کو پہلے فرض کر کے اس کے ورثا میں ترکہ تقسیم کیا جائے گا اور انہی میں اس کا بھائی ہوگا پھر اسی طرح دوسرے کی موت کا اندازہ لگایا جائے گا۔ جس مال کے دونوں بھائی آپس میں وارث ہوئے اسے صرف ان میں سے زندہ ورثا میں تقسیم کیا جائے گا۔ قانون مصری (م ۳) اور شامی (م ۲۶۱) نے جمہور کی رائے کو اختیار کیا ہے اور آرٹیکل نے صراحت کی ہے کہ جب دو شخص اکٹھے مرجائیں پہلے مرنے والے کا علم نہ ہو تو کوئی بھی دوسرے کے ترکے کا مستحق نہیں ہوگا۔ خواہ دونوں کی موت کسی ایک حادثہ میں ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔''

ساتویں بحث: حرامی، ولد لعان اور راہ پڑے بچے اور جن کا شرعی باپ نہ ہو کی میراث...... کبھی بچہ کا نسب اس کے شرعی والد سے معلوم نہیں ہوتا جیسے یہ لوگ ہیں تو کیسے وارث ہوں گے؟ ❶

حرامی...... وہ بچہ ہوتا ہے جسے اس کی ماں نے غیر شرعی طریقے سے جنم دیا ہو یا وہ حرام تعلق کا نتیجہ ہو۔

ولد لعان...... ایسا بچہ جس کی پیدائش صحیح رشتہ زوجیت سے ہوئی ہو اور قاضی نے خاوند بیوی کے درمیان لعان کی وجہ سے خاوند سے اس بچہ کے نسب کی نفی کا فیصلہ کر دیا ہو، احناف کے نزدیک قاضی کا فیصلہ صرف لعان کی وجہ سے ہے اور جمہور بچہ کی نفی کے لئے خاوند کے مطالبہ کو شرط قرار دیتے ہیں۔

حرامی اور ولد لعان میں سے ہر ایک کی باپ اور باپ کے رشتہ داروں کے درمیان بالا جماع باہمی میراث نہیں۔ (یعنی نہ یہ ان کا اور نہ وہ اس کے وارث ہوں گے) بلکہ وہ صرف ماں کی طرف سے وارث ہوگا۔ کیونکہ باپ کی طرف سے اس کا نسب کٹ چکا ہے لہٰذا اس کی وجہ سے وارث نہیں ہوگا۔ اور ماں کی طرف سے ثابت ہے۔ ماں کی طرف سے اس کا نسب یقینی ہے اس لئے کہ شریعت نے نسب کو ثابت کرنے کے لئے زنا کو شرعی طریقہ شمار نہیں کیا۔ اور ولد لعان کا نسب اس کے باپ سے ثابت نہیں۔

لہٰذا ائمہ اربعہ کے نزدیک ہر ایک اپنی ماں اور اس کے رشتہ داروں کا وارث ہوگا۔ اور وہ ماں شریک بھائی ہیں۔ اور وارث بھی

❶ ...... الدر المختار: ۵/۵۶۵، اللباب: ۴/۱۹۸، تبیین الحقائق: ۶/۲۵۹۔۲۶۲، القوانین الفقھیة: ص ۳۹۴۔

صرف فرض کی وجہ سے ہوگا۔ اوراس کی ماں اس کی اوراس کے بھائیوں کی صرف فرض کی وجہ سے وارث ہوگی۔ کیونکہ ماں کے ساتھ اس کے تعلق میں کوئی شک نہیں وہ مضبوط ہے اور یہ تصور نہیں ہوتا کہ وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث یا مورث بنے۔ ہاں ولاء اور اولاد کی وجہ سے وارث ہوگا چنانچہ جس نے اسے یا اس کی ماں یا اس کی اولاد کو آزاد کیا ہو عصبہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کا وارث ہوگا۔ اسی طرح یہ اپنے آزاد کردہ غلام یا غلام کے آزاد کردہ غلام یا اس کی اولاد کا عصبہ ہونے کی وجہ سے وارث ہوگا۔

شیعہ امامیہ کی رائے ہے کہ حرامی اور اس کی ماں کے درمیان اور اس کی قرابت میں باہمی میراث نہیں۔ جیسا کہ اس کے زانی باپ اور اس کی قرابت کا حال ہے کیونکہ میراث ایک نعمت جو اللہ تعالیٰ نے وارث کو عطا کی ہے۔ لہٰذا جائز نہیں کہ اس کا سبب جرم یعنی زنا ہو۔

اور ولد لعان ان کے نزدیک اپنی ماں کا وارث ہوگا کیونکہ لعان کرنے والوں میں سے ایک اپنے دعوے میں جھوٹا ہوگا۔ لہٰذا یہاں نفی نسب کا نسب جرم نہ ہوا۔

لیکن ولد زنا کے بارے میں پہلی رائے بچے کے بارے میں نرم ہے کیونکہ جرم ماں کا ہے ماں کے جرم کی سزا بچے کو نہیں دی جائے گی۔ جہاں تک باپ کا تعلق ہے تو اس سے نسب غیر یقینی ہے اسی وجہ سے قانون مصری (م ۴۷) اور شامی (م ۳۰۳) نے اس رائے کو اختیار کیا ہے ان دونوں کے بارے میں آرٹیکل کی صراحت ہے ''ولد زنا اور ولد لعان اپنی ماں اور اس کی قرابت کے وارث ہوں گے اور ماں ان کے اور ان کی قرابت کی وارث ہوگی۔''

اور سنت میں ہے ''جس شخص نے آزاد عورت یا لونڈی سے زنا کیا تو پیدا ہونے والا بچہ ولد زنا ہے جو نہ وارث ہوتا ہے اور نہ مورث'' ❶ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''کہ آپ نے ولد لعان کی میراث اس کی ماں اور اس کے بعد اس کے ورثا کے لئے قرار دی'' ❷ اور متلاعنین کی اس حدیث میں ہے جسے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقل کیا ہے فرمایا: ''وہ عورت حاملہ تھی اس کا بیٹا اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا تو یہ طریقہ پڑ گیا کہ وہ بیٹا اس کا وارث ہوگا اور یہ اس کی وارث ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لئے مقرر کیا ہے۔'' ❸

اسی بنیاد پر کسی شخص کے ورثا میں اگر ماں اور غیر شرعی بیٹا ہو تو سارا ترکہ فرض اور رد کے لحاظ سے ماں کو ملے گا۔ بیٹے کو کچھ نہیں ملے گا۔ اور اگر کسی میت کے ورثا میں ماں ماں شریک بھائی اور غیر شرعی باپ شریک بھائی ہو تو ماں کو فرض اور رد کے اعتبار سے دو تہائی دیا جائے گا ماں شریک بھائی کو فرض اور رد کے لحاظ سے ایک تہائی ملے گا جب کہ باپ شریک بھائی کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ غیر شرعی ہے اور جب ولد زنا یا ولد لعان مر جائے اور ورثا میں اس کی ماں، نانا اور ماموں ہو تو سارا ترکہ اس کی ماں کو ملے گا فرض کی وجہ سے تہائی اور رد کی وجہ سے باقی نانا اور ماموں کے لئے کچھ نہیں کیونکہ وہ ذوی الارحام ہیں۔ اور جب ان دو بچوں میں سے کسی کا انتقال ہو جائے اور پسماندہ میں ماں اور ماں شریک بھائی ہو تو ماں کو فرض اور رد کی بنا پر دو تہائی اور ماں شریک بھائی کو فرض اور رد کی وجہ سے ایک تہائی دیا جائے گا۔

رہا راہ پڑا بچہ...... وہ ایسا بچہ ہے جسے عموماً اس خوف سے راہ میں پھینک دیا جاتا ہے کہ اس کی نگہداشت و پرورش کرنی پڑے گی یا زنا کی تہمت لگے گی۔ راہ پڑا بچہ جب بغیر وارث کے مر جائے تو جمہور کے نزدیک سوائے امام احمد کی ایک روایت کے اس کا مال بیت المال کے لئے ہے۔ جس کی بنیاد اس قاعدہ پر ہے (الغرم بالغنم) (نفع کے ساتھ نقصان بھی ہے)

---

❶ ......رواه الترمذی عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده وفی اسناده ابومحمد عيسیٰ بن موسیٰ قرشی دمشقی وهو ليس، بمشهور (نيل الاوطار: ٦/٦٦)۔ ❷رواه ابو داؤد عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده وفيه ابن لهيعة وفيه مقال معروف (حواله سابقه)۔ ❸اخرجه البخاری ومسلم(حواله سابقه)۔

کیونکہ بیت المال ہی اس پر خرچ کرنے اس کی تربیت کرنے اور تعلیم دینے کا ذمہ دار ہے لہٰذا اس کا ترکہ بھی اسی کے لئے ہوگا جیسے ضائع ہونے والے وہ اموال جن کے مالکوں کا پتہ نہ ہو۔ اور امام احمد سے مروی ہے جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ اس کی میراث اسے اٹھانے والے کے لئے ہے۔

اٹھارہویں فصل: مناسخہ.....مناسخہ کی تعریف، مسائل کی تصحیح اور مناسخات کے مسائل کا اختصار۔ ❶

سب سے پہلے مناسخہ کی تعریف: مناسخہ..... نسخ سے مفاعلہ کے وزن پر ہے، جس کا معنی نقل اور منتقل کرنا ہے اور یہاں اس سے مراد ورثا میں سے کسی کی موت کی وجہ سے تقسیم سے پہلے اس کے وارث کی طرف حصہ منتقل کرنا ہے۔

لہٰذا مناسخہ یہ ہے کہ میت اول کے ورثا میں ایک یا زیادہ افراد ترکہ کی تقسیم سے پہلے مرجائیں۔ کبھی میت اول کے ورثا میں سے صرف ایک کا انتقال ہوتا ہے اور کبھی زیادہ افراد فوت ہو جاتے ہیں۔ دونوں حالتوں میں کبھی عمل سے پہلے اختصار ممکن ہوتا ہے اور کبھی ممکن نہیں ہوتا لہٰذا یہ چار احوال ہوئے۔

دوم: مسائل کی تصحیح...... جب کسی انسان کا انتقال ہو جائے اور اس نے ترکہ اور ورثا چھوڑے ہوں اور ابھی ترکہ تقسیم نہیں ہوا کہ کسی وارث کا انتقال ہوا اور اس نے ورثاء چھوڑے ہوں وارث کی وضع اور ورثا کے حصے مختلف ہو گئے تو اس صورت میں عمل کا طریقہ یہ ہے کہ سابقہ قواعد کے ذریعے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے اور اس میں سے میت ثانی کے سہام کو محفوظ رکھا جائے اور اس کے لئے دوسرا مسئلہ بنایا جائے پھر انہی قواعد کے ذریعے میت ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے۔ اس کے بعد تصحیح اول میں سے میت ثانی کے سہام اور تصحیح ثانی میں غور کیا جائے، تو تین حالتوں سے خالی نہیں ہوگا یا مماثلت ہوگی یا موافقت یا تباین ہوگا۔

مماثلت...... یہ ہے کہ میت ثانی کے سہام اس کے مسئلہ پر تقسیم ہو جائیں اور دونوں مسئلوں کی تصحیح اس سے ہوگی جس سے پہلے مسئلہ کی تصحیح ہوئی جیسے:

ایک شخص کے ورثا میں بیوی، ماں اور چچا ہے مسئلہ (۶) سے ہوگا، بیوی کو نصف (۳) ماں کو تہائی (۲) اور باقی (۱) چچا کو دیا جائے گا۔ پھر بیوی کا انتقال ہوا تو اس کے تین بیٹے تھے ہم نے غور کیا تو اس کے سہام (۳) ملے جو اس کے ورثا پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا دونوں مسئلوں کی تصحیح (۶) سے ہوگی ماں کو (۲) چچا کو ایک (۱) اور تین بیٹے (۳) پائیں گے۔

تباین...... یہ ہے کہ میت ثانی کے سہام اس کے مسئلہ پر تقسیم نہ ہوں جیسے پہلی مثال میں زوج (۵) بیٹوں کو چھوڑ مرا تو اس کے تین سہام ان پر تقسیم نہیں ہو رہے اور اس کے مسئلہ کے متباین ہیں تو آپ اس کے پورے مسئلہ (۵) کو پہلے مسئلہ (۶) سے ضرب دیں حاصل (۳۰) ہوا اسی سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوگی ماں کے (۵×۲=۱۰) چچا کا (۵×۱=۵) اور پانچوں بیٹوں کا (۱۵) حصہ بنتا ہے یعنی جس کے حصے میں پہلے مسئلہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے مسئلہ ثانی میں ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا اور جس کی مسئلہ ثانیہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے اپنے مورث کے سہام سے ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا۔

موافقت...... یہ ہے کہ میت ثانی کے سہام کسی جزء میں اس کے مسئلہ کے موافق ہوں جیسے نصف اور تہائی مثلاً پہلی مثال میں

---

❶ ......السراجیۃ ع ص ۱۵۷-۱۶۳، الدر المختار: ۵/۵۶۶، اللباب: ۴/۲۱۰-۲۱۲، القوانین الفقھیۃ ص ۴۰۰، الرحبیۃ ص ۶۹، مغنی المحتاج: ۳/۳۶، المغنی: ۶/۱۹۷۔

زوج کے ورثا میں چھ بیٹے ہیں تو اس کے تین سہام اس کے مسئلہ پر تقسیم نہیں ہو رہے لیکن اس کے مسئلہ میں نصف کی وجہ سے موافقت ہے لہٰذا اس کے مسئلہ کے وفق (۲) کو میت اول کے مسئلہ (۶) سے ضرب دی گئی جس سے (۱۲) حاصل ہوا اور اسی سے دونوں مسئلوں کی تصحیح ہوئی تو جس کے حصہ میں پہلے مسئلہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے پہلے مسئلہ کے وفق سے ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا۔ اور جس کی دوسرے مسئلہ سے کوئی چیز ہوگی وہ اسے پہلے مسئلہ کے وفق سے ضرب دیئے جانے کے بعد وصول کرے گا۔

تیسرے شخص کی موت...... جب تیسرا شخص مرجائے تو اس کے وہ سہام لے لیں جو میت اول اور ثانی کے دونوں مسئلوں کو جامع ہیں۔ اگر اس کے مسئلہ پر تقسیم ہو جائیں تو تیسرے مسئلے کی تصحیح اسی سے ہوگی جس سے پہلے دو مسئلوں کی ہوئی۔ اور اگر سہام مسئلہ کے مباین ہوں تو ان کے وفق کو بھی اس سے ضرب دیں جس سے تصحیح ہوئی ہے۔

جو مبلغ ہوگا اس سے تینوں مسائل کی تصحیح ہوگی پھر اسے ایک پہلا مسئلہ شمار کریں۔

اور چوتھے میت کا مسئلہ دوسرے کی طرح ہے چنانچہ اگر ہم مباینت کی مثال کو اسی کے حال میں فرض کریں اور ماں کا انتقال چار باپ شریک بھایوں کو وارث چھوڑ کر ہوا ہو اور پھر چچا کا انتقال دس بیٹوں کو چھوڑ کر ہوا ہو اب اس حالت میں کہ جب ماں چار بھائیوں کو چھوڑتی ہے: مسئلہ (۳۰) کے حاصل اور چار بھائیوں کے عدد میں موافقت ہے پس ہر ایک کو (۲) پر تقسیم کر کے (۳۰×۲=۶۰) ضرب دی جائے گی اور اسی سے تصحیح ہوگی۔ لہٰذا بھائیوں کو (۲×۱=۲) اور پانچ بیٹوں کو (۲×۱۰=۳۰) اور چچا کو (۲×۵=۱۰) دیا جائے گا۔ اور چچا کا دس ۱۰ بیٹوں کو چھوڑ کر مرنے کی حالت میں اس کے حصے (۲۰) کو بیٹوں پر بغیر کسر کے تقسیم کرنا ممکن ہے لہٰذا ہر بیٹے کو (۲) دیا جائے گا۔

سوم: مناسخات کے مسائل کا اختصار...... مناسخات کے مسائل کے اختصار کی دو قسمیں ہیں: مسائل کا اختصار اور سہام کا اختصار۔

ا۔ مسائل کا اختصار...... یہ ہے کہ مسئلہ ثانیہ میں سہام اسی طرح ہوں جیسے پہلے مسئلے کے سہام رہ گئے اور ورثا بھی وہی ہوں بایں طور کہ وہ عصبہ ہوں۔

۲۔ سہام کا اختصار...... مسائل کی تصحیح اور تقسیم کے بعد ہوتا ہے وہ اس طرح کہ ورثا کے سہام کا اعتبار کیا جائے کبھی تو وہ کسی جزء میں موافق ہوتے ہیں تو انہیں اس جزء کی طرف رد کر دیا جاتا ہے اور مسئلے کا رد بھی اسی کی طرف کیا جاتا ہے اور اندازے و استقراء میں آپ یوں آغاز کریں گے نصف میں غور کریں اگر اسے نہ پائیں تو آپ اس عدد کو نہیں تلاش کریں گے جس سے عدد بنتا ہے جیسے چوتھائی اور آٹھواں حصہ اور (۱۶) اور اس کے مشابہ کا جزء، اور اگر آپ کو وہ مل جائے تو اس سے بننے والے عدد کو تلاش کرنا ہوگا۔ پھر آپ تہائی کو تلاش کریں اگر نہ ملے تو اس سے بننے والے اعداد بھی تلاش نہیں کریں گے جیسے سدس، نواں حصہ اور (۱۲) اور (۱۸) کا جزء۔ پھر آپ پانچویں حصے میں غور کریں اگر یہ نہ ملے تو آپ دسویں کو نہیں تلاش کریں گے اور نہ (۱۵) وغیرہ کے جزء کو ڈھونڈیں گے۔

اس کے بعد آپ ساتویں حصے اور پھر (۱۱) اور (۱۳) وغیرہ کے اجزاء کو تلاش کریں گے۔ تو جب آپ کو سہام کے دو مخرج مل جائیں تو ان دونوں سے بننے والے عدد آپ لے لیں گے۔ جیسے آپ کو نصف اور تہائی ملتا ہے تو آپ چھٹا حصہ لیں گے یا نصف اور پانچواں حصہ ملتا ہے تو آپ دسواں حصہ لیں گے۔ یا ساتواں حصہ اور تہائی ملتا ہے تو آپ (۲۱) کا جزء لے لیں گے پس اسی پر قیاس کر لیں۔

اگر ورثا کے سہام میں فرد کا واحد عدد ہو تو آپ نہ نصف تلاش کریں اور نہ اس سے بننے والے اعداد بلکہ تہائی، ساتواں اور نواں حصہ تلاش کریں اور اگر پانچ ہو یا پانچواں حصہ اور اس سے بننے والے اعداد تلاش کریں جن کا تعلق فرد کے مخرج سے ہو۔ اگر آپ چاہیں تو ہر مسئلہ سے فراغت کے بعد موافقت کو تلاش کریں اور اگر چاہیں تو آخر تک اسے چھوڑ دیں۔

موافقت کے طریقے میں ایک اور طریقہ بھی ہے: وہ یہ کہ آپ کم حصوں اور ان کے قریب والوں میں موافقت پیدا کریں اگر موافقت نہ ہو سکے تو آپ جان لیں کہ مسئلہ میں اختصار نہیں اور اگر دونوں موافق ہو جائیں تو اب اس جزء کے مخرج اور باقی ماندہ کے سہام میں موافقت تلاش کریں۔

مسائل کے اختصار کی مثالیں: ا...... بیوی، ماں، دس بھائی اور دس باپ شریک بہنیں ہیں ان بھائیوں میں سے آٹھ بھائی اور سات بہنیں مرگئیں تو بیوی کو ۴ / اماں کو ۶ / ۱۱ اور باقی ترکہ باقی رہ جانے والوں میں سات پر تقسیم ہوگا اور (۱۲) سے تصحیح ہوگی۔

۲...... بیوی، ماں، باپ، پانچ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں ان میں سے ایک بیٹا پھر ایک بیٹی پھر بیوی، پھر ایک بیٹا پھر باپ، پھر ایک بیٹا، پھر ماں اور پھر ایک بیٹی فوت ہوگئی۔ تو میراث باقی رہنے والوں کے لئے اور وہ دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے پانچ پر ان کے درمیان مال تقسیم ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب یہی بیوی، بیٹے، بیٹیوں کی ماں ہو اور ان کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو۔

۳...... بیوی، دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ ایک بیٹا فوت ہو تو پہلا مسئلہ (۸) سے ہوگا جب آپ اس میں سے بیٹے کو دو سہم ختم کردیں گے تو باقی (۶) رہ جائیں گے وہ دو سہم بھی ان میں (۶) پر تقسیم ہوں گے اس واسطے کہ جو بیٹا مرا اس نے ورثا میں ماں بھائی اور تین بہنیں چھوڑیں۔ اب پہلے مسئلہ کے باقی ماندہ سہام اور دوسرے کے سہام برابر ہوگئے تو اب مال کو ان کے درمیان (۶) پر تقسیم کردیں۔

۴...... میت کے ورثا میں پانچ بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہیں۔ پھر ان میں سے دو بیٹے اور دو بیٹیاں فوت ہوگئیں۔ تو تصحیح نہیں ہوگی بلکہ ماں کی تقسیم باقی ماندہ لوگوں کے درمیان (۹) پر ہوگی اگر آپ مناسخات کے عمل سے اس مسئلہ کی تصحیح کریں گے تو ان کے سہام کو موافقت سے (۹) کی طرف لوٹتا ہوا پائیں گے۔

۵...... تین بہنیں اور ایک چچازاد جوان مین سے ایک کا خاوند ہے مسئلہ کی تصحیح (۷) سے ہوگی کیونکہ اس کی اصل (۳) سے ہے بہنوں کو دو تہائی (۲) اور چچازاد کو (۱) ملے گا تو عدد روٗس (۳) بہنوں کو اصل مسئلہ (۳×۳=۹) سے ضرب دیں گے۔ پھر وہ بہنیں دو سہم چھوڑ کر فوت ہوگئی جو چچازاد سے منسوب تھی جس کا وارث اس کا خاوند اور دو بہنیں ہوئیں۔ (۶) سے (۷) تک مسئلہ کا عول ہوگا۔ پہلے مسئلہ میں ان کے پہلے سہام (۷) اسی کو بنیاد بنا کر مال تقسیم ہوا اور اگر مناسخہ کا عمل کریں تو (۶۳) سے تصحیح ہوگی دونوں مسئلوں کے اصول کو ضرب دے کر (۹×۷) لہٰذا پہلی بہن (۲×۹=۱۸) لے گی اسی طرح دوسری وصول کرے اور خاوند (۲۷) لے گا۔

۶...... عورت کے ورثا میں خاوند، والدین پانچ بیٹے، پانچ بیٹیاں، تین بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ بعد میں خاوند پھر ماں پھر باپ پھر ایک بیٹی اور ایک بیٹا فوت ہوا۔ خاوند کے مرنے سے اس کی اولاد اس کی وارث ہوئی اور ماں کے مرنے سے اس کا خاوند جو باپ ہے وارث ہوگا اور اس ماں کی اولاد جو بھائی اور بہنیں ہیں وارث ہوئیں جب باپ فوت ہوا تو اس کا مال ان کی طرف لوٹ آیا یوں ان کے لئے تہائی ہے اور اولاد کے لئے دو تہائی ہے بیٹے اور پھر بیٹی کے فوت ہونے سے ان دونوں کا حصہ ان کے بھائیوں اور بہنوں کی طرف لوٹ آئے گا تو اب دو تہائی (۱۲) پر ان میں سے باقی رہ جانے والوں میں تقسیم کریں جو چار مرد اور چار خواتین ہیں اور تہائی کو (۹) پر اور دو سہم کو (۱۲) پر (۶) تک توافق بالنصف ہے اور چھ تہائی کے ذریعے نو کے موافق ہے اب دو میں سے ایک کے تہائی کو دوسرے سے ضرب دیں تو (۱۸) ہوگا پھر اس کے تہائی سے تو (۵۴) ہوگا اور اسی سے تصحیح ہوگی۔

سہام کے اختصار کی مثالیں: ا...... بیوی، بیٹا اور بیٹی وارث ہیں پھر بیٹی فوت ہوگئی دونوں مسئلوں کی تصحیح (۸) سے ہوگی کیونکہ پہلے مسئلے کی اصل (۴) ہے اور دوسرے مسئلے کی اصل (۳) ہے تو انہیں آپس میں ضرب دی جائے گی لہٰذا ماں کو (۳+۱) اور بیٹے کو (۲+۲) ملے گا اور بیوی جو مرحومہ بیٹی کی ماں ہے (۴) ملے گا اور بیٹا اس بیٹی کا بھائی ہے اسے عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ملے گا۔

۲......بیوی، ماں باپ، پوتا، پوتی وارث ہیں۔ پھر بیوی اور والدین کا انتقال ہوگیا۔ مسئلہ کی تصحیح (۲۴۳) سے اور نو سے موافقت ہوگی کیونکہ (۲۴۳÷۹=۲۷) تقسیم سے (۲۷) کی طرف لوٹتا ہے دو بیٹیوں کو (۲۴) پوتے کو دو سہام اور پوتی کو ایک سہام ملے گا۔

۳......بیوی، دو بیٹے، ایک بیٹی ہے پہلے بیٹے کا اور پھر بیٹی کا انتقال ہوگیا، مسئلہ کی تصحیح (۱۰۸۰) سے ہوگی بیوی کو (۲۶) بیٹے کو (۷۸۴) دونوں اعداد میں ثمن (آٹھویں حصے) کی وجہ سے توافق ہے تو وہ (۱۳۵) کی طرف لوٹے گا بیوی کو اس میں سے (۳۷) اور بیٹے کو (۹۸) ملے گا۔

۴......بیوی، ماں، باپ، پوتا اور پوتی ہیں بیوی کا انتقال ہوا پھر ماں فوت ہوئی اس کے بعد باپ کی وفات ہوگئی مسئلہ کی تصحیح (۱۴۴) اور بارہ (۱۲) تک اختصار ہوگا۔ بیٹی کو (۹) پوتے کو دو سہام اور پوتی کو ایک سہم ملے گا۔

۵......بیوی، ماں، تین بیٹے اور ایک بیٹی وارث ہے پہلے بیوی کا انتقال ہوا پھر ماں فوت ہوگئی۔ جس کے ورثا میں ایک بیٹی اور خاوند ہے لہٰذا بیوی کو ۸/۱ (۳) ماں کو ۶/۱ (۴) اور باقی (۱۷) بیٹی اور بیٹوں میں تقسیم ہوگا۔

ایک قول ہے کہ مسئلہ (۲۴) سے ہوگا۔ (۱۶۸) سے تصحیح ہوگی۔ وہ اس طرح کہ (۷×۲۴) سے ضرب دی جائے گی بیوی کے سہام اس کی اولاد کی طرف لوٹ آئیں گے یوں ان کے (۲۰) ہوگئے پھر ماں چار سہام چھوڑ کر فوت ہوئی ان میں سے ان کے حصے میں ایک سہم آیا اس طرح ان سے (۲۱) ہوگئے۔

جو ان پر تقسیم ہو رہے ہیں اس کے خاوند کا ایک سہم ہے اور اس کی بیٹی کے دو سہام ہیں۔ (۱۶۸) سے اس کی تصحیح ہوگی ساتوں حصوں میں سہام کی موافقت ہے کیونکہ (۱۶۸÷۷=۲۴) لہٰذا یہ (۲۴) کی طرف لوٹے گا۔

ایسی مثالیں جن سے میت اور ورثا کی صفت کی وضاحت ہوتی ہے..... کچھ مسائل ایسے ہیں جن سے میت کی صفت سمجھی جاتی ہے کہ آیا وہ مرد ہے یا عورت اور ورثا کی صفت واضح ہوتی ہے کہ وہ ایک ماں کی اولاد ہیں یا مختلف ماؤں کی۔

کیونکہ مذکورہ صورتوں میں حکم مختلف ہوتا ہے اور نسب تبدیل ہوجاتا ہے اور میراث گھٹتی بڑھتی ہے۔

۱......دو باپ شریک بھائی، اور دو سگی بہنیں ہیں۔ اب بھائیوں میں سے ایک فوت ہوگیا اب پوچھنا یہ ہے کہ: آیا وہ دونوں ایک ماں کی اولاد ہیں یا دو ماؤں کی، کیونکہ اگر دونوں ایک ماں کی اولاد ہوئے تو دوسرا اس کا سگا بھائی ہوگا تو اس صورت میں ساری میراث اس کی ہے اور اگر مائیں دو ہیں تو سب وارث ہوں گے۔

۲......دو ماں شریک بہنیں اور دو سگی بہنیں ہیں۔ پھر ماں شریک بہنوں میں سے ایک فوت ہوگئی اب سوال یہ ہے کہ: آیا دونوں کا باپ ایک تھا یا نہیں۔ اگر باپ ایک تھا تو زندہ بہن سگی ہوگی اور دوسری دو بہنیں ایک ماں سے ہیں اگر دونوں کا باپ الگ الگ ہے تو یہ سب ماں شریک بہنیں ہیں۔

۳......پانچ بہنیں اور ایک چچا ہے سوال یہ ہے کہ میت مرد ہے یا عورت، آیا میت کی ماں شریک بہنیں ہیں یا باپ شریک یا سگی ہیں یا بعض شریک ہیں۔ کیونکہ اس سے حکم بدل جاتا ہے۔

۴......چار بیٹیاں اور ایک چچا ہے پھر ان بیٹیوں میں سے ایک فوت ہوگئی ان کے بارے میں دریافت کیا جائے گا کہ: ان کی ماں ایک ہے یا مختلف ہیں۔

۵......ایک شخص کا انتقال ہوا اور ورثا میں والدین اور دو بیٹیاں ہیں پھر ایک بیٹی فوت ہوگئی جس کا وارث خاوند ہے پوچھنا یہ ہے کہ: میت مرد ہے یا عورت اگر میت عورت ہے تو اس کی دونوں بیٹیاں ایک خاوند سے ہیں یا دو خاوندوں سے، اور یہ مسئلہ مامونہ ہے جس کا امتحان یحییٰ بن اکثم سے لیا گیا تھا۔

۶......خاوند، چار بیٹیاں اور ایک چچا وارث ہے پھر ایک بیٹی فوت ہوگئی خاوند کے بارے پوچھا جائے گا آیا وہ مرحومہ کا باپ ہے یا نہیں اور زندہ رہنے والیاں ایک خاوند سے ہیں یا کئی خاوندوں سے۔

۷......میت نے دو بھائی اور دو جدہ وارث چھوڑیں پھر ایک بھائی کا انتقال ہوگیا بھائیوں کے متعلق دریافت کیا جائے گا وہ سگے تھے یا نہیں اگر دونوں باپ شریک تھے تو صرف دادی اس کی وارث ہوگی اور اگر ماں شریک تھے تو نانی اکیلی وارث ہوگی اور اگر سگے تھے تو دونوں جدہ (دادی اور نانی) وارث ہوں گی۔

۸......دس بیٹے اور ایک چچا وارث ہے پھر ان میں سے ایک بیٹا فوت ہوگیا۔ ان کی ماں کے بارے میں پوچھا جائے گا ایک تھی یا کئی؟

۹......ماں باپ اور تین بھائی وارث ہیں پھر ماں کا انتقال ہوگیا۔ پوچھا جائے گا کہ باپ اس کا خاوند تھا یا اس نے اسے طلاق دی ہوئی تھی۔

انیسویں فصل: تخارج یا مخارجہ......اس کی تعریف اور تخارج ❶ کے وقت ترکہ کی تقسیم کی کیفیت۔

سب سے پہلے تخارج کی تعریف......تخارج یہ ہے کہ ورثا میں سے کوئی شخص ترکہ وغیرہ میں سے کوئی چیز چھوڑ کر کسی معلوم چیز کے مقابلہ میں صلح کرلے۔ یہ عقد معاوضہ ہے اس کا ایک بدل ترکہ میں وارث کا حصہ ہے اور دوسرا بدل وہ مال معلوم ہے جو نکلنے والے وارث کو دیا جاتا ہے۔ یہ عقد باہمی رضامندی سے جائز ہے۔

جب عقد مکمل ہو جائے تو وارث اس معلوم عوض کا مالک ہو جائے گا جو اسے دیا گیا اور ترکہ میں سے اس کے حصے کی ملکیت ختم ہو کر ان بقیہ ورثا کی طرف منتقل ہو جائے گی جن سے اس نے صلح کی ہے اس کی صورت خلفاء راشدین کے دور میں اس وقت پیش آئی جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی تماضر بنت الاصبغ کلبیۃ کو اپنی مرض الوفات میں طلاق دے دی تھی آپ کے انتقال کے وقت وہ عدت میں تھیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں دوسری تین عورتوں کے ساتھ انہیں وارث قرار دیا تو ورثا نے ان سے آٹھویں حصے کے چوتھائی کے بدلے تیراسی ہزار (بقول بعض دنانیر اور بقول بعض دراہم) پر صلح کرلی تھی۔

تخارج کے وقت تقسیم ترکہ کی کیفیت......تخارج کے وقت تقسیم ترکہ کی مندرجہ ذیل مختلف صورتیں ہیں۔

۱......ورثا سے کوئی ایک اپنا حصہ دوسرے کو دے دے اور مقابلہ میں خاص وارث کے مال سے کوئی چیز لے لے۔ تو اب دوسرے شخص کو ترکہ میں پہلے کے حصے کی جگہ مل جائے گی اس کے سہام اس کے سہام کے ساتھ مل جائیں گے۔ جیسے اگر ورثا میں خاوند اور دو سگے بھائی ہوں تو ایک بھائی نے اپنا مخصوص مال دے کر خاوند کو اس کے حصے سے دست بردار کر دیا۔

یوں خاوند کا حصہ جو چار میں سے دو سہام ہیں اس کے حصے جو ایک سہم بنتا ہے کے ساتھ مل جائیں گے اس طرح اس کے تین سہام اور دوسرے سگے بھائی کا ایک سہم ہوگا۔

۲......ورثا میں سے ایک شخص اپنا حصہ بقیہ وارثوں کے لئے اس مال کے مقابلہ جو وہ اسے ترکہ کے علاوہ اپنے حصوں کے تناسب سے دیں چھوڑ دے۔ یوں سارا ترکہ بقیہ وارثوں کے لئے ان کے حصوں کے تناسب سے ہوگا اور اپنا حصہ چھوڑنے والے کو غیر وارث قرار دیا جائے گا۔ جیسے ایک عورت کے ورثا میں خاوند، بیٹا اور بیٹی ہے پھر خاوند بیٹے اور بیٹی کے مخصوص کے متعین مبلغ

---

❶......السراجیة: ص۲۷۱، احکام المواریث الاستاذ عیسوی: ص۱۶۹۔۱۷۲۔

کے عوض جو ان کے حصوں کے تناسب سے بنتا ہے اپنا حصہ چھوڑ دیتا ہے تو ترکہ بیٹے اور بیٹی کے درمیان تقسیم ہوگا اول کو دو تہائی اور دوسری کو ایک تہائی ملے گا۔

۳......ورثا میں سے ایک شخص اپنا حصہ بقیہ وارثوں کے لئے اس مال کے عوض جو وہ اسے ترکہ کے علاوہ مال سے برابری کے ساتھ دیتے ہیں چھوڑ دیتا ہے تو جس حصہ پر صلح ہوئی ہے اسے بقیہ وارثون کے درمیان برابری کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔لہٰذا سابقہ مثال میں جب بیٹا اور بیٹی آدھوآدھ مبلغ دیں گے تو دونوں خاوند کے حصے کے مستحق ہیں جو نصفانصف چوتھائی ہے۔

۴......ایک وارث بقیہ وارثوں کے لئے اپنا وہ حصہ چھوڑ دیتا ہے جس کے عوض اسے ترکہ میں سے کوئی مال دیں گے تو وہ حصہ باقی وارثوں کے درمیان ان کے حصوں کے تناسب سے تقسیم کیا جائے گا۔

جس کی صورت یہ ہے کہ پہلے تخارج کو معدوم سمجھتے ہوئے ترکہ تقسیم کیا جائے پھر اصل مسئلہ سے خارج کے سہم کو کم کیا جائے یا اس کے عول میں سے جو ترکہ میں سے تخارج کے بدل کو کم کرنے کی نظیر ہے۔قانون مصری (م ۴۸) اور شامی (م ۳۰۴/ ۳۱) نے سابقہ وجوہات سے تخارج کی تعریف اور تقسیم ترکہ کی کیفیت کی صراحت کی ہے۔

مثالیں: ۱......اگر کسی عورت کا انتقال ہوتا ہے اور ورثا میں خاوند، دو بیٹیاں ایک پوتی اور ایک پوتا ہے پھر ورثا خاوند سے ترکہ چھوڑنے پر صلح کر لیتے ہیں خاوند کے لئے چوتھائی (جو ۱۲ میں سے ۳) تھا اور دونوں بیٹیوں کا دو تہائی (۸) اور باقی پوتی اور پوتے کے لئے ''مرد کا عورت سے دوگنا حصہ کے تحت'' ہے پھر مسئلہ کی تصحیح عصبہ کے عدد روس کو ضرب دینے (۳×۱۲=۳۶) اور باقی عصبہ کا ہے اس کے بعد خاوند کے (۹) سہام (۳۶) میں سے کم کئے جائیں گے تو باقی (۲۷) ہوگا ترکہ میں سے چھوڑے ہوئے حصے کو کم کرنے کے بعد باقی اس پر تقسیم کیا جائے گا۔

۲......بیوی کا انتقال ہوا خاوند، ماں اور سگا چچا وارث ہیں پھر خاوند سے اس کے ذمہ جو مہر باقی تھا اس پر صلح لی گئی مسئلہ (۶) سے ہوگا خاوند کو ۳/۱ (۳) ماں کو ۲/۱ (۲) اور چچا کو باقی (۱) ملے گا۔اس کے بعد خاوند کے سہام (۳)، (۶) میں سے کم کئے جائیں گے یوں باقی (۳) ہوئے جو اصل مسئلہ ہے اس پر باقی ترکہ تقسیم ہوگا باقی جو مہر کے علاوہ ہے لہٰذا ماں کے دو سہام اور چچا کا ایک سہم ہوا۔

۳......ایک عورت کے ورثا میں ایک سگی بہن ایک باپ شریک اور ایک ماں شریک بہن اور خاوند ہے پھر سگی بہن نے زمین کے رقبہ کے عوض ترکہ میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔مسئلہ (۶) سے ہوکر (۸) تک عول ہوگا سگی بہن کا حصہ نصف (۳) بنتا ہے اور باپ شریک بہن کا سدس (۱) اور ماں شریک بہن کا سدس (۱) خاوند کا نصف (۳) پھر سگی بہن کا حصہ (۳) اصل مسئلہ (۸) سے کم کیا جائے گا اس کے بعد زمین کے رقبہ کی قیمت کے علاوہ ترکہ میں سے جو باقی ہے اسے اصل مسئلہ کے باقی (۵) پر تقسیم کیا جائے گا۔یوں خاوند کے (۵) میں سے (۳) اور باپ شریک بہن کا (۱) اور ماں شریک بہن کا (۱) ہوگا۔

۴......ایک شخص کے ورثا میں بیوی، دو سگی بہنیں اور ایک ماں شریک بہن ہے پھر وارثوں نے بیوی سے ترکہ چھوڑنے پر صلح کر لی۔مسئلہ (۱۲) سے ہوکر (۱۳) تک عول ہوگا بیوی کے (۳) سہام دونوں سگی بہنوں کے ۸) سہام ماں شریک بہن کے دوسہام پھر بیوی کا حصہ (۳) اصل مسئلہ (۱۳) سے کم کیا جائے گا۔باقی (۱۰) بچے گا قیمت کو کم کر کے باقی ترکہ کو اس پر تقسیم کیا جائے گا۔اس طرح سگی بہن کے (۸) سہام اور ماں شریک بہن کے دو سہام ہوئے۔

ملحق، زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کی سفارشات اور فتاویٰ جات سفارشات:

۱.....کانفرنس اس ضرورت کی توثیق کرتی ہے کہ تمام مسلمان خواہ وہ حکام ہوں یا رعایا خالص اسلامی عقیدہ کو مضبوط اور اپنے علاقوں میں روشن اسلامی شریعت کے احکام کو عملی شکل دینے کے لئے کام کریں۔

۲.....کانفرنس ان اسلامی اور غیر اسلامی حکومتوں کے حکمرانوں سے اپیل کرتی ہے جن میں زکوٰۃ کے ادارے قائم نہیں ہوئے کہ وہ زکوٰۃ کے مستقل اداروں کے قیام کی حوصلہ افزائی کریں اور ان اداروں کے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کے معاشروں اور افراد پر اچھے اثرات پڑتے ہیں۔

۳.....زکوٰۃ کی تمام صورتوں کو منظم کرنے کے لئے زکوٰۃ کے اداروں کے لئے اتحاد یا عمومی امانت کو اجاگر کرنا۔ مخصوص کانفرنس کرنا اور کسی ایک علاقہ کو ان کے لئے اختیار کرنا۔

۴.....زکوٰۃ سے متعلق جدید مسائل کے حل کے لئے فقہاء اور متخصص فی الفقہ کی کمیٹی تشکیل دینا اور مطلوبہ جہات کے لے اس کی سفارشات کو پہنچانا اور اسے نافذ کرنے کے لئے کویتی بیت الزکوٰۃ عالم اسلام میں مخصوص جہات کا جائزہ لینے کا ذمہ دار ہوگا اس شرط پر کہ اس کمیٹی کو ایسے شرعی خاکہ کی تیاری کے برتری حاصل ہوگی جو زکوٰۃ کے احکام کو متحد و مربوط کردے مال زکوٰۃ کو جمع کرنے، اسے صرف کرنے اور اس کے متعلقہ تمام مسائل کو عمل میں لائے۔

۵.....فنڈ سازی یا زکوٰۃ کے فنڈ کے نام سے ایسا انتظام جس میں اسلامی حکومتیں شریک ہوں اور وہ اسلامی کانفرنس کے زیر انتظام ہو۔ تاکہ اسلامی حکومتوں میں زکوٰۃ کے اداروں کے درمیان ترتیب قائم کی جائے اور ان کی مشکلات کو لازمی تعلیمات، مذاکروں اور پورے عالم اسلامی میں زکوٰۃ کی جمع وتقسیم کے انتظام کے ذریعے حل کیا جائے۔ اور یہ کہ کویت میں بیت الزکوٰۃ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے ساتھ اور اس بارے میں لازمی تعلیمات کی تیاری کے ساتھ اس سفارش کو نافذ کرنے کا جائزہ لے۔

۶.....کانفرنس اس کی اپیل کرتی ہے کہ کسی ایک اسلامی علاقے میں سالانہ زکوٰۃ کانفرنس ہو تاکہ مخصوص مسائل کے حل کے لئے ان اجلاسوں کی اہمیت ثابت ہو بشرطیکہ کویت میں بیت الزکوٰۃ اس اپیل کو نافذ کرنے کا جائزہ لے۔

۷.....وزارت تربیت وتعلیم اور اسلامی حکومتوں کی یونیورسٹیوں کا زکوٰۃ کے مخصوص نصاب اور اس کی مختلف جانبوں کی تدریس کا اہتمام کرنے کی دعوت دینا جو اس کے طریقوں کے ضمن میں ہو اور اس کے مختلف اطراف میں علمی بحث کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۸.....کانفرنس اس بات کی اپیل کرتی ہے کہ فریضۂ زکوٰۃ کی توضیح وتفصیل کے لئے تمام ذرائع ابلاغ کام میں لائے جائیں اور اسلامی معاشروں میں اس کی ضرورت کی حد کو واضح کرنے والے پروگرام تیار کئے جائیں جو ان اجتماعات کو قائم کرنے کے اثرات کی وضاحت کریں۔

۹.....کانفرنس ایسے باصلاحیت وکفایت ملازمین کے چناؤ کی اہمیت کی اپیل کرتی ہے جو زکوٰۃ کے اداروں کا انتظام چلانے کے لئے اسلام کے عمومی عمل کا اہتمام کریں اور ان کی طاقت کی مرحلہ وار تبدیلی کے لئے مخصوص حلقوں اور مشقوں کو عمل میں لانے کا انتظام کرنا۔

۱۰.....کانفرنس اس کی اپیل کرتی ہے کہ فریضۂ زکوٰۃ کو عملی شکل دینے کے لئے سابقہ اور موجودہ عملی تشکیلات کی تعلیم دی جائے اور اس کے تجربوں اور مختلف سرگرمیوں سے استفادہ کیا جائے۔ جیسے مملکہ عربیۃ سعودیہ اور اسلامی جمہوریہ پاکستان اور دوسری اسلامی حکومتیں۔

۱۱.....کانفرنس زکوٰۃ گھروں اور فنڈز کی اپیل کرتی ہے مجاہدین کا اہتمام کرنے اور انہیں ہر طرح کی مدد فراہم کرنے کی پیش کش کرتی ہے۔

۱۲.....عالم اسلام میں زکوٰۃ کے اداروں کی آپس میں جاری ترتیب کی ضرورت اور زکوٰۃ کے مختلف مسائل اور رائے اور تجربوں کے تبادلہ پر عمل کرنے کا کانفرنس اپیل کرتی ہے۔

فتاویٰ جات (سب سے پہلے) کمپنیوں کے اموال اور حصص کی زکوٰۃ، کمپنیوں کے اموال کی زکوٰۃ:

مشترکہ حصوں پر بھی زکوٰۃ لاگو ہوتی ہے کیونکہ اسے شخص شمار کیا جاتا ہے جو آئندہ حالات میں ہے۔

ا......لازمی قانونی صراحت کا صادر ہونا کہ ان کے اموال کی زکوٰۃ دی جائے۔

۲......اساسی نظام اس کا ضامن ہو۔

۳......شرکت کی عمومی جمعیت کا اس کے بارے میں قرار پانا۔

۴......حصہ داروں (شیئر ہولڈرز) کی ذاتی رضامندی۔

اس بارے میں دلیل وسند (خلطۃ) کے اصول پر عمل ہے جو سنت نبوی میں وارد ہے جو جانوروں کی زکوٰۃ کے بارے میں ہے اور جسے بعض معتبر فقہی مذاہب نے اس کے علاوہ عمومی سمجھا ہے، افضل راستہ اور اختلاف سے بچنے کا طریقہ یہ ہے: کہ کمپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کرے اگر نہ کرے تو کمیٹی کمپنیوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے اموال کی زکوٰۃ روک لے اور اس کے سالانہ میزانیہ کے ساتھ زکوٰۃ کے ایک حصے سے بیان کے طور پر ملایا جائے۔

حصص کی زکوٰۃ: ا......جب کمپنی اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا کر دے تو حصہ دار پر دوسری زکوٰۃ دینی واجب نہیں، تاکہ دوہری ادائیگی سے روکا جائے۔

۲......لیکن جب کمپنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو شیئر ہولڈر پر اپنے حصص کی زکوٰۃ واجب ہے جس کی وضاحت گزشتہ پیرے میں کی گئی ہے۔

کمپنیوں اور حصص کی زکوٰۃ کا اندازہ کیسے لگایا جائے: ۳...... کمپنی جب اپنی زکوٰۃ ادا کرتی ہو تو اسے فطری شخص کا درجہ دیا جائے گا اور اس کی زکوٰۃ اس کے اموال کی اصل اور نوعیت کے لحاظ سے شرعی مقداروں کے ذریعے نکالی جائے گی۔ البتہ جب کمپنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو حصہ دار پر دو میں سے ایک حالت کی پیروی کرتے ہوئے اپنے حصص کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔

۴: پہلی حالت......اس نے اپنے حصہ کو خرید وفروخت کے طور پر تجارت کرنے کے لئے لیا ہو تو اس صورت میں اس کی واجب زکوٰۃ دسویں حصے کا چوتھائی (۲،۵٪) جو زکوٰۃ کے وجوب کے دن سے بازاری قیمت سی وصول کیا جائے گا۔

۵: دوسری حالت......اس نے اپنے حصص سے سالانہ نفع حاصل کرنے کیلئے حصص لیے ہوں تو ان کی زکوٰۃ کی تفصیل اس طرح ہے۔

(ا) اگر اسے کمپنی کی موجودہ مالیت کی زکوٰۃ میں مخصوص حصے کی زکوٰۃ کی مقدار کا حال کمپنی وغیرہ کے ذریعے معلوم ہو جائے تو وہ دسویں حصے کی چوتھائی کے تناسب سے زکوٰۃ دے گا (۲،۵٪) جو زکوٰۃ کے وجوب کے دن سے بازاری قیمت سے وصول کیا جائے گا۔

(ب)......اور یہ مقدار معلوم نہ ہو سکے تو اس بارے میں آراء مختلف ہیں۔

اکثریت کی رائے یہ ہے کہ شیئر ہولڈر اپنے نفع کو اپنے باقی اموال کے ساتھ سال اور نصاب کے لحاظ سے ملا لے گا۔ اور اس میں سے (۲،۵ ÷) زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اسی طرح سے اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔

اور دوسری کی رائے یہ ہے کہ نفع میں سے ۱۰ فیصد دسواں حصہ ادا کرے گا۔

جونہی اس کا قبضہ ہوگا۔ زرعی زمین کی پیداوار پر قیاس کرتے ہوئے۔

دوم: مستغلات منافع حاصل کرنے والی چیزوں کی زکوٰۃ: ۶......مستغلات سے مقصود مال تیار کرنے والی ملز، جائیدادیں،

گاڑیاں اور اس طرح آلات ہیں جو اجرت وکرائے پر دینے کے لئے تیار ہوں۔

اور اپنی صورت میں تجارت کے لئے نہ ہوں۔نفع حاصل کرنے کی یہ اشیاء جو ہیں ان کے بارے میں کمیٹی کا اتفاق ہے کہ خود ان پر زکوٰۃ نہیں بلکہ ان سے حاصل ہونے والے نفع پر ہے ہر اس نفع کی زکوٰۃ کے بارے میں کہ کیسے دی جائے کئی آراء ہیں۔

اکثریت کی رائے یہ ہے کہ نفع (نصاب اور سال میں) ان اشیاء کے مالکوں کے پاس جو نقدی اور سامان تجارت ہے اس کے ساتھ ملایا جائے اور (۲،۵÷) کے تناسب سے زکوٰۃ دی جائے اس سے وہ بری الذمہ ہو جائے گا۔

اور بعض کی رائے یہ ہے مالکوں کی اصلی حاجات سے زائد نفع کے صافی مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی استہلاک کی نسبت کے مقابلہ میں اور تکالیف کم کرنے کے بعد ادا کی جائے گی اور فوری قبضہ کے بعد (۱۰ فیصد) کے تناسب سے فصلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے واجب ہوگی۔

سوم: اجرت، تنخواہ، آزاد پیشوں کا منافع اور باقی کاموں کی زکوٰۃ:۷.....اموال کی یہ قسم بشری قوی کے لئے نفع شمار کی جاتی ہے انسان کے لئے اس کی گنجائش ہے کہ وہ کسی نفع بخش میں اسے بطور ملازمت دے۔جیسے مزدوروں کی مزدوری، ملازمین کی تنخواہیں، ڈاکٹر کی فیس اور انجینئر وغیرہ کی فیس۔اور اسی طرح بدلے وغیرہ کے باقی کمائی کے کام، بہرحال یہ وہ چیز ہے جو کسی متعین نفع سے پیدا نہ ہو۔کمائی کی اس قسم کے بارے میں زیادہ تر اراکین کی رائے یہ ہے کہ اس میں قبضہ کے وقت زکوٰۃ نہیں لیکن اسے کمائی کرنے والے اپنے باقی زکوٰۃ کے اموال کے ساتھ نصاب اور سال کی شرط کے ساتھ ملائے گا اور نصاب اور سال کے مکمل ہونے کے وقت سب کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔اسی طرح کی جو کمائی سال کے درمیان میں حاصل ہو اس کی زکوٰۃ سال کے آخر میں دے دے اگرچہ اس کے ہر جزء پر مکمل سال نہ گزرا ہو۔

اور جو کمائی اس وقت حاصل ہو کہ کمائی کرنے والے کے پاس اس سے پہلے کوئی ایسا نصاب نہ ہو جس سے سال کا آغاز ہو۔اس وقت سے لے کر سال کے مکمل ہونے کے وقت اس پر زکوٰۃ لازم ہے اور اس میں زکوٰۃ کی نسبت (۲،۵٪) ہر سال کے لئے ہے۔

اور بعض اراکین کی رائے ہے کہ حاصل ہونے والے ان اموال میں سے ہر ایک کی قبضہ کے وقت (۲،۵٪) کی مقدار سے زکوٰۃ ادا کرے جب مقبوض نصاب کی حد تک پہنچ جائے اور اس کی اصل حاجات سے زائد اور قرض سے سالم ہو۔جب وہ یہ مقدار نکال دے تو اس پر سال مکمل ہونے کے وقت باقی اموال کی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب نہیں۔اور زکوٰۃ دینے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اوپر زکوٰۃ کا حساب لگائے اور اپنے دوسرے سالانہ اموال کے ساتھ اس کی زکوٰۃ ادا کردے۔

چہارم: سودی رسیدیں اور امانتیں اور حرام مال وغیرہ:۸.....ایسی دستاویز جو سودی فوائد والی ہوں اور اسی طرح سودی امانتیں ان میں اصل مال کی زکوٰۃ، نقدی کی (۲،۵٪)۔ہے رہے وہ منافع جو اصل پر مرتب ہوں تو ان کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ نہیں دی جاتی وہ تو مال خبیث ہے مسلمان پر لازم ہے کہ اس سے فائدہ حاصل نہ کرے۔اس کا ایک ہی راستہ ہے مساجد کی تعمیر اور قرآن مجید کی طباعت کے علاوہ مصلحت عامہ اور بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے۔رہے وہ اموال جو ظلماً غصب یا چرائے گئے ہیں تو ان کا غاصب ان کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اس لئے کہ یہ اس کی ملکیت نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ انہیں ان کے مالکوں کے پاس واپس پہنچادے۔

پنجم: قمری (چاند کے حساب سے) سال.....سال گزرنے کے بارے میں قمری سال کی رعایت کرنا اصل ہے اور یہ رعایت ہر اس زکوٰۃ والے مال کے لئے ہے جس کے لئے سال شرط ہے کمیٹی افراد، کمپنیوں او مالی اداروں سے قمری سال میزانیہ کے

حساب کے لئے بنیاد بنانے کی اپیل کرتی ہے یا کم از کم زکوٰۃ کے خاص اعداد وشمار قمری سال کے موافق ہوں۔ اگر اس میں کوئی مشقت ہو تو کمیٹی لوگوں کی آسانی کے لئے جائز سمجھتی ہے۔ جب مالی حساب کتاب شمسی سال کی بنیاد پر ہو جائے۔ کہ (۲٫۵۷۵، ۲%) تقریباً کے تناسب سے شمسی سال کے دنوں کے اضافہ کو قمری سال سے کم کر لیا جائے۔

ششم: سرمایہ کاری کا قرضہ اور زکوٰۃ: ۱۰...... قرض دار جب قرض کو تجارت میں استعمال کرے تو اس کے مقابلہ میں موجودہ زکاتی اشیاء ساقط ہو جاتی ہیں البتہ جب نفع حاصل کئے جانے والی چیزوں جیسے جائیداد اور آلات والی اشیاء وغیرہ کی ملکیت میں لگایا جائے تو معمول بہ (جس پر عمل) رائے کو دیکھتے ہوئے کہ قرض اپنی مقدار میں موجود زکاتی اشیاء کی زکوٰۃ سے روک دیتا ہے اور اس کی وجہ سے بہت سے افراد، کمپنیوں اور اداروں کے اموال سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے باوجود یہ کہ انہیں بھاری تعداد میں منافع حاصل ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر کمیٹی اس موضوع کی تعلیم کے لازمی ہونے اور اس پر بحث کو مرکوز کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ اس بارے میں خصوصاً ان فقہاء کے مذہب پر عمل کیا جائے جن کا قول ہے: دین جب مؤجل ہو تو زکوٰۃ کے وجوب سے مانع نہیں پھر بھی زیادہ بحث، توجہ اور ثابت قدمی کی ضرورت ہے۔

معاملہ کی اس صورت حال تک تو کمیٹی پہنچی ہے لیکن یہ موضوعات موجودہ واقعات کی روشنی میں مزید بحث وتمحیص کے محتاج ہیں۔ اسی طرح کمیٹی آئندہ کی کانفرنسوں کو ان دوسرے جدید مسائل کی مکمل تعلیم دہی کی سفارش کرتی ہے جن کی اس کانفرنس میں گنجائش نہ تھی۔

آخر میں کمیٹی زکوٰۃ کی حفاظت کے اہتمام کرنے اور اس کے احکام کا مطالعہ کرنے اور ہر میدان میں اس کی حالت کی رعایت کرنے کی دعوت دیتی ہے جس کا اقتصادی اور معاشرتی وغیرہ عملی تشکیلات میں تقاضا کرتا ہے۔

پہلی مجلس: فتاویٰ اور سفارشات

۱۔ سامان تجارت میں زکوٰۃ کی واجب مقدار...... پیسوں اور سامان تجارت کی زکوٰۃ جو واجب ہوتی ہے اس کی مقدار اور نصاب مختلف نہیں ہوتا، اس پر معتبر فقہاء کا اجماع ہو چکا ہے اور یہ جو گمان کیا جاتا ہے، کہ اس برابری میں ذخیرہ اندوز کے لئے آسانی اور سرمایہ کار کے لئے سختی ہے جس کا سبب نفس نسبت کا لینا ہے جس نے اپنے مال سے سرمایہ کاری کی اس طرح کہ داؤ لگانے والا سرمایہ کاری سے پوشیدہ رہتا ہے، صحیح نہیں۔ اس لئے سرمایہ کاری کا ہدف اصل مال کا اضافہ ہے اس سے نفع میں سے زکوٰۃ کی ادائیگی اور اصول کی حفاظت ممکن ہے۔ رہا وہ شخص جو سرمایہ کاری کے لئے فرصت نہیں پاتا تو وہ اپنی زکوٰۃ ہمیشہ اصل مال سے ادا کرے گا۔ اسی بنا پر سنت نے یتیم کے سرپرست کو یتیم کے مال میں تجارت کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ اسے زکوٰۃ ختم نہ کر دے۔ یہ تو ایک جہت ہے دوسری جہت سے ہر نقدی مال جس پر سال گزرے ذخیرہ شمار نہیں ہوتا، جیسے سرمایہ کار پر اس مال کی زکوٰۃ نہ فرض ہونے کی وجہ سے تخفیف کی جاتی ہے جو (مال) اصول ثابتہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ نقود زیادہ تر حالات میں سرمایہ کاری پروگراموں یا ان کے توابع کے حصول کے لئے اصل اموال ہیں۔

۲۔ صنعتی منصوبہ جات...... اس موضوع کے متعلق جو تفصیل زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کے فتاویٰ (فقرہ ۶) میں آئی ہے اس سے مطلع ہونے کے بعد واضح ہوا کہ صنعتی منصوبہ جات کو زرعی اراضی پر قیاس کرنا ممکن ہے اس اعتبار سے کہ ان میں سے ہر ایک ثابت اصل ہے اس میں کام کرنے اور اس پر خرچ کرنے کا داخل ہے اسی بناء پر تیار کردہ مال پر ۵% کی نسبت سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جیسا کہ صنعتی پروگراموں میں سے اصل کارگر مال (رائج اصول) کے ساتھ سامان تجارت جیسا معاملہ کرنا ممکن ہے اسی بنا پر اصل اور تیار کردہ مال پر

۵، ۲% کی نسبت سے زکوٰۃ واجب ہوتی ہے باوجود یہ کہ اس میں ثابت اصول کو زکوٰۃ کے تابع نہیں ہونا پڑتا۔

۳۔ساری زکوٰۃ کو علاقے سے باہر منتقل کرنا.......بحوث اسلامیہ کی جمعیت کی دوسری کانفرنس کی قرارداد (۵ھ) میں جو کچھ وارد ہوا ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے زکوٰۃ تمام اسلامی علاقوں میں معاشرتی ذمہ داری کے لئے بنیاد شمار ہوتی ہے اس لئے کہ سنت اور خلفاء کے عمل سے جو چیز ثابت ہوئی ہے اس میں اصل تو یہ ہے زکوٰۃ کی تقسیم اسی علاقے کے مستحقین سے شروع کی جائے جہاں سے وہ جمع کی گئی ہے پھر جو بچ جائے اسے دوسرے شہر منتقل کیا جائے لیکن اس میں قحط، حوادث اور سخت ضرورت کے حالات مستثنیٰ ہیں۔جو لوگ زیادہ محتاج ہوں ان کی طرف منتقل کی جائے۔جس کا مدار انفرادی اور اجتماعی بساط پر ہے جیسا کہ انفرادی دائرہ میں زکوٰۃ دہندہ کا اپنے علاقے کے علاوہ مستحق رشتہ داروں کی طرف زکوٰۃ منتقل کرنا جائز ہے۔

زکوٰۃ کے مستحق کو قرض سے بری ذمہ کرنا.....تنگدست مقروض کو جو قرض کی پوری ادائیگی سے عاجز ہو قرض دینے والے کا بری کرنا زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا اگر چہ مقروض زکوٰۃ کا مستحق ہو یہ اکثر فقہاء کا مذہب ہے۔اس موضوع سے ملتی چند صورتیں یہ ہیں:

الف.....قرض دینے والے زکوٰۃ گزار نے اگر مقروض کو زکوٰۃ دی اور پھر اس مقروض نے بغیر کسی شرط و باہمی اتفاق کے وہ رقم اپنا قرض چکانے کے لئے واپس کر دی تو صحیح ہے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کافی ہے۔

ب.....اگر قرض دہندہ نے مقروض کو اپنے قرض کی ادائیگی کے لئے بشرط واپسی زکوٰۃ دی یا دونوں نے واپسی پر اتفاق کیا تو نہ زکوٰۃ دینا صحیح ہے اور نہ زکوٰۃ ساقط ہوگی۔فقہاء کی اکثریت یہی رائے رکھتی ہے۔

ج.....اگر مقروض نے زکوٰۃ گزار قرض دہندہ سے کہا: مجھے زکوٰۃ دو تاکہ میں تمہارا قرض چکا دوں تو اس نے زکوٰۃ دے دی، تو دی گئی رقم زکوٰۃ کی طرف سے کافی ہے۔قبضہ کرنے والا اس کا مالک ہو جائے گا لیکن مقروض پر اس مال کو قرض دہندہ کو اس کے قرض کے بدلے دینا لازم نہیں۔

د.....اگر مال والے نے مقروض سے کہا: ارے فلاں میرا جو قرض تمہارے ذمہ ہے اسے اس شرط پر ادا کر دو کہ میں تمہیں اپنی زکوٰۃ دے دوں تو س نے زکوٰۃ لے کر قرض ادا کر دیا تو یہ ادائیگی صحیح ہے قرض دہندہ پر اس مال کو مقروض کو دینا بالاتفاق لازم نہیں۔

۵۔اس کا شمار جسے وجوب کے گمان کی وجہ سے جلدی زکوٰۃ میں ادا کر دیا...... جب تعجیل کی شرائط جیسے زکوٰۃ گزار کا نصاب کا مالک ہونا، جسے دی گئی وہ مستحق ہونے کی صفت میں باقی ہو اور زکوٰۃ گزار پر زکوٰۃ واجب ہونا پایا جا رہا ہو تو دی گئی رقم کو واجب ہونے کے گمان پر جلدی زکوٰۃ شمار کرنا جائز ہے۔

یہ مذہب مالکیہ کے علاوہ دیگر فقہاء کا ہے۔اور جب ان شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو دیا گیا مال نفلی صدقہ ہوگا جب زکوٰۃ گزار کی طرف سے مستحق اس پر قبضہ کر لے تو اسے واپس لینا جائز نہیں البتہ جب قبضہ حکمران یا زکوٰۃ کے کسی ادارے کی طرف سے ہو تو جب یہ ثابت ہو جائے کہ دی گئی رقم واجب مقدار سے زیادہ تھی تو واپس لینے میں کوئی مانع اور رکاوٹ نہیں، بشرطیکہ مستحقین میں تقسیم نہ ہوئی ہو۔

۶۔صاحب حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کو لازم کرنا اور اس کی عملی شکل: الف.....اسلامی علاقوں میں زندگی کے تمام میدانوں میں شریعت اسلامی کو عملی شکل دینے کے لئے حکومتوں کو سنجیدہ عمل کی دعوت دینا، انہی مہمات میں زکوٰۃ کو جمع کرنے اور اس کے شرعی مصارف میں اسے خرچ کرنے کے لئے خصوصی ادارے قائم کرنا، اور ان اداروں کی آمدن اور خرچ کا حکومت کے عام گوشوارہ سے الگ گوشوارہ ہوگا۔رہا غیر اسلامی علاقوں میں تو اس کا بدل وہ ٹرسٹ ہیں جو زکوٰۃ کے کاموں کی تگ و دو کرتے ہیں۔

ب.....اسلامی حکومتوں کو ایسے قوانین صادر کرنے کی دعوت دینا جو زکوٰۃ کے اداروں کو قائم کرنے کی کفیل و ذمہ دار ہوں جن کی نگرانی دین دار، امانت دار صاحب علم اور قناعت والے کر رہے ہوں۔

ج.....حکومتوں کو اپنے ٹیکسز قوانین کے ساتھ ایسی صراحتوں کو شامل کرنے کی دعوت دینا جو زکوٰۃ کی مقدار کو ختم کرنے کا تقاضا کریں جب بھی مقررہ ٹیکسز قانون کی حد تک پہنچ جائیں۔

د.....ان اسلامی حکومتوں جو فریضہ زکوٰۃ کو عملی شکل دینا چاہتی ہیں کو موجودہ فقہاء میں سے ان کی رائے پر عمل کرنے کی دعوت دینا جو غیر مسلم ہم وطنوں سے زکوٰۃ کی مقدار معاشرتی ذمہ داری کے ٹیکس کو فرض قرار دینے کے قائل ہیں۔ اور یہ ٹیکسز زکوٰۃ کی آمدنی کے برابر ہوں تا کہ اس باہمی معاشرتی ذمہ داری کو ثابت کیا جائے جو اسلامی حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے تمام ہم وطنوں کو شامل ہے۔

۷۔مصرف (فی سبیل اللہ).....مصرف (فی سبیل اللہ) سے جہاد کو اس کے وسیع معنی کے ساتھ مراد لیا جاتا ہے جسے فقہاء نے اس چیز کے ساتھ مقرر کیا ہے جس سے دین کی حفاظت اور اعلاء کلمۃ اللہ کا فائدہ ہو اور قتال و جنگ کے ساتھ اسلام کی دعوت دینے اور اس کی شریعت کے مطابق عمل کرنے اور ان شبہات کو ختم کرنے جنہیں اس کے دشمن پیدا کرتے ہیں اور دشمنی کے غبار کو روکنے کو شامل ہے اس کے ذریعے جہاد صرف فوجی تیاری پر موقوف نہیں۔ اسی شامل معنی کے لحاظ سے مندرجہ ذیل امور جہاد کے تحت داخل ہیں۔

الف.....ان جہادی تحریکات کو مالی امداد دینا جو اسلام کا جھنڈا بلند کریں اور مسلمانوں کے مختلف علاقوں میں ان سے ظلم زیادتی کو روکیں۔ جیسے تحریک جہاد فلسطین تحریک جہاد افغانستان اور تحریک جہاد فلپائن۔

ب.....مسلمانوں کے علاقوں میں اللہ تعالیٰ کی شریعت قائم کرنے، اسلام کے حکم کو دہرانے اور اسلام دشمن ان عناصر کا مقابلہ کرنے کے جو اس کے عقیدہ کو ہٹاتے اور حکم سے اس کی شریعت کو رد کرتے ہیں انفرادی اور جماعتی سطح پر کوششوں کی بنیاد رکھنا۔

ج.....اسلام کی دعوت دینے والے ان مراکز کی مالی مدد کرنا جس کے ذمہ دار غیر اسلامی علاقوں میں سچے لوگ ہوں جن کا ہدف عصر حاضر سے ہم آہنگ طریقوں کے ذریعے اسلام کو پھیلانا ہے اس کا انطباق ہر اس مسجد پر ہوتا ہے جو کسی غیر مسلم علاقہ میں قائم کی جائے اور وہ اسلامی دعوت کا ٹھکانہ ہو۔

د.....ان کوششوں کی مالی امداد جو ان علاقوں میں مسلم اقلیتوں کو اسلام پر ثابت قدم رکھتی ہیں جن میں غیر مسلموں نے مسلمانوں کو اپنا زیر نگیں کر رکھا ہے اور جو ان علاقوں میں باقی ماندہ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں۔

۸۔زکوٰۃ اور خاص بنیادی ضروریات کی رعایت: الف.....وہ بنیادی ضروریات جن کی زکوٰۃ رعایت کرتی ہے ان کا مفہوم شریعت اسلامی کے تمام مقاصد و عناصر سے جڑا ہوا ہے جیسے وہ ضروریات و حاجات جو زمانے اور جگہ کے لحاظ سے درمیانے درجہ کی قابل کفایت چیزوں کو ثابت کرسکیں اور مسلمانوں میں معاشرتی ذمہ داری بھرپور ہو۔

ب.....بنیادی ضروریات کا معیار جنہیں زکوٰۃ مسلمان فقیر کے لئے جمع کرتی ہے یہ ہے کہ وہ اس کے کھانے، پہننے، رہنے اور باقی ضروری حاجات کے لئے کافی ہو جو بغیر کمی زیادتی کے اس کے حال کے مناسب ہو۔ خود فقیر کے لئے اور جو فقیر کے خرچ کا بندوبست کرتا ہے۔

ج.....جو افراد اور ادارے زکوٰۃ کو صرف کرتے ہیں، ان پر لازم ہیکہ وہ ان کے بارے میں جن پر زکوٰۃ صرف ہوتی ہے ایسے وسائل کے ذریعے آگاہی حاصل کریں جن سے ان کی عزت و شعور کو نقصان نہ پہنچے وہ اس طرح کہ یہ اطمینان ہو جائے کہ وہ مستحق ہیں اس سے زیادہ انہیں گواہی اور قسم کی تکلیف نہ دی جائے ہاں البتہ جب حالات مشتبہ ہوں اور دعویٰ استحقاق کی کثرت ہو اور قرائن سے معلوم ہو

کہ یہ لوگ مستحق نہیں۔

۹۔رہائشی اور سرمایہ کاری کے لمبے قرضوں کی زکوٰۃ......زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کے بند (۱۰) میں جو کچھ سرمایہ کاری کے قرضہ اور زکوٰۃ کے بارے میں لکھا ہے اور اس کانفرنس میں جو کمیٹی کی رائے ہے وہ آغاز میں اس بارے میں خصوصاً ان فقہاء کے مذہب پر عمل ہے جن کا کہنا ہے: (جب قرض لمبی مدت کے لئے ہو تو وہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے مانع نہیں، باوجود یہ کہ مزید بحث وتمحیص اور توجہ کی ضرورت ہے) اس مجلس میں مندرجہ بات پر رائے قائم ہوئی ہے:

رہائشی قرضے اور ان جیسے دوسرے قرضے جو اصل ثابت کے طور پر مال بن گئے ہیں زکوٰۃ کے تحت نہیں آتے۔ اور لمبی مدت کی قسطوں کو روک دیا جائے گا اور صرف سالانہ جس قسط کا دینا مطلوب ہے اس کے مقابلہ میں زکوٰۃ سے ساقط ہو جائے گی۔ جب اس کے پاس دوسرے اموال نہ ہو جن سے اسے روکے۔ رہے وہ قرضے جو رائج اصل (عامل) مال کی حیثیت اختیار کر چکے ہوں تو وہ سارے زکوٰۃ کے مد سے ختم کر دیئے جائیں گے۔ اس موضوع کے بارے میں تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ابھی تک باقی ہے۔

۱۰۔کمپنیوں کی اقسام کے ساتھ زکوٰۃ کا حساب: الف......ذیلی کمیٹی بنانے کی اپیل جو کویت میں زکوٰۃ کی عالمی شرعی مجلس کی معرفت سے ہو اور یہ کام کمپنیوں کی اقسام کے ساتھ زکوٰۃ کے موضوع پر بحث کرنے کے لئے ہے جس کے ارکان یہ ہوں گے:

ایسے کلرک جنہیں پیشے کے طور پر حساب کتاب میں مہارت ہو اور اکادمیوں میں سے جو کسی علم اور فن حساب میں متخصص (اسپیشلسٹ) ہوں۔

اور فقہاء اور بحث کرنے والوں میں سے جو زکوٰۃ کے معاملات اور اسلامی معیشت میں مختص ہوں۔ اور کمیٹی کا اہم کام ان عملی امور کا مطالعہ ہے جو زکاتی فنڈ کے حساب کے ساتھ خاص ہیں۔ اور ان اصول وقواعد اور حسابی اصطلاحات کا مطالعہ کرنا جو کمپنیوں کی مختلف اقسام اور کاموں کے مالی بیانات کی تیاری میں معتبر ہیں۔ اور مستقبل میں منعقد ہونے والی مجالس کی طرف سے ان کے مطالعہ کے لئے مناسب تحقیق کو پیش کرنا۔

ب......مجلس نے سال کے متعلق یقین دہانی کی ہے کہ زکوٰۃ کے لئے قمری سال ہے شمسی نہیں۔ اسی بناء پر ان کمپنیوں پر زکوٰۃ کا حساب وشمار کرنے کے لئے اسی مسئلہ پر عمل کیا جائے جو شمسی سال کی بنیاد پر اپنے مالی بیانات گنتی ہیں۔ تاکہ اس بات کی موافقت ہو جس تک زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس (فقرہ۹) پہنچی ہے۔

۱۱۔سامان تجارت کے سامان سے زکوٰۃ دینا......سامان تجارت میں اصل تو نقدی ہے جو قیمت لگانے اور اس کی واجب مقدار کا حساب لگانے کے بعد بنتی ہے۔ اس میں فقیر کو زیادہ فائدہ ہے کیونکہ پیسوں کے ذریعے وہ اپنی مختلف ضروریات پوری کر سکتا ہے اس کے باوجود سامان تجارت کی زکوٰۃ سامان سے دینا جائز ہے جب اس کی وجہ سے مندے کی حالت اور تاجر کے ہاں روانی کی کمزوری کی حالت میں زکوٰۃ دہندہ سے حرج ومشقت دور ہو اور سامان کی صورت میں فقیر کے لئے زکوٰۃ لینے میں مصلحت ثابت ہو۔ اس طرح کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ اس بات کو مجلس نے فقہی اجتہادات اور حالات کی روشنی میں اختیار کیا ہے۔ سامان تجارت کی تقویم (قیمت لگائی) زکوٰۃ کے وجوب کے دن سے بازاری قیمت کے حساب سے مکمل ہوگی تھوک یا پرچون بیچے ہوئے سامان کی قیمت تھوک کے نرخ سے لگے گی۔

۱۲۔عام سفارشات......ان مسائل کا حل جو مال حرام کی زکوٰۃ سے تعلق رکھتے ہیں تحقیق کے دوران جس میں زکوٰۃ کے مقاصد

اور ذرائع کی روک تھام کی رعایت کی جائے۔

۱۳......زکوٰۃ کا کام کرنے والوں پر خرچ حکومت کے گوشوارہ سے ہو نہ کہ زکوٰۃ سے جہاں تک اس کی گنجائش ہو خصوصاً مالدار حکومتوں کی نسبت سے۔

۱۴......جن تحقیقات میں مذاہب کی فقہی میراث ہو تحقیق کرنے والوں کا بحث میں بنیادی کردار کو قائم رکھنا جو ترجیح اور دلائل کے ذریعے چناؤ اور مختلف فقہی توجہات کو مقاصد شریعت کے ساتھ جوڑنے اور معتبر مصالح کو شرعاً ثابت کرنے کے ذریعے ہو، اسی طرح مذاہب کے درمیان اصطلاحات کے اختلاف کی رعایت رکھی جائے۔

۱۵......ان مسائل میں ایک مذہب کا التزام نہ ہو جو تمام مسلمانوں کے لئے اہم ہیں جیسے زکوٰۃ کا قضیہ جو اپنی اسلامی فریضہ کی صفت کے ساتھ ہے۔ جو تمام اسلامی علاقوں کے لئے معاشرتی باہمی ذمہ داری کا نمونہ پیش کرتی ہے جیسے مالک بنانے کا مسئلہ اور قضیہ ہے۔

دوسری مجلس: فتاویٰ اور سفارشات :۱......زکوٰۃ کے مال سے دیتوں کی ادائیگی (قرض خواہوں کا مصرف)

سب سے پہلے...... جب یہ ثابت ہو جائے کہ قتل خطأ کی دیت دینے سے قاتل کا خاندان اور بیت المال لاچار ہو تو مقروض کی اس دیت سے مدد کی جاسکتی ہے اور اس کی امداد کو زکوٰۃ کے اموال میں سے عملاً مقتول کے ورثا کو دینا جائز ہے رہی قتل عمد کی دیت تو اسے زکوٰۃ کے مال سے دینا ناجائز ہے۔

دوم......اس سلسلہ میں مجلس مندرجہ ذیل امور کی اپیل کرتی ہے۔ (ضروریات) کے قاعدہ کی رعایت کی جائے زکوٰۃ کے اموال سے دیتیں دینے میں سستی نہ کی جائے خصوصاً جب حوادث کی کثرت ہے اور دوسرے مصارف کی نسبت سخت ضرورت موجود ہے۔

اسلامی علاقوں میں زکاتی اداروں کی معرفت سے تعاونی فنڈز کا قیام ممبر شپ، چندوں اور فیسوں (اضافی) کی طرف سے گاڑیوں اور ڈرائیونگ کی سہولیات دینے کی مالی امداد تاکہ جن لوگوں کو ٹریفک حادثات کی وجہ سے جرمانے عائد ہوئے ہیں ان کی مشقتوں میں معاشرتی ضمانت کے طور پر تخفیف کا ذریعہ ثابت ہو۔

اسلامی فقہ میں مشہور (عاقلہ) کے نظام سے استفادہ کرنے کے پیشوں خاندانوں کے تعاونی فنڈز قائم کرنے کی حوصلہ افزائی اور رشتہ داروں اور اہل حرفت کے درمیان باہمی تعاون وامداد کی نگرانی کرنے والے کی حوصلہ افزائی کرنا جو زمانے کے تقاضوں کے مناسب ہو۔

۲۔ مال حرام کی زکوٰۃ......اس موضوع میں پیش کردہ تحقیقات کے لئے اور ان کے بارے میں بحث کرنے کے لئے مجلس کی عرض داد کے مجلس کی رائے یہ ہے کہ ایسے بہت سے بیانات اور تفصیلات ہیں جو اس موضوع کو اس کا حق دینے کا تقاضا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر اس نے اس بارے میں فتویٰ صادر کرنے کی امید دہانی کی ہے جو بحث ومطالعہ کے تکمیلی مراحل تک ہے۔

۳۔ رہائشی اور سرمایہ کاری کے قرضوں کی زکوٰۃ......زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس کی دسویں اپیل کو نافذ کرنے اور پہلی مجلس کی نویں سفارش کو نافذ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کے لئے ہے جو اصل رائج مال کو سرمایہ فراہم کرنے والے قرضوں کو ختم کرنے کی ضامن ہے۔ اور رہائشی قرضوں یا ثابت اصول کے سرمایہ کاری کے قرضوں کو ختم نہ کرنے کی ضامن ہے صرف وہ سالانہ قسط مستثنیٰ ہے جس کا دینا مطلوب ہے اور جو مجلس اس موضوع کی تفصیلی اطراف کے مطالعہ کی ضرورت کے بیان کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی پھر مجلس مندرجہ ذیل پر ختم ہوئی:

سب سے پہلے...... جب مقروض کے پاس اپنی بنیادی ضروریات سے زائد کمایا ہوا سامان نہ (اصول ثابتہ) ہوتو زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء میں وہ تمام قرضے ختم ہو جائیں گے جنہوں نے مال تجارت کی شکل اختیار کر لی ہے۔

دوم...... زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء میں سے سرمایہ کاری کے وہ قرضے ختم ہوں جنہوں نے صنعتی منصوبہ جات بن کر مالی حیثیت اختیار کر لی ہو (نفع حاصل کرنے کی اشیاء) بشرط یہ کہ مقروض کے پاس کمایا ہوا سامان (اصول ثابتہ) اس کی اپنی بنیادی ضروریات سے زائد نہ ہو، اس طور پر کہ اسے ان قرضوں کا مد مقابل بنایا جاسکے۔ اور جب یہ قرضے طویل المیعاد ہوں تو زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء میں سالانہ قسط ختم ہوجائے گی جس کا فی الحال دینا ضروری ہے۔

چنانچہ اگر یہ سامان پایا جائے تو اسے قرض کے مقابلہ رکھ دیا جائے گا جب اس سے اس کی ادائیگی ہو سکے۔ اس صورت میں زکوٰۃ کی موجودہ اشیاء سے قرضوں کو نہیں ختم کیا جائے گا۔ اور اگر یہ قرضے دین کے ذریعے ختم نہ ہوں تو ان میں سے باقی ماندہ زکوٰۃ کی اشیاء ختم کر دی جائیں گی۔

سوم...... طویل المیعاد رہائشی قرضے اور وہ قرضے جو عموماً لمبی قسطوں پر رد کر دیئے جاتے ہیں۔ مقروض اپنے پاس موجود اموال کی اسے سالانہ قسط کو ختم کرنے کے بعد جس کا اس سے مطالبہ کیا جا رہا ہے زکوٰۃ ادا کرے گا بشرط یہ کہ باقی ماندہ نصاب کی مقدار یا اس سے زیادہ ہو۔

۴۔ (غلام آزاد کرنے کا) مصرف...... اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ (غلام آزاد کرنے کا) مصرف موجودہ دور میں نہیں ہے تو ان کے حصے زکوٰۃ کے بقیہ مصارف کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

۵۔ زکوٰۃ کو اس کی جگہ کے علاوہ کہیں منتقل کرنا اور اس کے ضوابط...... زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کی پہلی مجلس کی تیسری اپیل سے مطلع ہونے کے بعد اصل تو یہ ہے کہ زکوٰۃ کو اسی علاقہ میں وہاں کے مستحقین میں صرف کیا جائے جہاں سے وہ جمع کی گئی ہے پھر جو ضرورت وکفایت سے زائد ہوا سے دوسرے شہر منتقل کر دیا جائے۔ منتقلی کے جواز کے ساتھ۔ زیادہ محتاج اور رشتہ دار مستثنیٰ ہیں۔ زکوٰۃ کی منتقلی کے بارے میں شرعی اصول کی تفصیل پر مجلس مندرجہ ذیل امور پر ختم ہوئی۔

سب سے پہلے...... زکوٰۃ صرف کرنے میں اصل یہ ہے زکوٰۃ کے اموال کی جگہ میں تقسیم کی جائے۔ نہ کہ زکوٰۃ دینے والے کی جگہ۔ البتہ کسی راجح شرعی مصلحت کی بنا پر زکوٰۃ کو اس کی جگہ سے منتقل کرنا جائز ہے مصلحت کے لئے منتقل کرنے کی یہ صورتیں ہیں:

الف...... زکوٰۃ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے مقامات کی طرف منتقل کرنا۔

ب...... زکوٰۃ کو دعوتی یا تعلیمی اداروں یا ان صحیح مقامات کی طرف منتقل کرنا جو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے ہوں اور زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

ج...... قحط سالی یا حادثات کی جگہوں کی طرف منتقل کرنا جو عالم میں مسلمانوں کے ساتھ پیش آئے ہوں۔

د...... زکوٰۃ دینے والے کے مستحق رشتہ داروں کی طرف منتقل کرنا۔

دوم...... سابقہ حالات کے علاوہ زکوٰۃ کو اس کی جگہ کے علاوہ منتقل کرنا جن سے زکوٰۃ کا لیا جانا ممنوع تو نہیں لیکن کراہت کے ساتھ اس شرط پر کہ اسے آٹھ مصارف میں سے زکوٰۃ کے کسی مستحق تک پہنچایا جائے۔

سوم...... زکوٰۃ کا مقام شہر اور اس کے قریبی گاؤں اور وہ علاقے ہیں جو قصر نماز کی مسافت سے کم (۸۲ کلومیٹر تقریباً) ہو کیونکہ یہ

ایک شہر کے حکم میں ہے۔

چہارم.....زکوٰۃ الفطر کی نسبت سے زکوٰۃ کی جگہ اس شخص کا مقام ہے جو اسے ادا کرے کیونکہ یہ ابدان کی زکوٰۃ ہے۔

پنجم.....منتقلی کے حالات میں جن تصرفات کی گنجائش ہے:

الف.....جب وجوب زکوٰۃ کی مکمل شرطیں پائی جائیں۔ سال کے اختتام کے وقت زکوٰۃ دینے میں جلدی کرنا جس میں سال ختم ہونے کے وقت اتنی مدت ہو کہ زکوٰۃ مستحقین تک پہنچ جائے، صدقۂ فطر کو رمضان کے آغاز سے پہلے نہیں دیا جاسکتا۔

ب.....جس مدت کا تقاضا منتقلی کرتی ہے اس کے لئے زکوٰۃ دینے میں تاخیر کرنا۔

تیسری مجلس: فتاویٰ اور اپیلیں:

زکوٰۃ کے اموال کی سرمایہ کاری..... سابقہ تحقیقات کے مجلس کے شرکاء نے اموال زکوٰۃ کی سرمایہ کاری کے بارے میں تحقیق کی ہے اور وہ مندرجہ ذیل قراردادوں تک پہنچے ہیں۔

مجلس، مجمع الفقہ الاسلامی (۳) د ۳/۷/۸۶ کی قرارداد کی نفع بخش منصوبوں میں زکوٰۃ کے اموال کی تقسیم کے بارے میں تاکید کرتی ہے کہ یہ اصولی طور پر ان ضوابط کے ساتھ جائز ہے جن میں سے بعض کی طرف قرارداد نے اشارہ کیا ہے۔

اس موضوع کے بارے میں اصول وضوابط کے متعلق سابقہ تحقیقات بحث ومباحثہ کے بعد مندرجہ ذیل امور تک پہنچی ہیں:

۱.....جلد صرف کرنے کی وہ صورتیں بھرپور نہ پائی جائیں جن کا تقاضا ہے کہ فوراً زکوٰۃ کے اموال کو تقسیم کردیا جائے۔

۲.....شرعی طریقوں سے۔ دیگر معاملات کی طرح۔ زکوٰۃ کے اموال کی سرمایہ کاری مکمل ہوجائے۔

۳.....سرمایہ کاری کے اصول کی بقا کے ساتھ ضمانتی کرایہ داریاں اختیار کرنا جو زکوٰۃ کے اصل حکم پر ہوں اسی طرح ان اصول کے منافع۔

۴.....جب زکوٰۃ کے مستحقین پر زکوٰۃ صرف کرنے کی ضرورت ہو تو سرمایہ کاری کے اصول کو بہانے میں جلدی کرنا۔

۵.....اس بات کی کوشش کرنا کہ جن سرمایہ کاریوں میں زکوٰۃ کے اموال لگائے جائیں گے وہ عمدہ، محفوظ اور بوقت ضرورت نکاسی کے قابل ہوں۔

۶.....ذمہ دار شخص جن سے زکوٰۃ کی جمع وتقسیم کا عہد لے ان سے زکوٰۃ کے اموال کی سرمایہ کاری کی قرارداد لے تاکہ شرعی نیابت کے اصول کی رعایت ہو اور سرمایہ کاری کی نگرانی باکفایت، تجربہ کار اور امانت دار افراد کے سپرد کی جائے۔

تملیک، اس کی مصلحت اور اس کے نتائج..... مجلس میں شریک افراد نے تملیک، اس کی مصلحت اور اس کے نتائج پر سابقہ تحقیقات میں بحث کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امور کا فیصلہ کیا ہے۔

۱.....مصارف زکوٰۃ کی آیت میں "زکوٰۃ کے اموال تو فقراء، مساکین، عاملینِ زکوٰۃ اور ان لوگوں کے لئے ہیں جن کی تالیف قلبی مطلوب ہے"۔

پہلی چار قسموں میں تملیک (مالک بنانا) زکوٰۃ گزاری کے لئے شرط ہے تملیک یعنی نقدی مال کی ایک مقدار یا پیداوار کے وسیلہ کی خریداری دینا جیسے حرفت وصنعت کے آلات واوزار، اور کام کرنے والے مستحق کو ان کا مالک بنانا۔

۲.....زکوٰۃ کے مستحقین کو زکوٰۃ کے اموال سے لگائے گئے پیداواری منصوبوں کے حصص کا مالک بنانا جائز ہے اس طور پر کہ وہ خود یا ان کے نائب اس منصوبے کو ملکیت ..... کرائے بدل لیتے ہوں۔ اور نفعوں کو آپس میں بانٹ لیں۔

۳.....زکوٰۃ کے مال سے خدمتی منصوبہ لگانا جیسے مدارس، ہسپتال دارالامان اور لائبریاں مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

اَ.....ان منصوبوں سے صرف مستحقین زکوٰۃ فائدہ اٹھائیں دوسرے فائدہ حاصل کرنا چاہیں تو ان خدمات کے مقابلہ میں فیس دیں جس کا نفع مستحقین کو پہنچے۔

ب.....اصل، زکوٰۃ کے مستحقین کی ملک میں باقی رہے اور ذمہ دار اس کا انتظام سنبھالیں یا جو پارٹی اس کی نائب ہو۔

ج.....جب منصوبہ بک جائے یا کمپنی اسے ختم کردے تو تصفیہ سے حاصل ہونے والا مال زکوٰۃ کا مال ہے۔

تالیف قلبی والوں کا مصرف.....سابقہ تحقیقات میں مجلس کے حاضرین نے تالیف قلبی والوں کے موضوع پر بحث کی جو مندرجہ ذیل امور پر پہنچے۔

سب سے پہلے.....تالیف قلبی والوں کا مصرف جو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے ایک ہے یہ وہ مضبوط شرعی قانون ہے۔جس میں جمہور کی رائے کے مطابق نسخ وارد نہیں ہوا۔

دوم.....اس حصے میں سے جن اہم گوشوں میں یہ مال صرف ہوتا ہے وہ یہ ہیں:

الف.....جن کے اسلام لانے کی امید ہو ان کی تالیف قلبی خصوصاً وہ اہل رائے اور اقتدار والے جن کے بارے میں گمان ہو کہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں ان کا بڑا کردار ہوگا۔

ب.....مسلم اقلیت اور پناہ گزینوں کے حالات کی بہتری اور ان کے مسائل دور کرنے کے لئے اصحاب اقتدار، حکام اور رؤسا سے مالی مطالبہ کرنا تا کہ ان لوگوں کے لئے فنڈ جمع ہو۔

ج.....اسلامی اور فکری قوتیں رکھنے والوں کی تالیف قلبی کیونکہ وہ مسلمانوں کے مسائل کے لئے ان کی مدد و نصرت کرتے ہیں۔

د.....جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہو اس کی مدد و رعایت کی خاطر اور اسلام کے بارے میں اس کے دل کو ثابت قدم رکھنے کے لئے معاشرتی اور علمی اداروں کا قیام، یا ہر اس چیز کو وجود دینا جو اس کی نئی زندگی کے مادی و معنوی ماحول کے مناسب ہو۔

سوم.....اس مد میں صرف کے دوران مندرجہ ضوابط کا لحاظ رکھنا چاہئے:

الف.....مقاصد اور سیاسی شرعی وجوہات کی رعایت رکھی جائے تا کہ شرعاً مطلوبہ مقصد حاصل ہو۔

ب.....خرچ کی مقدار ایسی ہو کہ دوسرے مصارف کا نقصان نہ ہو، حسب ضرورت اس میں گنجائش رکھی جائے۔

ج.....زکوٰۃ صرف کرنے کی صورتوں میں انتہائی دقت واحتیاط برتی جائے تا کہ شرعاً ناپسندیدہ اثرات سے دامن چھڑایا جائے۔ یا اس کا تالیف قلبی والوں کے دلوں میں کوئی برا ردعمل پیدا ہوسکتا ہو یا مسلمانوں اور اسلام کو اس کا الٹا نقصان پہنچ سکتا ہو۔

چہارم.....اس مصرف سے شرعی مقاصد حاصل کرنے کے لئے سابقہ جدید اسباب و وسائل اور زیادہ بہتر اثر کرنے والے منصوبے استعمال کرنے چاہیں اور جو زیادہ نفع بخش اور زیادہ قریبی ہوں ان کا چناؤ کرنا چاہئے۔

اپیل.....مجلس اسلامی حکومتوں سے اپیل کرتی ہے کہ شریعت اسلامی کو معاشرتی اور سیاسی تمام اطراف میں عملی شکل دی جائے۔ اور ذمہ دار اسلامی معاشرے تک پہنچنے کے لئے تمام شرعی وسائل اختیار کئے جائیں۔

مجلس اسلامی حکومتوں اور ان کی عوام کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی ترغیب دیتی ہے جیسے ہمارے مجبور بھائی بوسنیا اور ہر ملک و دنیا میں ہیں ان کی مدد کر[illegible] ان کے ڈھانچوں اور ان کے اسلامی تشخص کو محفوظ کرنے کے لئے ان کی مادی اور معنوی پشت پناہی کی

جائے۔اسی طرح ہمارے وہ محتاج ولا چار مسلمان بھائی جو دنیا کے مختلف حصوں میں ہیں ان کی مدد کی جائے۔
مجلس اسلامی حکومتوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ کویتی قیدیوں کو اوران کے علاوہ ظالم دشمن کے ہاتھوں میں محبوس لوگوں کی رہائی کی مزید کوشش کریں۔

چوتھی مجلس: فتاویٰ اور سفارشات......عاملین زکوٰۃ کا مصرف

ا۔عاملین زکوٰۃ......اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو اسلامی حکومتوں میں عہدہ داران کی مدد کرتے ہیں۔یا انہیں چھوٹ دیتے یا ان کا انتخاب وہ انجمنیں کرتی ہیں جنہیں حکومت کی طرف سے تسلیم کیا جاتا ہے یا ان اسلامی اداروں کی طرف سے ان کا چناؤ ہوتا ہے جو زکوٰۃ کی جمع اور تقسیم کا کام کرتے ہیں اور اس کے متعلقہ جو امور ہیں جیسے احکام زکوٰۃ کی شعور آفرینی (ذہن سازی) مالداروں کی تعریف، مستحقین سے آگاہی، منتقلی، زکوٰۃ کا فنڈ بنانا، حفاظت، بڑھوتری اور ان ضوابط وقیودات کے ضمن میں سرمایہ کاری کرنا جس کی قرارداد زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کی تیسری مجلس کی پہلی اپیل میں پاس ہوئی ہے اسی طرح اسلامی نظاموں میں محکمہ زکوٰۃ وصدقات کی طرف موجودہ صورت میں عصر حاضر میں جو کمیٹیاں اور ادارے قائم ہیں انہیں شمار کیا جائے گا۔اسی بنا پر ضروری ہے کہ ان میں ان شرائط کی رعایت رکھی جائے جو عاملین میں ہونی چاہیں۔

۲......زکوٰۃ کے عاملین کے ساتھ جن اہم امور کا تعلق ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس میں ولایت تفویض کی صفت ہو (کیونکہ اس کا اساسی اور قائدانہ امور سے تعلق ہے) اور جو لوگ اس مہم میں مشغول ہوں ان کے لئے فقہاء کے نزدیک مشہور شرطیں ہیں جن میں سے مسلمان ہونا، مرد ہونا امانت داری اور عمل کے میدان میں زکوٰۃ کے احکام کا علم ہونا ہے۔
بطور امداد اور مہمات بھی ہیں ممکن ہے اس کا حکم اسے دیا جائے جس میں ان میں سے کوئی شرط مکمل طور پر نہ پائی جائے۔

۳۔الف......عاملین زکوٰۃ اپنے کام کی وجہ سے عاملین کے حصے کے مستحق ہوں گے جو اس جہت سے ان کے لئے مقرر ہے کہ اس شرط پر ان کی امداد کی جائے گی اجر مثلی سے زائد نہ ہو اگر چہ وہ فقیر نہ ہوں۔اس حرص کے باوجود کہ زکوٰۃ کے آٹھویں حصے سے جو مال تمام عاملین تیاری والے اداروں اور انتظامی مصارف کو دیا جاتا ہے اس کا مجموعہ زائد نہ ہو۔

ب......عاملین زکوٰۃ کے لے رشوت، ہدیہ تحفہ یا کوئی عینی یا نقدی ہبہ قبول کرنا جائز نہیں۔

۴......زکوٰۃ کے اداروں کے مقامات اور ان کے انتظام کو جو اسباب وآلات اور تیاری کی چیزیں درکار ہوں فراہم کرنا۔جب یہ اشیاء دوسری آمدن سے پوری نہ ہوں۔جیسے حکومت کا خزانہ ہے اور عطیات، تو پھر عاملین زکوٰۃ کے حصے سے بقدر ضرورت اس شرط کے ساتھ ان اشیاء کی فراہمی جائز ہے کہ تیاری کی یہ چیزیں زکوٰۃ کی جمع وتقسیم کے ساتھ عملاً تعلق رکھنے والی ہوں یا ان کی وجہ سے زکوٰۃ کے ذریعہ آمدنی میں اضافے کا اثر ہو۔

۵......جن جہات سے زکوٰۃ کی کمیٹیوں نے ان کی تعیین یا رخصت دی ہو ان کی حفاظت اور پیروی ضروری ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی اقتداء جو آپ نے عاملین زکوٰۃ سے حساب کتاب لینے (محاسبہ) میں اختیار کرتے تھے۔جو اموال عامل زکوٰۃ کے پاس ہیں وہ ان کا امین ہے زیادتی، کوتاہی، غفلت اور تقصیر کے حالات میں ان کے ضائع ہونے کی وجہ سے ضمان (چٹی) دینے کا ذمہ دار ہوگا۔

۶......عاملین زکوٰۃ کو چاہئے کہ وہ عمومی اسلامی آداب سے آراستہ ہوں جیسے زکوٰۃ گزاروں کے ساتھ نرمی برتنا مستحقین کے ساتھ

رحم دلی والا معاملہ کرنا، زکوٰۃ کے احکام میں بصیرت سے کام لینا اور اسلامی معاشرے میں اس کی اہمیت کا خیال کرنا تا کہ باہمی معاشرتی ذمہ داری ثابت کی جائے زکوٰۃ کی تقسیم میں عجلت سے کام لینا جب مستحقین موجود ہوں اور انہیں بلانے میں سرعت سے کام لینا۔

مال حرام کی زکوٰۃ:

ا۔ مال حرام...... ہر وہ مال ہے جسے حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے صاحب شریعت نے منع کر دیا ہو خواہ اس کی حرمت ذاتی ہو جس کا سبب اس میں پائے جانے والا ضرر و نقصان یا کوئی خبث وگندگی ہو جیسے مردار اور شراب، خواہ اس کی حرمت کسی اور وجہ سے ہو (یعنی حرمت لغیرہ ہو) جس کا سبب اس کی کمائی کے طریقہ میں کوئی خلل واقع ہونے کی بنا پر ہو کیونکہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اسے لیا ہو جیسے غصب یا مالک سے لیا تو ہو مگر اس انداز سے جسے شرع نے نہیں مقرر کیا خواہ رضامندی سے لیا ہو جیسے سود اور رشوت۔

۲ (الف)...... حرام مال کو جمع کرنے والا جس کی کمائی کے طریقہ میں کوئی خلل ہو چکا ہے جتنا لمبا عرصہ گزر جائے اس کا مالک نہیں ہوتا، اس پر لازم ہے کہ اس مال کو اس کے مالک یا مالک کے وارث کو پہنچائے اگر وہ اسے جانتا ہے البتہ اگر اس کی واقفیت سے ناامید ہو چکا ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس مال کو بھلائی کے کاموں میں صرف کرے۔

تا کہ اس سے چھٹکارا پائے اور مالک کی طرف سے صدقہ دینے کا ارادہ کرے۔

ب...... جب اس مال کو حرام کام کی اجرت و مزدوری میں حاصل کرے تو حاصل کرنے والا اسے بھلائی کے کاموں میں صرف کر دے، جس سے لیا ہے اسے واپس نہ کرے۔

ج...... جس سے حرام مال لیا ہے اگر وہ اس غیر شرعی طریقے پر معاملہ کرنے کا عادی ہو جس سے مال حرام ہو جاتا ہے تو وہ اسے نہیں لوٹایا جائے گا۔ جیسے سودی فوائد، بلکہ یہ بھی خیر کے کاموں میں صرف کر دیا جائے گا۔

د...... جب اصل مال حرام کو لوٹانا مشکل ہو تو جس کے پاس یہ حرام مال ہے اسے اس جیسا مال واپس کرنا ضروری ہے یا اس کی قیمت مالک کو دیدے اگر اسے پہچانتا ہے ورنہ اس کا مثل یا قیمت خیر کے کاموں میں مالک کی طرف سے بنیت صدقہ صرف کر دے۔

۳...... ذاتی طور پر حرام مال زکوٰۃ کا محل نہیں۔ اس واسطے کہ شریعت کی نظر میں وہ ایسا مال نہیں جس کی قیمت لگائی جائے اس مال کے متعلق جو شرعی ضابطہ مقرر ہے اس کے ذریعے اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔

۴...... وہ مال حرام جس کی حرمت لغیرہ ہو جس کی کمائی میں کوئی شرعی خلل واقع ہوا ہو اسے اپنے پاس رکھنے والے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے جو ملکیت کی شرط ہے وہ اس میں مفقود و ناپید ہے جب مالک کے پاس پہنچ جائے گا تو اس پر واجب ہے کہ وہ ایک سال کی زکوٰۃ دے دے اگر چہ اس مال پر کئی سال گزر چکے ہوں یہی مختار رائے ہے۔

۵...... حرام مال کو رکھنے والا جب یہ مال مالک کو واپس نہ کرے اور اس میں سے زکوٰۃ کی مقدار نکال دے تو جو مال اس کے پاس ہے اس کی وجہ سے گناہ باقی رہے گا۔ اور یہ اس پر شرعاً واجب جزء میں سے نکالنا ہوگا اور جو مقدار اس نے نکالی ہے وہ زکوٰۃ شمار نہیں ہوگی۔

جب تک وہ سارا مال اس کے مالک کو اگر اسے پہچانتا ہے واپس یا ناواقف ہونے کی بنا پر اس کی طرف سے صدقہ نہیں کر دیتا بری الذمہ نہیں ہوگا۔

زکوٰۃ اور ٹیکس: ا...... مجلس اسلامی حکومتوں سے اس کی اپیل کرتی ہے کہ وہ ایسے قوانین نافذ کریں جو زکوٰۃ کے نظام کو ٹیکس کی

وصول یابی اور تقسیم کے لحاظ سے عملی شکل دینے کے متقاضی ہوں۔ جو التزام کی بنیاد پر اور اس کے لئے مخصوص انجمنیں قائم کرنے کی اساس پر ہوں۔ جن کی آمدنیاں اور اخراجات مخصوص حساب میں ہوں۔ اسی طرح مجلس تمام مالی نظاموں وغیرہ پر نظر ثانی کرنے کی اپیل کرتی ہے تاکہ انہیں اسلامی رخ دیا جائے۔

۲ (الف)......اصل تو یہ ہے کہ حکومت کے بجٹ کو شرعی مالی آمدنیوں میں عمومی املاک وغیرہ کے ذریعہ آمدنی سے مال فراہم کیا جائے۔ لیکن جب یہ ذریعہ آمدنی ناکافی ہو تو حکمران کے لئے جائز ہے کہ وہ ان حکومتی اخراجات کے مقابلہ میں جن پر زکوٰۃ میں سے خرچ کرنا جائز نہیں عادلانہ انداز میں ٹیکس مقرر کرے۔ یا اس وقت جب زکوٰۃ کی آمدنی سے اس کے مستحقین کی کفایت نہ ہو رہی ہو۔

ب......اس وجہ سے کہ ٹیکس مقرر کرنے کی سند وہ مصلحتوں کا قاعدہ ہے لہٰذا اسلامی مالی نظام کی روشنی میں اور عمومی شرعی قواعد اور مقاصد شریعت سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے ٹیکس مقرر کرتے وقت معتبر مصلحت کی رعایت کرنا ضروری ہے۔

ج......ٹیکس لگانے کے لئے شرط ہے کہ حقیقتاً ان کے مقرر کرنے کی ضرورت ہو۔

د......ضروری ہے کہ ان کے شرعی معیار کے ساتھ ان کی مشقت تقسیم کرنے میں عدل کی رعایت اور ان کے محاصل استعمال کرنے میں انصاف کا خیال رکھا جائے اور ان کا مقرر کرنا اور صرف کرنا مخصوص معتبر اور محتاط جہت میں ہو۔

۳ (الف)......جو ٹیکس حکومت کی طرف سے مقرر ہے اس کی ادائیگی زکوٰۃ دینے کے بدلے کافی نہیں۔ کیونکہ مکلف بنانے اور اس سے مقصود حاصل ہونے کے لحاظ سے دونوں میں فرق واختلاف ہے۔ چہ جائیکہ زکوٰۃ کی مد واجب مقدار اور مصارف ٹیکس کے مبلغ واجب زکوٰۃ کی مقدار سے ختم نہیں کئے جائیں گے۔

ب......حکومت کی طرف سے مقرر ٹیکسوں میں دوران سال ایک بار جن کا حق بنتا ہے اور سال گزرنے سے پہلے ادا نہیں کیا گیا تو اسے زکوٰۃ کی مد سے ختم کر دیا جائے گا اسے واجب الاداء حق شمار کرتے ہوئے۔

۴......مجلس اسلامی حکومتوں سے ٹیکسوں کے قوانین میں ایسی عدل پسندی کی اپیل کرتی ہے جس سے ٹیکسوں کے مبلغ سے زکوٰۃ ختم کرنے کی گنجائش بنتی ہو تاکہ جو لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کے لئے آسانی ہو۔

پانچویں مجلس: فتاویٰ اور سفارشات......سب سے پہلے نوکری ختم ہونے کے وظیفہ اور پنشن کی زکوٰۃ

۱۔ نوکری ختم ہونے کی پنشن...... یہ ایسا یقینی مالی مبلغ ہوتا ہے جس کا کام کرنے والا کام والے کے ہاں اپنی نوکری کے اختتام پر ان قوانین اور نظاموں کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے۔ جب ان کی مقررہ شرطیں پورے طور پر پائی جائیں۔

۲......پنشن وظیفہ...... یہ ایسا یقینی مالی مبلغ ہوتا ہے جو حکومت یا مخصوص ادارے ملازم یا کام کرنے والے کو ادا کرتے ہیں۔ جو معاشرتی بیمہ کے قانون کو شامل ہوتا ہے جب پنشن کے استحقاق کی مطلوبہ تمام شرطیں نہ پائی جا رہی ہوں۔

۳......تنخواہ ایسا مالی مبلغ ہے جس کا مستحق ملازم یا کام کرنے والا حکومت یا مخصوص اداروں کی طرف سے ہر ماہ اپنی (خدمت) نوکری مکمل ہونے کے بعد ان قوانین اور نظاموں کے مطابق ہوتا ہے۔ جب ان کی مقررہ شرائط پائی جائیں۔

۴......ان استحقاقات میں نوکری کی مدت کے دوران ملازم یا کام کرنے والے پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ملکیت نا تمام ہے جو وجوب زکوٰۃ کے لئے شرط ہے۔

۵.....ملازم یا کام کرنے والے کے لئے جب ان استحقاقات کی حد بندی اور سپرد داری ایک دفعہ پاس ہوجائے یا کئی مراحل میں طے پائے تو ان کے لئے اس کی ملکیت مکمل ہوجاتی ہے اب جو اسکے قبضہ میں ہے اس سے حاصل ہونے والے مال کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ اور زکوٰۃ کی پہلی کانفرس میں پہلے بیان ہوچکا ہے کہ حاصل ہونے والے کو زکوٰۃ گزارا اپنے پاس موجود اموال کے ساتھ نصاب اور سال کے لحاظ سے ملالے گا۔

۶.....رہا کمپنیوں کے گوشواروں میں اموال کے صرف کی قرارداد صادر ہونے سے پہلے پنشن اور تنخواہ کے اموال کی شرعی کیفیت تو آیا یہ کمپنی کے ذمہ قرضے ہیں یا نہیں۔ اور کمپنی کے اموال کی زکوٰۃ میں اس کا کیا اثر ہے تو اس سلسلہ میں محاسبہ کمیٹی اور مصارف کی آڈٹ کمپنی اور اسلامی مالی اداروں کے تعاون سے اس کی شرعی کمیٹی کی جانب سے مزید بحث کی امید دلائی گئی ہے۔

(غارمین، ذمہ داروں کا) مصرف:

ا۔ ذمہ داروں کی دو قسمیں ہیں......اول۔ وہ مسلمان مقروض جو فقراء ہیں مباح کام کے لئے اپنی ذاتی مصلحت کی خاطر۔ اسی طرح ان حوادث اور مصائب کی وجہ سے جو انہیں پہنچے۔

دوم.....مسلمان مقروض، آپس کی اصلاح اور مسلمانوں میں اٹھنے والے فتنوں کو دبانے کے لئے۔ یا ان مصائب وآلام میں خرچ کرنے کے لئے جو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے، اس قسم میں فقر شرط نہیں۔

۲.....کسی تنگدست کی جانب سے مال کا ضامن شخص جب تنگدست ہوجائے تو جتنے مال کی اس نے ضمانت لی ہے اسے ادائیگی کرنا جائز ہے۔

۳.....زکوٰۃ میں سے اس ذمہ دار کو دینا ناجائز ہے جو اس کی ذاتی مصلحت کے لئے جب اس کا قرض گناہ کے بارے میں ہو جیسے شراب، جوا اور سود ہاں جب اس کی سچی توبہ ثابت ہوجائے۔

۴.....زکوٰۃ کے مال سے میت کا قرض ادا کرنا جائز ہے جب اس کی میراث میں اس کی ادائیگی کی رقم نہ ہو۔ اور نہ اس کے وارثوں نے اس کا قرض واپس کیا ہو۔ زکوٰۃ سے اس کا قرض واپس کرنے میں اس کے ذمہ کو بری کرنا اور قرض دہندگان کے اموال کی حفاظت ہے۔

۵.....اپنی ذاتی مصلحت کا ذمہ دار جب طاقتور اور کمائی کرنے والا ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے کچھ لے۔ جب وہ اپنا قرض اپنی کمائی سے چکا سکتا ہو یا مال والا مالداری تک اسے مہلت دے دے اسی طرح جس کے پاس مال ہو خواہ نقدی ہو یا جائیداد وغیرہ ہو تو اس کے ذریعے قرض کی ادائیگی ممکن ہے۔

۶.....ذمہ دار شخص جب ذمہ داری کی صفت میں ہوتے ہوئے زکوٰۃ سے وصول کرلے تو اس کے لئے اپنا قرض چکانے میں اس مال کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

البتہ جب فقیر ہونے کی صفت میں اس نے یہ مال لیا ہو تو اس کے لئے اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے۔

۷.....ایسا ذمہ دار جو فقیر یا مسکین ہو وہ اس فقیر اور مسکین سے زیادہ زکوٰۃ کا مستحق ہے جو ذمہ دار نہیں۔ کیونکہ پہلوں میں دو وصف (غرم) ذمہ داری فقر یا مسکینی جمع ہوگئے اور دوسروں میں صرف ایک وصف ہے۔

۸.....ذمہ دار کو اتنی مقدار زکوٰۃ میں سے دینا جائز ہے جتنی مقدار اس پر قرضے ہیں خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ جب زکوٰۃ کے اموال

میں ان قرضوں کی ادائیگی موجود ہو۔ذمہ دار شخص جب اپنے ذمہ قرضوں کی ادائیگی سے پہلے مستغنی ہو جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ یہ اموال حکمران کو واپس کر دے یا جس سے اس نے وصول کئے ہیں اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زکوٰۃ کے مصارف میں جمع کرا دے۔

۹......قرض کے ذمہ دار کو زکوٰۃ کے مال میں سے اس سال کے لئے دینا جائز ہے جس میں اس نے قرض ادا کرنا ہے خواہ واپسی کے وعدہ میں کئی ماہ رہ گئے ہوں۔

البتہ دوسرے سال کے قرضے چکانے کے لئے نہیں دیا جائے گا۔ہاں جب مقروض قرض دہندہ کے ساتھ قرض میں سے فی الحال کمی کے ساتھ ادائیگی پر صلح کرلے تو الگ بات ہے۔

۱۰......جس کے پاس قابل کفایت خرچ ہو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے مال سے ادائیگی پر اعتماد کر کے کارخانہ لگانے کھیتی باڑی کرنے یا گھر بنانے کے لئے قرض لے۔اس لئے کہ زکوٰۃ کا مال فقراء کی ضرورت پوری کرنے کے لئے دیا جاتا ہے یا انہیں اتنا خرچ مل جائے۔جس سے وہ اپنی ضروریات پوری کرسکیں اور جس کے پاس قابل کفایت ہو اسے مزید مالدار بننے کے لئے نہیں دیا جائے گا۔

۱۱......اس مصرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقروض رشتہ داروں کو دیا جائے گا جب ان کے مقرر شرعی حقوق ختم ہو گئے ہوں۔

سوم: موجودہ دور میں امور کے ظاہری اور باطنی مشمولات: ۱......زکوٰۃ والے اموال کی ظاہری اور باطنی تقسیم علماء کے درمیان اتفاقی محل ہے جس پر مختلف فقہی احکام کی بنیاد ہے۔

۲: ظاہری اموال......حکمران کے لئے جائز ہے کہ ان کی زکوٰۃ زبردستی وصول کرے۔اور ان کے مالک کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ اس نے خود مستحقین کو ان کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے یہ اس صورت میں ہے جب حکمران مالداروں سے برحق زکوٰۃ وصول کر کے اس کے شرعی مصارف میں صرف کرے۔

۳: باطنی اموال......ان کی زکوٰۃ ان کے مالکوں کے سپرد امانت ہے وہ ان کے مستحقین کو از خود یا اپنی مرضی سے اس مخصوص جہت سے لا سکتے ہیں جسے اس کے شرعی مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے حکمران کے لئے اس کی اجازت نہیں کہ وہ ان اموال کے بارے میں افراد سے تفتیش و تلاش کرے۔

۴......چوپائے، فصلیں اور پھل بالاتفاق اموال ظاہری ہیں۔

۵......نقدی، سونا، چاندی، قرضہ جات، افراد کے ساتھ خاص بینک بیلنس اور قرضوں کے معاہدے اموال باطنی شمار ہوتے ہیں۔

۶......کمپنیوں کے حصص والے اموال، ظاہری اموال شمار ہوتے ہیں۔

۷......مجلس کے شرکاء نے اموال کی اور قسمیں بھی بیان کی ہیں جن کے بارے میں آئندہ کی مجلسوں تک تاخیر یقیناً ہے جو یہ ہیں:

الف......تجارتی سامان۔

ب......خصوصی اور حکومتی قرضہ جات۔

ج......کمپنیوں کے دوسرے اموال جو حصص کی کمپنیوں کے علاوہ ہیں۔

د......کیا حکمران کو اس کی گنجائش ہے کہ وہ اموال ظاہرہ کی نسبت مالداروں کے لئے چھوڑ دے تاکہ وہ اپنی شناخت سے انہیں ان کے مستحقین میں صرف کریں؟

چہارم......اصول ثابتہ کی زکوٰۃ

ا۔اصول ثابتہ...... سے مراد وہ اقتصادی منصوبہ جات کی مادی اور معنوی موجودات ہیں،جنہیں ان منصوبہ جات کی سرگرمیوں میں فائدہ اٹھانے کی غرض سے رکھا جاتا ہے ان سے مقصود فروختگی نہیں ہوتی اوران میں سے ان مادی موجودات پر بھی اطلاق ہوتا ہے جو نفع بڑھانے کے لئے ہوتے ہیں۔

۲......اصول ثابتہ ان امور کو شامل ہیں:

الف......وہ موجودات جو پیداواری منصوبوں میں فائدہ حاصل کرنے کے لئے رکھے جاتے ہیں۔جیسے نقل وحمل کے اسباب، کمپیوٹر کا سامان،اس قسم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

ب......وہ مادی موجودات جو منصوبہ کے نفع کو بڑھاتے ہیں، جیسے صنعت کے آلات ،کرائے کے کمرے،اس قسم میں اس کی اصل میں زکوٰۃ نہیں ہے صرف اس کے اضافی نفع پر ۵ء ۲٪ کی نسبت سے واجب ہے وہ بھی پیداوار کی ابتداء سے سال گزرنے کے بعد اور اسے زکوٰۃ گزار کے باقی اموال کے ساتھ ملایا جائے گا۔

ج......وہ حقوق معنوی جو منصوبہ کی ملکیت ہیں جب اس کی پیداوار بارآور ہو تو اس کے ساتھ وجوب زکوٰۃ کے بارے میں قسم ثانی کا معاملہ کیا جائے گا۔اس کا مجمع ہائے فقہی کی قراردادوں کے ساتھ اتفاق ہے جنہوں نے اس موضوع پر بحث کی ہے جیسے مصر میں مجمع بحوث اسلامیۃ نے اپنی دوسری کانفرنس میں ۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء میں،اور مجمع فقہ اسلامی جو اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے تابع ہے جدہ میں ۱۴۰۶ھ ۱۹۸۵ء نے اپنے دوسرے دورے میں۔اور کویت میں اس کی زکوٰۃ کی پہلی کانفرنس نے ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء اراکین کی غالب اکثریت کے ساتھ۔

د......زکوٰتی موجودات سے اصول ثابتہ کو ضائع ہونے کے لئے مخصوص کرنے والے اسباب کو ختم نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ اصول زکوٰتی موجودات میں داخل ہیں۔

پنجم: وہ موضوعات جن میں چیک ہوں...... چار موضوعات کے متعلق عمل کے کاغذات پیش کرنے کے بعد:

ا......زیورات کی زکوٰۃ۔

۲......وہ جہات اور طرفین جنہیں زکوٰۃ گزار کا زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

۳......قیمتی ذخائر کی زکوٰۃ۔

۴......صدقۂ فطر متوقع مبلغوں کے ساتھ قبضہ سے پہلے صرف کرنا۔

اس بارے میں دوبارہ ابحاث کی سفارش کی جاتی ہے جو ابحاث فنی تصورات اور فقہی توجہات پر مشتمل ہوں گی اور یہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آئندہ کی مجالس میں اس کی بحث کی جائے گی۔

ششم: عام سفارشات: ا......سابقہ اپیل کی تاکید کہ اسلامی حکومتیں زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کے شرعی مصارف میں تقسیم کرنے کا اہتمام کریں گی۔

۲......سابقہ اپیل کی تاکید زکوٰۃ کے لئے انتظامی قوانین صادر کئے جائیں جن میں موجودہ حالات اور نئی چیزوں کی رعایت ہو۔

۳......زکوٰۃ کے اداروں اور دوسرے تعلق والے اداروں میں تعاون وربط پیدا کرنا۔

۴.....حکومتوں کا زکوٰۃ کے اداروں کے گوشواروں کی بنیاد ڈالنا۔

۵.....اسلامی حکومتوں کو عمل کی قانون سازی کی انصاف پسندی کی دعوت دینا تاکہ وہ شریعت اسلامیہ کے احکام کے موافق ہو۔

۶.....عالمی اسلامی تنظیموں کو کام کرنے اور معاشرتی بیمہ اور عمل کے لئے اسلامی تنظیم قائم کرنے کی دعوت دینا جن کی بنیاد شریعت اسلامیہ پر ہو۔

۷.....''زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کی پانچویں مجلس'' میں شرکاء نے مسلم معاشرے اور اسلامی حکومتوں کو آگاہ کیا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی علاقوں میں نکالنے کی کوشش میں سخاوت سے کام لیں جنہیں جنگوں نے کہیں کا نہ چھوڑا، یا ظالموں کے ساتھ بقا کی جنگ کا ہجوم غوطہ زن ہوگا۔

وصلی اللہ علی سیدنا ونبینا محمد وعلیٰ الہ وصحبہ وسلم

چھٹی مجلس: فتاویٰ اور سفارشات......فتاویٰ اور سفارشات موضوع (زکوٰۃ دینے کے التزام پر عملی تطبیقات)

۱.....پہلی مجلس کی اپیل پیرا ۶۱ میں جو پہلے بیان ہوئی ہے مجلس اس کی تاکید کرتی ہے کہ اسلامی حکومتوں کو اسلامی علاقوں میں درست عمل کی دعوت دینا تاکہ زندگی کے تمام میدانوں میں اسلامی شریعت کو عملی شکل دی جائے اس مہم میں سے زکوٰۃ کی جمع اور اس کے شرعی مصارف میں خرچ کرنا ہے۔

۲.....زکوٰۃ کی پہلی مجلس کے فتاویٰ میں (۶۔د) جو بات آئی ہے مجلس اس کی تاکید کرتی ہے اور جس کا تعلق غیر مسلموں پر معاشرتی ذمہ داری کا ٹیکس مقرر کرنے کے ساتھ ہے جس سے ان کی مسلمانوں کے ساتھ برابری ہو جائے گی کہ مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے کا پابند کیا جاتا ہے۔

۳.....کمپنیوں سے پابندی کے طور پر زکوٰۃ جمع کرنے کے وقت یہ پابندی کمپنی کے تمام زکاتی اموال کو شامل ہوگی غیر مسلموں سے جو وصول کیا جاتا ہے اسے زکوٰۃ شمار نہیں کیا جائے گا۔

۴.....زکوٰۃ جمع کرنے کے التزام کے وقت مال حرام پر زکوٰۃ کی مقدار مقرر کی جائے گی جسے مصارف زکوٰۃ اور عمومی بھلائی کے کاموں میں صرف کیا جائے گا مساجد اور قرآن مجید کو مستثنیٰ رکھا جائے گا۔ اس کی خاص حساب میں وضاحت کی جائے گی اور اموال زکوٰۃ سے نہیں ملایا جائے گا۔

۵.....زکوٰۃ دینے کو لازم کرنے کی حالت میں حکمران کے لئے جائز ہے یا جو اس کا نائب ہو اس کے لئے اجازت ہے کہ وہ ظاہری اموال کے مالکوں کو اپنے اموال کی زکوٰۃ کو اپنی شناخت کے ذریعے زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کرنے کی ذمہ داری سونپے رہے اموال باطنہ تو ان کا تصرف ان کے مالکوں کے حوالے ہے صرف اس کی رعایت رکھی جائے جو موجودہ دور میں پانچویں مجلس میں اموال کے ظاہری اور باطنی مشمولات کے بارے میں خصوصی سفارشات میں تحریر ہوا ہے۔

۶.....ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے مال کے لئے مخصوص فنڈ بنائے جائیں جو زکوٰۃ کے بیت المال کے درجہ میں ہوں جن میں زکوٰۃ کے اموال کو اس کے شرعی مصارف میں خرچ کرنے کے لئے رکھا جائے انہیں حکومتی عام خزانہ میں شامل نہ کیا جائے۔

اور چوتھی مجلس میں جو باتیں خاص سفارشات میں زکوٰۃ کے عاملین کے بارے میں آئی ہیں ان کی رعایت رکھی جائے۔

دوسرے موضوع کی سفارشات ''سامان تجارت کی زکوٰۃ''......مجلس (سامان تجارت کی زکوٰۃ) کے موضوع کے

بارے میں خاص فتاویٰ اور سفارشات صادر کرانے کی امید دلاتی ہے یہاں تک کہ موضوع بحث میں مزید جدید اضافے شامل ہو جائیں اور جسے آئندہ مجلس میں پیش کیا جائے۔

تیسرے موضوع ''صدقہ فطر'' کی سفارشات اور فتاویٰ: ۱.....صدقۂ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے جس کے پاس اپنی اور جن کا نان نفقہ اس پر لازم ہے کی خوراک ہو اور یہ صدقہ عید کے دن اور اس کی رات واجب ہوتا ہے اور اس کی یہ ملکیت اس کی ضروری حوائج سے زائد ہو۔ اس پر اپنی بیوی اور ان کم سن بچوں کا صدقۂ فطر بھی لازم ہے جن کے پاس مال نہیں۔ اس کی وہ اولاد جن کا خرچ اس پر لازم نہیں ان کا صدقۂ فطر بھی اس پر واجب نہیں۔ یا اس کے وہ خدام اور جن لوگوں کا بوجھ بطور مدد اس نے اپنے ذمہ لیا جیسے یتیم، طالب علم یا فقیر وغیرہ۔

۲: صدقۂ فطر میں واجب..... کھجور کا ایک صاع (خاص پیمانہ) یا جو اور کشمش یا گندم کا ایک صاع ہے صاع ایک ناپ ہے جس میں موجودہ دور کے اوزان سے وزن کی جانے والی چیزوں کی دو کلو اور چوتھائی تقریباً گندم کی گنجائش ہوتی ہے۔

۳.....صدقہ فطر میں اصل تو وہ اجناس دی جائیں جن کی صراحت حدیث میں ہے اسی طرح علاقے والوں کی عمومی خوراک دینا بھی جائز ہے جیسے چاول، گوشت اور دودھ۔ غیر منصوص اجناس میں منصوص علیہ کا اعتبار کرتے ہوئے ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ لہٰذا گوشت میں مثلاً اس کی اتنی قیمت کا اندازہ لگایا جائے گا جو ایک صاع گندم کے مساوی ہو، اسی طرح باقی منصوص علیہ اجناس کا حکم ہے۔ واجب کی قیمت کو نقداً صدقۂ فطر میں دینا جائز ہے مطلوبہ جہات کے لئے سالانہ اس قیمت کا اندازہ کرنا ممکن ہے۔

۴.....اصل تو یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا جائے، عید کے دن سے اس کی تاخیر کرنا حرام ہے اس کی قضاء واجب ہے اسی طرح بوقت ضرورت آغاز رمضان میں اس کا دینا جائز ہے۔

۵.....صدقۂ فطر میں وکیل بنانا جائز ہے۔

۶.....زکوٰتی اداروں کے لئے صدقۂ فطر کی اشیاء کو نقدی میں منتقل کرنا یا اس کا برعکس کرنا حسب حاجت اور مصلحت جائز ہے۔

۷.....جس شہر میں صدقۂ فطر واجب ہوا وہاں سے صدقہ فطر دینے والے کا اپنے ان عزیز واقارب کی طرف شہر سے باہر منتقل کرنا جائز ہے جو زیادہ قریبی اور محتاج ہوں۔ اسی طرح جس شہر میں صدقۂ فطر واجب ہوا جب وہاں کوئی محتاج نہ ہو تو اسے منتقل کرنا جائز ہے۔

۸.....صدقۂ فطر دینے کے لئے نیت ضروری ہے نیت کے قائم مقام ثابت اجازت بھی ہے خواہ عادتاً اور عرفاً ہو۔

۹.....زکوٰتی اداروں کے لئے مصلحت یا حاجت کے تحت اپنے پاس جمع شدہ فطرانوں کو عید کے بعد تک صرف کرنے کے لئے مؤخر کرنا جائز ہے۔

۱۰.....فطرانوں کو فقراء اور مساکین پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے اور زکوٰۃ کے عام مصارف میں بھی ان کا صرف جائز ہے۔

چوتھا موضوع (زیورات کی زکوٰۃ کی سفارشات): ۱.....مجلس نے عورتوں کے استعمال کے زیورات کے بارے میں زکوٰۃ کے حکم کے موضوع کو پیش کیا ہے، اس موضوع کے مختلف پہلوؤں سے مطالعہ اور سابقہ ابحاث کے اردگرد ہونے والی بحث سننے کے بعد واضح ہوا کہ اسلامی فقہ میں دو جہتیں ہیں: ایک جہت سے عورتوں کے زیورات پر زکوٰۃ واجب ہے۔ دوسری جہت سے زکوٰۃ واجب نہیں۔

مجلس کے شرکاء کی رائے ہے کہ دونوں جہتوں میں سے ہر ایک دلیل وجحت ہے یوں اہل کے لئے دو میں سے ایک رائے کو اختیار کرنے جوان کے نزدیک راجح ہو گنجائش ہے۔

۲.....عورتوں کے زیورات میں عدم زکوٰۃ کی رائے اختیار کرنے کے وقت مندرجہ ذیل ضوابط کی رعایت کی جائے گی۔

الف.....کہ استعمال مباح ہو، لہٰذا حرام استعمال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جیسے آرائش کے زیورات کے مجسمے۔

ب.....زیورات سے آرائش مقصود ہو اور جب ان سے مقصود ذخیرہ اندوزی یا تجارت ہو تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔

ج.....برتنوں کی ضرورت کا استعمال مستقبل بعید کے لئے نہ ہو جیسے کوئی اسے اپنی بیوی کو زیور میں دینے کے لئے بطور ذخیرہ رکھے۔

د.....زیورات آرائش کے لئے باقی رہیں اسی بنا پر وہ ٹوٹے ہوئے زیورات جن کا استعمال بناوٹ اور کانٹ چھانٹ کے بعد ہوتا ہے ان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ اور ان کے ٹوٹنے کے وقت سے سال کا شمار کیا جائے۔

ہ.....استعمالی زیوروں کی مقدار معاشرے کے اعتدال اور ارادے کی حدود میں ہو البتہ جب فضول خرچی اور اسراف کی حد تک پہنچ جائیں تو حد اعتدال سے زائد میں زکوٰۃ واجب ہے۔

۴.....سونے کا نصاب بیس ۲۰ دینار (۸۵ گرام تقریباً) خالص سونے کے اور چاندی کا نصاب خالص چاندی کے ۲۰۰ درہم (۵۹۵ گرام تقریباً) جس زیور میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ اس میں وزن کے نصاب کا اندازہ لگایا جائے گا نہ کہ وزن اور بناوٹ سے حاصل ہونے والی قیمت کا۔

۵.....جو زیورات سونے، چاندی کے علاوہ ہیں جیسے یاقوت اور جواہرات موتی، جب تک یہ تجارت کے لئے نہ ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں جیسا کہ مجلس کے شرکاء نے مندرجہ ذیل اپیل پیش کرنے میں رائے ظاہر کی ہے: زکوٰتی اداروں کے لئے بوقت ضرورت اپنی آمدنیوں سے قرض لینے کی اجازت ہے، تاکہ زکوٰۃ کے مصارف میں صرف کیا جائے جب تک کوئی شرعی مانع یا دینے والی کی شرط نہ ہو۔

ساتویں مجلس.....حکومت کویت میں زکوٰۃ کے موجودہ مسائل کے لئے ۲۲۔۲۴ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ بمطابق ۲۹/۴۔۱/۵/۱۹۷۹ء سفارشات اور فتاویٰ

عام سفارشات.....مجلس اسلامی ملکوں کی حکومتوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ زندگی کے مختلف حصوں ثقافتی، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی میں اسلامی شریعت کو عملی شکل دیں خصوصاً زکوٰۃ کے فریضے پر جمع اور صرف کے لحاظ سے توجہ کرنا ان تمام وسائل کے ذریعے جن سے اس کی حفاظت ہو اور مقررہ طریقوں کی رہنمائی ہو اور اس کے لئے خصوصی ادرے قائم کرکے اور تحقیق کے وہ مراکز لگا کر جو اس کے آثار کی نگرانی پر کام کرتے اور معاشرتی واقتصادی زندگی میں اس کے اہداف کو ثابت کرنے کے لئے سب سے کامیاب طریقے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

۲.....عربی اور اسلامی جامعات (یونیورسٹیوں) میں زکوٰۃ کا حساب اور فقہ پڑھانے کی گنجائش تاکہ ایسے افراد کی تیاری ممکن ہو جن کے پاس زکوٰۃ سے متعلق حسابی اور فقہی سوجھ بوجھ ہو۔

۳.....عربی اور اسلامی حکومتوں میں اکاونٹ آفس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال کے حساب کتاب کا اہتمام کرے تاکہ زکوٰۃ کو عملی شکل دینے میں یہ موجودہ اہتمام کئی اسلامی، عربی علاقوں، کمپنیوں اور اداروں کے موافق ہو۔

۴.....زکوٰۃ کی عالمی شرعی کمیٹی متعلقہ افراد کے لئے زکوٰۃ کے متعلق ہونے والی ابحاث، حلقوں اور دوروں کا انتظام کرے۔ کیونکہ

فریضہ زکوٰۃ کو عملی شکل دینے میں اس کے اچھے ثمرات ہیں۔

۵.....زکوٰۃ کے میدان میں موجودہ تحقیقات میں اکاونٹ آفیسرز، ماہرین اقتصادیات ومعاشیات اور مفتیان حضرات کے درمیان تعاون میں کوشش وگنجائش ہونا اور مضمون کی حفاظت کے ساتھ فقہی اصطلاحات کے لئے آسانی پیدا کرنا۔

پہلا موضوع: معنوی حقوق کی زکوٰۃ: ا.....معنوی حقوق (جیسے تجارتی نام، تجارتی الاؤنس تالیف اور ایجاد کرنا) کی عرف میں ایک مالی قیمت ہوتی ہے جو شرعاً معتبر ہے، جن میں شرعی ضوابط کے مطابق تصرف کرنا جائز ہے اور یہ حقوق محفوظ ہوتے ہیں ان پر تعدی اور ظلم جائز نہیں۔ اور یہ مجمع فقہ اسلامی کی اس قرارداد کے موافق ہے جو اسلامی کانفرنس کی طرف سے کویت میں ۱۴۰۹ھ اس کے پانچویں اجلاس میں صادر ہوئی۔

۲.....تالیف اور ایجاد کے حقوق میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ اس میں زکوٰۃ کی ساری شرطیں معدوم ہیں لیکن جب اس کا نفع ہو تو اس کے نفع اور پیداوار پر مال مستفاد (حاصل ہونے والے مال) کا حکم لاگو ہوگا۔

۳.....تجارتی نام، تجارتی الاؤنس اور تجارتی علامت کو جب تجارت کی نیت سے خرید لیا جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ متصل ہو یا جدا ہو جب سامان تجارت کی باقی تمام شرطیں موجود ہوں۔

۴.....ایجادی پروگراموں میں آغاز کار سے ہی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے (جیسے کمپیوٹر کے پروگرام) اور جو ان کے حکم میں ہیں جو افراد اور کمپنیاں دوسروں کی کوششوں سے تیار کرتی ہیں ان کا مالک ہوتی ہیں تجارت کی نیت ہوتی ہے۔ ❶

دوسرا موضوع.....تجارتی سامان کی قیمت لگانے کے لئے حسابی اصول:

سب سے پہلے: تجارتی سامان کی قیمت لگانے سے مقصود......اس کا نقدی قیمت کے ساتھ اندازہ لگانا جو نصاب کی پہچان پر موقوف ہے اور زکوٰتی مدکی حد پر اس مقدار کی پہچان کے لئے جس کا نکالنا واجب ہے مبنی ہے۔

دوم: لگانے کی جگہ......جس میں تجارت کی خصوصی شرطیں مکمل طور پر پائی جائیں اصول ثابتہ کی پیشی کے بغیر اور وہ شرطیں یہ ہیں:

ا.....سامان کی ملکیت کے وقت تجارت کی نیت مکمل ہو۔

۲.....سال مکمل ہونے سے پہلے مہارت کے قصد کے بغیر مالک کی نیت تجارت سے حصول میں تبدیل نہ ہو۔

سوم.....مجلس اول کے فتویٰ (۱۱) میں جو بات آئی ہے اسے مکمل کرنے اور اس کی وضاحت کرنے کے لئے: ہر تاجر کی تقویم اس کے حساب سے ہوگی خواہ وہ تھوک کا تاجر ہو یا پرچون کا۔ اس نرخ سے جس کے ذریعے سال کے وقت (تبادلہ کی قیمت) اس کے لئے عموماً خریداری ممکن ہو اور وہ بیچنے کے نرخ (بازاری قیمت) تاریخی تکلف اور دفتری مشقت سے مختلف ہوتا ہے۔

چہارم......جب زکوٰۃ واجب ہونے کے دن اور ادائیگی کے دن کے نرخوں میں تبدیلی ہو جائے تو وجوب کا نرخ معتبر ہے خواہ قیمت کم ہو یا زیادہ۔

پنجم.....منتقل ہونے والے سامان کی زکوٰۃ قبضہ سے اس کے مالک پر ہے متعین سامان کی ملکیت صرف عقد کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے اور خریدے ہوئے سامان میں بیان کرنے سے قبضہ کے ذریعے، حاصل ہو جاتی ہے لہٰذا وہ سامان جس کا وصف راستے پر ہوا

---

❶.....یعنی پیداوار کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

اگر بکنگ کی جگہ میں حوالے کرنے کی بنیاد پر خریدا گیا ہو (F-O-B) تو لوڈر کے حوالہ کرنے سے ملکیت میں داخل ہوجاتا ہے۔ اور جو وصولی کی جگہ (C-I-F) میں حوالے کرنے کی بنیاد پر خریدا گیا ہو وصولی اڈا پر پہنچنے کے وقت ملکیت میں داخل ہوگا۔ تجارت کے سامان کی تقویم نرخ کی بنیاد پر اس کی موجودگی کی جگہ میں ملکیت کے حصول کے بعد ہوگی۔

ششم.....جب تجارت کے اموال مختلف سکوں پر مشتمل ہوں یا سونا چاندی ہو تو جس مقدار واجب کا دینا واجب ہے اس کی معرفت کے لئے اس سکہ سے تقویم (قیمت لگائی جائے) گی جسے تاجر نے اپنے سامان تجارت کی تقویم کے لئے اختیار کیا ہے اور یہ وجوب کے دن رائج نرخ کے ذریعے ہوگا۔

ہفتم.....وہ قرضے جو تاجر کے لئے ہیں (قرضہ جاتی ذمہ داریاں، ارور قبضہ کے تجارتی چیک) پورے مبلغ سے ان کی قیمت لگائی جائے گی جب ان سے قرض چکانے کی امید ہو اگر امید نہ ہو تو اس سے یہ مقدار ختم کردی جائے گی تو جس کی فی الحال امید ہو اس کی اور جس کا قبضہ بعد میں ہوگا اس کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

ہشتم: الف.....زکوٰۃ کے حساب کے لئے آسان موازنہ، جن میں سے تجارتی سامان ہے میمون ابن مھران کے مقولہ کے مطابق جو یہ ہے (جب تم پر زکوٰۃ واجب ہو تو دیکھو تمہارے پاس نقدی یا بیچنے کے لئے جو سامان ہے اس کی نقدی قیمت لگا لو اور جو قرض کی زیادہ مقدار ہو اس کا حساب کرلو پھر اس میں سے جو قرض کی مقدار ہو اسے کم کرلو اور باقی ماندہ کی زکوٰۃ دو) معادلہ (موازنہ) یہ ہے:

زکوٰۃ واجبۃ ......(سامان تجارت + نقدی + غیر پر جن قرضوں کی امید ہے۔ وہ قرضے جو تاجر پر ہیں) x قمری سال کے لحاظ سے زکوٰۃ کا تناسب ۲.۵٪ یا شمسی سال کے لحاظ سے ۲.۵۷۷٪

ب.....تجارت کی زکوٰۃ کے حساب کے لئے زکوٰتی موجودات کو ان کے اسٹاک زکوٰۃ کے وجوب کے دن کی تقویم کے ساتھ دیکھا جائے گا اور یہ کام مالی مرکز کے گوشوارہ کی مدد سے منافع، اور خساروں کے حساب میں، نفع اور نقصان کے وجود سے قطع نظر کرکے کیا جائے گا۔

ج.....زکوٰۃ کے وجوب اور ادائیگی کے عمومی شرائط کی رعایت کرنا ضروری ہے جس کے ساتھ سامان تجارت کی خصوصی شرطیں شامل ہیں۔

نہم: الف.....سامان تجارت کی تقویم نصاب تک پہنچنے کی پہچان کے لئے سونے کے نصاب جو خالص سونے کے ۸۵ گرام کے مساوی ہے کی بنیاد پر کی جائے گی۔

ب.....جو مواد لفافہ سازی اور تھیلوں کے لیے تیار ہو اس کی علیحدہ قیمت نہیں لگے گی۔ جب انہیں الگ بیچنے کی غرض سے نہ خریدا ہو اور جب تجارتی سامان بیچنے کے لئے ان سے کام لیا جاتا ہو تو اس وقت ان کی قیمت لگائی جائے گی جب اس سامان کی قیمت میں اضافہ کریں جیسے خاص قسم کے بیگ اور اگر قیمت میں اضافہ نہ کریں جیسے لفافہ بنانے کے کاغذ تو وہ تقویم میں داخل نہیں ہوں گے۔

تیسرا موضوع: موجودہ دور کے تجارتی سامان کی صورتوں کی زکوٰۃ کے احکام سب سے پہلے

قرضے کے چیکوں کی زکوٰۃ.....قرضے کے چیکوں کے وہ اموال جن کی شرعی ضوابط پورے ہوں ان میں زکوٰۃ کی مکمل شرطیں پائے جانے کے ساتھ سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

دوم: زمینوں کی زکوٰۃ...... زمین اگر زرعی ہے تو اس کی پیداوار کی زکوٰۃ دے گا فصلوں اور پھلوں کی زکوٰۃ یا وہ زمین تجارت کے لئے ہوگی تو سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

اور اگر اجرت وٹھیکہ پر دینے کے لئے ہو تو زکوٰۃ کی مکمل شرطیں پائے جانے کے ساتھ اس کے ذرائع آمدنی پر سال گزرنے کے عرصہ میں زکوٰۃ ہوگی اور اگر ذاتی نفع کے لئے ہو جیسے اس میں گھر تعمیر کرنے کے لئے اسے خریدا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

سوم: خام مال (جو صنعت کاری میں شامل ہو) اور امدادی سامان کی زکوٰۃ

۱...... خام مواد جو صنعتی مادہ کی ترکیب میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو جیسے گاڑیاں بنانے میں لوہے کا استعمال اور صابن سازی میں تیل کا استعمال تو اس میں زکوٰۃ اس کی اس قیمت کے مطابق ہوگی جس سے سال کے اختتام پر اسے خریدنا ممکن ہو اس کا انطباق ان حیوانات پر ہوتا ہے جو کھیل تماشے کے لئے تیار ہوں اور ان نباتات (پودوں) پر بھی ہوتا جو شجر کاری کے لئے تیار کیے گئے ہوں۔

۲...... امدادی مواد جو صنعتی مادہ کو ترکیب دینے میں شامل نہیں ہوتا جیسے ملوں کارخانوں میں ایندھن تو اصول ثابتہ کی طرح اس میں زکوٰۃ نہیں۔

چہارم: تیار اور نا تمام سامان کی زکوٰۃ...... تیار اور نا تمام سامان میں زکوٰۃ واجب ہے۔ سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی جو سال کے آخر میں اس کی اس قیمت کے مطابق ہوگی جب اسے رکھا گیا۔

پنجم: سامان تجارت کے ساتھ زکوٰۃ کے دوسرے سبب کا جمع ہونا...... جب سامان تجارت کے ساتھ زکوٰۃ کا دوسرا سبب جمع ہو جائے جیسے چوپائے یا فصلیں تو سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

ششم: بکی ہوئی چیز کی پسندیدگی کی مدت میں زکوٰۃ...... پسندیدگی کی مدت میں بکی ہوئی چیز کی زکوٰۃ اس کے مالک کے ذمہ ہے۔

ہفتم: سلم کی زکوٰۃ...... سلم کے ثمن میں زکوٰۃ بیچنے والے (مسلم الیہ) کے ذمہ ہے جس تاریخ سے اس نے ثمن پر قبضہ کیا ہے اس سے سال کو شمار کیا جائے گا رہی بکی ہوئی چیز (مسلم فیہ) تو اس کی زکوٰۃ قبضہ سے پہلے قرضوں کی زکوٰۃ کی طرح ہے اور قبضہ کے بعد اگر وہ تجارت کے لئے ہو تو سامان تجارت کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

ہشتم: آرڈر کی زکوٰۃ...... آرڈر کی زکوٰۃ میں سلم کی زکوٰۃ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

خاتمہ...... اگرچہ میں نے جو کچھ لکھا ہے تحقیق اور دقت نظر سے لکھا ہے پھر بھی میں اسلامی فقہ کی عظمت، بارآوری اور شمولیت کے سامنے ششدر و حیران رہ جاتا ہوں پھر فقہاء کی گہری نظر، ان کی فصاحت کی وسعت و احاطہ اور مسائل کی تلاش اور فروعات و جزئیات کا استقصاء و اندازہ کرنے میں ان کی حرص و دلچسپی وہ بھی ان کے صحیح نہج میں، اور وہ یہ ہے کہ فقہ فروعی شے ہے کسی متعین نظریہ کے بیان پر تفریع میں اعتماد نہیں کیا جاتا، پھر اس کے متعلقہ امور سے بحث کی جاتی ہے۔ میں اس بات کی صراحت کرتا ہوں کہ میں نے ان تمام باتوں کا احاطہ نہیں کیا جو فقہاء کرام نے اپنے اپنے مذاہب میں تفریعات اور جزئیات کی صورت میں بیان کی ہیں۔ اور نہ یہ مرا مقصد تھا کہ فقہی مذاہب سے فقہی فروعات کو جمع کروں میرا مقصد تو صرف عمومی نظریہ کی وضع کے لئے تمہید پیش کرنے والے فقہی موضوع کے اصول اور بحث کے ڈھانچہ کی بنیاد کے تصور کو وضع کرنا ہے ساتھ ساتھ کتاب میں بہت سے نظریات شامل کئے جائیں گے۔

پھر میں نے ہر بحث کے لئے بنیادی ڈھانچہ مقرر کرنے کے علاوہ پورا زور تحقیق مسائل کو منظم کرنے، موازنہ، اصل بنانے پر لگا دیا یعنی مذاہب کی تحقیق راجح رائے کی پہچان جو معتمد رائے ہو، بحث کو منظم کرنا، پیش کش اور بیان کرنا اس انداز سے ہو جو ہر موضوع کی مختلف چیزوں کو جمع کرے اور اس کے کئی اطراف کی معرفت ہو۔ وجہ تقابل یا ان میں اتحاد یا اختلاف وافتراق کی وجوہات پہچاننے کی خاطر مذہبی آراء میں موازنہ کرنا، جس میں کسی رائے کو ترجیح ہوگی یا نہیں ہوگی موجودہ فقہی ثروت پر باقی رکھتے ہوئے یہ کام کیا گیا ہے تاکہ سب لوگوں کے لئے وقت اور جگہ کے اختلاف کے ساتھ ان سے استفادہ کرنا ممکن ہو۔ رہا اصل بنانا تو وہ ہر مذہبی حکم کو اس کے معتبر مراجع کی طرف حسب استطاعت لوٹانا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے اس کی کوشش کی ہے کہ ہر مذہب کی دلیل بیان ہو کر رہے کیونکہ فقہی اختلاف ضرورت نہیں جن میں فقہاء معذور نہیں اس لئے کہ نص کے سمجھنے یا حدیث نبوی کے ثابت ہونے اور فقہیہ تک مقبول معتبر طریقے سے حدیث پہنچنے میں یا نہ پہنچنے میں یا مصالح اور عرف کی رعایت وغیرہ میں جو گنجائش واعتبارات ہیں ان میں اختلاف ہوسکتا ہے۔

اسلوب...... کے بارے میں بتاتا چلوں کہ میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ یہ کتاب واضح آسان اور تفصیلاً ہو۔ فقہاء کی جو عبارتیں دقیق اور مختصر ہونے کے ساتھ واضح تھیں اور ان میں کوئی اشکال بھی نہیں تھا تو میں نے ان سے اعراض نہیں کیا اور اگر ان میں کوئی پیچیدگی تھی تو میں نے دوسری عبارت کے ذریعے مراد کو واضح کر دیا جس میں کوئی الجھن اور سمجھنے کی دشواری نہ ہو میں نے مذاہب کی آراء کے درمیان جہاں تک ممکن ہوا ان شرائط کو لکھنے کے ذریعے جن پر اتفاق ہے آراء کی وحدت ظاہر کرنے کا ارادہ کیا ہے پھر شرط کے اضافہ کے ساتھ کسی بھی مذہب کی مخصوص رائے پر تنبیہ کر دی یا کوئی انفرادی قید لگا دی یا کسی بھی شرط کے سمجھنے ممانعت کے ذریعے ایسا کیا گیا ہے۔

جو مذاہب کی آراء میں نے جمع کی ہیں ان سے ایک مسلمان کو اطمینان ہوسکتا ہے ان میں سے وہ جس کی چاہے تقلید کرے بشرطیکہ اس کا فعل مکلف بننے کی شرعی حد سے چھٹکارا پانے یا کسی ممنوع یا گناہ میں پڑنے یا تقلید میں ہنسی مزاح یا فضول میں جس کی نہ ضرورت وحاجت ہو اور نہ معذوری رخصتوں کو تلاش کرنے کا سبب نہ بنے۔

اکثر وبیشتر میں نے مذاہب میں ترجیح دینے میں دخل نہیں دیا ہے تاکہ پڑھنے والا جس کے صحیح ہونے پر مطمئن ہوا سے بغیر مخصوص مذہبی تعصب کے اختیار کرلے۔ اور بسا اوقات میں نے ترجیح بھی دی ہے۔ عموماً جمہور کی رائے کو راجح قرار دینا ممکن ہے جب تک کوئی ایسی مصلحت ظاہر نہ ہو جس کا تقاضا اس کے مقابل رائے کو اختیار کرنے کا ہو اور ان شاذ آراء کی طرف تو میں نے بالکل توجہ نہیں دی جنہیں مجتہدین عظام نے مہمل قرار دیا ہے اور بعض جدت پسند مصنفین نے اس گمان سے انہیں زندہ وجاندار کر دیا کہ وہ سنت نبوی کا فقہ ہے۔ جس سے عوام التباس وشک میں پڑ جاتے ہیں۔ اور جمہور کے نزدیک راجح اور مستند رائے اور اس شاذ رائے کے منسوخ ہونے کی طرف یہ لوگ التفات نہیں کرتے۔ شاذ ونادر ہی میں نے کسی مذہبی حکم کو دوسرے مذہب کی کتاب سے نقل کیا ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مجھے آسانی سے اس مخصوص مذہب کی کتاب نہیں ملی۔

بسا اوقات کسی شخص کو حاشیہ میں کوئی راجح مذہبی رائے مل جاتی ہے یا کسی ایسی کتاب سے مطلع ہو جاتا ہے جس کا مطالعہ کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ کیونکہ مجھے کتابوں کے تمام حواشی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر اصل کتابوں سے مراجعت کی ہے لہٰذا اگر میں پڑھنے والے یا تحقیق کرنے والے کے لئے گوہر مقصود پیش کرنے میں کامیاب رہا تو یہی مراد ہے اور اگر کوتاہی ہوئی یا میں اصل حقیقت یا مطلب تک نہیں پہنچا تو یہ غیر مقصودی غلطی ہے۔ پڑھنے والا اگر مجھے غلطی کے مقام سے متنبہ کر دے تو اسے ثواب ملے گا۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے" ہر انسان کی بات چھوڑی اور لی جاسکتی ہے سوائے اس ستون والی ذات کے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اور مشہور مصنف عماد اصفہانی فرماتے ہیں: میری رائے یہ ہے آج جو انسان کوئی کتاب لکھتا ہے وہ کل یا پرسوں ضرور یہ کہے گا۔ اگر اس عبارت کو بدل دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگی۔ اگر یہ اضافہ کر دیا تو بہتر ہے۔ اور اگر اسے مقدم کر دیا جائے تو زیادہ اچھا

ہے اور اگر اس عبارت کو ترک کر دیا جائے تو زیادہ بھلی لگے گی۔ اور یہ سب سے بڑی عبرت ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمزوری تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے۔''

اس سب کے باوجود یہاں کتاب کے نکلنے اور عالم اسلام میں اس کی تقسیم اور دوسری زبانوں میں اس کے تراجم ہو چکنے اور نو سالوں میں اس کے بارہ ایڈیشن نکل جانے کے بعد دو باتیں ملحوظ رہیں کیونکہ یہ کتاب اپنے ساتھ کی کتاب (التفسیر المنیر) کی طرح حکومتی اور غیر حکومتی کتابوں میں زیادہ رواج پانے والی ہے۔

ا.....بعض لوگوں نے گمان کیا کہ میں مذہب حنفی کو دوسرے مذاہب سے اس لئے مقدم رکھتا ہوں کہ میں خود حنفی المسلک ہوں لیکن میں شافعی المسلک ہوں جب کہ میں نے تو مذہب حنفی کو اس لئے مقدم رکھا پھر مذہب مالکی پھر شافعی اور پھر حنبلی کو رکھا تاکہ سبقت زمانے کی ترتیب اور ان کے ائمہ کے پہلے ہونے کی رعایت رکھی جائے۔

نیز مذہب حنفی جسے میں بحث کا قاعدہ بناتا ہوں یہ تمام مذاہب میں سے زیادہ بارآور اور تفریعات پر مشتمل ہے اگرچہ مذہب شافعی دنیا میں زیادہ پھیلا ہے۔ جیسا کہ انڈونیشیا، ملائیشیا اور ایشیاء کا مشرقی جنوبی حصہ جو دو سولاکھ کو شامل ہے۔ اکراد، مصر، شام اور عمان وغیرہ کے علاقوں، جیسے کیرلا کے چورا ہے۔ جنوبی ہند میں کالی کٹ کا علاقہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے۔

۲.....ترجیح یا دقیق مفہوم میں اختیار جسے میں کبھی کبھار اپناتا ہوں وہ کسی خواہش یا کسی مذہبی تعصب کا نتیجہ نہیں۔ اور نہ دوسرے مذاہب پر فوقیت کی وجہ سے وہ تو دلیل کے کمزور ہونے یا فقیہ کی دوسری جدید رائے جسے وہ معتمد سمجھتا ہے یا میرے اندازے میں موجودہ مصلحت کے لئے راجح ثابت ہونے کی وجہ سے ہے اس سے وہ کسی مذہب کی رائے ہونے سے خارج نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس کے بعد اچھنبے یا تنقید کی کوئی وجہ یا علمی حقیقت سے بے نیازی برتی جائے اور یہ بھی معلوم ہے کہ میں یونیورسٹیوں میں پینتیس ۳۵ سال سے زائد عرصہ سے فقہ پڑھا رہا ہوں جو بھی ہو میں اس کام پر فخر محسوس کرتا ہوں جس نے فقہ کو طالب علم، فقیہ بننے والے اور محقق کے لئے آسان کر دیا ہے۔ اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس کی نعمت سے صالح اعمال کی تکمیل ہوتی ہے۔

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی استاد و پرنسپل شعبہ الفقہ الاسلامی واصولہ جامعہ دمشق کلیۃ الشریعۃ۔

اہم مراجع: فقہ حنفی......الخراج لابی یوسف۔ مطبعه سلفیه مصر (۱۳۵۲ھ)

المبسوط للسرخسی۔ طبعه اولی۔ مطبعه السعادة۔

الاموال لابی عبید۔ طبع قاهره۔ (۱۳۵۳ھ)

مختصر الطحاوی۔ مطبعه دار الکتب۔العربی مصر۔

تحفة الفقهاء۔ للسمرقندی۔ دارالفکر دمشق۔

البدائع للکاسانی۔ طبع اول۔

فتح القدیر شرح الهداية۔ ابن همام محمد بن عبدالواحد طبع مصطفی محمد قاهره۔

تبیین الحقائق۔للزیلعی۔ المطبعةالامیریة۔

الفتاویٰ الهندية۔ لجماعة من علماء الهند۔ المطبعة الامیرية۔

حاشية رد المحتار۔ لابن عابدین۔ علی الدر المختار للحصکفی، مطبعة البابی الحلبی مصر۔

اللباب شرح الکتاب للشیخ عبدالغنی المیدانی، مطبعة صبیح قاهره۔

مراقی الفلاح شرح نور الا یضاح للشیخ حسن بن عمار الشر نبلالی مطبعه علمیة مصر / ۱۳۱۵ھ۔
درالحکام فی شرح غرر الا حکام لملا خسرو، المطبعة الشرفیة (۱۳۰۴ھ)
الاشباہ و النظائر لابن نجیم مصری، دارالطباعة العامرة مصر /(۱۲۹۰ھ)
البحر الرائق لا بن نجیم،مطبعة البابی الحلبی مصر (۱۳۳۴ھ)
حجة اللہ البالغة للدهلوی، الطبعة الاولی مصر (۱۳۲۲ھ)

فقہ مالکی......المدونةالکبری۔ للامام مالک، روایة سحنون، مطبعةالسعادة (۱۳۲۳ھ)
المنتقی شرح المؤطا للباجی الا ندلسی، الطبعة الاولی۔
المقدمات المهدات لابن رشد القرطبی، مطبعة السعادة۔
بدایةالمجتهد، لابن رشد الحفید، مطبعة الاستقامة مصر۔
القوانین الفقهیة، لا بن جزی. مطعة النهضة فاس۔
مواهب الجلیل للخطاب. وها مشه التاج والا کلیل للمواق، الطبعة الاولی۔
الشرح الکبیر للدردیر. بحاشیة الدسوقی، مطبعة البابی الحلبی مصر۔
الفروق للقرافی، مطبعة البابی الحلبی۔
الشرح الصغیرللدردیر بحاشیة الصاوی، دارالمعارف مصر۔
فتح الجلیل علی مختصر العلامة خلیل للحروشی. طبعه اولی، ثانیة بولاق (۱۳۱۰ھ)
شرح فتح الجلیل علی مختصر خلیل للشیخ محمد علیس. مطبعة کبری ۱۲۹۴ھ۔
فتح العلی المالک فی الفتوی علی مذهب الا مام مالک، للشیخ علیس مطبعة التقدم مصر۔

فقہ شافعی......الام۔ للامام الشافعی. المطبعة الامیریه مصر۔
المهذب۔ لا بی اسحاق شیرازی، مطبعة البابی الحلبی۔
المجموع للامام النووی وتکملة. للعلامہ علی بن عبدالکافی السبکی و لشیخ
محمد نجیب۔ المطیعی. مطبعة ال[illegible] مصر۔
مغنی المحتاج۔ شرح المنهاج۔ للشربینی الخطیب، مطبعة البابی الحلبی. مصر۔
نهایةالمحتاج، الرملی، المطبعة البهیة المصریة
شرح الجلال المحلی للمنهاج بحاشیة القلیوبی وعمیرة، مطبعة [illegible]۔
حاشیه البجیرمی علی شرح الاقناع فی حل الفاظ ابی شجاع، للشربینی الخطیب.
مطبعة البابی الحلبی. مصر (۱۳۷۰ھ)
تحفة الطلاب بحاشیة الشرقاوی مطبعه البابی الحلبی مصر۔
الاشباہ والنظائر للسیوطی. مطبعة مصطفی محمد
الاحکام السلطانیةللماوردی. المطبعةالمحمودیة التجاریة مصر.

الميزان الكبرى للشعرانى وبهامشه رحمة الامة فى اختلاف الائمة لابى عبدالله دمشقى ازعلماء صدى، هشتم، مطبعة البابى الحلبى۔
كفاية الاخيار لابى بكر الحصنى، طبع قطر، طبع چهارم۔

فقہ حنبلی......المغنى لا بن قدامه الحنبلى،طبع سوم، دارالمنارة قاهره۔
كشاف القناع عن متن الا ناع للبهوتى مطبعة السنة المحمدية (فى بحث الجهاد)
ومطبعة الحكومة بمكة (فى البحوث الا خرى)
غاية المنتهى للشيخ مرعى بن يوسف، طبعه اولى،دمشق اور اس کی شرح، مطالب اولىٰ النهى، طبع المكتب الاسلامية دمشق۔
الا حكام السلطانية لابى يعلى، مطبعة البابى الحلبى۔
المحرر فى الفقه على مذهب الا مام احمد بن حنبل لابى البركات، مطبعة السندية المحمدية
فتاوىٰ ابن تيمية، مطبعة كردستان العلمية۔
السياسة الشرعية۔ لابن تيمية، طبع سوم۔
الطرق الحكمية فى السياسة الشرعية لا بن قيم الجورية، مطبعة الادآب، مصر۔
اعلام الموقعين عن رب العالمين، طبع قاهره، تحقيق محى الدين عبدالحميد۔
القواعد لابن رجب الحنبلى، طبع اول۔
الافصاح عن معانى الصحاح لابن هبيرةالحنبلى، مكتبه حلبية۔

فقہ ظاہریہ......المحلى لا بن حزم، مطبعة الامام مصر۔

فقہ شیعہ امامیہ......الكافى، للكلينى، طبع سنگی۔
المختصرا لنافع فى فقه الامامية، دارالكتاب العربى مصر۔
الروضة البهية شرح اللمعة الدمشقية، دارالكتاب العربى، مصر۔
مفتاح الكرامة للحسينى العاملى، مطبعه الشورى۔

فقہ شیعہ زیدیہ......مجموع الفقه للامام زيد، طبع ميلانو۔
البحر الزخار، لابن المرتضىٰ، طبع اول۔
الروضالنضير شرح مجموع الفقه الكبير للحسين الصنعانى، طبع اول۔
فقہ اباضیۃ......شرح النيل وشفاء العليل للشيخ محمد اطفيش، مطبعه سلفيه۔

تخریج وتحقیق حدیث شریف......جامع الاصول لابن الا ثير الجزرى، مطبعة السنة المحمدية مصر۔
المنتقى على المؤطا، مطبعة السعادة مصر۔
تنوير الحوالک شرح مؤطامالک، مطبعةالحلبى قاهره۔

نصب الراية فی تخريج احاديث الهداية، للحافظ الزيلعی، تبیین الحقائق کے مصنف کے علاوہ والے۔طبع اول۔
التلخيص الحبير، لا بن حجر، طبع مصر۔
مجمع الزوائد للهيثمی، مكتبة القدسی مصر۔
المقاصدالحسنة للسخاوی، مكتبة الخانجی مصر۔
الجامع الصغير و الفتح الكبير للسيوطی،طبع البابی مصر۔
كشف الحقاد مزيل الالتباس للعجلونی، مكتبة القدسی۔
اسنی المطالب لحوت البيروتی۔
المعجم المفهرس لا لفاظ الحديث النبوی، للفيف،مستشرق، مطبعه بريل لندن۔
سبل السلام للصنعانی طبع دوم۔
نيل الاوطار للشوكانی، مطبعه عثمانيه مصريه۔
الا لمام فی احاديث الا حكام لا بن دقيق العيد، دار الفكر دمشق۔

قصیدۂ تقریظ......اس کتاب اور تفسیر منیر کے بارے میں تقریظ وتعریف کے کئی قصائد خواتین وحضرات کی طرف سے مجھے موصول ہوئے۔جن میں سے ایک قصیدہ یہ ہے۔

جس کا عنوان (علم کا سرچشمہ) اور یہ بات بھی علم میں رہے کہ جن مصنفین اور شعراء نے مجھ سے خط وکتابت کی ہے میں انہیں نہیں جانتا۔انہی میں سے معزز شاعر فرید الحسینی ہیں جنہوں نے میری طرف اپنا یہ قصیدہ بھیجا۔

آپ کے پاس چشمہ ہے جسے میں پی نہیں سکتا، کیا میں پانی سے پیاسا اور مسلوب محروم کر دیا جاؤں گا میں علم کا بڑا شوقین ہوں لیکن آپ کی روشن کتاب کی طرف اس کی سواری ہے۔میں شریعت کے طریقہ اور معرفت کے لحاظ سے خواہش رکھتا ہوں اور فقہ اس کی بلندترین مطلوب ومقصود چیز ہے۔آپ نے انوکھا پسندیدہ مجموعہ تیار کر دیا جس میں آپ کو برکت دی گئی اس کے لئے خوشخبری ہو جو اس خزانے کو سمیٹنے والا ہے جو آپ دینے والے ہیں۔اس کے ضمن میں روشن مسائل ہیں جو عقل کو تھامے ہوئے ہیں اور اسی میں ہر عجیب اور نفیس رائے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کے منہ بولتے دلائل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کے براہین ہیں، اسلام میں وہ بات سب سے زیادہ دانش مندانہ ہے جو آیت یا صحیح حدیث سے لی گئی ہو اگر لوگ مجھے تکلیف میں سے سب سے بہتر کا انتخاب کرنے کا اختیار دیں تو آپ کی فقہ کی جامع کتاب ہے جس سے پسندیدہ باتیں ملتی ہیں۔تفسیر منیر کے ذریعے آپ نے کتنی عقلوں کو روشن کر دیا، کیونکہ آپ وہ روشنی دینے والے ہیں۔

جس کا ستارہ ہویدا اور چمکدار ہے۔زحیلی اپنی تالیف میں چمک کے اعتبار سے چھا گئے۔جیسا کہ زحل ستارہ بلند ہے جس کا جلوس اترا رہا ہے۔آپ نے ایسا راستہ اختیار کیا ہے جس پر آپ ہی اولین جانے والے ہیں۔شریعت کے لئے آپ کو سلام آپ وہ ہیں جس کا راستہ الگ ہے آپؒ نے فقہ کے ہر مشکل مسئلہ کی شرح کر کے وضاحت کر دی ہے اللہ دے آپ کی خوبی ہے آپ علم دوست انسان ہیں۔

آپ کے مکرم ہاتھوں کے جام کے گھونٹ سے وہ شخص کامیاب ہو گیا جس کی روشن ضمیر کے پاس حاجت وضرورت ہو۔